شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ
کی سوانح اور حیرت انگیز علمی و عملی کمالات

کمالاتِ عثمانی

المعروف بہ تجلیات عثمانی

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید
حضرت مولانا محمد انوار الحسن انور قاسمی رحمہ اللہ
کے مستند قلم سے

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

کمالاتِ عثمانیؒ

المعروف بہ

تجلیاتِ عثمانیؒ

برصغیر کی جماعتِ حقہ کے ایک عظیم مفسر کے علمی کمالات کا مکمل جائزہ

کمالاتِ عثمانیؒ

المعروف بہ

تجلیاتِ عثمانیؒ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ
کی علوم دینیہ کے تناظر میں تحقیقی سوانح

مصنف

پروفیسر مولانا محمد انوار الحسن انور قاسمی رحمہ اللہ

پیش لفظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

کمالاتِ عثمانی المعروف بہ تجلیات عثمانی

تاریخ اشاعت.....................جمادی الاخری ۱۴۲۷ھ
ناشر.............................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.......................سلامت اقبال پریس ملتان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ... چوک فوارہ... ملتان   مکتبہ رشیدیہ..... راجہ بازار...... راولپنڈی
ادارہ اسلامیات.........انارکلی.......لاہور   یونیورسٹی بک ایجنسی.....خیبر بازار...... پشاور
مکتبہ سید احمد شہید.....اردو بازار.....لاہور   ادارۃ الانور.......بنوری ٹاؤن........کراچی نمبر 5
مکتبہ رحمانیہ...... اردو بازار ...... لاہور   مکتبہ المنظور الاسلامیہ.... جامعہ حسینیہ.....علی پور
مکتبہ المنظور الاسلامیہ......بلاک زیڈ......مدینہ ٹاؤن.......بنک روڈ.......فیصل آباد
ادارہ اشاعت الخیر – حضوری باغ روڈ – ملتان
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K   119-121- HALLIWELL ROAD
ISLAMIC BOOKS CENTERE   BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے ادارہ جن امورِ خیر میں مصروفِ عمل ہے ان میں ایک امر یہ بھی ہے کہ اپنے اکابر کی ان نادر ونایاب کتب کی اشاعت کا شرف بھی ادارہ کو حاصل رہا ہے جنہیں دیگر اشاعتی ادارے کاروباری حوالہ سے شائع نہیں کرتے۔ مثلاً آبِ حیات۔ تقریرِ دلپذیر، تقاریرِ شیخ الہند، کلید مثنوی اور ایسی دیگر عربی' اردو اور انگریزی کی نایاب کتب بتوفیقہ تعالیٰ ادارہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء**

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی شخصیت عوام وخواص میں محتاجِ تعارف نہیں۔

آپ بانی پاکستان محمد علی جناح مرحوم کے معتمد رہے' قیامِ پاکستان کے سلسلہ میں آپ کے روشن کردار اور اعلیٰ خدمات پر تاریخ کا ورق ورق گواہ ہے۔

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بروز جمعۃ المبارک جشنِ پاکستان منایا جانے لگا تو بانی پاکستان کی تحریک پر علماءِ ربانی کی تاریخی خدمات کا اعتراف کے طور پر پاکستان کو یہ شرف نصیب ہوا کہ پہلی پرچم کشائی علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے دستِ مبارک سے ہوئی۔

کراچی میں علامہ صاحب نے تلاوتِ قرآن مجید اور مختصر تقریر کے بعد اپنے متبرک ہاتھوں سے آزاد پاکستان کا پرچم آزاد فضا میں لہرا کر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کو اسلامی ممالک کی برادری

میں شامل کیا۔ پاکستانی افواج نے پرچم پاکستان کی پہلی سلامی دی اور سب نے مل کر یہ ترانہ پڑھا۔

اونچا رہے گا نشاں ہمارا (اللہ کے فضل سے)

حضرت کی دیگر خدمت جلیلہ پر فائق آپ کی لکھی ہوئی "تفسیر عثمانی" مقبول و معروف ہے۔ ادارہ اس مبارک تفسیر کے مختلف ایڈیشن شائع کر چکا ہے اور اب بفضلہٖ تعالیٰ سعودیہ کی مطبوعہ جدید تفسیر (علاوہ تفسیر عثمانی) کے انداز میں شائع کر رہا ہے جس میں قرآنی آیت کے بالمقابل ترجمہ اور پورے صفحہ کی متعلقہ تفسیر اُسی صفحہ پر مکمل دی گئی ہے۔ تاکہ قاری کو متعلقہ تفسیر تلاش کرنے کی زحمت نہ ہو ان شاء اللہ جدید خوبیوں سے آراستہ یہ ایڈیشن سابقہ تمام نسخوں پر فائق اور مطالعہ میں نہایت آسان ہوگا جس سے ایک صفحہ اگلے صفحہ پر دیا گیا ہے۔

اللہ پاک محض اپنے فضل سے ادارہ کی ان خدمات کو شرف قبولیت سے نوازیں آمین۔

زیر نظر کتاب "تجلیات عثمانی" حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ کے حالات و کمالات پر مشتمل ہے جس میں علوم دینیہ کے تناظر میں آپکی شخصیت کے کمالات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی عرصہ سے نایاب تھی اہل علم اپنے ذوق کی تسکین کیلئے احباب سے مستعار نسخہ حاصل کر کے اس کا فوٹو محفوظ رکھتے۔ اللہ کی توفیق سے ادارہ حسب روایت اس نادر مجموعہ کو جدید خوبصورت کمپیوٹر کتابت میں شائع کر کے اہل علم کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

اللہ پاک کتاب ہٰذا کے مصنف مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن قاسمی رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائیں جو محنت بسیار سے علامہ عثمانی رحمہ اللہ کے یہ مبارک نقوش محفوظ و مربوط فرما گئے۔

اللہ پاک ہمیں تازیست اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

والسلام
محمد اسحٰق عفی عنہ
(جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ ..... بمطابق جولائی 2006)

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾	وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے ①
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾	بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے ②
خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ	مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے ③
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾	اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور وہ ہرگز مومن نہیں ④
يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾	دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور در اصل کسی کو دغا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سوچتے ⑤
فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ	انکے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی اللہ نے انکی بیماری ⑥

---

① اہل ایمان کے دو گروہ: یعنی اہل ایمان کے دونوں گروہ مذکورہ بالا دنیا میں ان کو ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں ان کو ہر طرح کی مراد ملے گی جس سے معلوم ہو گیا کہ جو صحبتِ ایمان اور اعمال حسنہ سے محروم رہے ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہیں اب ان دونوں فریق مومنین سے فارغ ہو کر اس کے آگے کفار کی حالت بیان کی جاتی ہے۔

② ان کفار سے خاص وہ لوگ مراد ہیں جن کیلئے کفر مقرر ہو چکا اور دولت ایمان سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیئے گئے (جیسے ابوجہل ابولہب وغیرہ) ورنہ ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ جو کافر تھے مشرف باسلام ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔

③ ان کے دلوں پر مہر کردی (یعنی حق بات کو نہیں سمجھتے) اور کانوں پر مہر کردی (یعنی سچی بات کو متوجہ ہو کر نہیں سنتے) اور آنکھوں پر پردہ ہے (یعنی راہ حق کو نہیں دیکھتے) کفار کا بیان ختم ہو گیا اب منافقوں کا حال اس کے بعد تیرہ آیتوں میں ذکر کیا جاتا ہے۔

④ یعنی دل سے ایمان نہیں لائے جو حقیقت میں ایمان ہے صرف زبان سے فریب دینے کے لیے اظہار ایمان کرتے ہیں۔

⑤ یعنی ان کی فریب بازی نہ خدائے تعالیٰ کے اوپر چل سکتی ہے کہ وہ عالم الغیب ہے اور نہ مومنین پر کہ حق تعالیٰ مومنین کو بواسطہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر دلائل و قرآن کے منافقین کے فریب سے آگاہ فرما دیتا ہے بلکہ ان کی فریب بازی کا وبال اور اسکی خرابی حقیقت میں ان ہی کو پہنچتی ہے مگر وہ اس کو اپنی غفلت اور جہالت اور شرارت سے نہیں سوچتے اور نہیں سمجھتے اگر غور کریں تو سمجھ لیں کہ اس فریب بازی سے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اس کا نتیجہ خراب ہم کو پہنچ رہا ہے حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ (شاہ عبدالقادر صاحبؒ) کے فہم کی نزاکت ہے کہ یہاں یَشْعُرُوْنَ کا ظاہر ترجمہ چھوڑ کر اسکا ترجمہ بوجھنا یعنی سوچنا فرمایا۔ ⑥ یعنی ان کے دلوں میں نفاق اور دین اسلام سے نفرت اور مسلمانوں سے حسد اور عناد یہ مرض پہلے سے موجود تھا اب نزول قرآن اور ظہور شوکت اسلام اور ترقی و نصرت اہل اسلام کو دیکھ دیکھ کر ان کی وہ بیماری اور بڑھ گئی۔

ادارہ سے شائع ہونیوالی جدید تفسیر عثمانی سے ایک صفحہ

فہرست عنوانات

پیش لفظ (مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ)	۲۰
مختصر تعارف مولانا محمد انوار الحسن شیرکوٹی	۲۸
تقریظ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۳۴
تعارف	۳۵
سوانح علمی علامہ شبیر احمد عثمانی	۳۸
دانائے شریعت	۴۰
عالم دین ونائب رسول ﷺ	۴۰
داعی الی اللہ	۴۶
محقق اسلام	۴۷
شیخ زاہد الکوثری اور محقق عثمانی	۴۹
نقاد عثمانی....علامہ کا مرکز علم ومکتب فکر	۵۰
سند حدیث علامہ شبیر احمدؒ عثمانی	۵۱
سلسلہ وشجرۂ نسب خاندان ولی اللہی	۵۲
خصوصی نسبتیں	۵۵
نسبت ولی اللہی	۵۵
نسبت قادری	۵۶
نسبت قاسمی	۵۷
نسبت محمودی	۵۹
علماء حق اور حضرت عثمانی	۶۳
جانشینی شیخ الہند	۷۰
نسبت اشرفی	۷۵
علامہ عثمانی اور معاصرین	۷۷
سیدنا مولانا محمد انور شاہ صاحب	۷۷
حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم	۸۰
حضرت مولانا حسین احمد مدنی	۸۰
سید عبد الحمید	۸۱
حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی	۸۱
شہید ملت خان لیاقت علی	۸۱
مولانا عبد الماجد دریا آبادی	۸۲
مسٹر ابو سعید بزمی	۸۲
تصنیفات عثمانی اور مقالات' خطبات'	۸۲
۱-اسلام	۸۳
۲-العقل والنقل	۸۳
۳-اعجاز القرآن	۸۵
۴-الشہاب	۸۵
۵-معارف القرآن	۸۵
۶-الدار الآخرہ	۸۶

۷۔ ہدیہ سنیہ	۸۶
۸۔ قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے	۸۷
۹۔ تحقیق خطبۂ جمعہ	۸۷
۱۰۔ تشریح واقعہ دیوبند	۸۷
۱۱۔ سینمابینی	۸۸
۱۲۔ لطائف الحدیث	۸۸
۱۳۔ حجاب شرعی	۸۸
۱۴۔ تکوّر الشمس	۸۹
۱۵۔ خوارق عادات	۸۹
۱۶۔ الروح فی القرآن	۸۹
۱۷۔ تفسیر عثمانی ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ	۹۰
شیخ الہند کے ترجمہ قرآن اور تفسیر عثمانی	۹۰
۱۸ شرح بخاری شریف	۹۳
۱۹۔ فتح الملہم شرح مسلم ۳ جلد	۹۴
سیاسی مکاتیب، سیاسی خطبات، بیانات	۹۷
۱۔ ترک موالات	۹۸
۲۔ پیغام بنام مؤتمر کل ہند جمعیۃ العلماء	۹۸
۳۔ مراسلات سیاسیہ	۹۹
۴۔ مکالمۃ الصدرین	۹۹
۵۔ خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ	۱۰۰
۶۔ خطبہ صدارت جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس	۱۰۰
۷۔ خطبہ صدارت ڈھاکہ	۱۰۱
۸۔ قراردادِ مقاصد کی تائید	۱۰۱
مولانا عثمانی کا مقام تفسیر اور تفسیر عثمانی	۱۰۲
خواجہ عبدالحئی صاحب تفسیر مولانا عثمانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں	۱۰۳ ۱۰۳
سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں	۱۰۴
تقریظ علماء "فخر المدارس" (کامل)	۱۰۵
تجزیہ	۱۰۶
فن تفسیر کی اہمیت	۱۰۷
تفسیر کے لفظی اور اصطلاحی معنی	۱۰۸
تفسیر کی اہم ذمہ داری	۱۱۱
تفسیر میں نور ایمانی اور تقویٰ	۱۱۳
موضوع علم تفسیر و غرض	۱۱۴
تفسیر عثمانی	۱۱۶
ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ	۱۱۶
مفسر میں شان تقویٰ اور علوم تفسیری میں بصیرت کی ضرورت محقق عثمانی اور خوف الٰہی	۱۱۷ ۱۱۷
طلب عفو و استغفار	۱۱۸
علوم تفسیر میں مہارت	۱۱۹
علامہ مفسر اور حدیث و اصول حدیث	۱۱۹
مولانا عثمانی اور علم فقہ	۱۲۲
مفسر اور تصوف	۱۲۳
حضرت مفسر اور علم الاسرار کے ماتحت نماز بری باتوں سے روکتی ہے	۱۲۵ ۱۲۵

مفسر اور انکی علم کلام اور علم الحقائق میں	۱۲۷
مہارت نیز برق رعد اور صاعقہ کی حقیقت	۱۲۷
حضرت مفسر اور علم الاخلاق	۱۳۰
مفسر اور تاریخ وجغرافیہ	۱۳۱
علم الحساب اور مفسر علامؒ	۱۳۳
علم القرأت اور علامہ عثمانی	۱۳۳
علم السیر	۱۳۴
ضال کی حقیقت	۱۳۵
علم اللغت	۱۳۶
علامہ مفسر کا علم صرف ونحو میں درک	۱۳۷
مفسر علامؒ اور طبی تحقیق شہد	۱۳۸
مفسر علامؒ اور علم لغت وعلم ہیئت	۱۴۰
مولانا محمد یٰسین صاحب شیرکوٹی	۱۴۰
مولانا خیر الدین اور مولانا محمد علاالدین	۱۴۲
مولانا مظہر الدین صاحب شیرکوٹی	۱۴۲
مولانا عبدالقیوم صاحب شیرکوٹی	۱۴۲
مفسر اور علم کتب سماویہ	۱۴۳
بشارت احمد صلی اللہ علیہ وسلم	۱۴۵
علامہ عثمانی اور سیاست	۱۴۶
تفسیر عثمانی کی خصوصیات	۱۴۸
تفسیر عثمانی اہلسنت والجماعت کے	۱۴۸
عقیدہ کے پیش نظر لکھی گئی ہے	۱۴۸
رفع عیسیٰ علیہ السلام اہلسنت والجماعت	۱۴۹
حوالہ ہائے کتب واقوال	۱۵۳
متقدمین اور علامہ مفسر	۱۵۴
تائید شیخ الہندؒ	۱۵۴
تائید شاہ عبدالقادر صاحبؒ	۱۵۵
تحسین شاہ عبدالعزیز صاحبؒ	۱۵۵
حوالہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ	۱۵۶
حضرت شیخ الہند سے اختلاف	۱۵۷
امام رازیؒ	۱۵۷
ابن کثیر اور حضرت عثمانی	۱۵۸
حضرت شیخ الہند، حضرت شاہ عبدالقادر	۱۵۹
اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تفسیروں	۱۵۹
سے مولانا عثمانی کا اختلاف	۱۵۹
اختلاف	۱۶۰
رواسرائیلیات	۱۶۲
معاصرانہ وسعت قلبی اور مخالفانہ علمی چشمک	۱۶۴
تحقیق یاجوج وماجوج وسد سکندری	۱۶۵
اختلافات صحابہ میں تطابق	۱۶۷
مفسر علامہ کی تفسیر میں حکمت اور موعظت	۱۶۸
کا بہترین امتزاج	۱۶۸
تفسیر میں راہ اعتدال	۱۶۸
قرآن کریم کی تفسیر قرآن کریم سے	۱۶۹
قرآن کی تفسیر حدیث نبوی سے	۱۷۰
فرقوں کی تردید اور نام سے سکوت	۱۷۱

فرقہ قادیانیت اور ختم نبوت	۱۷۱
فرقہ شیعہ اور مودت قربیٰ	۱۷۳
فرقہ بریلوی اور بشریت	۱۷۳
فرقہ نیچری اور معجزات	۱۷۴
اہل حدیث اور مسئلہ تقلید	۱۷۵
بت پرستوں، عیسائیوں، شیعوں، بریلویوں پیر پرستوں اور قبر پرستوں کو فہمائش	۱۷۵ ۱۷۵
جدید تعلیم یافتہ طبقہ کیلئے سامان ضیافت تفسیر عثمانی میں تمثیلات کا رنگ اعجاز شہاب ثاقب اور ان کی حکمت	۱۷۶ ۱۷۶ ۱۷۶
تفسیر عثمانی میں مطالعہ حیوانات و نفسیات	۱۷۷
سلیمان علیہ السلام اور منطق الطیر	۱۷۷
چیونٹی اور سلیمان علیہ السلام	۱۷۸
شہد کی مکھی کا شعور	۱۷۹
عجائب قدرت اور مظاہر فطرت کا جدید رنگ	۱۸۰
آب شور اور آب شیریں کا باہم ملنا اور جدا رہنا	۱۸۰
آسمانوں کا وجود	۱۸۱
تحقیقات جدیدہ	۱۸۲
وجدان صحیح اور ذوق سلیم	۱۸۳
اصلاح امت مسلمہ	۱۸۳
مشکلات قرآن کا سلیس حل	۱۸۴
سماع موتیٰ	۱۸۴
علم الغیب	۱۸۵

منطقیانہ مگر حکیمانہ رنگ استدلال میں وحی کی ضرورت	۱۸۸ ۱۸۸
تفسیری مستثنیات تنبیہات	۱۹۹
لطیف ظرافت	۱۹۰
ادب	۱۹۱
نکتہ آرائی	۱۹۳
حل وتحقیق لغات	۱۹۳
تنور	۱۹۴
اشعار کا استعمال	۱۹۴
تفسیر عثمانی میں روحانیت ونورانیت	۱۹۶
ربط مضامین آیات قرآنیہ	۱۹۷
اعمال واوراد قرآنی	۱۹۹
علامہ عثمانی کا مقام حدیث	۲۰۱
محدث پاکبار اور حصول حدیث	۲۰۳
سند حدیث	۲۰۳
تعلیم حدیث	۲۰۳
تدریس حدیث	۲۰۴
مہارت علم حدیث	۲۰۵
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور دیگر اکابر کی محققانہ آراء	۲۰۶ ۲۰۶
فتح الملہم شرح مسلم	۲۰۸
فتح الملہم کے خصائص اور اوصاف	۲۰۹
علامہ شیخ محمد زاہد کوثری کی نظر میں	۲۰

مکتوب علامہ عثمانی بنام شیخ علامہ ابوالکوثری۔ ۲۱۱
تقریظ علامہ کوثری مصری بر "فتح الملہم" ۲۱۴
مولانا عبد الماجد اور فتح الملہم ۲۱۹
فتح الملہم کی خصوصیات خود شارح کی نظر میں ۲۲۱
مقدمہ فتح الملہم کے اقتباسات ۲۲۳
حدیث کا نام حدیث کیوں رکھا گیا ۲۲۴
تسمیۂ حدیث اور امام سیوطی رحمہ اللہ ۲۲۴
حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عثمانیؒ ۲۲۴
تعریف خبر ۲۲۸
تعریف سنت ۲۲۹
اقسام حدیث ۲۳۰
تعریف حدیث صحیح ۲۳۱
کتابت حدیث وتدوین ۲۳۳
صحت حدیث میں امام بخاری کا کام ۲۳۶
آسمان فتح الملہم کے چاند تارے ۲۳۹
شرح مقدمہ مسلم ۲۴۰
مقدمہ امام مسلم ۲۴۳
سند یا طریق حدیث ۲۴۵
۲۔ حدیث یا متن ۲۴۵
راویوں کی تمیز میں محدث پاکباز کی گہری نظر ۲۴۵
حدیث جبرئیل اور ایمان اسلام احسان کی حقیقت ۲۴۸
تحقیق احسان ۲۵۰
محدث پاکباز کے حدیثی خصائص ۲۶۱
اسمائے رواۃ کا صحیح تلفظ ۲۶۱
تحقیق الفاظ ۲۶۳
نزول عیسیٰ بن مریم کے اسرار وحکم ۲۶۴
مسئلہ ایصال ثواب بہ میت ۲۷۱
علامہ عثمانی کی مذہبی بے تعصبی ۲۷۴
مخالفت ایصال ثواب کا رد قرآن اور ۲۷۷
حدیث کی روشنی میں معتزلہ کا رد ۲۷۷
ایصال ثواب عقلاً درست ہے ۲۸۰
اپنے اساتذہ کی تحقیقات اور ان کے حوالے ۲۸۲
ذکر شاہ ولی اللہؒ ۲۸۶
ذکر شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی ۲۸۶
ذکر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۲۸۷
ذکر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا ۲۸۷
ذکر حضرت شاہ انور صاحب رحمہ اللہ ۲۸۸
وجدان اور ذوق سلیم ۲۸۹
کتابوں کے حوالے ۲۹۴
حدیث کا ماخذ قرآن سے ۲۹۴
جدید شبہات کا ازالہ ۲۹۸
تحقیق الفاظ ۳۰۲
اشتقاق لفظ ۳۰۳
محدثین سے اختلاف اور جرح ۳۰۵
۱۲۔ رفع یدین ۳۰۷
روایت ودرایت ۳۰۹

قصیدہ مبارکباد بخدمت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ	۳۱۵
فقہ عثمانی	۳۱۹
علم فقہ	۳۲۰
تعریف علم فقہ	۳۲۰
فقہ متقدمین کی نظر میں	۳۲۰
علم فقہ تاریخ کی روشنی میں	۳۲۳
احناف	۳۲۳
امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ	۳۲۴
تلامیذ امام اعظم	۳۲۷
1: امام ابو یوسف	۳۲۷
2: امام محمد بن حسن	۳۲۷
ائمہ تقلید اور باہم رواداری	۳۲۷
تقلید کی وجہ	۳۲۹
اجتہاد کا بند	۳۳۰
پاکستان و ہندوستان کے فقیہ علما	۳۳۱
فقہ عثمانی کے دو حصے	۳۳۱
عہد عثمانی کے اہم تقاضے اور فقیہ دانشمند کی فقہی موشگافیاں	۳۳۲ ۳۳۲
مکتوب گرامی مفتی محمد شفیع صاحبؒ	۳۳۳
نقل تحریر مفتی محمد شفیع صاحب	۳۳۳
نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کا مکتوب	۳۳۴ ۳۳۴
مکتوب عثمانی بنام مفتی محمد شفیع صاحب	۳۳۶
تنقیح	۳۴۰
قیاس فقہی	۳۴۲
لیگ کی شرکت فقہ کی روشنی میں	۳۴۲
مسئلہ قومیت فقہ کی روشنی میں	۳۴۵
اسلام کا دو قوموں کا نظریہ	۳۴۵
اسلامی قومیت کا بحر نا پیدا کنار	۳۴۶
فقیہ دانش مند اور فقہی معلومات و استدلال	۳۴۷
موتمر مکہ میں شاہ ابن سعود اور علمائے اسلام کے سامنے علامہ شبیر احمدؒ کی تقاریر	۳۵۰ ۳۵۰
قبر پرست مسلمانوں کے متعلق فقہ کی روشنی میں علامہ عثمانی کی تقریر	۳۵۲ ۳۵۲
انہدام تعمیرات قبور و زیارت مقامات مقدسہ	۳۵۵
غلاف کعبہ	۳۵۸
غلاف کعبہ کے اسراف و عدم اسراف پر علامہ عثمانی کی تقریر	۳۵۸ ۳۵۸
تطہیر جزیرۃ العرب	۳۵۹
تقریر علامہ شبیر احمد عثمانی بسلسلہ تجویز جزیرۃ العرب و تردید تقریر رکیس وفد روسی	۳۶۰ ۳۶۰
قاسم ثانی متکلم اسلام علامہ شبیر احمدؒ عثمانی اور ان کا مقام علم الکلام میں	۳۶۴ ۳۶۴
تعارف علم الکلام	۳۶۵
دور صحابہ	۳۶۷
فرقہ معتزلہ	۳۶۷

اہل سنت والجماعت ۳۶۸
فرقہ اشعریہ ۳۶۸
فرقۂ ماتریدیہ ۳۶۹
علم العقائد والکلام ۳۷۰
علم الکلام کو علم الکلام کہنے کی وجہ ۳۷۱
علم الکلام میں حسب اقتضائے زمانہ لچک ۳۷۱
کلام القدماء و کلام المتاخرین ۳۷۱
فخر المتکلمین حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم دیوبند ۳۷۳
علم کلام کی تجدید ۳۷۵
قاسم ثانی کیوں؟ ۳۷۷
نقش اول سے نقش ثانی کی عقیدت ۳۸۴
قاسم ثانی مولانا عثمانی قاسم اول کی تفسیر و زبان ہیں ۳۸۹
علامہ عثمانی کا علم کلام میں مستقل انفرادی مقام ۳۹۸
علامہ عثمانی علم کلام کا پہاڑ یا طوفاں خیز سمندر ہیں ۴۰۵
علامہ کی کلامی تصانیف ۴۰۵
وجود باری تعالیٰ ۴۰۶
اثبات توحید اور علامہ عثمانی ۴۰۹
اثبات نبوت محمدیؐ ۴۱۲
اثبات رسالت محمدیؐ ۴۱۴
معجزات و خوارق عادات ۴۱۵
خوارق کا وجود قوانین فطرت کا دشمن نہیں ۴۱۵
معجزہ قانون قدرت کے مطابق ہے ۴۱۶
معجزہ ایک اعلیٰ قانون قدرت ہے ۴۱۶
معجزہ انسان کو عالم بالا کی چمک دکھاتا ہے ۴۱۷
تمام قوانیں فطرت پر ہمارا احاطہ نہیں اور نہ ہو سکتا ہے ۴۱۷
عالم ارواح ۴۱۸
کسریٰ کے چودہ کنگرے گر جانا ۴۲۰
آنحضورؐ کا پس پشت سے دیکھنا ۴۲۰
آنحضورؐ کے سامنے درختوں کا جھکنا ۴۲۱
شہاب ثاقب اور یا ساریۃ الجبل ۴۲۲
قیامت میں اعمال کا ریکارڈ اور وزن ۴۲۳
مسئلہ ختم اللہ علیٰ قلوبھم ۴۲۵
مسئلہ تقدیر ۴۲۷
انسان مختار ہے یا مجبور ۴۳۰
معراج جسمانی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۴۳۲
پرواز کا نیا ریکارڈ ۴۳۳
ختم نبوت مولانا عثمانی کی نظر میں ۴۳۴
علامہ عثمانی اور علم منطق و فلسفہ ۴۳۹
مولانا عبدالوہاب بہاری منطقی اور علامہ شبیر احمد عثمانی ۴۴۰
فلسفہ عثمانی اور مولانا سراج احمد صاحب ۴۴۰

مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے	۴۴۱
علامہ کی فلسفیت پر ریمارکس	۴۴۱
عبدالقادر صاحب اور عثمانی کا فلسفہ	۴۴۱
تعارف روح ومادہ	۴۴۲
فلسفہ روح	۴۴۵
روح حادث اور مخلوق ہے	۴۴۶
روح امر ربی کس طرح ہے	۴۴۷
امر کیا ہے	۴۴۷
کن جوہر مجرد کیسے بنا	۴۴۸
خواب کی مثال	۴۴۸
روح کا بدن سے علیحدہ ہو کر بھی تعلق رہتا ہے	۴۴۹
تجرد النفس	۴۵۱
مناظرہ ومباحثہ ومکالمہ	۴۵۹
تردید قادیانیت اور علامہ عثمانی	۴۶۰
کراچی میں علامہ کا آریوں سے مناظرہ	۴۶۱
مکالمہ	۴۶۳
عثمانی اور تبلیغ اسلام	۴۶۳
تبلیغ کی فرضیت	۴۶۴
تبلیغ کا آغاز	۴۶۵
حکیمانہ رنگ	۴۶۵
حاضر جوابی اور مسئلہ کی تہہ تک رسائی	۴۶۵
گفتگو میں بذلہ سنجی اور حقیقت کی ملاوٹ	۴۶۶
قوت فیصلہ	۴۶۷

جواب کی لاجوابی	۴۶۸
سوامی جی کی دلیل	۴۶۸
جواب عثمانی	۴۶۸
آریوں کا اعتراض	۴۶۹
جواب عثمانی	۴۶۹
شبہ	۴۶۹
جواب عثمانی	۴۶۹
شعلہ مقال مقرر وخطیب	۴۷۰
خطابت کی تعریف	۴۷۰
علامہ کی خطابت کے جائزے	۴۷۴
مولانا کی جادو بیانی	۴۷۵
حق بیانی	۴۷۶
تقریر علامہ شبیر احمد عثمانی ممبر مجلس	۴۷۸
دستور ساز مملکت پاکستان روشنی کا مینار	۴۷۸
درس کی خصوصیات	۴۸۶
لسان الغیب کا مطالعہ کتب	۴۸۶
ادبی مقام	۴۸۷
اردو ادب	۴۸۷
علامہ عثمانی کے اردو ادب پر اہل علم	۴۸۸
وادب کے خیالات جہاندیدہ ادیب	۴۸۸
سلاست وفصاحت	۴۸۹
ادبی شگفتگی	۴۸۹
متانت وبلاغت	۴۸۹

شوخی اور کہنگی کے درمیان	۴۸۹
ادبی جامعیت	۴۸۹
انگریزی ساخت کی اردو مولانا محمد علی	۴۹۰
جوہر کی رائے	۴۹۰
اسلامی ادب	۴۹۰
ادب کی تعریف اور ادیب	۴۹۱
قدیم وجدید تنقیدوں کا معیار	۴۹۲
علامہ کا ادبی ارتقا	۴۳۹
ادبی اور خطابی خدمات	۴۹۴
القاسم کی مضمون نگاری اور مقصد	۴۹۴
ادب کی خدمات	۴۹۴
المحمود	۴۹۵
اعجاز القرآن	۴۹۶
مکاتیب وخطوط	۴۹۶
شاعری	۴۹۶
مرکبات اضافی وتوصیفی	۴۹۷
مولانا عثمانی کا ایک ذومعنی اور عجیب	۴۹۷
لفظ کا استعمال	۴۹۷
محاوروں اور روزمروں کا استعمال	۴۹۸
مولانا عثمانی اور مولانا نذیر احمد دہلوی	۴۹۹
فصیح وبلیغ جملے اور شہرت یافتہ اقوال	۵۰۰
منتخب عبارتیں	۵۰۲
شوخی تحریر کا خالص ادبی رنگ	۵۰۲
رنگ استعارہ	۵۰۳
محاکات	۵۰۴
علامہ شبلی	۵۰۵
محتاط جامع ومانع نثر نگاری	۵۰۶
اظہار مدعا پر قدرت الفاظ شیشۂ	۵۰۷
قلب عثمانی میں تنویر فہمی	۵۰۷
عربی اور انگریزی الفاظ کا بہترین	۵۰۹
پیوند واستعمال	۵۰۹
تنقیدات عثمانی	۵۰۹
تنقید کے لفظی اور اصطلاحی معنی	۵۱۰
تفسیر قصص قرآنی میں ادبیت کا رنگ	۵۱۵
اقتباس قصہ موسیٰ علیہ السلام از تفسیر عثمانی	۵۱۶
شاعری	۵۱۸
منتخبہ اشعار مرثیہ	۵۲۰
رباعیات	۵۲۲
عربی ادب	۵۲۴
مولانا عثمانی کی عربی گفتگو اور تقریریں	۵۲۵
علامہ کی عربی تحریر وتقریر پر سید سلیمان کی رائے	۵۲۵
خطبہ استقبالیہ عربی میں	۵۲۸
لجنۃ الاصلاح کی سرپرستی	۵۲۸
الموتمر الاسلامی کا پس منظر اور اسلامی بلاک	۵۲۹
صدارت عرب پاکستان ثقافتی انجمن	۵۲۹

بیان مولانا شبیر احمد عثمانی ۵۳۰
فی المؤتمر الاسلامی کراچی ۵۳۰
خطبہ مولانا شبیر احمد عثمانی رئیس المؤتمر الدائم ۵۳۶
فارسی ادب ۵۴۰
تقریظ از بیت الفضل دیوبند ۵۴۴
مکتوب عثمانی بنام شاہ ایرانی ۵۴۵
فارسی گفتگو ۵۴۵
ڈاکٹر شبیر احمد عثمانی ۵۴۵
سیاست عثمانی ۵۴۶
سیاست کی اہمیت اور سیاست دان ۵۴۷
کی ذمہ داری ۵۴۷
ذمہ داری سے بچنا مردانگی نہیں ۵۸۴
مقامات امانت ۵۴۹
سیاست وخلافت ۵۴۹
سیاست کے لغوی اور اصطلاحی معنی ۵۵۰
علامہ کا سیاسیات میں محتاط اقدام ۵۵۱
کیا علامہ سیاست دان نہ تھے؟ ۵۵۲
علم وعقل ۵۵۳
شفایابی اور تسلی ۵۵۴
سیاست دانی ۵۵۵
شہید سہروردی کی رائے ۵۵۵
مولوی تمیز الدین صدر دستور ساز اسمبلی کی رائے ۵۵۵
ملکی حکومت ۵۶۶
علماء اور سیاست ۵۶۶
حضرت مجدد الف ثانی ۵۷۷
شریعت اسلام اور سیاست ۵۷۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا خلاصہ ۵۷۱
علماء کی سیاست کے مختلف رنگ ۵۷۸
خدمات اسلامی وملکی اور سیاسیات عثمانی ۵۷۳
دور اول ۵۷۳
جنگ عظیم کا پس منظر ۵۷۷
جنگ کی فوری وجہ ۵۷۸
محاذ ترکی ۵۷۹
ترکی کے انقلاب کا دوسرا رخ مصطفےٰ ۵۸۰
کمال کا عروج ۵۸۰
فوجی کیبنٹ ۵۸۱
فتح سمرنا اور تھریس نیز قسطنطنیہ سے ۵۸۴
یونانیوں اور اتحادیوں کا کوچ ۵۸۴
ترکی میں خلافت کی بجائے جمہوریت ۵۸۳
حضرت عثمانی کی سیاسیات کا پس منظر ۵۸۴
علامہ عثمانی اور جنگ بلقان ۵۸۵
دار العلوم دیوبند اور چندہ ہلال احمر ۵۸۶
تحریک خلافت اور علامہ ۵۸۹
تحریک خلافت ۱۹۱۹ء ۵۸۹
علامہ عثمانی اور جمعیۃ العلماء ہند دہلی ۵۹۳
جمعیۃ العلماء کی بنیاد ۵۹۳

خطبہ عثمانی کے اقتباسات ترک موالات ۵۹۵
تحقیق لفظ موالات ۵۹۵
کفار کے ساتھ خرید و فروخت ۵۹۷
کفار کی رسوم میں شرکت ۵۹۸
انکشاف حقیقت ۶۰۱
جمعیۃ العلماء کے تیسرے سالانہ جلسہ میں شرکت ۶۰۳
جمعیۃ العلمائے ہند کا چوتھا اجلاس ۶۰۴
جمعیت العلمائے ہند کا چھٹا اجلاس ۶۰۶
گیارہواں اجلاس ۶۰۶
جمعیۃ العلمائے ہند میں علامہ کی خدمات ۶۱۰
تحریک پاکستان اور علامہ عثمانی چوتھا دور ۶۱۱
جمعیۃ العلماء سے علیحدگی ۶۱۱
مسلم لیگ میں شرکت اور اس کی وجہ ۶۱۲
اعلان شرکت اور اس کا اثر ۶۱۳
صدارت کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام ۶۱۴
اعلانات عثمانی ۶۱۵
کفار سے مدد لینا ۶۱۶
حسن اخلاق کی نصیحت ۶۱۷
حضرت عثمانی اور مولانا مدنی ۶۱۸
ایک لاہور کے رضاخانی کا قول ۶۲۰
دانش دیوبندی ۶۲۰
علامہ عثمانی نے دارالعلوم دیوبند کی لاج رکھ لی ۶۲۱
برسر مطلب ۶۲۲
مکالمۃ الصدرین ۶۲۳
مولانا حفظ الرحمن صاحب ۶۲۴
علامہ عثمانی ۶۲۴
سوالات حضرت عثمانی ۶۲۴
جمعیۃ العلماء کا فارمولا ۶۲۵
باطنی جائزہ ۶۲۸
لیگ میں علامہ کی سرگرمی ۶۲۹
قلیل حرکت میں مزید برکت ۶۲۹
خطبہ صدارت صوبہ پنجاب جمعیۃ العلمائے اسلام ۶۳۲
علامہ کی پیشین گوئی ۶۳۳
حضرت تھانوی کی علامہ کو مبارکباد ۶۳۵
میرٹھ کانفرنس ۶۳۵
لاہور' کانپور کانفرنس ۶۳۵
بمبئی کانفرنس ۶۳۶
بجنور' سہارنپور' مظفرنگر' لکھنؤ کے دورے ۶۳۶
دہلی کنونشن ۱۹۴۶ء اور علامہ ۶۳۶
پاکستان اور بھارت کی حد بندی ۶۳۷
صوبہ سرحد کی رائے شماری اور مسلم ۶۳۸
لیگ کی کامیابی ۶۳۸
مسلم لیگ کونسل دہلی ۶۳۸
پاکستان میں اصلاحی نظام ۶۳۸
عثمانی اور جناح ملاقات ۶۴۰
تعین حدود اور منزل ۶۴۱

استقلال ۶۴۲
پاکستان میں آمد ۶۴۳
دستور ساز اسمبلی پاکستان کے جلسے ۶۴۳
تلاوت قرآن کریم اور علامہ ۶۴۳
اہل پاکستان کی خدمت ۶۴۳
لامکانی ۶۴۴
علامہ عثمانی کالونی کراچی ۶۴۴
علامہ عثمانی ہائی سکول ۶۴۴
پاکستان عرب ثقافتی انجمن کی صدارت ۶۴۴
اسلامک ایجوکیشنل سوسائٹی ۶۴۴
جمعیۃ اخوت اسلامیہ کی صدارت ۶۴۵
رئیس جامعہ عباسیہ وخیر المدارس ۶۴۵
مسئلہ کشمیر ۶۴۵
ترغیب جہاد ۶۴۵
جہاد کا فتویٰ ۶۴۵
دستور ساز اسمبلی میں کشمیر پر تقریر ۶۴۶
وفات قائد اعظمؒ ۶۴۶
دستور سازی ۶۴۶
اسلامی قانون سازی ۶۴۶
قرارداد مقاصد ۶۴۶
علامہ کا حکومت کو چیلنج ۶۴۷
مملکت پاکستان کے لئے حضرت عثمانی ۶۴۷
کے مرتب کردہ بنیادی اصول ۶۴۷
دار العلوم اسلامیہ ۶۴۸

◆

پیش لفظ

از: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

حضرت والد صاحبؒ نے جن اکابر کی صحبت اٹھائی، اور جن سے آخر وقت تک خصوصی تعلق رہا، ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ بھی شامل ہیں۔ آپ کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی علمی اور سیاسی زندگی کے بارے میں مفصل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ نے ہدایہ کا کچھ حصہ اور صحیح مسلم حضرت مولانا ہی سے پڑھی تھی اور جب مولانا ڈابھیل میں صحیح بخاری کا درس دیتے تھے تو ایک مرتبہ بیماری کی بنا پر تدریس سے معذور ہو گئے۔ اس موقع پر مولانا نے اپنی جگہ صحیح بخاری کا درس دینے کے لئے حضرت والد صاحبؒ کو نامزد فرمایا۔ حضرت والد صاحبؒ اس وقت دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہو چکے تھے۔ مولانا کی فرمائش پر ڈابھیل تشریف لے گئے اور چند ماہ وہاں مولانا کی جگہ صحیح بخاری کا درس دیا۔

پھر جب قیام پاکستان کے لئے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے ملک گیر جدوجہد کرنا شروع کی اور اس غرض کے لئے جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا تو حضرت والد صاحبؒ اس پوری جدوجہد میں مولاناؒ کے دست و بازو بنے رہے اور اس غرض کے لئے ملک کے طول و عرض میں دورے کئے۔ متعدد مقامات پر جہاں مولانا تشریف نہیں لے جا سکتے تھے، حضرت والد صاحبؒ کو اپنی جگہ بھیجا اور سرحد ریفرنڈم کے موقع پر پورے صوبہ سرحد کا دورہ کرتے ہوئے والد صاحبؒ کو اپنے ساتھ رکھا۔

پاکستان بننے کے بعد یہاں اسلامی دستور کی جدوجہد کا آغاز ہوا، تو شیخ الاسلام حضرت

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ ہی کی دعوت پر حضرت والد صاحبؒ پاکستان تشریف لائے۔ انہی کی ہدایت پر تعلیمات اسلامی بورڈ میں شامل ہوئے، جو اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ پھر مولانا کی وفات تک ہر اہم معاملے میں ان کے شریک کار رہے اور حضرت مولانا کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت بھی آپ ہی کو حاصل ہوئی۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ پاکستان کے صف اوّل کے معماروں میں شامل تھے۔ قائد اعظم اور نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم تقسیم ملک کے وقت آپ کو اپنے ساتھ پاکستان لے آئے تھے اور مغربی پاکستان میں پاکستان کا پرچم سب سے پہلے مولانا ہی نے لہرایا۔

اگر آپ چاہتے تو یہاں اپنے لئے بہت کچھ دنیوی ساز و سامان اور عہدہ و منصب حاصل کر سکتے تھے، لیکن مولاناؒ نے آخر وقت تک درویشانہ زندگی گزاری۔ اپنے لئے کوئی ایک مکان بھی حاصل نہ کیا، بلکہ وفات کے وقت تک دو مستعار لئے ہوئے کمروں میں مقیم رہے اور اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ نہ آپ کا کوئی بنک بیلنس تھا، نہ ذاتی مکان تھا، نہ ساز و سامان۔

۱۹۴۸ء میں جب حضرت والد صاحبؒ پاکستان تشریف لائے تو روزانہ شام کے وقت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے پاس جانے کا معمول تھا۔ راقم الحروف اس وقت بہت کم سن تھا اور اکثر والد صاحبؒ کے ساتھ مولانا کی خدمت میں چلا جایا کرتا تھا۔ اس زمانے میں کراچی میں کوئی معیاری علمی مرکز نہیں تھا، کوئی علمی کتب خانہ بھی نہ تھا۔ لہٰذا جب کسی علمی مسئلہ کی تحقیق مقصود ہوتی تو مولانا حضرت والد صاحبؒ کے پاس تشریف لے آتے۔ کیونکہ والد صاحبؒ اپنے ساتھ اپنی ذاتی کتابوں کا ذخیرہ لے کر آئے تھے۔ چنانچہ ہمارے مکان پر علمی و فقہی مجلسیں رہتیں اور مولانا اپنے ضعف و علالت کے باوجود علمی پیاس بجھانے کے لئے تین منزلہ مکان کی سیڑھیاں طے کر کے پہنچ جایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کو تحریر اور تقریر دونوں کا منفرد ملکہ عنایت فرمایا تھا۔ خاص طور سے آپ کی خطابت انتہائی موثر اور دل نشین ہوتی تھی اور آپ مختلف جلسوں کے ذریعہ اپنی بات دلوں میں اتار دیتے تھے۔ حضرت والد صاحبؒ سے سنے ہوئے حضرت علامہ عثمانیؒ کے چند جملے اس وقت یاد آ گئے۔

۱۔ فرمایا کہ "حق بات اگر حق نیت سے اور حق طریقے سے کہی جائے تو کبھی رایگاں نہیں جاتی۔ اس کا کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔ بات جب بھی بے اثر ہوگی تو یا تو وہ خود حق بات نہ ہوگی یا بات حق ہوگی مگر کہنے والے کی نیت حق نہ ہوگی یا بات بھی حق ہوگی، نیت بھی حق ہوگی لیکن کہنے کا طریقہ صحیح نہیں

ہوگا، لیکن اگر یہ تینوں شرائط موجود ہوں تو بات کے غیر مؤثر ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔"

۲۔ فرمایا کہ "دنیا کی جنت یہ ہے کہ زوجین ایک ہوں اور نیک۔"

۳۔ حضرت علامہ عثمانی پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے رکن تھے اور وہاں شب و روز اسلامی دستور کے سلسلہ میں دوسرے ارکان سے بحث و مباحثہ رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولاناؒ کی کسی تجویز پر غالباً (سابق گورنر جنرل) غلام محمد صاحب نے یہ طعنہ دیا کہ "مولانا یہ امور مملکت ہیں، علماء کو ان باتوں کی کیا خبر؟ لہٰذا ان معاملات میں علماء کو دخل اندازی نہ کرنی چاہئے۔"

اس موقع پر حضرت علامہ نے جو تقریر فرمائی، اس کا ایک بلیغ جملہ یہ تھا:

"ہمارے اور آپ کے درمیان صرف اے، بی، سی، ڈی کے پردے حائل ہیں، ان مصنوعی پردوں کو اٹھا کر دیکھئے تو پتہ چلے گا کہ علم کس کے پاس ہے اور جاہل کون ہے؟"

۴۔ بعض لوگوں کو اسلامی دستور یا اسلامی قانون کا تصور آتے ہی خطرہ دامن گیر ہو جاتا ہے کہ اسلامی دستور و قانون کے نفاذ سے ملک میں تھیوکریسی قائم ہو جائے گی۔ ایک مرتبہ اسی قسم کا کوئی معاملہ اسمبلی میں زیر بحث تھا۔ اس موقع پر حضرت علامہؒ نے ارشاد فرمایا:

"آپ کو ملا سے یہ خطرہ ہے کہ وہ کہیں اقتدار پر قابض نہ ہو جائے، لیکن خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ملا کا ایسا کوئی ارادہ نہیں، ملا اقتدار پر قبضہ کرنا نہیں چاہتا، البتہ اصحاب اقتدار کو تھوڑا سا ملا ضرور بنانا چاہتا ہے۔"

علماء کی اصل پالیسی شروع سے یہ تھی کہ نہ الیکشن میں حصہ لیں، نہ اقتدار میں آئیں اور اگر ارباب اقتدار اسلامی دستور و قانون کے نفاذ کے سلسلے میں ملک بھر کے علماء کا مطالبہ تسلیم کر لیتے تو کسی اہل علم کو الیکشن کی سیاست میں حصہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہ ہوا اور اس کے بعد بعض علمائے کرام مجبور ہو کر الیکشن کی سیاست میں داخل ہو گئے۔

۵۔ وطن کے سلسلہ میں حضرت علامہ عثمانیؒ کا ایک ارشاد حضرت والد صاحبؒ بکثرت نقل فرماتے تھے اور اسے اپنے "سفر نامہ دیوبند و تھانہ بھون" میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

"یاد آیا کہ میرے استاذ محترم اور برادر مکرم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے ایک روز "وطن" پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہر شخص کے تین وطن ہیں۔ ایک جسمانی، دوسرا ایمانی، تیسرا روحانی۔ وطن جسمانی وہ جگہ ہے جہاں وہ پیدا ہوا۔ وطن ایمان مومن کا مدینہ طیبہ ہے جہاں سے اس کو نور ایمان ملا اور وطن روحانی جنت ہے جہاں عالم ارواح میں اس کا اصلی

مستقر تھا اور پھر پھرا کر پھر وہیں جاتا ہے۔" (نقوش و تاثرات ص: ۵)

۶۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علامہ عثمانیؒ علم و فضل کے پہاڑ تھے اور اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند کو جو علوم وہبی عطا فرمائے تھے، خاص طور سے فلسفہ و کلام اور حکمتِ دین کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کو جو دقیق معارف عطا ہوئے تھے، وہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتے، لیکن علماءِ دیوبند کی جماعت میں دو بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے حکمتِ قاسمی کی شرح و توضیح اور اسے اقرب الی الفہم بنانے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ایک حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ اور دوسرے مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ۔

۷۔ حضرت والد صاحبؒ نے ہی سنایا کہ جب حضرت عثمانیؒ نے صحیح مسلم پر اپنی شہرۂ آفاق شرح "فتح الملہم" تالیف فرمائی تو اس کا مسودہ حرمین شریفین لے کر گئے تھے۔ وہاں روضۂ اقدس کے سامنے بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کی اور پھر روضہ اقدس پر بھی اور حرم مکہ میں ملتزم پر بھی مسودہ سر پر رکھ کر دعا کی تھی کہ: "یہ مسودہ احقر نے بے سروسامانی کے عالم میں مرتب کیا ہے یا اللہ! اس کو قبول فرما لیجئے اور اس کی اشاعت کا انتظام فرما دیجئے۔"

اس کے بعد جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو نظام حیدرآباد کی طرف سے پیش کش کی گئی کہ ہم اس کتاب کو اپنے اہتمام سے شائع کرائیں گے۔ چنانچہ وہ نظام حیدرآباد ہی کے مصارف پر بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی اور اس نے پوری علمی دنیا سے اپنا لوہا منوایا۔

۸۔ حضرت والد صاحبؒ حضرت علامہ عثمانیؒ کی اردو تصانیف میں تفسیر عثمانیؒ کے علاوہ "اسلام، العقل والنقل، اور اعجاز قرآن" کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے اور کئی مرتبہ اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ ان کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ ہو جائے۔ اپنے بعض انگریزی دان متعلقین کو اس طرف متوجہ بھی فرمایا، لیکن افسوس ہے کہ یہ کام حضرت والد صاحبؒ کی حیات میں انجام نہ پا سکا۔ **ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔**

۹۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو خطابت کا غیر معمولی کمال عطا فرمایا تھا، لیکن ساتھ ہی طبیعت میں نزاکت اور نفاست بھی بہت تھی۔ چنانچہ جب ذرا طبیعت میں ادنیٰ تکدر ہوتا تو وعظ و تقریر پر آمادگی ختم ہو جاتی تھی۔

فیروز پور میں جب قادیانیوں کے ساتھ ہمارا مناظرہ ختم ہوا۔ (اس مناظرے کی تفصیل خود

حضرت والد صاحبؒ کے قلم سے مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے اپنے مقالے "مفتی اعظم اور ردِّ مرزائیت" میں بیان فرمائی ہے، یہ مقالہ البلاغ نمبر میں شائع ہو چکا ہے) تو اہل شہر نے رات کے وقت ایک بڑے جلسہ عام کا اہتمام کیا۔ خیال یہ تھا کہ اس وقت فیروز پور میں اکابر علماء دیوبند جمع ہیں، جن میں حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ خان صاحبؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ وغیرہ جیسے آفتاب و ماہتاب شامل ہیں۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل شہر کو ان سے مستفید کیا جائے۔ یوں تو یہ تمام ہی حضرات علم وفضل میں اپنی نظیر آپ تھے، لیکن جہاں تک خطابت کا تعلق ہے، سب کی نظریں علامہ عثمانی پر لگی ہوئی تھیں کیونکہ ان کی تقریر عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہوتی تھی اور عام لوگ اس کا اثر زیادہ قبول کرتے تھے۔ چنانچہ جلسہ کے پروگرام میں آپ کی تقریر کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

لیکن جب جلسے کا وقت قریب آیا تو حضرت علامہ عثمانیؒ کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی۔ تقریر کے لئے انشراح باقی نہ رہا اور مولانا نے تقریر سے عذر کر دیا۔ جتنے علماء اس وقت موجود تھے، ان سب نے مولانا کو آمادہ کرنا چاہا، مگر مولانا آمادہ نہ ہوئے بلکہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن خان صاحبؒ مولانا پر ناراض بھی ہوئے۔

لیکن میں جانتا تھا کہ مولاناؒ اس معاملہ میں معذور ہیں اور جب تک ازخود آمادگی پیدا نہ ہو، وہ تقریر نہیں فرما سکتے۔ اس لئے خاموش رہا۔ یہاں تک کہ جب تمام حضرات جلسہ میں جانے لگے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ حضرات تشریف لے جائیں، میں بعد میں آؤں گا۔ اب قیام گاہ پر صرف میں حضرت علامہ عثمانیؒ کے ساتھ رہ گیا۔ جب کچھ دیر گزری تو میں نے عرض کیا:

"حضرت! آپ کی طبیعت میں کچھ انقباض ہے، یہاں قیام گاہ پر تنہا رہنے سے یہ انقباض اور بڑھے گا، اگر جلسہ میں صرف تشریف لے جائیں اور بیان نہ کریں تو شاید کچھ طبیعت بہل جائے۔"

فرمانے لگے "لوگ مجھے خطاب پر مجبور کریں گے۔" میں نے عرض کیا کہ "اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کی رضامندی اور خوش دلی کے خلاف کوئی آپ سے اصرار نہ کرے گا۔" مولانا اس بات پر راضی ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد ہم جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ وہاں پر دوسرے علماء کرام تقریر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجمع کا ذوق وشوق دیکھ کر حضرت علامہ عثمانیؒ کے دل میں خود بخود آمادگی پیدا ہو گئی اور پھر خود ہی سٹیج سیکرٹری سے کہا کہ "میں بھی کچھ کہوں گا۔" اس کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ مولانا کی تقریر ہوئی، جس نے حاضرین کو سیراب کر دیا۔

۱۰۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو تحریر کا بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور جب حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے آزادیٔ ہند کی جدوجہد کے لئے جمعیت علماءِ ہند قائم فرمائی اور اس غرض کے لئے دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس طلب فرمایا تو اس کا خطبہ صدارت شیخ الہند کو دینا تھا۔ حضرتؒ کو خود لکھنے کا موقع نہ تھا۔ اس لئے آپ تلامذہ میں سے متعدد حضرات کو یہ خطبہ لکھنے پر مامور فرمایا۔

آپ کے متعدد تلامذہ نے اپنے اپنے انداز میں خطبہ لکھا لیکن بالآخر حضرتؒ نے جس خطبہ کو پسند اور منظور فرمایا، وہ حضرت علامہ عثمانیؒ کا تحریر فرمودہ تھا۔ چنانچہ حضرت نے وہی خطبہ پڑھا اور وہی شائع بھی ہوا۔

۱۱۔ حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ حضرت علامہ عثمانیؒ کا رشتہ داری کا بھی تعلق تھا اور حضرت والد صاحبؒ آپ کے شاگرد بھی تھے اور پھر تحریک پاکستان کی جدوجہد میں آپ کے دست و بازو بھی بنے رہے۔ ان تمام رشتوں کے نتیجہ میں حضرت علامہ عثمانیؒ والد صاحب سے بہت محبت فرماتے تھے اور آپ کی علمی و عملی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ دو قومی نظریے کے بارے میں حضرت والد صاحبؒ نے ایک استفسار کے جواب میں جو مفصل رسالہ لکھا اس پر بطور تقریظ علامہ عثمانیؒ نے تحریر فرمایا:

”میں نے اس فتویٰ کا باستیعاب مطالعہ کیا، ماشاء اللہ مسئلہ کو بالکل صاف کردیا ہے۔ اہل علم ونظیر کے لئے گنجائش نہیں چھوڑی۔ سب اطراف و جوانب واضح ہو کر سامنے آگئے ہیں۔ حق تعالیٰ سبحانہ مفتی صاحب کو جزائے خیر دے۔“

الغرض شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ ان بزرگوں میں سے ہیں جن کی نظریں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں۔ ان کے علمی و تحقیقی کارنامے اور ان کی عملی جدوجہد پوری امت مسلمہ کے لئے بالعموم اور مسلمانان برصغیر کے لئے بالخصوص، ہماری تاریخ کا گرانقدر سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیک وقت وسیع و عمیق علم، شگفتہ اور سیال قلم، دلنشین خطابت اور ملت مسلمہ کے اجتماعی مسائل میں معتدل اور مدبرانہ فکر سے نوازا تھا، اور انکے یہ تمام ملکات دین کی صحیح خدمت اور امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لئے اس طرح استعمال ہوئے کہ آج ہم سب کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں۔

تحریکِ پاکستان میں حضرت علامہ عثمانیؒ نے جو سرگرم حصہ لیا، اور جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آزاد مسلم مملکت سے نوازا، اس کے حالات ہر پڑھے لکھے شخص کو معلوم ہیں، لیکن ان کی وفات کے بعد ہم نے انہیں فراموش کردیا، وہ ہماری قدر ناشناسی کی بدترین مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگ مولانا انوارالحسن صاحب شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے کہ انہوں نے ناقدری کے اس ماحول میں حضرت علامہ عثمانی کی شخصیت اور ان کے کارناموں کو اپنی تحقیق کا موضوع بنا کر ان کی خدمات کو اجاگر کرنے کا فرض کفایہ بڑی محنت، عرق ریزی اور والہانہ محبت کے ساتھ انجام دیا۔ انہوں نے پہلے "تجلیات عثمانی" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھ کر اس میں حضرت علامہؒ کی علمی خدمات کا مبسوط تعارف کرایا، اور ان کی تحقیقات پر مفصل تبصرہ کیا۔ پھر "انوار عثمانی" کے نام سے حضرت علامہؒ کے نادر علمی اور سیاسی مکاتیب اور ان کے اہم خطبات کا ایک مجموعہ تیار فرمایا۔ یہ دونوں کتابیں مصنفؒ کی حیات ہی میں شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو اور صاحب سوانح کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطا فرمائیں اور ہمیں ان کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

خادم طلبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

پروفیسر انوارالحسن شیرکوٹی

شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی یاد میں

گلہائے عقیدت

رہرو راہ شریعت راہ دکھلاتا رہا   منزل مقصود تک ملت کو پہنچاتا رہا
ترجمانِ فقہ و تفسیر و حدیث مصطفےٰؐ   آفتاب علم دیں دنیا کو چمکاتا رہا
لکھ کے شرح مسلم و تفسیر قرآنِ کریم   امت اسلام پہ احسان فرماتا رہا
تھا زباں پر اس کی قال اللہ اور قال الرسولؐ   نغمہائے سنت و قرآں سدا گاتا رہا
رحمۃ اللعالمین کے دین کی لے کر ضیاء   اپنے علم و فضل کے انوار برساتا رہا
حکمتِ رازیؒ و اسرار غزالیؒ کا امیں   حکمت و اسرار کے عقدوں کو سلجھاتا رہا
تھا زباں قاسمؒ کی اور روح ولی اللہ تھا   جس پہ محمود حسنؒ بھی فخر فرماتا رہا
تھا لسان الغیب انور شاہؒ کی نظروں میں وہ   غیب کے مضموں ہمیں آنکھوں سے دکھلاتا رہا
یاد ہے اب تک تری شیریں کلامی جس سے تو   کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتا رہا
تجھ پہ نازاں ہے ترا دارالعلوم دیوبند   مادر علمی پہ تو بھی ناز فرماتا رہا
اہل پاک و ہند تیری ذات کے ممنون ہیں   جن پہ اپنے فیض کی بارش تو برساتا رہا
تھا صداقت اور حق گوئی ترا شیوہ سدا   حق بیاں کرتا رہا باطل کو ٹھکراتا رہا
کیا ہی نعمت تھی مگر علامہ عثمانیؒ کی ذات   پھول بن کر گلشن ہستی کو مہکاتا رہا
وہ ہوئے دنیا سے کیا رخصت کہ انوار الحسن   زندگی کا لطف جینے کا مزا جاتا رہا

مختصر تعارف

پروفیسر مولانا محمد انورالحسن انور شیرکوٹی

محمد اکبر شاہ بخاری جام پور

آپ ۱۹۰۶ء میں شیرکوٹ، ضلع بجنور میں پیدا ہوئے، والد صاحب کا نام احمد حسن اور دادا کا محمد حسن بن محمد داؤد ابن الشیخ محمد مدن ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی، پھر شوال ۱۳۳۹ھ......۱۹۲۰ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھ کر ۱۳۴۲ھ میں امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی، آپ کے دوسرے اساتذہ فنون واحادیث میں مولانا احمد شیر ہزاروی، مولانا محمد رسول خان ہزاروی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا سید اصغر حسینؒ، مولانا مرتضٰی حسن چاندپوری، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا محمد ابراہیم بلیاوی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

۱۹۲۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا، اسی سال اوٹی کے لئے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۳۰ء میں اوٹی کی سند حاصل کی۔

مئی ۱۹۳۰ء میں منشی فاضل کا امتحان صبح کے وقت اور "ادیب فاضل" کا امتحان شام کے وقت میں دے کر دونوں امتحانات پاس کر لئے۔

ستمبر ۱۹۳۰ء میں مشن ہائی سکول جالندھر میں بطور "عربی ٹیچر" آپ کا تقرر ہوا۔ سید محمد خلیل ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول جالندھر کے اصرار پر وہاں سے مستعفی ہو کر ۱۲ اپریل ۱۹۳۱ء کو ہیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ تقرر ہوا۔

مارچ ۱۹۳۵ء میں مولانا محمود علی پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ کی سبکدوشی کے بعد آپ کا وہاں تقرر ہوا اور ستمبر ۱۹۴۷ء تک وہاں تدریس کی۔ اسی دوران آپ نے بی۔ اے تک کے امتحانات پاس کر لئے، ستمبر ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے اردو کلاس میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۵۰ء میں ایم اے کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔

۲۲ ستمبر ۱۹۵۳ء میں اسلامیہ کالج لائلپور میں عربی اور فارسی کی تدریس پر مامور ہوئے، بعد میں شعبۂ فارسی کے صدر رہے۔ ۴ مئی ۱۹۶۶ء کو سبکدوش ہوئے۔

تصانیف

۱۔ تجلیات عثمانی۔ یہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی علمی سوانح ہے۔ دسمبر ۱۹۵۷ء میں بڑے سائز کے ۱۲۷ صفحات میں شائع ہوئی۔ ناشر: ادارہ تصنیف و تالیف جھلیک، ملتان،

۲۔ حیات امداد...... حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ..... انیسویں صدی کے ایک اونچے درجے کے صوفیاء اور اولیاء میں سے تھے، جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزی کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا، ان کی علمی، ادبی اور زندگی کے حالات پر یہ کتاب ایک جامع تبصرہ ہے۔

۳۔ انوار عثمانی...... یہ کتاب علامہ شبیر احمد عثمانی کے مذہبی، سیاسی، علمی اور نجی خطوط کا مجموعہ ہے۔ اسے بھی مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی نمبر ۵ نے شائع کیا ہے۔

۴۔ انوار قاسمی...... اس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حالات زندگی محققانہ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ اشاعت ۱۹۶۹ء میں ہوئی ۷۰۰ صفحات ہیں۔ اور مقدمہ حضرت نانوتویؒ کے پوتے مولانا قاری محمد طیب قاسمی کے قلم سے ہے۔

۵۔ روح رمضان...... موضوع نام سے ظاہر ہے، عجیب کتاب ہے۔ نذر سنز لاہور نے ۱۹۶۲ء میں ۲۰۰ صفحات میں شائع کی۔

۶۔ خطبات عثمانی...... نظریہ پاکستان سے متعلق مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے نایاب خطبات کا مجموعہ ہے، مطبوعہ ۱۹۷۳ء۔ وہی ناشر۔

۷۔ سیرۃ پیغمبر اعظمؐ...... صفحات ۱۱۲۰ اسلامیہ کالج لائلپور کی طرف سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی۔

۸۔ حیات عثمانی...... ۷۰۰ صفحات۔

۹۔ سیرت یعقوب و مملوک...... ۲۵۰ صفحات، مطبوعہ ۱۹۷۵ء، ناشر دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴، اس میں دارالعلوم دیوبند کے کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے والد استاذ العلماء مولانا مملوک علی کے حالات زندگی ہیں۔

۱۰۔ قاسم العلوم...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مشہور فارسی علمی جواہر گرانمایہ مکتوبات کا ترجمہ، انوار النجوم کے نام سے علمی کتب خانہ اردو بازار لاہور شائع کروا رہا ہے۔

۱۱۔ قاسم العلوم ..... حضرت نانوتویؒ کے فارسی اور اردو مکتوبات کا ایک دوسرا مجموعہ (غیر مطبوعہ)

۱۲۔ یادگار ذوالفقار...... شیخ الہند مولانا محمود حسن کے والد گرامی مولانا ذوالفقار علی کے علمی اور ادبی کارناموں پر مشتمل سوانح، غیر مطبوعہ۔

۱۳۔ انوار الشہادۃ۔ یہ امام ابو اسحاق اسفرآئینی کی کتاب "نور العین فی مشہد الحسین" کا اردو ترجمہ ہے۔ جو ۱۹۳۲ء میں ہانڈہ الیکٹرک پریس جالندھر سے آپ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ ان کے علاوہ اردو مڈل اور پرائمری کی گرامر میں بی۔ اے کی اسلامیات اور فارسی وغیرہ کے قلم سے نکلی ہیں۔

خطابت

ڈی بلاک کے پلاٹ نمبر ۱۲۵ کی مسجد عثمانیہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

شاعری

آپ اردو، فارسی اور عربی کے اچھے شاعر تھے، بطور نمونہ چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔

نہ لے حساب کہ میں لائق حساب نہیں   کرم کی مجھ پہ نظر ہو کہ شرمسار ہوں میں
بغیر پرسش اعمال بخشدے مجھ کو   کہ سر سے پاؤں تلک سخت داغدار ہوں میں
خدا ہی خیر کرے روز حشر اے انور   جہاں میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں میں

مجھے ایک خط میں لکھتے ہیں:

یا صاحبی اعرض عن الاشرار   عش دائما ابداً مع الاخیار
وحلاوۃ الخلق العظیم حلاوۃ   ماذقتھا فی اطیب الاثمار
ولنعم نور جبین مرئد صالح   یھب الالہ لمن من الاطھار
ظھر الفساد وبماکسبنا کلنا   علنا وجھراً فی ضیاء نھار
ذھب الحیاء فاملی ماتشتھی   ان الحیائد لحافظ الابصار
وزماننا زمن الضلالۃ کلہ   الا الذین لھم ھدایۃ باری
ان السعادۃ والھدایۃ والغنٰی   لکرامۃ من منعم غفار
علم صحیح ثم عمل صالح   نور علی نور من الانوار

وصال

چار پانچ اکتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب آپ پر اچانک بلڈ پریشر کا حملہ ہوا۔ چند منٹ بعد ایک بج کر دس منٹ پر وصال ہو گیا، حالانکہ رات کو بالکل ٹھیک سوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

''تجلیاتِ عثمانی'' مشاہیر علماء کی نظر میں

فخر العلماء مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا تبصرہ

''آنکھیں مدت سے منتظر و مشتاق تھیں کہ علامہ کا مفصل تذکرہ قلمبند کرنے کی سعادت ان کے کسی شاگرد کے حصے میں آئی ہے۔ مقام شکر و مسرت ہے کہ بالآخر یہ سعادت لائل پور اسلامیہ کالج کے ایک استاذ انوار الحسن صاحب شیرکوٹی کے حصے میں آئی اور انہوں نے ایک جامع مرقع علامہ کی پبلک زندگی کا سات سو صفحات میں پیش کر دیا جس کے اندر ان کے علمی دینی، سیاسی، تدریسی، تصنیفی سب ہی زندگیوں کے پہلو آ گئے۔ اور شروع کے دو چار صفحوں میں بہت ہی اختصار سے ان کی ذاتی زندگی کے سوانح بھی۔ معاصر شخصیتوں اور معاصر تحریکوں کا بھی ذکر آ جانا ناگزیر تھا اور اس طرح کتاب ادھر پچیس تیس سال کے اسلامی ہند کی ایک سرسری سی تاریخ بھی ہو گئی ہے۔

یقین ہے کہ مولانا کے ماننے والے ہندوستان اور پاکستان دونوں مملکتوں میں کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔'' (صدق جدید لکھنؤ ۱۴ نومبر ۱۹۵۸ء)

ماہرالقادری صاحب کا تجلیات پر تبصرہ

نامور ادیب و ناقد مولانا ماہرالقادری نے اپنے ''فاران'' رسالے میں مفصل تبصرہ کیا جس کا بعض حصہ یہ ہے۔

''جناب پروفیسر انوار الحسن انور (شیرکوٹی) نے علامہ عثمانی مرحوم کے علم تفسیر، حدیث، فقہ،

علم کلام، فلسفہ، منطق، مناظرہ، تقریر، اردو، فارسی، عربی ادب اور سیاسیات پر بڑی تحقیقات کے ساتھ تبصرہ کیا ہے۔ کتاب کی رنگا رنگی اور تنوع کا یہ عالم ہے کہ سات سو سے اوپر ذیلی عنوانات پر یہ مبسوط تصنیف مشتمل ہے۔

پروفیسر انوار الحسن صاحب نے علامہ عثمانی کی تصانیف کو کھنگال ڈالا ہے۔ اس بحر مواج کے وہ کامیاب شناور ہیں۔ انہوں نے اس دریا کے ایک ایک صدف کو جانچا اور اس "اکیڈیمی" کے ایک ایک صفحے کو پڑھا ہے۔ "علوم عثمانی" کے شاید اس دور میں وہ سب سے بڑے محقق اور اسکالر ہیں۔" (فاران مئی ۱۹۵۸ء)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی تجلیات کے متعلق رائے

"حضرت (مولانا شبیر احمد) مرحوم کے کمالات علمیہ و ادبیہ کا یہ تذکرہ (تجلیات عثمانی) سات سو صفحات کی ضخیم کتاب میں تمام ہوا ہے جو بے شبہ معلومات آفرین بھی ہے اور بصیرت افروز بھی۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لائق مصنف نے حضرت مرحوم کی تمام چھوٹی بڑی تصانیف اور مقالات اور تقاریر و خطبات کے فراہم کرنے اور ان کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے اور پھر اپنے خیالات کو افکار کو مرتب کرنے میں بڑی محنت و کاوش کی ہے۔ فجزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔ زبان و بیان شگفتہ، مؤثر اور دلنشین ہے۔" (برہان جولائی ۱۹۵۹ء)

حضرت مولانا عماد الدین صاحب شیرکوٹی
رفیق خاص علامہ عثمانی کی تجلیات پر خامہ فرسائی

"تجلیات عثمانی پہنچی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جس چیز کے دیکھنے کی تمنا تھی پوری ہوئی۔ جس محنت اور عرق ریزی سے سیکڑوں کتابوں، رسالوں اوراخبارات سے آپ نے مواد حاصل کیا درحقیقت آپ کے عشق استاد کا پتہ دے رہا ہے۔ آپ نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی میرے خاص کرم فرما دوست کے جس وصف اور کمال پر تبصرہ کیا اس کا حق ادا کر دیا۔ اس وصف کی پوری تحقیق اور اس کے دلائل و براہین سے پڑھنے والے کو اس صفت میں یا اس علم میں پوری رہنمائی کر دی ہے۔ آپ کے مضامین سطحی نہیں محققانہ ہیں۔ ہر چیز ذہن میں اتار دی ہے۔ پڑھنے والا اس کی کسی بحث کو پڑھتا ہے تو اس میں پوری رہنمائی ہوتی چلی جاتی ہے۔ میرے نزدیک یہ

مضامین وہبی، من جانب اللہ القاء اور حضرت مولانا عثمانی کی زندہ کرامت ہیں۔ آپ نے علامہ کے کمالات کو ہی دائمی بقاء کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اپنے لئے بھی بقائے دوام کی یادگار بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلجھا ہوا دماغ عطا فرمایا اور قلم میں قوت عطا کی۔ مضمون میں آورد نہیں آمد ہے۔ فالحمدللہ علیٰ احسانہ۔" (مکتوب مولانا عمادالدین رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۸ء)

اگر تجلیات پر تمام تبصروں کو اور ان خطوط کو جو حوصلہ افزائی اور تحسین میں موصول ہوئے یہاں درج کیا جائے تو ایک اچھا خاصہ رسالہ بن سکتا ہے اس لئے تمام کو جگہ دینا مشکل ہے۔ البتہ ایک مکتوب کا کچھ حصہ پیش کرنے کو دل ضرور چاہتا ہے جو مولانا بشیر احمد صاحب مدرس مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر نے ارسال فرمایا ہے لکھتے ہیں۔

"یہ پڑھ کر کہ آپ نے "سوانح عثمانی" کی تالیف سے فراغت پائی ہے، انتہائی مسرت حاصل ہوئی۔ نیز آپ نے جو مشاہیر علمائے دیوبند کے سوانح لکھنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس سے بھی مجھے بے انتہا بہجت حاصل ہوئی۔ اس کارنامے پر سارے پاکستان میں مجھ سے زیادہ خوش ہونے والا آپ کو کم ملے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھے علمائے دیوبند سے انتہائی عقیدت اور محبت ہے۔ چونکہ آپ علمائے دیوبند کے سوانح لکھ رہے ہیں اس لئے مجھے آپ سے بھی عقیدت ہو گئی ہے۔ خصوصاً آپ کی تصنیف "تجلیات عثمانی" کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک ایک لفظ سے اس عقیدت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم وقلم کی صلاحیتوں سے نوازا ہے آپ انہیں خوب اجاگر کریں۔ آپ کی تحریر میں جو سلاست، فصاحت، بلاغت، شگفتگی، پختگی زور اور روانی پائی جاتی ہے وہ میں نے بہت کم اہل قلم حضرات کی تحریروں میں دیکھی ہے۔ آپ کو چاہئے کہ آپ اپنے قلم سے ملک وملت کو خوب سیراب کریں۔" (مکتوب مورخہ ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ)

تقریظ

از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ رحمۃ للعالمین

اللہ تعالیٰ نے علمائے اسلام کو رسول پاک کا جانشین اور وارث بنا کر ایک بہت بڑا مقام عنایت فرمایا ہے اور چونکہ نبوت کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تبلیغی ذمہ داری صرف علمائے امت پر عائد ہوئی۔ چنانچہ یہی لوگ علم نبوت کے وارث ٹھہرے اور اسی لئے علمائے امت کے متعلق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں کہ انبیائے بنی اسرائیل کی طرح اب نبوت کی تبلیغ کا کام صرف علماء کا رہ گیا ہے۔ بہرحال علمائے امت کا مقام بہت بلند ہے۔ انہی علماء میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں ان کا علم وفضل علماء میں مسلم ہے اور امت کے لئے آپ نے علم کا بہت سا ورثہ چھوڑا ہے۔ خاص طور پر قرآن کریم کی تفسیر اور مسلم کی شرح فتح الملہم امت مسلمہ کے لئے بہت بڑی میراث ہے جو وہ چھوڑ گئے ہیں۔

برادر عزیز پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی نے علامہ کی علمی سوانح تحریر کی ہے جو نہایت مبسوط اور مفصل ہے اور ان کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام اور دیگر علمی فضائل پر تبصرے اور تنقیدیں کی ہیں جن کے ذریعہ ان کا علمی مقام واضح ہو جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ خوب کتاب لکھی ہے اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو اپنے مقبول بندوں میں بنائے اور جزائے خیر عطا فرمائے اور کتاب کو مقبول بنائے آمین۔

محمد ادریس کاندھلوی

۱۳ صفر ۱۳۷۷ھ

تعارف

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے والد محترم مولانا فضل الرحمان صاحب اپنے زمانہ کے فاضل اردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ آپ کے والد نے آپ کا نام پہلے فضل اللہ رکھا اور بعد ازاں شبیر احمد جو غالباً عشرہ محرم کی پیدائش کی مناسبت سے ہوگا اور یہی نام مشہور ہوا۔

آپ کا شجرہ نسب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دوسری والدہ سے بڑے بھائی تھے۔ دوسرے بھائی مولانا مطلوب الرحمٰن، سعید الرحمٰن، بابو فضل حق وغیرہ ہیں آپ کے کوئی بچہ نہ تھا البتہ اپنی بھتیجی منیبہ خاتون بنت بابو فضل حق کی پرورش فرمائی۔

۱۳۱۲ھ میں حافظ محمد عظیم دیوبندی کے سامنے بسم اللہ ہوئی اور اردو کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۱۴ھ میں منشی منظور احمد دیوبندی مدرس فارسی دارالعلوم دیوبند سے فارسی پڑھنی شروع کی۔ بعد ازاں فارسی کی بڑی بڑی کتابیں مولانا محمد یاسین صاحب صدر مدرس سے پڑھیں ۱۳۱۹ھ سے عربی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں شروع کی۔ آپ کے عربی کے اساتذہ میں مولانا محمد یاسین صاحب شیرکوٹی۔ مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی مولانا حکیم محمد حسن صاحب دیوبندی اور بالخصوص حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اسیر مالٹا تھے۔ ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء میں تعلیم سے فراغت پائی۔ اور دورۂ حدیث میں اول نکلے۔ فراغت کے سال کے بعد دارالعلوم میں کچھ ماہ تعلیم دی۔ بعد ازاں مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس بن کر تشریف لے گئے۔ ۱۱ ذیقعد ۱۳۲۳ھ میں آپ کی شادی ہوئی۔ اور ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ۱۳۲۸ھ میں آپ نے اپنا مکان وغیرہ فروخت کر کے حج کیا اور ۱۳۴۴ھ میں شاہ حجاز کی دعوت پر جمعیۃ العلمائے ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر گئے اور وہاں عربی میں زبردست تقریریں کیں۔ ۱۳۴۸ھ میں آپ جامعہ ڈابھیل ضلع سورت میں تشریف لے گئے اور وہاں تفسیر و حدیث پڑھاتے رہے۔ ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے پرنسپل یا صدر مہتمم کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ جہاں آپ نے دارالعلوم کی ترقی میں نمایاں کوشش فرمائی۔ ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء میں وہاں سے علیحدگی اختیار فرمائی اور پھر ڈابھیل والوں کی گزارش پر وہاں کچھ عرصہ کام کیا۔ بیماری کی وجہ سے

پھر دیوبند آ کر مقیم ہو گئے۔ جمعیۃ علمائے اسلام کے صدر کی حیثیت سے آپ نے ملک کے طول و عرض میں دورے کئے۔ پاکستان بننے پر ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۸ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی دوپہر کو دیوبند سے افتتاح پاکستان کی تقریب میں حصہ لینے کے لئے کراچی روانہ ہوئے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں جشن آزادی میں شرکت فرمائی اور وہیں مقیم ہو گئے۔ ۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بہاولپور کے وزیراعظم کی درخواست پر جامعہ کے افتتاح کے لئے تشریف لے گئے۔ ۱۳ دسمبر کی شب کو بخار ہوا صبح کو طبیعت ٹھیک ہو گئی۔ ۹ بجے صبح پھر سینہ میں تکلیف محسوس ہوئی۔ سانس میں رکاوٹ ہونے لگی۔ تا آنکہ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ صبح بروز منگل گیارہ بج کر چالیس منٹ پر چونسٹھ سال ایک ماہ بارہ یوم کی عمر میں یہ آفتاب علم و فضل ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ خبر بجلی کی طرح سارے ملک میں پھیل گئی اور ملک میں ایک کہرام مچ گیا سرکاری دفاتر اور کاروبار بند کر دیئے گئے گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین اور وزیراعظم لیاقت علی خاں نے اپنے دورے منسوخ کر دیئے۔ عوام و خواص اور ممالک اسلامیہ میں گہرے رنج و غم کا اظہار کیا جانے لگا۔ میت بغداد الجدید بہاولپور سے کراچی پہنچائی گئی۔ جہاں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور بالآخر ۱۴ دسمبر کو آخری آرام گاہ میں قرار پکڑا اور کراچی میں سپرد خاک ہوئے۔

آپ کی ساری عمر دین اسلام کی خدمت میں گزری۔ آپ کی تصانیف میں سے قرآن کریم کی تفسیر اور مسلم کی شرح زبردست شاہکار ہیں آپ کی ملکی و ملی خدمات کا آغاز جنگ بلقان سے ہوا۔ پھر آپ نے تحریک خلافت میں زبردست حصہ لیا جمعیۃ العلماء ہند دہلی کی مجلس عاملہ کے آپ زبردست رکن تھے۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۵ء تک اس میں شریک رہے آپ نے مسلم لیگ میں شریک ہو کر تحریک پاکستان کو بہت تقویت بخشی۔ پاکستان کا وجود قائداعظمؒ کے بعد ان کا مرہون منت ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں ملک کے دورے کئے سرحد کے ریفرنڈم میں کامیابی آپ کی ہی مساعی کا نتیجہ ہے۔ آپ نے کشمیر کی جدوجہد میں بھی نمایاں حصہ لیا اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں قانون اسلامی کی تجویز پاس کرائی۔ ان تمام واقعات کی تفصیل انشاءاللہ زیر تصنیف کتاب ''حیات عثمانی'' میں پیش کی جائے گی۔ زیر نظر کتاب میں صرف آپ کے علمی کارنامے پیش کئے گئے ہیں۔

آپ کے علمی حالات کے لئے میرا کمربستہ ہونا اپنے سرمایہ علم و دانش کے متعلق ممدہ اندازے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ موصوف کے علم و فضل کو پیش کرنا تو دراصل آپ کے قابل تلامذہ کا کام تھا۔ یا احباب کا لیکن آپ کی وفات سے جس طرح میرا دل مجروح ہوا اس کا اندازہ

کسی اور کو لگانا مشکل ہے۔ اس اضطراب نے مجھے اس قدر مجبور کر دیا کہ میں ان کی علمی یادگار مرتب کرنے پر تیار ہو گیا۔ میں نے علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی حالات کو مقید سے مفید تر بنانے کی بساط بھر کوشش کی ہے۔ ان کے علم تفسیر حدیث' فقہ یا علم کلام پر جو کچھ لکھا ہے اس کے شروع میں تعارف کے لئے اس علم کی مختصر تاریخ بھی پیش کر دی ہے تاکہ قارئین کرام کو اس علم کی معرفت حاصل ہو جائے۔ اور اس کا اجمالی خاکہ ان کے ذہن نشین ہو جائے اس سے اگرچہ کتاب کی کچھ ضخامت بڑھ گئی ہے لیکن پڑھنے والوں کی معلومات میں بہترین اور بیشترین اضافہ کا سامان فراہم ہو گیا ہے اور اس علم کا پورا پس منظر سامنے آ گیا ہے۔

علامہ مرحوم کے علوم عربیہ اور شرعیہ نیز ادبیات' تقریر و مناظرہ کی بحثوں میں جن جن خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی تائید میں دانشور علماء' ادباء اور دیگر مبصرین کے اقوال بھی پیش کر دیئے ہیں۔ تاکہ بات صاف اور مستحکم ہو جائے اور میں کتاب المناقب کے الزام سے محفوظ رہوں اور ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاؤں۔ بعض جگہ بعض اقوال مقام کی ضرورت کے پیش نظر مجبوراً اور بعض جگہ سہواً مکرر آ گئے ہیں لیکن ان سے کتاب کی ضخامت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔

مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ اتنے جلیل القدر عالم کے علوم پر تبصرہ کرنے میں مجھ سے کوتاہیاں سرزد ہوئی ہوں گی۔ مجھے امید ہے کہ قارئین کرام ان لغزشوں سے مجھے آگاہ فرما دیں گے تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ میں نے اس کتاب کی تصحیح میں پوری کوشش سے کام لیا ہے لیکن کاتب نے بھی اسے ناکام بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اگر دیانتداری سے کام کرتا تو نہ کتاب کی اشاعت میں تاخیر ہوتی نہ طباعت پر اثر پڑتا اور نہ غلط نامہ شامل کرنے کی ضرورت پڑتی۔

میں اس مرحلہ پر منشی عبدالرحمٰن خان صاحب ملتانی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے علامہ عثمانی سے دیرینہ تعلقات کی بنا پر اپنے ادارہ سے اتنی ضخیم کتاب کا چھاپنا منظور کر لیا جو خود بھی چودہ پندرہ کتابوں کے مصنف ہیں اور اہل قلم کی قدر دانی کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی مولانا مفتی سیاح الدین صاحب اور ملا عاقل صاحب لدھیانوی کا بھی ممنون ہوں کہ اول الذکر نے کتاب کے مختلف حصوں پر ناقدانہ غور فرمایا اور ثانی الذکر نے کتاب کی کتابت کے سلسلہ میں بڑی دوڑ دھوپ کی۔ بہرحال جو کچھ اس ناچیز سے ہو سکا وہ پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ آپ ہماری کوتاہیوں کی بجائے علامہ ممدوح کے علمی شاہکار پر نظر رکھیں گے اور ان سے استفادہ فرماویں گے۔

محمد انوار الحسن شیرکوٹی پروفیسر اسلامیہ کالج لائلپور
مطلع الانوار گلبرگ لاہور ۳ جولائی ۵۷ء

تری یاد ہے قابل یاد شبیر   ترا تذکرہ قابل تذکرہ ہے
(مصنف)

جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ بیشمار انسانوں نے اس میں آ کر اپنی زندگی کی گھڑیاں گزاریں اسی طرح آمد و رفت کا بازار گرم رہا۔ ان میں ایک گروہ ایسا تھا۔ جن کی پیدائش اور موت دونوں پر سکوت اور خاموشی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی زندگی میں نہ کوئی چمک تھی اور نہ کوئی ابھار تھا۔ نہ ان کے جینے سے انسانیت کو فائدہ پہنچا۔ اور نہ ان کے مرنے سے کارخانۂ دنیا میں کوئی کمی محسوس کی گئی۔ بقول غالب

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں   روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

اور کتنی ناپاک روحیں انسانی شکلوں کا روپ دھار کر خدا کی سرزمین پر ایسی بھی آئیں جن کے سائے انسانیت کے صاف اور اجلے چہرے پر سیاہی برساتے رہے۔ یہ گروہ آدمیت کو فروغ دینے کی بجائے شیطانی جماعت میں مل کر لوگوں کو نور سے ظلمت کی طرف کھینچ لانا زندگی کا مقصد اولین سمجھتا رہا۔ یہ جماعت سخت خطرناک ثابت ہوئی۔ جس نے آدمیت کے خلاف اپنی تمام کوششیں صرف کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اس کا ہر فرد اگر اپنی اپنی ذات پر حسب ذیل شعر کو چسپاں کرے تو یقیناً ان کی شخصیت کو واضح کرنے کے لئے اس سے بہتر ترجمانی نہ ہو سکے گی۔

اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں   غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

تیسری جماعت ان پاکیزہ اور سعید روحوں کی تھی جو تخلیق کائنات کا مقصد اور جوہر تھے ان کا وجود سرمایہ زندگی اور عنوان حیات تھا۔ وہ خود بھی نور بن کر چمکے اور ان کی نورانیت نے دوسروں کو بھی تاریکی میں نور کا راستہ دکھایا۔ یہی وہ مبارک نفوس اور مقدس ہستیاں تھیں جن پر انسانیت ہمیشہ سے

فخر کرتی چلی آئی ہے اور ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ مجھے خود غرض سیاستدانوں اقتدار پسند صاحب دولت انسانوں اور نا آشنائے درد و غم حکمرانوں سے بحث نہیں جنہوں نے ہمیشہ دنیا کو اپنی ہوس رانیوں کا آماجگاہ بنائے رکھا۔ بلکہ رشد و ہدایت کے ان پاسبانوں سے بحث ہے۔ جنکی پیشانیوں میں ضیائے طور اور جن کے دلوں میں علم و معرفت کا نور تھا۔

مسلمانوں کے ابتدائی دور کی طرف ذرا مڑ کر دیکھئے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام کی بدولت کیسے کیسے ائمہ مجتہدین اور علمائے ربانی پیدا ہوئے۔ جن میں امام الائمہ حضرت ابو حنیفہ حضرت امام مالک' حضرت احمد بن حنبل اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ علیہم آفتاب و ماہتاب جیسی ہستیاں شامل ہیں اور آگے بڑھ کر ذرا دیکھئے کہ امام بخاری' امام مسلم' امام غزالی' امام رازی' حافظ ابن حجر' ابن کثیر' ابن عربی اور ابن جریر جیسے اہل علم صفحہ روزگار پر نمودار ہوئے اور اگر اپنے قریب کے ماحول اور ہند و پاکستان کے دیدہ ور علماء پر نظر ڈالئے تو ان میں حضرت مجدد الف ثانی' شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی' شاہ عبدالعزیز صاحب محدث' حضرت سید احمد صاحب شہید بریلوی' شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند' شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب فخر الاسلام سید محمد انور شاہ صاحب اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہم جیسی نامور ہستیوں کی برگزیدہ شان کے ساتھ قدرت خداوندی نے پیدا کیا۔ یہ سب کے سب شریعت و روحانیت کے درخشندہ ستارے تھے۔ جن کا نام نقاش ازل نے خاص خاص مقاصد کے لئے جریدۂ عالم پر بجائے دوام کے عنوان کے ماتحت ثبت کیا۔ ان کا اس جہان فانی سے سفر دنیا کی موت کے مترادف تھا۔ اس روحانیت اور علم کے باغ سے جو پھول مرجھا کر گرا وہ چمنستان علم کو خزاں میں بدل کر رخصت ہوا اور اس آسمان شریعت سے جو روشن ستارہ ٹوٹ کر جدا ہوا وہ فضائے آسمانی کو تاریک کر کے ٹوٹا۔ یہ لوگ گلشن علم کے سدا بہار پھول تھے جو بظاہر موت کے گلچیں نے لوٹ لئے مگر ان کی خوشبوئیں ہمیشہ دماغوں کو معطر کرتی رہیں گی۔ ان کے علمی کارنامے ان کے لئے زبان حال سے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اور حقیقت تو یہ ہے۔

اخ العلم حی خالد بعد موتہ و اوصالہ' تحت التراب رمیم

اہل علم مرنے کے بعد بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے اگرچہ اس کے اعضاء مٹی میں مل کر خاک ہو جائیں

وذوالجهل میت وهوماش علی الثریٰ   یظن من الاحیاء وهو عدیم
اور جاہل مردہ ہے اگرچہ وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے   وہ زندوں میں خیال کیا جاتا ہے لیکن وہ تو مرچکا ہوا ہے

دانائے شریعت

ہندو پاکستان کے علماء و دانشمند کا تذکرہ نویس جب مستقبل میں جلیل القدر فضلاء اور دیدہ ور علماء کا تذکرہ مرتب کرے گا تو مذکورۃ الصدر اہل علم و فضل کے علاوہ وہ ایک اور صاحب نظر حکیم ملت اور دانائے شریعت کا نام بھی زیب تذکرہ کرنا باعث فخر سمجھے گا جس کے بغیر اس تذکرہ کو تکمیل کا جامہ پہنانا ناقابل تلافی کوتاہی ہوگی۔ میری مراد اس دانائے شریعت سے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمدؒ صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی ہے جن کی حیات علمی و عملی کے لئے قدرت نے قرعہ فال بنام من دیوانہ نکالا ہے اور میری ارادی اور عملی قوتوں کو ہم آہنگ کر کے دل و دماغ کو آمادۂ فکر اور دست و قلم کو آمادۂ تحریر صفحات اور تسوید اوراق بنا دیا۔

آفتاب کی روشنی اور چاند کی چاندنی سے کائنات کا ذرہ ذرہ مستفیض ہوتا ہے۔ اور اپنی روشنی کے باعث یہ دونوں کرے مخلوقات کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔ بالخصوص آفتاب کی آمد آمد پر صبح صادق کے پر بہار سویروں کے وقت کائنات میں حرکت اور بیداری پیدا ہو جاتی ہے اور اسی سورج کے غروب پر مخلوقات کے کاروبار میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے اور آئندہ کے طلوع کے انتظار میں آنکھیں سو جاتی ہیں۔

علم و دانش کا آفتاب بھی اسی طرح جہالت کی تاریکیوں کو پھاڑ کر انسانی دلوں اور روحوں کو روشنی اور پاکیزگی بخشتا ہے۔ جس کے بغیر انسانیت زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب انسانی جماعتوں سے علم و حکمت کی ضیاء غائب ہو جاتی ہے تو رات کی تاریکیوں کے بعد سورج کے انتظار کی طرح آفتاب علم و دانش کے لئے بھی روحیں بے قرار اور مضطرب ہو جاتی ہیں۔ علماء شریعت بھی ایسے ہی آفتاب و ماہتاب ہیں کہ جن کے غروب ہو جانے پر ان کی علمی روشنی کی ہمیں بے حد تلاش ہوتی ہے۔ اسی احساس پر راقم الحروف بھی اپنی جھلملاتی شمع کو لے کر آفتاب علم عثمانی کی جستجو میں نکل کھڑا ہوا ہے اور اس مہر منیر کی رنوں کو کمند بنا کر خود اقتباس نور کرنے اور دوسروں تک تابمقدور نور پہنچانے کی کوشش میں کمر بستہ ہوا ہے۔

عالم دین و نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرنہا باید کہ تا یک عالمی از لطف طبع   می شود شبیر احمدؒ فاضلے در دیو بن

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس علمی سیرت کا سب سے پہلا عنوان میرے خیال میں اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کے علوم و فنون پر سیر حاصل تبصرہ کرنے سے پیشتر ان کی اس شان علم و دانش پر روشنی ڈالی جائے جس سے مذہب اسلام کے اس جلیل القدر عالم کا صحیح مقام معلوم ہو سکے۔

یوں تو آج کی دنیا میں علامہ دہر ارسطوئے زماں' لقمان حکمت' مسیح الملک' منجم الملک وغیرہ کے الفاظ غیر مستحق انسانوں کیلئے عام ہو چکے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسا کرنا نہ صرف اہل علم کے ساتھ ظلم بلکہ الفاظ کے ساتھ بھی سخت ناانصافی ہے۔ انصاف کا تقاضہ ہے کہ الفاظ کی بناوٹ کا خاص منشا اور مصداق ضرور ہوتا ہے۔ جو ایسے ہی مواقع پر استعمال کئے جانے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ جہاں وہ چسپاں ہو سکیں۔ چنانچہ اسلام کے ابتدائی تحقیق و اجتہاد کے دور میں امام' علامہ' شیخ' حجۃ الاسلام' شیخ الاسلام' محقق جیسے خطابات کا نہایت محتاط استعمال ہوتا تھا۔ مگر ان دنوں یہ احتیاط بالائے طاق رکھ دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الفاظ کے غلط استعمال کی کثرت نے ان کو آسمان سے زمین پر لا پٹکا ہے۔ جس سے عظیم الشان معنوی تاثیرات میں بھی سخت اضمحلال پیدا ہو چکا ہے۔ اسی لئے جب اہل اور نااہل سب کو ایک جیسے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو وہ الفاظ خواہ کس قدر ہی وقیع کیوں نہ ہوں' عظیم المرتبت شخصیتوں کی ترجمانی سے قاصر رہتے ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر مولانا عثمانی کے مقام علم کی امتیازی خصوصیت بیان کرنے کے لئے اگر ان کو محقق اسلام' حکیم ملت' دانش مند مذہب اور عالم دین کہا جائے تو بالکل درست ہوگا کیونکہ یہ الفاظ ان کی شخصیت' تصنیفات' مضامین' مقالوں اور تقریروں کی روشنی اور شہرت میں ان کے لئے بے ساختہ زیب دیتے نظر آتے ہیں۔

درحقیقت کسی مسلمان کے لئے علوم شریعت اسلامیہ سے اعلیٰ درجہ کی واقفیت اور عالم دین ہونے کی ایک ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:۔

یؤتی الحکمة من یشاء و من یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی جاتی ہے اس کو خیر کثیر دی گئی اور یہی وجہ ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا بھر کی ہر قسم کی دعاؤں کو چھوڑ کر صرف یہ دعا مانگی تھی:۔

ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم اٰیٰتک و یزکیهم و یعلمهم الکتب و الحکمة

اے ہمارے پروردگار ان میں ایسے رسول کو انہی میں سے بھیجئے جو ان کے سامنے تیری آیتیں تلاوت کرے اور ان کو پاک کر دے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ یعنی ایسا رسول جس کی زندگی کا لائحہ عمل یہ ہو کہ وہ

ا:۔ تیری آیتیں لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائے، جس سے وہ ہدایت کی طرف آئیں۔

۲:۔ وہ رسول ان کو کفر و شرک اور مشرکانہ رسموں اور افعال بد سے اپنے فیض صحبت کے باعث پاک اور صاف کر دے۔ ۳:۔ اور وہ بنی نوع انسان کو کتاب الٰہی اور حکمت ربانی و اسلامی کی تعلیم دے، جس سے جہالت و کفر کی تاریکیاں دور ہو جائیں اور وہ اپنی امت کو حکیم اور دانش مند بنا دے۔

مذکورہ آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ دعائے ابراہیمی نے کتاب و حکمت کی تعلیم سے بہتر اور کسی دعا کو فوقیت نہیں دی۔ اسی کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو حضرت امیر معاویہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ **من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین**

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔

آیت اور حدیث کی باہمی ترتیب و ربط سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں سمجھ اور شعور کا نام حکمت ہے۔

پس مولانا عثمانی کے علمی سوانح میں اگر ان کی شخصیت کو تعریفی ترکیب الفاظ میں بیان کرکے ختم کر دینا مقصود ہو تو بلا مبالغہ ان کے لئے یہ صفت کافی ہے کہ مولانا ایک جلیل القدر عالم دین اور ایک عظیم المرتبہ نائب رسولؐ تھے۔ ان دو صفات علیہ سے بڑھ کر علامہ کی کسی اور خوبی اور خوش نصیبی کا بیان کرنا تفصیل اور وضاحت میں جانے کے معنی رکھتا ہے عبادت گزار شب زندہ دار بزرگوں کی عبادتیں یقیناً سراپا رحمت اور برکت کا سبب ہیں۔ لیکن عالم دین اور نائب رسول کا مقام جس میں بنی نوع انسان کو ظلمت سے نور اور گمراہی سے ہدایت کی طرف لاتا اور بلاتا ہو۔ عبادت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کی تائید یہ بیان کرے گا جو ایک گہری بصیرت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یعنی

فقیہ واحد اشد علی الشیطٰن من الف عابد

ایک (واقعی) عالم شیطان پر ایک ہزار عبادت گزار انسانوں سے زیادہ شاق ہے۔

کیونکہ عبادت گزار کو صرف اپنی عاقبت کی درستی کا خیال ہوتا ہے جو اس کی ذات تک محدود ہے اور یہ امر شیطان کے لئے زیادہ تشویش کا باعث نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ روشنی زیادہ دور تک پھیلی ہوئی نہیں ہے لیکن ایک حقیقی عالم اپنی تحریر، تقریر، درس اور فیض صحبت سے ہزارہا گمراہوں کو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے جو شیطان کے مشن کے لئے سخت مضر ہے۔ بقول سعدی شیرازیؒ

صاحب دلے بمدرسہ آمد زخانقاہ　　بشکست عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود　　تا اختیار کردی ازاں فریق را
گفت آں گلیم خویش بروں می برد ز موج　　ویں جہد مے کند کہ بگیرد غریق را

نکتہ داں شیرازی نے عالم و عابد کے فرق کو کس خوبصورتی سے واضح کیا ہے کہ اس سے اچھے الفاظ کا ملنا دشوار ہے۔ یعنی عابد صرف اپنی کملی بچانے کی فکر میں رہتا ہے لیکن عالم ڈوبے ہوؤں کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ بلا شبہ اس بصیرت افروز حقیقت کی روشنی میں یہ کہنا غلط یا مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ اس عالم دین کی تمام زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں انہماک اور ذوق و شوق تعلیم و تدریس اور فقہ و حکمت اسلامی کے ساتھ بے انتہا شغف میں گزری جو ہزاروں عبادت گزاروں کی زندگی کے مقابلہ میں یقیناً عزیز اور قیمتی کہی جا سکتی ہے۔

عالم دین ہو کر انہوں نے امت مسلمہ پر بے شمار جلسوں، مجلسوں، صحبتوں اور درسگاہوں میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کی ہے اور ان کے معانی و تفسیر کے بیکراں سمندر ان کے سامنے بہائے ہیں۔ جن کے ذریعہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کا تزکیہ ہوا ہے اور باخبر جانتے ہیں کہ ان کی تقریریں جن جن مجالس میں ہوئی ہیں وہاں حاضرین جلسہ پر اس قدر کیف برستا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یاد سے دلوں کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی تھیں اور یقیناً آپ کی سحر انگیز تقریروں سے دلوں کی کیفیتیں بدل جاتی تھیں اور ہزاروں کیا لاکھوں انسان آپ کے مواعظ سُن کر ذوق و شوق و یاد الٰہی سے سرشار ہو کر اٹھتے تھے۔ لوگوں پر عجیب بے خودی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ اوروں کے دل کی حالت تو کیا بتا سکتا ہوں۔ لیکن ان کی ایک تقریر نے بالخصوص میرے دل کو جس طرح پگھلا یا وہ ذوق ساری عمر کبھی نصیب نہ ہوا۔

اس زمانے کی بات ہے جب کہ میں ابھی عہد طفلی میں تھا کہ حضرت عثمانی نے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کی یاد تازہ کرنے اور ان کی روح کو خوش کرنے کے لئے حضرت شیخ کے دولت خانہ پر ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ قرآن کریم کے درس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اس درس میں علماء اور طلبہ دونوں بکثرت شرکت کرتے۔ مولانا حکمت و عرفان کے وہ دریا بہاتے کہ روحوں میں تازگی اور بالیدگی پیدا ہوتی تھی۔ ابھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر پر ہی سلسلہ کلام جاری تھا۔ اللہ اور اس کے ذکر کی جلالت، فضیلت اور برکت کا وہ نقشہ کھینچا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ انوار الٰہی کی دلوں پر بارش ہو رہی ہے۔ اسی اثناء میں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ذکر اللہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ میں ذکر

الٰہی کے جذبہ سے ایسا سرشار ہو کر اٹھا کہ اس روز سے میں نے ذکر اللہ کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔ سارے دن اور رات کو سونے کے وقت تک علاوہ نماز اور بعض ضروریات کے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے زبان پر اللہ کا ورد جاری رہتا تھا۔ یہ کیفیت کئی سال تک مجھ پر طاری رہی لیکن وائے حسرت اور شومئی قسمت کہ دل پر سے وہ رنگ اترتا چلا گیا۔ اور اس کی بجائے غفلت کا زنگ دل پر چڑھتا چلا گیا ورنہ ذکر الٰہی دل کو ایسا بھا گیا تھا کہ سوتے سوتے بھی زبان پر اللہ کا نام جاری رہتا تھا۔ وہ سال یاد آتے ہیں تو سینے پر سانپ لوٹ جاتے ہیں۔ وہ سال میری خوش نصیب زندگی کے چند سال تھے کہ جن میں ذکر خدا سے دل کو راحت اور تسبیح و دعا میں لذت حاصل ہوتی تھی۔ بقول اکبر الٰہ آبادی

تسبیح و دعا میں جس نے لذت پائی　　اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی
کوئی نہیں خوش نصیب اس سے بڑھ کر　　بس دونوں جہاں کی اس نے دولت پائی

مسلم تو مسلم مولانا کی پرتاثیر تقریروں کی گرفت سخت سے سخت متعصب غیر مسلم پر بھی ہوتی تھی۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کنونشن میں شاملی ضلع مظفرنگر کا ایک کٹر کانگریسی ہندو جو تماشہ دیکھنے چلے کنونشن میں جا پہنچا تھا۔ علامہ کی تقریر اور قوت استدلال کا جگر پر تیر کھا کر شاملی لوٹا۔ اس کے ہم خیال ایک اور ہندو نے طنزیہ انداز میں اس سے کہا کہ سناؤ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے یا نہیں۔ اس کا جواب سنئے۔ کہتا ہے کہ یہ میں ہی اتنا پختہ تھا کہ بچ کر نکل آیا۔ ورنہ تم مسلم لیگی تو کیا مسلمان بن کر آتے۔ بات یہ تھی کہ ان کی ہر بات دل سے نکلتی تھی اور دل میں بیٹھ جاتی تھی اور از دل خیزد بر دل ریزد کی پوری مصداق ہوتی تھی۔ بقول اقبال مرحوم

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　　پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

بات تو میں کہاں سے کہاں جا نکلا۔ ذکر تو یہ ہو رہا تھا کہ حضرت عثمانی کی تقریروں اور علمی مجلسوں میں تزکیہ نفوس ضرور ہوتا تھا اور ان کے کلام سے دلوں کو تازگی حاصل ہوتی تھی۔

ان دونوں صفات یعنی تلاوت آیات اور تزکیہ کے بعد تعلیم کتاب اللہ اور تعلیم حکمت کی خوبیاں ان میں پورے کمال کے ساتھ موجود تھیں۔

تعلیم کتاب اللہ کا ایک نمونہ یہ تھا کہ جب مولانا دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے۔ تو بعض طلبہ کے اصرار پر آپ نے روزانہ دارالعلوم کی دارالحدیث میں درس قرآن کریم کا سلسلہ جاری فرمایا۔ طلبہ اور شہر کے باشندوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگنے لگے اور اتنا ہجوم ہونے لگا تھا کہ گیلریاں بھی سامعین سے بھر جاتی تھیں۔ یوں تو علامہ کا علم تفسیر میں کمال اور اس پر لطافت بیان سونے پر سہاگے کا کام دیتا تھا۔

اور دوسرا نمونہ کتاب اللہ کی تعلیم کا شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پر ان کے تفسیری تبرکات ہیں جن کو روزانہ تلاوت کے وقت صبح کو مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد پڑھتی ہے اور لطف اٹھاتی ہے اور جن کو پڑھ کر تشنگان قرآن اپنی تشنگی رفع کرتے اور حضرت عثمانی کو دل سے بے ساختہ روزانہ دعائیں دیتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

رہا تعلیم حکمت کا معاملہ تو یہ امر مسلم ہے کہ آپ کے اہل زمانہ اور معاصرین نے آپ کی دین میں حکمت اور تفقہ کی بجان ودل اقرار کیا ہے جس کی تفصیلات آپ آئندہ اس کتاب میں انشاء اللہ تعالیٰ جا بجا پڑھیں گے۔

اس وضاحت کے بعد دعائے ابراہیمی کا تجزیہ ایک بار پھر کیجئے جس میں مبعوث ہونے والے پیغمبر کے لئے

۱۔ یتلوا علیهم ایته   ۲: ویزکیهم   ۳.. و یعلمهم الکتاب   ۴. والحکمة

کی چار تمناؤں اور صفات کی دعا مانگی گئی ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاج پیغمبری سر پر رکھنے کے بعد۔

۱۔ اللہ کی آیات بندوں کو سنائیں۔   ۲۔ ان کو ایک حد تک غلط عقائد سے پاک کیا۔

۳۔ ان کو کتاب اللہ کی تعلیم دی اور   ۴۔ چوتھے ان کو حکمت کا سبق پڑھایا۔

چونکہ علماء انبیاء علیہم السلام کے علوم کے وارث ہیں اور تبلیغ دین میں ان کے جانشین اور قائم مقام ہوتے ہیں اس لئے علامہ عثمانی کو اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد کی بجائے وارث خاتم النبیین اور نائب رسول اللہ بنایا۔ جنہوں نے نیابت کے زمانہ میں تمام عمر کا حصہ تلاوت آیات، تزکیۂ بندگان الٰہی، تعلیم کتاب حکمت میں صرف کر دیا۔ اس لئے علامہ عثمانی کے سوانح علمی کے سلسلہ میں ان کے لئے عالم دین اور نائب رسول ہونے کا شرف سب سے بڑا شرف ہے اور ان کے سوانح میں یہ فخر ان کی زندگی کا بہترین اعزاز ہے جو قدرت کا عطیہ ہے ان کے عالم دین اور دریائے علم ہونے پر مولانا اشتیاق احمد صاحب خوشنویس دیوبند کا یہ مقولہ یاد آتا ہے اور حق یہ ہے کہ بعض اوقات کے نکلے ہوئے اقوال اور چھوٹے چھوٹے جملے بڑے بڑے مقالوں اور تنقیدوں کا منہ پھیر کر رکھ دیتے ہیں چنانچہ ان کا یہ جملہ بھی پورے اختصار کے ساتھ علامہ شبیر احمدؒ عثمانی کی شان میں جامع مانع اور محیط کہا جا سکتا ہے جس روز علامہ دیوبند سے کراچی کو پاکستان کے افتتاح کے سلسلہ میں روانہ ہوئے اور دیوبند میں یہ افواہ ہوئی کہ غالباً مولانا اب پاکستان ہی میں سکونت اختیار کریں گے۔ تو ان کی روانگی کے روز مولانا اشتیاق احمد صاحب نے فرمایا کہ "آج دیوبند سے علم رخصت ہو رہا ہے"۔

نکتہ

یہاں علم دین کے اعلیٰ علم ہونے اور عالم دین کے افضل العلماء ہونے میں یہ علمی نکتہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ عالم اور علم کی بزرگی اور اشرفیت معلوم کی بزرگی پر موقوف ہے۔ جس قسم کا معلوم ہوگا اسی قسم کے نتائج عالم اور علم کی بزرگی کے مرتب ہونگے مگر یہ نکتہ جاننے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ کسی چیز کے جاننے میں تین اجزا کی ترکیب یا ملاوٹ ہوتی ہے۔ اول جاننا' دوسرے جاننے والا' تیسرے وہ چیز جس کو جانا جائے گویا۔

۱۔ جاننا علم ہے۔ ۲۔ جاننے والا عالم ہوتا ہے۔ ۳۔ جانا ہوا معلوم کہلاتا ہے۔

اسی طرح سینا' سینے والا اور سلا ہوا کپڑا' کھانا' کھانے والا اور کھائی ہوئی چیز۔ انہی تین باتوں کا سلسلہ اکثر معاملات میں جاری ہے۔ پس اگر کوئی شخص کپڑے سینے کا علم رکھتا ہے تو یہ معمولی علم کی وجہ سے خیاط یا درزی کہلاتا ہے۔ ایک شخص جوتا بنانا جانتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا معلوم جوتا ہوگا اور جوتا بنانا اس کا علم کہلائے گا اور اسی جوتے بنانے کا وہ عالم کہلائے گا۔ اسی طرح میز بنانا اور میز بنانے والا نجار اور معلوم میز ہوگی چونکہ معلوم میز ہے لہٰذا اس معلوم کی وجہ سے عالم یعنی بڑھئی کی بڑائی متعین ہوگی۔ اسی طرح کائنات کے تمام معلومات اکٹھے کر لئے جائیں تو سب سے زیادہ اعلیٰ اور افضل معلوم اللہ اور اللہ کا سب سے برگزیدہ رسول ﷺ ہے۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کا عالم بھی معلوم کے اعلیٰ اور افضل ہونے کے باعث سب سے اعلیٰ اور افضل عالم ہوگا اور علم الٰہی اور علم رسالت اور علم اسلام سب سے اعلیٰ علم ہوں گے اس اصول کے ماتحت چونکہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ توضیحات سے ان کے جلیل القدر عالم ہونے کا آپ کو پتہ چلے گا خدا کی زمین پر اعلیٰ علماء کی امت میں شامل ہونے کا شرف رکھتے ہیں اسی لئے تو خدائے قدوس نے واقعی علماء کے متعلق فرمایا۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

داعی الی اللہ

پھر جیسا کہ دعائے ابراہیمی کے ماتحت گزرا ان کا علم ان کی ذات تک محدود نہ تھا۔ بلکہ ان کے علم کا ہندوستان و پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک اسلامیہ میں ظہور تھا۔ اس لئے ان کی زندگی کا پورا زمانہ دعوت الی اللہ میں لسانی اور قلمی طور پر گزرا اور آپ کو داعی الی اللہ کا بھی بہترین شرف حاصل رہا۔ اس جماعت کی عظمت شان اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ خود باری

تعالیٰ عز اسمہ نے اس جماعت کی تشکیل پر زور دیا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں سنبھال کر دین اسلام کو قائم رکھے چنانچہ قرآن کریم میں مسلمانوں کو صاف اور واضح حکم میں فرمایا گیا ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف دعوت دے اور بھلی بات کا حکم دے۔ اور بری بات سے روکے اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔

علامہ کے لیئے اس جماعت سے وابستگی ان کی فلاح و بہبودی کی محکم دلیل ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کو مفلحین محسنین کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔

محقق اسلام

جہاں کے غزالی زمانے کے رازی   ترے معتقد سب ہیں ہندی حجازی

(انور)

مجھے مذکورہ بالا عنوان اور لقب سے علامہ عثمانی کو ان کے علمی سوانح کے سلسلہ میں یاد کرنے میں نہایت ہی فخر اور پوری ذمہ داری محسوس ہو رہی ہے اور واقعی وہ اس خطاب کے صد درجہ مستحق ہیں ان کی فتح الملہم اور تفسیر قرآن کریم اس خطاب کی بین اور واضح دلیل ہے اور جن لوگوں نے ان کی علمی صحبتوں کے لطف اٹھائے ہیں یا ان کے مقالے اور تصنیفات پڑھی ہیں یا تقریریں سنی ہیں یا ان کے حلقہ درس میں بیٹھے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ علامہ ہر مسئلہ میں تحقیقات کو اس درجہ تک پہنچا کر چھوڑتے تھے کہ اس کے بعد کسی کو تحقیق کی کم گنجائش رہتی تھی۔ تا آنکہ مسئلہ کے ہر پہلو کی بال کی کھال نکال کر رکھ دیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا مطالعہ اس قدر وسیع تھا کہ کسی مسئلہ کے بارے میں اس سے متعلق تمام مستند کتابیں ان کی نظر کے سامنے ہوتی تھیں اور ان سب محققین کی تحقیقات کا نتیجہ ان کے ذہن رسا میں ہوتا تھا۔ پھر تحقیق کا کام وہ یہاں تک ہی محدود نہ رکھتے تھے بلکہ ان تمام حقیقتوں پر ان کی اپنی بھی رائے ہوتی تھی بشرطیکہ ان کو اختلاف کی گنجائش ہوتی۔ اگر آپ نے ان کی تصنیفات نہیں پڑھی ہیں تو خیر انہی اوراق میں آئندہ تفسیر، حدیث، فقہ اور علم کلام کے عنوانات کے ماتحت ان کی تحقیقات کا مطالعہ کر سکیں گے۔ جن سے آپ کو ان کے محقق اسلام ہونے کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شارح مشکوٰۃ کے وہ

ریمارکس جو انہوں نے ایک مجلس میں میرے سامنے علامہ عثمانی کی ذات سے متعلق کئے تھے۔ پیش کرتا ہوں انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضرت علامہ شبیر احمدؒ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا اثنائے گفتگو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے آپ سے اس لئے محبت اور عقیدت ہے کہ

''آپ نے اسلام کو سمجھا ہے اور دوسروں کو سمجھانے کی قدرت رکھتے ہیں''۔

یہ جملہ حضرت عثمانی کی علمی تحقیقات پر گہری بصیرت کا غماز ہے۔ اسلام کو سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کا اہل وہی شخص ہوسکتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا محقق ہو ورنہ تحقیق کے بغیر نہ انسان کی خود تسلی ہوسکتی ہے اور نہ دوسروں کی تسلی کرسکتا ہے بہرحال علامہ کے محقق اسلام ہونے پر حضرت کاندھلوی کا یہ جملہ پوری ترجمانی کرتا ہے۔

اسلام کے سمجھنے اور سمجھانے کے سلسلے میں علامہ عثمانی کا خود بھی ایک مشہور قول ہے جو مولانا کاندھلوی نے ''حیات انور'' کے اپنے مقالہ میں تحریر فرمایا ہے:۔

''حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجتہد وہ ہے کہ جو پوری شریعت کا مزاج کلی سمجھے ہوئے ہو جیسے طبیب وہ ہے جو طب کے مزاج سے واقف ہو۔ اگر کسی پہاڑی کو دو چار جڑی بوٹیوں کے خواص معلوم ہوگئے تو وہ طبیب بن نہیں جاتا''۔ (حیات انور ص ۱۲۰)

اس مقولہ کے بعد میرا یقین ہی نہیں بلکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ علامہ عثمانی بھی اتنے محقق اور عالم مذہب اسلام تھے کہ وہ شریعت اور مذہب اسلام کے مزاج سے واقف تھے۔

جیسا کہ میں نے ابھی سطور بالا میں واضح کیا ہے کہ وہ کسی مسئلہ کی تحقیق سے متعلق ان تمام تحقیقات کو کھنگال ڈالتے تھے جہاں جہاں انکا پتہ چلتا تھا اس وضاحت کی سچائی آپ کو حضرت محقق عثمانی کے ہی اظہار خیال سے پیش کرتا ہوں' مثلاً علامہ محقق نے اپنے مقالہ ''اسلام'' میں اثبات توحید کے سلسلے میں ایک سوال قائم کیا ہے کہ ''آیا فی الواقع ایک ہی خدا ساری دنیا کا بلا مشقت انتظام کرسکتا ہے''۔ اس سوال کے بعد علامہ لکھتے ہیں:۔

''جہاں تک فکر کی گئی اس سوال کا جواب حکیم الامت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے زیادہ پر مغز اور جامع کسی نے نہیں دیا''۔ (رسالہ اسلام مقام توحید)

اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا سوال کے جواب میں علامہ کی نظر اور تحقیق تمام علمائے متکلمین کے جوابات پر سے گزر گئی ہے اور بالآخر انہوں نے مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ کے جواب کو سب سے زیادہ لطیف اور جامع قرار دیا ہے ایسا انحصار صرف وہی عالم کرسکتا

ہے جو اس مسئلہ سے متعلق تمام تحقیقات پر عبور رکھتا ہو۔ دوسری مثال حیات انور میں یکتائے روزگار حضرت محمد انور شاہ صاحبؒ کی کتاب "کشف الستر عن صلوۃ الوتر" کے سلسلہ میں مقالہ نگار مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کی عبارت سے ملتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"حضرت استاذ محترم مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کی کتاب "کشف الستر عن صلوۃ الوتر" کی قدر اس وقت ہوئی کہ اس مسئلہ پر جتنا ذخیرہ حدیث کا مل سکا سب کا مطالبہ کیا پھر رسالہ مذکور کو اول سے آخر تک بار بار پڑھا اس وقت اس کی صحیح قدر ہوئی"۔ (حیات انور ص ۱۸۶)

اس عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کی تحقیق میں وہ آخر تک پہنچ کر اس کے متعلق آخری فیصلہ کرنے کے کس قدر مجاز تھے انہی وجوہات کی بنا پر ان کو محقق اسلام کا خطاب دینا صحیح اور مسلم ہے۔

شیخ زاہد الکوثری اور محقق عثمانی

علامہ عثمانی کی تحقیقات کے سلسلہ میں ہم آپ کو علامہ زاہد الکوثری مصری کی اس تقریظ کی طرف لئے چلتے ہیں جو فاضل موصوف نے محقق عثمانی کی "فتح الملہم" شرح مسلم کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے رسالہ "الاسلام" میں سپرد قلم کی تھی اور جو "فتح الملہم" کی تیسری جلد کے آخر میں طبع ہو چکی ہے اس تقریظ کو مکمل طور پر محقق کے علم حدیث پر تبصرہ کے موقع پر پیش کیا جائے گا لیکن فقط علامہ کے محقق ہونے سے متعلق جو جملہ انہوں نے "فتح الملہم" کی تعریف کرتے کرتے آخر میں لکھا ہے وہ یہ ہے:۔

> ومؤلفه ذالک الجهبذ الحجة الجامع لاشتات العلوم محقق العصر المفسر المحدث الفقیه البارع النقاد الغواص مولانا شبیر احمد العثمانی شیخ الحدیث بالجامعة الاسلامیة فی دابھیل سورت (بالھند) ومدیر دار العلوم الدیوبندیه (ازھر اقطار الھند)

اور اس کتاب (فتح الملہم شرح مسلم) کے مؤلف فاضل اجل سراپا حجت، علوم مختلفہ کے جامع زمانہ کے محقق، مفسر، محدث، فقیہ کامل، نقاد غواص (علوم) مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت (ہندوستان) اور مدیر دار العلوم دیوبند (ہندوستان کا جامع ازہر) ہیں۔

علامہ زاہد الکوثری نے اس عبارت میں محقق عثمانی کو محقق زمانہ، مفسر، محدث، فقیہ نقاد اور غواص علوم و تحقیقات کے الفاظ سے یاد کیا ہے زاہد الکوثری ایک زبردست فاضل اور ذمہ دار مصنف ہیں۔ آپ استنبول کے رہنے والے ہیں۔ ترکی کے آخری خلیفہ سلطان وحید الدین کے

زمانہ میں ان کو اور شیخ الاسلام مصطفےٰ صبری کو خلیفہ کی حمایت کے سلسلہ میں قتل کا حکم دیا گیا تھا لیکن قسطنطنیہ کے عمائدین اور بڑے لوگوں کی سفارش پر قتل کا حکم واپس لے لیا گیا اور ان دونوں کو جلا وطن کر دیا گیا چنانچہ شیخ زاہد الکوثری قاہرہ (مصر) میں چلے آئے تھے۔

نقاد عثمانی

علامہ زاہد الکوثری نے اپنی تقریظ میں حضرت عثمانی کو نقاد کے لقب سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لقب محقق علامہ پر بالکل چسپاں نظر آتا ہے یورپ میں نقد و نظر کی آج جس قدر قدر کی جاتی ہے وہ اپنی جگہ ایک اہم مسئلہ ہے لیکن ہم لوگ اپنے نقادوں کی تنقیدوں پر نظر نہیں رکھتے۔ اگر اسی خصوصی نظریہ کے ماتحت علامہ عثمانی کی تنقیدات کا محتاط مطالعہ کیا جائے تو ان کی تمام تحقیقات اور تصنیفات تنقیدوں کا بہترین ذخیرہ ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر حدیث اور کلامی کتابوں میں مختلف نقطہائے خیال کے اہل علم پر بصیرت افروز تنقیدیں فرمائی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ اصل مسائل کی حقیقت کی بال کی کھال نکال کر رکھ دی ہے۔ پھر تنقید میں علامہ محقق اعتدال اور انصاف کے دامن کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان کے پیش نظر اصل حقیقت کا پتہ چلانا منظور ہوتا ہے نہ کہ صرف کٹ حجتی اور دھاندلی جو اہل تحقیق سے بہت دور کی بات ہے۔ وہ موافق اور مخالف دونوں کی تحقیقات پیش کرتے ہیں مخالف کے دلائل کا پورا زور صرف کرتے ہیں اور اس کی حمایت کے وہ انداز جو وہ پیش کر سکتا ہے پیش فرما دیتے ہیں اور موافقین کے دلائل میں جس قدر وزن ہوتا ہے اس کو پوری بصیرت کے ساتھ موزوں طور پر سامنے لا کر رکھ دیتے ہیں اور پھر اپنا محققانہ تبصرہ اور حکیمانہ تنقید کا ذمہ دارانہ عمل پیش فرماتے ہیں چنانچہ اس دعوے کی دلیل میں آئندہ تحقیقات میں محقق کی یہ خصوصی صفت آپ کے مطالعہ سے انشاء اللہ گزرے گی۔

علامہ کا مرکز علم و مکتب فکر

کسی مقتدر عالم اور ممتاز ہستی کے سوانح زندگی کے سلسلہ میں یہ خیال پیدا ہونا کہ آخر اس کا مکتب خیال اور مرکز علم کیا اور کہاں ہے اور یہ شخصیت کس دار العلوم یا کالج سے فیض یافتہ ہے۔ ایک فطری امر ہے یہی خیال حضرت عثمانی کے متعلق بھی پیدا ہونا فطرت کا تقاضا ہے۔

اس سوال کے جواب میں یہ امر خاص اہمیت اور جلالت شان کا نشان دیتا ہے کہ علامہ کے فقہ اور علم و حکمت کی شمع دار العلوم دیوبند کے نور سے روشن ہے۔ انہوں نے حدیث حضرت شیخ الہند

مولانا محمود حسن صاحب عثمانی دیوبندی اسیر مالٹا سے پڑھی۔ جو براہ راست حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور یہ سلسلہ شاہ ولی اللہؒ صاحب محدث دہلوی تک چلا گیا ہے۔ علامہ کے دوسرے اساتذہ کا ذکر تو آپ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے سوانح کی پہلی جلد میں ملاحظہ فرمائیں گے جہاں ان کی تعلیم اور دیگر حالات پر مفصل روشنی ڈالی جائے گی۔ مگر سند حدیث جو کہ عربی مدارس میں فراغت کا معیار سمجھی جاتی ہے۔ اس کا شجرہ سردست آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

سند حدیث علامہ شبیر احمدؒ صاحب عثمانی

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی
حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی	حضرت شاہ عبدالغنی صاحب ابن ابوسعید دہلوی
حضرت مولانا رشید احمدؒ صاحب گنگوہی	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب
شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی	حضرت مولانا محمد قاسمؒ صاحب بانی دارالعلوم دیوبند
شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ صاحب	شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

اس شجرہ سے واضح ہے کہ علماء دارالعلوم دیوبند اور پیش نظر سوانح کے موضوع علامہ عثمانی کا سلسلہ تلمذ خاندان شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی سے جاملتا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان مجددین کی جماعت کے ایک فرد ہیں۔ جنہوں نے تجدید دین کا کام دہلی کے دارالخلافہ سے انجام دیا۔ آپ کی شخصیت پہلی شخصیت ہے جس نے ہندوستان میں قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کر کے تعلیم کتاب اللہ کی اس نئے طرز میں بنیاد ڈالی۔ اور آپ ہی نے حدیث کے علوم کو ہندوستان میں مروج فرمایا۔ چنانچہ یہ خاندان ایسی سعادت عظمیٰ کا مالک ہے کہ اسلامی علوم کے چشمے یہیں سے پھوٹ کر تشنگان شریعت کی پیاس بجھانے کے لئے ہندوستان میں پھیل گئے۔ اور اسی فیض کی برکت کا نتیجہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ کی یادگار دارالعلوم دیوبند کی صورت میں نمودار ہوا۔ اور پورے قلبی وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایسے نازک وقت میں قدرت ہندوستان میں اپنے دین کی حفاظت کے لئے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد قائم نہ کراتی تو ہندوستان میں دین اسلام کے آثار ڈھونڈے سے بھی نہ ملتے۔ بہر حال دارالعلوم کا فلسفہ مذہب شاہ ولی اللہ کا ترجمان ہے اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم کا صحیح مسلک تھا اسی بنیادی فکر کے تحت اس حقیقت کو عام کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی تصانیف فلسفہ ولی اللہی کی ترجمان ہیں اور پھر اس راہ سے

ہندوپاکستان اور بیرونی ممالک اسلامیہ یعنی حجاز، شام، افغانستان، ترکستان، چین، جاوا، سماٹرا، یمن، مکہ مکرمہ مدینہ منورہ وغیرہ میں یہاں کے تعلیم یافتہ علماء سے ولی اللہی اور قاسمی فلسفۂ اسلام پھیلا۔ اس موقع پر مناسب ہوگا کہ خاندان ولی اللہی کا نسبی اور علمی شجرہ پیش کیا جائے۔

سلسلہ وشجرۂ نسب خاندان ولی اللہی

شاہ وجیہ الدین معاصر اورنگ زیب
شاہ عبدالرحیم صاحب
شاہ اہل اللہ
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب متوفی ۱۱۷۶ھ
شاہ عبدالقادر صاحب ۱۲۳۰ھ
شاہ عبدالعزیز صاحب از ۱۱۵۹ء تا ۱۲۳۹ھ
شاہ رفیع الدین صاحب متوفی ۱۲۳۳ھ
شاہ عبدالغنی صاحب متوفی ۱۲۲۷ھ
شاہ محمد یعقوب ۱۲۸۲ھ
شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ
دختر (زوجہ شاہ محمد افضل) دختر (زوجہ شاہ عبدالحی متوفی ۱۲۴۳ھ)
رفیق شاہ محمد اسماعیل شہید
شاہ عبدالقیوم ۱۲۹۹ھ
شاہ مخصوص اللہ ۱۲۷۳ھ
شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید ۱۲۴۶ھ بالاکوٹ شاہ محمد عمر

مذکورہ بالا شجرہ سیرت "سید شہید" مؤلفہ مولانا ابوالحسن صاحب ندوی سے لیا گیا ہے۔ شجرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان میں کیسے کیسے جلیل القدر محدث اور مفسر پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کیسے قسمت کے سکندر تھے کہ ان کے چاروں فرزند علوم وفنون کے امام اور سرتاج بن کر دنیا میں مشہور ہوئے۔

جیسا کہ اوپر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ قرآن کا ذکر ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی واضح کردوں کہ چونکہ شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ میں فارسیت کا رواج کافی عروج پر تھا۔ اسی لئے شاہ صاحب نے ۱۱۵۰ھ میں یہ ترجمہ فرمایا تھا اور فارسی ہی میں ایک مختصر سی تفسیر فتح الرحمٰن کے

نام سے بھی لکھی تھی مگر عالمگیر کے بعد جب سلطنت مغلیہ زوال کی طرف جا رہی تھی تو فارسی بھی قدر بھی گھٹتی جارہی تھی اور اردو نے ترقی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ پچپن سال کے بعد ۱۲۰۵ھ میں آپ کے فرزند شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی نے قرآن کریم کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ اردو ترجمہ پوری امت مسلمہ کے نزدیک مستند اور جامع وحکیمانہ ہے آپ نے بارہ سال کی طویل اعتکاف کی حالت میں کامل مراقبہ اور غور و خوض نور قلبی اور بصیرت روحانی سے یہ ترجمہ کیا تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی خصوصیت نصرت سے تعبیر کرنا درست ہوگا۔ جیسا کہ وہ اپنے بندوں سے اپنے قرآن اور دین کی حفاظت کے لئے ایسے کام لیتے ہیں شاہ صاحب نے اس ترجمہ کی وضاحت کے لئے ایک مختصر تفسیر بھی اردو میں لکھی جو موضح القرآن کے نام سے موسوم ہے۔

دوسرا اردو ترجمہ جو لفظ بلفظ یا جس کو تحت اللفظ کہا جانا صحیح ہے شاہ ولی اللہ صاحب کے دوسرے فرزند حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے فرمایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے ایک اور فرزند جلیل القدر حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی نے بھی فتح العزیز لکھی جو دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد الحمد سے لے کر ان تصوموا خیر لکم تک ہے اور دوسری جلد سورۃ تبارک الذی سے آخر تک ہے۔ گویا تقریباً چار پاروں کی تفسیر ہے مگر بے نظیر ہے۔ غرض اس خاندان میں کچھ ایسا روحانی نور جگمگایا کہ اب تک سینکڑوں علماء ہند و پاکستان میں اس سلسلہ خاندان میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے جن کا شجرۂ علمی ملاحظہ فرمائیے۔

شجرۂ علمی از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی تا دور حاضرہ دارالعلوم دیوبند

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی

مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی

حضرت سید احمد شہید ۱۲۰۱ھ تا ۲۴۶ ۔ ذیقعد ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء

شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی

شاہ عبدالغنی بن ابی سعید دہلوی

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی ۱۳۔ صفر ۱۲۴۹ھ ۱۳۰۲ھ

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سرپرست دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۳۲۳ھ

مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند ۱۲۴۸ھ تا ۱۲۹۸ھ

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فاضل دیوبند ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ تا ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ
مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی ۱۷۔ جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ
مولانا احمد حسن صاحب امروہوی
مولانا منصور علی
شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی ۱۲۶۸ھ تا ۱۳۳۹ھ
مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی
حکیم مولانا رحیم اللہ صاحب بجنوری
مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی
مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی متوفی ۱۹۳۰ء
مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری
مولانا عبید اللہ صاحب سندھی متوفی ۱۹۴۸ء
مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ۱۰۔ محرم ۱۳۰۵ تا ۱۲ صفر ۱۳۶۹ھ ۱۸۵۵ء تا ۱۹۴۹ء دونوں کے تلامذہ
مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری محدث دار العلوم دیوبند ۱۲۹۲ھ تا ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء حسب ذیل ہیں
مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سلامت باشند
مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی
مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مفتی اعظم پاکستان
مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند
مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی
مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی
مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سوہاروی
مولانا مناظر احسن گیلانی

مذکورہ بالا شجرہ اپنی پوری تحقیق سے پیش کیا گیا ہے۔ یوں تو اس شجرہ میں کثیر التعداد حضرات شامل ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے مشہور حضرات پر اکتفا کی گئی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ

ایں سلسلۂ طلائے ناب است ایں خانہ تمام آفتاب است

میرا مقصد ان تمام شجروں سے اس قدر ہے کہ خاندان ولی اللّٰہی کے علوم و فنون کا سرچشمہ

دہلی سے دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب کے ذریعہ منتقل ہوا اور اس علم وفضل کا ایک خصوصی اور عظیم حصہ علامہ شبیر احمد عثمانی کے حصہ میں آیا۔

خصوصی نسبتیں

نسبت ولی اللٰہی

ائمہ اور فضلائے جلیل القدر کی طرف انتساب اور خصوصی نسبتوں کا اثر اپنی جگہ بہت کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ ان علماء اور فضلاء کی جماعتوں کے بھی مختلف خصائص اور امتیازات ہوتے ہیں۔ جب یہ مسلم ہے کہ دارالعلوم دیوبند خاندان ولی اللٰہی کا فیض اور پرتو ہے اور یہاں کے علماء پر شاہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ محمد اسمٰعیل صاحب نیز سید احمد شہید بریلوی کا مختلف صورتوں میں پرتو جلوہ افگن ہوا ہے۔ تو یہ کہنے میں بھی قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ علامہ عثمانی پر شاہ ولی اللہ کے علوم کا عکس اور پرتو سایہ فگن رہا ہے۔ چنانچہ علامہ عثمانی فتح الملہم کے مقدمہ میں بخاری اور مسلم کی حدیثوں کے فائدہ یقین دینے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

نحن بحمدالله نعتقدفی هذين الكتابين الجليلين بما اعتقدونقول بما قال به شيخ شيوخنا و مقدم جماعتنا مولانا الامام شاه ولی الله الدهلوی قدس الله روحه فی حجة الله البالغه (مقدمہ فتح الملہم ص ۱۰۸)

اور ہم بحمداللہ ان دونوں بلند پایہ کتابوں (بخاری ومسلم) کے بارے میں وہی اعتقاد رکھتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو شاہ ولی اللہ ہمارے شیخ الشیوخ اور ہماری جماعت (دیوبند) کے پیشوا مولانا امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ روحہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے۔

اس عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ شاہ صاحب جماعت علماء دیوبند کے استاذ الاساتذہ ہیں اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بخاری اور مسلم کی حدیثوں کے مفید یقین ہونے کے سلسلے میں علماء دیوبند کا بھی وہی مسلک ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے۔

علامہ عثمانی کو جہاں دیگر ائمہ فنون سے نسبت ہے۔ وہاں شاہ ولی اللہ صاحب سے خصوصی نسبت حاصل ہے اول اس لئے کہ مولانا عثمانی خود اس جماعت علماء کے ایک فرد ہیں جن کو اسرار وحکم شریعت پر زبردست فکر اور تحقیق حاصل ہے اور جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا خصوصی وصف ہے اور دوسرے اس لئے کہ مشہور یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے علوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے سینہ میں منتقل ہوئے اور پھر علامہ شبیر احمد عثمانی کی زبان پر ان کا ظہور ہوا۔ ایک اور تیسری نسبت علوم

حدیث کے باعث علامہ عثمانی کو شاہ ولی اللہ صاحب سے قریب کر دیتی ہے۔ غرضیکہ جہاں تک اسرار دو حکم کا تعلق ہے اس سلسلہ میں امام غزالی، ابن عربی، شاہ ولی اللہ، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب کی فہرست میں علامہ کا نام شامل ہو جاتا ہے۔

گذشتہ دور میں جسکو علامہ عثمانی کو دور کہا جائے بعض فضلاء نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفہ اسلام کا بعض اہل علم کو جانشین اور ترجمان ٹھہرایا۔ اس پر علماء میں چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ علماء دیوبند کی جماعت میں حضرت مولانا عثمانی کے ایک فاضل شاگرد مولانا محمد یوسف بنوری نے علامہ عثمانی کی خدمت میں مسلک شاہ ولی اللٰہی کی توضیح اور حقیقت مقالہ کی شکل میں لکھنے کی درخواست کی۔ چنانچہ علامہ محقق اپنے ایک مکتوب میں اپنے شاگرد کو مسلک ولی اللٰہی کے متعلق فرماتے ہیں:۔

”جو کچھ آپ نے مولانا عبید اللہ مرحوم (سندھی) کے متعلق لکھا ہے میرے نزدیک یہ مسئلہ بے حد قابل توجہ اور اہم ہے نہ صرف یہی بلکہ جماعت دیوبند میں اب بہت سی شاخیں ایسی نکل رہی ہیں جو آزادی کی مسموم ہوا سے کم و بیش متاثر ہیں۔ شاید کچھ مدت کے بعد ہمارے اکابر کا مسلک ایسا ملتبس ہو جائے کہ کوشش کرنے والوں کے نزدیک بھی منقح نہ ہو سکے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حقائق و لطائف کو جس طرح تیز مگر زہر آلود چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے اس کا احساس بہت ہی دردناک ہے۔ یہ کوئی جزئی چیز نہیں ایک فتنہ ہے جس کے آغاز کا انجام خدا جانے کہاں تک پہنچے“۔ (مکتوب تجلی، شوال ۱۳۷۱ھ دیوبند)

اس مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ محقق کو مسلک ولی اللٰہی کی صحیح روشنی حاصل ہے اور اس دور کی ان فتنہ سامانیوں پر پوری نظر ہے جیسے بعض اہل علم اپنی آزادی طبع سے متاثر ہو کر مسلک ولی اللٰہی کو نہ سمجھتے ہوئے اس کے ڈانڈے کہیں سے کہیں ملا رہے ہیں۔

نسبت قادری

دوسری نسبت حضرت عثمانی کو شاہ عبد القادر صاحب دہلوی کے ساتھ حاصل ہے۔ جس کا واضح ثبوت علامہ کے تفسیری فوائد سے ملتا ہے جس میں سینکڑوں جگہ مولانا عثمانی کے قلم پر ”شاہ صاحب“ فرماتے ہیں۔ کا ذکر آتا ہے اور ان کے اقوال پیش فرما کر علامہ فخر و ناز سے ان کو سراہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور جابجا ان کے تفسیری ٹکڑوں اور معانی کو سند کے طور پر پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی شغف اور انہماک کے باعث علامہ کو قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلہ میں شاہ عبد القادر صاحب کے ساتھ خصوصی تعلق اور نسبت حاصل ہوئی ہے جس کو تفسیر عثمانی کے پڑھنے والے بخوبی جان سکتے ہیں یوں تو ان کے تفسیری کارنامہ میں اکثر مفسرین مثلاً

ابن کثیر، ابوبکر رازی حنفی، امام رازی وغیرہ وغیرہ کے اقوال درج ہیں لیکن شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ قرآن کریم اور مختصر تفسیر موضح القرآن کے الفاظ ایسے جچے اور نپے تلے ہوئے ہیں کہ تھوڑے سے الفاظ میں طویل طویل مضامین کے سمندر کوزوں میں بھرتے چلے جاتے ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ کی ابتدائی اردو کا انداز کتنا پیارا معلوم ہوتا ہے کہ کہنے کی کیا بات ہے مفسر عثمانی کو انہی خصوصیات کے باعث کہ وہ کتنی اہم آیات کی تفسیر میں شاہ عبدالقادر صاحب کی تفسیر کو ضرور پیش نظر رکھتے ہیں مثلاً حسب ذیل آیت۔

واذاخذربک من بنی ادم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم علی انفسهم الست بربکم قالوا بلی شهدنا ع

اور جبکہ آپ کے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی جانوں پر ان سے اقرار کرایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو وہ بولے کہ کیوں نہیں۔

کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر عثمانی لکھتے ہیں:۔

''حضرت شاہ (عبدالقادر) صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد اور ان سے ان کی اولاد نکالی۔ سب سے اقرار کروایا۔ اپنی خدائی کا پھر پشت میں داخل کیا''۔ الخ (قرآن کریم مطبوعہ مدینہ پریس بجنور ص ۲۲۳ ج ۲)

غرضکہ حضرت عثمانی شاہ صاحب کے تفسیری اقوال کو جا بجا تائید اور سند نیز وضاحت کے طور پر پیش کرتے چلے جاتے ہیں جس سے ان کو ایک خصوصی اور بڑے درجہ تک شاہ عبدالقادر صاحب سے تفسیری نسبت حاصل ہے گویا علامہ عثمانی کو اس تفسیر نویسی کے عرصہ میں حضرت شاہ صاحب کی علمی صحبتوں میں دن رات کے زیادہ حصہ میں فیض حاصل کرنے کا بہت زیادہ قرب نصیب رہا ہے۔ جو علامہ کے لئے باعث فخر ہے۔

نسبت قاسمی

علامہ عثمانی کو حضرت قاسم العلوم والخیرات سے جو نسبت ہے وہ حلقہ علماء دیوبند میں شہرت اور تواتر کے درجہ پر پہنچ چکی ہے۔ اس نسبت کی وضاحت اور اس پر سیر حاصل تبصرہ علامہ کے ''علم الکلام'' کے عنوان میں آپ پڑھیں گے جہاں راقم الحروف نے نہایت تفصیل سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم صاحب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی زبان تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی زبان علامہ شبیر احمد عثمانی تھے۔ اس

امتیازی نسبت کو قسام ازل نے بلا شرکت غیرے انہی کے حصہ میں لکھا تھا۔

این سعادت بزور بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

لسان قاسمی یعنی حضرت عثمانی نے اپنے معرکہ آراء مقالہ ''العقل والنقل'' میں اس امر کا بصمیم قلب اقرار دیا ہے کہ میرے لئے اس سے زیادہ اور کوئی امر قابل فخر نہیں ہو سکتا کہ میں حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب کے دقیق اور مشکل مضامین کو نہایت سلیس اردو اور نہایت واضح عبارت میں اس طرح پیش کر دوں کہ حجۃ الاسلام کا جمال جہاں آراء اہل علم کے سامنے بے نقاب ہو جائے چنانچہ العقل میں لکھتے ہیں:۔

''میں اس سے زیادہ اپنے کو خوش قسمت اور فائز المرام بنانے کی تمنا نہیں رکھتا کہ مولانا (محمد قاسم صاحب) کے عالی مضامین میرے پیرایہ بیان میں اس طرح ادا ہو جایا کریں کہ ان کی تعبیر میرے مدعا کے واسطے مفید اور صحیح ہو''۔ (العقل والنقل مجموعہ مقالات عثمانی ص ۲۹۸، ۲۹۹)

اس عبارت سے واضح ہے کہ علامہ عثمانی کو معانی قاسمی کی تشریح سے کس درجہ شغف اور عشق تھا۔ اسی شغف کے باعث وہ لسان قاسمی کے نام کے مستحق ٹھہرے چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی حضرت عثمانی کو اسی نیابت قاسمی کے باعث ان کے تمام مضامین اور تصانیف کی شرح کرنے اور تفصیل کے ساتھ مستقل تصانیف کی صورت میں فلسفہ اسلام قاسمی کو لکھنے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان تشریحات کو یکجا جمع کیا جائے جو معانی قاسمی کی مولانا عثمانی نے جا بجا فتح الملہم تفسیر عثمانی العقل والنقل اعجاز القرآن اسلام اور دیگر تصنیفات میں کی ہیں تو ایک بڑے درجہ تک وہ اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

زبان قاسمی ہونے کے سلسلہ میں علامہ عثمانی کی ذکاوت اور فراست علمی کا بھی نہایت عمدگی کے ساتھ اندازہ ہو جاتا ہے کیونکہ مولانا محمد قاسم صاحب کے علوم اس قدر دقیق اور عمیق ہوتے تھے کہ ہر شخص کی وہاں تک رسائی ہونا مشکل ہوتی تھی۔ بقول غالب

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں   غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

ٹھیک اسی طرح مولانا محمد قاسم صاحب کے مضامین بھی وہبی اور غیبی القا بن کر سینہ راز میں اترتے تھے۔ ان کو کما حقہ سمجھنا تو در کنار ان کے علم کے سمندر کی سطح پر بھی تیرنا ہر کس و نا کس کا کام نہ تھا۔ چنانچہ دار العلوم دیوبند کے اولین صدر المحدثین سالک و مجذوب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب علیہ الرحمۃ مولانا محمد قاسم صاحب کے سوانح زندگی میں لکھتے ہیں۔

”مولوی صاحب (محمد قاسم رحمۃ اللہ) سے پڑھنا نہایت ہی دشوار تھا۔ جو شخص طباع ہو اور پہلے سے اصل کتاب سمجھا ہوا ہو تب مولوی صاحب کی بات سمجھ سکتا تھا ہر چند مولوی صاحب نہایت ہندی کی چندی کر کر بیان فرماتے مگر پھر مشکل بات مشکل ہی ہوتی ہے“۔ (سوانح عمری ص ۲۲)

اس عبارت سے اندازہ لگایئے کہ حضرت قاسم العلوم کے مضامین کس قدر گہرے اور عالی ہوتے تھے کہ ان کو سمجھنا بھی سخت دشوار ہوتا تھا۔ چنانچہ تقریر دلپذیر آب حیات اور ہدیۃ الشیعہ جو حجۃ الاسلام کی مایہ ناز تصانیف ہیں وقت فکر و نظر کا واضح ثبوت ہیں۔ ایسے دقیق مضامین کی تشریح اس طرح کرنا کہ عام سے عام لوگوں کو بھی اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ کا ہی کام تھا اور اس سلسلہ افہام و تفہیم کے لئے جو شستہ، شگفتہ، فصیح و بلیغ اور رسا زبان و دل اور دماغ و قلم وہ لے کر آئے تھے اس خصوصی صفت کے باعث دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد قاسم صاحب کی جانشین ہستی مولانا عثمانی اور صرف مولانا عثمانی تھے۔ میرا دل چاہتا ہے اور اس کا یہ فیصلہ غلط نہ ہوگا کہ میں یہ لکھ دوں کہ اگر علامہ عثمانی کے دور میں تمام مذاہب کے علماء کا ایک جلسہ ترتیب دیا جاتا جس میں اپنے اپنے مذہب کی صداقت پر اعلیٰ درجہ کے دل و دماغ اور بلند پایہ افہام و تفہیم کے ساتھ دلائل پیش کرنے کی قابلیت رکھنے والے علماء نمائندہ بن سکیں تو کسی شش و پنج کے بغیر علامہ شبیر احمد عثمانی ہی ایک ایسی ہستی ہو سکتے تھے جن کو دنیا کے مذاہب مختلفہ کے نمائندوں کے مقابلہ میں صداقت اسلام دوسروں کے دلوں میں اتارنے کے لئے اور اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے چنا جا سکتا تھا دنیا میں علماء آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے لیکن حصول علم اور قابلیت کے بعد علم کے نشیب و فراز مقام و محل اور صحیح استعمال کے اسرار و رموز سے واقف ہونا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ ساز و سکندری داند
ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

نسبت محمودی

مذکورہ نسبت سے اہل خبر قاری کا دماغ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب محدث دارالعلوم دیوبند و اسیر مالٹا کی طرف منتقل ہونا ایک واضح اور لازمی نتیجہ ہے۔ حضرت شیخ اپنے نور بصیرت، تقویٰ، فراست ایمانی، اور سیاست اسلامی کے باعث دنیائے اسلام میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں اپنی نظیر آپ تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کے آپ ارشد تلامذہ میں سے تھے ان کے جانشین اور ان کی زندگی کے لائحہ عمل اور

اسرار و رموز کے نہ صرف جاننے والے تھے بلکہ اس راہ پر چل کر صحیح نائب قاسمی ہونے کا ثبوت دینے والے باہمت مجاہد تھے اس مقدس اور مقتدر شخصیت کو دارالعلوم دیوبند کے تلمذ ہونے کا اولین فخر حاصل ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دارالعلوم دیوبند خدائے قدوس کی مشیت کا ایک غیبی شاہکار ہے اگر اپنے دین کا محافظ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اس مرکز میں علم کی شمع روشن نہ کرتا تو آج دنیائے اسلام میں جو اجالا اس سے ہوا اس کی بجائے گھٹا ٹوپ تاریکیاں چھائی ہوئی نظر آتیں۔ پھر جب مشیت ایزدی کے غیبی اشارے کو دین اسلام کے چمکانے کا ارادہ ہوا تو اس نے آفتاب قاسمی کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند کے مرکز سے پیدا کیا جس کا اجالا عرب و عجم میں پھیل گیا اور بقول حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمۃ ''لوگ مولانا محمود حسن صاحب کو شیخ الہند کہتے ہیں مگر میں تو ان کو شیخ العرب والعجم کہتا ہوں۔'' مولانا نے اس مجاہدانہ اور عالمانہ امانت کو جو ان کے استاذ نے ان کے سپرد کی تھی پورے طور پر ادا کیا غرضکہ یہ روشنی ایک لمحہ کے لئے بھی منقطع نہ ہوئی بلکہ ابھی آفتاب محمودی غروب بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس نے رشد و ہدایت کے مینار اپنے غروب ہونے سے پہلے پہلے روشن کردیئے کہ جن کی جہاں تاب کرنوں نے تمام دنیائے اسلام کو جگمگا کر رکھ دیا۔ میری مراد ان سے حسب ذیل حضرات ہیں۔

۱۔ یگانۂ زمانہ امام وقت استاذی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب محدث اعظم دارالعلوم دیوبند۔
۲۔ محقق اسلام، قاسم ثانی حضرت مولانا شبیر احمدؒ صاحب عثمانی مفسر اعظم دارالعلوم دیوبند۔
۳۔ فخر روزگار مجاہد اسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی محدث دارالعلوم دیوبند۔
۴۔ فقیہ ملت مفتی اسلام حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی۔
۵۔ مفکر اسلام، دانشمند ملت حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی فاضل دارالعلوم دیوبند۔

یہ ہیں وہ مقدس نفوس جن سے فضائے اسلام کے ذرہ ذرہ چمک اٹھا۔ یہ سب کے سب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے مایہ ناز تلامیذ ہیں جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرے گا۔ میں نے صرف چند شخصیتوں کا ذکر کیا ہے ورنہ شیخ الہند کے شاگردوں کی تعداد جن میں اور بھی جلیل القدر ہستیاں ملیں گی زینت فہرست بن سکتی ہے۔ علماء حق کے فاضل مصنف مولانا سید محمد میاں صاحب نے خاص خاص سترہ شاگردوں کے اسماء گرامی اپنی مذکورہ کتاب کے حصہ اول میں درج کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

''مندرجہ ذیل حضرات شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ کے ممتاز تلامذہ ہیں ہندوستان کا ہر ایک مسلمان ان سے واقف ہے۔

یہ حضرات شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کی اعلیٰ تربیت کا نمونہ ہیں۔ ہندوستان کا ہر ایک مسلمان ان سے واقف ہے۔

یہ حضرات شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کی اعلیٰ تربیت کا نمونہ ہیں۔ ان حضرات کی سیرت و سوانح تحریک دارالعلوم کے اصل منشاء کو طشت از بام کر دیتی ہے۔

سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ العزیز کے ممتاز تلامذہ

(۱) شیخ الاسلام سیدی و مرشدی حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی۔ (۲) علامہ جلیل بطل حریت حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی قدس اللہ سرہ العزیز (۳) علامہ جلیل امام العصر حضرت الاستاذ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری قدس اللہ سرہ العزیز (۴) ابوحنیفہ وقت حضرت علامہ مولانا محمد مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند (۵) مجاہد جلیل مولانا محمد میاں صاحب عرف مولانا منصور انصاری قدس سرہ (۶) فخر الہند حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ العزیز سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند (۷) مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدنی و بانی مدرسۃ الشریعت مدینہ طیبہ نور اللہ مرقدہٗ (۸) حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مہاجر مدنی (۹) حضرت علامہ الاستاذ مولانا محمد اعزاز علی صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند (۱۰) حضرت علامہ مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (۱۱) حضرت علامہ الشیخ مولانا عبد السمیع صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہ العزیز (۱۲) مفسر قرآن حضرت علامہ مولانا احمد علی صاحب مہتمم انجمن خدام الدین شیرانوالہ لاہور (۱۳) حضرت مولانا محمد صادق صاحب کراچی (۱۴) حضرت مولانا عزیز گل صاحب رفیق اسارت مالٹا (۱۵) مولانا عبد الوہاب صاحب دربھنگہ (۱۶) مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی (۱۷) مولانا عبد الرحیم صاحب پوپلزی وغیرہ وغیرہ (علماء حق حصہ اول ص ۲۲۶)

یہ ہیں سترہ حضرات کے نام جو کہ مولانا محمد میاں صاحب نے حضرت شیخ الہند کے ممتاز اور مشہور شاگردوں کے سلسلہ میں درج فرمائے ہیں اور جن کو بقول مصنف موصوف ہندوستان کا ہر ایک مسمان جانتا ہے البتہ ان مشہور شاگردوں کے علاوہ ایک اور شاگرد کو بھی اگر علماء حق کے مصنف درج فرما لیتے۔ تو شاید شیخ الہند کے شاگردوں میں اضافہ کا موجب ہوتا اور وہ شاگرد ہیں فخر دارالعلوم ترجمان عزیز شیخ الہند حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ جن کے متعلق علماء حق کے مصنف نے تفسیر بحواشی قرآن مترجمہ شیخ الہند مطبوعہ مدینہ پریس بجنور پر تقریظ میں حسب ذیل ریمارکس دیئے ہیں وہ لکھتے ہیں:۔

"یہ ترجمہ اگرچہ بذاتِ خود تفسیر تھا مگر اس کے مضمون کو پورے طور سے واضح کرنے کے لئے ایک ایسے متبحر عالم نے اس کی تفسیر فرمائی ہے جس کے متعلق مسلمانانِ ہند کا صحیح علم یہ ہے کہ فہم قرآن غور وفکر اور سلاست کلام دلچسپی تحریر دلپذیری تقریر میں اپنا نظیر نہیں رکھتا یعنی شیخنا واستاذنا مفسر اعظم قاسم ثانی حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی شارح مسلم شریف (تقریظ و دیباچہ قرآن مجید تفسیر عثمانی)

اس تحریر کے مطابق علامہ کے متعلق مسلمانانِ ہند کے صحیح علم میں فہم قرآن، تدبر، تحریر و تقریر، مفسر اعظم اور قاسم ثانی ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے لیکن دوسری طرف حضرت عثمانی کا نام نامی فاضل مصنف "علماءِ حق" لکھنے سے بھول گئے۔

میرے خیال میں ایک بلند خیال مصنف کو اطراف و جوانب اور ماحول کی مجبوریاں بلند شخصیتوں کی عظمت سے چشم پوشی اور فراموشی پر آمادہ نہیں کرسکتیں اور جیسا کہ ان کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ وہ ان کے شیخ اور استاذ بھی ہیں۔ تو پھر تعلقات کی کڑیاں اور بھی مضبوط ہو جاتی ہیں۔

جیسا کہ راقم الحروف نے کتاب کے آغاز میں واضح کیا ہے کہ علماء ہند و پاکستان کے تذکرہ نویس کا تذکرہ محقق عثمانی کے بغیر مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے علماء اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی فہرست بھی ان کے بغیر ناقص اور نامکمل کہی جا سکتی ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کے نہ صرف متوسط اور خاص اہل علم طبقہ کو بلکہ عوام کو بھی ان کے تفسیری کارنامے کے روزانہ پڑھنے کی وجہ سے واقفیت حاصل ہے بلکہ بلادِ اسلامیہ کے علماء میں فتح الملہم کی وجہ سے بھی ان کی شہرت ہے اور نہ صرف زمانہ حال میں بلکہ مستقبل میں بھی موصوف کے تفسیری فوائد کے باعث دنیائے اسلام ان کو یاد رکھے گی پھر ان کی تفسیر کا ترجمہ فارسی زبان میں حکومت کابل نے کرا کر تمام افغانستان بلکہ فارسی زبان بولنے والے ایران میں بھی علامہ کی شہرت قائم کردی ہے نیز بعض دیگر زبانوں مثلاً مدراسی زبان میں بھی اس تفسیر کی مقبولیت کے باعث اس کا ترجمہ ہونا سننے میں آیا ہے اور اب تک کتنے ایڈیشن چھپ چھپ کر پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے گھروں میں پہنچ چکے ہیں جو بوڑھوں، جوانوں، بچوں، مردوں اور عورتوں کی زبانوں پر روزانہ پڑھے جاتے ہیں۔ جن سے قیامت تک ان کی یادیں تازہ ہوتی رہیں گی اس لئے اس غیر فانی قرآنی خدمت کے باعث ان کو بقائے دوام اور غیر فانی شہرت عام حاصل ہو چکی ہے بلکہ جب زمانہ کے طویل گزرنے پر دوسروں کی شہرتیں ختم ہو جائیں گی اس وقت بھی شیخ الہند اور شیخ الاسلام عثمانی کی شہرتوں کے چاند ہمیشہ چڑھتے رہیں گے۔

علماء حق اور حضرت عثمانی

علامہ کا نام نامی علماء حق کی فہرست میں بے ساختہ اور بلا توقف اپنا مقام حاصل کر چکا ہے جب کہ ان کی حق گو زبان شاہ حجاز ابن سعود اور نظام دکن جیسے مقتدر اور جلیل المرتبت سلاطین کے درباروں میں حقگوئی سے باز نہ رہ سکی۔ وہ سیاست دان لیڈروں، علماء کرام، وزراء اور امراء کی مجالس میں کبھی بھی حق کہنے سے خاموش نہیں رہے۔ جن کا تذکرہ آپ رفتہ رفتہ آئندہ اوراق میں پڑھیں گے بلکہ جہاں علماء ربانی کی مصلحتیں بعض امور میں سہل انگاری اور ظاہری دور اندیشی پر مائل ہو جاتی تھیں وہاں بھی مولانا شبیر احمد عثمانی حق فرمانے سے نہ رکتے تھے اور نہ جھجکتے تھے۔

شہید ملت خان لیاقت علی وزیر اعظم مرحوم سے قرارداد مقاصد پاس کرانا حضرت عثمانی ہی کا کام تھا اور قرارداد مقاصد کے پاس ہونے سے پہلے بعض ذیلی کمیٹیوں میں جب دستور اسلامی کے سلسلہ میں لیت ولعل اور ہیر پھیر سے کام لیا جا رہا تھا تو اس وقت آپ ہی کی حق گو زبان نے صاف الفاظ میں یہ کہا تھا کہ اگر اسلامی دستور کو آئندہ حسب وعدہ پاکستان میں رائج کرنے کو پس پشت ڈالا گیا تو میرا راستہ اور ہوگا اور آپ کا اور نہ صرف یہ بلکہ میں قوم کو بتا دوں گا کہ اہل اقتدار دستور اسلامی کے سلسلہ میں اچھی نیت نہیں رکھتے۔ اس حق گوئی اور صاف بیانی ہی کا آخر نتیجہ تھا کہ بحمداللہ مارچ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد پاس ہوئی اور اب ۲۹ فروری ۱۹۵۶ء کو پاکستان کا دستور جس میں اسلامی قوانین کا بہت کچھ عنصر ہے۔ دستور ساز اسمبلی نے پاس کر دیا۔ بہر حال شیخ الاسلام کی حق گوئی کی وہ ابتدا تھی اور یہ اب اس کی انتہا ہے کہ ایک ایسے ملک میں ہمیں رہنے کا فخر حاصل ہے کہ جو نہ صرف ایک خداداد اسلامی ملک ہے بلکہ اس کا دستوری عنصر بھی اکثریت کے ساتھ اسلامی ہے اور جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام سے ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔

ان کی حق گوئی کے متعلق انشاء اللہ جلد اول میں تفصیل سے بحث کی جائے گی لیکن ایک دوسری بات اس موقع پر لکھنا مناسب ہوگی جو ان کی حق گوئی کے سلسلہ میں دلچسپی سے خالی نہیں۔

علامہ عثمانی جب دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے تو اس زمانہ میں دیوبند کے سٹیشن سے دارالعلوم تک باہر باہر سڑک کی تجویز زیر غور تھی اور اس سلسلہ میں کوششیں جاری تھیں۔ چنانچہ حافظ محمد ابراہیم صاحب نگینوی وزیر اوقاف وانہار ورسل ورسائل حکومت متحدہ آگرہ واودھ ۳۱ مئی ۱۹۳۸ء کو ۸ بجے دیوبند تشریف لائے۔ دارالعلوم کی طرف سے شایان شان استقبال کیا گیا مجلس شوریٰ کے معزز

اراکین بھی اس موقع پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم مجلس شوریٰ کے رکن تھے ان کی زیر صدارت دارالعلوم کے وسیع ہال میں جلسہ ہوا جس میں حافظ صاحب کی شان میں تقاریر کے علاوہ مدحیہ قصیدے بھی پڑھے گئے۔ غالباً کسی طالب علم نے اپنے قصیدہ میں وزیر صاحب کو ابراہیم ثانی تک کہہ دیا گو صدر مہتمم کی حیثیت سے علامہ عثمانی کی ذمہ داریاں یقیناً اہم تھیں لیکن جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو ابراہیم ثانی کے لفظ پر مولانا کے جذبۂ ایمانی و حق گوئی میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور قصیدہ گو کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"مولوی صاحب ایک حافظ ابراہیم نہیں ان جیسے ہزاروں ابراہیم بھی حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاک پا کی برابر نہیں ہو سکتے۔ آپ کو تجدید ایمان کرنا چاہیے اور توبہ کرنی چاہیے"۔ (اوکما قال مثل ہذا)

مجھ سے اس واقعہ کو دارالعلوم دیوبند کے ایک ثقہ راوی نے بیان فرمایا راوی کے بعینہ الفاظ کے متعلق ہو سکتا ہے کہ تبدیلی ہو گئی ہو لیکن معنی اور مفہوم کے متعلق مجھے کوئی شبہ نہیں چنانچہ دارالعلوم ۱۳۵۷ھ کی روئیداد کے صفحہ پچپن پر وزیر موصوف کی آمد اور مفتی صاحب مرحوم کی زیر صدارت جلسہ کا ذکر موجود ہے گو اس واقعہ کا ذکر اس میں کرنا مناسب نہ تھا کہ یہ انفرادی امر تھا ایک طالب علم کا۔

مولانا عثمانی کی تقریر کے بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب نے جو ایک دانشمند اور فہمیدہ انسان ہیں۔ اپنی تقریر میں حضرت عثمانی کی تائید فرمائی اور قصیدہ گو کے مذکورہ الفاظ کی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کی۔ اور ایک اولوالعزم پیغمبر کے مقابلہ میں اپنی بے بضاعتی اور کہتری کا اقرار فرمایا۔ اس حق گوئی کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے دوسری طرف وزیر موصوف کی آمد پر علامہ عثمانی نے اپنے ذاتی خرچ پر ان کی چائے سے تواضع فرمائی جس میں معززین اور اراکین مجلس شوریٰ بھی موجود تھے۔

اس واقعہ کی نوعیت سے حضرت مولانا عثمانی کی حق گوئی پر اہل بصیرت کیلئے کافی روشنی پڑتی ہے۔ میرا منشا اس روایت سے اس کے سوائے اور کچھ نہیں کہ میں بحیثیت سوانح نگار یہ واضح کر دوں کہ علماء حق کی جماعت میں حضرت مرحوم کا مقام بہت بلند تھا اور نہ صرف حق گوئی کی بنا پر بلکہ ان کے اسلامی افکار و نظریات میں بھی کبھی باطل کا رنگ نہیں آنے پایا۔ جو علماء حق کے لئے ایک طرۂ امتیاز ہے وہ ہر تحریک میں شریعت کے احکام کو اپنا بنیادی اصول بنا کر آگے قدم رکھتے تھے اور اس کے حق و باطل ہونے کو ہر حیثیت سے پرکھتے تھے۔

ترک موالات تحریک خلافت و کانگریس ہندو مسلم اتحاد غرضکہ ہر شعبہ سیاست میں ان کا ایک خاص مسلک اور امتیازی رنگ تھا جس میں وہ اسلامی امتیازات کو کبھی پشت اور مغلوب ہوتے ہوئے

ویقیناً گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ یاد ہوگا کہ جمعیۃ العلماء ہند کے ایک سالانہ اجلاس میں جو ۱۹۲۱ء لاہور میں جناب مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا تھا اور جس میں ہندو مسلم اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے گائے کی قربانی کو مصلحت وقت کا شکار بنانے کی کانا پھوسی ہو رہی تھی اور بالآخر مولوی فاخر صاحب جو بریلی کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے خاص طور پر گائے کی قربانی کو ترک کر دینے اور ہندوؤں کی خوشنودی کے پیش نظر اس اسلامی آزادی کو محدود کرنے کی جو پرزور تائید کی تھی اور حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ کا نام لے کر علی الاعلان مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس تجویز کی مخالفت میں کسی کی پرواہ نہیں کی جائے گی اس چیلنج پر شرکائے جلسہ کو یاد ہوگا جیسا کہ مجھ سے مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس نے فرمایا ہے کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اٹھے اور آپ نے برجستہ اور مختصری تقریر میں فرمایا (حالانکہ آپ کی تقریر پہلے ہو چکی تھی) کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج مطہرات کے کہنے پر شہد کھانے سے اجتناب کرنے کا ارادہ ہی ظاہر فرمایا تھا۔ حالانکہ شہد کے نہ صرف حلال ہونے بلکہ پاکیزہ اور شفا ہونے کا قرآن کریم میں شدومد سے ذکر آیا ہے تو اس پر خدائے قدوس کی بارگاہ سے فوراً وحی ہوئی:۔ یایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک

اے نبی اللہ نے جس چیز کو آپ کیلئے حلال کیا ہے اس کو کیوں حرام کرتے ہیں۔ اپنی ازواج کی خوشنودیاں آپ کو مطلوب ہیں۔

اس آیت کو پڑھ کر محقق عثمانی نے قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کسی چیز کے خود حلال و حرام کرنے کا اختیار نہ تھا تو کسی کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ وہ اسلامی شعائر میں غیر مسلموں کی خوشنودی کے لئے کتر بیونت اور حلال سے ممانعت کی تلقین کرے اور اسی آزادانہ خیالات کا اظہار حضرت شیخ الہند کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت عثمانی نے مولانا محمد علی جوہر حکیم اجمل خان ڈاکٹر انصاری وغیرہ کے سامنے کیا تھا۔

جس زمانہ میں کہ شاہ افغانستان امان اللہ خان اپنی بیگم ثریا کے ساتھ یورپ کی سیر میں مصروف تھے اور جن حالات میں بھی ملکہ ثریا کی بے حجابی کا چرچا ہوا جس سے افغانستان میں شاہ کے خلاف نفرت کے شعلے بھڑک اٹھے اور بالآخر ملک سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اسی زمانہ میں اخباروں میں پردہ کی بحث بہت شدومد سے چھڑی۔ مولانا عثمانی کو بھی غور کی نظر سے ان مضامین میں سے بعض کو پڑھنے کا اتفاق ہوا جو زمیندار اخبار میں چھپے تھے اول تو شاہ امان اللہ کی بیگم جو ایک آزاد اور

مسلمان ملک کی بیگم تھی اور دوسرے شریعت کے پردہ کے بارے میں صحیح حکم اور صحیح منشاء کی حقیقت نے ان کو حق کی آواز بلند کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ نے پردہ کی اصل شرعی حقیقت اور مسئلہ کی واضح نوعیت پر قلم اٹھاتے ہوئے جہاں مضمون نگاروں کے معیار سے ہٹ جانے پر تنبیہ کی۔ وہاں شاہ امان اللہ کو بھی غائبانہ حسب ذیل الفاظ میں پیغام دیا۔

’’کاش کوئی صاحب ہمت دولت علیہ افغانستان کے امیر غازی اور ان کی ملکہ معظمہ ثریا جاہ کے سمع ہمایوں تک حضرت عمر کے یہ الفاظ پہنچا دے‘‘۔

یا ابا عبیدة انکم کنتم اذل الناس واحقر الناس واقل الناس فاعزکم اللہ بالاسلام فمهما تطلبو العزة بغیر اللہ یذلکم اللہ

اے ابوعبیدہ تم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل حقیر اور کمتر تھے۔ اللہ نے اسلام کے ذریعہ سے تمہاری عزت بڑھائی۔ پس جب کبھی تم غیر اللہ کے ذریعہ سے عزت حاصل کرو گے۔ خدا تم کو ذلیل کرے گا۔

ایک اور جگہ اپنے ترک موالات کے خطبہ میں ان کی حق گوئی کا نشان حسب ذیل الفاظ میں ملتا ہے۔

’’مسلمانوں کی فلاح سے متعلق شرعی حیثیت سے جو میری معلومات ہیں ان کو بلا کم وکاست آپ کے سامنے رکھ دوں اور اس کی بالکل پروا نہ کروں کہ حق کی آواز سننے سے حضور وائسرائے بہادر مجھ سے برہم ہو جائیں گے یا مسٹر گاندھی یا علی برادران یا اور کوئی ہندو یا مسلمان‘‘۔ (خطبہ ترک موالات ص ۳)

یہی نہیں بلکہ ان کی حق گوئی حق طرازی اور حق کوشی سے ان کی زندگی کے لمحے بھرے پڑے ہیں۔ ہمارے محترم فاضل مولانا سعید احمد اکبر آبادی فاضل دیو بند وایم اے حضرت علامہ عثمانی کی وفات پر برہان میں اپنے مبسوط مقالہ میں جو نظرات کے عنوان کے ماتحت سپرد قلم کیا گیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

’’(حضرت عثمانی) حق بات کہنے میں ہمیشہ بے باک اور نڈر تھے اور ہر معاملہ میں اپنی رائے صفائی اور آزادی کے ساتھ پیش کرتے تھے‘‘ (نظرات، برہان جنوری ۱۹۵۰ء)

ان واقعات کی روشنی میں حضرت علامہ عثمانی کا علمائے حق کی بلند نگاہ جماعت میں شامل ہونا اسی طرح روشن ہے۔ جس طرح نصف النہار کے وقت سورج اپنی درخشاں کرنوں کے ساتھ روشن ہوتا ہے۔ ایک بار پھر ’’علمائے حق‘‘ کے مصنف سے دوستانہ شکوہ کرتے اور حسرت بار الفاظ میں یاد دلانے کے لئے دل کو مجبور پاتا ہوں کہ کاش وہ علمائے حق کی فہرست میں حضرت موصوف کو نہ فراموش کرتے تو اچھا ہوتا ایک سوئی کا نگاہوں سے اوجھل ہو جانا بہت آسان ہے۔ مگر ایک پہاڑ

کے نظر نہ آنے کا کیا امکان ہے ایک تنکے کا نگاہ سے بچ جانا سہل ہے مگر ایک شہتیر کا دکھائی نہ دینا حیرت انگیز ہے ایک ذرے کا چشم بینا سے چھپ جانا غلط نہیں۔ مگر ایک آفتاب کا نگاہوں میں نہ آنا کیونکر صحیح ہو ایک قطرہ سے چشم پوشی ممکن مگر ایک سمندر سے قطع نظر کس طرح ممکن ہو جائے کسی چیونٹی پر نظر نہ پڑے مسلم مگر آسمان کے لئے نگاہیں مژگاں بن جائیں تسلیم نہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی مولانا محمد صادق صاحب کراچی اور مولانا عبدالوہاب صاحب دربھنگوی تک مصنف کی نظریں پہنچ گئیں۔ لیکن خاص اپنے دیوبند کے ہم وطن خاندان عثمانی پر نظر نہ پڑنا حیرت سے خالی نہیں۔ جناب محترم مولانا محمد میاں صاحب کی غلغلہ انداز تصانیف کے باعث میرے دل میں ان کی اتنی ہی قدر ہے جتنی دارالعلوم کے کسی فرزند کی اور میرے اس شکوہ کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ میرا دل ان کی عظمت سے خالی ہے بلکہ

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ علامہ عثمانی بھی تو اپنے ہی اکابر کے دل و دماغ ہیں۔ ان سے قطع نظر کرنا دارالعلوم کے جواہر گرانمایہ میں سے کسی عمدہ جوہر کو گم کر دینا ہے اور ذرا ادھر دیکھئے کہ حضرت استاذی رئیس الواعظین مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سوانح قاسمی مصنفہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے حواشی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی براہ راست اولاد میں حضرت اقدس مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمہم اللہ اپنے اپنے وقت میں علم و دین کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے"۔ (سوانح قاسمی جلد نمبر ص ۲۰۰ حاشیہ نمبر ۱)

بلاشبہ حضرت موصوف کے قول کے مطابق یہ تینوں حضرات علم و دین کے اُفق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ یہ حضرات جن پر دارالعلوم کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ دین کے دراصل امام تھے۔ اگرچہ بعد میں آئے لیکن اگلوں سے کم نہ تھے۔ رئیس القلم مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی فاضل دیوبند سوانح قاسمی میں حضرت نانوتوی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ظاہر ہے کہ ہر ایک اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ خدا کا وعدہ تھا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اُمتی حضرت نانوتوی کو امام ماننے والوں کو بھی آج کوئی گننا چاہے تو کیا گن سکتا ہے۔ ذرا سوچئے ان لوگوں کو جو تقریباً ایک صدی سے عالم دین بن بن کر دارالعلوم دیوبند سے نکل رہے ہیں۔ اور ملک کے طول و عرض میں پھیل رہے ہیں، اور خود ہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا کہ ان میں ایسے کتنے

ہیں۔ جن کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونے والے عقیدتمندوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے ان میں حکیم الامت حضرت مُرشد (مولانا اشرف علی صاحب) تھانوی' شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن' حضرت امام کشمیری' شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی' حضرت مولانا حسین احمد مدنی' مولانا خلیل احمد انبھٹوی وغیرہم جیسے حضرات ہیں۔ جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حلقۂ اثر میں مستقل امام اور پیشوا مانے جاتے ہیں۔'' (سوانح قاسمی جلد اول ص ۱۳۳)

مذکورہ عبارت میں مولانا مناظر احسن صاحب نے علامہ شبیر احمد صاحب کو اپنے زمانہ کا شیخ الاسلام اور امام مانا جانا ظاہر کیا ہے اور ایسا لکھ کر نہ صرف انہوں نے حقیقت کا انکشاف کیا۔ بلکہ اپنی منصفانہ فراست کا پتہ دیا ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایڈیٹر برہان کے حسب ذیل الفاظ جو انہوں نے جنوری ۱۹۵۰ء کے نظرات میں حضرت عثمانی کے متعلق تحریر فرمائے ہیں۔ اپنے اختصار کے باوجود مولانا کی ذات پر نہایت موزوں اور چست نظر آتے ہیں:۔

''ان (علامہ عثمانی) کا وجود اس عہد ضلالت و گمراہی میں اللہ کی رحمت کا ایک سایہ تھا۔ وہ شریعت مصطفوی کے ناموس اور دین قیم کی آبرو تھے''۔

سچ تو یہ ہے کہ مولانا اکبر آبادی کے مذکورہ مختصر الفاظ ایک کوزہ ہیں جن میں سمندر کو سمو دیا گیا ہے۔ جن سے مولانا کی دین قیم کی خدمات اور ناموس مصطفوی کی حفاظت سے بھرپور زندگی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔

مولانا عثمانی کی ذات اور ان کے ان صفات کی بنا پر جن کا ہر کہ و مہ کو بصمیم قلب اقرار ہے ضرورت ہے کہ "علماء حق" میں موصوف کا ایک مستقل عنوان قائم کر کے کتاب کو تکمیل کا جامہ پہنایا جائے۔ جس میں در اصل مصنف کی سعادت مندی ہوگی ورنہ۔

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنیست بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

میں سوانح نگاری کی ذمہ داری میں کہاں سے کہاں نکل گیا۔ میرا سلسلہ کلام تو یہ تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلامیذ میں۔ جن مقدس شخصیتوں کا میں نے ذکر کیا ہے اور ان کے ساتھ ان شاگردوں کو بھی شامل کر کے جن کا تذکرہ علماء حق کے مصنف نے کیا ہے یہ سب کے سب حضرت شیخ الہند کے تلامذہ تھے نیز بعض اور جلیل القدر ہستیوں کا بھی شاگردی میں ذکر کردوں کہ انہوں نے بھی حضرت شیخ الہند کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے اور وہ ہیں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مرحوم و مغفور حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب علیہ الرحمۃ اور مولانا مرتضیٰ

حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ چاندپوری اور ان سب حضرات کو محمودی نسبت حاصل ہے۔

نسبت محمودی کا ایک خاص رنگ مولانا شبیر احمد عثمانی پر بھی ہے اور سچ پوچھئے تو مولانا عثمانی حضرت شیخ الہند سے بہت قریبی نسبت رکھتے ہیں۔ اول اس لئے کہ مولانا کو حضرت شیخ الہند سے نسبی رشتہ داری کا تعلق ہے اور دوسرے اس لئے کہ وہ شیخ الہند کے مقرب اور قابل فخر شاگرد ہیں کہ انہوں نے علم حدیث کی امام الکتب بخاری شریف اور ترمذی شریف ان سے پڑھی ہے۔ نسبی رشتہ داری کے متعلق ملاحظہ فرمایئے دار العلوم دیوبند کی ۱۳۳۲ھ کی روئیداد جس میں شیخ الہند کے والد محترم مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ کی وفات پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے والد محترم مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے صدمہ دلسوز کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں اس وقت کے مہتمم صاحب نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"مولانا (ذوالفقار علی صاحب) کی وفات کا صدمہ علی العموم تمام ارکان مدرسہ کو بہت زیادہ ہے لیکن جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب ممبر قدیم مدرسہ دیوبند ڈپٹی انسپکٹر مدارس پنشنر کو جو علاوہ برادر خالہ زاد وابن عم ہونے کے آپ کے ہر وقت کے رفیق ہمدم و شریک حال تھے جس قدر ملال و قلق ہے اس میں ان کا کوئی شریک نہیں"۔ (روئیداد مدرسہ ۱۳۳۲ھ)

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا ذوالفقار علی صاحب مولانا فضل الرحمان کے چچا زاد اور خالہ زاد بھائی ہوتے تھے اسی ڈبل نسبی رشتہ سے آگے شیخ الہند اور مولانا شبیر احمد صاحب بھی نسبی بھائی بھائی تھے۔ البتہ شیخ الہند ابتدائی دور اور علامہ عثمانی آخر دور میں مقدم و موخر ہو کر استادی اور شاگردی کے مراتب سے وابستہ ہو گئے۔ اس خاندانی نسبت میں مولانا شیخ الہند کیساتھ ان کے مشاہیر تلامذہ میں یا فخر الہند مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو اور یا مولانا شبیر احمد صاحب کو قرب حاصل ہے لیکن محض رشتہ دار تو شیخ الہند کے دوسرے خاندانی اشخاص بھی ہو سکتے ہیں مگر تلمذ کا رشتہ ہی ایک ایسا رشتہ ہے جس پر فخر اور مسرت کی صحیح بنیادیں استوار ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ نہیں اپنی تصنیفات میں حضرت عثمانی نے اپنے اس سلسلہ تلمذ کو تحدیث نعمت کے طور پر بیسیوں جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ طہور اور وضو کو بحث میں دونوں کے فرق کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

وھذا الفرق اللطیف قد سمعت شیخنا المحمود قدس اللہ روحہ

اور یہ لطیف فرق میں نے اپنے شیخ محمود قدس اللہ روحہ سے سنا تھا (فتح الملہم جلد نمبر۱ ص ۴۰۸)

مذکورہ جملہ میں شیخ محمود کا لفظ شیخ کے ساتھ عقیدت اور محبت کا پورا آئینہ دار ہے۔

جانشینی شیخ الہند

شیخ الہند کی جانشینی کا مسئلہ گذشتہ زمانہ میں ان کی وفات کے بعد مختلف اوقات کی تحریکوں میں اپنی پوری قوت کے ساتھ ابھرتا رہا ہے۔ اکابر کے معتقدین اپنے اپنے حلقہ فکر میں خصوصی تعلقات کی بنا پر مختلف حضرات کو شیخ الہند کا جانشین بولتے اور لکھتے رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ سب اپنے اپنے خیال میں درست تھے یہ کوئی ایسی حقیقت نہیں ہے جس پر بحث میں شدت اور غلو تک طول کھینچا جائے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ ایک ہی شمع کی کرنیں تھیں کسی میں کوئی وصف نمایاں تھا اور کسی میں کوئی کسی میں رحم و کرم کی صفت غالب تھی کوئی اللہ کے احکام کو بجالانے میں سخت تھا کوئی جوہر حیا میں غالب تھا اور کوئی علم و فقہ میں فضیلت رکھتا تھا۔ اس کے باوجود اہل سنت والجماعت نے ان میں واقعات اور حدیثی فضائل کے پیش نظر جو تفاضل قائم کیا ہے اور حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کو افضل قرار دیا ہے پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حسب ترتیب فضیلت دی ہے وہ اپنی جگہ آپ ہے اسی طرح ائمہ اسلام علماء کرام نیز اولیاء میں اہل علم نے فضیلت کے درجات قائم کئے ہیں غرضکہ یہ سلسلہ دلائل اور واقعات کے پیش نظر کچھ دنیا میں چلا ہی آ رہا ہے اور خدائے پاک نے بھی انبیاء کے درجات کے سلسلہ میں یہ فرمایا:۔

تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض منھم من کلم اللہ و رفع بعضھم درجٰت

یہ رسول ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ بعض کے ساتھ اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجے بلند فرمائے۔

بہرحال صفت الٰہیہ بھی یہی نظر آتی ہے کہ اگر انسان کو باہمی تفاضل میں نیک نیتی ادب اور حقیقت کا اعتدالی رنگ قائم رہے تو اظہار خیال میں مضائقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت شہید مصنفہ مولانا ابوالحسن صاحب ندوی میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ خیال درج ہے جو انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ اور حضرت مولانا سید احمد صاحب شہید نور اللہ مرقدہ دونوں استاد اور شاگرد کے درمیان تفاضل اور ترجیح کے طور پر ظاہر فرمایا ہے اس لئے راقم الحروف کے خیال میں حضرت شیخ الاستاذ مولانا سید انور شاہ صاحبؒ حضرت شیخ الہند کے مسند درس بخاری اور حدیثی تحقیقات و علوم اسلامی میں سب سے بڑھ کر صحیح جانشین ہیں۔ بلکہ اپنے وقت کے

امام ہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب اپنے شیخ کے ساتھ مالٹا کی اسارت کے زمانہ میں رفاقت کا بہت بڑا شرف حاصل کر چکے ہیں جس سے آنحضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غار ثور کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے اس خصوصیت میں وہ اپنے دیگر معاصرین میں فوقیت رکھتے ہیں وہ اسلام کے ایک جانباز مجاہد اور زبردست عالم حدیث ہیں کہ ان کے پایہ کا محدث اب موجودہ دور میں ڈھونڈے سے بھی ملنا مشکل ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو فقہ میں جانشین شیخ الہند مانا جائے تو درست ہوگا۔ گویا مسند فقہ پر بیٹھ کر وہ اہل ہند کی فقہی ضروریات کو پورا کرنے میں شیخ الہند کے جانشین ہیں۔ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی اپنے شیخ کے رازدار جاں نثار اور اسلام کے بہت بڑے مفکر ہیں اور شیخ کی طرف سے ممالک اسلامیہ کے ساتھ امور خارجہ کے سفیر ہیں یا یوں کہئے کہ وہ شیخ الہند کے سیاسیات میں جانشین ہیں۔ مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ نے اپنے شیخ کی سوانح عمری لکھ کر جو حق ادا کیا ہے۔ وہ اور کسی کے حصہ میں نہیں آیا۔ البتہ حضرت مولانا مدنی نے سفرنامہ اسیر مالٹا“ لکھ کر اور اسارت کے واقعات کی ترجمانی کر کے اپنے استاد کی زندگی کا ایک خاص حصہ روشن کیا ہے جو قارئین کے لئے مجاہدانہ کارناموں کی یاد تازہ کرتا رہے گا۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف اور سیاسی و علمی امور کے جانشین اور ترجمان ہیں۔ وہ اپنی تحریر و تقریر سے اپنے استاذ کی جانشینی کا حق ادا کرتے رہے ہیں۔ اس خصوصی امر میں مولانا عثمانی کی سیاسیات میں راقم الحروف نے بحث کی ہے۔ تاہم مختصر طور پر اتنا عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ تحریک خلافت کے زمانہ میں مالٹا سے واپسی پر حضرت شیخ الہند نے اپنی کمزوری اور بیماری کے باعث جس شخص کو اپنی نمائندگی کا سب سے زیادہ شرف بخشا ہے اور جو اندرون ملک ان کے سفیر تھے وہ مولانا عثمانی ہی تھے۔ ان کی ترجمانی کا انتخاب بظاہر وہاں سے نظر آتا ہے۔ جہاں استاذ محترم مولانا محمد طیب صاحب نے سوانح قاسمی کی جلد ثانی کے حاشیہ میں وضاحت فرمائی ہے لکھتے ہیں۔

”حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ چونکہ آپ (مولانا محمد قاسم صاحب) کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور آپ کے جذبات کا گہرا رنگ لئے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ حضرت والا کے اس جذبہ نفرت کے بھی مظہر اتم تھے۔ مالٹا سے واپسی پر جب ترک موالات کا استفتا حضرت شیخ الہند کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اپنے تین شاگردوں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو جمع کر کے فرمایا کہ یہ فتویٰ آپ لوگ لکھیں۔ ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی موجودگی میں ہم کیا لکھیں گے۔ فرمایا کہ مجھ میں انگریزوں سے نفرت کا جذبہ شدت لئے ہوئے ہے۔ مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہ حدود کی رعایت ہو سکے گی۔ اور حق

تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لا تعدلوا (کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل سے ہٹا نہ دے) (سوانح قاسمی جلد نمبر ۲ حاشیہ ص ۲۷۷)

اس عبارت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے تینوں کو جمع کر کے ترک موالات کا فتویٰ لکھنے کو ارشاد فرمایا لیکن کس نے لکھا تینوں نے یا کسی ایک نے اور بصورت تینوں حضرات کے لکھنے کے کس کے فتویٰ کو زیادہ پسند فرمایا اس کا اس عبارت میں کوئی تذکرہ نہیں البتہ مولانا عثمانی کا ترک موالات پر اٹھائیس صفحہ کا ایک مفصل خطبہ جو انہوں نے جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ ۷۔ ۸۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء بصدارت شیخ الہند پڑھا تھا۔ آج بھی میرے سامنے ہے۔ جو حمیدیہ پریس دہلی میں چھپا تھا اور جس کو بیحد پسند کیا گیا تھا۔ اس فتویٰ یا مضمون کے ٹائٹل پر حسب ذیل عبارت ہے۔

"ترک موالات پر زبردست تبصرہ"۔

"حضرت مولانا الفاضل العلامہ شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی نے جمعیۃ علمائے ہند دہلی کے اجلاس میں پڑھی تھی اور جسے حاضرین نے نہایت شوق و رغبت سے سنا اور بے حد پسند کیا"۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقریر تحریر کی شکل میں حضرت عثمانی نے اجلاس سے پہلے حضرت شیخ الہند کی فرمائش پر لکھ لی تھی۔ چنانچہ حضرت عثمانی اپنی تفسیر یا فوائد قرآن کریم سورۂ آل عمران ص ۶۸ حاشیہ نمبر ۸ کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس مسئلہ (ترک موالات بالکفار) کی مزید تفصیل سورۂ مائدہ کی آیت یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء الخ کے فوائد میں ملاحظہ کر لی جائے اور بندہ کا مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر چھپا ہوا ہے۔ جو حضرت الاستاذ مترجم محقق قدس اللہ روحہ کے ایما پر لکھا گیا تھا"۔ (قرآن کریم مطبوعہ مدینہ پریس مترجمہ شیخ الہند ص ۸۸ ف ۸)

اس سے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ نے ترک موالات کا خطبہ حضرت شیخ کے ارشاد پر تحریر فرمایا تھا اور اپنے مذہبی معلومات طرز استدلال، شگفتگی عبارت، فصاحت زبان اور سیاسی حالات کے اعتبار سے شیخ الہند کی نگاہ میں بیحد پسند ہوا۔ یہی وہ جانشینی تھی جس نے ان خدمات کے لئے حضرت شیخ کے دل میں جگہ کر لی اور پھر انہوں نے اپنا ترجمان بنا لیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی اپنے مشہور ماہوار رسالہ معارف اپریل ۱۹۵۰ء میں مولانا عثمانی پر مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"یاد آتا ہے کہ (شیخ الہند) موصوف اسی سال کے آخر یا ۱۹۲۱ء کے شروع میں مالٹے سے

چھوٹ کر مع خدام کے جن میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب بھی تھے۔ واپس آئے مگر شاید چند ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہے اور وفات پائی۔ اس درمیان میں عقیدت مندوں نے ہر سمت سے ان کو بلایا مگر خود تشریف نہ لے جاسکے اپنے قائم مقام یا ترجمان کی حیثیت سے مولانا شبیر احمد صاحب ہی کو بھیجا۔ ان مقامات میں سے خاص طور سے دہلی کے جلسہ میں ان کی نیابت نہایت یادگار اور مشہور ہے گائے کی قربانی ترک کرنے کے مسئلہ میں بھی جس کو حکیم اجمل خان مرحوم نے اٹھایا تھا۔ حضرت مولانا شیخ الہند کی طرف سے مولانا شبیر احمد صاحب نے نہایت واشگاف تقریر فرمائی تھی۔ یہ ترجمانی اور نیابت مولانا شبیر احمد صاحب کے لئے نہ صرف فخر و شرف کا باعث بلکہ ان کی سعادت اور ارجمندی کی بڑی دلیل ہے"۔ (معارف اپریل ۱۹۵۰ء ص ۳۰۰)

سید صاحب کی یہ تحریر مولانا عثمانی کے لئے شیخ الہند کی جانشینی اور زبان و ترجمان بننے پر ایک روشن دلیل ہے۔ یہ حقائق تو اپنی جگہ ہیں لیکن ایک بہت بڑی غیر فانی جانشینی جو قدرت نے صرف علامہ شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ کے لئے لکھی تھی جس کا تذکرہ میں نے ابھی اوپر کیا ہے۔ وہ ہے شیخ الہند کے مالٹا کے کارنامے یعنی ترجمہ قرآن کریم پر عثمانی کی تفسیر۔ یہ رفاقت قیامت تک کے لئے شیخ الاسلام عثمانی ہی کے حصہ میں آئی۔ ذرا اخبار مدینہ بجنور کے پرچوں کو اٹھا کر دیکھئے۔ اس کے ہر پرچہ میں ایک اشتہار نکلتا ہے جس کا مضمون تقریباً حسب ذیل ہوتا ہے۔

"قرآن کریم مترجم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسیر مالٹا فوائد تفسیریہ
از عمدۃ المفسرین مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی"

اسی قسم کا مضمون قرآن کریم مطبوعہ مدینہ پریس کے ٹائٹل کا ہے جس کے مالک مولانا مجید حسن صاحب ہیں اور یہ ترجمہ اور تفسیر انہوں نے ہی طبع کرائے ہیں جو کروڑوں مسلمانان ہند و پاک کے روزانہ مطالعہ میں آتے ہیں۔ اور ان کی روزانہ کی روحانی ضرورت ہے اسی طرح کابل سے جو ترجمہ شیخ الہند اور تفسیر عثمانی کو فارسی زبان میں جامہ پہنا کر چھاپا گیا ہے۔ اس کے ٹائٹل کے صفحہ پر بعینہ حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے۔

قرآن مجید با ترجمہ و تفسیر
بامر پادشاہ شریعت پرور المتوکل علی اللہ اعلیٰ حضرت
محمد ظاہر شاہ

پادشاہ افغانستان تحت نظر ہیئتی از علمای جیدایں کشور از ترجمہ و تفسیر حضرت شیخ الہند (محمود حسن) دیوبندی فوائد موضح الفرقان نگارش شیخ الہند مولانا شبیر احمد دیوبندی از اردو بفارسی ترجمہ و بہ مطبعہ عمومی کابل طبع شد۔

اب قارئین کرام اس قدرتی غیبی رفاقت اور جانشینی کے فیصلہ پر نظر دوڑائیے کہ کس طرح شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب عثمانی اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی استاد شاگرد کا نام قیامت تک ساتھ ساتھ چلا جائے گا۔ آج مجھے اس تحریر کے اثناء میں اس امر کا کشف ہوا کہ شیخ الہند کے فوائد خود ان کے ہاتھوں کیوں نہ پورے ہوئے یا ادھورے رہ گئے تھے تو کسی اور سے ان کی تکمیل کیوں نہ کرائی گئی۔ بات تو یہی تھی کہ یہ جانشینی گل وبلبل کی طرح حضرت علامہ کے ہی حصہ میں لکھی تھی۔ اب بقول حسرت موہانی

نگاہ یار جسے چاہے سرفراز کرے   وہ اپنی خوبی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

یا بقول مولانا احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی

گل وبلبل کی طرح ہے مجھے نسبت تجھ سے   لوگ لیتے ہیں مرا نام ترے نام کے ساتھ

اور اب جو حاجی وجیہ الدین صاحب مقیم کراچی نے اس ترجمہ اور تفسیر کو چھپوایا ہے اس کے ٹائٹل پر یہ عبارت ہے:۔

(ترجمہ از حجۃ الاسلام شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ

(مع فوائد) راس المفسرین شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ

اس ترجمہ اور تفسیر کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور تاج کمپنی کی شاخ کراچی اپنے پورے اہتمام کے ساتھ چھ ترجمہ والا قرآن کریم اور حاشیہ پر علامہ عثمانی کی تفسیر نہایت خوبصورتی سے بلاکوں پر چھاپ رہی ہے۔ اس کا اشتہار اور نمونہ میرے سامنے ہے جو کمپنی نے چھاپا ہے اور ''امروز'' وغیرہ اخباروں میں بھی اس کے چرچے ہو رہے ہیں۔ عبارت اشتہار پیش کرتا ہوں۔

چھ ترجمہ والا عکسی قرآن

حاشیہ پر مکمل تفسیر از شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

موضح القرآن از حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی

(۱) پہلا ترجمہ از شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی (۲) دوسرا ترجمہ از شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی (۳) تیسرا ترجمہ از شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب (۴) چوتھا ترجمہ از مولانا فتح محمد خاں جالندھری (۵) پانچواں ترجمہ از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (۶) چھٹا ترجمہ فارسی زبان میں از حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب۔

اس اشتہار کو ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت عثمانی کا نام نامی کہاں ہے اور کن فرشتہ انسانوں کی محفل میں ان کو خداداد لیاقت اور اس تفسیر کی وجہ سے جگہ ملی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تفسیر کو بارگاہ خداوندی میں مقبولیت حاصل ہو چکی ہے اور اب حضرت شیخ الہند کی رفاقت اور جانشینی کے ساتھ

ساتھ جیسا کہ میں نے نسبت ولی اللٰہی اور نسبت قادری کے ماتحت ظاہر کیا ہے۔ حضرت عثمانی، شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب کی محفل میں نظر آ رہے ہیں۔

میرا مقصد ان سب تفصیلات سے یہ ہے کہ علامہ کو اپنے استاد کی جانشینی کا یہ سرٹیفکیٹ قدرت کا عطیہ ہے، جس کا اظہار میرا قلم نہیں بلکہ غیبی اشارہ کر رہا ہے اور یہی میرا مقصد نسبت محمودی کے عنوان سے ہے، جس کے ماتحت یہ مضمون یہاں تک کھنچتا چلا آیا۔

نسبت اشرفی

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ اپنے زمانہ کے مجدد تھے۔ ان کا روحانی اور علمی مقام آج کی دنیا میں آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ ایسی صاحب عظمت ہستیاں اگر دوسرے اہل علم کی قابلیت کا اعتراف کریں تو یہ ان کے لئے باعث سعادت ہے یوں تو دنیا میں اب مدح سرائی کا بازار گرم ہے لیکن حضرت تھانوی کی زندگی کسی کی بے حقیقت تعریف یا مبالغہ آرائی سے قطعاً بے نیاز تھی ان کی زبان مبارک سے کسی کی تعریف اپنی کنار میں حقیقت کی ایک بڑی دنیا رکھتی ہے حضرت عثمانی کے علم و فضل کے بارے میں انہوں نے بعض مجالس تقریر اور علمی صحبتوں میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ موصوف کے لئے مایہ صد افتخار ہے۔

۱۱، ۱۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو دارالعلوم دیوبند کیا صلاح نصاب کی جو مجلس دارالعلوم میں منعقد ہوئی۔ اس میں جہاں اور حضرات کمیٹی میں شامل تھے ان میں مولانا عثمانی بھی تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آپ مدرسہ فتح پوری دہلی کے صدر مدرس تھے۔ اس مجلس میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی بھی تشریف فرما تھے جو مجلس کے سرپرست تھے مولانا عبیداللہ صاحب ناظم جمعیۃ الانصار روئداد اجلاس موتمر الانصار میں لکھتے ہیں:۔

”حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے حضرت مولانا مرحوم کی تصانیف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مولانا مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب سے فرمایا کہ مولوی شبیر احمد صاحب مدرس اول مدرسہ فتح پوری دہلی کو چونکہ مولانا مرحوم کی کتابوں سے ایک خاص مناسبت ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا عمامہ ان کو دوں۔ آپ اس امر کا اعلان فرما دیں مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا کی اس قدر افزائی کا اعلان فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سلطان العلماء مدظلہم سے اجازت لے کر مولانا اشرف علی صاحب عم فیضہم نے اپنا عمامہ مولوی شبیر احمد صاحب کے سر پر رکھا“۔ (روئیداد موتمر الانصار ص ۱۰۵۹)

مولانا تھانوی کا مولانا عثمانی کے سر پر عمامہ رکھنا ان کے لئے ایک خاص سعادت مندی اور خوش نصیبی کا موجب ہے۔ جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ مولانا تھانوی کی یہ شفقت یقیناً مولانا عثمانی کے لئے سرمایہ حیات ہے اور میرا مدعا اسی واقعہ سے نسبت اشرفی کے عنوان کے لئے پورا ہو جاتا ہے چونکہ اس مجلس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب بھی تشریف فرما تھا۔ اس لئے حضرت تھانوی نے ان سے اجازت لے کر مولانا عثمانی کے سر پر عمامہ باندھا چونکہ حضرت شیخ الہند مولانا تھانوی کے بھی استاد تھے۔ اس لئے ان سے اجازت نہ لینا ایک قسم کا سوء ادب تھا۔ بہر حال مولانا عثمانی کیلئے ان دونوں بزرگوں کا اعزاز انتہادرجہ کی خوش قسمتی سے کم نہ تھا۔

اس کے علاوہ موتمر الانصار کے اجلاس اول بمقام مراد آباد مولانا عثمانی نے جو اپنا مقالہ "اسلام" پڑھ کر سنایا تھا۔ اس پر بھی اپنی تقریر کے آغاز میں حضرت تھانوی نے ان کی بہت حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔

حضرت تھانوی کے الفاظ یہ ہیں:۔

"جو دلائل عقلیہ وجود صانع حقیقی اور ضرورت نبوت و رسالت پر مولوی شبیر احمد صاحب نے بیان فرمائی ہیں۔ میں اب ان سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں"۔ (روئیداد موتمر ص ۱۱۰)

علاوہ ازیں جمعیۃ الانصار کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۱۲ء بمقام میرٹھ مولانا عثمانی نے "دار آخرت" پر جو عالمانہ تقریر فرمائی تھی وہ بھی ایک تاریخی تقریر تھی جس نے بڑے بڑے علماء کو محو حیرت بنا دیا تھا رسالہ القاسم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ میں اس تقریر کی کیفیت کا پورا نقشہ مولانا سراج احمد صاحب نائب مدیر نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"آپ کی تقریر (یعنی مولانا شبیر احمد صاحب) سے موتمر الانصار اور دار العلوم دیوبند کی ایک خاص شان ہویدا تھی اور سامعین محو حیرت تھے"۔ (القاسم ص ۳۸_۳۹)

بعد ازاں مدیر مرحوم لکھتے ہیں:۔

"اس کے بعد (یعنی مولانا شبیر احمد صاحب کی تقریر کے بعد) حضرت طبیب امت مولانا مولوی اشرف علی صاحب مدظلہم العالی کا وعظ شروع ہوا۔ مولانا کا وعظ جس رنگ میں ہوتا ہے۔ اس کو سب جانتے ہیں آپ نے وعظ شروع کرنے سے قبل مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا کہ میں اپنے چھوٹوں کو بھی بڑا سمجھتا ہوں۔

اگر میرا کوئی معتقد نہ مانے تو وہ جانے میں تو یہی خیال کرتا ہوں۔ یہ مولوی شبیر احمد صاحب

جن کی تقریر آپ نے سنی ہے۔ میرے چھوٹے ہیں۔ مگر میں ان کو بڑا سمجھتا ہوں۔ ان کی ذات سے ہمیں امید ہے کہ یہ سب کچھ کرلیں گے۔ اب ہم کو موت کا ڈر نہیں رہا ہے کیونکہ ہماری جماعت میں کام کے آدمی پیدا ہوتے جارہے ہیں بعدہٗ مولانا نے دعا کے بعد خطبۂ ماثورہ پڑھ کر وعظ شروع کیا"۔ (رسالہ القاسم جمادی الاولی ۱۳۳۰ھ ص ۲۸-۲۹)

حضرت تھانوی کے مذکورہ الفاظ سے حضرت عثمانی کی علمی قدروں کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے حکیم الامت کا یہ فرمانا "کہ ان کی ذات سے ہمیں امید ہے کہ یہ سب کچھ کرلیں گے اب ہمیں موت کا ڈر نہیں رہا ہے"۔ مولانا عثمانی کی ذات کو چار چاند لگاتا ہے اور انہی وجوہات کی بنا پر میں نے نسبت اشرفی کی سرخی قائم کی تھی۔

علامہ عثمانی اور معاصرین

سیدنا مولانا محمد انور شاہ صاحب

حضرت عثمانی کو غائبانہ یا حاضرانہ جن علماء کرام سے ان کے علمی افکار کی ترجمانی یا شاگردی وعقیدت مندی کے سلسلہ میں خصوصی نسبتیں حاصل تھیں۔ ان کا اجمالی تذکرہ اوپر کیا جاچکا ہے جن سے علامہ کا مقام علم وفضل واضح طور پر متعین ہو جاتا ہے لیکن جن معاصرین نے مولانا کی علمیت پر ان کی زندگی یا وفات کے بعد خراج تحسین پیش کیا ہے اب مختصراً ان کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہوگا۔

گزشتہ سطور میں حضرت شیخ الہندؒ کے تلامیذ کے سلسلے میں امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آپ کی ہستی علماء میں مسلم تھی خود علامہ عثمانی فتح الملہم میں حضرت امام العصر کے متعلق معراج النبی علیہ السلام کے ماتحت لکھتے ہیں۔

> سألت الشيخ العلامة التقى النقى الذى لم تر العيون مثله و لم ير هو مثل نفسه ولو كان فى سالف الزمان لكان له شأن فى طبقة اهل العلم عظيم وهو سيدنا ومولانا الانور الكشميرى ثم الديوبندى اطال الله بقائه من تفسير اوائل سورة النجم (فتح الملہم جلد نمبر ا ص ۳۲۵)

شیخ علامہ تقی انقی کہ ان جیسی ہستی آنکھوں نے نہیں دیکھی اور نہ خود انہوں نے اپنی جیسی کوئی شخصیت دیکھی۔ اور اگر آپ پہلے زمانہ میں ہوتے تو اہل علم کے طبقہ میں آپ کی بڑی شان ہوتی

اور وہ ہمارے سردار مولانا انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی ہیں۔ میں نے ان سے سورہ نجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر کے متعلق درخواست کی۔

سیدنا الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد اور پہلے اسارت مالٹا کے زمانہ سے ان کے درس بخاری و ترمذی پر تقریباً دس سال تک مسند نشین رہے ہیں۔ اور حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی حضرت شیخ الہند کے دوسرے قائم مقام تھے جنہوں نے شیخ الہند کی زندگی میں اور بعد ازاں مسلم شریف جیسی جلیل القدر کتاب کا جس کو بخاری کے بعد حدیث کی سب سے بڑی اور صحیح کتاب تسلیم کیا گیا ہے درس دیتے رہے ہیں۔ بہر حال مولانا انور شاہ صاحب کے دل میں علامہ عثمانی کی جو علمی قدر و منزلت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود حضرت شاہ صاحب کے تفسیر اور حدیث کے کتنے ایک مشکل اور دقیق مسائل کو ان سے ان کی لیاقت علمی فصاحت تحریر و تقریر اور ملکہ افہام و تفہیم کے باعث لکھوانے کی فرمائش کرتے رہے ہیں اور یہی فرمائش حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی بھی مولانا عثمانی سے رہا کی ہے کہ وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے مضامین کی سلیس اور عام فہم انداز میں ترجمانی کریں اور نہ صرف یہ حضرات بلکہ دارالعلوم پر جب کبھی کسی معاند اور معترض کے حملے ہوئے ہیں تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا عثمانی ہی کو جواب لکھنے اور دارالعلوم کی ترجمانی کے لئے فرمایا کرتے تھے اور مولانا اپنی خداداد قابلیت کے باعث ان امور سے بخوبی عہدہ برآ ہوتے تھے۔ چنانچہ جاننے والوں کو یاد ہوگا کہ دارالعلوم میں سر جیمس میسٹن گورنر یوپی کی آمد پر جب مولانا ابوالکلام آزاد کا معترضانہ مضمون زمیندار میں شائع ہوا تو ’’تشریح واقعہ دیوبند‘‘ کے نام سے مولانا عثمانی نے ہی ان اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا تھا جو چھپا ہوا اس وقت میرے پاس ہے اور میری ریسرچ اور تحقیقات کے قیمتی سامان کا ایک جزء ہے اور میری ان آنکھوں نے خوب دیکھا ہے اور میری قوت حافظہ کو خوب یاد ہے کہ خلافت کی تحریک کے مد و جزر کے بعد جب سر محمد شفیع دارالعلوم میں آئے اور انہوں نے تحریک میں دارالعلوم کے علماء کی شرکت پر ایک گونہ اظہار خیال کیا تو نو درہ کے جلسہ میں جو سر شفیع کے لئے منعقد کیا گیا تھا مولانا عثمانی ہی کو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے جوابی تقریر کے لئے فرمایا تھا اور پھر جو جواب آپ نے دیا اس میں نہایت منصفانہ اور مدبرانہ انداز میں دارالعلوم کی وکالت کی گئی تھی اور بتایا تھا کہ علماء دیوبند کی شرکت کن مذہبی اور سیاسی فرائض کے ماتحت اعتدال پسندی کے ساتھ رہی ہے اسی طرح مولانا

حبیب الرحمٰن شیروانی اور دیگر مقتدر شخصیتیں جب دارالعلوم میں آیا کی ہیں۔ مولانا عثمانی ہی حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے ترجمانی کرنے کے لئے متعین تھے۔ گویا وہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور اپنی مادر علمی دارالعلوم کے بھی مستحق اور بجا طور پر ترجمان تھے۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب کے دل میں مولانا عثمانی کی جو قدر تھی اس کا اندازہ شاہ صاحب کی بعض تحریروں سے بخوبی ہو جاتا ہے مولانا عثمانی کی جو قدر تھی اس کا اندازہ شاہ صاحب کی بعض تحریروں سے بخوبی ہو جاتا ہے مولانا عثمانی کی فتح الملہم شرح مسلم پر ایک طویل تقریظ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"علامہ عصر خود مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبند محدث ومفسر ومتکلم ایں عصر اند"۔

(حاشیہ فتح الملہم ص ۳)

ان دو سطروں کے مختصر الفاظ میں شاہ صاحب نے مولانا کو اپنے زمانہ کا علامہ محدث مفسر اور متکلم فرمایا ہے اس کے علاوہ حضرت عثمانی کے مایہ ناز متکلمانہ اور فلسفیانہ مقالے "خوارق عادات" پر تقریظ میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

ایک مدت گزرتی ہے احقر نے حضرت علامۃ العصر مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کی خدمت عالی میں عرض کی تھی کہ تفسیر قرآن اس زمانہ کی ضرورت کو لحاظ کر کے جو بتائے دین محمدی کا واحد مدار اور دنیا کو اس کا انتظار ہے جس کا ایک مقدمہ مبسوط علیحدہ لکھنا چاہئے جس میں چند مسائل اور عقائد عقلاً و نقلاً سلف صالح اور اہل سنت والجماعۃ کے طریقہ پر طے کئے جائیں مثلاً مسئلہ تقدیر، خلق افعال عباد اور مسئلہ معجزات۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الحمد للہ والمنۃ کو جناب مستطاب موصوف الصدر نے مسئلہ معجزات کو لکھ لیا ہے اور ان شاء اللہ المستعان ایسا واقع ہوا ہے کہ احقر کے دائرہ تمنا سے بہت اعلیٰ وارفع اور ایسا حاوی اور منضبط کہ ہر ایک حق پسند سے یہ امید قائم ہوگی کہ دیکھتے ہی ان شاء اللہ بدون کسی تردد کے مطمئن ہو جائیں گے"۔ (خوارق عادات ٹائٹل ص ۲)

اس عبارت میں خوارق عادات کے اہم مسئلہ پر مولانا عثمانی کے مقالہ کی جس طرز میں شاہ صاحب نے داد دی ہے وہ ڈھکی چھپی نہیں ہے بلکہ مولانا کے علم وفضل زور تحریر کے علاوہ حضرت عثمانی کی طرز نگارش کا ایسے انداز میں اعتراف کیا ہے کہ اس مقالہ کو پڑھ کر ہر حق پسند کسی تامل کے بغیر معجزات کے بارے میں مطمئن ہو سکتا ہے۔ غرض ان دونوں تقریظوں سے شاہ صاحب کے دل کا حال مولانا عثمانی کے علم وفضل کے متعلق ایک گونہ معلوم ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی مرحوم

مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم شیخ الہند کے تلمیذ یا بالفاظ دیگر ان کے وزیر سیاست خارجہ تھے جو مدتوں تک اپنے استاذ کے مشن کی تگ و دو کے باعث جلا وطن رہے۔ ان کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی۔ بہت سے فضلاء ان کو اسلام کا مفکر مانتے ہیں اگرچہ ایک جماعت کو خود دارالعلوم دیو بند میں ان کے بعض نظریات سے سخت اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ تاہم وہ مولانا عثمانی کے معاصر ہیں اور دونوں ایک ہی شیخ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے حضرت علامہ کے ایک مقالہ کو جو "الروح فی القرآن" کے نام سے موسوم ہے جب مکہ معظمہ کے دوران قیام میں پڑھا تو حسب ذیل ریمارکس بذریعہ ڈاک لکھ کر بھیجے جو "صدائے ایمان" کے ٹائٹل کے تیسرے صفحہ پر درج ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"اس کتاب کا ایک ایک لفظ میرے لئے نہایت بصیرت افروز ثابت ہوا اور اس مشکل مسئلہ کو اس قدر آسان بیان کرنے کی داد جس قدر میرا دل دے رہا ہے اس برعظیم میں انہیں ایسے بہت کم ملیں گے میں حضرت علامہ (مولانا شبیر احمد صاحب) کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی قوت بیانیہ کا مثل جانتا ہوں"۔ (صدائے ایمان مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۹ھ)

مولانا عبید اللہ صاحب کی تقریظ میں مسئلہ روح جیسے مشکل مسئلہ کو سلیس بنا دینے کی داد کے علاوہ ایسے عظیم الشان مضمون پر قلم اٹھانے پر حضرت عثمانی کے انتہائے کمال کا اعتراف کیا گیا ہے اور انہوں نے بھی مولانا کو علامہ کے خطاب کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی قوت بیانیہ کا مثل ٹھہرایا ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی ذات ستودہ صفات سے کون ہے جو واقف نہیں آپ حضرت شیخ الہندؒ کے جاں نثار پروانوں اور ممتاز شاگردوں میں سے ہیں جن کے متعلق ایک صحبت میں مولانا عثمانی نے فرمایا تھا کہ "مولانا حسین احمد صاحب ہماری جماعت میں ایک مجاہد شخصیت ہے"۔ ستائیس اٹھائیس سال سے دارالعلوم دیو بند میں شیخ الہند کی مسند درس پر شاہ انور شاہ صاحبؒ کے بعد متمکن ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب دونوں ایک ہی مادر علمی ایک ہی شیخ کے روحانی فرزند ہیں۔ دونوں پر دلالت مطابقی کی نسبت صادق آتی ہے۔ یعنی شبیر اور حسین احمد اور احمد اب آپ ہی بتائیے کہ ایک شبیر احمد اور دوسرے حسین احمد ہوتے ہوئے ان میں کوئی فرق معلوم ہوتا ہے جس ہستی کا نام حسین تھا اسی کا لقبی نام شبیر تھا بہر حال حضرت عثمانی کی وفات پر دارالعلوم دیو بند کے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا

حسین احمد صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا:۔

’’حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کی شخصیت بے مثال تھی۔ علم و فضل میں آپ کا پایہ بلند تھا اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے۔ مولانا مرحوم کے تبحر علم و فضل اور بلند پایہ شخصیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ علمی طور پر ان کی شخصیت مسلمہ کل تھی تحریر و تقریر کا خداداد ملکہ مولانا مرحوم کا حصہ تھا اور بہت سی خوبیوں کے حامل تھے‘‘۔ (الجمعیۃ دہلی ۲۴ دسمبر ۱۹۴۹ء)

سید عبدالحمید خطیب سفیر حکومت سعودیہ

حکومت مکہ و مدینہ سعودیہ عربیہ کے سفیر متعینہ پاکستان سید عبدالحمید صاحب خطیب نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا:۔

مولانا شبیر احمد عثمانی کی موت نے مجھے رنج و غم کے سمندر میں غرق کر دیا ہے مرحوم فی الحقیقت اس مشرقی علم و فضل کے ترجمان تھے۔ جو اسلامی دنیا کے لئے باعث فخر و مباہات ہیں۔ آپ اسلامی علوم اور عقائد کے پیکر تھے۔ علم و فضل کے علاوہ غیرت اسلامی جہاد اور اسلامی روایات کو زندہ رکھنے کا جو جذبہ ان کے دل میں موجود تھا اس کی وجہ سے ان کی عظمت بلند درجہ تک پہنچ چکی تھی۔ اور ان صفات کی وجہ سے آپ عہد حاضر میں قطعی طور پر بے نظیر تھے‘‘۔ (اخبار مدینہ سعودی ۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء کالم نمبر ۳ ص ۱)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی

مدرسہ امینیہ کے تعزیتی جلسہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو اپنے زمانہ کے زبردست فقیہ، فرشتہ سیرت اور مرنجاں مرنج بزرگ تھے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

’’مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی کی وفات حسرت آیات ایک سانحہ عظمیٰ اور ملیہ کبریٰ ہے۔ مولانا مرحوم وقت کے بڑے عالم، پایہ کے محدث، مفسر، خوش بیان مقرر تھے‘‘۔ (اخبار الجمعیۃ دہلی ۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء)

شہید ملت خان لیاقت علی سابق وزیر اعظم پاکستان

شہید ملت خان لیاقت علی علامہ کی دل سے بہت ہی قدر و منزلت کرتے تھے۔ بلکہ امور مملکت میں اکثر و بیشتر ان سے مشورہ لیتے تھے۔ جس کا اعتراف مولانا تمیز الدین صاحب سابق صدر دستور ساز اسمبلی پاکستان نے کراچی کے ایک تعزیتی جلسہ کی صدارتی تقریر میں فرمایا تھا۔

بہرحال شہید ملت نے کہا:۔

’’موت کے بے رحم ہاتھوں نے ہم سے ایک متبحر عالم ایک متقی انسان اور ایک سچے مسلمان

کو جدا کر دیا اور ہمیں اسلامی معاشرے کی تنظیم و تشکیل میں ان کے گرانقدر مشوروں سے محروم کر دیا۔ اس وقت درماندہ انسانیت کو رہنمائی اور قیادت کے لئے ان کی سخت ضرورت تھی۔ مولانائے مرحوم کی شخصیت علم اور وسیع النظری کی مجموعہ تھی"۔ (زمیندار ۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

مولانا نے حضرت عثمانی کی وفات پر اپنے اخبار "صدق" میں تحریر فرمایا:۔

"استاذ العلماء علامہ شبیر احمد عثمانی شارح صحیح مسلم و مفسر قرآن کا غم آج سارے عالم اسلامی کا غم ہے "تھانوی" کے بعد علامہ عثمانی کی ذات اب اپنے رنگ میں فرد رہ گئی تھی' اپنے وقت کے زبردست متکلم نہایت خوش تقریر' واعظ' محدث' مفسر' متکلم سب ہی کچھ تھے"۔

مسٹر ابو سعید بزمی ایم اے ایڈیٹر "احسان" لاہور

مسٹر ابو سعید بزمی ایم اے ایڈیٹر احسان لاہور نے اپنے تعزیتی ایڈیٹوریل میں بھی ارادت سے حضرت علامہ کو نذر عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا۔

"علماء کرام کی صف میں مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی علمی فضیلت اور کردار کی بلندی دونوں اعتبار سے اتنا بلند مقام رکھتے تھے کہ پاکستان تو درکنار دنیائے اسلام میں بھی آپ کے پائے کی ہستی کوئی نہ تھی"۔ (اداریہ احسان ۱۴ دسمبر ۱۹۴۹ء)

اگر علامہ کی شخصیت سے متعلق لوگوں کے خیالات کو ضبط تحریر میں لایا جائے تو ایک مستقل کتاب بنتی ہے۔ راقم الحروف کا ارادہ ہے کہ انشاء اللہ ان تمام بیانات کو سوانح عثمانی کی پہلی جلد میں پیش کیا جائے گا۔ تاہم مذکورہ بالا مبصرین نے جن میں علمائے اسلام لیڈر' ایڈیٹر' حکومت کے ارکان' جدید تعلیم یافتہ سب کے سب شامل ہیں۔ مولانا کے متعلق جو کچھ خیالات ظاہر کئے ہیں وہ بغیر حقیقت نہیں اور اسی لئے وہ اس قابل ہیں کہ ان کے سوانح قلم بند کئے جائیں کیونکہ علامہ عثمانی نہایت فصیح و بلیغ مقرر دنیائے اسلام میں اپنے عہد کے بے نظیر عالم' محدث' مفسر' متکلم وسیع النظر سیاست دان محتاط اور متدین اور بقول مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم پا کباز محدث تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے جہاں میں دیدہ ور پیدا

تصنیفات عثمانی اور مقالات' خطبات' مضامین

حضرت عثمانی کو قدرت نے اگرچہ صلبی اولاد سے محروم رکھا لیکن اس کے عوض ان کو ایسی معنوی اولاد سے سرفراز فرمایا جس کا سلسلہ اس وقت بھی قائم رہے گا جبکہ اہل دھیال بھی اپنے آباء و

اجداد کی یادیں تازہ رکھنے سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ہیں ان کی علمی یادگاریں جو لوگوں کے لئے ہمیشہ جنت نگاہ رہیں گی۔ یہ وہ سدا بہار پھول ہیں جن کو کبھی خزاں کے ظالم ہاتھ چھو نہیں سکتے۔

کسی عالم، مورخ، سائنس دان اور ماہر فنون کی یادگاریں، کوٹھیاں، باغات و مال دولت کے انبار نہیں ہوتے بلکہ وہ افکار کا خزانہ ہوتا ہے جس کے سامنے قارون کے گنجہائے گرانمایہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

مولانا عثمانی نائب پیغمبر تھے اور ہر پیغمبر کوئی مال وراثت میں نہیں چھوڑتے۔ اس لئے آپ نے بھی جو ورثہ چھوڑا ہے اس کا نہ صرف آپ کا خاندان بلکہ تمام امت مسلمہ وارث ہے۔ چنانچہ مذکورہ عنوان کے تحت مولانا کی تصنیفات، مقالات، مضامین اور خطبات کو مفصل بیان کیا جائے گا جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اسلام

شوال ۱۳۲۸ھ اپریل ۱۹۱۱ء

یہ مقالہ علم کلام میں ہے جو مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی فرمائش پر شوال ۱۳۲۸ھ مطابق اپریل ۱۹۱۱ء میں تحریر میں جسمیں وجود باری، توحید رسالت ملائکہ کے اثبات پر زبردست محققانہ رنگ میں بحث کی گئی ہے۔ یہ مقالہ موتمر الانصار مراد آباد کے ہنگامہ خیز اجلاس منعقدہ ۱۴، ۱۵، ۱۶ اپریل ۱۹۱۱ء کی تیسری نشست میں شام کے وقت ۱۴ اپریل کو آٹھ بجے سے دس بجے تک سینکڑوں علماء اور فضلاء کے سامنے مولانا نے خود سنایا تھا اور یہیں سے ان کی شہرت کا پبلک میں آغاز ہوا تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:۔

”۱۹۱۱ء یا اس کے پس و پیش زمانہ میں مراد آباد میں بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں علی گڑھ، ندوہ اور دیوبند کے اکثر رجال علم و عمل جمع ہوئے اور تمام ہندوستان سے مسلمانوں کا بڑا مجمع اس میں شریک تھا۔ اسی جلسہ میں مولانا شبیر احمد صاحب نے ”اسلام“ کے نام سے اپنا ایک کلامی مضمون پڑھ کر سنایا۔ حاضرین نے بڑی داد دی“۔ (رسالہ معارف اپریل ۱۹۵۰ء ص ۲۹۸)

۲۔ العقل والنقل

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء

یہ تصنیف بھی علم کلام میں علامہ عثمانی کی معیاری تصنیف ہے جس میں محققانہ مباحث کے بعد ثابت کیا گیا ہے کہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا اور کبھی عقل کی سلامتی یا نقل کی صحت میں قصور ہو جانے کی وجہ سے اختلاف پیش آئے تو اس وقت اس کا فیصلہ کس طرح ہونا چاہئے۔ اس پر

کلام کیا ہے درا صل یہ مقالہ اس زمانے کے ماحول کو درست کرنے کے لئے لکھا گیا تھا جبکہ بعض اطراف یعنی علی گڑھ کالج کے بانی سر سید مرحوم کے مسلک پر چلنے والوں کی طرف سے عقلیات کا غلغلہ بلند تھا اور شریعت کے وہ تمام نظریات جوان کو اپنی عقل کے خلاف معلوم ہوتے تھے ان کو رد کر کے اسلام سے خارج کرتے چلے جارہے تھے جیسا کہ میں انتخابات میں آگے چل کر پیش کروں گا۔

راقم الحروف کی تحقیق میں مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے یہ تصنیف اس مجوزہ سکیم کے مطابق تحریر فرمائی ہے۔ جو ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ کی جمعیۃ الانصار کی میٹنگ میں درجہ تکمیل کے سلسلہ میں ممبران مجلس نے پاس کی تھی۔ اس میٹنگ میں درجہ تکمیل کے نصاب کے لئے مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ البالغہ‘ شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی تکمیل الاذہان حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی تصنیفات اور ادب‘ تاریخ‘ کلام و تفسیر کی ”مستند کتابوں کا مطالعہ‘ اردو‘ عربی لٹریچر اور مناظرہ و تدریس کی ممارست کو واجبات میں سے قرار دیا گیا تھا چنانچہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ کو عام جلسہ میں اس درجہ کا افتتاح ہوا۔ ملاحظہ ہو رپورٹ موتمر کا ص ۶۲‘۶۳ حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے تقریر فرماتے ہوئے کہا:۔

”درجہ تکمیل جس کے فوائد عرصہ دراز سے تسلیم کیے ہوئے تھے آج توکلا علی اللہ اس کی ابتداء ہوئی ہے اور اپنے مقدس بزرگوں کی تصانیف اس کے نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔ ان کے سمجھنے والوں سے ہم کو امید ہے کہ وہ اسلام کے اصول و فروع کے متعلق معتد بہ واقفیت پیدا کریں گے۔ عموماً عقل و نقل کے اہم مسائل میں ان کو ایک خاص بصیرت حاصل ہوگی“۔

شیخ الہندؒ کی تقریر کا خط کشیدہ جملہ راقم الحروف کے نزدیک مولانا عثمانی سے العقل والنقل لکھوانے کا باعث ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ تصنیف القاسم میں بالاقساط مضامین کی شکل میں چھپتی رہی اور بالآخر ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ تک علامہ عثمانی نے اس کو مکمل کر دیا۔ اور پھر کتابی شکل میں طبع ہوئی۔ آخری قسط کے اول میں مدیر القاسم کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔ جو ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ کے اول میں چھپی ہے:۔

”مدت ہوئی کہ القاسم میں اس معرکۃ الآراء مضمون العقل والنقل کے کچھ حصص شائع ہوئے تھے۔ اہل ملک اور بالخصوص انگریزی دان طبقہ پر جو گرویدگی اور مقبولیت کے آثار ہویدا ہوئے تھے ان کی صداقت ان خطوط سے معلوم ہوتی ہے جو اس مضمون کے متعلق دفتر میں موصول ہوئے تھے۔ مولانا شبیر احمد صاحب نے عنان توجہ دوسرے امور کی طرف منعطف کی تھی یہ مضمون ناتمام رہ گیا تھا اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو جن کے اصرار نے آج ہماری دیرینہ آرزو کو پورا کیا اور یہ نایاب اور مفید مضمون تمام ہو کر ہم کو ملا جو درج ذیل ہے“۔ (مدیر)

الحاصل مولانا عثمانی کی اس تصنیف سے پہلے عقل ونقل کی مطابقت میں ایسی جامع تقریر غالباً موجود نہ تھی۔ تصنیف کے آخر میں یہ تحریر ثبت ہے:۔

"شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ"۔

۳۔ اعجاز القرآن

اعجاز القرآن اپنی نوعیت کی نہایت مدلل تصنیف ہے جس میں قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے خدا کا کلام ہونے پر فاضلانہ اور ردجانہ بحث کی گئی ہے۔ بحثوں اور تنقیدوں کے ضمن میں قرآن کریم کے معجز بیان ہونے کو جس رنگ کے ساتھ پیش فرمایا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد ایک منصف مزاج غیر مسلم قرآن کریم کو خدا کا کلام تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بعض اردو فارسی اور عربی کے شعراء پر تنقیدیں بھی کی گئی ہیں۔ مولانا نے اپنی تفسیر میں **فاتوا بسورۃ من مثلہ** کے ماتحت سورۂ یونس میں اس تصنیف کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے "اس مسئلہ پر ہم نے "اعجاز القرآن" کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جسے شوق ہو ملاحظہ کرے"۔

۴۔ الشہاب

۱۸ صفر ۱۳۴۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۲۴ء

اس مقالہ میں اصول اربعہ فقہ یعنی قرآن[1] حدیث[2] قیاس[3] اور اجماع[4] سے قتل مرتد کا ثبوت دیا گیا ہے۔ ۳۱ اگست ۱۹۲۴ء کو بعد نماز ظہر اتوار کے دن شیر پور (چھاونی کابل) میں شاہ امان اللہ خان نے نعمت اللہ خان قادیانی اور اس کے جاسوس رفیق عبد اللطیف کو مرتد قرار دیکر ہزاروں کے مجمع میں سنگسار کرا دیا تھا جس پر لاہوری اور قادیانی مرزائی چلا اٹھے۔ اور انہوں نے اس سزا کو خلاف شریعت ثابت کرتے ہوئے سخت احتجاج کیا۔ اخباروں اور رسالوں میں بحثیں رہیں مولانا عثمانی نے یہ مقالہ اسی سلسلہ میں تحریر فرمایا تھا اس تصنیف کا حوالہ مولانا عثمانی نے اپنی تفسیر حاشیہ قرآن مجید مطبوعہ مدینہ پریس میں ص ۲۲۹ فوائد صفحہ نمبر ۲۲۸ میں اس طرح دیا ہے "اور احقر نے کچھ خلاصہ رسالہ "الشہاب" میں درج کیا ہے" اس کتاب کے آخر میں شبیر احمد عثمانی دیوبند ۱۸ صفر ۱۳۴۳ھ درج ہے۔

۵۔ معارف القرآن

از جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ تا رمضان ۱۳۳۱ھ

یہ مولانا عثمانی کا پر مغز اور اعلیٰ بصیرت کا ترجمان مبسوط مقالہ ہے جو رسالہ القاسم کے

پرچوں میں بالاقساط ماہ جمادی الاولیٰ جمادی الاخریٰ رجب شعبان وغیرہ ۱۳۳۱ھ میں مسلسل چھپتا رہا ہے اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت عثمانی ہندوستان میں مفسر اعظم کا لقب رکھتے ہیں۔ اس لئے معارف القرآن ان کے مایہ ناز مضامین کا مجموعہ ہے۔

۶۔ الدار الآخرہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۱۲ء

یہ زبردست مقالہ دراصل علامہ عثمانی نے جمعیۃ الانصار کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ میرٹھ میں موتمر الانصار کے سہ روزہ اجلاس کے موقع پر تیسرے اجلاس میں ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۱۲ء کو پڑھا تھا۔ مولانا یہ زبردست تقریر فلسفیانہ رنگ میں دار آخرت کے اثبات میں لکھ کر لے گئے تھے۔ آپ کی یہ تحریر جو کافی طویل ہے رسالہ القاسم جمادی الاولیٰ رجب وغیرہ ۱۳۳۰ھ کے پرچوں میں بالاقساط چھپ چکی ہے چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی برادر بزرگ موصوف بحیثیت مدیر رسالہ القاسم ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ کے پرچے میں اس مضمون کے تعارف میں لکھتے ہیں:۔

”مضمون ذیل عزیز مولوی شبیر احمد سلمہ نے اجلاس موتمر الانصار میرٹھ میں پڑھا تھا چونکہ یہ ایک مفید اور کارآمد مضمون ہے اور بعض بہی خواہان قوم کا تقاضا بھی ہے اس لئے القاسم میں اس کا درج کرنا قرین مصلحت معلوم ہوا“۔ (مدیر)

مولانا عثمانی نے یہ تحریر بھی مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کی فرمائش اور تقاضوں پر لکھی تھی چنانچہ تقریر کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

”ہمارے محترم بزرگ مولانا عبیداللہ ناظم جمعیۃ الانصار جنہوں نے کسی نامعلوم مصلحت اور حسن ظن کی بنا پر یہ عنوان میرے سپرد کیا ہے اس کے گواہ ہیں کہ میں نے اس جلسہ سے تین روز پہلے بنام خدا یہ تحریر لکھنا شروع کر دی“۔ (القاسم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ ص ۱۱)

۷۔ ہدیہ سنیہ

اگست ۱۹۱۸ء شوال ۱۳۳۶ھ

یہ بیس صفحات کا ایک مدلل مضمون ہے جو رسالہ القاسم شوال ۱۳۳۶ھ میں چھپا ہے اور جس کو مولانا عثمانی نے دارالعلوم دیوبند کے ایک فیض یافتہ نامعلوم الاسم کے دو سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ اول یہ کہ ائمہ میں کتنے ایک مسائل ایسے ہیں جن کو بعض امام حلال اور بعض حرام قرار دیتے

ہیں۔ یہ اجتماع ضدین کیسے درست ہوسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص جنت و دوزخ پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن ان کو تمثیلات پر محمول کرتا ہے۔ پس یہ خیالات کہاں تک ٹھیک ہیں یہ دونوں سوالات ایک خط کے ذریعہ مولانا عثمانی سے کیے گئے تھے حضرت موصوف نے اپنے جوابی خط میں بیس صفحات پر اس کا جواب عنایت فرمایا تھا سائل کا خط اور مجیب کا مضمون دونوں القاسم شوال ۱۳۳۶ھ میں مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب اور معتمد مدیر کے تعارف سے صفحہ ایک سے بیس تک چھپے ہوئے ہیں۔

۸۔ قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے

۲۴ رمضان ۱۳۲۸ھ

یہ بھی علامہ کا ایک مدلل مضمون ہے جس میں اس زمانہ کے معترضین کا جواب دیا گیا ہے جو یہ اعتراض کرتے تھے کہ اگر قرآن کریم خدا کا کلام ہوتا تو اس میں کتنے ایک قصص اور آیات کا بار بار تکرار نہ ہوتا۔ موصوف نے اس اعتراض کا شافی جواب دیا ہے۔ یہ مضمون ۲۴ رمضان ۱۳۲۸ھ کو تحریر فرمایا جو القاسم شوال ۱۳۲۸ھ میں بارہ صفحات پر چلا گیا ہے اور جس کا حوالہ موصوف نے اپنے فوائد تفسیری مطبوعہ قرآن مجید مدینہ پریس کے صفحہ ۲۹۰ فائدہ نمبر ۲ میں بایں الفاظ دیا ہے۔

مدت ہوئی رسالہ القاسم میں بندہ نے ایک مضمون بعنوان "قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے"۔ چھپوایا تھا اس میں چند نظائر شعرائے عرب کے کلاموں سے دی ہیں اور تکرار کے فلسفہ پر بحث کی ہے"۔

۹۔ تحقیق خطبۂ جمعہ

۸ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ اکتوبر ۱۹۱۴ء

یہ تحقیقی مضمون تیرہ صفحات کا ہے۔ ۸ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ کو تحریر فرمایا۔ جو القاسم ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۱۴ء کے پرچے میں شائع ہوا ہے جس میں دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ خطبہ جمعہ و عیدین عربی میں ہی مسنون ہے۔ اس کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نے بہت پسند فرما کر اپنے دستخط بھی کیے ہیں۔

۱۰۔ تشریح واقعہ دیوبند ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

یہ علامہ کا سترہ صفحہ کا مضمون ہے جو مولانا ابوالکلام کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو انہوں نے سر جیمس میسٹن گورنر یو پی کی دارالعلوم دیوبند میں بتاریخ یکم مارچ ۱۹۱۵ء آمد کے موقع پر

مضمون کی شکل میں زمیندار میں چھپوائے تھے۔ چنانچہ علامہ کا یہ مضمون بھی زمیندار القاسم رمضان ۱۳۳۳ھ اور الرشید میں چھپا اور اس کے علاوہ پمفلٹ کی شکل میں چھپوا کر بکثرت شائع کیا گیا۔

۱۱۔ سینمابینی

سینما کے بارے میں یہ ایک بصیرت افروز مضمون ہے جسمیں فقہی دلائل کے ماتحت بتایا گیا ہے کہ سینما دیکھنا جائز نہیں یہ مضمون اخبار مدینہ بجنور میں شائع ہوا تھا۔

۱۲۔ لطائف الحدیث

جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ اپریل ۱۹۱۹ء

لطائف الحدیث کا نام بتا رہا ہے کہ اس مضمون میں حضرت موصوف نے حدیث کے نکتے اور لطائف بیان کیے ہوں گے۔ آپ کا یہ مضمون القاسم کے تین پرچوں یعنی ربیع الاول ۱۳۳۱ھ میں پہلی قسط دوسری قسط کا علم نہ ہوسکا کہ کون سے ماہ کے پرچہ میں شائع ہوئی البتہ تیسری قسط پر مضمون ختم ہو چکا تھا اور یہ آخری قسط جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ کے القاسم میں شائع ہوئی۔

ان مقالات اور مضامین کے علاوہ رسالہ ''المحمود'' اور مہاجر اخبار میں کتنے ایک مضمون شائع ہوئے ہیں اور خدا جانے پاکستان اور دیگر ہندوستان کے رسالوں اور اخبارات میں کتنے شائع ہوئے ہوں گے جن کا علم اللہ ہی کو ہے یا مولانا عثمانی جانتے ہوں گے یہ ناممکن ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا سوانح نگار ہوا ہو جو کسی کی زندگی کے گوشہ گوشہ سے کما حقہ واقف ہو۔

۱۳۔ حجاب شرعی ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۷ء

پردۂ نسواں پر مولانا کا یہ نہایت ہی بصیرت افروز مدلل مضمون ہے یہ اس وقت تحریر کیا گیا تھا جبکہ شاہ امان اللہ غالباً ۱۹۲۷ء کے آغاز میں اپنی بیگم ثریا کے ہمراہ یورپ کی سیر کو گئے تھے ملکہ ثریا کے متعلق افواہیں گرم ہوئیں کہ وہاں انہوں نے پردہ کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور بالآخر یہ پروپیگنڈہ ان کو تخت سے معزول کر کے رہا۔ افغانیوں میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ مولانا نے یہ مقالہ اسی سلسلہ میں تحریر فرمایا تھا جس میں دلائل شرعیہ اور مصلحت عامہ کے ضمن میں پردۂ شرعی پر روشنی ڈالی ہے۔ مولانا نے اپنی تفسیر کے صفحہ ۵۴۷ فائدہ نمبر ۴ میں اس کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "حجاب شرعی" میں ہے۔

۱۴۔ سجود الشمس

ربیع الاول ۱۳۳۳ھ

مولانا کا ایک مضمون ہے جس کا حوالہ حسب ذیل الفاظ میں انہوں نے اپنی تفسیر کے قرآن مجید کے صفحہ ۵۷۴ فائدہ نمبر ۵ میں دیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سورج شام کو جب غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جا کر سربسجود ہوتا ہے۔ اور بارگاہ خداوندی میں طلوع سے پہلے عرض کرتا ہے کہ میں اب کہاں سے طلوع ہوں حکم ہوتا ہے کہ حسب دستور شرق سے تا آنکہ ایک روز وہ وقت آئے گا کہ اس کو مغرب سے طلوع ہونے کا حکم ہوگا۔

اس آیت **والشمس تجری لمستقر لہا ذلک تقدیر العزیز العلیم** کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے یہاں اس کی تشریح کا موقع نہیں اس پر ہمارا مستقل مضمون "سجود الشمس" کے نام سے چھپا ہوا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

یہ مقالہ رسالہ القاسم ماہ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ جلد نمبر ۵ ترتیب نمبر ۸ میں طبع ہوا تھا۔

۱۵۔ خوارق عادات

۱۳۴۶ھ ۱۹۲۷ء

یہ رسالہ مولانا کے علم جدید وقدیم کی وسعتوں کا آئینہ دار ہے۔ جس میں معجزات وکرامات اور قانون قدرت کے باہمی تعلق پر عقلی ونقلی حیثیت سے ایک جدید طرز میں تبصرہ کیا گیا ہے گذشتہ صفحات میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب محدث دارالعلوم دیوبند کی تقریظ اس مقالے کے متعلق گزر چکی ہے مولانا عثمانی نے اپنی تفسیر کے ص ۵۵۳ فائدہ نمبر ۹ میں اس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے "خوارق عادات" پر ہم نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے جسے پڑھ لینے کے بعد اس قسم کی جزئیات میں الجھنے کی ضرورت نہیں رہتی"۔

۱۶۔ الروح فی القرآن

قرآن کریم اور شریعت اسلامیہ کے دقیق اور نازک مسائل پر عالمانہ اور نازک مسائل پر فاضلانہ اور شگفتہ طرز میں قلم اٹھانا حضرت مولانا ہی کا کام تھا۔ آپ نے "الروح فی القرآن" میں مسئلہ روح پر جس میں بڑے بڑے فضلا کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اتنے لطیف اور فلسفیانہ پیرایہ میں بحث کی ہے کہ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے دوران قیام مکہ معظمہ میں جب مولانا کے اس مقالہ کو پڑھا تو جو رائے لکھ کر بھیجی وہ ابھی گذشتہ سطور میں گزر چکی ہے اس رسالہ کو مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۴ھ میں دوسری مرتبہ طبع کرایا ہے۔

۱۷۔ تفسیر عثمانی ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

مذکورہ تصانیف کے علاوہ ایک روح مجسم ایک رحمت اعظم ایک پیکر علم و تحقیق ایک مرقع اسرار و رموز ایک بحر مطالب و معانی ایک خلاصہ زندگانی ایک ذریعہ فلاح و کامرانی تفسیر عثمانی ہے جس کو دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور کی موجیں امنڈنے لگتی ہیں۔ یہ ایک حقیقت اور مسلمہ حقیقت ہے کہ ایسی جامع و مانع، متوسط قدیم و جدید خیالات و روایات کی سیرابی کا سامان اور نئے تقاضوں کا مداوی اور کوئی تفسیر اس سے بہتر اردو زبان میں نہ ملے گی۔ اگر کوئی صرف قدامت پسند ہے تو کوئی جدت پسند کسی میں قدیم زمانے کی ضروریات کا علاج ہے تو کسی میں اپنی طبیعت کے اجتہادات کا زور مگر عقل و نقل روایت و درایت کا مجموعہ جیسی بے نظیر تفسیر یہ ہے شاید ہی اور کوئی دوسری ہو۔

اس سائنس اور اقتصادیات کے بے حد معروف دور اور لامذہبیت کے زمانہ میں طویل و ضخیم تفسیریں قارئین کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنے کی بجائے ہمتوں کو پست کرنے کا سامان فراہم کر سکتی ہیں۔ مولانا عثمانی کی تفسیر حسب ضرورت و حسب عمل مختصر الفاظ اور مدلل ہونے کی حیثیت سے عین حکمت کے تقاضے پوری کرتی ہے آج جبکہ معروف مادی دنیا کے پاس نفسانی محرکات کو بھڑکانے والے ناولوں کیلئے بھی وقت نہیں اور اس لئے انسانوں کی دنیا تعمیر کرنے کی ضرورت پڑی۔ تو اس مادی دور میں مذہب کی تفصیلات میں جانا کون گوارا کرے گا۔

شیخ الہند کے ترجمہ قرآن اور تفسیر عثمانی کا تاریخی پس منظر

دراصل مولانا عثمانی کی تفسیر شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے مترجم قرآن کریم کے حاشیہ پر لکھوا کر چھاپی گئی ہے جیسا کہ مولوی مجید حسن مالک مدینہ پریس بجنور ناشر تفسیر و ترجمہ نے قرآن کریم کے شروع میں تحریر کیا ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع الاول ۱۳۲۷ھ میں ترجمہ کرنا آغاز فرمایا۔ سوا تین سال میں صرف دس پاروں کا ترجمہ ۲۵ جمادی الاخریٰ کو سورۃ توبہ تک پہنچا پھر اتفاقات زمانہ سے حضرت مالٹا میں ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو اسیر کردیئے گئے۔ شوال ۱۳۳۵ھ سے وہاں ترجمہ کا کام شروع ہوا اور ۲ شوال ۱۳۳۶ھ کو ختم ہوا۔ جیسا کہ ترجمہ کے خاتمہ پر تاریخ سے معلوم ہوتا ہے ترجمہ سے فراغت کے بعد حواشی تحریر کرنا شروع کئے اور سورۃ بقرہ اور سورۃ نسا کے فوائد لکھے۔ بعد ازاں ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ کو ہندوستان روانہ ہوئے اور ہندوستان پہنچ کر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ کو انتقال فرمایا اور فوائد نامکمل رہ گئے"۔ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۲۳ء کو مولوی مجید

حسن نے یہ ترجمہ مولانا کے ورثہ سے حاصل کیا۔ چنانچہ ترجمہ اور تفسیر تا سورۂ نسا کا پہلا ایڈیشن مع بقیہ فوائد موضح القرآن از شاہ عبدالقادرؒ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔

اب قرآن کریم کی تفسیر کا مسئلہ قابل حل تھا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ سب سے پہلے مولوی مجید حسن مالک اخبار مدینہ نے تفسیر کے لئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سے عرض کیا تھا لیکن آپ نے معذوری کا اظہار فرمایا۔ بعد ازاں انہوں نے مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کی طرف رجوع کیا۔ مولانا مدنی نے اغلباً ایک سورت کے فوائد تحریر فرمائے لیکن مولانا مدنی کی گوناگوں مصروفیتیں اس عظیم الشان خدمت سے محروم رکھنے کا سبب بن گئیں جب مایوسی نے ہر طرف سے گھیر لیا تو مولانا عبدالرحمن صاحب امروہوی مشہور مفسر کی خدمت میں مولوی مجید حسن نے عرض کیا۔ انہوں نے قبول فرماتے ہوئے طبع آزمائی کی لیکن تفسیر پر مجبور اور بات ہے اور زمانے کے تقاضوں کے ساتھ شگفتہ عبارت اور پر مغز انداز میں جدید تشنگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے تفسیر کرنا اور بات ہے اس لئے قرعہ فال بالآخر مولانا عثمانی کے نام ہی نکلا۔ مولوی مجید حسن نے پھر مولانا شبیر احمد صاحب سے تفسیر کے لئے تمنا کا اظہار کیا چنانچہ آں محترم نے ساڑھے تین سال کی شب و روز محنت شاقہ اور خداداد علم و فضل اور بے نظیر فہم قرآن کے باعث تفسیر کے موتی اور دُرہائے شاہوار اور گہرہائے آبدار صفحات قرطاس پر بکھیرے ہیں کہ ۱۳۵۰ھ سے آفتاب ربانی' ماہتاب قلب عثمانی سے چھن چھن کر کروڑوں ایمان والوں کی آنکھوں اور دلوں کو منور کر رہے ہیں۔

مولانا عثمانی نے کس تاریخ سے یہ تفسیر لکھنا شروع کی' گمنامی کے پردے میں چھپی ہوئی ہے۔ میں نے تفسیر کے مسودے مولانا کی وفات کے بعد آپ کے برادر خورد بابو فضل حق صاحب کے پاس دیکھے لیکن تاریخ کی ابتدا کا پتہ نہ چل سکا۔ البتہ تفسیر کی ریسرچ سے ایک نشان یہ ملا کہ جب مولانا گیارھویں پارے میں سورۂ یونس کی تفسیر لکھتے لکھتے فرعون کے دریائے قلزم میں غرق ہونے کی آیات پر پہنچے تو **فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ** کی تفسیر لکھتے ہیں:۔

"(اتفاق) بنی اسرائیل کے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ "عاشورا" کے دن ہوا اور اتفاق سے آج بھی جب بندہ یہ سطریں لکھ رہا ہے یوم عاشورا ۱۳۴۸ھ ہے' خدا ہم کو دنیا و آخرت میں اپنے عذاب سے محفوظ رکھے اور دشمنان دین کا بیڑا غرق کرے۔ آمین (یونس رکوع نمبر ۱۳ ص ۲۸۲ ف ۵)

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ مولانا نے تقریباً کم و بیش سات پاروں کی تفسیر ۱۰ محرم ۱۳۴۸ھ تک کر لی تھی اور دشمنان دین کا بیڑہ فرعون کی طرح مولانا عثمانی کی ساعت مقبولیت دعا کے باعث جس میں مولانا عثمانی کی کوششوں کو بھی بہت دخل ہے۔ ڈوب گیا یعنی انگریز ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷

رمضان ۱۳۶۸ھ کو پاکستان کی حدیں متعین کر کے ہندوستان سے بسترے گول کر گئے۔

بہرحال ۱۰ محرم ۱۳۴۸ھ کے بعد یہ سلسلہ تیسویں پارے تک چلتا رہا اور بالآخر مولانا نے جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے واضح ہے ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ کو قرآن کریم کی تفسیر بمقام دیوبند ختم فرمائی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

"اس رب کریم کا شکر کس زبان سے ادا کروں جس کی خالص توفیق و تیسیر سے آج یہ مہتم بالشان کام انجام پہنچا۔ الٰہی آج عرفہ کے مبارک دن (۹ ذی الحجہ) اور وقوف بعرفات کے وقت میں تیرے کلام پاک کی ایک مختصر سی خدمت جو محض تیرے فضل و اعانت سے اختتام پذیر ہوئی تیری بارگاہ قدس میں بصد عجز و نیاز پیش کرتا ہوں" ....۹ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ دیوبند۔

اس عبارت سے تفسیر کے اختتام کی تاریخ ۹ ذی الحجہ عرفات کے وقت صاف واضح ہے بایں حساب گیارہ پارے سے تیسویں پارے کی تفسیر میں مکمل تین سال صرف ہوئے ہیں۔ اب گیارہویں پارے سے پہلے کی تفسیر کا اندازہ باآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا نے یہ تفسیر ۱۳۴۷ھ کے ابتدائی حصہ سے شروع کی ہوگی یا ۱۳۴۶ھ کے آخری حصہ سے اس اثنا میں آں مفسر ڈابھیل ضلع سورت (گجرات) میں مقیم تھے۔ چنانچہ سورۂ فرقان کے رکوع نمبر ۳ کی آیت **مرج البحرین هذا عذب فرات و هذا ملح اجاج** کے ماتحت لکھتے ہیں یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مدوجزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے"۔

بہرحال مولانا عثمانی نے ۱۳۵۰ھ میں قرآن کریم کی تفسیر ختم کی اور آپ کی تفسیر کا مولوی مجید حسن بجنوری نے ۱۳۵۵ھ میں پانچ سال کے بعد پہلا ایڈیشن شائع کیا جیسا کہ ۱۳۶۹ھ کے ایڈیشن کی ابتدائی اوراق میں تقاریظ علماء سے پہلے مجید حسن لکھتے ہیں۔

"قرآن مجید کا جو ایڈیشن ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں حضرت شیخ الہند کے ترجمہ اور سورۂ بقرہ اور سورۂ نسا کے حواشی کے علاوہ باقی ۲۶ پاروں کے حواشی سلطان المفسرین مولانا شبیر احمد عثمانی کے زور قلم کا نتیجہ تھے مندرجہ ذیل ...... اسی ایڈیشن سے تعلق رکھتی ہیں"۔ (قرآن کریم ص ۴۰)

مولانا عثمانی کی اس تفسیر کے فارسی ترجمہ کو افغانستان میں تین جلدوں میں شائع کیا گیا ہے ہر جلد میں دس دس پارے رکھے گئے ہیں یہ ترجمہ ٹائپ سے عربی رسم الخط میں مطبع عمومی کابل میں چھاپا گیا ہے۔ اس کی پہلی جلد ۱۳۱۳ھ ش مروجہ افغانی سن مطابق ۱۹۳۴ء میں چھاپی گئی جو مولانا عثمانی کو

دیوبند کامل سے موصول ہوئی۔ دوسری جلد ۱۳۲۹ھ ش مطابق ۱۹۵۰ء میں طبع ہوئی اور مولانا کو دیوبند بھیجی گئی لیکن مولانا پاکستان بننے کے بعد کراچی تشریف لے آئے تھے۔ چنانچہ یہ جلد بھی دیوبند سے ہجرت کر کے کراچی پہنچی۔ تیسری جلد ۱۳۲۷ھ ش مطابق ۱۹۵۱ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی اور یہ اس وقت کراچی پہنچی جب مولانا عثمانی کراچی سے عالمِ جاودانی کے لئے رخصت ہو چکے تھے۔

فارسی ترجمہ کی تینوں جلدیں نہایت عمدہ چکنے کاغذ ۲۰×۳۰ سائز پر طبع ہوئی ہیں۔ پہلی جلد ۱۱۳۳ صفحات کی ہے دوسری جلد ۱۲۳۰ صفحات اور تیسری جلد ۱۰۳۰ صفحات پر ہے۔ تیسری جلد کے آخر میں ہندوستان، تہران اور افغانستان کے علماء کی تقریظیں ہیں لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حکومت افغانستان نے فارسی میں ترجمہ کرنے والے علماء کے اسماء گرامی کا نہ معلوم کس مصلحت کے باعث کہیں نام تک درج نہیں کیا ہے۔ البتہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب اصل مترجم اور مفسر کے اسماء گرامی ٹائٹل پر درج کئے گئے ہیں۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب نے راقم الحروف کے معلومات میں مزید اضافہ یہ کیا کہ مدراس کے کسی صاحب نے بھی مولانا عثمانی کو اطلاع دی تھی کہ میں مدراسی زبان میں تفسیر کا ترجمہ کر رہا ہوں۔ کوئی صاحب پشتو میں بھی اس کے ترجمہ میں مصروف کار تھے اور اب پاکستان میں تاج کمپنی اور حاجی وجیہ الدین صاحب نے بھی یہ تفسیر قرآن کریم کے حاشیہ پر شائع کی ہے۔

۱۸ شرح بخاری شریف

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ بروز پنجشنبہ

کلام الٰہی اور کلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی خدمات سے بڑھ کر اور کونسی سعادت ہو سکتی ہے حضرت استاذی علامہ انور شاہ صاحب محدث دارالعلوم دیوبند کے انتقال کے بعد مولانا عثمانی جامعہ ڈابھیل میں بخاری کی تعلیم دیتے رہے ہیں اور زمانہ اہتمام دارالعلوم دیوبند میں بھی اپنے دولت خانہ پر بخاری کا درس دیا کئے۔ کتب حدیث میں بخاری شریف کا مقام تمام کتابوں سے اونچا ہے اور کلام الٰہی کے بعد اس کی تقدیس وعظمت مسلم ہے مولانا عثمانی نے اثناء درس بخاری میں جو تقاریر درسا درسا فرمائی ہیں یہ شرح انہی تقریری تحقیقات کا تحریری نقش ہے مولانا عثمانی کے علمی سرمایہ اور خزانہ میں یہ شرح ان کا مایہ ناز سرمایہ ہے لیکن افسوس کہ آپ اپنی زندگی میں اس شرح کے مسودہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ مکمل مسودہ مولانا عثمانی کے برادر خورد بابو فضل حق صاحب عثمانی پنشنر محکمہ ڈاک کے پاس بحفاظت موجود ہے میں نے مسودے کو مختلف جگہ سے دیکھا۔ اللہ اللہ شرح

کیا ہے علم و عرفان، تدقیق و تحقیق کے سمندر اپنے پورے جوش سے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اس میں نظر آتے ہیں۔ یہ مسودہ جس میں بخاری شریف کا متن شامل نہیں ہے۔ ۳۰×۲۰ یعنی فوس کیپ کے تقریباً ایک ہزار یا گیارہ سو صفحات پر ہے اور اردو زبان میں ہے۔ عبارتیں صاف اور گنجان ہیں معرکۃ الآراء مسائل پر حسب عادت مولانا عثمانی نے نہایت بسط و تفصیل سے بحثیں کی ہیں۔ آٹھ سو صفحات تک مسودہ پر مولانا مرحوم نے نظر ثانی بھی فرمائی تھی۔ نظر ثانی میں دست مبارک سے جابجا ترمیمیں کی گئی ہیں کاش کہ یہ طبع ہو چکی ہوتی اور ہماری نگاہیں اس سے خوشہ چین ہوتیں۔

۱۹۔ فتح الملہم شرح مسلم سہ جلد

۱۳۵۲ھ، ۱۳۵۴ھ، ۱۳۵۷ھ

ایک اور سعادت عظمیٰ جو مولانا عثمانی کے مقدر میں دست قدرت نے رقم فرمائی وہ تھی "مسلم" کی شرح "فتح الملہم" یہ شرح آں موصوف نے عربی زبان میں تحریر فرمائی ہے۔ مذہب اسلام کی مقدس کتابوں میں قرآن کریم کے بعد تیسری اور بخاری شریف کے بعد دوسری کتاب علم حدیث میں "مسلم" ہے۔ اس کتاب کی شرح سے مولانا کے علم کی وسعتوں، بلندیوں، گہرائیوں اور مبلغ علم و فکر کا پتہ چلتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی ذہنی اور علمی قوتیں ہر دقیق اور نازک مسئلہ پر اپنا پورا عمل دکھلاتی ہیں احناف میں آج تک مسلم کی کوئی شرح موجود نہ تھی۔ نہ معلوم کیا راز تھا کہ قدرت نے یہ خدمت مذہب حنفیہ کی طرف سے صرف مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کیلئے رکھ چھوڑی تھی اگرچہ آپ سے پہلے "مسلم" کی کئی شرحیں شوافع کی طرف سے لکھی گئیں لیکن سب سے زیادہ جامع شرح مولانا عثمانی کی ہے۔ جیسا کہ آپ مولانا کے مقام حدیث کے عنوان کے ماتحت پڑھیں گے۔

اس کتاب کی تین جلدیں شائع ہوئیں اور وائے افسوس وہ باقی رہ گئیں لیکن اکثر حصہ جو مہتم بالشان مباحث پر شامل تھا ختم ہو چکا۔ فتح الملہم کی تین جلدیں ۳۰×۲۰ سائز پر طبع ہوئی ہیں۔ پہلی جلد ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء میں مدینہ پریس بجنور میں پانچ سو صفحات پر چھپی ہوئی ہے۔ جلد اول کے آغاز میں ایک سو آٹھ صفحہ کا مبسوط مقدمہ اصول حدیث پر ہے جو مولانا عثمانی نے لکھا ہے اور جو دیگر اصول حدیث کی کتب نخبۃ الفکر وغیرہ سے زیادہ نافع ہے۔ اس مقدمہ میں اقسام حدیث ادوات کی صفات تدوین حدیث اور دیگر متعلقہ علم حدیث کے متعلق سیر حاصل تبصرہ ہے۔ توفیق رفیق ہوئی تو اس کا اردو میں انشاءاللہ ترجمہ پیش کیا جائے گا۔ اکتالیس صفحات مولانا نے مسلم کے مقدمہ کی شرح لکھی ہے۔

پہلی جلد کتاب الایمان سے کتاب الطہارت تک ہے۔ دوسری جلد کتاب الصلوٰۃ سے باب

الجنائز تک پانچ سو بارہ صفحات پر ہے۔ یہ بھی مدینہ پریس میں ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ء میں طبع ہوئی۔ دوسری جلد کتاب الزکوۃ سے کتاب النکاح تک پانچ سو بیس صفحات پر ہے جو ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا عمادالدین صاحب انصاری شیرکوٹی کے زیر اہتمام سے ہاشمہ پریس جالندھر میں طبع ہوئی۔

مولانا نے فتح الملہم کو پانچ جلدوں میں لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن کچھ تو نقل مکانی کے سلسلہ نے مدت تک چین لینے نہ دی۔ کچھ مسلسل بیماری نے اور بہت زیادہ سیاسی کشمکش نے تالیف و تصنیف کی طرف سے توجہ دوسری طرف پھیر دی۔ کاش استاذی مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شارح مشکوۃ اس طرف توجہ فرمائیں۔

فتح الملہم شرح مسلم مولانا نے کب سے لکھنی شروع کی اس کے لئے کوئی خاص ماہ یا سن تو متعین کرنا مشکل ہے لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مسلم کے درس کے ابتدائی دور سے آپ نے اس کی شرح لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اغلباً ۱۳۳۶ھ یا ۱۷۔۱۹۱۶ء سے بہت پہلے ہی اس مبارک کام کو شروع فرما دیا ہوگا۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی لکھتے ہیں:۔

"مجھے خیال آتا ہے کہ مرحوم ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انجمن اسلامیہ اعظم گڑھ کی دعوت پر اعظم گڑھ آئے اور شبلی منزل میں میرے ہی پاس ٹھہرے اس وقت ان کی شرح مسلم کے کچھ اجزا ساتھ تھے جن میں قرات فاتحہ خلف الامام وغیرہ اختلافی مسائل پر مباحث تھے جن کو جابجا سے مجھے سنایا"۔ (معارف اپریل ۱۹۵۰ء ص ۲۴۸)

مولانا ندوی کے اس بیان سے جیسا کہ وہ وثوق سے لکھ رہے ہیں صاف ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں علامہ عثمانی قرات فاتحہ خلف الامام (امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قراءت) کے مسائل سے متعلق مباحث سے فارغ ہو چکے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ قرات خلف الامام جو کتاب الصلوۃ کے مسائل میں سے ہے وہ فتح الملہم کی دوسری جلد میں ہے کیونکہ یہ جلد کتاب الصلوۃ سے شروع ہو کر کتاب الجنائز پر ختم ہوئی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ فتح الملہم کی جلد اول کے جس میں متن حدیث بھی شامل ہے پانچ سو صفحے اور قراءت خلف الامام کے صفحات جو جلد ثانی میں ہیں جن میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے وہ انیس صفحہ سے چونتیس صفحے تک چلے گئے ہیں۔ گویا ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء سے پہلے پانچ سو چونتیس صفحات حضرت عثمانی لکھ چکے تھے نتیجہ یہ ہے کہ فتح الملہم کی جلد اول کا آغاز مذکورہ سنوں سے کئی سال پہلے ہو چکا ہے کیونکہ یہ ایک عظیم الشان تحقیقات اور مباحث کا طویل کام ہے۔ جس میں کتاب الایمان کی زبردست بحثیں ہیں۔ اس تحقیق کی اثناء میں فتح الملہم کی جلد اول کے ۳۸۲ صفحہ پر خود علامہ کی ایک عبارت الطہور شطر الایمان کی بحث

کے ماتحت آنکھوں کے سامنے آئی جس نے مقصد کے قریب پہنچانے میں سہولت بخشی۔ علامہ اس مضمون کو کہ حدیث کے مطابق طہور ایمان کا نصف کس طرح ہو سکتا ہے سمجھانے کے لئے لکھتے ہیں:۔

> **وھذا کما ان فی ھذا العصر فی اثناء حروب النصاریٰ اور بامع السلطنة العثمانیه الترکیه ایدھاالله تعالیٰ بنصره لما نھض مسلموا الھند لاعانة السلطنة المحروسة بالاموال الفخیمة فجمعوامن الروبیة والذھب والفضة والاوانی والثیاب والمواشی وغیرھا مااعطاه من و فقه سبحانه و تعالیٰ من معاشرالمسلمین للانفاق فی سبیله ثم باعواالعروض والمواشی متھابیع من یزید فوالله ولدالضان الذی اعطاه مسلم من صعالیک المسلمین الذین لایجدون الاجھدھم بلغ ثمنه عند البیع خمسمائة روبیه وازیدمنه فحینئذیجوزان یقال ان ثمن ولد الضان بلغ قیمة الفرس یعنی ثمنه العارضی الوقتی بلغ قیمته الاصلیه والافھولایساویه بل لایدانیه فی شیء فھکذاالطھور...... اذااراداللہ سبحانه و تعالیٰ ان یمن علی عباده المومنین بتضعیف اجورحسناتھم لکمال شفقته وسعة رحمته ووفوررأفته فیضاعف اجرالطھور".** (فتح الملہم جلد نمبر ا ص ۳۸۴)

اور یہ اس طرح جیسا کہ اس زمانہ میں یورپ کے نصاریٰ کی سلطنت عثمانیہ کے ترکوں کی جنگ کے دوران میں جبکہ ہندوستان کے مسلمان سلطنت محروسہ (ترکی) کی مدد کے لئے بکثرت اموال کے ذریعہ امداد کرنے کو اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے روپیہ' سونا' چاندی' برتن' کپڑے اور چوپائے وغیرہ جمع کئے اور جس کو خدا نے جو توفیق دی تھی اور دیا تھا مسلمانوں کی جماعتوں نے اللہ کی راہ میں دیا۔ پھر مسلمانوں نے اس سامان اور چوپایوں کو نیلام کیا تو جس نے زیادہ بولی دی اسی کے ہاتھ بیچا گیا۔ بخدا ایک مسلمان فقیر نے جن کے پاس بمشکل ہی کچھ ہوتا ہے ایک بھیڑ کا بچہ دیا تھا جس کی قیمت پانچسو روپیہ بلکہ اس سے بھی زیادہ کو پہنچ گئی۔ اس وقت یہ کہنا درست ہے کہ ایک بھیڑ کا بچہ گھوڑے کی قیمت کو پہنچ گیا یعنی اس کی عارضی وقتی قیمت گھوڑے کی اصلی قیمت کو پہنچ گئی حالانکہ وہ اس قیمت کے مقابلہ کا کیا اس کے قریب کا بھی نہیں اسی طرح وضو کا بھی حال ہے۔ جب اللہ اپنے مومن بندوں پر ان کی نیکیوں کے اجر و کو اپنی انتہائی شفقت وسیع رحمت اور کامل مہربانی سے دوگنا کر کے احسان کا ارادہ کرتا ہے تو طہور کا بھی ثواب وہ بڑھا سکتا ہے"۔

فتح الملہم کی اس عبارت سے جہاں ایک حدیثی باریک مسئلہ حل ہو گیا وہاں ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ علامہ جنگ عظیم کے دوران میں جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک رہی' کتاب الطہارت کے مضامین کی شرح میں مصروف تھے کیونکہ اس جنگ میں ترکوں کی اعانت کیلئے بہت کچھ امداد ہندوستان کے مسلمانوں نے دی تھی جس میں علامہ کی کوششوں کو بھی بہت کچھ دخل تھا۔ اب اعظم گڑھ کا ۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۷ء کا سفر جس میں وہ قرات خلف الامام کا مسئلہ لکھ چکے ہیں اور الطہور شطر الایمان کا مسئلہ دونوں کے دونوں دوران جنگ کے ہیں ان دونوں میں پچاس صفحوں کا فاصلہ ہے گویا ۱۹۱۶ء میں اغلباً اور قیاساً علامہ ان حصوں کی شرح سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اب تین سو چوراسی صفحات ۱۹۱۶ء سے پہلے کے لکھے ہوئے مان لئے جائیں اور ان میں سے مقدمہ اصول حدیث کے ایک سو آٹھ صفحے بھی خارج کر دیئے جائیں اور ان میں سے مقدمہ اصول حدیث کے ایک سو آٹھ صفحے بھی خارج کر دیئے جائیں جو بعد میں اغلباً لکھے گئے ہیں تو دو سو چھہتر صفحات پہلے کے لکھے ہوئے ہیں۔ اب اس طرح اندازہ لگایا جائے کہ علامہ مدرسہ فتح پوری سے ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مدرسی پر بلا لئے گئے جیسا کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دارالعلوم دیوبند کی سالانہ روئیداد (رپورٹ) ۱۳۳۳ھ میں لکھتے ہیں۔

۱۳۲۶ھ میں آپ (مولانا شبیر احمد صاحب) مدرسہ فتح پوری کے مدرس اول مقرر ہو کر گئے (اور ۱۳۲۸ھ میں دیوبند بلائے گئے"۔ (روئیداد ۱۳۳۳ھ ص ۲۰)

۱۳۲۸ھ سے شوال ۱۳۳۳ھ شیخ الہند کے سفر حجاز تشریف لے جانے تک مولانا عثمانی کبھی ابوداؤد شریف اور کبھی مسلم شریف پڑھاتے رہے اور جب شیخ الہند شوال ۱۳۳۳ھ میں حج کو تشریف لے گئے تو بخاری و ترمذی کے پڑھانے کی خدمات حضرت مولانا انور شاہ صاحب اور مسلم شریف کی مولانا شبیر احمد صاحب کو سپرد کی گئیں (روئیداد دارالعلوم ۱۳۳۳ھ ص ۱۷) چنانچہ علامہ ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۴۴ھ گیارہ سال تک مسلسل دارالعلوم دیوبند میں مسلم شریف کو پڑھاتے رہے البتہ کئی سال تک مسلم کے ساتھ دیگر علوم و فنون کی متوسط اور اعلیٰ کتابیں بھی پڑھاتے رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلم شریف کی شرح فاضل محدث نے ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء کے لگ بھگ شروع فرمائی ہے۔

سیاسی مکاتیب' سیاسی خطبات و بیانات

مولانا عثمانی کو سیاسیات میں گہرا ادراک اور وسیع بصیرت حاصل تھی آپ کے سیاسی

نظریات اور سیاسی اقتدار پر مستقل عنوان کے ماتحت انشاءاللہ تبصرہ آپ آئندہ اوراق میں پڑھیں گے تاہم جو خطبات صدارت آپ نے سیاسی جلسوں میں تحریر فرمائے وہ آج تک سیاسی پلیٹ فارموں سے گونج رہے ہیں۔ یہ خطبے سیاست کا آب زلال ہیں جن کو قاری پڑھ کر سیاست عثمانی کا جائزہ لے سکتا ہے خطبات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ترک موالات

۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء

یہ خطبہ علامہ عثمانی نے ۷، ۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کے منعقدہ اجلاس جمعیۃ العلماء دہلی میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر لکھ کر پڑھا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب کہ ترک موالات اور خلافت کی ہنگامہ خیزیاں شباب پر تھیں۔ اس خطبہ میں انگریزوں سے موالات دوستی اور تعاون کے ترک کرنے پر شرعی اور سیاسی حیثیت سے تبصرہ کیا گیا ہے۔ ۲۲×۱۸ کے اٹھائیس صفحات پر ہے اور اسی جلسہ میں شیخ الہند کا خطبہ صدارت بھی پڑھا گیا تھا جو میرے پیش نظر ہے۔

۲۔ پیغام بنام مؤتمر کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کلکتہ

۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء

۲۱ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء بھیجا تھا اس پیغام نے ملک میں مسلم لیگ کی تائید میں ایک جوش و خروش برپا کر دیا۔ درحقیقت علماء میں مولانا عثمانی کی ہستی نے وہ طاقت پیدا کر لی تھی کہ لیگ کو انہوں نے تھوڑے سے عرصہ میں بلندی پر پہنچا دیا تھا۔ سید محمد قریشی شمسی ناظم کل ہند جمعیۃ علماء اسلام نے اپنے پیش لفظ میں اس خطبہ کے متعلق لکھا ہے۔

عظیم الشان پنڈال سارا محمد علی پارک اور اطراف و جوانب کے علاقے کے مسلمانوں سے معمور تھے۔ پیغام نے ایک عالم بے خودی پیدا کر دیا۔ عجیب محویت و کیفیت سبھوں پر طاری ہوگئی۔ بار بار نعرہائے تکبیر و علامہ شبیر احمد عثمانی زندہ باد بلند ہوتے رہے اکثر جملوں کو مکرر پڑھنے کی درخواست ہوتی رہی ہے اور تقریباً پون گھنٹہ تک اجلاس کی کوئی کارروائی نہ ہو سکی پنڈال کے ہر گوشہ سے لوگ اس کے خیر مقدم کے لئے وفور جوش سے اچھلتے رہے اور اس کے شائع کرنے کے لئے چندہ پیش کرنے لگے ایک صاحب نے بنگلہ ترجمہ و اشاعت کا ذمہ لیا اور دوسرے بزرگ نے گجراتی میں (پیغام ص ۲۵)

اس پیغام پر اخبار "عصر جدید" کلکتہ کے ایڈیٹر کے نوٹ کا کچھ حصہ درج کرتا ہوں جو حسب ذیل ہے۔

"پیغام سنائے جانے کے وقت اس عظیم الشان مجمع کی محویت کے نظارہ میں جو حلاوت ایمانی خود اس اجتماع عظیم کے ہر ہر فرد نے محسوس کی اس کا اندازہ کوئی بیان کرنے والی زبان بیان نہیں کر سکتی۔ ٹھیک ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ برسوں اور مدتوں کی سوکھی اور پیاسی زمین پر بڑی امید بڑے انتظار اور بڑی تمنا کے بعد غیر متوقع طور پر یکبارگی باران رحمت کا نزول ہو رہا ہے"۔ (اخبار "عصر جدید" کلکتہ مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

بہر حال مولانا نے اس پیغام میں شرعی، سیاسی اور عقلی دلائل سے مسلم لیگ میں شامل ہونے کا مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے۔ پیغام ۳۰×۲۰ کے انتیس صفحات پر ہے۔ آپ نے جمعیۃ العلمائے اسلام کی صدارت بھی قبول فرمائی تھی۔

۳۔ مراسلات سیاسیہ

۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء

مولانا عثمانی کے پیغام کلکتہ اور شرکت مسلم لیگ کے بعد مولانا عثمانی کے پاس سینکڑوں خطوط اس وقت کی سیاسیات کے متعلق اپنے شبہات رفع کرنے کے لئے اور معترضانہ رنگ میں لوگوں نے بھیجے۔ آپ نے ان کے جو جوابات ارسال فرمائے ان میں سے چودہ خطوط کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے جس کا نام مراسلات سیاسیہ ہے ان خطوط میں مسلم لیگ اور پاکستان کے سیاسی مسائل کو نہایت ہی غور و فکر سے حل کیا گیا ہے۔

۴۔ مکالمۃ الصدرین

یکم محرم ۱۳۶۵ھ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء

یہ وہ معرکۃ الآراء مکالمہ ہے جو علامہ عثمانی اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی و دیگر اکابر جمعیۃ العلماء ہند یعنی مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہم کے درمیان یکم محرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بمقام دیوبند مولانا عثمانی کے مکان "بیت الفضل" پر تقریباً سوا تین گھنٹے رہا تھا۔ جس میں مولانا عثمانی نے مسلم لیگ کی موافقت اور وفد جمعیت نے کانگریس کی تائید میں اپنے اپنے نظریات پیش کئے تھے۔ مولانا محمد طاہر صاحب مرحوم نبیرۂ قاسم العلوم والخیرات علیہ الرحمۃ نے جو گفتگو کے وقت موجود تھے اس مکالمہ کو مرتب کر کے مولانا عثمانی کو دکھایا تھا۔ مولانا محمد طاہر صاحب پیش لفظ میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جو اس وقت ہندوستان کے یگانہ روزگار علماء میں سے

ہیں اور جو جماعت دیوبند کے مسلم اکابر میں سے ہیں ان کا تجربہ بھی محتاج تشریح نہیں تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی معلومات سونے پر سہاگا ہیں۔ حضرت علامہ عثمانی اور وفد جمعیۃ العلماء ہند کے درمیان گفت وشنید کو احقر نے قلمبند کیا۔ احقر نے مزید احتیاط یہ کی کہ حضرت علامہ عثمانی کو یہ مکالمہ قلمبند کر کے حرفاً حرفاً دکھلا دیا اور حضرت ممدوح نے جہاں جہاں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت سمجھی وہ فرما دیا"۔ (پیش لفظ مکالمہ ص ۵۲)

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ مکالمہ سیاسیات عثمانی اور ان کے علم وفضل اور حاضر جوابی کا بہترین مرقع ہے۔

۵۔ خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ

۲۳ محرم ۱۳۶۵ھ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء

یہ خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ منعقدہ ۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کے الیکشن کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی مسلم لیگ کانفرنس میں مولانا عثمانی نے تحریر فرمایا تھا جس کا مضمون یہ ہے کہ ہماری جنگ شخصیتوں کی جنگ نہیں اصول کی جنگ ہے نیز یہ کہ متحدہ قومیت کے علمبرداروں کو ووٹ دینا ہندو کانگریس کو ووٹ دینا ہے۔ لہذا مسلم لیگ کی حمایت کرنا اور اس کے امیدواروں کو ووٹ دینا ہی مفید ہے۔ یہی وہ خطبہ ہے جس کے اثر سے مسٹر لیاقت علی متحدہ ہندوستان کے مرکزی الیکشن یو پی کی ایک نشست سے میرٹھ میں کامیاب ہوئے جسکی طرف مولانا عثمانی نے مکالمۃ الصدرین میں اشارہ فرمایا ہے:۔

"ہندوستان میں اگر میری اپیل پر بیچارے نواب زادہ لیاقت علی خان کو دس بیس ووٹ مل ہی گئے تو کیا ہوا آپ (ممبران جمعیت) حضرات تو ماشاءاللہ بااثر ہیں کسی نے کہا یہ بات نہیں ہے آپ کے اعلانات نے ملک میں ہل چل ڈال دی ہے۔" (مکالمۃ الصدرین ص ۳۳)

۶۔ "ہمارا پاکستان" خطبہ صدارت جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس لاہور

۲۰، ۲۱، ۲۲ صفر ۱۳۶۵ھ ۲۵، ۲۶، ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء

یہ خطبہ کیا ہے ایک مستقل سیاسی شاہکار ہے جو اسی صفحہ پر شامل ہے مولانا نے یہ خطبہ اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں جمعیۃ العلمائے اسلام کی کانفرنس منعقدہ ۲۰، ۲۱، ۲۲ صفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۵، ۲۶، ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء میں پڑھ کر ہر طبقہ کے سامعین کو محو حیرت بنا دیا تھا۔ اس خطبہ میں مسلمانوں کے لئے پاکستان کے فوائد اور مسلمانوں کے لئے الگ آزاد ملک پر سیر حاصل تبصرہ ہے۔

نیز جغرافیائی حیثیت سے پاکستان کی پوزیشن پر زبردست معلومات پیش کی گئی ہیں۔ اس خطبہ سے اگلے روز لاہور کے اخبارات نے جس والہانہ طرز میں اس کی تعریف کی وہ یہ تھی کہ اخباروں نے واضح طور پر لکھا کہ مولانا عثمانی کے خطبے سے ہمیں پاکستان کی حقیقت اور اس کے نظریہ کی صحیح سمجھ حاصل ہوئی ہے ورنہ اس سے پہلے ہم نے پاکستان کا نام ہزاروں بار زبان سے لیا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے بھی پاکستان کے معنے نہ سمجھتے تھے۔

۷۔ خطبہ صدارت ڈھاکہ

۱۰ '۱۱ ربیع الآخر ۱۳۶۸ھ مطابق ۹ '۱۰ فروری ۱۹۴۹ء

یہ خطبہ مولانا عثمانی کی زندگی کا آخری خطبہ ہے جو جمعیۃ العلماء اسلام کی کانفرنس مشرقی پاکستان ڈھاکہ منعقدہ ۱۰ '۱۱ ربیع الآخر ۱۳۶۹ھ مطابق ۹ '۱۰ فروری ۱۹۴۹ء میں پڑھا گیا چونکہ یہ خطبہ پاکستان کے عالم وجود میں آنے کے بعد کا ہے اس لئے اس میں اسلامی قانون کے نفاذ پاکستان کے بنیادی مقاصد وقت کے اہم تقاضوں اور قانون شریعت کے نفاذ پر مشکلات کے دفعیہ مسئلہ کشمیر وغیرہ پر نہایت محققانہ اور عالمانہ سیر حاصل تبصرہ ہے۔ یہ خطبہ فروری ۱۹۴۹ء ربیع الآخر ۱۳۶۸ھ کا لکھا ہوا ہے اور ۳۰×۲۰ کے سائز پر ۱۷ صفحات پر شامل ہے۔

۸۔ قرارداد مقاصد کی تائید

مورخہ ۹ مارچ ۱۹۴۹ء

یہ وہ زبردست ادیبانہ سیاسیانہ اور عالمانہ تحریر ہے جو مولانا شبیر احمد عثمانی نے وزیر اعظم لیاقت علی خاں کی قرارداد مقاصد (آئین اسلامی کی تجویز) کی تائید میں دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں لکھ کر پڑھی تھی اور جس نے پاکستان کے ادبا اور مفکرین پر مولانا عثمانی کے بے نظیر تدبر و تفکر اور علم و فضل کا سکہ بٹھا دیا تھا جسے اخباروں نے امتیازی حیثیت دے کر چھاپا اور جو مولانا عثمانی کی تمام سیاسی جدوجہد کی آخری امید تھی۔

ان سیاسی خطوط، صدارتی خطبوں، مکالمے وغیرہ کے علاوہ نہ جانے کتنے بیانات تحریک جنگ بلقان، تحریک خلافت اور تحریک پاکستان کے متعلق علامہ نے دیئے ہوں گے جن کا پتہ چلانا اور شمار کرنا مشکل ہے۔

مفسر اعظم مولانا عثمانی کا مقام تفسیر اور تفسیر عثمانی پر ایک نظر

تری تفسیر پر نازاں ہیں خود قرآں کے سیپارے
کہ تو لایا ہے مضموں کے فلک سے توڑ کر تارے

(مصنف)

مفسر اعظم کی تصنیفات اور مقالات پر گذشتہ اوراق میں جو روشنی ڈالی گئی ہے ان میں ان کا زبردست شاہکار تفسیر ہے۔ یہ شاہکار ان کے مقام تفسیر کا ایک منصف گواہ ہے۔ جس کے آثار سے مفسر کی عظمت شان کا پتہ چل سکتا ہے۔ مفسر کے اس گلشن علم وفضل کے پھولوں کی سیر کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ ان کی طرب انگیز خوشبوئیں اور پر کیف مناظر کس طرح دماغوں اور نگاہوں کو معطر اور مسحور کر لیتے ہیں جس طرح دلفریب وادیوں کے نظارے دیکھ کر انسان بیساختہ سبحان اللہ کے نعرے بلند کرنے لگتا ہے اسی طرح علمی پھولوں کی بہاریں بھی قدم قدم پر دامن دل کو کھینچ کر کہتی ہیں کہ بس ٹھہرنے کی یہی جگہ ہے۔ وہ سینے کتنے خوش نصیب ہیں۔ جن کے اندر ایسے دل ہیں جن میں حکمت و دانش کے غنچے کھلتے ہیں اور ظاہری باغوں کے سیر و تماشہ سے بے نیاز ہو کر اپنا در دل کھولتے اور اس کی سیر کرتے ہیں۔ بقول بیدل

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ　　تو ز غنچہ کم ندمیدۂ در دلکشا بچمن درآ
پے نافہ ہائے نخچ بو مپسند زحمت جستجو　　بخیال حلقۂ زلف او گرہے خورد بختن درآ

تفسیر عثمانی بھی ایک گلشن ہے جس کی سیر جنت فردوس و عدن کی سیر سے کہیں زائد پر بہار ہے اس کی قدر و قیمت کے اندازے ان قدردانوں سے پوچھیے جو اس کی بہاروں کے مشتاق اور دلدادہ ہی نہیں بلکہ واقف حقیقت ہیں۔ آیئے ان علمائے دانشمند کے خیالات معلوم کریں جو انہوں نے تفسیر عثمانی کے متعلق پیش کئے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی نگاہ میں اس تفسیر کی جو قدر تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ علامہ مفسر کی جب تھانہ بھون میں حکیم الامت سے ان کی وفات سے پہلے حالت مرض میں ملاقات ہوئی تو حضرت تھانوی نے فرمایا کہ میں نے اپنا تمام کتب خانہ وقف کر دیا ہے۔ البتہ دو چیزیں جن کو میں محبوب سمجھتا ہوں اپنے پاس رکھ لی ہیں۔ ایک تو آپ کی تفسیر والا قرآن شریف اور دوسری کتاب "جمع الفوائد" اس واقعہ سے حکیم الامت کی نظروں میں تفسیر عثمانی کی قدر و منزلت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ "مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے تفسیر قرآن

حکیم لکھ کر دنیائے اسلام پر بڑا احسان کیا ہے"۔ شاہ صاحب کا یہ قول تفسیر عثمانی پر ایک ایسا تبصرہ ہے کہ اس سے اچھا اور تبصرہ ایک جملہ میں ہو نہیں سکتا۔

علامہ عبیداللہ سندھی نے دوران قیام مکہ معظمہ میں جب پہلی مرتبہ ان تفسیری فوائد کو پڑھا تو انہوں نے علامہ مفسر کو لکھ کر بھیجا کہ "آپ نے قرآن کریم کی جو تفسیر تحریر فرمائی ہے اس میں شیخ الہند کی روح کارفرما ہے ورنہ اس جیسی تفسیر کا لکھا جانا میرے خیال سے باہر ہے"۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے علامہ زماں محقق دوراں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی زید مجدہم کو دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا ہے۔ مولانائے موصوف کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، بے مثل تحریر، عجیب و غریب حافظہ، عجیب و غریب تبحر وغیرہ کمالات علمیہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج اس میں تامل کر سکے۔ قدرت قدیمہ نے مولانا شبیر احمد صاحب موصوف کی توجہ تکمیل فوائد اور ازالہ مغلقات کی طرف منعطف فرما کر تمام عالم اسلامی اور بالخصوص اہل ہند کے لئے عدیم النظیر حجت بالغہ قائم کر دی ہے۔ یقیناً مولانا نے بہت سی ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندروں کو کوزے میں بھر دیا ہے۔" (قرآن کریم تفسیر عثمانی مدینہ پریس بجنور)

مولانا مدنی کی مذکورہ عبارت علامہ مفسر کی ذات اور ان کی تفسیر پر گرانقدر تبصرہ کا سرمایہ ہے۔ یہ تقریظ اور اس کے علاوہ دوسری تقریظیں قرآن کریم مطبوعہ مدینہ پریس بجنور سے پیش کی جاتی ہیں۔

خواجہ عبدالحیؒ صاحب تفسیر مولانا عثمانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

"یہ تمام تر اس بزرگ کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے جو آج ہندوستان میں بلا ریب سرتاج مفسرین اور قرآنی حکم و بصائر کے سب سے بڑے واقف مانے جاتے ہیں۔ یعنی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے اپنے قلم حقیقت رقم سے ایک طرف بلاغت قرآن کے دریا بہا دیئے اور دوسری جانب معارف فرقانی کے انمول موتی اوراق پر بکھیر دیئے ہیں"۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا۔

"اردو زبان میں قرآن شریف کے مطالب کا اس قدر بہترین مختصر جامع ذخیرہ اس وقت تک فقیر کی نظر سے نہیں گزرا"۔

مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی مؤلف تاریخ اسلام تفسیر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علماء دیوبند میں اپنی قرآن دانی اور تدبر فی القرآن کے متعلق جو خصوصیت رکھتے ہیں اس نے مولانا کو میرا محبوب اور ان کے تصور کو میرے دل کی راحت بنا دیا ہے انہوں نے قرآن مجید کو عام اردو دان لوگوں کے لئے قریب الفہم بنانے کی غرض سے مختصر اور جامع و مانع تفسیر بطور حواشی لکھی ہے سلیس و سادہ و فصیح عام فہم زبان میں آیات قرآنیہ کے مفہوم و مطالب کو سمجھانے کے لئے ضرورت سے زیادہ عموماً کچھ نہیں فرمایا گیا اور کسی مقام کو لاینحل نہیں چھوڑا گیا"۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی تحریر فرماتے ہیں

"حقیقت یہ ہے کہ ان کے تصنیفی اور علمی کمال کا نمونہ اردو میں ان کے قرآنی حواشی ہیں۔ جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ قرآن کے ساتھ چھپے ہیں۔ ان حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دلنشین کرنے کے لئے ان کی قوت تفہیم حد بیان سے بالا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان حواشی سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا ہے"۔ (معارف اپریل ۱۹۵۰ء ۳۰۶)

مولانا عبد الماجد دریابادی بی اے تفسیر عثمانی اور ترجمہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اخبار مدینہ کے مالک سرکار مدینہ کے خادم محمد مجید حسن بجنوری پر جی بے اختیار رشک کرنے کو چاہتا ہے۔ خدمت قرآن کی کیسی کیسی سعادتیں اپنے لئے سمیٹ رہے ہیں کئی سال ہوئے ترجمہ جو چھاپا شیخ الہند کا اب تحشیہ جو شائع کیا تو ان کے شاگرد اور ایک عالم (دنیا) کے استاد دیوبند کے سابق اور ڈابھیل کے موجودہ شیخ الحدیث کا وہ ہمیشہ مسلمانوں کے لئے ایک تحفہ بے نظیر یہ جدید خیالات والوں کے حق میں اکسیر ایک اپنے رنگ میں نایاب دوسرا اپنے طرز میں لاجواب۔ نقش اول ایک جلوۂ طور نقش ثانی بلاشائبہ تکلف نور علی نور ذلک فضل اللہ الخ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی شارح مسلم کے حواشی اگر ایک طرف پر مغز ہیں اور مسلک اہل سنت کے مطابق محققانہ تو دوسری طرف ضروریات کے موافق ہیں اور حکیمانہ پڑھتے جایئے اور معاندین اسلام کے پیدا کئے ہوئے شبہات کی جڑ از خود کٹتی چلی جائے گی اور اہل باطل کی اختراع کی ہوئی کج راہیاں آپ ہی آپ ھباءً منثوراً ہوتی جائیں گی پھر کسی فریق کی دل آزاری ہونا کیا معنی۔ ان کا نام تک نہیں آنے پایا"۔

مولانا ظفر علی خان صاحب نے زمیندار مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کے آرٹیکل میں مولانا عثمانی کی مفسرانہ شان پر حسب ذیل ریمارک کیا ہے:۔

"وہ (مولانا شبیر احمد صاحب) ان چند علماء کرام میں سے تھے جو کتاب اللہ کے حقائق و معارف پر بالغانہ نظر رکھتے تھے جن میں شاہ عبدالعزیز، شاہ ولی اللہ اور مولانا محمود حسن کے بعد قرآن دانی، قرآن فہمی کی پوری صلاحیت تھی"۔

علامہ مفسر کی تفسیر اور شیخ الہند کے ترجمہ پر شاہ افغانستان کی طرف سے فارسی میں ترجمہ ہونے اور چھپنے کے بعد جن انجمنوں اور اہل علم نے شکریہ کے ضمن میں تفسیر پر تبصرہ کیا ہے۔ ان میں سے علمائے "فخر المدارس" ہرات (کابل) کی تقریظ جو ان کے دستخطوں سے متفقہ طور پر کی گئی ہے۔ قابل قدر ہے، ملاحظہ فرمایئے:۔

تقریظ علماء "فخر المدارس" ہرات (کابل)

ایں تفسیر بمنزلہ یک مبلغ دینی یک مدرس علمی یک عالم فقہی یک فیلسوف اخلاقی است کہ
زحمات چند سالہ، حضرات علماء در ترجمہ و خدمت مطبعہ در طبع آں قابل تقدیر و ستائش است
ایں تفسیر برائے شیرازہ بندی روابط وحدت قومی و ملی و توسعہ معارف و معلومات دینی
و علمی مقام ارجمندی دارد بنظریہ مدرسین "فخر المدارس" شیوع و مطالعہ آں برای عموم
افراد مملکت ما از خوانندگاں و بی سواداں باعث ارشاد امور معاش و معاد است کہ
ہر قدر زیادہ تر بدسترس اہالی بودہ و خواندہ شود بیشتر برای استقرار عدالت و حفظ حقوق
خالق و خلق و احترام احکام مذہبی در بین قوم موثر است ایں تفسیر برای عموم ملت بمنزلہ راہنمای صحیح
اخلاقی و دینی است کہ عنقریب نتائج حسنہ آں واضح گردیدہ اہالی را از فساد اخلاقی
و ظلم و تجاوز بحقوق دیگراں و تعدی جابرانہ بتوفیق خداوند صیانت خواہد نمود بوجود ساتیر
دینی و شرعی برائے مملکت ما کہ اکثر سکنہ مسلمین آں از جزئیات دینی و معانی ام الکتاب بی
خبراند نسخہ ہای عمرانی است کہ بیماران ضعیف الاخلاق را موجب شفا و رستگاری خواہد بود

یہ تفسیر ایک دینی مبلغ ایک علمی مدرس ایک فقہ کے عالم ایک اخلاقی فلسفی کا درجہ رکھتی ہے (اردو سے فارسی میں) حضرات علماء (افغانستان) کی چند سالہ ترجمہ کی کاوشیں اور اس کی طباعت میں مطبع والوں کی خدمت قابل قدر و تحسین ہیں یہ تفسیر قومی و ملی وحدت کے رابطوں کی شیرازہ بندی اور دینی و علمی معلومات کی وسعت میں ایک مبارک مقام رکھتی ہے مدرسہ "فخر المدارس" کے مدرسین کے نظریہ میں اس تفسیر کی اشاعت اور مطالعہ ہماری مملکت کے خواندہ اور بے سواد دونوں طرح کے افراد کے لئے عموماً معاش اور معاد کے معاملات کی رہبری کا باعث ہے جس قدر اہل

ملک اس تفسیر میں دسترس اور مطالعہ کا شوق پیدا کریں گے اسی قدر قوم میں احکام مذہبی کے احترام خالق و مخلوق کے حقوق کی حفاظت اور انصاف کا قیام موثر ثابت ہوگا۔ یہ تفسیر قوم کے تمام لوگوں کے لئے صحیح اخلاقی اور دینی رہنمائی کے قائم مقام ہے تا آنکہ عنقریب اس کے اچھے نتائج روشن ہو کر اہل ملک کی ظالمانہ تعدی دوسروں کے حقوق میں زیادتی و ظلم اور اخلاقی فساد سے محفوظ رکھیں گے۔ دینی و شرعی دساتیر کی طرح ہماری مملکت کے لئے کہ اس کے اکثر مسلمان باشندے دینی جزئیات اور قرآن کریم کے معانی سے بے خبر ہیں۔ (یہ تفسیر) مجرب نسخے ہیں جو ضعیف الاخلاق بیماروں کے لئے شفا اور رستگاری کا سبب ہوں گے۔

اس تقریظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علمائے ہرات (کابل) اس تفسیر کو اپنے ملک سے جہالت، ناانصافی، ظلم کے دور ہونے کا سبب اور اخلاق کی اصلاح اور ملکی توازن کے درست ہونے کا ایک قوی سبب یقین کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اس پر عمل کا ارادہ ہو۔

اگر تفسیر عثمانی پر تقریظات کے سلسلہ کو طول دیا جائے تو یا تا دور پہنچتا ہے کہ خود ایک مختصر سا رسالہ بن جاتا ہے اس لئے مذکورہ مشاہیر کے خیالات پر بس کر کے قاری کے سامنے یہ نتیجہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا مقام تفسیر کیا ہے۔ اور وہ علماء مفسرین میں کتنا ممتاز امتیاز رکھتے ہیں۔

تجزیہ

مشاہیر علماء مفسرین کی رائے کا تجزیہ کرنے سے حسب ذیل مختصر عبارت میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:۔

۱۔ مفسر علامہ کی تفسیر جامع و مانع ہے۔ اختصار کی جگہ اختصار اور وضاحت و تفصیل کی جگہ اس میں تفصیلات ہیں۔ یعنی حسب موقع و محل ہے۔ ضرورت سے زیادہ اور ضرورت سے کم تفسیر کا راستہ اختیار نہیں کیا گیا ہے۔

۲۔ بڑی بڑی ضخیم تفسیروں سے بے نیاز کر دیتی ہے اور مضامین قرآنی سے واقفیت کے لئے کافی و وافی ہے۔ بلکہ بقول مولانا احمد سعید صاحب اس قدر بہترین تفسیر کا جامع اور مختصر ذخیرہ دیکھنے میں نہیں آیا۔

۳۔ مشکل سے مشکل مسائل کو نہایت سلیس اور دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ قاری کے دماغ کو قبول کرنے میں قطعاً دقت محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ بقول سید سلیمان ندوی ان کی قوت تفہیم حد بیان سے بالا ہے۔ یہ تفسیر فطرت صحیحہ اور ذوق سلیم کو اپیل کرتی ہے۔

۴۔ اس تفسیر میں قرآنی حکمتوں اور معارف کے بیش بہا مضامین پیش کئے گئے ہیں۔

۵۔ شیخ الہند کا ترجمہ اگر نور ہے تو بقول مولانا عبدالماجد مولانا عثمانی کی تفسیر نور علیٰ نور ہے۔

اسی قسم کا خیال ادارۂ اخبار زمیندار نے فارسی ترجمہ کابل کی تقریظ میں ظاہر کیا ہے لکھتا ہے:۔

ترجمہ قرآنی کہ از طرف حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن مرحوم و مغفور بعمل آمدہ مشعل علمی است کہ تمام دنیائے اسلامی باید ازاں روشنی حاصل نماید۔ ایں ماہتاب ترجمہ و تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی آفتاب گردانیدہ است"۔ (تقریظ مطبوعہ تفسیر کامل جلد سوم صفحات آخر)

قرآن کریم کا ترجمہ جو شیخ الہند علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے ایک علمی مشعل ہے کہ تمام دنیائے اسلام کو اس سے روشنی حاصل کرنی چاہئے اس ماہتاب ترجمہ کو مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر نے آفتاب بنا دیا ہے۔

۶۔ یہ تفسیر اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق ہے اس میں ضروریات زمانہ کا بھی خیال رکھا گیا ہے یعنی جدید و قدیم خیالات والے اہل علم دونوں کے فکری تقاضے پوری کرتی ہے۔

۷۔ یہ تفسیر نہایت پر مغز محققانہ اور حکیمانہ انداز میں لکھی گئی ہے چنانچہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمایا:۔

"جب سے یہ تفسیر چھپی ہے اسے ساتھ رکھتا ہوں جب کوئی تعلیم یافتہ کسی خاص مسئلہ کو پوچھتا ہے اس تفسیر کو کھول کر پڑھ دیتا ہوں جس میں اس کا جواب ہوتا ہے"۔

۸۔ کسی اسلامی فرقہ سے اس میں تعرض نہیں کیا گیا ہے نہ ہی اختلافی مسائل کو کھلم کھلا چیلنج دے کر خطاب کر کے بیان کیا گیا ہے۔ ہاں اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق اور صحیح تحقیق کے ضمن میں جو چیزیں آ گئی ہیں وہ آپ ہی آپ آتی چلی گئی ہیں جن سے مخالفین کے اعتراضات کی جڑیں خود بخود کٹتی چلی جاتی ہیں۔

۹۔ یہ تفسیر نہایت فصیح و بلیغ شستہ اور شگفتہ اردو زبان میں جا بجا ادیبانہ رنگ میں لکھی گئی ہے اس کا طرز بیان مغلق اور خشک نہیں ہے۔

مذکورہ بالا خیالات جس تفسیر کے متعلق ہو سکتے ہیں بعینہ وہ خیالات مفسر کی قابلیت اور کمال پر بھی صاف دلالت کرتے ہیں چنانچہ براہ راست مفسر کے متعلق ان تقریظات میں جو کچھ ملتا ہے وہ یہ ہے۔

۱۔ بقول خواجہ عبدالحئی صاحب مولانا عثمانی ہندوستان میں لاریب سرتاج مفسرین اور قرآنی حکم و بصائر کے سب سے بڑے واقف مانے جاتے ہیں۔

۲۔ مشہور مورخ اسلام و مصنف تاریخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کو مولانا عثمانی کی قرآن دانی اور تدبر قرآن نے آپ کا عاشق بنا لیا تھا چنانچہ محبوب کا تصور جس طرح عاشق کو پیارا ہوتا ہے اسی طرح مولانا عثمانی کا تصور نجیب آبادی (بجنوری) مورخ کے دل کے لئے سامان راحت ہے۔ جیسا کہ ان کی تقریظ سے واضح ہے اسی کو کمال علم کی محبت کہا جاتا ہے۔

۳۔ مولانا محمد میاں صاحب مصنف علمائے حق کی رائے جو گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے

ہیں اور جو علامہ مفسر کی شخصیت کی بہترین آئینہ دار ہے یہاں دوبارہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگی۔ موصوف علامہ کی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ تفسیر ایک ایسے متبحر عالم نے لکھی ہے جس کے متعلق مسلمانان ہند کا صحیح علم یہ ہے کہ فہم قرآن غور وفکر اور سلاست کلام، دلچسپی تحریر دلپذیری تقریر میں اپنا نظیر نہیں رکھتا یعنی شیخنا واستاذنا مفسر اعظم قاسم ثانی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی شارح مسلم شریف"۔

مولانا محمد میاں صاحب کے الفاظ میں علامہ مفسر، مفسر اعظم اور قاسم ثانی کے القاب سے یاد کیے گئے ہیں۔ اسی لئے راقم الحروف نے بھی عنوان میں ان کو مفسر اعظم کے لقب سے یاد کیا ہے۔

۴۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو اپنے وقت کا مفسر و محدث اور متکلم مانا ہے چنانچہ فتح الملہم شرح مسلم کی تقریظ کا جملہ پیشتر نقل کیا جا چکا ہے اور یہی خیال شدومد کے ساتھ علامہ زاہد الکوثری نے اپنے مکتوب بنام عثمانی میں درج کیا ہے اور ان کو محقق عصر، مفسر، محدث، فقیہ، نقاد اخواص کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے مذکورہ بالا علماء کرام اور مشاہیر کی تقریظیں اگرچہ مفسر موصوف کی تفسیر پر اجمالی اشارے پیش کر رہی ہیں لیکن ایک ناقد اور مبصر کے لئے اس تفسیر میں بہت کچھ نقد ونظر کا ایسا سامان موجود ہے جو اس کو دعوت فکر ونظر دیتا ہے۔ اس لئے مبسوط اور سیر حاصل تبصرہ سے پہلے تفسیر کی اہمیت اس کے اعلیٰ مقام اس کی ذمہ داریوں اور بعض دیگر مفید مطلب تفسیری قدروں پر بھی روشنی ڈالنا اولین فرض ہو جاتا ہے۔

فن تفسیر کی اہمیت

قرآن کریم خدائے احکم الحاکمین کا کلام ہے جس کی شان جلالی وجبروتی کے متعلق خود متکلم یعنی ذوالجلال والاکرام نے فرمایا ہے:۔

لو انزلنا هذا القرآن علىٰ جبل لرأيته، خاشعاً متصدعاً من خشية الله

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا

نزول قرآن کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رعب وحی کے باعث پسینہ آ جاتا تھا اور اگر آپ سواری پر تشریف فرما ہوتے تھے تو سواری بھی دب جاتی تھی ایسے پر عظمت وجلال کلام خداوندی کی تفسیر کے لئے بڑے فہم وفراست دیانت وامانت خوف خدا اور علمیت غرض ہر طرح کی اہلیت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ علم تفسیر خود دنیا کے تمام علوم سے افضل اور اہم ہے اور خداوندی اسرار ورموز کو سمجھنا معمولی کام نہیں۔ اس لئے حسب ذیل مطالب تفسیر حقانی سے اخذ کر کے پیش کر رہا ہوں۔

تفسیر کے لفظی اور اصطلاحی معنی

تفسیر بروزن تفعیل مصدر ہے جس کا مادہ فسر ہے فسر کے معنی بیان اور کشف کے ہیں لیکن اصطلاح میں تفسیر اس علم کا نام ہے جس میں احوال قرآن بیان کیے جاتے ہیں اور بقدر طاقت بشریہ الفاظ سے جو کچھ خدائے پاک کی مراد ہے وہ ظاہر کی جاتی ہے۔ ابوحیان نے جن کے حوالے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے اپنی تفسیر میں کئی جگہ دیے ہیں تفسیر کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"(تفسیر) ایک ایسا علم ہے کہ جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق اور الفاظ کے معانی اور ان کے افرادی و ترکیبی حالات اور ان کے تتمات کا بیان ہو۔

اس تعریف کے اجزاء کی تحلیل اس طرح ہے:۔

۱۔ قرآن کی کیفیت نطق سے مراد علم قرأت ہے جس کے ذریعہ سے کسی لفظ قرآن کی اصلیت کا علم ہو مثلاً مالک یوم الدین میں مالک کی قرأت ہے۔ یا ملک کی۔

۲۔ الفاظ کے معانی کی قید سے علم لغت کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ الفاظ کے افرادی و ترکیبی حالات سے مراد الفاظ کے تنہا پیدا ہونے والے حالات جن سے علم صرف مراد ہے اور ترکیبی حالات سے علم نحو کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ ان تتمات کے بیان کی قید سے ناسخ و منسوخ، ظاہر و نص وغیرہ اور قصص و احکامات کی طرف اشارہ ہے۔

لہٰذا قرآن کریم کی مبہم آیات کا تعین مشکلات کا حل متشابہ آیات کی وضاحت احکام قرآن کی توضیح و تشریح و تفصیل شان نزول کا بیان، لغات کا حل یہ سارے کے سارے امور تفسیر کی نوعیت میں شامل ہیں۔ اسی لیے علم تفسیر کے دو جز مشہور ہے۔

۱۔ پہلا جز

آیات کے معانی کی تشریح نادر اور غریب الفاظ کی وضاحت، اجمال کی تفصیل اور اسباب نزول کا ہے۔ اس حصہ تفسیر کا تعلق صحابہ تابعین تبع تابعین کی یکے بعد دیگرے صحیح نقل اور سلف صالحین کے اقوال سے ہے چنانچہ متقدمین علماء اسی حصہ کو تفسیر کے نام سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

۲۔ دوسرا جز

تفسیر کا دوسرا حصہ وہ ہے جو علم معانی و بیان صرف و نحو اور لغت سے تعلق رکھتا ہے لیکن یہ سب علوم

قرآن کریم کی تفسیر کے حصہ اول کے مبادی یا ابتدائی علوم ہیں جو بطور ذریعہ آلہ یا مقدمہ کے کام دیتے ہیں جن کی تفسیر قرآن حکیم میں ضرورت پڑتی ہے۔ یہ حصہ سلف صالحین سے نقل و روایت پر موقوف نہیں۔

ان دونوں اجزاء کے اعتبار سے فن تفسیر میں جو علوم درکار ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اصول حدیث

تاکہ اصول حدیث کے ماتحت تفسیری احادیث کی صحت تک رسائی ہو سکے۔

۲۔ حدیث:۔ اس لئے کہ صحیح تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اور عمل ہی ہے۔

۳۔ اصول فقہ:۔ کیونکہ فقہ کے اصول کے علم کے باعث تفسیری احکام میں بہت امداد ملتی ہے۔ اور صریح مجمل مشکل اور متشابہ اشارۃ النص دلالۃ النص' اقتضاء النص اور عبارت النص اور دیگر اصول کے جاننے سے تفسیر کی راہ کھلتی ہے۔

۴۔ علم فقہ:۔ قرآن کریم میں نماز' زکوۃ' روزہ' حج' وضو' تیمم وغیرہ وغیرہ کے جاننے پر متعلقہ احکام کی تفسیر موقوف ہے۔

۵۔ علم قرأت:۔ جب تک قرآن کریم کی صحیح قراءت معلوم نہ ہو تو تفسیر ہو ہی نہیں سکتی مفسر کو معلوم ہونا چاہئے کہ سورۃ فاتحہ میں **مالک یوم الدین** ہے تو یوم دین کے مالک ہونے کے معنی ہیں۔ اور اگر **ملک یوم الدین** ہے تو اس کے معنی یوم دین کے بادشاہ کے ہیں۔ لہذا مالک اور ملک کی قرات کا علم ہونا چاہئے۔

۶۔ علم الکلام:۔ جس کے ذریعہ آیات قرآنی کے احکام ثابت کرنے اور دلائل سے واضح کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

۷۔ علم تاریخ:۔ انبیاء' اقوام اور ان انسانوں کی تاریخ جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

۸۔ علم جغرافیہ:۔ جنگ بدر' جنگ احد' قوم عاد و ثمود کی بستیوں کی جغرافیائی پوزیشن غرض واقعات قرآنی کے ماتحت ان جغرافیائی مقامات کا جاننا جہاں وہ پیش آئے۔

۹۔ علم الحقائق:۔ یعنی وہ علم جس میں موجودات کی حقیقتوں کا ذکر ہو۔ اس کے ماتحت علمائے جدید و قدیم اور صوفیاء کرام وغیرہ کے روحانی علوم آتے ہیں۔

۱۰۔ علم الحساب:۔ میت کے ترکہ کو تقسیم کرنے کے لئے حساب کے بغیر تقسیم اور تفسیر نہیں ہو سکتی۔

۱۱۔ علم الاسرار:۔ قرآن کریم کے احکام میں کیا کیا مصلحتیں اور راز پوشیدہ ہیں جس علم میں اسرار احکام قرآنی ہوں اسے علم الاسرار کہا جاتا ہے۔

ان علوم کے علاوہ علم لغت' علم صرف' علم نحو' علم معانی و بیان' بدیع' علم الرجال' علم سیرت' غرضیکہ ایک مفسر کو ان علوم میں مہارت اور معلومات کی ضرورت ہے تب کہیں جا کر وہ حقیقت میں مفسر بننے کے قابل ہو سکتا ہے۔

تفسیر کی اہم ذمہ داری

تفسیر میں یہ اہم اور نازک ذمہ داری پیش نظر رکھنی چاہئے کہ تفسیر وہی مقبول ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ' تابعین' تبع تابعین اور ائمہ ہدیٰ و مفسرین حق نے روایت کی ہے۔ تفسیر میں اپنی رائے کو دخل نہ ہونا چاہئے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من قال فی القرآن بغیر علم (و فی روایۃ) برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار

جس نے قرآن کی تفسیر میں علم کے بغیر اپنی رائے سے کچھ بیان کیا تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہئے۔

اس کی توضیح یوں خیال کیجئے کہ قرآن کریم کی آیت **اقیموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ** کا ترجمہ یہ ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔ اس کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک تیرہ سو سال سے یہ ہے کہ رکوع' سجود' قیام' قعدہ وغیرہ کے ساتھ محدود و متعین رکعات اور طریقہ ادا کے ساتھ مخصوص اوقات میں نماز پڑھو اور اسی طرح آنحضرتؐ سے مروی طریقہ کے مطابق زکوۃ ادا کرو لہذا اگر کوئی شخص اس تفسیر کے علاوہ نماز کا مطلب یہ بیان کرے کہ وہ صرف دل میں خدا کی یاد کر لینے سے بھی ہو جائے گی تو یہ تفسیر' تفسیر بالرائے کہلائے گی۔ جس کے مفسر کا انجام جہنم ہے کیونکہ احکام الٰہی کو اس کی مرضی کے مطابق انجام دینا منشائے خداوندی ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی مرضی کی تفسیر کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی تفسیر ہے لہذا ایک مفسر بالرائے اللہ کی مرضیات سے اپنی رائے کو ٹکرانے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق احادیث' صحابہ' تابعین' تبع تابعین اور ائمہ ہدیٰ کی منقولہ تفسیروں کے خلاف بہت سے ہوا و ہوس پرستوں نے فلسفہ و سائنس سے مرعوب ہو کر اور کتنی دفعہ اپنی جہالت' کم علمی' تاویلات باطلہ کے سبب اور کتنی دفعہ جدت علمی کے غرور اور روشنی طبع کی بلا کے ہاتھوں جو تفسیریں کی ہیں وہ گمراہی کے سوائے اور کوئی ہدایت کا سامان بہم نہیں پہنچاتیں ایسی تفسیریں نہ مستند ہیں اور نہ قابل تقلید۔

اس دور بے تمیزی میں جدید تعلیم یافتہ کو اول تو مذہب سے نفرت ہے اور اگر کسی کو پاس مذہب ہو بھی تو وہ اجتہاد سے اس طرف نہیں رکھتا ساری عمر کبھی اسلامیات کی طرف منہ موڑ کر بھی نہیں دیکھا لیکن امام ابوحنیفہ بننے کا دعویٰ شدومد کے ساتھ کر دیا جاتا ہے بالخصوص کوئی جب پنشن پا چکتا ہے تو دماغ

کے جواہر کو کھو چکنے کے بعد بقیہ اوقات فرسودہ ذہن کو وہ کلام اللہ کی تفسیر میں خرچ کرنا سعادت سمجھتا ہے۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی　　اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

یونان کے فلسفے نے جب خلفائے عباسیہ کے دور میں سر نکالا اور اس کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو فلسفہ زدہ طبیعتوں پر اس کا اثر ہوا اور اسلامی نظریات میں پختگی اور لیاقت نہ ہونے کے باعث ان شکوک و شبہات نے آ گھیرا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معتزلہ کا ایک فرقہ پیدا ہو گیا۔ جو قرآن کریم کی ان آیتوں کو جن کو فلسفہ زدہ عقل نے فلسفہ کے خلاف سمجھا تاویلات کرنے لگے چنانچہ ابو علی جبائی اسی فرقہ معتزلہ کا سب سے بڑا رہرو ہے۔ الغرض اس قسم کے لوگوں نے قرآن کریم میں دور از حقیقت تاویلات کا وہ دروازہ کھول دیا کہ انہوں نے بہشت، دوزخ، عذاب قبر، حساب کتاب، میزان، پل صراط، معجزات وغیرہ سب کی تاویل کر کے ان کے معانی میں ہی تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ یہی زبردست لغزش یورپ کی جدید سائنس کے ماتحت ہمارے ناخدائے ملت سر سید مرحوم کو ہوئی۔ انہوں نے یورپ سے متاثر ہو کر قرآن کریم کو اس وقت کی سائنس کے ماتحت کرنے کی کوشش کی۔ کمند علم رسا نہ تھی اس لئے ایسا قدم پھسلا کہ کسی جگہ بھی نہ سنبھل سکے چنانچہ قرآن کریم کے کچھ حصہ کی جو تفسیر انہوں نے عمر کے آخر حصہ میں کی وہ انہی امور سے متعلق ہے جن کو وہ سائنس کے نظریات کے سانچے میں ڈھال ڈھال کر اصلی تفسیر کے خلاف پیش کر سکتے تھے اور جہاں جہاں سائنس کے اعتراضات ہو سکتے تھے جن کا ان سے جواب نہ بن سکتا تھا حالانکہ علمائے دیدہ ور کی طرح اور امام رازی کی مانند اسلامی فلسفہ کی تیغ آبدار کو ہاتھ میں لے کر اپنے اصولوں کو اپنی جگہ مانتے ہوئے مخالفین کی نکتہ چینیوں کو کاٹ کر رکھ دینے کی ضرورت تھی اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر زمانہ میں فلسفہ کے نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ فلسفہ خود ایک نامکمل عقل کا نامکمل علم رہا ہے اس لئے ہر ہر دور میں قرآن کی آیات میں تاویلات کا غیر متناہی سلسلہ مذہب کے خط و خال کو مسخ کرتا رہے گا اور سائنس تو اب مذہب اسلام کے اتنی قریب آتی جا رہی ہے کہ ذرا صبر سے کام لیں تو تعلیم قرآن کی سچی فطرت سائنس کے صحیح علم سے مطابق ہو کر رہ جائے گی اور تعصب بر طرف رکھ کر سائنس دان کے لئے اسلام کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہے گا۔

بہر حال صحیح تفسیر علماء حق کے نزدیک وہی ہے جو آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے بشرطیکہ صحیح متصل سند سے ثابت ہو کی جائے۔ صحابہ تابعین یا اہل بیت کے بھی وہی اقوال مستند ہوں گے جو احادیث سے مستند طور پر تفاسیری سلسلہ میں مروی ہیں۔ ان امور کی تفصیلات اصول تفاسیر میں آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں یہ مقام تفسیر کے طویل مباحث کی گنجائش نہیں رکھتا۔

تفسیر میں نور ایمانی اور تقویٰ

تفسیر کے لئے مفسر کو جن علوم کی ضرورت پڑتی ہے جن کا گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ سب سے زیادہ اہم اور اصل جوہر مفسر کے اندر نور ایمانی اور تقویٰ ہے۔ مومن **اتق فراسة المومن فانه ينظر بنور الله** (مومن کی فراست سے باخبر رہو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) کے ماتحت قرآن کریم کی ہر آیت اور اس کے ہر پہلو میں خوف خدا اور نور ایمانی کے باعث محتاط راہ اختیار کرتا ہے۔ خواہشات نفسانی، طمع، شخصی رعب اور کجروی یہ وہ چیزیں ہیں جن کے باعث کتاب اللہ کی آیات کو انسانوں کی جماعتوں نے بسا اوقات بیچا ہے۔ **یشترون بایٰت الله ثمناً قلیلاً** انہی جامعہائے انسانی کے لئے ہے۔

اس میں بھی شک نہیں کہ قرآن ساری دنیا کی سمجھ کے لئے بھیجا گیا ہے اور **ولقد یسرنا القران للذکر فهل من مدکر** (ہم نے قرآن کو آسان بنایا ہے پس کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے) کی آیت قرآن کریم کے آسان ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی بھی ہر شخص اہلیت رکھتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے پند و نصائح اور اوامر و نواہی بالکل واضح اور صاف ہیں پھر قرآن کریم کے پند و نصائح سے فائدہ اٹھانا قرآن کریم کے احکام کو عقول کے تفاوت اور مدارج کی حیثیت سے سمجھنا اور سمجھانا بھی مختلف ہے۔ قرآن کریم میں کتنے ایک استعارے، متشابہات، مجمل اور مبہم مسائل ہیں جن کی تفسیر میں یقینا احتیاط اور کمال علم و تقویٰ کی ضرورت ہے۔ مثلاً استواء علی العرش، مسئلہ تقدیر، ملائکہ، روح، خوارق عادات و معجزات وغیرہ۔

یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی اپنی استعداد اور لیاقت کے اعتبار سے باہمی فرق رکھتے تھے مگر فن تفسیر اور قرآن فہمی میں بعض صحابہ یعنی ابوبکر صدیق حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی ابن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خصوصیت حاصل تھی۔ عربی ان کی مادری زبان تھی اس لئے لغت معانی و بیان محاورہ سے ان کو فطری نسبت تھی۔ اور صرف و نحو تو ان کی زبان کے تابع تھے قرآن کریم سے متعلق آبادیوں، قوموں کی تاریخ کا ان کو علم تھا اور اسرار و رموز مصالح وغیرہا پر فیض نبوت کے باعث ان کو عبور حاصل تھا۔ تقویٰ اور پرہیزگاری میں ان سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا تھا۔

موضوع علم تفسیر وغرض

چونکہ کسی علم کا موضوع وہ ہوا کرتا ہے۔ جس کے متعلق اس فن میں بحث کی جاتی ہے مثلاً علم طب کا موضوع انسانی جسم ہے اسی طرح تفسیر کا موضوع قرآن کریم ہے اور اس علم کی غرض سعادت کا حصول اور شقاوت و بدبختی سے پرہیز اور اجتناب کرنا ہے اس لئے قرآن کریم کی صحیح تفسیر جاننا اور صحیح تفسیر کرنا عین سعادت ہے اور غلط تفسیر بدبختی اور شقاوت ہے لہذا اس فن میں انتہائے احتیاط کی ضرورت ہے۔

مفسر کو اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق اسی تفسیر میں محدود رہنا ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، تبع تابعین سے بروایات صحیحہ منقول ہو کیونکہ علم حدیث کی طرح علم تفسیر بھی اول اول سینوں میں رہا اور بعد ازاں ازمنہ کی ترتیب کے ساتھ منقول ہوتا چلا آیا۔ البتہ بعض صحابہ کی تفاسیر کا مجموعہ بعض روایات سے کتابی شکل میں جمع کیا گیا۔ اس طرح صحیح اسناد کیساتھ صحیح تفسیر آج تک منقول ہوتی چلی آرہی ہے چنانچہ بعض مفسرین کے حسب ذیل طبقات مختصر کر کے مقدمہ تفسیر حقانی سے پیش کرتا ہوں۔

۱۔ پہلا طبقہ:۔ پہلا طبقہ صحابہ کا ہے جن میں خاص طور پر وہ صحابہ ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔

۲۔ دوسرا طبقہ:۔ دوسرا طبقہ تابعین کا ہے جو صحابہ کے شاگرد ہیں اہل مکہ اکثر عبداللہ بن عباس کے شاگرد ہیں۔ مجاہد، عطا ابن رباح، عکرمہ، طاؤس، سعید بن جبیر وغیرہ مستند مفسرین انہی کے تلامیذ ہیں۔ ابن جریر، احمد بن حنبل، حاکم، ابن ابی حاتم، ابوجعفر سے اور وہ ربیع بن انس سے اور وہ ابوالعالیہ سے اور وہ ابی کعب کی تفسیر کے راوی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامیذ اہل کوفہ مفسرین ہیں مدینہ منورہ میں بھی بہت سے صحابہ کے شاگرد مفسر ہیں چنانچہ حسن بصری عطاء بن ابی سلمہ خراسانی، محمد بن کعب قرظی، ابوالعالیہ، ضحاک بن مزاحم، عطیہ عوفی، قتادہ، زید بن اسلم مرہ ہمدانی، ابومالک یہ سب حضرات ائمہ تفسیر تھے جنہوں نے صحابہ سے تفسیر سنی تھی۔

۳۔ تیسرا طبقہ:۔ تیسرے طبقہ میں تبع تابعین ہیں جو صحابہ اور تابعین کے اقوال روایت کرتے ہیں اس دور میں تفسیریں لکھی جانے لگی تھیں مثلاً تفسیر سفیان بن عیینہ تفسیر وکیع بن الجراح، تفسیر شعبہ بن الحجاج، تفسیر اسحاق بن راہویہ، تفسیر ابوبکر بن شیبہ وغیرہ ہیں اسی طبقہ سے ابن جریج وسدی ابن قتیبہ ابومحمد بن عبداللہ بن مسلم دینوری مصنف مشکل القرآن ہیں۔

۴۔ چوتھا طبقہ:۔ اس طبقہ کے مشہور مفسرین میں ابوجعفر محمد بن جریر طبری ابوالقاسم ابراہیم

بن اسحاق انماطی عبدالرحمٰن بن ابی حاتم ہیں۔ ان کی تفسیر شفاء الصدور ہے الفاظ قرآن کے معنی کی تشریح میں کتاب الاشارات ہے۔ علاوہ ازیں ابواب القرآن ہے ابن حبان، ابن مردویہ، ابن ماجہ، حاکم اور ابن المنذر بھی اسی دور کے مفسرین ہیں۔

۵۔ پانچواں طبقہ:۔ اس طبقہ کے مفسرین نے اسناد کو اڑا دیا اور صرف صحابہ اور تابعین کی طرف تفسیری اقوال کو نسبت دے دی ہے اور براہ راست کہتے ہیں کہ یہ قول ابن مسعودؓ کا ہے اور یہ قول ابن عباسؓ کا ہے۔ اس طبقہ میں بہت سے مفسرین ہیں۔ ابوالقاسم عبدالکریم قشیری، ابو محمد عبداللہ جوینی، ابوالحسن احمد واحدی ان کی تین تفسیریں صغیر، بسیط، کبیر ہیں اور ان تینوں کے مجموعے کا نام حاوی ہے۔

۶۔ چھٹا طبقہ:۔ یہ طبقہ چھٹی صدی ہجری کا ہے۔ اس طبقہ میں جس مفسر کو جس علم سے مناسبت ہے اس کی تفسیر میں وہی رنگ زیادہ نمایاں نظر آتا ہے متکلم مفسر کلامیہ مسائل پر فقیہ، فقہی مسائل ہیں۔ نحوی نحو کے اصول اور صوفی تصوف کے رنگ میں تفسیر پیش کرتا نظر آتا ہے۔ اس طبقہ میں ابوحامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ ہیں۔ جواہر القرآن اور یاقوت التاویل انہی کی تصانیف ہیں۔ ان کی تفسیر میں زیادہ تر سراسر تصوف ہیں۔ ابوالقاسم حسین راغب اصفہانی متوفی ۵۰۳ بھی اسی دور کے ہیں جنکی مفردات القرآن مشہور کتاب ہے۔ ابوالقاسم اسماعیل ابن محمد اصفہانی متوفی ۵۳۵ھ ان کی تفسیر الجامع تیس جلدوں میں ہے۔ ابو محمد حسین بن محمود بغوی جو فراء کے لقب سے مشہور ہیں۔ اسی طبقہ میں ہیں اور ان کی مشہور تفسیر معالم التنزیل ہے، ابوالقاسم محمد بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ جن کا لقب مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کرنے کے باعث جاراللہ ہو گیا ہے۔ ان کی تفسیر کشاف کئی جلدوں میں ہے۔

۷۔ ساتواں طبقہ:۔ اس طبقہ میں محمد فخرالدین امام رازی متوفی ۶۰۶ھ ہیں ان کی تفسیر کبیر بہت ضخیم ہے اور متعدد جلدوں میں ہے انہوں نے اپنے دور کے فلسفہ یونان کا اپنی تفسیر میں بہت رد کیا ہے۔ ان کی تفسیر میں سب کچھ ہے مگر تفسیر تھوڑی ہے اسی لئے ان کی تفسیر کے متعلق مشہور ہو گیا۔ فیہ کل شیء الا التفسیر اسی دور میں امام محمد بن ابی بکر رازی متوفی ۶۰۶ھ ہیں۔ قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۵۸ھ کی تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل جو بیضاوی کے نام سے مشہور ہے۔

۸۔ آٹھواں طبقہ:۔ اس طبقہ میں ابوالبرکات عبداللہ بن احمد محمود نسفی مشہور حنفی فقیہ ہیں ان کی تفسیر مدارک ہے ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر متوفی ۷۷۴ھ جن کو دنیا ابن کثیر کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ان کی تفسیر اسی دور کا شاہکار ہے جو متعدد ضخیم جلدوں میں ہے۔ قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی متوفی ۷۱۰ھ کی تفسیر علامی چالیس جلدوں میں ہے۔ شرف الدین حسن بن محمد جو طیبی کے نام سے مشہور ہیں اور جنہوں نے مشکوٰۃ کی شرح لکھی ہے ان کی تفسیر کا نام فتوح الغیب ہے۔

۹۔ نواں طبقہ:۔ اس طبقہ میں جلال الدین محمد بن احمد محلی شافعی متوفی ۸۶۴ھ اور جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ان کی مشہور کتاب تفسیر حسینی فارسی زبان میں ہے یہ تفسیر کوئی خاص تفسیر نہیں معمولی ہے بلکہ غیر مستند بعض نے کہا ہے کہ یہ شیعہ تھے۔ ابوالفیض فیضی کی بے نقط تفسیر ہے یہ اکبر کے دربار کا بہت بڑا ادیب شخص تھا۔ اس کتاب میں تفسیر نہیں عربیت ہے پھر یہ شیعہ تھا۔

۱۰۔ دسواں طبقہ:۔ حضرت شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ اسی طبقہ کے مفسر ہیں ان کی ایک مختصر سی تفسیر ہے جس کا نام فتح الخبیر ہے۔ اس کے شروع میں اصول تفسیر پر ایک مقدمہ بھی ہے جس کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے فارسی میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی لکھا ہے جو فتح الرحمن کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ متوفی ۱۲۲۷ھ نے ایک ناتمام تفسیر جلد اول از سورۂ فاتحہ تا آیت ان تصوموا خیر لکم اور ایک جلد تبارک الذی سے آخر تک لکھی ہے اس کا نام فتح العزیز ہے جو کچھ لکھا ہے کمال کیا ہے۔ مولانا نواب سید صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے فتح البیان لکھی ہے۔ اسی دور میں علی بن محمد یمنی شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ نے فتح القدیر لکھی۔ شاہ عبدالقادر صاحب کی تفسیر موضح القرآن نہایت مختصر مگر پر مغز ہے۔

۱۱۔ گیارھواں طبقہ:۔ اس طبقے میں تفسیر اکسیر اعظم کے مصنف مولانا محمد ہاشم مرادآبادی ہیں جنہوں نے پانچ جلدوں میں بڑی مفصل تفسیر لکھی۔ مگر اس میں رطب ویابس بھی کچھ ہے تفسیر حقانی کے مصنف دیوبند کے فیض یافتہ مولانا عبدالحق بھی اسی دور کے مفسر ہیں جنہوں نے فتح المنان لکھی اور جس کا مشہور نام تفسیر حقانی ہے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فاضل دیوبند کی مشہور تفسیر بیان القرآن جو بارہ جلدوں میں ہے۔ یہ تفسیر مستند ہے اور نہایت جامع' ابوالکلام آزاد بلا کے انشاپرداز ہیں ان کی تفسیر میں بہت کچھ تفسیری ذخیرہ ہے۔ جغرافیائی اور تاریخی معلومات بھی بہت کچھ ہیں مگر اہل سنت والجماعت کے مسلک سے بہت جگہ ہٹ کر اپنے اجتہاد سے کام لیا ہے۔

تفسیر عثمانی

گیارھویں طبقے کے مفسرین میں بلاریب مولانا عثمانی کا مقام تفسیر بہت بلند ہے۔ گذشتہ صفحات میں اکابرین علماء و ناموران ملک کی تقریظی عبارتوں کے ٹکڑے پیش کئے گئے ہیں۔ فن تفسیر کی حیثیت میں مذکورہ طبقات مفسرین کے بعد علامہ عثمانی کی تفسیری شخصیت پر حسب ذیل تبصرہ کی روشنی میں رائے قائم کیجئے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

ہندوستان میں ایک رسم ہوگئی ہے کہ قرآن کریم کے حاشیہ پر جو تفسیر پیش کی جاتی ہے اس کو

حواشی یا فوائد کے نام سے شہرت دیجاتی ہے خواہ وہ فوائد کتنے ہی مبسوط اور جامع و نافع یا موجز و متوسط ہوں۔ اس لئے مولانا عثمانی کی تفسیر کو فوائد یا حواشی کا نام دیدیا گیا ہے مجھے اس سے سخت اختلاف ہے۔ تفسیر جلالین جس کے الفاظ قرآن کریم کے الفاظ سے کم ہوں تو ہوں مگر زیادہ نہیں لیکن چونکہ اس کو آیات کے درمیان لاکر کتابی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے وہ تفسیر کے نام سے مشہور ہوگئی۔ مولانا عثمانی کی تفسیر بقدر ضرورت مختصر، متوسط اور مبسوط حسب اقتضائے مقامات ہے۔ لہذا میرے نزدیک وہ تفسیر میں شامل ہے اور جیسا کہ حکومت کابل نے اس کو تفسیر کے طور پر شائع کیا ہے اسی طرح تفسیری شان میں اردو میں بھی اس کو شائع کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ فارسی ترجمہ میں جو تفسیری شان پیدا کی گئی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے اور جس کی ہر جلد ہزار ہزار صفحات یا زائد پر مشتمل ہے۔ ہاں قرآن کریم کے حواشی پر بھی شائع ہوتے رہنا ضروری ہے کہ اس کا فائدہ عام ہے۔

مفسر میں شان تقویٰ اور علوم تفسیری میں بصیرت کی ضرورت محقق عثمانی اور خوف الٰہی

مفسر یا فقیہ و مفتی کے لئے کسی تفسیر کرنے یا فتویٰ کے صادر کرنے سے پہلے محتاط اقدام کی ضرورت ہے اور یہ احتیاط تقوے کے بغیر ناممکن ہے۔ مولانا عثمانی اس قسم کے تقویٰ سے یقیناً متصف ہیں۔ وہ آیات رحمت پر امید سے پُر اور آیات عذاب پر خوف سے لبریز معلوم ہوتے ہیں جن سے ان کے ذاتی اور قلبی کریکٹر کا پتہ چلتا ہے وہ نماز بھی بڑے خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے۔ بہت زیادہ رقیق القلب اور نرم دل تھے۔ اللہ کی عظمت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حد سے زیادہ دل میں جاں گزیں تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی "مولانا شبیر احمد عثمانی" کے عنوان کے ماتحت اپنے وفیات میں موتمر مکہ ۱۳۴۴ھ کے سفر کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"جدہ سے مکہ معظمہ تک ہم سب ایک لاری میں آئے۔ جب مکہ معظمہ قریب آیا تو مرحوم (مولانا شبیر احمد صاحب) پر عجب کیفیت تھی۔ انہوں نے قران[1] کا احرام باندھا تھا اور ہم سب تمتع[2] کے احرام میں تھے۔ جیسے جیسے مکہ معظمہ قریب آتا جاتا تھا ان پر گریہ کا غلبہ ہوتا جاتا تھا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے"۔ (معارف اپریل ۱۹۵۰ء [illegible] ص ۳۰۲)

---

[1] قران کا طریقہ یہ ہے کہ حج کے مہینے میں میقات سے احرام باندھے اور دوگانہ کے بعد حج و عمرہ کی نیت کرے اور نیت کرکے تلبیہ کہے۔ [2] تمتع یہ ہے کہ اول عمرہ کا احرام باندھ کر حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرے پھر سر منڈوا کر مکہ میں یا اپنے قرض کے سوائے جہاں چاہے حلال ہو کر رہے۔ پھر حج کا احرام اپنے میقات سے باندھ کر حج کرے۔

اسی مضمون میں مولانا ندوی مولانا عثمانی کی پرہیزگاری اور احتیاط پر ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"ایک اور دفعہ اسی زمانہ (۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں وہ (مولانا شبیر احمد صاحب) اعظم گڑھ آئے ٹھہرے کہیں اور جگہ تھے۔ مجھ سے ملنے آئے میں نے چائے پیش کی تو پینے سے انکار کیا۔ انکار کی وجہ نہ معلوم ہوئی مگر بعد کو خیال آیا تو قیاس ہوا کہ چائے کی پیالیاں جو جاپانی تھیں ان پر جانوروں کی تصویریں بنی تھیں اس لئے ان میں پینے سے انکار کیا۔ بہرحال اس سے ان کے تقوی اور بزرگوں کی صحبت کا انتظار ہوتا ہے"۔ (معارف اپریل ص ۳۰۸، ۱۹۵۰ء)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی فاضل دیوبند و ایم اے برہان جنوری ۱۹۵۰ء کے نظرات میں مولانا عثمانی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"نماز انتہائی خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے خشیۃ اللہ و شرم و حیا کا پیکر تھے۔ قلب نہایت نازک اور رقیق پایا تھا"۔

الحاصل مولانا عثمانی نے تفسیر کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک شوشے پر نہایت احتیاط سے قلم اٹھایا ہے اور یہی تقوی و طہارت ہے۔

طلب عفو و استغفار

سورۂ مزمل میں **واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم** کی تفسیر کرتے ہوئے چونکہ استغفار کا ذکر آ گیا ہے اس لئے استغفار کی طرف بے ساختہ اپنی کوتاہیوں کی معافی کی طرف جھک پڑے ہیں جو ایمان و تقوی کی نشانی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"تمام احکام بجا کر لا کر پھر اللہ سے معافی مانگو کیونکہ کتنا ہی محتاط شخص ہو اس سے بھی کچھ نہ کچھ تقصیر ہو جاتی ہے کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق پوری طرح ادا کر دیا بلکہ جتنا بڑا بندہ ہو اسی قدر اپنے کو تقصیر وار سمجھتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے۔ اے غفور و رحیم تو اپنے فضل سے میری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما"۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۳۲ س ۹)

سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی زبان پر **رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمناً وللمؤمنین والمؤمنٰت ولاتزد الظلمین الاتبارا** کی دعا آ گئی ہے مولانا عثمانی کا دل اس کی تفسیر کرنے کے بعد موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اور طلب رحمت کے لئے بیتاب ہو گیا ہے لکھتے ہیں:۔

"اے اللہ نوح (علیہ السلام) کی دعا کی برکت سے اس بندۂ عاصی وخاطی کو بھی اپنی رحمت وکرم سے مغفور کرکے بدون تعذیب دنیوی واخروی اپنی رضا وکرامت کے محل میں پہنچایئے۔ **انک سمیع قریب مجیب الدعوات** (ص ۷۳۳ سورۂ نوح ف ۵)

غرضکہ اسی طرح کے بہت سے مقامات غضب الٰہی طلب رحمت نجات عذاب کے مواقع پر مولانا عثمانی کے قلبی تقوے کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے جس کے بعد پورا اطمینان ہوتا ہے کہ ایک مفسر کے اندر جو شان تقویٰ ہونی چاہئے جس سے وہ غلط تفسیر یا ہوائے قلبی کی طرف مائل نہ ہو جائے مولانا کے اندر ایسا تقویٰ موجود ہے جس کے باعث ہمیں ان کی ذات سے عقیدت اور ان پر اعتماد ہو جاتا ہے مولانا جب تفسیر لکھنے میں مصروف تھے تو روزانہ لکھتے لکھتے جب اس دن کا کام ختم فرماتے تھے تو یہ التزام تھا کہ تفسیر کے ہر دن کے حصہ کو کسی آیت رحمت اور فضل وکرم پر ختم فرماتے تھے۔ ایک روز جبکہ سورۂ یٰس کی تفسیر میں مصروف تھے۔ تو بھولے سے اختتام کسی غیر آیت رحمت پر ہوا۔ اتفاقاً اس روز دوپہر کے وقت مولانا کو بخار آ گیا جس نے شدت اختیار کر لی اچانک جب یاد آیا تو اسی حالت میں اٹھ بیٹھے اور بالآخر کسی آیت رحمت پر مقدار تحریر کو ختم کر کے چھوڑا۔

مذکورہ مضمون کی روشنی میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ علامہ مفسر اپنے اندر ایک ایسا خشیہ اور خوف خدا رکھتے ہیں جو ان کو تفسیر قرآن میں کسی منزل پر حق کی راہ سے نہیں ہٹا سکتا اور ان کے تصور میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ وہ نفس امارہ کے تابع ہو کر کسی آیت کی ایسی تفسیر کریں جو علمائے حق کے شایان شان نہ ہو۔ لہٰذا سب سے پہلی خصوصیت ان کی تفسیر کی یہ ہے کہ وہ خشیہ الٰہی اور نور تقویٰ کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ انہوں نے خدا کے خوف کے پیدا ہونے کی حقیقت کا پتہ **اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون** کی تفسیر میں خود بتایا ہے چنانچہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں حضرت مفسر لکھتے ہیں:۔

"ایسا عدل وانصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو متقی بننا سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اس کی شان انتقام کا خوف ہے اور یہ خوف **ان اللہ خبیر بما تعملون** کے مضمون کا بار بار مراقبہ پیدا کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہوگا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں تو اس کا قلب خشیہ الٰہی سے لرزنے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں

عدل وانصاف کا راستہ اختیار کرے گا"۔ (ص ۳۰ قرآن کریم تفسیر عثمانی)

علوم تفسیر میں مہارت

دوسری بات کہ ایک مفسر کو ان علوم میں اعلیٰ درجہ کی مہارت اور لیاقت کی ضرورت ہے جن کا ذکر مذکورہ اوراق میں کیا گیا ہے یہ وہ علوم ہیں کہ ان میں بصیرت کے بغیر کوئی مفسر بھی تفسیر کا ارادہ نہیں کر سکتا اس سلسلہ میں ہم خود علامہ مفسر کی تفسیر سے پوری تحقیق اور تلاش کے بعد آئندہ اوراق میں ایسی عبارتیں پیش کر رہے ہیں جن سے ان کے تفسیری علوم میں کمالات کا اندازہ ہو سکے گا۔

علامہ مفسر اور حدیث واصول حدیث

یوں تو مولانا کے علم حدیث اور اصول حدیث میں کمال کا نمونہ مسلم کی شرح اور اس کے آغاز میں اصول حدیث کا مقدمہ خود آفتاب آمد دلیل آفتاب کا مصداق ہے تاہم تفسیر میں بھی حدیث اور اصول حدیث کے تبحر کا رنگ ملاحظہ فرمایئے:۔

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم (سورۂ طلاق رکوع نمبر ۱۲)

(مطلقہ) عورتوں کو جہاں تم خود رہو گھر رہنے کو دو مقدور کے موافق۔

قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں مفسر عثمانی لکھتے ہیں:۔

"مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لئے مکان دے (اس کو سکنیٰ کہتے ہیں) اور جب سکنیٰ واجب ہے تو نفقہ بھی اس کے ذمہ ہونا چاہئے کیونکہ عورت اتنے دنوں تک اسی کی وجہ سے مکان میں مقید ومحبوس رہے گی۔ حنفیہ کے نزدیک یہ حکم سکنیٰ اور نفقہ کا ہر قسم کی مطلقہ کو عام ہے رجعیہ کی قید نہیں.........رہی۔ فاطمہ بنت قیس کی حدیث جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرے زوج نے تین طلاقیں دے دی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکنیٰ اور نفقہ نہیں دلایا۔ اول تو اس حدیث میں فاروق اعظم عائشہ صدیقہ اور دوسرے صحابہ وتابعین نے انکار فرمایا بلکہ فاروق اعظم نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے ہم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت بھول گئی یا اس نے یاد رکھا معلوم ہوا کہ فاروق اعظم کتاب اللہ سے بھی سمجھے ہوئے تھے کہ مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ وسکنیٰ واجب ہے اور اس کی تائید میں رسول اللہ کی کوئی سنت بھی ان کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ طحاوی وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت عمر نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ یہ مسئلہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور دار قطنی میں جابر کی ایک

حدیث بھی اس بارہ میں صریح ہے گو اس کے بعض روات اور رفع و وقف میں کلام کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ حضور نے فاطمہ بنت قیس کے لئے سکنی اس لئے تجویز کیا ہو کہ یہ اپنی سسرال والوں سے زبان درازی اور سخت کلامی کرتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ لہذا آپ نے حکم دے دیا کہ ان کے گھر سے چلی جائے۔ پھر جب سکنی نہ رہا تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا جیسے ناشزہ کا (جو شوہر کی نافرمانی کر کے گھر سے نکل جائے) نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔ تاوقتیکہ گھر واپس نہ آئے نیز جامع ترمذی وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ اس کو کھانے پینے کے لئے غلہ دیا گیا تھا اس نے اس مقدار سے زیادہ کا مطالبہ کیا جو منظور نہ ہوا۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ حضور نے اس سے زائد نفقہ تجویز نہیں فرمایا جو مرد کی طرف سے دیا جا رہا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب ہاں یہ یاد رہے کہ نسائی، طبرانی اور مسند احمد کی بعض روایات میں فاطمہ بنت قیس نے حضور کا صریح ارشاد نقل کیا ہے کہ سکنی اور نفقہ صرف اس مطلقہ کے لئے ہے جس سے رجعت کا امکان ہو۔ ان روایات کی سندیں زیادہ قوی نہیں۔ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں اس پر بحث کی ہے"۔ (قرآن کریم تفسیر جالی ص ۱۲۵ ج ۱)

مفسر علام کی مذکورہ تفسیر محدثانہ نقطہ نظر سے ان کی عظمت حدیث اور مہارت علم حدیث پر ایک روشن دلیل ہے۔ جس میں تین علوم پر محققانہ نظر ہے۔

(۱) حدیث (۲) اصول حدیث (۳) فقہ

۱۔ جہاں تک حدیثی تحقیقات کا تعلق ہے اس میں "فاطمہ بنت قیس" کی حدیث پر محدثانہ جرح کی ہے۔ جس میں حضرت عمر کا اجتہاد آیت قرآنی، پھر حضرت عائشہ اور دیگر صحابہ و تابعین کے اقوال سے سکنی اور نفقہ کا اثبات کیا ہے اس سلسلہ میں موصوف نے دار قطنی جامع ترمذی نسائی طبرانی اور مسند احمد کی روایات پر گہری نظر رکھتے ہوئے نہایت محدثانہ کلام کیا ہے یہی ایک محدث کے علم حدیث میں بلند پایہ ہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ اس تفسیر بالا میں علم اصول حدیث کی بعض جزئیات پر سرسری تبصرہ بھی ہے۔ مثلاً ایک عورت کی حدیث سے قرآن کریم کی آیت کے برعکس حکم لگانا دار قطنی کی حدیث جابر پر بعض رواۃ کے ثقہ ہونے پر جرح کا ذکر کرنا نسائی، طبرانی اور مسند احمد کی روایت کی سند میں قوی نہ ہونے پر صراحت کرنا حضرت جابر والی دار قطنی کے بعض رواۃ کے رفع اور وقف جرح و قدح کی غمازی کر رہی ہیں۔

۳۔ مطلقہ کے لئے گھر اور نفقہ کے سلسلہ میں ہدایہ کی تخریج زیلعی، احناف کا مسلک غرضکہ یہ تمام جزئیات علم فقہ کی بصیرت پر دلالت کر رہی ہیں۔

مولانا عثمانی اور علم فقہ

مفسر علام کے علم فقہ میں درک اور بصیرت کو مستقل عنوان کے ماتحت اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے لیکن چونکہ قرآن کریم میں احکام کے سلسلہ میں جو امور زیر بحث آئے ہیں ان پر مولانا نے جو اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے موصوف کی فقہی دسترس کا اندازہ لگانے کے لئے ایک دو اقتباس پیش کرتا ہوں۔ **والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم** (اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے) کے ماتحت فرماتے ہیں:۔

"اہل کتاب کے ایک مخصوص حکم کے ساتھ دوسرا مخصوص حکم بھی بیان فرما دیا یعنی یہ کہ کتابی عورت سے نکاح کرنا شریعت میں جائز ہے مشرکہ سے اجازت نہیں (**ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن**) بقرہ رکوع نمبر ۲۷) مگر یہ یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے۔ ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا لہٰذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہو گا۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں لیکن اگر خارجی اثرات وحالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے متمتع ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی موجودہ زمانہ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا پینا' بے ضرورت اختلاط کرنا' ان کی عورتوں کے جال میں پھنسنا یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں وہ مخفی نہیں لہٰذا بدی اور بد دینی کے اسباب و ذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔ (مائدہ رکوع نمبر ۵)

اس تفسیری عبارت پر غور کیجئے۔ کلام الٰہی نے اہل کتاب سے نکاح جائز قرار دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں لیکن مفسر کی فقہی نکتہ سنجی یہ ہے کہ موجودہ دور میں اہل کتاب لامذہب بن چکا ہے۔ اس قسم کے اہل کتاب سے نکاح جائز نہ ہونا چاہئے۔ علامہ عثمانی نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ اگر کوئی حلال چیز جس میں حرام کا ارتکاب کرنا پڑے اور کفر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے پرہیز ہی کرنا چاہئے۔ ایک فقیہ کی نظریں کسی حکم کی حقیقت پر مرکوز رہتی ہیں۔ اور وہ اس کی گہرائی پر نظر دوڑا کر حکم کے مقتضیات' اسباب اور نتائج پر نظر ڈال کر احکام کو جانچتا اور پرکھتا ہے۔ مولانا عثمانی کی طبیعت میں وہ مبصرانہ مادہ نہایت ہی پختہ کاری کے ساتھ موجود ہے۔

مذکورہ بالا آیت سے اگلی آیت **ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین** (یعنی جو ایمان سے منکر ہوا تو اس کی محنت ضائع ہوگئی اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں سے ہے) کے ماتحت مولانا عثمانی لکھتے ہیں:۔

''جن کتابی عورتوں سے نکاح کی اجازت ہوئی اس کا فائدہ یہ ہونا چاہئے کہ مومن قانت کی حقانیت عورت کے دل میں گھر کر جائے نہ یہ کہ کتابیات پر مفتوں ہو کر الٹا اپنی متاع ایمانی کو گنوا بیٹھے اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو کر رہ جائے چونکہ کافر عورت سے نکاح کرنے میں اس فتنہ کا قوی احتمال ہو سکتا ہے اس لئے **ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ** کی تہدید نہایت ہی برمحل ہے یہ میرا خیال ہے باقی حضرت شاہ (عبدالقادر) صاحب فرماتے ہیں'' کہ اہل کتاب کو کفار سے دو حکم میں مخصوص کیا یہ فقط دنیا میں ہے اور آخرت میں ہر کافر خراب ہے۔ اگر عمل نیک بھی کرے تو قبول نہیں'' (مائدہ رکوع نمبر ۱۵ نمبر ۵)

علامہ عثمانی **ومن یکفر بالایمان** کی تفسیر میں اپنی انفرادیت کا اعلان کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں یہ میرا خیال ہے کہ اہل کتاب عورت سے نکاح کرنے میں اگر ایمان کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس لئے مذکورہ آیت میں تنبیہ کر دی گئی ہے۔ مولانا نے اسی تنبیہ قرآنی سے فقہی نکتہ پیدا کیا ہے اور یہی مولانا کی قوت تفقہ کا اثر ہے کہ وہ شاہ عبدالقادر صاحب کی تفسیر سے اختلاف رکھتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اپنے اور ان کے خیال کو ظاہر فرما گئے ہیں۔

مفسر اور تصوف

مفسر محقق نے قرآن کریم کی مختلف آیات کے ماتحت جستہ جستہ اور چیدہ چیدہ مقامات پر ہم رنگ روحانیت و تصوف جو نکتہ آرائیاں یا صوفیا کی اصطلاحی حقیقتیں پیش کی ہیں ان سے ایک گونہ ان کے ذوق و بصیرت تصوف کا پتہ بھی چلتا ہے اور ان کی تفسیر اس رنگ سے بھی خالی نہیں ہے۔

واذکر اسم ربک و تبتل الیہ تبتیلا (اور اپنے رب کا نام لیتے رہئے اور سب سے یک سو ہو کر اس کی طرف آ جایئے) کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

''علاوہ قیام لیل کے دن میں بھی (گو بظاہر مخلوق سے معاملات و علائق رکھنے پڑتے ہیں لیکن دل سے) اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھئے اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اسی کی یاد میں مشغول رہئے۔ غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک آن کے لئے ادھر سے توجہ کو ہٹنے نہ دے بلکہ سب تعلقات کٹ کر باطن میں اسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے یا یوں کہو کہ سب تعلقات اسی ایک تعلق میں مدغم ہو جائیں جسے صوفیہ کے ہاں

"بے ہمہ و باہمہ" یا خلوت در انجمن" سے تعبیر کرتے ہیں"۔ (سورۂ مزمل رکوع نمبر ا پارہ نمبر ۲۹)

مذکورہ بالا تفسیر میں علم تصوف کی "بے ہمہ اور باہمہ" اور "خلوت در انجمن" نے جان ڈال دی اور ایک وسیع مضمون کو صرف دو لفظوں میں سمو دیا۔ اس کے بالکل برعکس غالب نے کہا تھا۔

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال　　ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ایک اور جگہ سورۂ جن کی آیت علم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ و من خلفہ رصداً (عالم الغیب کہ اپنے راز کی کسی کو خبر نہیں دیتا ہاں اگر کسی رسول کو چن لیا تو وہ (اللہ) اس کے آگے اور پیچھے محافظ چلاتا ہے) ماتحت لکھتے ہیں:۔

"اپنے بھید کی پوری خبر کسی کو نہیں دیتا۔ ہاں رسولوں کو جس قدر ان کی شان و منصب کے لائق ہو بذریعہ وحی خبر دیتا ہے اس وحی کے ساتھ فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں رکھی ہیں۔ انبیاء کی معلومات میں شک و شبہ کی گنجائش قطعاً نہیں ہوتی۔ دوسروں کی معلومات میں کئی طرح کے احتمال ہیں۔ اس لئے محققین صوفیا نے فرمایا ہے کہ ولی اپنے کشف کو قرآن و سنت پر عرض کر کے دیکھے اگر ان کے مخالف نہ ہو تو غنیمت سمجھے ورنہ بے تکلف رد کر دے"۔ (سورۂ جن رکوع نمبر ۲)

مولانا نے محققین صوفیا کا قول پیش کر کے تفسیر اور تصوف کو ہم آہنگ بنانے کا ایک لطیف پیرایہ اختیار کیا ہے۔ لاریب مضمون تفسیر اپنے لئے ٹھوس حسین اور ظاہری حقیقتوں کو چاہتا ہے لیکن جیسا کہ تفسیر کے بعض دور ایسے بھی آئے ہیں کہ جس میں تفسیر کو تصوف کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً امام غزالی کا دور اس رنگ کا خاص حامل ہے۔ مولانا ظاہر کو باطن کے ساتھ اس طرح ملانا چاہتے ہیں کہ دونوں یک رنگی اور ہمرنگی کا ملا جلا نظارہ پیش کر سکیں اور معرفت شریعت کے لباس میں جلوہ گر ہو نہ یہ کہ طریقت شریعت کی مخالفت پر آمادہ ہو جائے مثلاً کم فہم صوفی کہتا ہے کہ جنت کی طلب اور اس کی خواہش کے بغیر تصوف کا معیار بلند کرنا چاہئے یعنی وہ غالب کے اس شعر کی ہم نوائی کرتے نظر آتے ہیں۔

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ　　دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

لیکن اس کے برعکس حضرت مفسر لیدخل المؤمنین والمؤمنٰت جنٰت تجری من تحتہا الانہار خٰلدین فیہا و یکفر عنہم سیاٰتہم وکان ذٰلک عنداللہ فوزاً عظیماً۔ کے ماتحت ایمان والوں کو خدائے قدوس کے ہمیشہ جنت میں داخل کرنے اور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دینے کے متعلق تفسیر کرتے ہوئے آیت بالا کے ماتحت لکھتے ہیں۔

"بعض نقال صوفی یا کوئی مغلوب الحال بزرگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جنت طلب کرنا ناقصوں کا کام ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں یہی بڑا کمال ہے"۔ (ص۲۶۳ ف ۸)

ان صوفیوں کا قول جو جنت کی طلب کو ناقصوں کا کام بتاتے ہیں مذکورہ آیت کے تقاضے کے خلاف نظر آتا ہے۔ یہاں مفسر کی تحقیقی نظر نے نقال صوفی اور مغلوب الحال بزرگ سے اختلاف کیا ہے اور بتایا ہے کہ جنت کی طلب معرفت کے خلاف نہیں ہو سکتی جبکہ خداوند مہربان اس کو عطیہ فرمائیں اور رو دار آنحالیکہ جنت اعمال حسنہ پر بمالستحق کے لئے ایک مقناطیس ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ تفسیر عبارتوں کے ضمن میں علم تصوف کی مختلف موشگافیوں سے حضرت مفسر کے درک تصوف اور مذاق معرفت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

حضرت مفسر اور علم الاسرار کے ماتحت نماز بری باتوں سے روکتی ہے

علم الاسرار حضرت شیخ محی الدین ابن عربی یعنی شیخ اکبر امام غزالی، حضرت شاہ ولی اللہ، مولانا محمد قاسم صاحب اور علامہ مفسر کا خاص حصہ ہے ان حضرات نے شریعت اور دین کی روح اہل اسلام کے سامنے اس طرح پیش کی ہے کہ دین کا ہر وہ مسئلہ جس کو انہوں نے بیان کیا ہے اصلیت کیساتھ دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔ اگر تفسیر عثمانی اور فتح الملہم کا مطالعہ کیا جائے تو علامہ مفسر کے علوم میں علم الاسرار ابھرتا ہوا نظر آئے گا۔ مثال کے طور پر **ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر ولذکر اللہ اکبر** (نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد سب سے بڑی چیز ہے) کی تفسیر میں ان اسرار سے حضرت مفسر نے نقاب اٹھائی ہے جو نماز کے اندر ہیں۔ جن سے نمازی برائیوں اور بے حیائیوں سے رک جاتا ہے۔ بارہا ظاہر کو دیکھنے والی نگاہیں یہ دیکھتیں اور اعتراض کرتی ہیں کہ بہت سے نمازیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ بے حیائی سے نہیں بچتے پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ کس طرح درست ہے۔ علامہ عثمانی نے نہایت حکیمانہ رنگ میں ان اسرار کو بتایا ہے اور ذکر اللہ کے اکبر ہونے کی حقیقت واضح فرمائی ہے چنانچہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہو سکتا ہے ایک بطریق تسبیب یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت و تاثیر یہ رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے اس صورت میں یاد رکھنا چاہئے کہ دوا کیلئے ضروری نہیں کہ اسی ایک ہی

خوراک بیماری کو روکنے کے لئے کافی ہو جائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کے روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی مدت تک اس پر مواظبت کی جائے۔ اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضا کے ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئات اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی درگاہ الٰہی میں اپنی بندگی، فرمانبرداری خضوع و تذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے مسجد سے باہر آ کر بھی بدعہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔ گویا نماز کی ہر ایک ادا مصلی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ او بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بے حیائی اور شرارت و سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منع کرتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع کرتا ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتآء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر** پس جو بدبخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکتے نماز کے روکنے پر بھی ان کا نہ رکنا محل تعجب نہیں۔ ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہوگا جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔ نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت قرأت قرآن یا دعا و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا۔ اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔ اور اسی قدر اس کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں موثر ثابت ہوگی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی و غافل سے ادا ہو وہ نماز منافق کے مشابہ ٹھہرے گی جسکی نسبت حدیث میں فرمایا **لایذکر اللہ فیھا الا قلیلا** (قرآن کریم تفسیر عثمانی ص ۵۳۱ ف ۲)

اس تفسیر سے علامہ مفسر کے ان علوم کا انکشاف ہوتا ہے جو اسرار فلسفہ اسلام اور حکمت سے متعلق ہیں۔ موصوف نے نماز کے ان حکیمانہ اسرار کو ظاہر کیا ہے جن کی بناء پر وہ نمازی کو برائی سے روکتی ہے لیکن اگر کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے بے حیائی سے نہ رکے تو اس کے فلسفہ پر بھی معقول بحث کی ہے۔

مفسر اور ان کی علم کلام اور علم الحقائق میں مہارت نیز برق' رعد اور صاعقہ کی حقیقت

علامہ عثمانی کی تفسیر میں جہاں علوم مختلفہ کی نہریں' نہیں بلکہ دریا' دریا بر طرف تحقیقات و علوم کے سمندر مدو جزر کی کشمکش میں طوفان خیز اور متلاطم نظر آتے ہیں۔ ان میں ہر جگہ ایک خاص طرز فکر اور ایک خاص طرز بیان اور ایک ممتاز جوہر کے ساتھ جو مخصوص طرز استدلال ہے وہ مولانا کے علم کلام اور منطق و فلسفہ کا خوبصورت' متین اور انفرادی رنگ ہے۔ مولانا کے علم کلام پر راقم الحروف نے علیحدہ اس کتاب کے آئندہ اوراق میں سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ اور مبسوط بحث کی ہے۔

علامہ مفسر نے حسب ذیل آیت میں علم الحقائق اور علم الکلام کی روشنی میں رعد یعنی بجلی کے اندر سے پیدا ہونے والی آواز جس کو شریعت میں فرشتہ کی آواز کہا گیا ہے۔ اسکی تحقیق کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس نے فلسفے اور شریعت کو ہم آہنگ بنا دیا ہے۔ گویا فلسفہ اور کلام کے ساتھ انہوں نے ایک نیا فکر اور جدید طرز کا طریقہ پیش کر کے علم الحقائق اور علم الکلام کا اپنے آپ کو بہترین ماہر ثابت کیا ہے۔ حسب ذیل آیت کے ماتحت مفسر علام کی تحقیقی نظر ملاحظہ ہو۔

ویسبح الرعد بحمدہ والملئکۃ من خیفتہ و یرسل الصواعق فیصیب بھا من یشآء وھم یجادلون فی اللہ وھو شدید المحال (سورۂ رعد پارہ نمبر ۱۳ رکوع ۸)

اور رعد فرشتہ اس کی خوبیوں کی تسبیح پڑھتا ہے اور تمام فرشتے اس کے ڈر سے اور کڑکنے والی بجلیاں گراتا ہے اور جس پر چاہے ڈالتا ہے اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور اس کی پکڑ سخت ہے (ص ۳۳۳ ف ۱)

(تفسیر) یعنی گرجنے والا بادل یا فرشتہ زبان حال یا قال سے حق تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے۔ اور تمام فرشتے ہیبت و خوف کے ساتھ اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں۔ (تنبیہ) رعد و برق وغیرہ کے متعلق آج کل کی تحقیق یہ ہے کہ بادلوں میں "قوت کہربائیہ موجبہ" (برقی طاقت مشتبہ انگریزی میں (Positive) پائی جاتی ہے اور زمین میں "کہربائیہ سالبہ کہربائیہ" سرایت کر جاتی ہے۔ پھر اس بادل کے اوپر بسا اوقات وہ بادل گزرتے ہیں جن میں "کہربائیہ موجبہ" موجود ہے اور یہ قاعدہ تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ مختلف قسم کے کہربائیہ رکھنے والے دو جسم جب محاذی ہوں تو ہر ایک اپنے اندر دوسرے کی کہربائیہ کو جذب کرتا ہے تا کہ دونوں کی کہربائیہ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں تو دونوں کے مل جانے سے شدید حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور اس حرارت شدیدہ سے دونوں

بادلوں کے حجم کے مناسب ایک آتشیں شعلہ اٹھتا ہے جو صاعقہ کہلاتا ہے اسی صاعقہ کی چمک اور روشنی برق کہلاتی ہے اور ہوا میں اس کے سرایت کرنے سے جو آواز نکلتی ہے وہ رعد ہے۔ کہربا کا یہی آتشیں شرارہ کبھی بادلوں اور ہواؤں کو پھاڑ کر نیچے گرتا ہے۔ جس کے نہایت عجیب وغریب افعال و آثار مشاہدہ کئے گئے ہیں علاوہ اس کے کہ وہ مکانوں کو گراتا' پہاڑوں کو شق کرتا اور جانداروں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس نے نہایت احتیاط سے ایک آدمی کے بدن سے کپڑے اتار کر کسی درخت کی شاخ پر رکھ دیئے ہیں مگر پہننے والے کے جسم کو کچھ صدمہ نہیں پہنچا (دائرۃ المعارف فرید وجدی) جسے دیکھ کر خیال گزرتا ہے کہ بجلی کے اس آتشیں شعلے میں کوئی ذی شعور اور ذی اختیار قوت غیر مرئی طریقہ سے کام کر رہی ہے ہم کو ضرورت نہیں کہ اوپر بیان کئے ہوئے نظریہ کا انکار کریں۔ لیکن یہ بیان کرنے والے خود اقرار کرتے ہیں کہ روح کی طرح قوت کہربائیہ کی اصل حقیقت پر بھی اس وقت تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ انبیاء کرام اور دوسرے ارباب کشف وشہود کا بیان یہ ہے کہ تمام نظام عالم میں ظاہری اسباب کے علاوہ باطنی اسباب کا ایک عظیم الشان سلسلہ کار فرما ہے۔ جو کچھ ہم یہاں دیکھتے ہیں وہ صرف صورت ہے لیکن اس صورت میں جو غیر مرئی حقیقت پوشیدہ ہے اس کے ادراک تک عام لوگوں کی رسائی نہیں۔ صرف باطنی آنکھ رکھنے والے اسے دیکھتے ہیں۔ آخر تم جو نظریات بیان کرتے ہو (مثلاً یہی قوت کہربائیہ کا موجب سالبہ ہونا وغیرہ) اس کا علم بھی چند حکمائے طبیعین کے سوا بلا واسطہ کس کو ہوتا ہے کم از کم اتنا ہی وثوق انبیاء کے مشاہدات اور تجربات پر کر لیا جائے تو بہت سے اختلافات مٹ سکتے ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے نوامیس طبعیہ کی طرح بادلوں اور بارشوں کے انتظامات پر بھی فرشتوں کی جماعتیں تعینات ہیں جو بادلوں کو مناسب مواقع پر پہنچانے اور ان سے حسب ضرورت و مصلحت کام لینے کی تدبیر کرتی ہیں۔ اگر تمہارے بیان کے موافق بادل اور زمین وغیرہ کی کہربائیہ کا مدبر کوئی غیر مرئی فرشتہ ہو تو انکار کی کونسی وجہ ہے۔ جس کو تم شرارۂ کہربائیہ کہتے ہو چونکہ وہ فرشتے کے خاص تصرف سے پیدا ہوتا ہے لہذا اسے وحی کی زبان میں "مخاریق من نار" (فرشتہ کا آتشیں کوڑا) کہہ دیا گیا تو کیا قیامت ہو گئی۔ اس کی شدت اور سخت اشتعال سے جو گرج اور کڑک پیدا ہوئی اگر حقیقت کو لحاظ کرتے ہوئے اسے فرشتہ کی ڈانٹ سے تعبیر فرمایا تو یہ نہایت ہی موزوں تعبیر ہے۔ بہرحال (سائنس" نے جس چیز کی محض صورت کو سمجھا' وحی نے اس کی روح اور حقیقت پر مطلع کر دیا۔ کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ دونوں کو ایک دوسرے کا حریف مقابل قرار دے لیا جائے علامہ محمود آلوسی

نے بقرہ کے شروع میں اس پر معقول بحث کی ہے"۔ (پارہ نمبر ۱۳ رکوع ۸)

مذکورہ بالا آیت کی مذکورہ تفسیر پر نظر ڈالنے سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ دنیا میں ایک ظاہری نظام ہے اور دوسرا باطنی۔

۲۔ ظاہری نظام اپنی ظاہری آنکھ سے ظاہری طور پر جو چیز دیکھتا ہے اس کے تفلسف پر روشنی ڈالتا ہے لیکن باطنی نظام باطن اور دل کی آنکھ سے کشفی اور روحانی طور پر جس چیز کو صاف صاف دیکھتا ہے اس کے مطابق واشگاف الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ لہذا جہاں ہم ظاہر اور باطن میں مطابقت پیدا کر سکتے ہیں جہاں ہم عقل اور نقل کو ہم آہنگ اور دلالت مطابقی کا ہم سنگ بنا سکتے ہیں وہاں علم کلام کا صحیح تقاضا بھی ہے کہ ان میں باہم توافق و تطابق پیدا کریں۔ اور بتائیں کہ تمہاری نظر جس چیز کو آشکار کر رہی ہے اسی کو باطنی نظام کے روٗ ساکسی اور تعبیر کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ ہاں صرف ظاہر پر نظر رکھ کر باطن کا انکار کٹ حجتی کا راستہ ہے۔ مولانا عثمانی کی مشہور تصنیف العقل والنقل اسی قسم کے دلچسپ مضامین کو حامل ہے۔ اس تفسیر کی تحقیقی رسائی اور کمند کی اونچائی مولانا کے سائنس اور فلسفہ نیز قرآن و حدیث کی باہمی تطبیق و وسعت نظری کا بین ثبوت پیش کر رہی ہے۔ یہی علم کلام کا منشاء ہے کہ فلسفہ اور منطق یعنی معقلیات کے ماتحت اصول و فروع شرائع کو عقل کے سانچے میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا جائے کہ مستقیم طبیعتوں کو اپیل کرے اور وہ ان کو تسلیم کرتے ہی بنے یہی علم کلام کی خوبی ہے جو مولانا کے یہاں پائی جاتی ہے۔ مولانا شریعت کے ہر دقیق سے دقیق مسئلہ کو عالم امثال کی مثالوں اور تصریحات کے ذریعہ دل میں ڈال دینے کا پورا پورا ملکہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی ہر تصنیف اور مکالمہ بالخصوص تفسیر میں بھی حسین اور خوبصورت طرز افہام و تفہیم ہے جس کو سن کر یا پڑھ کر معمولی فہم کا آدمی بھی تحسین و مرحبا کا نعرہ بلند کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وہ سمجھانے کا بے نظیر طرز ہے جس کو مولانا نے اپنی فارسی تحریر مطبوعہ قرآن مجید کابل میں فرمایا ہے

"نقطہ نظر من ایں بود کہ باوجود قلت بضاعت و استطاعت مطالب قرآن عظیم درحالیکہ درحدود احادیث و اقوال سلف مقید باشم بچناں عبارت سلیس و رواں و طرز معقول و دلنشیں ادا کردہ شود کہ در قلوب بندگان خدائے مہربان بسوئے معارف و بصائر قرآنی یک کشش خصوصی پیدا کند۔"

اور یہی مولانا کا وہ جاذب دل طرز بیان ہے جس کے متعلق مولانا سید سلمان ندوی لکھتے ہیں:۔

"حقیقت یہ ہے کہ ان کے تصنیفی اور علمی کمال کا نمونہ اردو میں ان کے قرآنی حواشی ہیں جو حضرت شیخ الہند کے ترجمہ قرآن کے ساتھ چھپے ہیں ان حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر

عبور اور عوام کے دلنشین کرنے کے لئے ان کی قوت تفہیم حد بیان سے بالا ہے (معارف اپریل ۱۹۵۵ء ص ۳۰۶)

حضرت مفسر اور علم الاخلاق

ایک مفسر کو تفسیر میں قدم رکھنے اور قرآن کریم جو سراپا اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اس کی اخلاقی قدروں کے جاننے کے لئے علم الاخلاق پر عبور کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ دیگر علوم تفسیر کی۔ علامہ مفسر جب اخلاق کا درس دینے والی آیات کی تفسیر پر قلم اٹھاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ماہر اخلاقیات' اخلاقیات کی تہوں کو کھول کر حقیقت سے روشناس کرا رہا ہے چنانچہ حسب ذیل آیت کی تفسیر میں حضرت مفسر کی بلندیوں کا اندازہ لگایئے:۔

ان الله يأمر بالعدل والاحسان وايتآئ ذی القربیٰ و ینھیٰ عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف اور احسان کا اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی اور نامعقول کام اور سرکشی سے تاکہ تم یاد رکھو۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت موصوف لکھتے ہیں:۔

"اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لئے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے تاہم تھوڑا سا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا ہے (یعنی) عدل' احسان اور ایتاء ذی القربیٰ (رشتہ داروں کے ساتھ سلوک) عدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد اعمال' اخلاق' معاملات' جذبات' اعتدال وانصاف کی ترازو میں تلے ہوئے ہوں۔ افراط وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے۔ سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ احسان کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے مقام عدل وانصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل و عفو اور تلطف و ترحم کی خو اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوع و تبرع کی طرف قدم بڑھائے انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے ادھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا۔ **الاحسان ان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک** (صحیح بخاری) **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** (رحمٰن رکوع نمبر ۳) یہ دونوں خصلتیں یعنی عدل واحسان یا بالفاظ دیگر انصاف و مروت تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش و بیگانہ اور

دوست و دشمن سے متعلق تھیں لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زائد ہے جو تعلقات قرابت قدرت نے باہم رکھ دیئے ہیں۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت و احسان اجانب سے کچھ بڑھ چڑھ کر ہونا چاہئے۔ صلہ رحم ایک مستقل نیکی ہے جو اقارب و ذوی الارحام کے لئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہئے گویا احسان کے بعد ذوی القربی (رشتہ داروں) کا بالتخصیص ذکر کر کے متنبہ فرمادیا کہ عدل و انصاف تو سب کے لئے یکساں ہے لیکن مروت و احسان کے وقت بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت و اہتمام کے قابل ہیں۔ فرق مراتب کو فراموش کرنا ایک طرح قدرت کے قائم کئے ہوئے قوانین کو بھلا دینا ہے۔ اب ان تینوں لفظوں کی ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھدار آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کونسی فطری خوبی' بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو ان تین فطری اصولوں کے احاطہ سے باہر ہو (ادھر) منع بھی تین چیزوں سے فرمایا (یعنی) فحشاء منکر (اور) بغی (سے) کیونکہ انسان میں تین قوتیں ہیں جن کے بے موقع اور غلط استعمال سے ساری برائیاں اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں (وہ تین قوتیں) قوت بہیمیہ شہوانیہ' قوت وہمیہ شہوانیہ' قوت غضبیہ سبعیہ میں غالباً "فحشاء" سے وہ بے حیائی کی باتیں مراد ہیں جن کا منشا شہوت و بہیمیت کی افراط ہو "منکر" معروف کی ضد ہے یعنی نامعقول کام جن پر فطرت سلیمہ اور عقل صحیح انکار کرے گویا قوت وہمیہ شیطانیہ کے غلبہ سے قوت عقلیہ ملکیہ دب جائے۔ تیسری چیز "بغی" ہے یعنی سرکشی کی حد سے نکل جانا۔ ظلم و تعدی پر کمر بستہ ہو کر درندوں کی طرح کھانے پھاڑنے کو دوڑنا اور دوسروں کے جان و مال یا آبرو وغیرہ لینے کے واسطے ناحق دست درازی کرنا۔ اس قسم کی تمام حرکات قوت سبعیہ غضبیہ کے بے جا استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ الحاصل آیت میں تنبیہ فرمادی کہ انسان جب تک ان تینوں باتوں کو قابو میں نہ رکھے اور قوت عقلیہ ملکیہ کو ان سب پر حاکم نہ بنائے مہذب اور پاک نہیں ہو سکتا"۔ (ص ۳۵۸، ۳۵۹ ف ۱)

اس تفسیری عبارت میں عدل' احسان' صلہ رحمی' فحشاء' منکر اور بغی پر جن حکیمانہ الفاظ میں بحث کی گئی ہے وہ علامہ کے علم الاخلاق کی بصیرت پر روشن دلیل ہے۔

مفسر اور تاریخ وجغرافیہ

حضرت عثمانی تاریخی اور جغرافیائی آیات کی تفسیر کو بھی تشنہ نہیں چھوڑتے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اگر ملک روم کا قرآن کریم میں ذکر آجائے یا قوم عاد و ثمود کی بستیوں کے الٹ جانے کا منظر بیان ہو تو حساس طبیعت ملک روم کی پوزیشن محل وقوع اور اسی طرح قوم عاد و ثمود کی تاریخی و

جغرافیائی حقیقت کے معلوم کیے بغیر رہ نہیں سکتی۔ اس لئے حضرت عثمانی متعلقہ فنون کے ماہرین کی تحقیقات پیش کر کے آیات کو واضح فرماتے ہیں۔ حسب ذیل آیت کے ماتحت جغرافیائی اور تاریخی تحقیقات ملاحظہ کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ اس آیت میں دو سلطنتوں کی باہمی جنگ اور ان کی جغرافیائی پوزیشن کو کس طرح واضح کیا گیا ہے۔

الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون
فی بضع سنین (سورۂ روم پارہ نمبر ۲۱ رکوع نمبر ۱)

رومی قریب کے متصل ملک میں مغلوب ہو گئے اور مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال میں غالب ہوں گے۔

(تفسیر) ”ادنی الارض“ (ملتے ہوئے ملک یا پاس والے ملک) سے مراد ازرعات وبصری کے درمیان کا خطہ ہے جو شام کی سرحد پر حجاز سے ملتا ہوا مکہ کے قریب واقع ہوا ہے۔ یا فلسطین مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا۔ یا جزیرۂ ابن عمر جو فارس سے اقرب ہے ابن حجر نے پہلے قول کی تصحیح کی ہے۔

۲۔ یعنی نو سال کے اندر اندر رومی غالب ہو جائیں گے کیونکہ لغت میں اور حدیث میں بضع کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوا ہے۔ ان آیات میں قرآن نے ایک عجیب و غریب پیشین گوئی کی ہے جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں فارس جسے ایران کہتے ہیں اور روم مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں ۶۰۲ء سے لے کر ۶۱۴ء کے بعد تک ان کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا کیا۔ جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریحات سے ظاہر ہے ۵۷۰ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی مکہ والوں میں جنگ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم صلعم کے دعوئے نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی۔ آخر ۶۱۴ء کے بعد جب کہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال اور بعثت کے پانچ سال گزر چکے خسرو پرویز (کسریٰ ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ الخ (قرآن کریم تفسیر عثمانی ص ۵۳۳ ف ۱،۲)

مذکورہ بالا تفسیر میں ادنی الارض کے ماتحت مختصری جغرافیائی پوزیشن اور دوسرے پیرے

میں تاریخی تحقیقات سے ایک نقشہ علم تاریخ وجغرافیہ کا نظر کے سامنے پھر جاتا ہے۔

علم الحساب اور مفسّر علاّم

قرآن کریم کی سورت النساء جس میں میت کے ترکہ اور ورثہ کی تقسیم کا اصولی طور پر تذکرہ اور احکام ہیں اسکی تفسیر کے لئے علم الحساب کی سخت ضرورت ہے۔ پھر جو اصول وراثت کی تقسیم کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں ان کے ماتحت جس قدر وراثت کے مسائل پھیلتے چلے جاتے ہیں ان کے حصول کو تقسیم کرنے اور برابر برابر بغیر کسرات کے حصے مقرر کرنے کا تمام سلسلہ حساب پر موقوف ہے اس لئے ایک مفسر کو علم الحساب میں اتنی مہارت لازمی ہے جس سے وہ مختلف حصص اور کسرات سے عہدہ برآ ہو سکے ورنہ اس کے بغیر تفسیری علوم میں کوتاہی متصور ہوگی۔ اس خصوصی تحقیق کا علامہ عثمانی کی تفسیر سے کچھ پتہ نہیں چل سکتا کیونکہ سورہ نساء کی تفسیر شیخ الہند کے قلم سے نکلی ہوئی ہے۔ البتہ خارجی تحقیقات کا یہ نتیجہ ضرور نکلا ہے جس سے علامہ مفسر حضرت عثمانی کی علم حساب اور بالخصوص علم وراثت میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

راقم الحروف کے ذاتی مشاہدہ سے یہ امر متعلق ہے کہ حضرت عثمانی کے پاس بعض صاحب جو میت کے ترکہ اور وراثت کی تقسیم سے متعلق فرائض نکلوانے کے لئے آتے تھے تو موصوف نہایت آسانی سے وہیں بیٹھے بیٹھے ان کا حساب لگا کر حصوں کی تقسیم قائم فرما دیتے تھے۔ جس سے مجھے یہ اندازہ ہوا تھا کہ حضرت موصوف کو اس علم میں بھی کافی مہارت ہے۔

علاوہ ازیں وہ فارسی کی تعلیم کے حاصل کرنے کے زمانہ میں درجہ حساب میں بھی باقاعدہ داخل تھے اور اس میں اس درجہ تک انہوں نے حساب سیکھا تھا جس سے علم الحساب کی وہ ضرورت بخوبی پوری ہو جاتی ہے جو فرائض اور وراثت کے لئے درکار ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کو حساب میں دسترس تھی۔ چنانچہ ۱۳۱۶ھ، ۱۳۱۷ھ اور ۱۳۱۸ھ کی دارالعلوم دیوبند کی روئیدادوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان تین سالوں میں درجہ فارسی کے زمانہ میں مولانا عثمانی نے علی الترتیب ۱۳۱۶ھ میں حساب کسور عام مع اربعہ متناسبہ، ۱۳۱۷ھ میں کسور اعشاریہ اور جزر المربع اور ۱۳۱۸ھ کے سالانہ امتحان حساب نفع نقصان اور اقلیدس کے مقالہ اول کے امتحانات دیئے ہیں اور ان میں اعلیٰ نمبر حاصل کئے ہیں چنانچہ اقلیدس میں سو فیصدی اور اسی طرح حساب نفع نقصان میں بھی سو فیصدی نمبر حاصل کئے ہیں۔

علم القرأت اور علامہ عثمانی

جہاں تک علم قرأت کا تعلق ہے اس سلسلہ میں ہم اہل ہندو پاکستان امام حفص علیہ الرحمۃ کی

قابل تحقیقات قرأت کے مطابق قرآن کریم پڑھتے اور لکھتے ہیں اور یہ قرأت ہمارے مطبوعہ قرآنوں میں جس طرز میں لکھی گئی ہے۔ وہ نہ صرف علماء ہی کو معلوم ہے بلکہ عام حفاظ بھی اس سے واقف ہیں۔ البتہ دیگر ائمہ قرأت کا اختلاف علم قرأت اور تفسیر کی مختلف کتابوں میں ملے گا۔ جن کے ذریعہ ایک مفسر مختلف قرأتوں کو پہچان کر ان الفاظ حروف اور اعراب کے اختلافات کیساتھ ایک قسم کی خاص ضرورت کو پورا کر سکتا ہے جو ایک مفسر کو درکار ہے۔

ان ساتوں اماموں کی قرأت میں بعض جگہ صرف الفاظ کے تلفظ کا اختلاف ہے اور بعض جگہ حروف والفاظ کا تاہم حضرت موصوف نے دارالعلوم دیوبند کی تعلیم کے زمانہ میں علم تجوید اور قرأت بھی حاصل کیا ہے اور غالباً جہاں تک میرا علم کام کرتا ہے قاری عبدالوحید صاحب اس علم میں ان کے استاد تھے جو سب سے اول اور بڑے قاری تھے جو دارالعلوم میں رکھے گئے تھے۔ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء کی دارالعلوم دیوبند کی روئیداد سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عثمانی نے تجوید و قرأت کی مشہور کتابوں جزری و شاطبی میں امتحان دیا ہے اور تجویدی مشق میں بھی اعلیٰ نمبر لئے ہیں۔

یہاں تک علامہ مفسر کے تفسیری علوم میں تبحر اور مہارت پر تحقیقی شواہد کے ذریعہ روشنی ڈالی گئی ہے جن کے بغیر کسی مفسر کیلئے کوئی چارہ نہیں ہے لیکن اگر پوری احتیاط سے علامہ مفسر کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو مذکورہ ضروری علوم کے علاوہ علم صرف ونحو علم طب علم ہیئات علم سیاست علم الاقتصادیات علم لغت میں بھی مفسر کا کمال اور مطالعہ معلوم ہو سکے گا۔ آئندہ اوراق میں ان علوم سے بحث کی گئی ہے جو علامہ کی تفسیر سے تحقیق کے طور پر تلاش کر کے پیش کئے جاتے ہیں جن سے آپ کو حضرت عثمانی کا مذکورہ علوم میں سلیقہ اور فہم معلوم ہو سکے گا۔ یہی حال ایک محدث کی حیثیت سے علامہ مفسر کا علم الرجال اور علم سیرت میں ہے۔ بلکہ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں آسمانی کتب یعنی توریت انجیل اور زبور کے حوالوں اور پیشین گوئیوں کے لئے بھی علامہ مفسر کی تحقیقات قابل صد ستائش ہیں۔

علم السیر

اس علم سے مراد وہ علم ہے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زندگی کے حالات عادات و اطوار پوشاک وخوراک' معاشرت تمدن عبادات و معاملات سے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ مفسر کی تفسیر اور فتح الملہم نیز دوسری تصنیفات سے علم سیرت کی واقفیت کا قدم قدم پر پتہ چلانا آسان ہے جہاں جگہ جگہ پر آنحضور کی سیرت کے واقعات پیش کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر الم نشرح لک صدرک کی تفسیر میں علامہ موصوف اللہ تعالیٰ کے آنحضورؐ کے سینہ کے

کھول دینے اور وسیع کر دینے کے معنی پر مختصر سا اظہار خیال اس طرح فرماتے ہیں:۔

''اس (سینہ) میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بے شمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائیں (تنبیہ) حدیث و سیر سے ثابت ہے کہ ظاہری طور پر بھی فرشتوں نے متعدد مرتبہ آپ کا سینہ چاک کیا لیکن آیت کا مدلول (مطلب) بظاہر وہ معلوم نہیں ہوتا۔''

مذکورہ عبارت میں حدیث و سیر کی کتابوں کے حوالے سے ان کا علم السیر پر عبور واضح ہوتا ہے علاوہ ازیں یتیمی کی حالت سے نبوت تک پہنچنے پر جس اچھوتے طرز کے ساتھ علامہ موصوف نے قلم اٹھایا ہے اس میں وہ حقیقت آنکھوں کے سامنے واضح ہو کر آ جاتی ہے کہ آنحضور کس طرح یتیمی سے نبوت کو پہنچے اور لفظ ضال (بے راہ) کی تفسیر علامہ نے جس انداز میں کی ہے اس سے نہ صرف ایک نازک اور شدید لفظ کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے بلکہ اس سیرت سے پورا حجاب اٹھ جاتا ہے جس کے ماتحت ہمیں یہ معلوم کرنے کی خواہش ہوتی ہے کہ آنحضور کو نبوت کے ملنے کے وقت اور اس سے پہلے خالق حقیقی سے عبادت کے متعلق کس طرح کی نسبت تھی۔ حسب ذیل آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

الم یجدک یتیماً فاوٰیٰ ووجدک ضالاً فھدیٰ ووجدک عائلاً فاغنیٰ (سورۃ ضحیٰ پارہ ۳۰)

کیا آپ کو (اللہ نے) یتیم نہ پایا کہ ٹھکانا دیا اور آپ کو بھٹکتا ہوا پایا پھر راہ سجھائی۔ اور آپ کو مفلس پایا پھر غنی کر دیا۔

ضال کی حقیقت

''حضرت کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی آپؐ کے والد وفات پا چکے تھے۔ چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ نے رحلت کی۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے آخر اس در یتیم اور نادرہ روزگار کی ظاہری تربیت و پرورش کی سعادت آپؐ کے بے حد شفیق چچا ابو طالب کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے زندگی بھر آپ کی نصرت و حمایت اور تکریم و تبجیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ چند روز بعد یہ امانت الٰہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی۔ اوس اور خزرج کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ اور انہوں نے اس کی حفاظت اس طرح کی جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ (جب) حضرتؐ جوان ہوئے تو قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم و راہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں

خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ سینہ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول الی اللہ (اللہ تک پہنچے) اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا اندر ہی اندر جوش مارتا تھا لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہیں دیتا تھا جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ بے قرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے غار حرا میں فرشتہ کو وحی دیکر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ پر کھول دیں۔ یعنی دین حق نازل فرمایا۔ **وما[1] کنت تدری ماالکتب ولاالایمان ولکن جعلناہ نوراً نھدی به من نشاء من عبادنا** (شوریٰ رکوع نمبر ۵) یہاں **ضالاً** کے معنی کرتے وقت سورۂ یوسف کی آیت سے **قالوا تااللہ انک لفی ضلالک القدیم** کو پیش نظر رکھنا چاہیے تفسیر حقانی)

مذکورہ تفسیر کی روشنی میں آنحضورؐ کے لئے راہ ہدایت کا سامان فراہم ہونا اور ظاہری تربیت کے انتظام کرنے اور یتیمی کے بعد ٹھکانا دینے کا مختصر اور جامع انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ سیرت رسول کا پورا اجمالی خاکہ ہے۔ علامہ کی تفسیر میں سے علم السیر کے سلسلہ میں محض نمونہ کے طور پر یہ عبارت پیش کی گئی ہے ورنہ علم السیر کے متعلق تفسیر حقانی میں جا بجا بہت سے واقعات موجود ہیں جو مفسر کے علم السیر پر عبور کا نشان پیش کرتے ہیں۔

علم اللغت

تفسیر کیلئے جہاں کسی مفسر کو مذکورہ علوم میں مہارت کی ضرورت ہے وہاں علم اللغت میں بصیرت نہایت ضروری ہے قرآن کریم جس عربی زبان میں اترا اس کی زبان سے پوری واقفیت نہ رکھنا کسی شخص کو بھی تفسیر کرنے کا حقدار اور اہل نہیں بنا سکتا۔ علامہ مفسر اپنی تفسیر میں جا بجا مشکل الفاظ اور ان کی حقیقت پر روشنی ڈالتے چلے گئے ہیں مثلاً کفر، توفی، ضیاء، نور، ظلم وغیرہ وغیرہ۔ اس تحقیق الفاظ کی مثال آئندہ اوراق میں **یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک** کی تفسیر میں آپ کی نظر سے انشاء اللہ گزرے گی یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور یا علم ہیئت کے سلسلہ میں مختصر طور پر ضیاء اور نور پر

---

[1] اور آپ کو معلوم نہ تھا کہ کتاب اور ایمان کیا ہیں لیکن ہم نے اس کو نور بنادیا جس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے ہم جس کو چاہیں ہدایت دیں۔ ۲ خدا کی قسم تو تو اپنی پرانی غلطی میں مبتلا ہے۔

روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مفسر نے جو کلام کیا ہے وہاں ان کی لغوی تحقیقات کا قاری کو اندازہ ہو سکے گا۔

علامہ مفسر کا علم صرف و نحو میں درک

مذکورہ علوم جو ایک مفسر میں اصولی طور پر مہارت کے طالب ہیں ان کے علاوہ دیگر فروعی علوم میں بھی ایک مفسر کو سخت بصیرت کی ضرورت ہے۔ اب علامہ مفسر کی دوسرے علوم میں مہارت کے نمونے ان کی تفسیر سے پیش کرتا ہوں۔ مولانا ولا انتم عابدون ما اعبد اور نہ تم پوجنے والے ہو اس کو جس کی میں عبادت کرتا ہوں) کے ماتحت تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیے جا سکتے نہ اب نہ آئندہ۔ اس تقریر کے موافق آیتوں میں تکرار نہیں رہا۔ (تنبیہ) بعض علمائے یہاں تکرار کو تاکید پر حمل کیا ہے اور بعض نے پہلے دو جملوں میں حال و استقبال کی نفی اور اخیر کے دو جملوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے کما صرح بہ الزمخشری اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے۔ کما یظہر من الترجمہ لیکن بعض محققین نے پہلے دو جملوں میں "ما" کو موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں ما کو مصدریہ لیکر یوں تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں تم بتوں کو پوجتے ہو وہ میرے معبود نہیں میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان و صفت میں کوئی شریک نہ ہو سکے ایسا خدا تمہارا معبود نہیں علی ہذا القیاس تم جس طرح عبادت کرتے ہو مثلاً ننگے ہو کر کعبہ کے گرد ناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے میں اس طرح کی عبادت کرنے والا نہیں اور میں جس شان سے اللہ کی عبادت بجالاتا ہوں تم کو اس کی توفیق نہیں لہذا میرا اور تمہارا راستہ بالکل الگ الگ ہے۔

اور احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ پہلے جملے کو حال اور استقبال کی نفی کے لئے رکھا جائے یعنی میں اب یا آئندہ تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کر سکتا جیسا کہ تم مجھ سے چاہتے ہو اور ولا انا عابد ما عبدتم کا مطلب (بقول حافظ ابن تیمیہ) یہ لیا جائے کہ (جب میں خدا کا رسول ہوں تو) میری شان یہ نہیں اور نہ کسی وقت ممکن ہے (بامکان شرعی) کا ارتکاب کروں حتیٰ کہ گذشتہ زمانے میں نزول وحی سے پہلے بھی جب تم سب پتھروں اور درختوں کو پوج رہے تھے میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی پھر اب اللہ کی طرف سے نور وحی اور بینات ہدیٰ وغیرہ آنے کے بعد کہاں

ممکن ہے کہ شرکیات میں تمہارا ہمنوا ہو جاؤں۔ شاید اسی لئے یہاں ولا انا عابد میں جملہ اسمیہ اور ماعبدتم میں صیغہ ماضی کا عنوان اختیار فرمایا۔ رہا کفار کا حال اس کا بیان دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے فرمایا ولا انتم عابدون ما اعبد یعنی تم لوگ تو اپنی سوء استعداد اور انتہائی بدبختی سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور کسی حال میں خدائے واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو حتیٰ کہ میں گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا ساتھ لگائے رکھتے ہو اور ایک جگہ ماتعبدون بصیغہ مضارع اور دوسری جگہ ماعبدتم بصیغہ ماضی لانے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے معبود ہر روز بدلتے رہتے ہیں۔ جو چیز عجب سی نظر آئی یا کوئی خوبصورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کر معبود بنا لیا اور پہلے کو رخصت کیا۔ پھر ہر موسم کا اور ہر کام کا جدا معبود ہے ایک سفر کا ایک حضر کا' کوئی روٹی دینے والا کوئی اولاد دینے والا قس علی ہذا"۔ (قرآن کریم تفسیر حقانی ص ۸۰۹ سورۃ کافرون ف ۲)

سورۃ کافروں کی اس تفسیر کو احتیاط سے مطالعہ کیجئے اس میں مختلف مفسرین کی تحقیقات کا نقطہ ملاحظہ کیجئے اور پھر مولانا عثمانی نے "احقر کے خیال میں یوں آتا ہے"۔ سے جو اپنی تحقیق کا جوہر پیش کیا ہے اس سے تقابل کیجئے تو طبیعت مستقیمہ کو اپیل کرنے والی تفسیر مولانا عثمانی کی پائیں گے جس میں نہ صرف الفاظ کی تہ میں پہنچ کر حقیقت کا موتی نکال کر باہر لایا گیا ہے۔ بلکہ رسول پاک کی تمام زندگی کو بت پرستی سے پاک بتا کر ماضی کی یاد دلائی گئی ہے۔

اس حسن تفسیر کے علاوہ جس مقصد کیلئے یہ تفسیری عبارت پیش کی گئی ہے اس میں علم صرف ونحو کا پورا نچوڑ ہے اور اس علم صرف ونحو کے جاننے پر دراصل اس سورت کی تفسیر موقوف ہے جس شخص کو ماتعبدون اور ولا انا عابد ما عبدتم کے صرفی افعال کی حقیقت معلوم نہ ہو ماضی اور حال اور مستقبل سے پیدا ہونے والے معانی کا علم نہ ہو وہ اس سورت کی تفسیر کرنے سے قاصر ہے بلکہ سمجھنے سے بھی۔ اسی طرح جسے علم نحو کے ما موصولہ اور ما نافیہ نیز ولا انا عابد اور ماتعبدون کے جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ ہونے کے نحوی قواعد کا پتہ نہ ہو جیسا کہ مولانا عثمانی نے پوری بال کی کھال نکال کر رکھ دی ہے وہ اس سورت کی تفسیر کیونکر کر سکتا ہے۔ بہرحال اس تفسیری عبارت سے مولانا کے فن صرف ونحو کے درک پر ہمیں کافی ثبوت مل جا سکتا ہے جس کی ایک مفسر کو ضرورت ہو سکتی ہے۔

مفسر علام اور طبی تحقیق شہد

سورۂ نحل میں شہد کی مکھی کے چھتہ بنانے شہد اکٹھا کرنے' مکھی کے دور دراز کی راہوں میں نکل جانے اور راستہ بھٹکے بغیر اپنے چھتے کی طرف رخ کرنے پر خدائے صانع ولطیف کی عجب

صنعتوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ عجائبات قدرت کی بوقلمیوں کا منظر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے لیکن شہد کی مکھی کا ایک بہت بڑا کارنامہ اس کا عسل یعنی شہد ہے جو رنگ برنگ کے پھولوں کا قدرتی مٹھاس چوس چوس کر انسان کے ذائقہ کو شیرینی سے لذت اندوز کرنے کے لئے ذخیرہ کرتی ہے اور جو اشرف المخلوقات کی نوع بنوع مصلحتوں کا سامان فراہم کرتا ہے اور سب سے زیادہ خوبی ہے فیہ شفاء للناس کی یعنی شہد میں لوگوں کیلئے شفاء کی موثر قدریں چھپا کر رکھ دی گئی ہیں۔ محقق عثمانی فیہ شفاء للناس پر گوہر افشانی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یعنی بہت سی بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے جو باذن اللہ مریضوں کی شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک شخص کو دست آ رہے تھے اس کا بھائی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے شہد پلانے کی رائے دی۔ شہد پینے کے بعد اسہال میں ترقی ہو گئی۔ اس نے پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت دست زیادہ آنے لگے۔ فرمایا صدق اللہ و کذب بطن اخیک (اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے) پھر پلاؤ۔ دوبارہ پلانے سے بھی وہی صورت ہوئی۔ آپ نے پھر وہی فرمایا۔ آخر تیسری مرتبہ پلانے سے دست بند ہو گئے۔ طبیعت صاف ہو گئی۔ اطبا نے اپنے اصولوں کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں کیموس فاسد ہوتا ہے جو پیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے اس لئے دست آتے ہیں اس کا علاج یہی ہے کہ مسہلات دی جائیں تاوہ" کیموس فاسد خارج ہو شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں گویا حضور کا شیوہ اسی طبی اصول کے موافق تھا۔

مامون رشید کے زمانے میں ثمامہ عبسی کو جب اسی قسم کا مرض لاحق ہوا تو اس زمانے کے شاہی طبیب یزید بن یوحنا نے مسہل سے اس کا علاج کیا اور یہی وجہ بتلائی آج کل کے اطبا شہد کے استعمال استطلاق بطن کے علاج میں بے حد مفید بتلاتے ہیں۔ (قرآن کریم بتفسیر عثمانی ص ۳۵۵ فائدہ نمبر ۳)

فن طب کی تحقیقی نکتہ آرائیاں مفسر کی تفسیر میں کمال ذوق کا پتہ دے رہی ہیں۔ ہو سکتا تھا کہ قرآن کریم پر اعتقاد رکھتے ہوئے آمنا اور صدقنا کہہ کر ایک سطحی مفسر آیت کی تفسیر میں صرف یہ کہتا ہوا آگے چلا بنتا کہ اللہ تعالیٰ نے شہد میں شفا رکھی ہے اور اس شفا کا تجربہ پیش کرتا یا اس کی خاصیت کا تجزیہ نہ کرتا تو بلاشبہ وہ تفسیر ایک دریائے ذخار میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے سوائے اس سے زیادہ اور کچھ حقیقت نہ رکھتی۔ لیکن علامہ عثمانی نے آیت کی تفسیر کے لئے حدیث پیش کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسخہ پیش کیا بعد ازاں طب یونانی کا اصول اور مسئلہ لا کر رکھ دیا اور اس پر طرہ یہ کہ شاہی طبیب یزید بن یوحنا کا تجربہ بھی تاکید و وضاحت کی روشنی میں عیاں کر دیا اور لطف یہ

ہے کہ آیت کی تفسیر نہ طویل ہے نہ مختصر اب علامہ عثمانی کو فن تفسیر میں داد نہ دیجئے تو اور کیا کیجئے۔ اس تفسیر میں مفسر کی علمی موشگافیوں کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

مفسر علام اور علم لغت و علم ہیئت

مفسر محقق ھو الذی جعل الشمس ضیآء والقمر نوراً و قدرہ منازل (وہی ہے جس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بخشا) کی تفسیر حسب ذیل الفاظ میں فائدہ نمبر ۴ و نمبر ۵ میں لکھتے ہیں۔

"بعض کے نزدیک نور عام ہے ضیاء سے ضیاء خاص اس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمکدار ہو۔ بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفاد ہو وہ نور ہے۔ سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کرہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ چاند کی روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ نور مطلق روشنی کو کہتے ہیں ضیاء اور ضوء اس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے سورج کی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے اس لئے ضیاء سے تعبیر فرمایا۔

ف ۵ یعنی روزانہ بتدریج گھٹتا بڑھتا ہے۔ والقمر قدرناہ منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم (یٰس رکوع ۳) علمائے ہیئت نے اس دورے کی تقسیم کر کے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں جو بارہ برج پر منقسم ہیں۔ قرآن میں خاص ان کی مصطلحات مراد نہیں مطلق سیر و مسافت کے مدارج مراد ہیں"۔ (یونس رکوع نمبر ۱ ص ۲۶۹)

تفسیر بالا میں مفسر علام کی دو فن میں درک و بصیرت کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ اول فن لغت اور دوسرے علم ہیئت۔ لغت دانی کی حیثیت میں علامہ نے ضیاء اور نور کی تحقیق میں انوار کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے اور نور و ضیاء کی لغوی تحقیق کو روشن کر کے رکھ دیا ہے۔

دوم علم ہیئت میں مفسر کے مذاق کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے ان کا یہ جملہ کہ "علمائے ہیئت نے اس دورے کی تقسیم کر کے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں جو بارہ برج پر منقسم ہیں"۔ ان کی ہیئت شناسی کی غمازی کر رہا ہے۔ انہوں نے علم ہیئت دارالعلوم دیوبند کے استاذ اور زبردست ہیئت دان اور راقم الحروف کے ہم وطن حضرت مولانا محمد یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیر کوٹی سے حاصل کیا تھا جو حضرت عثمانی پر بہت مہربان اور شفیق تھے اور جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے ماہر ہیئت تھے۔ مناسب ہوگا کہ یہاں مولانا محمد یاسین صاحب اور بعض علمائے شیر کوٹ کا اجمالی ذکر کیا جائے۔

مولانا محمد یاسین صاحب شیر کوٹی

جس زمانہ میں حضرت مولانا موصوف دارالعلوم میں مدرس ہیأت تھے اسی زمانہ میں ۶ جنوری ۱۹۰۵ء مطابق ۲۹ شوال ۱۳۲۲ھ کو سر جیمس ڈگس لاٹوش کے سی ایس آئی لیفٹیننٹ گورنر

بہادر ممالک متحدہ دارالعلوم دیوبند کے معائنہ کے لئے آئے تو حضرت شیخ الہندؒ درسگاہ میں پہنچے اور حضرت شیخ سے مختلف امور پر گفتگو کے بعد مولانا محمد یاسین صاحب شیرکوٹی کی درسگاہ میں پہنچے۔ اس تقریب کی رپورٹ کا مضمون مولانا محمد یاسین صاحب کے متعلق یہ ہے:۔

"یہاں سے مولوی محمد یاسین صاحب شیرکوٹی مدرس علوم عربیہ و علم ہیئت و ریاضی کے درجہ میں (لاٹوش) تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب کے سامنے علم ہیئت کی جماعت تھی اور تمام درسگاہ میں علم ہیئت کے نقشے جن کو مولوی صاحب ممدوح نے تسہیل فہم طلبہ کے لئے بنایا تھا لگے ہوئے تھے اور مولوی صاحب کے پاس کسوف و خسوف دکھلانے کے دائرے جو خود مولوی صاحب ہی کے تجویز کئے ہوئے تھے اور کرہ وغیرہ رکھے ہوئے تھے اس درجہ میں داخل ہوتے ہی حضور ممدوح نے نہایت دلچسپی ظاہر فرمائی مولوی صاحب سے اسباق کی تعلیم وغیرہ کا حال دریافت کر کے کسوف و خسوف کے دائروں کی نسبت فرمایا کہ یہ کیا ہیں۔ مولوی صاحب نے اس کی پوری کیفیت بیان کی۔ حضور ممدوح بڑے غور سے سنتے رہے کچھ شبہ بھی بیان فرمایا جس کا مولوی صاحب موصوف نے خوبی سے جواب دیا غرض دیر تک یہاں تشریف رکھی اور نہایت محظوظ ہوئے"۔ (رپورٹ جلسہ تقریب آمدی سر جیمس لاٹوش مطبوعہ مجتبائی پریس دہلی منجانب مہتمم دارالعلوم ص ۱۱)

مذکورہ رپورٹ سے حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب شیرکوٹی کے علوم عربیہ، ریاضی اور بالخصوص علم ہیئت میں کمال پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا محمد ہادی صاحب بھی اپنے زمانہ کے ولی اللہ تھے۔ مولانا محمد یاسین صاحب کی وفات اور آپ کے جید عالم ہونے کا نقشہ حسب ذیل الفاظ میں روئیداد دارالعلوم دیوبند ۱۳۲۵ھ میں کھینچا گیا ہے۔

"مولانا محمد یاسین صاحب نہایت حلیم و سلیم جوان صالح دیندار پرہیزگار مستعد ہوشیار بہت سے فنون عقلیہ و نقلیہ کے جامع تھے وطن آپ کا شیرکوٹ ضلع بجنور تھا۔ آپ کے والد ماجد بھی عالم تھے۔ اس مدرسہ سے فارغ ہو کر بعض دیگر مدارس میں مدرس رہے۔ بالآخر اہل مدرسہ نے ہر طرح سے مفید و مناسب سمجھ کر ان کو بلا کر اپنے مدرسہ کی مدرسی پر قائم فرمایا۔ نہایت شوق اور جانفشانی کے ساتھ مفوضہ خدمات کو انجام دیتے تھے۔ ہیئت و ریاضی میں عمدہ مہارت و واقفیت رکھتے تھے۔ بعد فراغ حج جدہ میں طاعونی بخار ہوا اور اسی میں ماہ صفر ۱۳۲۵ھ میں جاں بحق ہوئے۔ یغفر لہ آپ کی تاریخ وفات ہے۔" (روئیداد دارالعلوم دیوبند ۱۳۲۵ھ)

نہ صرف حضرت مولانا محمد یاسین صاحب شیرکوٹی کی ذات پر شیرکوٹ ضلع بجنور (یوپی) کو فخر رہا ہے بلکہ اس قصبہ میں ہر قسم کے امراء، زمیندار، علماء، شعراء اور ادیبوں کی جماعت رہی ہے۔

مولانا خیر الدین اور مولانا محمد عماد الدین شیر کوٹی

چنانچہ حضرت سید احمد شہید بریلوی کے زمانہ جہاد میں حضرت مولانا خیر الدین صاحب شیر کوٹی بحیثیت سفیر سکھ رئیس کے پاس مولانا شہید کی طرف سے گئے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد عماد الدین صاحب انصاری جو حضرت شیخ الہند کے شاگرد ہیں اور جو بقید حیات ہیں شیر کوٹ کے قابل فخر علماء میں سے مانے گئے ہیں۔ آپ یوں تو متعدد کتب کے مصنف ہیں لیکن منطق کی کتاب مرقات کا حاشیہ، قصیدہ بردہ کی شرح اور حجۃ اللہ البالغہ کا اردو ترجمہ آپ کی خاص یادگاریں ہیں۔ آپ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی کے سب سے زیادہ خاص دوستوں میں سے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں بچوں کے لئے گلدستہ تعلیم اسلام کے متعدد حصے خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ بہترین ذکی اور ذہن ہستی ہیں۔

مولانا مظہر الدین صاحب شیر کوٹی

مولانا مظہر الدین صاحب شہید سابق مالک و ایڈیٹر اخبار "الامان" اور وحدت پر بھی شیر کوٹ کو ناز ہے۔ آپ دار العلوم دیوبند کے فاضل شیخ الہند کے شاگرد تھے۔ بہترین مقرر اور نثر نگار تھے۔ ملک کے مشہور لیڈر رہتے۔ آخری دور میں مسلم لیگ کے زبردست ورکر تھے سیاسی کشمکش اور باہمی رقابتوں نے آپ کو شہادت کے درجہ پر پہنچایا اور ۱۹۳۸ء میں دہلی میں وہاں کے ایک شخص نے جس کو بعد میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا آپ کو آپ کے دفتر میں گلے پر خنجر مار کر شہید کر دیا اور اس طرح شہداء کی جماعت میں داخل ہو گئے اور اس طرح

شہید ہو کے مرے عمر جاوداں کے لئے

مولانا عبد القیوم صاحب شیر کوٹی

انہی شیر کوٹ کے اہل علم میں استاذ محترم مولانا محمد عبد القیوم صاحب ارشق ہیں جن کا فیض علم تمام شیر کوٹ پر حاوی ہے۔ آپ نہ صرف علوم عربیہ کے فاضل ہیں بلکہ فارسی اور اردو کے بہترین شاعر اور ادیب ہیں۔ فن شعر و ادب میں آپ کو یدطولیٰ حاصل ہے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی معمولی تنخواہ پر اہل قصبہ کے بچوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دی۔ خدا کرے ان کا فیض قائم و دائم رہے۔

میں حضرت مولانا محمد یاسین صاحب کا ذکر کرتے کرتے اپنے وطن عزیز شیر کوٹ کا تھوڑا سا حق

ادا کرنے میں اصل مقصد سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ میرا مدعا یہ تھا کہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے علم ہیئت محترم مولانا محمد یاسین صاحب شیرکوٹی سے حاصل کیا تھا۔ جو آپ پر بہت ہی مہربان و شفیق تھے۔

مفسر اور علم کتب سماویہ

راقم الحروف کے نزدیک سابق کتب سماویہ کا علم اور مطالعہ بھی ایک محقق مفسر کے لئے از حد ضروری ہے قرآن کریم کی آیت **مصدقاً لما بین یدیہ** اور **یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک** و **مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** اور **ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا من عبادی الصلحون** نیز **ذٰلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل** وغیرہ وغیرہ آیات کے حوالے ہمیں سابق آسمانی کتابوں کے واقعات' بشارات اور احکام کے سلسلے میں ان سے واقفیت بہم پہنچانے کی دعوت دیتے ہیں ہمیں تورات وانجیل کے ان احکام سے تعارف کرنا اس وقت ضروری ہو جاتا ہے جبکہ اہل کتاب ہمارے سامنے کسی مرافعہ یا مقدمہ میں حکم بنا کر اپنے احکام سماویہ کے مطابق فیصلہ کرانا چاہتے ہیں یا قرآن کریم کے احکامات کو توریت وانجیل کے احکام کے موافق ہونے کے باوجود خلاف بتا کر اپنی من مانی کارروائی اور حسب منشا فیصلے کرانے چاہتے ہیں جیسا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض اہل کتاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کے لئے حاضر ہوتے اور آپ کے دربار سے ان کی کتاب کے مطابق فیصلہ دیا جاتا جو ان کے منشا کے خلاف ہوتا تو وہ لوگ خلاف توریت وانجیل بتاتے۔ اس صورت میں آنحضرتؐ ان سے کتب سماویہ طلب فرماتے اور اہل کتاب ان کتابوں کی آیات کو چھپانے کی کوشش کرتے۔ غرضکہ قرآن کریم کا وہ معتدبہ حصہ جو اصول اور بعض فروع میں کتب سماویہ کے مطابق ہے اور اہل کتاب نے ان کتابوں میں عمل تحریف سے کتب مقدسہ آسمانی میں آپریشن کر ڈالا ہے اس کا صحیح علم بھی ایک محقق مفسر کے لئے ضروری ہے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بشارتوں کا ایک معتدبہ حصہ ان کتابوں کی معرفت پر موقوف ہے۔ قرآن کریم نے جا بجا اہل کتاب کی تحریف کی کرتوتوں کا ہمیں پتہ دیدیا ہے۔ چنانچہ صاحب قرآن فرماتے ہیں۔

یاھل الکتٰب لم تکفرون باٰیٰت اللہ و انتم تشھدون یاھل الکتٰب لم تلبسون الحق بالباطل و تکتمون الحق و انتم تعلمون (آل عمران رکوع نمبر ۱۵)

اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو (اور) اے اہل کتاب تم سچ میں جھوٹ کیوں ملاتے ہو اور سچی بات کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

یعنی اے اہل کتاب تم تورات وغیرہ کے قائل ہو جس میں مسلمانوں کے پیغمبر کی بشارتیں موجود ہیں اور تم ان بشارتوں کو تنہائیوں میں آپس میں بیٹھ کر تسلیم بھی کرتے ہو تو پھر جان بوجھ کر کیوں انکار کرتے ہو لہذا اس انکار سے تو تورات ہی کا انکار ہوتا ہے۔

پھر اہل کتاب نے تورات کے احکام کو دنیاوی اغراض کی خاطر بدل ڈالا تھا اور کتنی جگہ الفاظ و معانی میں تحریف کر ڈالی تھی اور بعض آیات متعلقہ بشارت و بعثت محمدی کو چھپا رکھا تھا۔ قرآن کریم میں آل عمران رکوع نمبر ۱۶ میں اہل کتاب کی ایک اور حماقت سے اس طرح حجاب اٹھایا گیا ہے۔

وان منهم لفريقاً يلون السنتهم بالكتٰب لتحسبوه من الكتاب وما هو
من الكتٰب و يقولون هو من عندالله و ما هو من عندالله ويقولون
على الله الكذب وهم يعلمون۔

اور ان اہل کتاب میں ایک فریق ہے جو کتاب کو زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں تا کہ تم اس کو کتاب کا جز سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں اور اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔

غرضکہ ان امور کے باعث کتب آسمانی کا مطالعہ ان پر عبور اور ان کی معرفت نہایت ہی ضروری ہے۔ مولانا عثمانی کی تفسیر میں حسب اقتضائے مقام تورات وغیرہ کے حوالے موجود ہیں۔ مثلاً حسب ذیل آیت کے ماتحت تفسیر میں مفسر محقق لکھتے ہیں:۔

فمن تولى بعد ذلك فاولٰئك هم الفٰسقون (آل عمران رکوع نمبر ۱۷)
پس جو شخص اس (اقرار عہد کے بعد) پھر جائے تو وہ لوگ نافرمان ہیں۔

(تفسیر) "جس چیز کا عہد خدا نے تمام انبیاء سے لیا اور انبیاء نے اپنی اپنی امتوں سے۔ اب اگر دنیا میں کوئی ان سے روگردانی کرے تو بلاشبہ پرلے درجے کا بدعہد اور نافرمان ہوگا۔ بائبل 'اعمال رسل' باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے "ضرور ہے کہ آسمان اسے لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اٹھائے گا جو کچھ وہ تمہیں کہے اس کی سب سنو"۔ (قرآن کریم تفسیر عثمانی ص ۸۷ فائدہ نمبر ۵)

مذکورہ تفسیر میں بائبل کا حسب اقتضائے مقام حوالہ نہایت ہی ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے اہل کتاب کے عہد سے نافرمانی کا پول کھل کر رہ جاتا ہے اور محمد عربی کی بشارت کا صحیح خاکہ

ذہنوں میں گھپ جاتا ہے۔ بہر حال علامہ بحیثیت مفسر کتب سماویہ کی معرفت سے خالی نہیں ہیں بلکہ ان کی تفسیر میں حسب ضرورت کتب سماویہ کے حوالے اور تحقیقات تفسیر کی تشنگی کو بجھاتے ہیں۔

بشارت احمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک اور ضروری مثال مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ ' احمد میں ملاحظہ ہو۔ یہ مذکورہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ہے کہ میرے بعد ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمدؐ ہوگا۔ علامہ عثمانی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں لیکن جس صراحت سے وضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ کی آمد کی خوشخبری دی۔ وہ کسی اور سے منقول نہیں شاید قرب عہد کی بنا پر خصوصیت ان کے حصہ میں آئی ہوگی کیونکہ ان کے بعد نبی آخر الزماں کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ یہ صحیح ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت اور معاندانہ تصرفات نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات و انجیل کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم ٹھیک پتہ لگ سکتا کہ انبیائے سابقین خصوصاً حضرت مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کن الفاظ میں اور کس عنوان سے بشارت دی تھی اور اسی لئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے صاف اور صریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے۔ تاہم یہ بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے محرفین کو اس قدر قدرت نہیں دی کہ وہ اس کے آخری پیغمبر کے متعلق تمام پیشینگوئیوں کو بالکلیہ محو کر دیں کہ ان کا کچھ نشان باقی نہ رہے موجودہ بائبل میں بھی بیسیوں مواضع میں جہاں آنحضرت صلعم کا ذکر قریب تصریح کے موجود ہے اور عقل و انصاف والوں کے لئے اس میں تاویل و انکار کی گنجائش قطعاً نہیں اور انجیل یوحنا میں تو فارقلیط یا پیر کلوطوس والی بشارت اتنی صاف ہے کہ اس کا بے تکلف مطلب بجز احمد (بمعنی محمود و ستودہ) کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ بعض علمائے اہل کتاب کو بھی ناگزیر اس کا اعتراف یا نیم اقرار کرنا پڑا ہے کہ اس پیشینگوئی کا انطباق پوری طرح روح القدس پر اور نہ بجز سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور پر ہو سکتا ہے۔" (تفسیر حقانی پارہ نمبر ۲۸ سورہ صف رکوع نمبر ۹)

مذکورہ تفسیر اور تحقیق کی روشنی میں علامہ مفسر نے جس انداز سے بحث کی ہے وہ نہ صرف انجیل کی پیشینگوئی پر سیر حاصل تبصرہ ہے بلکہ قادیانیوں کی غیر فطری جرات اور احمقانہ بیوقوفی سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مذکورہ آیت میں احمد سے مراد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

علامہ عثمانی اور سیاست

محقق مفسر کی تفسیر علوم وفنون کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جس کو جتنا مطالعہ کیجئے گنجہائے گرانمایہ نکلتے چلے آئیں گے روش روش پر علمی پھولوں کے چمن در چمن اپنی رنگینیوں کے ساتھ نظر آئیں گے ذرا سیاسی رنگ کی ایک جھلک حسب ذیل آیت کی تفسیر میں ملاحظہ کیجئے۔

ماکان لبشران یؤتیه الله الکتب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون الله. کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ خدا اسے کتاب اور حکمت اور نبوت بخشے تو وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (آل عمران پ ۳، نمبر ۳، رکوع نمبر ۱۰)

(تفسیر) "وفد نجران کی موجودگی میں بعض یہود ونصاریٰ نے کہا تھا کہ اے محمد! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری اسی طرح پرستش کرنے لگیں جیسے نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کو پوجتے ہیں آپ نے فرمایا معاذ اللہ کہ ہم غیر اللہ کی بندگی کریں یا دوسروں کو اس کی دعوت دیں۔ حق تعالیٰ نے ہم کو اس کام کے لئے نہیں بھیجا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جس بشر کو حق تعالیٰ کتاب وحکمت اور قوت فیصلہ دیتا اور پیغمبری کے منصب جلیل پر فائز کرتا ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک پیغام الٰہی پہنچا کر لوگوں کو اس کی بندگی اور وفاداری کی طرف متوجہ کرے۔ اس کا یہ کام کبھی نہیں ہوسکتا کہ ان کو خالص ایک خدا کی بندگی سے ہٹا کر خود اپنا یا کسی دوسری مخلوق کا بندہ بنانے لگے۔ اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ خداوند قدوس نے جس کو جس منصب کا اہل جان کر بھیجا تھا۔ فی الواقع وہ اس کا اہل نہ تھا۔

دنیا کی کوئی گورنمنٹ بھی اگر کسی شخص کو ایک ذمہ داری کے عہدہ پر مامور کرتی ہے تو پہلے دو باتیں سوچ لیتی ہے۔ (۱) یہ شخص گورنمنٹ کی پالیسی کو سمجھنے اور اپنے فرائض کو انجام دینے کی لیاقت رکھتا ہے یا نہیں (۲) گورنمنٹ کے احکام کی تعمیل کرنے اور رعایا کو جادۂ وفاداری پر قائم رکھنے کی کہاں تک اس سے توقع کی جاسکتی ہے۔ کوئی بادشاہ یا پارلیمنٹ ایسے آدمی کو نائب السلطنت یا سفیر مقرر نہیں کرسکتی جس کی نسبت حکومت کیخلاف بغاوت پھیلانے یا اس کی پالیسی اور احکام سے انحراف کرنے کا شبہ ہو۔ بیشک یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کی قابلیت یا وفاداری کا اندازہ حکومت صحیح طور پر نہ کرسکی ہو لیکن خداوند قدوس کے یہاں یہ بھی احتمال نہیں۔" (قرآن کریم، تفسیر عثمانی ص ۷۷، ف ۵)

مذکورہ بالا تفسیر کا پہلا ٹکڑا احکم الحاکمین کے انبیاء کو منتخب کرنے اور نظام نبوت کو چلانے نیز عصمت ووفاداری سے کام کرنے پر پورے روحانی انتظام کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ محقق مفسر نے دنیا کی سلطنتوں کے نظام اور سیاست ملکی اور مدنی پالیٹکس کے بعض بنیادی اصولوں کو پیش کرکے سیاست داخلی

وخارجی کی طرف مجمل اشارے فرمائے ہیں۔ جن سے ان کی بصیرانہ سیاست کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایک اور جگہ قل فللہ الحجۃ البالغۃ فلو شآء لھدٰکم اجمعین (کہہ دیجئے کہ اللہ کی حجت پوری ہے اور اگر وہ چاہتا تو وہ تم سب کو ہدایت کر دیتا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

گذشتہ رکوع میں مشرکین سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ جن حلال وطیب چیزوں کو تم نے حرام ٹھہرا لیا ہے اور اس تحریم کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو اس کی سند اور دلیل لاؤ یہاں ان کی دلیل بیان کی گئی ہے جو وہ پیش کرنے والے تھے۔ یعنی اگر اللہ چاہتا تو اس کی قدرت تھی کہ ہم کو اور ہمارے اسلاف کو اس تحریم سے بلکہ تمام مشرکانہ افعال واقوال سے روک دیتا۔ جب نہ روکا اور یونہی ہوتا چلا آیا تو ثابت ہوا کہ اس کے نزدیک ہماری کارروائیاں پسندیدہ ہیں۔ ناپسند ہوتیں تو ان کے کرنے میں ہم کو اب تک کیوں آزاد چھوڑتا۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ایک نیک نام اور مدبر گورنمنٹ کسی باغیانہ تحریک میں حصہ لینے والے کو باوجود یقینی اطلاع اور کافی قدرت کے پہلے ہی دن پکڑ کر پھانسی نہیں دے دیتی وہ اس کی حرکات کی نگرانی رکھتی ہے۔ کبھی رویہ درست رکھنے کی ہدایت کرتی ہے اور موقع دیتی ہے کہ آدمی ایسی حرکات کا انجام سوچ کر خود سنبھل جائے کبھی صلاح سے مایوس ہو کر ڈھیل چھوڑتی ہے کہ اس کی بغاوت کا ایسا باضابطہ اور مکمل مواد فراہم ہو جائے جس کے بعد اس کی انتہائی مجرمانہ کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے اور فوراً سزا نہ دینے سے کیا ثابت ہوگا کہ گورنمنٹ کی نظر میں وہ کارروائی وجرم و بغاوت نہیں ہے گورنمنٹ کی نگاہ میں ان افعال کا جرم ہونا اول تو اس کے شائع کئے ہوئے قانون سے ظاہر ہے دوسرے جب یہ مجرم مہلت پوری ہونے پر عدالت کے کٹہرے میں لایا جائیگا اور باضابطہ اثبات واظہار جرم کے بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا بھگتے گا تب برائی العین مشاہدہ ہو جائے گا کہ گورنمنٹ کی نظر میں یہ کتنا بڑا جرم تھا بہر حال گورنمنٹ کا کسی جرم پر باوجود علم وقدرت رکھنے کے کسی مصلحت سے فوری سزا جاری نہ کرنا اسکی دلیل نہیں کہ وہ جرم کو جرم نہیں سمجھتی اس پر قیاس کر لیجئے کہ وہ احکم الحاکمین ابتدائے آفرینش سے آج تک بتوسط اپنے صادق القول اور پاک باز نائبین کے ہر قسم کے قوانین واحکام سے بندوں کو مطلع فرماتا رہا“۔ (الانعام، رکوع نمبر ۵)

اس عبارت میں علامہ مفسر نے اللہ کے کسی مجرم کو جلد سزا نہ دینے کی سیاسی رنگ میں جو مثال دی ہے وہ اتنی لطیف اور تفلسف کا رنگ رکھتی ہے جس سے مولانا کا سیاسی نظریات ومصالح جرم میں مہلت وتاخیر کا نقشہ ذہن پر منطبع ہو جاتا ہے اور ان کی سیاست پر تدبر وبصیرت کا ایک سطحی

منظر سامنے آجاتا ہے غرضکہ مولانا کی تفسیر میں سیاست کا ایک جزئی عنصر آپ کے سامنے ہے۔

سیاست سے متعلق یہ دو عبارتیں ان کی تفسیر سے صرف مثالاً پیش کی گئی ہیں جن سے مولانا کی سیاسی درک وبصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ میرے نزدیک قرآن کریم کے مفسر کو سیاست میں بالغ النظری کی سخت ضرورت ہے مولانا عثمانی کی سیاسی بصیرت پر علیحدہ ایک حصہ میں آپ تبصرہ انشاء اللہ پڑھیں گے جس میں ان کے سیاسی مقام کا پتہ چل سکے گا۔

مذکورہ تحقیقات کی روشنی میں اب تک یہ ثابت اور واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ علامہ مفسر اپنے اس تقوے اور خوف خدا کے لحاظ سے جو ایک مفسر کو اپنی رائے سے تفسیر کرنے اور حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جانے سے روکتا ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر کرنے کے نہ صرف مستحق ہیں بلکہ اپنی خداداد لیاقت اور ایمانی فراست کے سبب اور ان علوم میں مہارت کے سبب جو تفسیر سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک مفسر کو درکار ہیں اس مقام پر ہیں کہ اگر علامہ عثمانی قرآن کریم کی یہ مفید اور نفیس تفسیر نہ کرتے تو امت مسلمہ کی سخت حق تلفی ہوتی۔

اب ہم اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں کہ حضرت مفسر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی تفسیر کے امتیازی خصوصیات کیا ہیں اور ان کا تفسیر میں کیا مقام ہے۔

تفسیر عثمانی کی خصوصیات

تفسیر عثمانی اہلسنت والجماعت کے عقیدہ کے پیش نظر لکھی گئی ہے

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ تفسیر بالرائے ناجائز بلکہ حرام ہے علامہ مفسر باوجودیکہ اعلیٰ درجہ کے فلسفی اور محقق ہیں لیکن آپ متقدمین مفسرین کے خصوصی معتقدات کے خلاف نہیں جاتے۔ البتہ توجیہات اور طرز استدلال میں ندرت، سلیقہ، شگفتگی اور جدت ہوتی ہے تفسیر بالرائے کے خلاف خود ایک جگہ **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا** یعنی اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑ لو اور پھوٹ نہ ڈالو کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

''یعنی سب مل کر قرآن کو تھامے رہو جو خدا کی مضبوط رسی ہے یہ رسی ٹوٹ تو نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے۔ لیکن تمسک بالقرآن کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کو اپنی آراء واہوا کا تختہ مشق بنا لیا جائے بلکہ قرآن کریم کا مطلب وہی معتبر ہوگا جو احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف نہ ہو''۔ (قرآن کریم تفسیر عثمانی ص ۸۱ حاشیہ ف ۲)

اسی مضمون کا اظہار علامہ مفسر نے اپنی فارسی تقریظ میں کیا ہے جو اپنی تفسیر کے فارسی ترجمہ مطبوعہ کابل پر کی ہے لکھتے ہیں:۔

"مقصد نظر من ایں بود کہ باوجود قلت بضاعت واستطاعت مطالب قرآن عظیم درحالیکہ درحدود احادیث واقوال سلف مقید باشم بچناں عبارت سلیس وروان وطرز معقول ودلنشیں ادا کردہ شود کہ در قلوب بندگان خدائے مہربان بسوئے معارف وبصائر قرآنی یک کشش خصوصی پیدا کند"۔

میرا نقطہ خیال یہ تھا کہ باوجود قلت بضاعت واستطاعت قرآن کریم کے مطالب احادیث اور اقوال سلف کے دائرہ میں محدود رہ کر ایسے سلیس اور رواں نیز معقول اور دلنشیں طرز میں ادا کیے جائیں کہ خدائے مہربان کے بندوں کے دلوں میں معارف وبصائر قرآنی کی طرف ایک خصوصی کشش پیدا ہو جائے۔

ان دونوں تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ مفسر علامہ حقد مین کے متفقہ عقائد اور تصریحات کے خلاف تفسیر کو تفسیر بالرائے کے ہم معنی سمجھتے ہیں۔

مثال کے طور پر حسب ذیل آیت کی تفسیر جو عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے سے متعلق مفسر اعظم نے کی ہے پیش کرتا ہوں۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام اہلسنت والجماعت کی روشنی میں

علامہ مفسر کے اہم اور مایہ ناز تفسیری مقامات وحصص میں سورۃ آل عمران کی تفسیر ان کی تحقیق و تدقیق کا جوہر ہے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر مع جسم جانے کے سلسلہ میں مولانا اہلسنت والجماعت کی منقول تفسیر کی پوری شدومد سے تائید کرتے نظر آتے ہیں ورنہ مولانا اپنے بعض معاصرین کی طرح خود بھی مختلف مطعیانہ خیالات میں پھنس کر مختلف قسم کے دلائل پیش کر سکتے تھے لیکن چونکہ ان کے سامنے اجماع علماء روایات متواترہ اور عقیدۂ متفقہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا پیش نظر ہے اس لیے منقولات کے سامنے انہوں نے معقولات کے ہتھیاروں کو ڈال دیا ہے حسب ذیل آیت کی تفسیر جو حضرت مفسر نے کی ہے پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمایئے:۔

اذقال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی و مطہرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیمۃ ثم الی مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون (آل عمران رکوع نمبر ۱۳)

جبکہ اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا اور کافروں سے

تجھے پاک کر دوں گا اور جو تیرے تابع ہیں ان کو کافروں سے قیامت تک غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کو میری طرف پھر آنا ہے پھر میں تمہارا اس بات میں۔ جس میں جھگڑتے تھے فیصد کروں گا۔

(تفسیر) امت مرحومہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ جب یہود نے اپنی ناپاک تدبیریں پختہ کرلیں تو حق تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ نبی کریم صلعم کی متواتر احادیث کے موافق قیامت کے قریب جب دنیا کفر وضلالت اور دجل وشیطنت سے بھر جائیگی تو خدا تعالیٰ خاتم انبیاء بنی اسرائیل (حضرت مسیح علیہ السلام) کو خاتم الانبیاء علی الاطلاق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت وفادار جرنل کی حیثیت میں نازل کرکے دنیا کو دکھلا دیگا کہ انبیاء سابقین کو بارگاہ خاتم النبیین کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے۔ نصاریٰ کے باطل عقائد وخیالات کی اصلاح کرکے تمام دنیا کو ایمان کے راستہ پر ڈال دیں گے اس وقت تمام جھگڑوں کا فیصلہ ہوکر اور مذہبی اختلافات مٹ مٹا کر ایک خدا کا سچا دین رہ جائیگا۔ اسی وقت کی نسبت فرمایا و ان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته (نساء رکوع نمبر۲۲) بہرحال میرے نزدیک ثم الی مرجعكم الخ صرف آخرت سے متعلق نہیں بلکہ دنیا وآخرت دونوں سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ آگے تفصیل کے موقع پر فى الدنيا والآخرہ کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے اور یہ اس کا قرینہ ہے کہ الى يوم القيامة کے معنی قرب قیامت کے ہیں چنانچہ احادیث صریحہ میں مصرح ہے کہ قیامت سے پہلے ایک مبارک وقت ضرور آنے والا ہے جب سب اختلافات مٹ مٹا کر ایک دین باقی رہ جائے گا۔

چند امور اس آیت کے متعلق یاد رکھنے چاہئیں لفظ توفی کے متعلق کلیات ابوالبقا میں ہے "التوفى الاماتة و قبض الروح و عليه استعمال العامة والاستيفاء واخذالحق و عليه استعمال البلغاء" (توفی کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن بلغا کے نزدیک اس کے معنی ہیں پورا وصول کرنا اور ٹھیک لینا) گویا ان کے نزدیک موت پر بھی "توفی" کا اطلاق اسی حیثیت سے ہوا کہ موت میں کوئی عضو خاص نہیں بلکہ خدا کی طرف سے پوری جان وصول کرلی جاتی ہے اب اگر فرض کرو خدا تعالیٰ نے کسی کی جان بدن سمیت لے لی تو اسے بطریق اولیٰ "توفی" کہا جائے گا۔ جن اہل لغت نے توفی کے معنی قبض روح کے لکھے ہیں انہوں نے یہ نہیں کہا کہ قبض روح مع البدن کو توفی نہیں کہتے نہ کوئی ایسا ضابطہ بتلایا ہے کہ جب توفی کا فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو تو بجز موت کے اور کوئی معنی نہ ہوسکیں

ہاں چونکہ عموماً قبض روح کا وقوع بدن سے جدا کر کے ہوتا ہے۔ اس لئے کثرت و عادت کے لحاظ سے اکثر موت کا لفظ اس کے ساتھ لکھ دیتے ہیں۔ ورنہ لفظ کا لغوی مدلول قبض روح مع البدن کو شامل ہے دیکھئے **اللہ یتوفی الانفس حین موتھاوالتی لم تمت فی منامھا** (زمر رکوع ۵) میں "**توفی نفس**" (قبض روح) کی دو صورتیں بتلائیں موت اور نیند اس تقسیم سے نیز "**توفی**" کو "**انفس**" پر وارد کر کے اور **حین موتھا** کی قید لگا کر بتلا دیا کہ توفی اور موت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قبض روح کے مختلف مدارج ہیں ایک درجہ وہ ہے جو موت کی صورت میں پایا جائے دوسرا وہ جو نیند کی صورت میں ہو۔ قرآن کریم نے بتا دیا کہ وہ دونوں پر توفی کا لفظ اطلاق کرتا ہے کچھ موت کی تخصیص نہیں۔ **یتوفاکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنھار** (انعام رکوع نمبر ۷) اب جس طرح اس نے دو آیتوں میں نوم پر توفی کا اطلاق جائز رکھا حالانکہ نوم میں قبض روح بھی پورا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر آل عمران اور مائدہ کی دو آیتوں میں توفی کا لفظ قبض روح مع البدن پر اطلاق کر دیا گیا تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔ بالخصوص جب یہ دیکھا جائے کہ موت اور نوم میں لفظ توفی کا استعمال قرآن کریم ہی نے شروع کیا ہے جاہلیت والے تو عموماً اس حقیقت سے ہی نا آشنا تھے۔ کہ موت یا نوم میں خدا تعالیٰ آدمی سے کوئی چیز وصول کر لیتا ہے اسی لئے لفظ توفی کا استعمال موت اور نوم پر ان کے یہاں شائع نہ تھا۔ قرآن کریم نے موت وغیرہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے اول اس لفظ کا استعمال شروع کیا تو اسی کو حق ہے کہ موت و نوم کی طرح اخذ روح مع البدن کے نادر مواقع میں بھی اسے استعمال کرے۔

بہر حال آیت حاضرہ میں جمہور کے نزدیک "**توفی**" سے موت مراد نہیں اور ابن عباس سے بھی صحیح ترین روایت یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے کما فی روح المعانی وغیرہ زندہ اٹھائے جانے یا دوبارہ نازل ہونے کا انکار سلف میں کسی سے منقول نہیں بلکہ تلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ابن کثیر وغیرہ نے احادیث نزول کو متواتر کہا ہے اور "اکمال اکمال المعلم" میں امام مالک سے اس کی تصریح نقل کی ہے۔ پھر جو معجزات حضرت مسیح علیہ السلام نے دکھلائے ان میں علاوہ دوسری حکمتوں کے ایک خاص مناسبت آپ کی رفع الی السماء کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

آپ نے شروع ہی سے متنبہ کر دیا کہ جب مٹی کا ایک پتلا میرے پھونک مارنے سے باذن اللہ پرند بن کر اوپر اڑا چلا جاتا ہے کیا وہ بشر جس پر خدا نے روح اللہ کا لفظ اطلاق کیا اور روح القدس کے نفخہ سے

پیدا ہوا یہ ممکن نہیں کہ خدا کے حکم سے اڑ کر آسمان تک چلا جائے جس کے ہاتھ لگانے یا دو لفظ کہنے پر حق تعالیٰ کے حکم سے اڑ کر آسمان تک چلا جائے جس کے ہاتھ لگانے یا دو لفظ کہنے پر حق تعالیٰ کے حکم سے اندھے اور کوڑھی اچھے اور مردے زندہ ہو جائیں اگر وہ اس موطن کون و فساد سے الگ ہو کر ہزاروں برس فرشتوں کی طرح آسمان پر زندہ اور تندرست رہے تو کیا استبعاد ہے۔ **قال قتادہ فطار مع الملائكة فهو معهم حول العرش وصار انسياً ملكياً سماوياً ارضياً (بغوی)۔** (قرآن کریم مفسر حقانی سورہ نمبر ۳ ص ۷۷)

فاضل محقق مفسر کی مذکورہ تفسیر کو تنقیدی حیثیت سے مطالعہ کیا جائے اور مبصرانہ نظر سے تفسیری قدروں پر غور کیا جائے تو حسب ذیل خصوصیات کا پتہ چلتا ہے:۔

تفسیر متقدمین اہلسنت والجماعت کے مسلک پر ہے چنانچہ امت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ اور احادیث متواتر کے پیش نظر منطقی اور فلسفہ مادی نظریات کے اشکالات مولانا کے خیالات کو مغلوب نہیں کر سکے۔ مولانا منقولات صحیحہ کے مقابلہ میں معقولات ناقصہ کو مغلوب سمجھتے ہیں اور منقولات کے لئے مدلل تائیدات کے ہتھیار لے کر قوت علمیہ کی روشنی میں فلسفہ کا مقابلہ کرتے ہیں وہ باوجود بہترین منطقی اور فلسفی ہونے کے منقولات شرعی پر معقولات کا ہاتھ اونچا نہیں رکھتے لیکن معقولات ہی کی روشنی میں منقولات کو ثابت کرتے ہیں۔ جا بجا سلف کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ احادیث صحیحہ کو ہر حال میں اپنی تفسیر کا سہارا بناتے ہیں۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی میں سلف صالحین یعنی حافظ ابن حجر، ابن کثیر، قتادہ اور اجماع کو نقل کر کے مسئلہ رفع کا یقینی پہلو متعین کیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور واپس آنے پر احادیث صحیحہ اور آیت قرآنی سے تفسیر کی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس کا قول اور **ليؤمنن به قبل موته** سے پیش کی ہے۔ **ثم الی مرجعكم** میں دین مصطفوی کا تمام لوگوں کو اختیار کرنے کی طرف صراحت اور **فی الدنیا والآخرہ** کا قرینہ کر دنیا میں بھی دین محمدی کی طرف لوٹ کر آنا گویا اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ یہ تفسیری موشگافیاں مولانا حقانی کی پختگی درایت پر دال ہیں اور ان کے تفسیری کمال پر روشن اور واضح نشانات ہیں۔

لفظ توفی پر ابوالبقا کا قول نقل کر کے اور قرآنی روشنی اور آیات سے تائید مزید پیش کر کے نہایت محققانہ لغوی بحث کی ہے یہ لغوی بحث جو نہایت منصفانہ انداز میں کی گئی ہے۔ دل کو اپیل کرتی ہے اور مستقیم طبیعت اس کو قبول کرتی ہے۔ توفی کی بحث کے ماتحت جبکہ توفی کا فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو تو موت ہی مراد لینے کی نفی کر کے علم نحو کے ایک نکتہ کو حل کیا ہے نیز بلغا کے نزدیک توفی

کے معنی پر روشنی ڈال کر بلاغت معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور سب سے بہترین چیز جو تفسیر میں ہے وہ مولانا حقانی کا طرز استدلال، ترتیب مضمون، عبارت کا ادبی شکوہ اور شوکت ہے جس سے ان کے دماغ کی صفائی اور جودت کا پتہ چلتا ہے۔ گویا صرف اسی ایک تفسیری ٹکڑے میں کتنے ایک نمونے موجود ہیں جو مولانا کی تفسیری اہلیت کا پتہ دیتے ہیں اور جس سے مولانا کا علم حدیث، علم اصول فقہ، علم عقائد، علم نحو، علم معانی، علم ادب، علم لغت، علم مناظرہ پر عبور کا پتہ چلتا ہے۔ یہی مطلب ہے مولانا عبدالماجد دریابادی کا کہ مولانا نے اپنی تفسیر کا مدار اہلسنت والجماعت کے مسلک پر رکھا ہے۔ صرف اسی ایک آیت رفع عیسیٰ علیہ السلام کی تفسیر میں مولانا کو کتنی محنت اٹھانا پڑی اور کتنی کتابیں دیکھنی پڑی ہیں۔ ان کے حوالے خود آپ کے سامنے ہیں مثلاً کلیات ابوالبقاء روح المعانی، تلخیص الحبیر حافظ ابن حجر اکمال اکمال المعلم ابن کثیر قتادہ کا قول بواسطہ بغوی۔

حوالہ ہائے کتب و اقوال

علامہ مفسر نے اپنی تمام تفسیر میں جتنی کتابوں کا مطالعہ فرمایا اور حوالہ دیا ہے ان میں تمام کا تو نہیں البتہ سرسری طور پر جتنی کتابوں کے حوالے میں نے پڑھے ہیں وہ حسب ذیل پیش کرتا ہوں جس سے آپ کو ان کے تفسیری مطالعہ کا اندازہ ہو سکے گا۔

بخاری، مسلم، ترمذی، طحاوی، خفاجی، تورات، انجیل، دائرۃ المعارف فرید وجدی، معجم البلدان علامہ یاقوت، تفسیر عزیزی، آکام المرجان فی احکام الجان، جلالین، تلخیص الحبیر، حافظ ابن حجر، اکمال اکمال المعلم ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر کبیر امام رازی روح المعانی فتح القدیر، شامی، الجواب الصحیح ابن تیمیہ، الفارق بین المخلوق والخالق، سیرت محمد ابن اسحاق، تاریخ فرشتہ، بیان القرآن مولانا تھانوی، موضح القرآن شاہ عبدالقادر، قبلہ نما مولانا محمد قاسم، احکام القرآن ابوبکر رازی حنفی، اسفار اربعہ صدر شیرازی، البحر ابوحیان، تفسیر حقانی مولانا عبدالحق، عقیدۃ المسیح شاہ انور شاہ، ارض القرآن سلیمان ندوی، طبرانی، درمنثور، حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ارض النجوم، آب حیات مولانا محمد قاسم، البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع، حوار، فتوحات شیخ اکبر، مدارک، کتاب الفصل ابن حزم، تلخیص ذہبی، زیلعی کی تخریج ہدایہ، مسند احمد، طبرانی، کلیات ابوالبقا، عقیدۃ الاسلام، الیواقیت والجواہر عبدالوہاب شعرانی، بدائع الفوائد ابن قیم، مستدرک از حاکم، روح البیان، تلخیص الحبیر

یہ تو تھیں کتابیں لیکن ان کے علاوہ ابن عباس، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ، اقوال جنید بغدادی، وصیت بعض حکماء، اعمش، سیبویہ نحوی، ابن جریج، امیر عبدالرحمٰن خان، بنت قیس،

ابن مبارک، ابوحیان، ابن سینا، زمخشری، ابن تیمیہ کے اقوال جابجا پیش کیے ہیں۔

متقدمین اور علامہ مفسر

حضرت مفسر جہاں متقدمین مفسرین اور اہل سنت والجماعت کی راہ پر چلتے ہیں وہاں ان میں باہمی ایک دوسرے کی مروی تفسیر میں تائید و ترجیح کی قوت اور رطب و یابس میں تمیز کی لیاقت رکھتے ہیں اور ان پر جرح و قدح بھی کرتے ہیں۔ مثلاً شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر اقوال جو انہوں نے متقدمین سے لئے ان کو اپنی تفسیر میں تائیداً پیش کرتے ہیں لیکن جہاں ان کا ذوق سلیم نہیں مانتا وہاں وہ معقول مخالفت بھی کر جاتے ہیں اسی طرح حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، ابن کثیر اور روح المعانی وغیرہ کی تائید جہاں تائید مناسب ہو اور ان پر معقول ترجیح جہاں ترجیح کی مصلحت ہو بلا تکلف کرتے ہیں۔ اس قسم کی تائید و ترجیح کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

تائید شیخ الہندؒ

حسب ذیل آیت کا ترجمہ شیخ الہند نے جس ترتیب سے کیا ہے اس کا بغور مطالعہ کیجئے باری تعالیٰ منافقین کے متعلق فرماتے ہیں:۔

ولو نشآء لارینٰکهم فلعرفتهم بسیمٰهم ولتعرفنهم فی لحن القول (محمد رکوع نمبر ۴)

اور اگر ہم چاہیں تو تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ سو تو پہچان تو چکا ہے ان کو ان کے چہرہ سے اور آگے پہچان لے گا ان کے ڈھب سے (ترجمہ شیخ الہند)

علامہ مفسر عثمانی شیخ الہند کے ترجمہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے تفسیر میں لکھتے ہیں:

"شیخ الہند کے ترجمہ میں یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو آپ سے منافقین کو نام بنام بتلا دیں لیکن آپ ان کے چہرے سے پہچان چکے ہیں اور آئندہ ان کے ڈھب سے پہچان لیں گے۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر ایسی کی ہے جو شیخ الہند کے ترجمہ کے خلاف پڑتی ہے یعنی اگر ہم چاہیں تو تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ پھر تو پہچان جائے ان کی صورت دیکھ کر"۔ (یعنی ابھی پہچانا نہیں)۔

حضرت عثمانی نے ان دونوں تفسیروں میں شیخ الہند کے ترجمہ سے جو تفسیر نکلتی ہے اس کی تائید کی ہے۔ چنانچہ موصوف تفسیر کر چکنے کے بعد تنبیہ میں واضح فرماتے ہیں:۔

(تنبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے **فلعرفتهم** کو لو نشآء کے نیچے نہیں رکھا۔ عامہ

مفسرین اس کو لو نشاء کے تحت میں رکھ کر لاریتکھم پر متفرع کرتے ہیں یعنی ہم چاہیں تو تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ پھر تو پہچان جائے صورت دیکھ کر۔

احقر (مولانا عثمانی) کے خیال میں مترجم (شیخ الہند) کی تفسیر زیادہ لطیف ہے واللہ اعلم۔

(حم محمد رکوع نمبر ۸)

مذکورہ آیت کے ترجمہ میں علامہ مفسر نے اپنے استاذ شیخ الہند کی تائید کی ہے اور ان کے ترجمہ سے جو کچھ تفسیر معلوم ہوتی ہے اس کو حضرت عثمانی نے زیادہ لطیف فرمایا ہے۔

تائید شاہ عبدالقادر صاحبؒ

جیسا کہ پہلے بھی اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ علامہ مفسر نے شاہ عبدالقادر صاحب کے اقوال جابجا اپنی تفسیر میں پیش کئے ہیں اور ان کی تائید کی ہے۔ یہاں پر خصوصی طور سے ان کی تائید میں حسب ذیل تفسیر ملاحظہ ہو۔ مثلاً قوم یونس کی توبہ باوجود آثار عذاب قبول ہو جانے اور فرعون کی توبہ قبول نہ ہونے کے بارے میں علماء میں مبسوط اور مفصل بحثیں ہوئی ہیں لیکن علامہ مفسر نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی تفسیر کو سراہا ہے۔ آیت یہ ہے:۔

فلولا کانت قریۃ امنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس لما امنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا و متعنٰھم الیٰ حین

بس کیوں نہ ہوئی کوئی بستی جو ایمان لائی کہ اس کو اس کے ایمان نے نفع دیا ہو سوائے قوم یونس کے جب وہ ایمان لے آئے تو دنیا کی زندگی میں ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ہٹا دیا۔ اور ایک وقت تک کیلئے انہیں رہنے کا موقع دیا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شاہ (عبدالقادر) صاحب نے نہایت لطیف و دقیق نظر میں آیت کی تفسیر کی ہے یعنی دنیا میں عذاب دیکھ کر یقین لانا کسی کو کام نہ آیا۔ مگر قوم یونس کو اس واسطے کہ ان پر حکم عذاب کا نہ پہنچا تھا۔ حضرت یونس کی شتابی سے محض صورت عذاب کی نمودار ہوئی تھی (تا ان کی نظر میں حضرت یونس کی بات جھوٹی نہ ہو) اور ایمان لائے پھر بچ گئے اور صورت عذاب ہٹالی گئی۔

تحسین شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

علامہ مفسر و یحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمنیۃ (یعنی اس دن آٹھ فرشتے اپنے رب کا عرش اٹھائیں گے) کی تفسیر لکھتے ہوئے آٹھ فرشتوں کی خصوصیت کے سلسلہ میں شاہ

عبدالعزیز صاحب کی تفسیر عزیزی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"تفسیر عزیزی میں اس عدد کی حکمتوں اور ان فرشتوں کے حقائق پر بہت دقیق و بسیط بحث کی ہے۔ جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے"۔ (قرآن کریم تفسیر عثمانی ص ۷۲۹ح ف ۳)

یا علامہ عثمانی اللہ تعالیٰ کا قیامت کے روز اپنی ساق دکھانے کے بارے میں **یوم یکشف عن ساق** کی تفسیر کے ماتحت متشابہات کی بحث لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت شاہ عبدالعزیز نے اس آیت کشف ساق کی تفسیر میں نہایت عالی اور عجیب تبصرہ متشابہات پر کیا ہے"۔ (ص ۷۴۴ح ف ۳)

حوالہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ

اس طرح علامہ مفسر نے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مضامین عالیہ کے اقتباسات اپنی تفسیر میں پیش کرتے ہوئے ان کو بہت سراہا ہے مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں اور ماں باپ کے سجدے کے سلسلہ میں مولانا عثمانی نے **و رفع ابویہ علی العرش و خروا لہ' سجدا** یعنی یوسف نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں گر گئے کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ غیر اللہ کی تعظیم کلیۃً ممنوع نہیں البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے، جس کی اجازت ایک لحہ کے لئے بھی کبھی نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ سجود عبادت یعنی غیر اللہ کو کسی درجہ میں نفع و ضرر کا مستقل مالک سمجھ کر سجدہ کرنا شرک جلی ہے جس کی اجازت کبھی کسی ملت سماوی میں نہیں ہوئی۔ ہاں سجود تعظیم یعنی عقیدہ مذکورہ بالا سے خالی ہو کر محض تعظیم و تکریم کے طور پر سر بسجود ہونا پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کی بھی جڑ کاٹ دی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اقسام شرک پر جو دقیق بحث کی ہے اسے دیکھنا چاہیئے۔" (قرآن کریم ص ۳۱۹ ف ۷)۔

مذکورہ تفسیر میں غیر اللہ کو سجدہ عبادت و سجدہ تعظیمی کے سلسلہ میں علامہ مفسر نے شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ کا حوالہ دیکر مضمون بالا کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی بحث کو عمدہ اور دقیق کہہ کر تائید و تصویب کی ہے۔

میری غرض ان چند مثالوں سے یہ ہے کہ حضرت عثمانی متقدمین اور متاخرین کے تفسیری مضامین کو جا بجا اپنی تفسیر میں لا کر ان کو خراج تحسین پیش کرتے چلے گئے ہیں۔ مگر معاملہ صرف تائید پر ہی نہیں رہتا بلکہ تفسیر میں علامہ مفسر کا اپنا ایک خاص مقام بھی ہے وہ محض اس تنکے کی مانند ہی نہیں

ہیں جو دریا کی سطح پر موجوں کے سامنے عاجز ہو کر بہا چلا جا رہا ہو بلکہ علامہ مفسر متقدمین اور متاخرین کے بہت سی تفسیری خیالات سے مودبانہ مگر محققانہ اختلاف بھی رکھتے ہیں اور اپنے مایہ ناز سرمایہ علم تفسیر کے باعث اپنا ایک ترجیحی اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی آپ کے سامنے یکے بعد دیگرے ان اختلافات کی مثالیں آ رہی ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

حضرت شیخ الہند سے اختلاف

اساتذہ سے علمی مودبانہ اختلاف ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ امام یوسفؒ امام محمدؒ اور امام زفر رحمہم اللہ تعالیٰ کو اپنے استاذ امام ابوحنیفہ سے اکثر اجتہادی اختلاف رہا ہے بلکہ کتنے ایک مسائل میں تلامذہ کے اقوال پر فتوے جاری کئے گئے ہیں۔ اسی طرح کا اختلاف مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمۃ کو اپنے استاذ شیخ الہندؒ سے مختلف تفسیری مواقع پر ہوا ہے۔ مفسر علام **خذمن اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم** کی تفسیر کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

درآنحالیکہ شیخ الہندؒ نے صدقہ کا ترجمہ زکوٰۃ کیا ہے اور لکھا ہے "لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے"۔

(تفسیر عثمانی) صدقہ کا ترجمہ مترجم محقق نے زکوٰۃ کیا ہے لیکن اگر لفظ صدقہ کو عام رکھا جاتا جو زکوٰۃ اور صدقات نافلہ سب کو شامل ہوتو بہتر تھا کیونکہ اکثر روایات کے مطابق یہ آیت ان ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو بعد معافی تکمیل توبہ کے طور پر صدقہ لے کر حاضر ہوئے تھے"۔ (التوبہ پارہ نمبر ۱۱ رکوع نمبر ۲)

آیت کے نزول کا محل یقیناً عثمانی علیہ الرحمۃ کے خیال کی تائید کرتا ہے۔

امام رازیؒ

مولانا عثمانی **قدجاءتكم موعظة من ربكم وشفاء لما في الصدور وهدى ورحمة للمومنين** (تمہارے پاس آئی ہے نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"یہ سب صفات قرآن کریم کی ہیں۔ قرآن اول سے آخر تک نصیحت ہے جو لوگوں کو مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے دلوں کی بیماریوں کے لئے نسخہ شفا ہے وصول الی اللہ اور رضائے خداوندی کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو دنیا و آخرت میں رحمت الہیہ کا مستحق ٹھہراتا

ہے۔ امام فخر الدین رازی نے جو تقریر کی ہے اس میں ان چار لفظوں سے شریعت، طریقت، حقیقت اور نبوت وخلافت کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں اور نہ اس قسم کے مضامین میں خالص تفسیر کی مد میں آسکتے ہیں"۔ (قرآن کریم مع تفسیر عثمانی ص ۲۷۵ حاشیہ نمبر ۱۰)

مفسر عثمانی نے آیت مذکورہ بالا کی جن بے تکلف سادہ لفظوں میں تفسیر کی ہے وہ آپ کے سامنے ہے انہوں نے اس تفسیر کے بعد امام رازی کی صوفیانہ تفسیر کو اشارۃً رد کر دیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ علماء کے نزدیک صوفیانہ تفسیر کو خالص تفسیر میں داخل نہیں کرنا چاہئے۔ بہر حال علامہ عثمانی نے امام رازیؒ سے اس مقام پر اختلاف کیا ہے۔

ابن کثیر اور حضرت عثمانی

مفسر محقق عثمانی نے اپنی تفسیر میں جا بجا ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اور تحقیقات کو پیش کیا ہے اور ان کی محققانہ تفسیر کی داد دی ہے لیکن مختلف مواقع میں ان سے اختلاف بھی کیا ہے مثلاً **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون** (یونس رکوع نمبر ۱۲) کی تفسیر میں ابن کثیر کی تحقیق نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ابن کثیر نے روایات حدیثہ کی بنا پر اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "اولیاء اللہ (خدا کے دوستوں) کو آخرت میں اہوال محشر کا کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہوں گے۔ میرے نزدیک **لاخوف علیھم** کا مطلب یہ لیا جائے کہ اولیاء اللہ پر کوئی خوفناک چیز (ہلاکت یا معتد بہ نقصان) دنیا و آخرت میں واقع ہونے والی نہیں۔ اگر فرض کیجئے کہ دنیا میں صورۃً کوئی نقصان پیش بھی آئے تو چونکہ نتیجتاً وہ ان کے حق میں نفع عظیم کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے اس کو معتد بہ نقصان نہیں کہا جا سکتا ہے۔ رہا کسی سبب دنیوی یا اخروی کی وجہ سے ان کو کسی وقت خوف لاحق ہونا وہ آیت کی اس تقریر کے منافی نہ ہوگا۔ کیونکہ آیت نے صرف یہ خبر دی ہے کہ ان پر کوئی خوفناک چیز نہ پڑے گی۔ یہ نہیں کہا کہ "انہیں کسی وقت خوف لاحق نہ ہوگا۔ شاید **لایحزنون** کے مناسب **لایخافون** نہ فرماتے اور **لاخوف** کی تعبیر اختیار کرنے میں یہی نکتہ ہو۔ باقی **لایحزنون** کا تعلق میرے خیال میں مستقبل سے ہے یعنی موت کے وقت اور موت کے بعد غمگین نہ ہونگے۔

علامہ عثمانی نے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے علاوہ جو تفسیر کی ہے وہ اس قدر مناسب الفاظ میں کی ہے کہ تمام عقلی گتھیاں سلجھ کر رہ جاتی ہیں اور دنیاوی تکلیفوں کے پیش آنے کا اولیاء اللہ

پراعتراض بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ جس سے ابن کثیرؒ بچ کر چلے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تفسیروں سے مولانا عثمانیؒ کا اختلاف

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطن ثم یحکم اللہ ایتہ واللہ علیم حکیم (پارہ ۱۷ سورہ حج رکوع ۱۳)

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں پھر اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کا ملایا ہوا پھر پکی کر دیتا ہے اپنی باتیں اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا (ترجمہ شیخ الہند)

''آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مترجم محقق (شیخ الہند) قدس اللہ سرہ نے اپنے پیشرو[1] شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی روش اختیار فرمائی ہے جس کی طرف شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے آخر میں اشارہ کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب ''موضح القرآن'' میں لکھتے ہیں ۔''نبی کو ایک حکم (یا ایک خبر) اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ اس میں ہرگز ذرہ برابر تفاوت نہیں ہو سکتا اور ایک اپنے دل کا خیال (اور رائے کا اجتہاد) ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے اور کبھی نہیں جیسے حضرت صلعم نے خواب میں دیکھا (اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) کہ آپ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔ خیال میں آیا کہ شاید اسی سال ایسا ہوگا (چنانچہ عمرہ کی نیت سے سفر شروع کیا لیکن درمیان میں احرام کھولنا پڑا) اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی یا وعدہ ہوا کہ کافروں پر غلبہ ہو گا خیال آیا کہ اب لڑائی میں۔ اس میں نہ ہوا بعد کو ہوا۔ پھر اللہ جتلا دیتا ہے کہ جتنا حکم یا وعدہ تھا اس میں سر مو تفاوت نہیں''۔ ہاں نبی کے ذاتی خیال و اجتہاد میں تفاوت ہو سکتا ہے گو نبی اصل پیشنگوئی کے ساتھ ملا کر اپنے ذاتی خیال کی اشاعت نہیں کرتا بلکہ دونوں کو الگ رکھتا ہے۔ باقی اس صورت میں القاء کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہوگی جیسے **وما انسانیہ الا الشیطن ان اذکرہ** میں انساء کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

احقر (مولانا شبیر احمد صاحب) کے نزدیک بہترین اور سہل ترین تفسیر وہ ہے جس کی

---

[1] شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ علیہ کو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا پیشرو اس لئے کہا گیا ہے کہ موخر الذکر نے ترجمہ ہی کو بدل کر پیش کیا ہے۔

مختصر اصل سلف سے منقول ہے۔ یعنی تمنی کو بمعنی قرأت و تلاوت یا تحدیث کے اور امنیت کو بمعنی متلو[۱] یا حدیث کے لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے شیطان اس بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے یعنی بعض باتوں کے متعلق بہت لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً نبی نے آیت **حرمت[۲] علیکم المیتۃ** الخ پڑھ کر سنائی۔ شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ کا مارا ہوا حرام کہتے ہیں۔ یا آپ نے **انکم[۳] وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم** پڑھا اس نے شبہ ڈالا کہ **ماتعبدون من دون اللہ** میں حضرت مسیح و عزیر اور ملائکۃ اللہ بھی شامل ہیں یا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق پڑھا **کلمتہ[۴] القاھا الیٰ مریم و روح منہ** شیطان نے سمجھایا کہ اس سے حضرت مسیح کی ابنیت والوہیت ثابت ہوتی ہے۔ اس القاء شیطانی کے ابطال و رد میں پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی پکی باتیں بتلاتے ہیں جن کو سن کر شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے۔ گویا متشابہات کی ظاہری سطح کو لے کر شیطان جو اغوا کرتا ہے۔ آیات محکمات اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں جنہیں سن کر تمام شکوک و شبہات ایک دم کافور ہو جاتے ہیں۔ الخ

مذکورہ آیت کی تفسیر اور ترجمہ میں حضرت شیخ الہندؒ حضرت شاہ عبدالقادر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ کی متفقہ تفسیر کو بیان کر کے مولانا عثمانی نے اپنے نزدیک دوسری تفسیر کو زیادہ بہتر کہا ہے اور اس کو نظائر اور امثلہ سے مدلل بنایا ہے۔

اختلاف

وہ تفسیر جس میں عامہ مفسرین ہی نہیں بلکہ کتنے ایک خاص مفسرین بھی مبتلا ہوئے ہیں لیکن ان کی تائید میں کوئی صحیح حدیث یا آثار نہیں اور نہ ہی درایت اس کو قبول کرتی ہے مولانا عثمانی ان کی سختی سے تردید فرماتے ہیں اور اس صحت مند تفسیر کی تائید فرماتے ہیں۔ جو کسی نہ کسی دیدہ ور مفسر کے کلام میں مل جاتی ہے۔ مثلاً سورہ نجم میں **افرءیتم اللّٰت والعزیٰ ومنوۃ الثالثۃ الاخریٰ** کے متعلق کتب تفسیر میں لکھا ہوا ہے کہ

---

[۱] یعنی تلاوت کیا گیا [۲] تم پر مردار کو حرام کیا گیا۔ [۳] تم اور اللہ کے سوائے تمہارے معبود جہنم کے ایندھن ہیں۔
[۴] اللہ کا کلمہ جو مریم کی طرف ڈالا اور اس کی روح۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شیطان نے تصرف کیا اور جب حضرت نے مذکورہ آیت پڑھی تو اس میں اس طرح کی عبارت حضرت کی زبان پر جاری ہو گئی جس سے بتوں کی مدح سرائی ہوتی ہے۔ پھر کیا تھا کفار نے آنحضرتؐ کے متعلق شہرت کر دی کہ انہوں نے بتوں کو تسلیم کر لیا۔

واللات[1] والعزیٰ ومنات الثالثۃ الاخریٰ ھؤلاء الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ

اور لات اور عزیٰ ایک اور تیسرا منات۔ یہ غرانیق علی ان کی شفاعت کی البتہ امید کی جاتی ہے۔

مولانا عثمانی آیت افرء یتم اللّٰت والعزیٰ کی تفسیر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

''کتب تفسیر میں اس موقع پر ایک قصہ نقل کیا ہے جو جمہور محدثین کے اصول پر درجہ صحت کو نہیں پہنچتا اگر فی الواقع اس کی کوئی اصل ہے تو شاید یہی ہوگی کہ آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورۃ پڑھی۔ کفار کی عادت تھی کہ لوگوں کو قرآن سننے نہ دیں اور بیچ میں گڑبڑ مچا دیں۔ کما[2] **قال تعالیٰ و قال الذین کفروا لاتسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون** (حم السجدہ رکوع ۴) جب یہ آیت پڑھی تو کسی کافر شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ہی کے لب ولہجہ سے وہ الفاظ کہہ دیئے ہوں گے جو ان کی زبان پر چڑھے تھے۔ **تلک الغرانیق العلی** الخ۔ آگے تعبیر داداتمیں تصرف ہوتے ہوتے کچھ کا کچھ بن گیا۔ ورنہ ظاہر ہے نبی کی زبان پر شیطان کو ایسا تسلط کب حاصل ہو سکتا ہے جس چیز کا ابطال[3] آگے کیا جا رہا ہے۔ اس کی مدح سرائی کے کیا معنی۔

مولانا عثمانی کی اس تفسیر میں درایت کی صحت مندانہ حقیقت پائی جاتی ہے اور **لاتسمعوا لھذا القرآن** والی آیت سے مطابقت ان کے حسن تفسیر پر بین دلیل ہے پھر جمہور محدثین کے نظریات کا مطالعہ مولانا عثمانی کے فن حدیث میں بصیرت پر دال ہے جس کا ایک مفسر کو جاننا ضروری ہے۔

---

[1] لات' عزیٰ' منات مشہور بتوں کے نام ہیں۔ علامہ یاقوت نے معجم البلدان میں یہ ترتیب نقل کی ہے اور لکھا ہے قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے۔ واللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ (تفسیر مولانا عثمانی نجم رکوع نمبر ۱)

[2] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور اس میں گڑبڑ مچا دو تا کہ تم چھا جاؤ"

[3] یعنی اگلی بعد کی آیت وکم من ملک فی السموٰت لا تغنی شفاعتھم شیئا اور ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم واباء کم ماانزل اللہ بھا من سلطٰن

رد اسرائیلیات

مولانا عثمانی ایسے اسرائیلیات اور من گھڑت قصوں کی بھی اپنی تفسیر میں تائید نہیں کرتے جو دیگر کتب تفسیر میں غیر ذمہ دارانہ طور پر تیز درایت کے خلاف بعض نے لکھے ہیں۔ بلکہ بعض خواص نے بھی تحریر کئے ہیں۔ اور ان کی تائید کسی حدیث صحیح سے نہیں ملتی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اسرائیلیات پر اعتماد کر کے بعض مفسرین نے قرآن کریم کی حسب ذیل آیت کی تفسیر کی ہے جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کی شان نبوت پر سخت الزام عائد ہوتا ہے۔ آیت یہ ہے:۔

وهل اتٰک نبؤ الخصم اذتسوروا المحراب اذدخلوا علیٰ داوٗد ففزع منهم قالوا لاتخف خصمٰن بغی بعضنا علیٰ بعض فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط واهدنا الیٰ سوآء الصراط ان هٰذا اخی له تسع و تسعون نعجة ولی نعجة واحدة فقال اکفلنیها وعزنی فی الخطاب

(سورہ ص پارہ نمبر ۲۳ رکوع نمبر ۱۱)

اور کیا آپ کو اہل دعویٰ کی خبر آئی جبکہ وہ دیوار پھلانگ کر عبادت خانہ میں آئے جب وہ شخص آئے تو داؤد ان سے گھبرائے انہوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم دو اہل مقدمہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ لہذا ہمارا صحیح فیصلہ کر دیجئے۔ اور زیادتی نہ کیجئے اور ہم کو معانی کی سیدھی راہ بتا دیجئے یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے سو یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں مجھے دباتا ہے۔

اس آیت کی بہت سے مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ننانوے بیویاں تھیں ان کے ایک پڑوسی کی جس کا نام اوریا تھا بیوی پر داؤد علیہ السلام کی نظر پڑ گئی چاہا کہ اس کو بھی اپنے نکاح میں لے آئیں۔ اس عورت کا خاوند داؤد علیہ السلام کے لشکر کا سپاہی تھا اور زندہ موجود تھا۔ چنانچہ اس کو لڑائی میں حضرت داؤد علیہ السلام نے تابوت سکینہ جس میں تبرکات موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہوا کرتے تھے اور جنگ میں برکت و فتح کے لئے اس کو سب سے آگے رکھا جاتا تھا۔ اوریا کو اس سے بھی آگے رکھا تاکہ یہ شخص مارا جائے چنانچہ وہ مارا گیا اور انہوں نے اوریا کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو اس طرح کا مقدمہ پیش کر کے فیصلہ کرایا تاکہ وہ خود ہی اپنے فیصلہ میں ماخوذ ہو جائیں۔

اس تفسیر کا ماخذ اسرائیلیات ہیں مگر یہ نبی کی شان کے خلاف امر ہے۔ علماء کو اس تفسیر پر مجبوری یہ پیش آئی ہے کہ آگے داؤد علیہ السلام نے **فاستغفر ربہٗ وخرّ راکعاً واناب** یعنی استغفار کیا اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع کیا۔ آخر کسی غلطی کی بنا پر ہی تو انہوں نے توبہ کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے **فغفرنا لہ ذٰلک** فرمایا یعنی ہم نے ان کا گناہ بخش دیا۔ بظاہر اور کوئی غلطی بھی یہاں نظر نہیں آئی جس سے توبہ کی گئی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اس تفسیر کو اپنا مطمح نظر بنالیا۔

مولانا شبیر احمد صاحب نے اس تفسیر کو اپنے ذوق سلیم سے تسلیم نہیں کیا بلکہ ان کی تحقیقات نے بعض خاص مفسرین کی تائید کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

داؤد علیہ السلام کی وہ خطا کیا تھی جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے۔ اس کے متعلق مفسرین نے بہت سے لمبے چوڑے قصے بیان کئے ہیں مگر حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ ان کی نسبت لکھتے ہیں **قد ذکر المفسرون ھھنا قصۃ اکثر ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ** اور حافظ ابو محمد ابن حزم نے کتاب الفصل میں بہت شدت سے ان قصوں کی تردید کی ہے۔ باقی ابو حیان وغیرہ نے ان قصوں سے علیحدہ ہو کر آیات کا جو محمل بیان کیا ہے وہ بھی تکلف سے خالی نہیں۔

ہمارے نزدیک اصل بات وہ ہے جو ابن عباس سے منقول ہے یعنی داؤد علیہ السلام کو یہ ابتلا ایک طرح کے اعجاب کی بنا پر پیش آیا۔ صورت یہ ہوئی کہ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (یعنی نماز یا تسبیح تکبیر) میں مشغول نہ رہتا ہو (یہ اس لئے کہا کہ انہوں نے روز و شب کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں پر نوبت بنوبت تقسیم کر رکھے تھے تا کہ عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے) اور بھی کچھ اس قسم کی چیزیں عرض کیں۔ (شاید اپنے حسن انتظام کے متعلق ہوں گی) اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی ارشاد ہوا کہ داؤد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اگر میری مدد نہ ہو تو اس چیز پر قدرت نہیں پا سکتا (ہزار کوشش کرے نہیں نبھا سکے گا) قسم ہے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کر دوں گا (یعنی اپنی مدد ہٹالوں گا دیکھیں اس وقت تو کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا اور اپنا انتظام قائم رکھ سکتا ہے) داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار مجھے اس دن کی خبر کر دیجئے پس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ **اخرج ھذا الاثر الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذھبی فی التلخیص**) یہ روایت بتلاتی ہے کہ

فتنہ کی نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہئے کہ جس وقت داؤد علیہ السلام عبادت میں مشغول ہوں باوجود پوری کوشش کے مشغول نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں۔ چنانچہ آپ پڑھ چکے کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے چند اشخاص نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داؤد کو گھبرا دیا اور ان کے شغل خاص سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا۔ بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤد کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے تب داؤد کو خیال ہوا کہ اللہ نے میرے اس دعوے کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا کیا۔ الخ (قرآن کریم تفسیر عثمانی ص ۵۸۹ ملخصاً)

مولانا عثمانی کی مذکورہ بالا تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اسرائیلیات کی غیر مستند باتوں کے مؤید نہیں حالانکہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے موضح القرآن میں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فتح الرحمن میں وہی تفسیر کی ہے جو بیویوں کے ساتھ متعلق ہے۔ مولانا عثمانی نے ابوحیان کے محمل و مصداق کو بھی تکلف فرمایا ہے۔ البتہ طبیعت مستقیمہ کو جو چیز اپیل کرتی اور بھاتی ہے یعنی ابن عباس کی روایت جس کو حاکم مستدرک میں بیان کیا ہے اور جس کی ذہبی نے تلخیص میں تصویب کی ہے مولانا عثمانی نے اس کو بشد و مد پیش کیا ہے۔ اس سے مولانا کے تبحر علمی تحقیقات فاضلانہ محدثانہ نکتہ سنجی اور مفسرانہ ذوق سلیم کا پتہ چلتا ہے اور یہی ایک مفسر کا اعلیٰ درجہ کا کمال ہے۔

معاصرانہ وسعت قلبی اور مخالفانہ علمی چشمک

مولانا عثمانی متقدمین مفسرین کے باہمی اقوال مختلفہ میں جہاں اپنے تفسیری ذوق سے مودبانہ اختلاف کرتے ہیں وہاں وہ نہایت انصاف سے اپنے بعض معاصرین کی جغرافیائی تحقیقات کو اپنی تفسیر میں لا کر اپنی وسعت قلبی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مثلاً مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب ارض القرآن کا سورہ سبا رکوع نمبر ۸ میں حوالہ دے کر ملک سبا کا ذکر کیا ہے لیکن بعض جگہ صاحب ارض القرآن کا رد بھی کیا ہے۔ مثلاً سورہ سبا پارہ ۲۲ رکوع ۸ میں فجعلنٰھم احادیث و مزقنٰھم کل ممزق (ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا اور ان کو چیر کر ٹکڑے کر ڈالا) میں مولانا عثمانی لکھتے ہیں:۔

"یعنی ہم نے شیرازہ بکھیر دیا اور ان کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ اکثر خاندان ادھر ادھر منتشر ہو گئے کوئی ایک طرف کوئی دوسری طرف نکل گیا آبادیوں کے نام و نشان حرف غلط کی طرح مٹ گئے اب ان کی صرف کہانیاں باقی رہ گئیں۔ کہ لوگ سنیں اور عبرت پکڑیں ان کا وہ عظیم الشان تمدن اور شان و شکوہ سب خاک میں مل گیا۔ صاحب الارض القرآن ان کے زوال و سقوط کی توجیہ اس طرح کرتا ہے کہ "یونانیوں اور رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ پا کر ہندوستان و افریقہ کی تجارت کو

بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ بحر احمر کی راہ مصر و شام کے سواحل پر اترنے لگا۔ اس طریق سفر نے یمن سے شام تک خاک اڑا دی اور سبا کی نو آبادیاں تباہ ہو کر رہ گئیں"۔ (پارہ نمبر ۲۸ رکوع نمبر ۸)

مصنف موصوف نے یہ توجیہ مولر کی تحریر سے اخذ کی ہے ممکن ہے تباہی اور انتشار کا ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو مگر اس پر حصر کر دینا صحیح نہیں۔

تحقیق یاجوج وماجوج وسد سکندری

حضرت مفسر اپنے زمانے کے بعض خود رائے مفسرین کی جدید تحقیقات کی اپنے علمی بصائر کے انوار میں قلعی کھول کر رکھ دیتے ہیں اور ان کی دور از اجماع تفسیروں کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً اس دور کے بعض مشہور مفسر نے یاجوج وماجوج کی تفصیلات میں سد سکندری کا کیشیا کو متعین کیا ہے اور اب جدید تعلیم یافتہ طبقہ یاجوج وماجوج کو اشتراکی انسانوں کی نسل بتا رہا ہے چنانچہ روس اور چین کے کامنسٹ ان کی نظروں میں یاجوج ماجوج ہیں۔ اور قرآن کریم میں جو قرب قیامت میں ان کا حال بتایا ہے کہ من کل حدب ینسلون کہ وہ بلندیوں کو پھلانگتے ہوئے زمین پر پھیل جائیں گے۔ اس سے یہ طبقہ تبت اور روسی وچینی پہاڑوں کی حدود سے اتر کر اشتراکیت کے پھیلنے اور اشتراکیوں کے پیدا ہو جانے کو تعبیر کرتے ہیں۔ مولانا عثمانی کے سامنے قرآن وحدیث کے صحیح آثار ہیں وہ ان نشانہائے حقیقت کے آثار پر چل کر اپنی صحیح تحقیق کے سامنے غلط تحقیقات کی دھجیاں اڑتے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو حسب ذیل آیت کی تفسیر:۔

قالوا یٰذا القرنین ان یاجوج وماجوج مفسدون فی الارض فهل
نجعل لک خرجاً علیٰ ان تجعل بیننا و بینهم سداً (سورۂ کہف رکوع نمبر ۱۱)

انہوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین یاجوج وماجوج (ہمارے) ملک میں آ کر اودھم مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے لاگت کی رقم مہیا کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان دیوار بنا دیں۔

ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب و وسائل اور قوت وحشمت کو دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ ہماری تکالیف ومصائب کا سدباب اس سے ہو سکے گا اس لئے گزارش کی کہ یاجوج وماجوج نے ہمارے ملک میں اودھم مچا رکھی ہے یہاں آ کر لوٹ مار کرتے رہتے ہیں آپ اگر ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مضبوط روک قائم کر دیں جس سے ہماری حفاظت ہو جائے تو جو کچھ اس پر خرچ آئے ہم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ چاہے ہم پر ٹیکس لگا کر وصول کر لیں۔

(تنبیہ) یاجوج ماجوج کون ہیں؟ کس ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد (آہنی دیوار) کہاں ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین و مورخین کے اقوال مختلف رہے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے واللہ اعلم کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اور نووی نے فتاویٰ میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے کہ ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حوا تک نہیں پہنچتا۔ گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ ہوسکتا ہے کہ دجال اکبر جس کو تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا اسی قوم میں کا ہو۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام جو محض (مریم صدیقہ) کے بطن سے بتوسط نفخہ ملکیہ پیدا ہوئے نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کردیں گے۔ اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کرے گی اور آخرکار حضرت مسیح کی دعا سے غیر معمولی موت مرے گی۔ اس وقت یہ قوم کہاں ہے اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے سو جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے اس کو کہنا پڑے گا کہ جن قوموں ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف کسی میں بھی پایا نہیں جاتا۔ لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے۔ رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہیں ملا اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مولفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعوٰی کرنا کہ ہم تمام خشکی اور تری پر محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں۔ عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانچ سو برس پہلے تک ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جہاں تک ہم رسائی حاصل نہ کرسکے ہوں اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں۔ سمندر کی دیوار اعظم جو آسٹریلیا کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے آج کل برطانوی سائنس دان ڈاکٹر سی ایم ینگ کے زیر ہدایات اس کی تحقیقات جاری ہے یہ دیوار ہزار میل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہزار فٹ اونچی ہے جس پر بے شمار مخلوق بستی ہے جو مہم اس کام کے لئے روانہ ہوئی تھی حال میں اس نے اپنی یک سالہ تحقیقات ختم کی ہے جس سے سمندر کے عجیب و غریب اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انسان کو

حیرت واستعجاب کی ایک نئی دنیا معلوم ہو رہی ہے۔ پھر کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہم کو خشکی و تری کی تمام مخلوق کے مکمل انکشافات حاصل ہو چکے ہیں۔ بہر حال مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جب اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں اور ان واقعات کے منتظر رہیں جو مشککین و منکرین کے علی الرغم پیش آ کر رہیں گے۔

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا ویاتیک بالاخبار مالم تزود

مذکورہ بالا تحقیقات یاجوج ماجوج اور سد سکندری کے متعلق مفسر محقق کے ان تمام مجموعہ خیالات کا نچوڑ ہے جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوئی ہیں۔ مولانا نے اپنے معاصرین پر اس سلسلہ میں مناسب الفاظ میں رد کیا ہے۔ مگر ان کا نام تک نہیں لیا۔

اختلافات صحابہ میں تطابق

جہاں کسی آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوتا ہے وہاں اگر مطابقت ہو سکتی ہے تو مولانا دونوں اقوال میں تطبیق فرماتے ہیں اور اگر نہیں تو دونوں قولوں کو بیان فرما کر خموشی اختیار کرتے ہیں اور بعض مواقع پر ان میں بھی مرجح قول بیان فرما جاتے ہیں۔ مثلاً لیلۃ المعراج میں حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق رویت خداوندی اور حضرت عائشہؓ کے قول میں نفی رویت میں اس طرح تطبیق فرمائی ہے۔

”ایک خاص درجہ کی رویت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں ابن عباس کے قول کے موافق میسر ہوئی اور اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک و سہیم نہیں نیز ان ہی انوار و تجلیات کے تفاوت و تنوع پر نظر کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ شاید وہ نفی ایک درجہ میں کرتی ہوں اور یہ اثبات دوسرے درجہ میں کر رہے ہوں“۔ (ص ۱۸۳ ج ۷ ص ۱۸۹)

سورۂ دخان کی آیت فارتقب یوم تاتی السمآء بدخان مبین یغشی الناس ھذا عذاب الیم (اس دن کا انتظار کرو جس دن آسمان صاف طور پر دھواں لائے جو لوگوں کو گھیر لے یہ ہے دردناک عذاب) میں دھوئیں کے بارے میں ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کے اقوال بیان فرما کر خموشی اختیار کی ہے۔ چنانچہ مولانا نے اس آیت کے ماتحت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق دھوئیں سے قریب قیامت کا دھواں بتایا ہے اور عبداللہ ابن مسعود کا قول یہ بیان فرمایا ہے کہ دھوئیں سے مراد وہ قحط کا دھواں ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی سرکشی اور تمرد کے باعث بددعا کی تھی۔ کیونکہ قحط کے زمانہ میں آسمان و زمین کے درمیان دھواں سا معلوم ہوتا ہے اور بارش نہ ہونے

سے ویسے بھی گرد و غبار کے باعث خلا میں دھواں نظر آتا ہے۔ (قرآن کریم تفسیر عثمانی ص ۷۳۳)

مفسر علامہ کی تفسیر میں حکمت اور موعظت کا بہترین امتزاج

مولانا عثمانی کی تفسیر نہ صرف عالمانہ ہے بلکہ حکیمانہ ہے جس کو پڑھ کر قاری کا دل اس کی طرف کھنچتا ہے بھاگتا نہیں۔ اسی کا نام حکمت ہے۔ مولانا کی تقریر ہو یا تحریر تمام حکمت سے لبریز ہوتی ہے اس لئے مولانا صحیح معنی میں حکیم ملت ہیں چنانچہ مولانا **ولتکن منکم امة یدعون الیٰ الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر** کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ کام (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) وہی حضرات کر سکتے ہیں جو معروف و منکر کا علم رکھنے اور قرآن و سنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہوں ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف (نیکی) کو منکر (برائی) یا منکر کو معروف خیال کر کے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کر دے یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کے محدوث (پیدا ہو جانے) کا موجب ہو جائے یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع میں نرمی برتنے لگے الخ

(قرآن کریم ص ۸۱ ف ۱)

تفسیر میں راہ اعتدال

علامہ مفسر ضرورت سے زیادہ اور ضرورت سے کم کے درمیان تفسیری مسائل کے بیان میں معتدل راہ اختیار فرماتے ہیں اور ہر آیت میں احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً آیت **انک لاتھدی من احببت** (آپ اے نبی اس شخص کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو دوست رکھتے ہیں) میں آیت کی تفسیر بیان کر کے حضرت ابو طالب کے بارے میں مولانا نے نہایت محتاط ہو کر ضرورت کے مطابق کلام کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"حضرت شاہ (عبدالقادر) صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے اپنے چچا (ابو طالب) کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے۔ اس نے قبول نہ کیا اس پر یہ آیت اتری (موضح)

علامہ مفسر شاہ صاحب کی مذکورہ تفسیر اور شان نزول فرما کر پھر اپنی تفسیر لکھتے ہیں ملاحظہ ہو۔

"یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف راستہ بتانا ہے آگے یہ کہ کون راستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا۔ یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے اللہ کو اختیار ہے جسے قبول حق اور

وصول الی المطلوب کی توفیق بخشے"۔

گویا حضرت عثمانیؒ نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی بہ نسبت عام تفسیر کی ہے اور شاہ صاحب نے خاص ابوطالب کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد مولانا عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

(تنبیہ) جو کچھ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اس سے زائد اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ابوطالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوع بحث بنالینا غیر ضروری ہے بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پرخطر مباحث میں کف لسان کیا جائے"۔ (تفسیر عثمانی صفحہ ۵۵۸۵ فائدہ نمبر۹)

قرآن کریم کی تفسیر قرآن کریم سے

مفسر اعظم کی تفسیری خصوصیات میں ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بعض ہم معنی آیات کی تفسیر بعض آیات کے ذریعہ کرتے ہیں اور قرآن کریم کی آیت **یفسر بعضهم بعضاً** (قرآن کا بعض حصہ بعض کی تفسیر کرتا ہے) پر خصوصی نظر رکھتے ہیں۔ اور اس طرح آیات کی تفسیر کرنا کہ دوسری آیات سے اس کی وضاحت ہو جائے نہ صرف شرح صدر کا باعث ہوتی ہے بلکہ دل کو اطمینان بھی بخشتی ہے اور ایسی تفسیر مفسر کے مضامین قرآن اور آیات ہم معنی پر پورے عبور اور مہارت پر ایک روشن دلیل ہے۔ اس طرح کا نمونہ اگر آپ کو دیکھنا ہے تو حضرت مفسر کی **لقد حق القول علی اکثرهم فهم لا یؤمنون** (ان کافروں میں سے اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ نہ مانیں گے) کی تفسیر میں ملاحظہ فرمایئے جہاں آں موصوف نے نہایت خوبی سے انسانوں پر شیطان کے تسلط اور کفار کے ایمان قبول نہ کرنے پر شفا بخش بحث کی ہے لیکن چونکہ یہ بحث ذرا طویل ہے اگرچہ ضرورت کے مطابق ہے اس لئے یہاں درج کرنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم حسب ذیل آیت کی تفسیر ملاحظہ ہو جو بعض دیگر آیات سے کی گئی ہے۔ مفسر موصوف لکھتے ہیں:۔

ولقد كتبنا في الزبور من بعد الذكر ان الارض يرثها عبادي الصلحون

اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھدیا ہے کہ آخر میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔

کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنائے گا۔ چنانچہ فرمایا۔

ان الارض لله يورثها من يشآء من عباده والعاقبة للمتقين (اعراف رکوع ۱۵)

"بیشک زمین اللہ کی ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے وارث بنائے اور عاقبت متقین کے لئے ہے" (اعراف رکوع ۱۵)

اور **انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشهاد**

(مومن رکوع نمبر ۶)

اور "ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی دنیا کی زندگی میں اور جس دن کہ گواہ کھڑے ہوں گے مدد کرتے ہیں" (مومن رکوع نمبر ۶)

اور **وعداللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضیٰ لہم** (نور رکوع نمبر ۷)

اور "اللہ نے تم ایمان والوں اور عمل صالح والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ البتہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے خلیفہ بنایا ان سے پہلے لوگوں کو اور البتہ ان کے لئے ان کے دین کو مضبوط کرے گا جس کو ان کے لئے پسند کیا"۔

یہ ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے جس کی خبر اس نے اپنی کتب شرعیہ اور کتب قدریہ میں دی "لوح محفوظ" اور "ام الکتاب" میں یہ وعدہ درج کیا اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار اعلان فرمایا داؤد علیہ السلام کی کتاب "زبور" ۳۷۔۲۹ میں ہے کہ "صادق زمین کے وارث ہوں گے۔ چنانچہ اس امت میں کے کامل وفادار اور صادق بندے مدت دراز تک زمین کے وارث رہے۔ شرق و غرب میں انہوں نے آسمانی بادشاہت قائم کی۔ عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ دین حق کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بجا دیا اور نبی کریم صلعم کی پیشگوئی ان کے ہاتھوں پر پوری ہوئی **ان اللہ تعالیٰ زوی الارض فرایت مشارقہا و مغاربہا و ان امتی سیبلغ ملکہا مازوی لی منہا** اور اسی قسم کی پیشگوئی امام مہدی اور حضرت مسیح علیہا السلام کے زمانہ میں پوری ہو کر رہے گی"۔ (پارہ نمبر ۱۷ رکوع نمبر ۷)

مذکورہ تفسیر میں تین آیتوں اور ایک حدیث سے **ان الارض یرثہا عبادی الصلحون** کی تفسیر کر کے مفسر علام نے صحیح معنی میں تفسیر کا حق ادا کیا ہے۔

قرآن کی تفسیر حدیث نبوی سے

مولانا **ثلۃ من الاولین وقلیل من الاخرین** کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت شاہ (عبدالقادر) صاحب فرماتے ہیں۔ پہلی کہا پہلی امتوں کو اور پچھلی یہ امت (محمدیہ) یا پہلے پچھلے اسی امت کے (مراد ہوں) یعنی اعلیٰ درجہ کے لوگ پہلے بہت ہو چکے ہیں پیچھے کم ہوتے ہیں"۔ (تنبیہ از مولانا عثمانی) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر میں یہ دونوں احتمال

بیان کئے ہیں حافظ ابن کثیر نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی اور روح المعانی میں طبرانی وغیرہ سے ایک حدیث ابوبکر کی بسند حسن نقل کی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے متعلق فرمایا هما جميعاً من هذه الامة (یعنی وہ دونوں گروہ اسی امت محمدیہ کے ہیں واللہ اعلم۔ ابن کثیر نے ایک تیسرا مطلب آیت کا بیان کیا ہے۔ احقر کو وہ پسند ہے یعنی ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی صحبت یا قرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی۔ كما قال صلى الله عليه وسلم خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم " ہاں اگر ابوبکر کی حدیث صحیح ہو جیسا کہ روح المعانی میں ہے تو ظاہر ہے وہی مطلب متعین ہوگا"۔ (سورہ واقعہ رکوع نمبر ا ص ۱۷۳ ف ۹)

مولانا نے ثلة من الاولين و قليل من الآخرين کی مذکورہ بالا تفسیر میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی تفسیر کے ذریعہ دو قول پیش کئے ہیں۔ دوسرے قول کو ابن کثیر کا اور پہلے قول کی تائید میں روح المعانی کی ترجیح پیش کی ہے۔ پھر ابن کثیر کی طرف سے ایک تیسرا قول بھی پیش کیا ہے جس کی تائید حدیث سے کی گئی ہے اور چونکہ یہ حدیث صحیح ہے جس سے تفسیر کی گئی ہے اس لئے مفسر موصوف نے اپنی پسند کی ترجیح کا اظہار بھی کر دیا ہے لیکن اگر روح المعانی کی تفسیر میں وہ حدیث یعنی هما جميعاً من هذا الامة صحیح ہو تو پھر مولانا عثمانی نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ مفسرین کے مختلف اقوال میں کسی خاص قول کی مدلل تائید اور ترجیح سے مولانا عثمانی کی مفسرانہ بلند نظری اور شان علمی کا پتہ چلتا ہے۔

فرقوں کی تردید اور نام سے سکوت

عثمانی علیہ الرحمۃ کے حکیمانہ تفسیری اندازوں میں سے ایک خاص انداز یہ ہے کہ وہ کسی اختلافی مسئلہ میں جو کسی آیت کے ضمن آجاتا ہے اپنی منصفانہ محققانہ تحقیق کو پیش کر دیتے ہیں اور کسی فرقہ کا نام تک نہیں لیتے جس کے خلاف وہ تحقیق عمل میں آئی ہے اور مخالفوں کے شبہات بقول مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی خود بخود اکھڑتے چلے جاتے ہیں۔

فرقہ قادیانیت اور ختم نبوت

۱۔ گذشتہ صفحات میں " یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک میں عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے پر لفظ توفی اور رفع جسمانی پر نہایت فاضلانہ معنوی اور لفظی بحث کی

ہے۔ اس بحث سے فرقہ مرزائیہ قادنیہ کا صاف ابطال ہوتا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔ مگر مولانا نے مرزائیوں کا نام تک نہیں لیا یا مثلاً **ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه** کے ماتحت لکھتے ہیں۔

"یعنی جب خدا کا دین اسلام اپنی مکمل صورت میں آ پہنچا تو کوئی جھوٹا یا ناممکن دین قبول نہیں کیا جا سکتا طلوع آفتاب کے بعد مٹی کے چراغ جلانا یا گیس بجلی اور ستاروں کی روشنی تلاش کرنا محض لغو اور کھلی حماقت ہے مقامی نبوتوں اور ہدایتوں کا عہد گزر چکا۔ اب سب سے بڑی آخری اور عالمگیر نبوت وہدایت سے یہی روشنی حاصل کرنی چاہیئے کہ یہی تمام روشنیوں کا خزانہ ہے۔ جس میں پہلی تمام روشنیاں مدغم ہو چکی ہیں"۔ (ص ۸ معارف القرآن پ ۳)

یا مثلاً **و جعلنا ابن مریم و امه ایةً و اوینٰهما الیٰ ربوة ذات قرار و معین** (اور ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو آیت بنایا اور ان دونوں کو ایک ٹیلے پر جہاں ٹھہرنے کا موقع اور صاف پانی تھا ٹھکانا دیا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"شاید یہ وہی ٹیلا یا اونچی زمین ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں۔ ...... وہ جگہ بلند تھی نیچے چشمہ یا نہر جاری تھی اور کھجور کا درخت نزدیک تھا۔ ابن کثیر) لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک ظالم بادشاہ ہیرودس نامی نجومیوں سے سن کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سرداری ملے گی لڑکپن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم الہام ربانی سے ان کو مصر لے کر چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام واپس چلی آئیں۔ چنانچہ انجیل متی میں بھی یہ واقعہ موجود ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رود نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور ماء معین رود نیل ہے۔ بعض نے "ربوۃ" اونچی جگہ سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ جس ٹیلے پر ولادت کے وقت موجود تھیں وہیں اس خطرہ کے وقت بھی پناہ دی گئی ہو۔ بہر حال اہل اسلام میں سے کسی نے ربوہ سے مراد کشمیر نہیں لیا۔ نہ حضرت مسیح کی قبر کشمیر میں بتلائی۔ البتہ ہمارے زمانے کے بعض زائغین نے "ربوہ" سے کشمیر مراد لیا ہے اور وہیں عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتلائی ہے جس کا کوئی ثبوت تاریخی نہیں"۔ محلہ خان یار "شہر سری نگر میں جو قبر یوزاسف" کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت تاریخ اعظمی کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ لوگ اس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا تھا۔ اس کو عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتانا پرلے درجہ کی سفاہت اور بے حیائی ہے"۔ (المومنون رکوع نمبر ۳)

ان تمام عبارتوں میں مفسر موصوف نے قادیانیوں کی پوری تردید کی ہے مگر قادیانیوں یا مرزا غلام احمد کا نام تک نہیں لیا۔

فرقہ شیعہ اور مودت قربیٰ

۲۔ حسب ذیل آیت کی تفسیر اور اقوال میں محاکمہ شیعوں کے فرقے کے خلاف جا رہا ہے مگر ان کا نام تک نہیں لیا لکھتے ہیں۔ قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ (پارہ نمبر ۲۵ رکوع نمبر ۳)

کہہ دیجئے کہ میں تبلیغ دین پر کچھ معاوضہ نہیں چاہتا مگر قرابت میں محبت کا طلبگار ہوں۔

"یعنی قرآن جیسی دولت تم کو دے رہا ہوں اور ابدی نجات فلاح کا راستہ بتلاتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہوں۔ یہ سب محض لوجہ اللہ ہے۔ اس خیر خواہی اور احسان کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ تم سے جو میرے نسبی اور خاندانی تعلقات ہیں کم از کم ان کو نظر انداز نہ کرو۔ آخر تمہارا معاملہ اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ بسا اوقات ان کی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو۔ کم از کم قرابت و رحم کا خیال کر کے ظلم و اذیت رسانی سے باز رہو اور مجھ کو اتنی آزادی دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا کو پہنچاتا رہوں کیا اتنی دوستی اور فطری محبت کا بھی میں مستحق نہیں ہوں۔ بعض علماء نے "مودت فی القربیٰ" سے اہل بیت نبوی کی محبت مراد لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب کے ساتھ محبت کرو"۔ کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت اور اقارب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم و واجب اور جزو ایمان ہے اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا حقیقت میں حضور کی محبت پر متفرع ہے لیکن آیت ہذا کی تفسیر اس طرح کرنا شان نزول اور روایات صحیحہ کیخلاف ہونے کے علاوہ حضور کی شان رفیع کے مناسب نہیں معلوم ہوتا"۔ (قرآن کریم ص ۶۳۳ ف ۲)

فرقۂ بریلوی اور بشریت

مفسر مسلمانوں کے کسی فرقہ کو بقدر گنجائش کافر نہیں سمجھتے تا آنکہ وہ اصول دین ہی سے منحرف ہو کر کفر کی زد میں نہ آ جائے۔ حسب ذیل آیت کی تفسیر میں احمد رضا خانی معتقدین یعنی بریلوی اس شخص کو جو آنحضرت کو بشر کہہ دے کافر سمجھتے ہیں۔ مولانا عثمانی نے ان کا لطیف پیرائے میں جواب دیا ہے گویا ایک قسم کی تنبیہ ہے مگر ان کا نام تک نہیں لیا آیت یہ ہے۔

ذٰلک بانہ کانت تاتیھم رسلھم بالبینٰت فقالوا ابشر یھدوننا فکفروا وتولوا واستغنی اللہ واللہ غنی حمید (پارہ نمبر ۲۸، رکوع نمبر ۱)

یہ اسلئے کہ لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ سمجھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا قابل حمد ہے۔ (ص ۷۲)

مولانا نے موصوف مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"یعنی کیا ہم ہی جیسے آدمی (بشر) ہادی بنا کر بھیجے گئے۔ بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجتے۔ گویا ان کے نزدیک بشریت اور رسالت میں منافات تھی۔ اسی لئے انہوں نے کفر اختیار کیا اور رسولوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

(تنبیہ) اس آیت سے ثابت کرنا کہ رسول کو بشر کہنے والا کافر ہے انتہائی جہل اس کے برعکس اگر کوئی یہ کہہ دے کہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسل بنی آدم کے بشر ہونے کا انکار کریں تو یہ دعویٰ پہلے دعویٰ سے زیادہ قوی ہوگا۔ (ص ۷۲۱ فائدہ ۵)

فرقۂ نیچری اور معجزات

اسی طرح نیچری فرقہ جو جنات، شق قمر، معجزات کا منکر ہے جابجا اس قسم کی آیات میں ان کا تذکرہ کئے بغیر رد کیا گیا ہے۔ مثلاً مفسر صاحب اقتربت الساعة وانشق القمر کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"ہجرت سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "منیٰ" میں تشریف فرما تھے۔ کفار کا مجمع تھا انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی آپ نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب کی اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا۔ بیچ میں پہاڑ حائل تھا جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ کفار کہنے لگے کہ محمدؐ نے چاند پر یا ہم پر جادو کر دیا ہے۔ اس معجزہ کو شق القمر کہتے ہیں۔ اور یہ ایک نمونہ یا نشانی تھی قیامت کی کہ آگے سب کچھ یونہی پھٹے گا۔ طحاوی اور ابن کثیر وغیرہ نے اس واقعہ کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا اور محض استبعاد کی بنا پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ استبعاد تو اعجاز کے لئے لازم ہے۔ روزمرہ کے معمولی واقعات کو معجزہ کون کہے گا۔ باقی یہ کہنا کہ شق القمر اگر واقع ہوا ہوتا تو تاریخوں میں اس کا وجود کیوں نہیں تو یاد رہے یہ قصہ رات کا ہے بعض ملکوں میں تو اختلاف مطالع کی وجہ سے اس وقت دن ہوگا اور بعض جگہ آدھی رات ہوگی لوگ عموماً سوتے ہوں گے اور جہاں بیدار ہوتے

اور کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوں گے تو عادۃً یہ ضروری نہیں کہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں۔ زمین پر جو چاندنی پھیلی ہوگی بشرطیکہ مطلع صاف ہو اس میں دو ٹکڑے ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر تھوڑی دیر کا قصہ تھا ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا چاند گہن ہوتا ہے اور خاصہ ممتد رہتا ہے لیکن لاکھوں انسانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی اور اس زمانہ میں آج کل کی طرح رصد وغیرہ کے اتنے وسیع و مکمل انتظامات اور تقادیم (جنتریوں) کی اس قدر اشاعت بھی نہ تھی۔ بہرحال تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی بایں ہمہ "تاریخ فرشتہ" وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ہندوستان میں مہاراجہ مالی بار کے اسلام کا سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں"۔ (قمر پارہ نمبر ۲۷، رکوع نمبر ۸)

اہل حدیث اور مسئلہ تقلید

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون (اگر تمہیں معلوم نہیں تو یاد رکھنے والوں سے پوچھو) کے ماتحت مولانا لکھتے ہیں۔

(تفسیر) اگر تمہیں معلوم نہیں تو جاننے والوں سے جو امم سابقہ اور ان کے پیغمبروں کے تاریخی واقعات کا علم رکھتے ہیں تحقیق کر لو کہ فی الواقع پہلے کچھ آدمی پیغمبری کے منصب پر بینات اور زبر (معجزے اور کتابیں) دے کر بھیجے گئے تھے۔ بہت سے علماء اس کو تقلید ائمہ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بت پرستوں، عیسائیوں، شیعوں، بریلویوں پیر پرستوں اور قبر پرستوں کو فہمائش

مولانا نے اپنی تفسیر میں نہ صرف اخلاقی بلکہ قومی اور عقائد کی اصلاح پر بھی جابجا تصریحات اور اشارے کئے ہیں۔ مثلاً **وما یؤمن اکثرهم باللہ الا وهم مشرکون** (سورۂ یوسف رکوع نمبر ۶ پارہ نمبر ۱۳) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"یعنی زبان سے سب کہتے ہیں کہ خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کے باوجود کوئی بتوں کو خدائی کا حصہ دار بنا رہا ہے۔ کوئی اس کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتا ہے۔ کوئی اسے روح و مادہ کا محتاج بتاتا ہے کسی نے احبار و رہبان کو خدائی کے اختیارات دے دیئے ہیں۔ بہت سے تعزیہ پرستی، قبر پرستی، پیر پرستی کے خس و خاشاک سے توحید کے صاف چشمہ کو مکدر کر رہے ہیں۔ ریا اور ہوا پرستی سے تو کتنے موحدین ہیں جو پاک ہوں گے۔ غرض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے بہت کم ہیں جو عقیدہ

یا عمل کے درجہ میں شرک جلی یا خفی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ (قرآن کریم تفسیر عثمانی ص ۳۲۰ ف ۷)

مذکورہ آیات میں بنی نوع انسان کی اصلاح کی گئی ہے اور تمام مذاہب کے مشرکوں اور دیگر غلط اہل عقائد کو اصلاح کی دعوت دی ہے۔ لیکن کسی کا نام نہیں لیا گیا۔

جدید تعلیم یافتہ طبقہ کیلئے سامان ضیافت تفسیر عثمانی میں تمثیلات کا رنگ اعجاز شہاب ثاقب اور ان کی حکمت

مفسر اعظم' جدید خیالات والوں کا مداوئی بھی پیش کرتی ہے ان کو موجودہ تقاضوں کا احساس اور نئی قدروں کا شعور و ادراک پورے طور پر ہے۔ مشکل مسائل کو ندرت و شوکت بیان کے ساتھ ایسے اچھوتے انداز افہام و تفہیم سے پیش کیا ہے کہ بقول مولانا سید سلیمان صاحب ندوی انداز بیان سے باہر ہے۔ حسب ذیل امثلہ میں جدید رجحانات کی شفا بخش کوششیں کام کرتی نظر آتی ہیں۔

شہاب ثاقب آسمان سے ٹوٹنے والا ستارا کہلاتا ہے جو شیطان کے پیچھے آتا ہے۔ مولانا عثمانی نے اس کو کس تمثیلی طرز میں سمجھایا ہے۔ حسب ذیل آیت کی تفسیر میں ملاحظہ کیجئے:۔

ولقد جعلنا فی السمآء بروجاً و زینٰها للنٰظرین و حفظنٰها من کل شیطٰن رجیم الامن استرق السمع فاتبعه شهاب مبین

ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کے لئے ہم نے اس کو زینت بخشی ہے اور ہر مردود شیطان سے اس کی حفاظت کی مگر جو چوری سے سن بھاگا تو اس کے پیچھے انگارہ چمکتا ہوا پڑتا ہے۔

(تفسیر عثمانی)۔۔ نصوص قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکوینی (دنیاوی) امور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے۔ آخر سماء دنیا پر اور بخاری کی ایک روایت کے موافق "عنان" (بادل) میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعہ وائرلیس ٹیلی فون جا رہا ہو اسے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ (شہاب ثاقب) پھٹتا ہے اور ان غیبی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے اسی دوا دوش اور ہنگامہ دار و گیر میں جو ایک آدھ بات شیطان کے ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کیساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ الخ (پارہ نمبر ۱۴ ص ۳۴۲ ف ۴)

تفسیر عثمانی میں مطالعۂ حیوانات و نفسیات

سلیمان علیہ السلام اور منطق الطیر

مذکورہ بالا شہاب ثاقب کی تمثیل کتنی مکمل تمثیل ہے کہ اس سے جدید طبقہ مطمئن ہو سکتا ہے۔

اسی قسم کی ایک اور تمثیل سلیمان علیہ السلام کی پرندوں کی بولیوں کے سمجھنے کے بارے میں مولانا عثمانی کی قوت بیانیہ، قوت فہمائش، جدت ادا، شکوہ ادب، تسلسل عبارت اور صفائی ذہن کی آئینہ داری کر رہی ہے۔ ملاحظہ ہو حسب ذیل تفسیر:۔

وورث سلیمان داؤد وقال یایھا الناس علمنا منطق الطیر واوتینامن کل شیء ان ھذا لھو الفضل المبین

سلیمان علیہ السلام داؤد کے وارث ہوئے اور کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہم کو ہر چیز دی گئی بے شک یہی صاف بزرگی ہے (نمل نمبر ۱)

(تفسیر عثمانی)...... "اس بات کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہوگا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں ان میں ایک خاص حد تک افہام و تفہیم کی شان پائی جاتی ہے ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بلاتا یا دانہ دینے کے لئے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا ہے ان تمام حالات میں اس کی بولی اور لب و لہجہ یکساں نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسی سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال اور ضروریات کے وقت بھی ان کے چہچہوں میں (گو ہمیں کتنے متشابہ و متقارب معلوم ہوں) ایسا لطیف و خفیف تفاوت ہوتا ہوگا جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی متشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سنتے رہو۔ تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات و اصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی لیکن ٹیلیگراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچرر کی تقریر ابھی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے کیونکہ وہ ان نقرات تلغرافیہ کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ علی ہذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضع حقیقی (اللہ) نے نغمات طیور کو بھی مختلف معانی و مطالب کے اظہار کے لئے وضع کیا ہو اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنے بنی نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی ان کا علم عطا فرما

وے۔ حیوانات کے لئے جزئی ادراکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہیں حتیٰ کہ حیوانات کی بولیوں کی ابجد تیار کی جارہی ہے۔ یاد رہے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے ہیں ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الٰہی کا مدلول بیان کیا ہے اس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ اسرائیلی روایات کے موافق پڑجائیں یا مخالف"۔ (تفسیر عثمانی ص۳۸۹و ص۳۹۰)

مذکورہ بالا تفسیر میں پرندوں کی بولیوں کو تلغراف کی مشابہ کھٹ کھٹ' نقرات تلغرافیہ کی دلالت وضعی' موجودہ یورپ کا پرندوں کی ابجد کی ترتیب' حیوانات کے جزئی ادراکات سے ان کی بامعنی گفتگو پر استدلال ایک سے ہی پرندوں کی مختلف اوقات میں مختلف آوازیں مثلاً مرغی جب بچوں کو کھلانے کی طرف بلاتی ہے تو کٹ کٹ کرتی ہے اور جب چیل کا خطرہ ہوا تو لمبی آواز کھینچتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ علامہ مفسر کی تحقیقات جدیدہ' جدید تعلیم یافتہ کے لئے افہام و تفہیم کے نرالے انداز ہیں۔ اسرائیلیات کے وہ مخالف ہیں بشرطیکہ اصول صحت سے خارج ہوں۔ یہ وہ امور ہیں جو موصوف کی تفسیری بلندیوں اور تحقیقات نفسیاتی کا پتہ دیتے ہیں۔

چیونٹی اور سلیمان علیہ السلام

(ب) نفسیات حیوانی کے سلسلہ میں چیونٹیوں پر مولانا نے حسب ذیل تفسیر کے سلسلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے ملاحظہ ہو:۔

حتیٰ اذا اتوا علیٰ وادالنمل قالت نملۃ یاایھا النمل ادخلو امسٰکنکم لایحطمنکم سلیمٰن وجنودہ وھم لایشعرون (۱۹ نمل رکوع ۱۷)

یہاں تک کہ جب (سلیمانؑ مع لشکر کے) چیونٹیوں کے میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو اپنے بلوں میں گھس جاؤ مبادا سلیمان اور اس کا لشکر بے خبری میں تمہیں کچل ڈالے۔

(تفسیر) یعنی سلیمانؑ کا اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ایسے میدان کی طرف گزر ہوا جہاں چیونٹیوں کی بڑی بھاری بستی تھی (تنبیہ) جہاں چیونٹیاں مل کر خاص سلیقہ سے اپنا گھر بناتی ہیں اسے زبان عرب میں "قریۃ النمل" کہتے ہیں۔ (چیونٹیوں کی بستی)

مفسرین نے مختلف بلاد میں کئی ایسی وادیوں کا پتہ بتلایا ہے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت تھیں۔ ان میں سے کسی ایک پر حسب اتفاق حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ہوا۔

ف ۳..... علمائے حیوانات نے سالہا سال جو تجربے کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیات اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شئون بشریہ سے بہت قریب

واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چیونٹیوں کے خاندان اور قبائل ہیں۔ ان میں تعاون باہمی کا جذبہ، تقسیم عمل کا اصول اور نظام حکومت کے اوراک نوع انسانی کے مشابہ پائے جاتے ہیں۔ محققین یورپ نے مدتوں ان اطراف میں قیام کر کے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں"۔ (قرآن کریم تفسیر عثمانی ص ۴۹۰ تا نمبر ۲۰۲)

علامہ نے چیونٹی کی نفسیات اور ان کے نظام زندگی کے متعلق اپنی تفسیر میں جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ ان کی مفسرانہ بصیرت اور علمی تحقیقات کا بہترین سرمایہ ہے۔

شہد کی مکھی کا شعور

(ج) مطالعہ حیوانات کے سلسلہ میں حسب ذیل آیات میں شہد کی مکھی کے متعلق علامہ نے جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ نہایت ہی نتیجہ خیز اور معلومات آمیز ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

فاوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتاً ومن الشجر ومما یعرشون ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس ان فی ذلک لایة لقوم یتفکرون.

اور (اے انسان) تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں پھر ہر طرح کے میوے کھا پھر اپنے رب کے راستوں میں جو صاف پڑے ہیں چل پھر ان (مکھیوں) کے پیٹ سے پینے کی چیز مختلف رنگوں کی نکلتی ہے (یعنی شہد) اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ یقیناً اس میں غور کرنے والوں کیلئے نشانی ہے۔

(تفسیر عثمانی) شہد کی مکھی کو حکم دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی ہے جو باوجود ادنیٰ حیوان ہونے کے نہایت کاریگری اور باریک صنعت سے اپنا چھتہ پہاڑوں درختوں اور مکانوں میں تیار کرتی ہے ساری مکھیاں ایک بڑی مکھی کے ماتحت رہ کر پوری فرمانبرداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان کے سردار کو یعسوب کہا جاتا ہے جس کے ساتھ مکھیوں کا جلوس چلتا ہے۔ جب کسی جگہ مکان بناتی ہیں تو سب خانے "مسدس متساوی الاضلاع" کی شکل پر ہوتے ہیں۔ بدوں مسطر اور پرکار کے اس قدر صحت اور انضباط کے ساتھ ٹھیک ٹھیک ایک ہی شکل پر تمام خانوں کا رکھنا آدمی کو حیرت زدہ بنا دیتا ہے حکما کہتے ہیں کہ مسدس کے علاوہ کوئی دوسری شکل اختیار کی جاتی تو لامحالہ درمیان میں کچھ جگہ فضول خالی رہتی فطرت نے ایسی شکل کی طرف رہنمائی کی جس میں ذرا سا فرجہ (کشادگی) بھی بیکار نہ رہے۔ کلی اور فاسلکی سب اوامر تکوینیہ ہیں یعنی فطرۃً اس کو ہدایت کی کہ اپنی خواہش اور استعداد

مزاج کے مناسب ہر قسم کے پھلوں اور میووں میں سے اپنی غذا حاصل کرے۔ چنانچہ مکھیاں اپنے چھتے سے نکل کر رنگ برنگ کے پھول پھل چوستی ہیں۔ جن سے شہد اور موم وغیرہ حاصل ہوتا ہے (علاوہ ازیں) غذا حاصل کرنے اور کمائی کر کے چھتے کی طرف واپس آنے کے راستے صاف کھلے پڑے ہیں کوئی روک ٹوک نہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مکھیاں غذا کی تلاش میں بعض اوقات بہت دور نکل جاتی ہیں پھر بے تکلف اپنے چھتے میں واپس آ جاتی ہیں ذرا راستہ نہیں بھولتیں بعض نے فاسلکی سبل ربک ذللا سے یہ مطلب لیا ہے کہ قدرت نے تیرے عمل و تصرف کے جو فطری راستے مقرر کر دیئے ہیں ان پر مطیع و منقاد بن کر چلتی رہ مثلاً پھول پھل چوس کر فطری تو بلی و تصرفات سے شہد وغیرہ تیار کر (پھر شہد) مختلف رنگ کا نکلتا ہے۔ سفید، سرخ، زرد، کہتے ہیں کہ رنگوں کا اختلاف موسم غذا اور مکھی کی عمر وغیرہ کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔" (پارہ نمبر ۱۴ رکوع نمبر ۱۵)

مذکورہ تفسیر میں حضرت مفسر نے شہد کی مکھی اور شہد کے متعلق جو تحقیقات پیش کی ہیں انہوں نے آیت قرآنی کے چہرے کے بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔ چھتے کی مسدس متساوی الاضلاع ساخت کی حکمت، چھتوں اور پہاڑوں میں مسکن، راعی اور رعایا کا رابطہ زندگی غذاؤں اور اس سے پھولوں کا چوسنا، مکھیوں کے لئے راہوں کا کشادہ کر دیا جانا کہ وہ رس چوس کر اپنے ذخیرہ میں جمع کرنے کیلئے بے تحاشا دوڑتی ہوئی آتی ہیں شہد کا اقتضائے عمر و طبع کے لحاظ سے مختلف اللون ہونا غرضکہ آیت کے مناسب کوئی بات چھوڑی نہیں گئی۔ بالخصوص ایک کیڑے کے نظام عسلی اور شہد کے کارخانے کے منیجر کی نفسیات کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

عجائب قدرت اور مظاہر فطرت کا جدید رنگ

آب شور اور آب شیریں کا باہم ملنا اور جدا رہنا

تفسیر عثمانی میں یہ خاص اہتمام پیش نظر رکھا گیا ہے کہ آیات کونیہ، مظاہر فطرت اور عجائب قدرت کو مشاہدات اور بدیہیات سے ثابت کیا گیا ہے نیز بعض یورپین تھیوریوں کی موافقت کی جہاں تک گنجائش ہو سکتی ہے علامہ نے ان کے ساتھ مخالفت کرنے میں تعصب سے کام نہیں لیا بلکہ محققین یورپ کے اقوال جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے پیش کئے ہیں۔ مثلاً وهو الذی مرج البحرين هذا عذب فرات و هذا ملح اجاج وجعل بينهما برزخاً وحجراً محجوراً

اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے دو دریا چلائے یہ میٹھا پیاس بجھانے والا اور یہ نمکین کڑوا اور ان دونوں کے درمیان پردہ اور روکی ہوئی آڑ رکھدی۔

(تفسیر)...... مجھ سے باریسال (بنگال) کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں (بلشر اور......) ایک ہی دریا سے نکلتی ہیں۔ ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا۔ جزر کے وقت اوپر سے کھاری اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ (الخ) (ص ۲۷ف سورۂ فرقان)

آسمانوں کا وجود

یورپ کا جدید نظریہ یہ ہے کہ اوپر جو نیلگوں چھت سی نظر آتی ہے یہ آسمان نہیں ہے بلکہ آسمانوں کے ہی وہ قائل نہیں۔ مولانا عثمانی شریعت غراء سے آسمانوں کو مانتے ہیں اور ہر ایماندار مانتا ہے لیکن ان کے نزدیک یہ نیلی نیلی چھت جو اوپر نظر آتی ہے آسمان ہونا ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے اوپر آسمان ہوں ان کے نزدیک شریعت میں اس نیلگوں چھت کا آسمان ہونا ثابت نہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر آیت ذیل:۔

الذی خلق سبع سمٰوٰت طباقاً جس (اللہ) نے سات آسمان تہ بتہ پیدا کئے۔

تفسیر: حدیث میں آیا ہے کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا آسمان دوسرے پر تیسرا اسی طرح سات آسمان اوپر نیچے ہیں۔ اور ہر ایک آسمان سے دوسرے تک پانچ سو برس کی مسافت ہے۔

نصوص[1] (آیات و احادیث) میں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ اوپر جو نیلگوں چیز ہم کو نظر آتی ہے وہ ہی آسمان ہے ہو سکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں (اور یہ نیلگوں چیز آسمان کی

---

[1] قرآن و حدیث میں نیلگوں چیز کے آسمان ہونے کے متعلق کچھ ذکر نہ ہونے کے متعلق حضرت عثمانی کا اظہار ان کی شرعی اور اسلامی بے پناہ وسعتوں اور معلومات کا پتہ دیتا ہے۔ (انوار)

چھت گیری کا کام دیتی ہو۔"   (پارہ ۲۹ ملک ص ۲۹ ع ۱۲)

تحقیقات جدیدہ

موجودہ دور سے پہلے آسمان کی گردش مسلم تھی لیکن دور حاضرہ کے محققین یورپ اب زمین کی گردش کو مانتے ہیں علامہ مفسر حسب ذیل آیت کی تفسیر میں شرعی معلومات کے اعتبار سے زمین کی حرکت کے نہ موافق ہیں نہ مخالف۔

والقیٰ فی الارض رواسی ان تمید بکم (نحل پارہ نمبر ۱۴ رکوع نمبر ۲)

اور (اللہ نے) زمین پر پہاڑوں کو قائم کر دیا کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں لے کر بیٹھ جائے (تفسیر حقانی)

(تفسیر عثمانی) "یعنی خدا تعالیٰ نے زمین پر بھاری پہاڑ رکھ دیئے تا زمین اپنی اضطراری حرکت سے تم کو لے کر بیٹھ نہ جائے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ابتدائے آفرینش میں مضطربانہ طور پر ہلتی اور کانپتی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس میں پہاڑ پیدا کئے جن سے اس کی کپکپی[1] بند ہوئی۔ آج کل جدید سائنس نے بھی اقرار کیا ہے کہ پہاڑوں کا وجود بڑی حد تک زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے۔

بہر حال زمین کی حرکت و سکون کا مسئلہ جو حکما میں مختلف فیہ رہا ہے اس سے آیت کا نفیاً یا اثباتاً کچھ تعلق نہیں کیونکہ پہاڑوں کے ذریعہ سے جس حرکت کو بند کیا ہے وہ یہ دائمی حرکت نہیں جس میں اختلاف ہو رہا ہے"۔   (تفسیر حقانی ص ۳۲۸)

ایک اور جگہ **اللہ الذی رفع السمٰوٰت بغیر عمد ترونھا** (اور وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون بلند کیا' دیکھتے ہو) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس دنیا کی ایسی عظیم الشان بلند اور مضبوط چھت خدا نے بنائی جسے تم دیکھتے ہو اور لطف یہ ہے کہ کوئی ستون یا کھمبا یا گارڈر دکھائی نہیں دیتا جس پر اتنی بڑی ڈاٹ کھڑی کی گئی ہو۔ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ محض قدرت کے غیر مرئی ستون کے سہارے اور اس کا قیام ہے۔ **ویمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ** (حج رکوع نمبر ۹) کشش اجسام کا نظریہ اگر صحیح ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں کیونکہ کشش کو عرفاً عمد نہیں کہتے اور اگر عمد کہا جائے تو مرئی نہیں ہے۔

روی عن عباس و مجاھد والحسن والقتادۃ و غیر واحد انھم قالوا لھا عمد ولکن لاتری (ابن کثیر) یعنی ان بزرگوں نے فرمایا کہ آسمانوں کے ستون ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے۔ واللہ اعلم   (الرعد رکوع ۱)

---

[1] زمین از تپ لرزہ آمد ستوہ فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ۔ والجبال اوتاداً (ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخ بنا دیا) (انوار)

یہاں مفسر محقق نے یہ ثابت کیا ہے کہ آسمانوں میں کشش تجاذب کی آیت منکر نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ نے تقریر دلپذیر میں کشش کے مسئلہ کو تسلیم کیا ہے اور اس پر روشنی ڈالی ہے۔

وجدان صحیح اور ذوق سلیم

مولانا عثمانی تفسیری اقوال میں ان اقوال کو ترجیح دیتے اور اختیار کرتے ہیں جن کو ذوق سلیم اور وجدان صحیح قبول کرتا ہے۔ مثلاً سورۂ فتح کی حسب ذیل آیت کی تفسیر میں مسلمانوں کی قوت اور روز افزوں ترقی کی مثال کھیتی سے دی گئی ہے کہ ابتداء باریک سی سوئی نکلتی ہے اور پھر اس کا تنا موٹا ہوتا ہے اور وہ آخری شکل میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے۔

کزرع اخرج شطأہ فاٰزرہ فاستغلظ فاستویٰ علیٰ سوقہ

کھیتی کی مانند جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا اس کا تنا، پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا۔

(تفسیر عثمانی)...... "بعض علماء کہتے ہیں کہ **اخرج شطأہ** میں عہد صدیقی "**فاٰزرہ**" میں عہد فاروقی **فاستغلظ** میں عہد عثمانی اور **فاستویٰ سوقہ** میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بعض دوسرے بزرگوں نے **والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعاً سجداً** " کو علی الترتیب خلفاء واربعہ پر تقسیم کر دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ آیت تمام جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہیأت مجموعی مدح و منقبت پر مشتمل ہے خصوصاً اصحاب بیعۃ الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آ رہا ہے"(قرآن کریم ص ۶۶۷ ف ۹)

مذکورہ بالا تفسیر میں مولانا نے ان مفسرین کے قول کو غیر صحیح قرار دیا ہے جو محض خوش عقیدگی کی بنا پر آیت میں خلفائے اربعہ کو مراد لیتے ہیں وجدان صحیح اور ذوق سلیم چاہتا ہے کہ سورۂ فتح کے اس بیان میں وہ صحابہ مراد ہوں جو آنحضرت کی معیت میں عمرہ کی نیت سے زیارت کعبہ کے لئے نکلے تھے اور جو بیعت رضوان میں شامل تھے جب کہ کفار کے ہاتھوں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر گرم ہو جانے پر سرکار دو عالم نے صحابہ سے جہاد پر بیعت لی تھی۔

اصلاح امت مسلمہ

علامہ مفسر نے جا بجا قرآن کریم میں مسلمانوں کو قومی اصلاح کی طرف ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے دل میں قوم کا جو درد ہے وہ خاص طور پر قوم کو اصلاح کی طرف خصوصیت سے

اپنی تفسیر میں دعوت دیتے ہیں کامل کے بعض علماء نے عثمانی تفسیر کے مطالعہ کے بعد اس نکتہ پر اپنا خیال دوڑایا ہے چنانچہ فخر المدارس ولایت ہرات کے علماء کی تقریظ کے حسب ذیل الفاظ جیسا کہ پہلے گزرے ہیں پھر پیش نظر رکھئے:۔

"ایں تفسیر برائے عموم ملت بمنزلہ راہنمائے صحیح اخلاقی ودینی است کہ عنقریب نتائج حسنۂ آں واضح گردیدہ اہالی را از فساد اخلاقی وظلم وتجاوز بحقوق دیگراں وتعدی جابرانہ بتوفیق خداوندی صیانت خواہد نمود

یہ تفسیر عام ملت اسلامیہ کے لئے ایک صحیح دینی اور اخلاقی رہنما کی جگہ ہے کہ عنقریب اس کے اچھے نتائج روشن ہو کر مسلمانوں کو اخلاقی خرابیوں اور دوسروں پر جابرانہ زیادتی اور حقوق میں تجاوز کرنے سے بتوفیق خداوندی محفوظ رکھے گی۔

مولانا عثمانی سورۂ حجرات کی آیت **لاتقدموا بین یدی الله و رسوله** کی تفسیر کرنے کے بعد بطور تنبیہ ونصیحت لکھتے ہیں:۔

"اس سورت میں مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب وحقوق اور اپنے بھائی مسلمانوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھنے کے طریقے سکھلائے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کا جماعتی نظام کن اصول پر کاربند ہونے سے مضبوط اور مستحکم رہ سکتا ہے اور اگر کبھی اس میں خرابی اور اختلال پیدا ہو تو اس کا علاج کیا ہے؟ تجربہ شاہد ہے کہ بیشتر نزاعات ومناقشات خودرائی اور غرض پرستی کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصی رایوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور رسول کے ارشادات سے بلند کوئی معیار نہیں ہو سکتا۔ ایسا کرنے میں خواہ وقتی اور عارضی طور پر کتنی ہی تکلیف اٹھانا پڑے لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے"۔ (سورۂ حجرات)

اسی سورۂ حجرات کی آیت **ولو انهم صبروا حتى تخرج اليهم** کے ماتحت فرماتے ہیں "حضور کی تعظیم ومحبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

مشکلات قرآن کا سلیس حل

سماع موتیٰ

حضرت عثمانی کے علم تفسیر کی خصوصیات میں مشکل مسائل کو اس درجہ تک مختصر الفاظ میں حل کر

کے چھوڑتا ہے کہ قاری کا دل شفایاب ہو جائے اور اسی تمثیل سے اس کی پیاس بجھ جائے۔ مثلاً سماع موتی کے مسئلہ پر بصیرت افروز رنگ میں انک لا تسمع الموتیٰ کے ماتحت فرماتے ہیں:۔

”مفسرین نے اس موقع پر سماع موتی (مردوں کے سننے) کی بحث چھیڑ دی ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف چلا آتا ہے اور دونوں جانب سے نصوص قرآن و حدیث پیش کی گئی ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھ لو کہ یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں ہو سکتا مگر آدمی جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رہ کر باختیار خود کرے وہ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقے سے ہو جائے اسے براہ راست حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا۔ یہاں قاتل کا فعل کہلائے گا اور فرض کیجئے ایک مٹھی کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا اسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تباہ کر دیا باوجودیکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اسی کی قدرت کا کام ہے ورنہ اس کی مشیت کے بدون گولی یا گولہ کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم وما رميت اذ رميت ولكن الله رمىٰ (انفال رکوع نمبر ۲) یہاں خارق عادت ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے "قتل و رمی" کی نفی کر کے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی گئی۔ ٹھیک اسی طرح انک لا تسمع الموتیٰ کا مطلب سمجھو یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنا دو کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا۔

اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقے سے سننا ثابت ہو جائے گا۔ اسی حد تک ہم کو سماع موتی کا قائل ہونا چاہئے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لا سکتے۔ بہر حال آیت میں اسماع (سنانے) کی نفی سے مطلقاً سماع (سننے) کی نفی نہیں ہوتی واللہ اعلم۔

سماع موتی مشکل مسائل میں سے سمجھا گیا ہے لیکن حضرت عثمانی نے کس رنگ سے اس کو سمجھایا اور اختلاف کو مطابق کر کے دکھایا ہے کہ دونوں پہلو اپنی اپنی جگہ ایک ہو کر رہ گئے ہیں۔ تمثیل و تشبیہ، نظیر اور افہام و تفہیم سچ تو یہ ہے کہ مولانا کا حق ہے اسی طرح اور بیسیوں مشکل مسائل مثلاً آیات متشابہات، خوارق عادات، روح، معراج، قضاو قدر، علم غیب، امانت الٰہیہ، کفار کی نجات کا حل مولانا عثمانی کی نکتہ دانی، نکتہ سنجی اور نکتہ رسی طبیعت کا خاص جوہر ہے۔ جو ان کی تفسیر میں چمکتا نظر آتا ہے۔

علم الغیب

سماع موتی کے علاوہ مسائل مشکلہ قرآن کے سلسلہ میں ایک اور مثال پیش کرنے کے لئے

مسئلہ غیب کو لے لیجئے۔ علامہ نے اس مسئلہ کے متعلق سورۂ انعام رکوع نمبر ۱۳ میں **وعندہ مفاتح الغیب لایعلمها الا هو** (غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں ان کو اس اللہ کے سوائے کوئی نہیں جانتا) کے ماتحت اور سورۂ اعراف رکوع نمبر ۱۳ میں **لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر و ما مسنی السوء** (اگر میں غیب کی بات جان لیا کرتا تو بہت کچھ بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی) کے ضمن میں اور سورۂ النمل میں **قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ** (کہہ دیجئے کہ نہیں جانتا جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے غیب کو اللہ کے سوائے) کی تفسیر میں نہایت شستہ اور معقول بحث کی ہے۔ چنانچہ موخر الذکر آیت کی تفسیر میں علامہ لکھتے ہیں:۔

"مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں۔ نہ کسی ایک کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہو سکتا ہے اور نہ مفاتح غیب اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا یا غیب کی خبر دیدی۔ لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن و سنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر عالم الغیب یا "فلاں یعلم الغیب" کا اطلاق نہیں کیا۔ علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں۔ واضح رہے کہ علم الغیب سے ہماری مراد محض ظنون و تخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن و دلائل سے حاصل کیا جائے بلکہ جس کے لئے کوئی قرینہ اور دلیل نہ ہو وہ مراد ہے۔ (النمل) **لو کنت اعلم الغیب** کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

"اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو نہ اپنے اندر اختیار مستقل رکھتا ہے نہ علم محیط۔ سید الانبیاء صلعم جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے۔ ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم ہے کہ میں دوسروں کو کیا خود اپنی جان کو بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا نہ کسی نقصان سے بچا سکتا ہوں مگر جس قدر اللہ چاہے اتنے ہی پر میرا قابو ہے اور اگر میں غیب کی ہر بات جان لیا کرتا تو بہت سی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں بھی حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونیکی وجہ سے کسی وقت فوت ہو جاتی ہیں نیز کبھی کوئی ناخوشگوار حالت مجھ کو پیش نہ آیا کرتی مثلاً "افک" (بہتان عائشہ)۔ کے واقعہ میں کتنے دنوں تک حضور کو وحی نہ آنے کی وجہ سے اضطراب و قلق رہا۔ حجۃ الوداع میں تو صاف ہی فرما دیا **لو استقبلت من امری ما استدبرت لما سقت الهدی** (اگر میں پہلے سے اس چیز کو جانتا جو بعد میں پیش آئی تو ہرگز ہدی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا) اسی قسم کے بیسیوں واقعات ہیں۔ جن کی روک تھام علم محیط رکھنے کی صورت میں نہایت آسانی

سے ممکن تھی۔ ان سب سے بڑھ کر عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ حدیث جبرئیل کی بعض روایات میں آپ نے تصریحاً فرمایا کہ یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں نے جبرئیل کو واپسی کے وقت تک نہیں پہچانا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تب علم ہوا کہ جبرئیل تھے یہ واقعہ بتصریح محدثین بالکل آخر عمر کا ہے۔ اس میں قیامت کے سوال پر ما المسئول عنها باعلم من السائل ارشاد فرمایا ہے گویا بتلا دیا گیا کہ علم محیط خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں اور "علم غیب" تو درکنار محسوسات و مبصرات کا بھی ادراک نہیں کر سکتے۔ بہرحال اس آیت میں کھول کر بتا دیا گیا کہ اختیار مستقل یا "علم محیط نبوت کے لوازم میں سے نہیں جیسا کہ بعض جہلا سمجھتے تھے۔ ہاں شرعیات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہئے اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضور تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بے شمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا شمار کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں"۔ (پارہ نمبر ۹ اعراف رکوع نمبر ۱۳)

ان دونوں آیات کے علاوہ وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو کے ماتحت حضرت مفسر لکھتے ہیں۔

"مفاتح کو جن علماء نے مفتح بفتح المیم کی جمع قرار دیا ہے انہوں نے مفاتح الغیب کا ترجمہ غیب کے خزانوں سے کیا ہے اور جن کے نزدیک مفتح بکسر المیم کی جمع ہے وہ مفاتح الغیب کا ترجمہ مترجم رحمہ اللہ کے موافق کرتے ہیں یعنی "غیب کی کنجیاں" مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے۔ کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پا سکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کرنے کو علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات اور واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو مفاتح غیب کہنا چاہئے حق تعالیٰ نے اپنے ہی لئے مخصوص رکھا ہے"۔ (پارے نمبر رکوع نمبر ۱۳)

مذکورہ بالا تفسیروں کی روشنی میں ایک منصف مزاج اور فہمیدہ انسان کے لئے حضرت مفسر کی سنجیدہ تحریروں سے مسئلہ علم غیب کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جس میں مزید کچھ کہنے اور سننے کی ضرورت نہیں رہتی یہی حال علامہ مفسر کے یہاں باقی اہم مسائل قرآنی کا ہے۔

منطقیانہ مگر حکیمانہ رنگ استدلال میں وحی کی ضرورت

حضرت مفسرؒ کی اکثر تحریروں اور تقریروں میں ان کا ایک فطری حکیمانہ اور منطقیانہ طرز استدلال نظر آتا ہے جس میں وہ فرد تھے۔ مثلاً **انه لقول رسول کریم وما هو بقول شاعر** کے ماتحت اپنے انفرادی رنگ میں لکھتے ہیں:۔

(تفسیر) "بلکہ یہ قرآن ہے اللہ کا کلام۔ جس کو آسمان سے ایک بزرگ فرشتہ لے کر ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا۔ جو آسمان سے لایا وہ اور جس نے زمین والوں کو پہنچایا دونوں رسول کریم ہیں۔ ایک کا کریم ہونا تم آنکھوں سے دیکھتے ہو اور دوسرے کی کرامت و بزرگی پہلے کریم کے بیان سے ثابت ہے (تنبیہ) عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جن کو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری جو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔ عقل وغیرہ کے ذریعہ سے ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئے گی لیکن حکما کے دلائل و براہین سے عاجز ہو کر ہم اپنی آنکھ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کے یا دوسرے عقلا کی عقل کے ذریعہ حواس کی ان غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو۔ بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ و معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کر سکتی ہے۔ جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں وہاں عقل کام دیتی ہے ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے اس جگہ وحی الٰہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ شاید اسی لئے یہاں "**ما تبصرون وما لا تبصرون**" کی قسم کھائی۔ یعنی جو حقائق جنت و دوزخ وغیرہ کی پچھلی آیات میں بیان ہوئی ہیں اگر دائرہ محسوسات سے بلند تر ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات وغیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات وغیر محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم کا کلام ہے جو بذریعہ وحی الٰہی دائرہ حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اونچی چیزوں کو رسول کریم کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہے"۔ (سورۃ الحاقہ رکوع نمبر ٦)

محقق مفسرؒ کے اس قطعہ تفسیر کو کلامی اور منطقی نقطہ نگاہ سے دیکھئے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ وحی الٰہی کی ضرورت کو وہ کس محققانہ منطقی پیرایہ میں ثابت کر رہے ہیں۔ انہوں نے تنبیہ کے ماتحت حکیمانہ رنگ میں یہ بات پیش کی ہے کہ ہم بہت سی چیزوں کو آنکھوں سے یا حواس خمسہ سے معلوم کرتے ہیں۔ بعض

امور حواس خمسہ کی گرفت سے بالا ہوتے ہیں۔ ان کے فیصلہ کے لئے ہم عقل کی عدالت سے ڈگری لیتے ہیں لیکن چونکہ تمام کائنات کی کنہ کا ادراک اور احاطہ عقل سے بھی نہیں ہوتا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر پھر کس کی طرف رجوع کریں۔ یہاں وحی الٰہی کے سوائے چارہ نہیں اور جب وحی الٰہی کو مان لیا گیا اور ماننے کے بغیر چارہ نہیں تو پھر قرآن کریم کے ذریعہ پیش کردہ مذہب کی سچائی اور حقیقت واضح ہوگئی۔ یہ طرز و انداز علامہ مفسر کی حکیمانہ منطقیانہ اور کلامی خصوصیات کا خوبصورت عنوان ہے۔

تفسیری مستثنیات تنبیہات

مفسر دانشمند حقانی آیات کی تفسیر میں ہر ایک گوشہ پر نظر رکھتے ہوئے عام احکام کے بیان میں قاری کو مستثنیات کے ذریعہ شبہات اور اضطراب سے بچاتے جاتے ہیں۔ مثلاً **لاتقنطوا من رحمة الله** (اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو جاؤ) کے ماتحت عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی رحمت اور فضل سے ناامیدی کفر ہے اور حقیقت بھی یہی ہے لیکن اگر مایوسی کے ظاہری اسباب چاروں طرف سے آکر گھیر لیں اور فطری تقاضوں کی بنا پر کوئی مسلمان مایوس ہو جائے تو آیا یہ بھی کفر ہے اس سوال کو استثنائی حیثیت سے حل کرنا بھی ایک دانشمند مفسر کا کام ہے۔ ایک شخص کا نوجوان نور نظر اس کے سامنے دم توڑ رہا ہے۔ آنکھیں پتھرا گئی ہیں موت کے آثار سامنے ہیں۔ ڈاکٹر جواب دے چکے ہیں زندگی کے اسباب ایک ایک کر کے ختم ہو گئے وہ پوچھتا ہے کہ اب مایوسی جائز ہے یا نہیں۔ علامہ حقانی کی بیدار مغزی اس مجبوری کا احساس رکھتی ہے۔ اور **وهو الذی ینزل الغیث من بعدما قنطوا و ینشر رحمته وهو الولی الحمید** کے ماتحت تفسیر میں لکھتے ہیں۔

”بہت مرتبہ ظاہری اسباب و حالات پر نظر کر کے جب لوگ بارش سے مایوس ہو جاتے ہیں اس وقت حق تعالیٰ باران رحمت نازل فرماتا اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے تا بندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کی طرح اسباب رزق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

(تنبیہ) اللہ کی رحمت و قدرت کی طرف سے مایوس ہو جانا کافروں کا شیوہ ہے لیکن ایک مومن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یاس انگیز ہو سکتا ہے جیسے فرمایا **فلما استیأسوا منه خلصوا نجیا** (یوسف رکوع نمبر ۱۰) اور **حتیٰ اذا استیأس الرسل** (یوسف رکوع نمبر ۱۲)(سورہ شوریٰ رکوع نمبر ۳ تفسیر حقانی)

ایک اور جگہ **حتیٰ اذا استیأس الرسل** کے ماتحت تفسیر کرنے کے بعد تنبیہ میں لکھتے ہیں

”اللہ تعالیٰ کی غیر محدود رحمت و مہربانی سے مایوس ہونا کفر ہے لیکن ظاہری حالات و اسباب کے اعتبار سے ناامیدی کفر نہیں یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف سے جہاں تک اسباب ظاہری کا تعلق ہے مایوسی ہے لیکن حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے مایوسی نہیں۔ حتیٰ

اذا استیاس الرسل میں یہی مایوسی مراد ہے جو ظاہری حالات و آثار کے اعتبار سے ہو ورنہ پیغمبر خدا کی رحمت سے کب مایوس ہو سکتے ہیں۔ (۱۱ ھ پارہ نمبر ۱۳ رکوع نمبر ۱)

دیکھئے علامہ عثمانی نے استثنا کر کے ایک مایوس اسباب انسان کو کفر کے گڑھے سے باہر نکال لیا ہے۔ ورنہ تفسیر تشنہ ہی رہتی بہرحال مفسر کی خصوصیات میں یہ اعلیٰ خصوصیت ہے۔ اور ملاحظہ کیجئے کہ امرھم شوریٰ بینھم کی آیت میں مسلمانوں کے باہمی مشوروں سے کام انجام دینے کے باعث ان کی تعریف کی گئی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ کن امور میں مشورہ لیا جائے اور کن میں نہیں اور کس سے مشورہ لیا جائے اور کس سے نہیں۔ اب حضرت عثمانی کی تفسیر کا کمال دیکھئے لکھتے ہیں:۔

''مشورہ سے کام کرنا اللہ کو پسند ہے۔ دین کا ہو یا دنیا کا۔ نبی کریم صلعم مہمات امور میں برابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے اور صحابہ آپس میں مشورہ کرتے تھے۔ حروب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل اور احکام کی نسبت بھی بلکہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ مشورہ کی ضرورت کاموں میں ہے جو مہتم بالشان ہوں اور جو قرآن و سنت میں منصوص نہ ہوں۔ جو چیز منصوص ہو اس میں رائے و مشورہ کے کوئی معنی نہیں اور ہر چھوٹے بڑے کام میں اگر مشورہ ہوا کرے تو کوئی کام نہ ہو سکے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ ایسے شخص سے لیا جائے جو عاقل و عابد ہو ورنہ اس کی بے وقوفی یا بد دیانتی سے کام خراب ہو جائے گا اندیشہ رہے گا (شوریٰ رکوع نمبر ۵)

مولانا عثمانی نے مشورہ کے متعلق جتنے امور ایک تفسیر کو درکار ہیں سب ہی جمع کر دیئے مثلاً مشورہ اہم امور میں ہو دوسرے آنحضرت صلعم اور صحابہ باہم مشورہ فرمایا کرتے تھے تیسرے خلافت راشدہ کی بنیاد شوریٰ پر تھی چوتھے جو چیز قرآن و سنت میں آ چکی ہے اس میں مشورہ کی ضرورت ہی نہیں۔ وہاں تو خدا اور رسول کو حکم ہو چکا بلکہ ایسے امور میں مشورہ مسلمانی نہیں پانچویں مشورہ ایسے لوگوں سے لیا جائے جو اہل عقل و عبادت ہوں۔ غرضکہ مشورہ کے متعلق حضرت عثمانی نے تمام مالہ و ماعلیہ کو روشن کر دیا یہی استثنائی خصوصیات اور سلیقہ شعاریاں ہیں جن کے باعث کوئی مفسر آنکھوں کا تارا بننے کے قابل ہوتا ہے جب مفسر نے یہ فرما دیا کہ جو چیز قرآن و سنت میں آ چکی ہے اس میں مشورہ کی ضرورت نہیں تو اس استثنائی صورت سے مشورے کی حدود متعین ہو گئیں اور باقی نکل گئیں۔

لطیف ظرافت

جن لوگوں کو مولانا عثمانی کی خدمت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ مولانا میں ایک نہایت ہی لطیف ظرافت کا مادہ تھا۔ اس ظرافت میں بھی نکتہ آرائیاں ہوتی تھیں تفسیر کے مضمون میں ظرافت کی گنجائش کہاں لیکن حسب ذیل تفسیر میں ذرا ظرافت کا اندازہ ملاحظہ ہو

والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق ما لاتعلمون۔ یعنی ہم نے گھوڑے' خچر اور گدھے پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور (ان کی سواری) زینت (شان) کا سبب ہو:۔

''یعنی سواری کرتے ہو اور (سوار ہو کر ایک طرح کی) عزت و شان ظاہر ہوتی ہے۔ (تنبیہ) عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں۔ وہاں کے گدھے نہایت قیمتی خوبصورت تیز رفتار اور قدم باز ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے گھوڑے کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ ایک زندہ دل ہندی نے خوب کہا تھا کہ حجاز میں ''گدھا نہیں حمار ہوتا ہے''۔ (النحل رکوع نمبر ۱)

قرآن کریم نے گدھے' گھوڑے اور خچر کی سواری کو زینت و شان بتلایا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پاکستان و ہندوستان کے لوگ گدھوں پر چڑھنا شرمناک محسوس کرتے ہیں۔ عثمانی نے زندہ دل ہندی کا مقولہ پیش کر کے نہایت ہی اعلیٰ ظرافت کا نمونہ پیش کیا ہے اور مجال کیا کہ شان تفسیری میں کچھ فرق آیا ہو ایک اور جگہ یوسف علیہ السلام کے بیٹوں کا باپ کے پاس آ کر یوسف علیہ السلام کے بھیڑیے کے کھا جانے پر بہانہ بنانے اور آ کر رونے کے متعلق وجآء واباھم عشآء یبکون کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

''اعمش نے خوب فرمایا کہ برادران یوسف کا گریہ و بکا سننے کے بعد ہم کسی شخص کو محض چشم اشکبار سے سچا نہیں سمجھ سکتے''۔ (س یوسف ۱۱)

ادب

حضرت عثمانی کی تفسیر میں بقول مولانا عبدالماجد جا بجا ادبیت کا رنگ ہے۔ راقم الحروف نے مولانا کے ادب پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے اس مقام پر علامہ کی تفسیر سے ادبی عبارتیں پیش کی ہیں۔ وہاں ادب کے حصہ میں دیکھیے تاہم یہاں ایک دو ادبی عبارتوں کے ٹکڑے پیش کرتا ہوں۔ قوم لوط کے واقعات کا ذکر قرآن کریم کر رہا ہے اور ان کی کیفیت کو اس طرز میں بیان کر رہا ہے کہ لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون یعنی بے شک تیری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔ مولانا تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے نبی کریم صلعم کو ہے یعنی تیری جان کی قسم لوط کی قوم غفلت اور مستی کے نشہ میں بالکل اندھی ہو رہی تھی۔ وہ بڑی لاپروائی سے حضرت لوط کی نصیحت بلکہ لجاجت کو ٹھکرا رہے تھے۔ ان کو اپنی قوت کا نشہ تھا۔ شہوت پرستی نے ان کے دل و دماغ مسخ کر دیے تھے۔ وہ بڑے امن و اطمینان کے ساتھ پیغمبر خدا سے جھگڑ رہے تھے' نہیں جانتے تھے کہ صبح تک کیا حشر ہونے والا ہے۔ تباہی اور ہلاکت کی گھڑی ان کے سر پر منڈلا رہی

تھی۔ وہ لوط کی باتوں پر ہنستے تھے اور موت انہیں دیکھ کر ہنس رہی تھی"۔ (حجر رکوع نمبر ۵)

عبارت میں سلاست، روانی، سادگی، جوش، فصاحت اور اختصار مولانا کی ادبیت کا ثبوت بہم پہنچا رہے ہیں۔ یا مثلاً علامہ **کل شیء فصلنٰہ تفصیلاً** (اور ہم نے سب چیزیں تفصیل کے ساتھ کھول کر بیان کی ہیں کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

"اس دنیا کی مکدر و منغص زندگی کو شب تاریک کے مشابہ سمجھو جس کے اندھیرے میں آدمی کو خیر و شر کے نتائج بالکل صاف دکھائی نہیں دیتے۔ بے شک حق تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو بھیجا کہ رات کی اندھیری میں مخلوق کو صحیح راستہ بتلائیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے اپنے درجہ کے موافق اجالا کریں جس سے لوگوں کو خیر و شر کی حقیقت اور اس کے نتائج کا انکشاف ہو جائے لیکن ایسا صریح اور بدیہی انکشاف جس میں کسی فرد بشر کو انکار یا شبہ کی مجال ہی باقی نہ رہے اس وقت ہوگا جب ہماری دنیوی زندگی کی رات ختم ہو کر فردائے محشر کا دن نکل آئے گا۔ انسان کے وہی اعمال ہی جو دنیا کی دھندلی زندگی میں ہر وقت اس کے گلے کا ہار بنے ہوئے تھے پر غفلت و جہالت وغیرہ کی تاریکی میں صاف نظر نہ آتے تھے۔ قیامت کی صبح ہوتے ہی ایک کھلی کتاب کی شکل میں سامنے آ جائیں گے جسے روز روشن کے اجالے میں ہر شخص بے تکلف پڑھ سکے گا۔ اس وقت اپنے چھوٹے بڑے اعمال کو اصلی رنگ دیکھ کر بول اٹھے گا **ما لھٰذا الکتٰب لایغادر صغیرۃً ولا کبیرۃً الا احصاھا** (کہف رکوع ۶)

یا مثلاً علامہ مفسر **وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا** . اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈال تو آئیں لیکن ماں کی ممتا کہاں چین سے رہنے دیتی رہ رہ کر موسیٰ کا خیال آتا تھا دل بے قرار جاتا رہا۔ موسیٰ کی یاد کے سوائے کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی قریب تھا کہ صبر و ضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور سب کے سامنے ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈال دیا ہے کسی کو خبر ہو تو لاؤ لیکن خدائی الہام کو یاد کر کے تسلی پاتی تھیں۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ ان کے دل کو مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت کھلنے نہ پائے اور تھوڑی دیر بعد خود موسیٰ کی والدہ کو عین الیقین حاصل ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے"۔ (پارہ نمبر ۲۰ رکوع نمبر ۲)

یہ سب عبارتیں زبان کی صفائی، عبارت کی چستی، روزمرہ اور محاورے سے مرصع نظر آتی

ہیں۔ یہی مطلب ہے مولانا عبدالماجد دریابادی کی اس تقریظ کا کہ مولانا عثمانی کی تفسیری عبارتیں نہ خشک ہیں نہ منطقی مولویانہ بلکہ جابجا دلچسپ اور ادیبانہ ہیں۔ اور مولانا محمد مشتاق صاحب ساکن قصبہ اجراڑہ ضلع میرٹھ نے علامہ مفسر کی تفسیر پر اپنا اظہار خیال ان الفاظ میں کیا ہے۔

(علامہ عثمانی) نے قرآن حکیم کے حقائق و معارف کو اس قدر سلیس اور شگفتہ زبان میں زمانہ حال کے موافق تحریر فرمایا ہے جو اردو دنیا کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے بلکہ ایسا بیش بہا مذہبی سرمایہ ہے جس پر اردو دان طبقہ قیامت تک جتنا فخر کرے کم ہے۔

نکتہ آرائی

بعض آیات میں حضرت مفسر علام ایک جملہ میں ایک طویل مضمون کو ادا کر جاتے ہیں اور کسی حقیقت کی طرف اشارہ کر جاتے ہیں۔ حور مقصورات فی الخیام یعنی (جنت میں) "حوریں ہوں گی جو خیموں میں رکی ہوں گی"۔ اس آیت کی تفسیر کے ماتحت لکھتے ہیں کہ

"اس سے معلوم ہوا کہ عورت ذات کی !خوبی گھر میں رکے رہنے ہی سے ہے"۔

مفسر نے فی الخیام سے یہ نکتہ نکالا کہ جس طرح جنت میں حوریں خیموں کے اندر ہوں گی اسی طرح عورتوں کا بھی پردہ میں رہنا ہی خوبصورتی ہے۔ اتنے بڑے اہم مختلف فیہا مسئلہ کو ایک جملہ میں حل فرما دیا ہے۔ یہی نکتہ آرائی اور نکتہ دانی ہے۔

حل و تحقیق لغات

جہاں کہیں خاص الفاظ اپنے معانی کے تعین میں ہنگامہ اختلاف کے باعث قابل تحقیق ہوئے ہیں وہاں علامہ اپنی لغت دانی اور تحقیق کا بے پناہ مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً توفی کے لفظ پر گذشتہ اوراق میں آنے پر مولانا کی بصیرت افروز تحقیق دیکھی ہے علاوہ ازیں و مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین یعنی "یہودیوں نے بھی مکر کیا اور اللہ نے بھی تدبیر کی"۔ میں مکر کا لفظ ہماری اور زبان میں اچھے خیال میں استعمال نہیں ہوتا۔ آریہ بھی اکثر قرآن کریم کی اس آیت پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ مولانا اپنے سلیقہ سے اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مکر کہتے ہیں لطیف و خفیہ تدبیر کو۔ اگر وہ اچھے مقصد کے لئے ہو تو اچھا ہے اور برائی کے لئے ہو تو برا ہے۔ اسی لئے ولا یحیق المکر السیء میں مکر کے ساتھ سیئی کی قید لگائی اور

یہاں خدا کو خیر الماکرین کہا"۔

یقیناً عربی لغت میں مکر کے یہی معنی ہیں لیکن ایک نکتہ دان مفسر ذراسی کاوش ہر مشکل کو آسان اور پاک وصاف بنا دیتا ہے۔ درانحالیکہ قرآنی بصیرت کے ساتھ شواہد ونظائر پیش کر کے سونے پر سہاگے کی سی شکل بنا دی جائے اسی طرح دیگر معرکۃ الآرا لغوی مسائل مثلاً ولقد همت به وهم بها میں هم پر اسی طرح ظلام للعبید میں ظلام وغیرہ پر سیر حاصل تحقیقات پیش کی ہیں۔

تنور

یا مثلاً طوفان نوح علیہ السلام کے وقت تنور سے پانی نکلنے میں لفظ تنور پر حسب ذیل تحقیقات پیش کی ہیں:۔

"تنور کے معنی میں اختلاف ہے بعض مطلق روٹی پکانے کا تنور مراد لیتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ حضرت حوا سے ایک تنور منتقل ہوتے ہوتے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس پہنچا تھا وہ ان کے گھر میں طوفان کا نشان ٹھہرایا گیا تھا کہ جب اس سے پانی ابلے کشتی میں سوار ہو جاؤ بعض کے نزدیک تنور کوئی خاص چشمہ کوفہ یا جزیرہ میں تھا۔ بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ تنور صبح کے اجالے اور روشنی کو کہا ہے یعنی صبح کی روشنی خوب چمکنے لگے بعض کہتے ہیں کہ فار التنور ممکن ہے ظہور عذاب اور شدت ہول سے کنایہ ہو۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ تنور کے معنی وجہ ارض (سطح زمین) کے ہیں۔ ہم نے جو اوپر تفسیر کی مقدم اسی معنی کو رکھا ہے"۔ (تفسیر حقانی ص ۲۹۲ سورۃ ہود رکوع نمبر ۴)

اشعار کا استعمال

تفسیر ایک ایسا ثقہ اور متین مضمون ہے جس میں شعر وشاعری کا دخل کم ہی رکھا گیا ہے لیکن مولانا کے شاعرانہ سلیقہ کا بہترین انداز اس امر سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں جہاں شگفتہ اور شستہ زبان پیش کی ہے وہاں بہت سے اشعار جا بجا مناسب محل ایسے چسپاں کئے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ شعراء نے انہی مواقع کے لئے ان اشعار کی تخلیق کی تھی۔ اندازاً ساری تفسیر میں سو کے قریب یا کم وبیش اشعار ہوں گے پھر نہ صرف اردو کے ہی اشعار ہیں بلکہ فارسی اور عربی کے بھی بہت سے اشعار استعمال کئے ہیں۔ اس قسم کے تمام اشعار میری نظر سے گزرے مگر میں عربی وفارسی اور اردو کے چند اشعار محض مولانا کے ذوق شعری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیش کرتا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان کو تینوں زبانوں کے ادب سے کتنا حصہ حاصل تھا۔ مولانا فانظر

الی اثار رحمة الله (اللہ کی مہربانی کی نشانیاں دیکھو) **کیف یحیی الارض بعد موتها** کہ وہ کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

"ہر طرف رحمت الٰہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آئیں گے جو قابلجیں مدت سے مٹی میں مل رہی تھیں باران رحمت کا ایک چھینٹا ان کو ابھار کر نمایاں کر دے گا چنانچہ حق تعالیٰ نے بعثت محمدی کے ذریعہ سے یہ جلوہ دنیا کو دکھلا دیا ہمارے صوبہ کے شاعر علیم نے کیا خوب کہا ہے۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر   ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما ابھار کر   اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بے شمار کر

صل علیٰ محمد صل علیٰ محمد

مولانا شب معراج کے ماتحت **لقد رایٰ من ایٰت ربه الکبریٰ** (نبی اکرم صلعم نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں) کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

اذیغشی السدرة کے فائدہ میں جو بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ جو اور نمونے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) دیکھے ہوں گے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں   بلبل چہ گفت، گل چہ شنید و صبا چہ کرد

نحن اقرب الیه من حبل الورید کی تفسیر لکھتے لکھتے، لکھتے ہیں:۔

جاں نہاں در جسم او درجہاں نہاں   اے نہاں اندر نہاں اے جان جاں

سورۂ یوسف رکوع نمبر ۱۴ میں **ان ھٰذا الاملک کریم فذٰلکن الذی لمتننی فیه ولقد راودته عن نفسه فاستعصم** اور **ولئن لم یفعل ما اٰمره لیسجنن ولیکونا من الصغرین** میں علی الترتیب تفسیر کے ماتحت حسب ذیل اشعار یوسف علیہ السلام کے فرشتہ خو ہونے، زنان مصر کے زلیخا کو طعنہ دینے، زلیخا کا یوسف پر ڈورے ڈالنے اور ان کے بچ نکلنے اور پھر قید کی دھمکی دینے پر بے ساختہ قلم سے نکل گئے ہیں۔

قوم اذا قوبلوا کانوا ملائکة   حسناً وان قوتلوا کانوا عفاریتا
ایں است کہ خوں خوردہ و دل بردہ بسے را   بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را
لاتخف ما صنعت بک الاشواق   واشرح ھواک فکلنا عشاق
عنقا شکار کس نشود دام باز چیں   کانجا ہمیشہ باد بدست است جام را

مذکورہ اشعار کا حسب اقتضا تفسیری ٹکڑوں کے ماتحت بے ساختہ آ جانا علامہ مفسر کے ذوق

شعری پر دلالت کرتا ہے اور لطف یہ ہے کہ تفسیر کی متین اور ثقہ قدروں میں کیا مجال ذرا بھی فرق آ جائے اردو کے شعراء میں اکبر الٰہ آبادی کے بڑے ہی مداح تھے اور اکثر اپنی تحریر و تقریر میں اس کے اشعار پیش کرتے تھے۔ مزید تفصیل مولانا کے ادب کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہے۔

تفسیر عثمانی میں روحانیت و نورانیت

مفسر علام کی تفسیر میں دوسری خوبیوں کے علاوہ ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے روح میں ایک شگفتگی اور نورانیت کے چشمے ابلتے نظر آتے ہیں جس کی تجلیات انوار قلبی سے ہی دیکھی جا سکتی ہے۔ کتنے ایک مفسرین کی تفسیروں میں وہ رنگ دکھائی نہیں دیتا۔ دلچسپ عبارتیں یا علمی نکتہ آرائیاں ہوں گی۔ مگر نورانیت و روح مفقود ہے ملاحظہ ہو حسب ذیل عبارتی ٹکڑے **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذلک مثلھم فی التورٰۃ ومثلھم فی الانجیل** (ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان سے موجود ہے۔ یہ ان کی شان تورات میں اور ان کی مثال انجیل میں ہے) کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

”نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے گویا خشیت و خضوع اور حسن نیت اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں حضرت کے اصحاب اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچانے جاتے تھے۔ پہلی کتابوں میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی ایسی ہی شان بیان کی گئی تھی چنانچہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب ان کے چہرے اور طور و طریق دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں“۔ (فتح رکوع نمبر۱۲)

ایک اور مقام تفسیر میں **واشرقت الارض بنور ربھا ووضع الکتٰب وجایٔ بالنبیین والشہدآء** کے ماتحت مولانا عثمانی سورۃ الزمر رکوع نمبر۸ کے ماتحت لکھتے ہیں۔

”حق تعالیٰ حساب کے لئے اپنی شان کے مناسب نزول اجلال فرمائیں گے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور بے کیف سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی۔ حساب کا دفتر کھلے گا سب کے اعمالنامے رکھ دیے جائیں گے۔ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے گواہ دربار میں حاضر ہوں گے۔ ہر شخص کے اعمال کا نہایت انصاف سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ سنایا جائے گا کسی پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہوگی“۔

ایک اور جگہ **وتری الملٰئکۃ حآفین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم و قضی بینھم بالحق وقیل الحمدللہ رب العٰلمین** کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

"حق تعالیٰ جب حساب کتاب کے لئے نزول اجلال فرمائیں گے اس وقت فرشتے عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جس پر ہر طرف سے جوش وخروش کے ساتھ الحمدللہ رب العلمین کا نعرہ بلند ہوگا۔ اسی نعرۂ تحسین پر دربار برخاست ہو جائے گا" (الزمر رکوع نمبر ۸)

ایک اور مقام پر مولانا عثمانی سورۂ نجم کی آیت ماضل صاحبکم وماغوی" یعنی تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بہکے اور نہ بے راہ چلے) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے ایسے ہی تمام انبیاء کی تشریف بری کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب وماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہئے جس سے ایک عالم کی ہدایت وسعادت وابستہ ہے"۔ (النجم رکوع نمبر ۱)

مذکورہ بالا تفسیری عبارتوں میں تہجد کی نماز سے چہروں پر خاص قسم کا نور حسن نیت واخلاص کی شعاعیں متقیانہ چال ڈھال نزول اجلال تجلی اور نور بے کیف عرش کے ارد گرد فرشتوں کا حلقہ باندھ کر تسبیح وتحمید نعرۂ تحسین کا بلند ہونا آسمان نبوت کے ستارے' آفتاب درخشاں' آفتاب محمدی کا طلوع ظاہری ستاروں کا محکم نظام' باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب وماہتاب کا انتظام' ہدایت و سعادت کی وابستگی ان تمام الفاظ کے باہمی متناسب اجتماع اور ان کے معانی کی مجسمہ کیفیت ایک عجیب اور باطنی نور رحمت وروحانیت کا سماں پیدا کرتی ہے جس سے دل پر تجلیات ربانی کی بارش ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے دراصل یہ حالت مولانا عثمانی کی قلبی کیفیت کا مظہر ہے جو ان کی والہانہ تفسیری محویت کو محسوس کرا رہی ہے۔

ربط مضامین آیات قرآنیہ

علامہ مفسر کے تفسیری محاسن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مضامین اور آیات میں جہاں ظاہر بیں نظروں کو باہم ترتیب اور ربط نظر نہیں آتا بہترین اور لطیف ربط بیان فرماتے جاتے ہیں جو دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً چودھویں پارے کے شروع سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ سے ملک شام میں بیت المقدس کی طرف لے جائے جانے کا ذکر حسب ذیل آیت میں اس طرح کیا گیا ہے:۔

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بٰرکنا حولہ لنریہ من ایٰتنا انہ ھو السمیع البصیر

پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ تک جس کو ہماری برکت نے گھیر رکھا ہے تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کے نمونے دکھائیں وہی ہے سننے دیکھنے والا۔

مذکورہ بالا آیت میں اسراء کا واقعہ بیان کیا گیا ہے لیکن اس کے فوراً بعد جو آیت ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

وآتینا موسی الکتٰب و جعلنٰہ ھدی لبنی اسرائیل الاتتخذوا من دونی وکیلا

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا کہ کسی کو میرے سوائے کارساز نہ بناؤ۔

مذکورہ بالا دونوں آیات یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المقدس تشریف لے جانے اور موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دینے اور بنی اسرائیل کے لئے ہدایت ہونے میں ظاہر بین نگاہیں کوئی ربط محسوس نہیں کرتیں۔ مولانا عثمانی کی تفسیر اور ان کی مبصرانہ نگاہوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ان آیت میں ربط بیان فرمائیں ورنہ تفسیر تشنہ رہ جائے گی اور ربط بھی ایسا ہو جو دل کو اپیل کرے چنانچہ حضرت عثمانی نے موقع کو پرکھا ہے اور ربط بیان کئے بغیر آگے نہیں بڑھے اور ربط بھی نہایت لطیف چنانچہ فرماتے ہیں:۔

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل و شرف بیان فرما کر سلسلہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کیطرف منتقل کر دیا گیا چونکہ اسراء کے ذیل میں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جانا مذکور ہوا تھا۔ آگے ”مسجد اقصیٰ“ اور اس کے قدیم متولیوں (بنی اسرائیل) پر جو مختلف دور گزرے مسلمانوں کی عبرت اور خود بنی اسرائیل کی نصیحت کے لئے ان کا بیان کیا جاتا ہے یہ آیت اسی کی تمہید ہے واقعہ اسراء میں اشارہ تھا کہ حجازی پیغمبر کی امت ہی آئندہ اس امانت الٰہی کی مالک بننے والی ہے جو شام کی مبارک سرزمین میں ودیعت کی گئی تھی۔

ان آیات میں بنی اسرائیل کو متنبہ کرنا ہے کہ اگر خیریت چاہتے ہیں تو اب پیغمبر عربی صلعم کی پیروی کریں ورنہ مسجد اقصیٰ کی تولیت سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

ان آیات میں باہمی ربط اور آئندہ مضمون کے تمہیدی سلسلہ کا جس لطیف انداز میں علامہ

عثمانی نے اپنی تحقیق سے ذکر پیش کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے واقعہ اسراء اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور بنی اسرائیل کا ذکر یہ تمام سلسلہ کی کڑیاں حضرت مفسر کی تفسیر میں ملتی چلی گئی ہیں۔

اعمال واوراد قرآنی

کہیں کہیں مفسر علام قرآن کریم کی بعض خصوصی آیات کے ماتحت جہاں واقعی اعمال و اوراد کے تاثرات قلم کو مجبور کر دیتے ہیں کہ اس آیت کو اپنے لئے وظیفہ زندگی بنانا انسان کی نصرت و یاری فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہے وہاں مولانا اس قسم کی آیات کے ماتحت اس آیت کے اثرات اور عمل رسالت کو پیش کرتے ہیں۔ مثلاً سورۂ توبہ کی آخری آیت **حسبی اللہ لا الہ الا هو علیه توکلت و هو رب العرش العظیم** (مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”......زمین و آسمان کی سلطنت اور عرش عظیم (تخت شہنشاہی کا مالک وہی ہے سب نفع و ضرر ہدایت وضلالت اسی کے ہاتھ میں ہے (فائدہ) ابوداؤد میں ابوالدرداء سے روایت کی ہے کہ جو شخص صبح وشام سات سات مرتبہ **حسبی اللہ لا الہ الا هو علیه توکلت و هو رب العرش العظیم** پڑھا کرے۔ خدا اس کے تمام ہموم وغموم کو کافی ہو جائے گا......“ (سورۂ توبہ پارہ نمبر ۱۱ رکوع نمبر ۵)

حقیقت بھی یہ ہے کہ اس آیت کو پڑھ کر قاری ٹھٹک جاتا ہے اور اس میں اپنی پریشانیوں اور بیکسیوں کا مداوا تلاش کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے اور بالآخر یہی وہ سکون وتسلی آمیز نصرت ہے جو مصیبت زدہ انسانوں کی بے چینیوں کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

الغرض حقیقت یہ ہے کہ دل و دماغ کے باہمی متفقہ فیصلہ کے بعد قلم سراطاعت جھکا کر انصاف سے یہ لکھنا اپنے لئے باعث سعادت وفخر سمجھتا ہے کہ علامہ دوراں مفسر یگانہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی تفسیر زمانے کے تقاضوں فلسفہ زدہ انسانوں ترقی وتمدن کی پر پیچ وخم وادیوں اقتصادیات کی الجھنوں سیاسیات انسانیہ کی کجرویوں مردہ دلوں بیمار روحوں اور مقہور قوموں کا بہترین مداوا پیش کرتی ہے۔ اس میں مفہوم قرآنی کو نہایت دلکش پیرائے ادیبانہ طرز بیان بے نظیر پیرایہ افہام وتفہیم عالمانہ اور حکیمانہ انداز اور جدید وقدیم خیالات کے نظریوں اور تصوریوں کی رفع تشنگی کا سامان موجود ہے۔ پھر جابجا اخلاقی روحانی مواعظ کا رنگ بھی موجود ہے۔ علوم ومعارف کے بے شمار خزانے صفحات تفسیر میں بکھرے پڑے ہیں یہ وہ جواہر گرانمایہ ہیں جن کے سامنے سکندر ودارا کی حکومتیں ہیچ ہیں اور ان علوم و

معارف حکم و بصائر کو پڑھ کر غریب اور درماندہ روحیں سکون واطمینان حاصل کرتی ہیں غرض یہ ہے کہ تفسیر عثمانی ایک رحمت ہے جو موصوف کے ذریعہ سے قدرت نے ہم پر نازل کی ہے اور یہ مولانا عثمانی کی وہ باقیات الصالحات ہیں جو ملک کے اطراف و جوانب میں شب و روز کے مختلف لمحات میں پڑھنے والوں کے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا کرتی ہیں۔ خداوند قدوس آپ کی روح پر ہزاراں ہزار رحمتیں نازل فرمائے جن کا یہ کارنامہ جتی دنیا تک یاد رہے گا۔

اس تبصرہ کے آخر میں میں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (جو علماء دیوبند کے فضلاء میں سے ایک فاضل ہیں اور حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیری اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہما اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں) کی تقریظ جو حضرت شیخ الہند کی سورۂ بقر اور سورۂ نساء اور بقیہ تفسیر عثمانی کے متعلق مقدمہ مشکلات القرآن مصنفہ حضرت استاذی وسیدی مولانا محمد انور شاہ صاحب میں لکھی ہے پیش کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

> ومن ارادحل نظم القران الکریم فی لغة اردویه هندوستانیه بابدع اسلوب والفصح تعبیر فی اقصروقت فعلیه بمطالعة الفوائد للتفسیریة علی القران لشیخ مشائخنا شیخ العصر العارف مولانامحمود الحسن الدیوبندی المتوفی ۱۳۳۹ھ المدعو بشیخ الهند رحمه الله تعالیٰ ومحقق العصر الحاضر شیخنا و مولانا الشبیر احمد العثمانی اطال الله بقاء ه وارفرملامة رواته فانهما اتیافیها بعجب العجاب فی حل نظم الکتاب وافصاح غرض التنزیل بکلمات کلهاو دررذات بهاء وغررذات سناء وربما لاتحل عقده من تصح هذه المجلدات الکبیرة وتفقلحذه المادة الزاخرة وتلعاالدحلت فیها باخصر عبارة اوالطف اشارة فشکر الله مسعاهما الجمیل".

اور جس شخص کا قرآن کریم کے اردو زبان میں بہترین طرز اور فصیح طور پر تھوڑے سے وقت میں حل کرنے کا ارادہ ہو تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہمارے استاذ الاستاذ شیخ زمانہ مولانا محمود الحسنؒ صاحب دیوبندی شیخ الہند متوفی ۱۳۳۹ھ اور محقق زمانہ حاضرہ ہمارے شیخ مولانا شبیر احمد عثمانی خدا ان کی عمر دراز کرے اور امت کے لئے ان سے فیض کثیر پہنچائے۔ کے تفسیری فوائد کا مطالعہ کرے کیونکہ ان دونوں نے ان فوائد تفسیریہ میں قرآن کریم کی آیات کو واضح کرنے میں عجیب عجیب نکتہ آرائیاں کی ہیں اور ایسے الفاظ میں قرآن کریم کے الفاظ کے موتیوں کی تشریح کی ہے جو روشن ہیں۔ اور بڑی بڑی تفسیر کی کتابوں کی تحقیقات میں وہ عقیدہ کشائیاں نظر نہ آئیں گی جو ان کے

فوائد کی مختصر اور لطیف عبارت میں مل سکیں گی۔ (مقدمہ مشکلات القرآن)

علامہ عثمانی کا مقام حدیث

کلام الٰہی کے بعد کلام رسول سے زیادہ اور کس کا کلام وقعت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جانے کے قابل ہو سکتا ہے اول کو قرآن اور دوسرے کو حدیث کے نام سے مسلمان پکارتے ہیں۔ احکام الٰہی کا تمام تر ذخیرہ اسی کلام میں ہے اور حدیث اسی وحی یا کلام مجید کی تفسیر ہے آج قرآن و حدیث کو لوگوں نے اپنے اپنے خیال اور رائے کے مطابق تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ ورنہ صحیح حدیث اور اسوۂ حسنہ کے بغیر قرآن کریم کا سمجھنا دشوار ہی نہیں بلکہ طبیعت مستقیمہ کے نزدیک ناممکن ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک سوال کے جواب میں خلقه القرآن فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر خلق محمدی میں ملے گی اور ولكم في رسول الله اسوة حسنة یعنی تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں اسوۂ حسنہ کی روشنی ہے جس سے تم قرآن کریم کو سمجھو اور اس نمونہ پر تم اپنے آپ کو ڈھال سکو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام دنیا کے انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اسوۂ حسنہ ہے اور آپ کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمان اگر قرآن کریم کی اس آیت کے ماتحت اسوۂ حسنہ تلاش کرنے نکلیں تو وہ احادیث کے سوائے کہاں سے ملے گا ورنہ سرے سے آیت ہی غلط ہوئی جاتی ہے اس لئے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جماعت میں یقیناً ایسے محدثین کی جماعت پیدا کرے گا اور کرنے چاہئیں جو آنحضور کی حدیثوں اور حالات زندگی کو صحیح راویوں کی تنقید اور صحیح و وضعی حدیثوں کو علیحدہ علیحدہ کر دے گا اور جب کہ صاحب قرآن نے خود وعدہ فرمایا کہ انا نحن نزلنا الذكر و انا له لحافظون کہ ہم نے ہی قرآن کریم کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے اس لئے قرآن کی حفاظت کے لئے اسوۂ حسنہ کی حفاظت بھی من جانب اللہ لازمی ہو جاتی ہے اور قدرت نے اس کا انتظام اور حفاظت کرانے کی خدمت امام بخاری امام مسلم وغیرہ جیسے ائمہ حدیث سے لی جنہوں نے اپنی تمام زندگی کو احادیث کے جمع کرنے اور صحیح کو غیر صحیح سے جدا کرنے میں وقف کر دیا اور اس کے لئے اسماء الرجال کا علم جاری کیا جس کی نظیر دنیا کی غیر مسلم قوموں میں کہیں بھی نہیں ملتی۔ اگر قرآن کریم کے الفاظ معانی، حرکات و سکنات، مد اور وقف، مخارج الفاظ اور اس کے لہجوں، نقطوں اور لفظوں کی تعداد کی ان کے خدمت کرنے والوں کے ذریعہ محافظ نے حفاظت کا کام لیا تو کیا وہ محافظ قرآن اسوۂ رسول علیہ السلام کی حفاظت کے ذریعہ

قرآن کریم کی حفاظت نہ کرائے گا جبکہ آنحضورؐ کے خلق کو **خلقه القرآن** فرمایا گیا ہے اس لئے احادیث صحیحہ کے ذخیرہ کی حفاظت کے لئے جو تمام کچھ روحانی و جسمانی' مساعی' نورانی اور ایمانی کوششیں' تقویٰ اور طہارات سے لبریز زندگیاں خوف خدا اور عذاب جہنم کے شعلوں کا ڈر اور رسول اللہ علیہ السلام کا وہ فرمان **من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار** یعنی جس نے مجھ پر جان کر جھوٹ بولا اسے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالینا چاہئے یہ وہ امور ہیں جن کے باعث احادیث کی حفاظت کی گئی اور بالآخر ایسی احادیث کا مجموعہ قدرت نے مرتب کرادیا جن کو صحیح احادیث کہا جاسکتا ہے اور جن میں آنحضور کا اسوۂ موجود ہے جو قرآن کریم کی تفسیر اور تصویر ہیں۔

امام بخاری اور مسلم نے جن مصیبتوں اور کاوشوں سے انتہا درجہ کی صحت مند شرائط اور محتاط طریق کار کے ساتھ احادیث صحیحہ کی جو تلاش و جستجو کی ہے وہ اب تک اسی شان تواتر و تسلسل سے نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہیں اور جن راویوں کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک روایات کو پہنچایا ہے اور ان کی پوری چھان بین کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں حیرت تو یہ ہے کہ تاریخ کا رطب و یابس ذخیرہ تو آج کی دنیا میں معتبر سمجھا جاتا ہے لیکن احادیث کا خزانہ جن کی صحت کا محدثین نے نور تقویٰ اور ثقہ راویوں کے ذریعہ سراغ لگایا ہے وہ صحت کے درجہ سے گرا ہوا تصور کیا جاتا ہے۔

بہر حال اس نظریہ کی کشمکش نے تصنیفات و تالیفات کا اچھا خاصہ ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ میں تو صرف اتنا یقین رکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہماری اصلاح کا ضامن ہے اور خدائے کریم کے فرمانے کے مطابق وہ اپنی صحت کیساتھ قائم ہے۔ یہاں اس بحث کے لئے مقام اتنی گنجائش نہیں رکھتا۔ ہمارے نزدیک اگر صحیح حدیث کا وجود نہیں تو قرآن کریم کی وہ بہت سی آیتیں جو مسلمان کو اپنے پس منظر کی دعوت دیتی ہیں اور انسان کو اس جستجو پر مجبور کرتی ہیں کہ کچھ واقعات ایسے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے ہیں جن کا یہ آیات جواب بن رہی ہیں۔ مثلاً سورۂ انفال کے سمجھنے کے لئے جنگ بدر کے تمام واقعات حدیث پر موقوف ہیں جو اس سلسلہ میں متعلق ہیں غرضکہ قرآن کریم کا بہت بڑا ذخیرہ اپنا پس منظر چاہتا ہے اور وہ حدیث کے بغیر ناممکن ہے لہذا حفاظت قرآن کریم کی خاطر حدیث کا کسی نہ کسی انداز میں صحت کے ساتھ قائم رکھنا بھی اللہ کی مشیت و حفاظت کے ضمن میں آجاتا ہے۔

اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے مخلص مسلمانوں کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ حدیث کی اصطلاحات اور بعض دیگر حدیث سے متعلق امور کی طرف ان کی رہبری کی جائے تاکہ بحیثیت ایک مسلمان اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث کا ایک خاکہ اس کے ذہن میں آسکے۔ اس

سلسلہ میں محدث پاکباز علامہ عثمانی کی فتح الملہم شرح مسلم سے اقتباسات اور مضامین کے انتخاب نیز حدیث وسنت کی تعریفات پیش کی جاتی ہیں یہاں یہ امر واضح کردوں کہ جس طرح علامہ عثمانی کو مقام تفسیر میں مفسر اعظم کے لقب سے بقول مولانا محمد میاں صاحب یاد کیا گیا ہے اس حصہ حدیث میں بقول مفتی کفایت اللہ صاحب حضرت عثمانی کو محدث پاکباز کے لقب سے یاد کیا جائے گا۔

محدث پاکباز اور حصول حدیث

دار العلوم دیوبند میں علم الحدیث کے سب سے بڑے ماہر کو شیخ الحدیث اور صدر مدرس مانا جاتا رہا ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں جن علمائے حدیث کے نام لئے جا سکتے ہیں اپنے اپنے دور میں دار العلوم دیوبند کا شیخ الحدیث ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دنیائے اسلام میں سب سے بڑی حیثیت کا مالک اگر تسلیم کیا جائے تو یہ حقیقت مبالغہ سے خالی ہوگی۔ چنانچہ دیوبند کے علماء میں حضرت مولانا گنگوہیؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ شیخ الہند حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب بلند پایہ محدثین میں تسلیم کئے گئے ہیں۔ ان حضرات نے دار العلوم دیوبند اور اپنے حلقہ درس و تدریس میں حدیث کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ انہیں حضرات میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم ہیں جنہوں نے دار العلوم دیوبند میں مختلف علوم وفنون کی اعلیٰ کتابیں پڑھانے کے بعد صرف علم وحدیث کی تعلیم دینے کے لئے دار العلوم دیوبند کو اپنی زندگی وقف کردی تھی۔

سند حدیث

آپ حدیث میں شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد رشید ہیں جو دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ انہوں نے حدیث حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم دیوبند سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب محدث دہلوی سے پڑھی۔ تا آنکہ یہ سلسلہ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ جاتا ہے۔ مزید تحقیقات کے لئے آغاز کتاب میں شجرۂ علمی ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک حدیث کی سند دوسری کتابوں اور اساتذہ کی سندوں نیز مقدمہ بخاری مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری میں موجود ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمایئے۔

تعلیم حدیث

آپ نے دار العلوم دیوبند سے سن ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں حدیث کی حسب ذیل کتابیں پڑھیں۔

(۱) بخاری شریف، (۲) مسلم شریف، (۳) ابوداؤد، (۴) ابن ماجہ، (۵) ترمذی،
(۶) موطا امام مالک (۷) موطا امام محمد (۸) نسائی، (۹) شمائل ترمذی

یہی مذکورہ بالا سال مولانا کی تعلیم کا آخری سال ہے جس کو دورۂ حدیث کا سال کہا جاتا ہے۔ آپ اس سال درجہ حدیث میں سب سے اول رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم حدیث سے آپ کو خداداد مناسبت تھی۔

تدریس حدیث

۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء میں فراغت کے بعد آپ نے ۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند ہی میں تعلیم دینا شروع کی۔ اسی سال حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی آپ کی شاگردی میں رہے جو دورۂ حدیث میں کتابوں کی اس ترتیب کے نہ ہونے کے باعث جو شرائط دارالعلوم میں سے ہے داخل نہ ہو سکے۔ ایک سال کے بعد شوال ۱۳۲۶ھ میں آپ مدرسہ فتح پوری واقع چاندنی چوک دہلی کے مشہور عربی مدرسہ میں صدر مدرس ہو کر تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں مولوی عبدالاحد صاحب مالک مطبع مجتبائی مدرسہ فتح پوری کے منتظم تھے۔ انہی کی درخواست پر آپ کو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے جو آپ کے برادر بزرگ تھے مدرسہ فتح پوری کی صدارت پر بھیجا تھا۔ ظاہر ہے کہ صدر مدرس کی حیثیت سے آپ نے وہاں حدیث کی تعلیم میں زیادہ وقت گزارا ہوگا۔

دارالعلوم دیوبند کی روئیداد ۱۳۳۳ھ میں مولانا عثمانی کے متعلق مہتمم صاحب لکھتے ہیں:۔

''۱۳۲۶ھ میں آپ مدرسہ فتح پوری دہلی کے مدرس اول مقرر ہو کر گئے۔ ۱۳۲۸ھ تک وہاں رہے۔ ممبران مدرسہ کو یہ امر پسند نہ تھا کہ ایسے لائق اور کارآمد شخص کو دارالعلوم سے جدا رکھا جائے اس لئے شوال ۱۳۲۸ھ میں دیوبند بلا لئے گئے''۔ (روئیداد دارالعلوم دیوبند ۱۳۳۳ھ ص ۲۰)

دارالعلوم دیوبند کی ملازمت میں بھی جہاں معقول اور منقول کی بڑی بڑی کتابیں پڑھاتے وہاں حدیث کی بھی تعلیم ابتداء ہی سے دیتے تھے۔ چنانچہ مہتمم صاحب ۱۳۳۳ھ کی روئیداد میں لکھتے ہیں:۔

''مولانا (شیخ الہند) نے (حج کو) تشریف لے جانے سے ایک روز قبل ترمذی کا سبق خود پڑھایا اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد دورۂ حدیث کے اسباق اس طرح تقسیم کر دیئے گئے کہ حضرت مولانا کی جگہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کو ترمذی شریف کا سبق دیا گیا اور قائم مقام صدر مدرس آپ ہی بنائے گئے۔ مسلم شریف کا سبق مولوی شبیر احمد صاحب کو دیا گیا۔ مولانا

محمد انور شاہ صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب بموجودگی حضرت مولانا (شیخ الہند) عرصہ آٹھ سات سال سے دورۂ حدیث کی ایک ایک دو دو کتاب ہر سال پڑھاتے تھے۔ ترتیب اسباق حدیث اس طرح ہوتی تھی کہ شروع سال پر ترمذی حضرت مولانا کے یہاں مسلم شریف اور ابوداؤد میں سے ایک کتاب مولانا انور شاہ صاحب کے یہاں۔

حضرت استاذی مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند حیات شیخ الہند میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت شیخ الہند تفسیر، حدیث، اصول فقہ، منطق، معانی کی کتب محنت اور شوق سے بے تکلف پڑھاتے تھے اور جیسا کہ پہلے تحریر ہوا ہے ابتداء میں تو بہت ہی زیادہ مشغولیت و مشقت برداشت فرماتے تھے مگر آخر میں بھی ۱۳۳۳ھ تک پانچ چھ گھنٹے روزانہ درس دیتے تھے۔ اس زمانہ کے بعد کچھ بوجہ ضعف و امراض کے اور نیز اس لئے کہ حضرت کے ممتاز تلامذہ مولانا انور شاہ صاحب، مولانا حسین احمد صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب مدرسہ میں موجود تھے۔ آپ حسب ضرورت روزانہ دو یا تین گھنٹے درس دیتے تھے"۔ (حیات ص ۲۱)

بہر حال یہ ثابت ہوتا ہے کہ محدث پاکباز ۱۳۲۶ھ سے ہی کتب حدیث پڑھانے کی خدمت انجام دینے لگے تھے اور اس کے نتیجہ میں آپ فراغت کے بعد ابتدائی دور میں ہی بڑے اساتذہ کی جماعت میں اپنے فضل اور لیاقت خداداد کی وجہ سے شامل ہو گئے۔ تا آنکہ آپ کا سکہ دارالعلوم میں بیٹھ گیا۔

حضرت شیخ الہند مرحوم حج کیلئے شوال ۱۳۳۳ھ میں روانہ ہوئے اور اسی سفر حج میں قید فرنگ میں مالٹا نظر بند رہے اور ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ کو نو بجے صبح مالٹا سے روانہ ہو کر دیوبند کے اسٹیشن پر پہنچے اور اس سال بخاری شریف حضرت شیخ الہند نے پڑھائی لیکن مالٹا سے واپسی پر صرف چھ ماہ بعد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد مسلم شریف مولانا عثمانی مستقل طور پر ۱۳۴۴ھ تک دارالعلوم میں پڑھاتے رہے۔ بعد ازاں آپ ڈابھیل میں حدیث کا درس دیتے رہے۔ ۲ صفر ۱۳۵۲ھ کو جب امام العلما حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا جو جامع ڈابھیل میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے تو اب صدر مدرس محدث پاکباز بنائے گئے اور بخاری شریف کا درس جس کا مرتبہ قرآن کریم کے بعد ہے آپ کے سپرد ہوا اور اب آپ وہاں کے مستقل شیخ الحدیث ہو گئے۔

مہارت علم حدیث

یہ ہے مولانا عثمانی کے علم حدیث سے شغف اور مشغولیت کا عرصہ اور مطالعہ حدیث و تحقیق کا

دائرہ جس میں آپ کو علم حدیث کی مہارت اس درجہ پر ہو گئی کہ ہندو پاکستان اور بیرون ہند کے محدثین میں آپ چوٹی کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کے علم حدیث اور محدث ہونے پر جو اہل علم نے ریمارکس دیئے ہیں وہ پیش کرتا ہوں تاکہ میرے دعویٰ کی دلیل اور تائید بن سکیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی اور دیگر اکابر کی محققانہ رائیں

۱۳۳۳ھ کی روئداد میں جبکہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم اور مولانا حبیب ارحمان صاحب نائب مہتمم تھے۔ مولانا شبیر احمد صاحب کے متعلق حسب ذیل الفاظ درج ہیں:۔

"مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی موخر طبقہ کے اصحاب میں سے ہیں اور ماشاء اللہ نوجوان اہل علم میں سے ہیں جن کو علوم اکابر کا حامل قرار دیا جائے تمام علوم معقول و منقول میں کامل استعداد رکھتے ہیں۔ تقریر و تحریر میں بے مثل ہیں خصوصاً علم حدیث میں ایسا ملکہ ہے جو معمر اور تجربہ کار مشائخ حدیث کو ہوتا ہے"۔ (روئداد مدرسہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۳۳ھ ص ۲۰)

مذکورہ عبارت میں یوں تو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مولانا شبیر احمد صاحب کو جملہ علوم معقول اور منقول میں کامل استعداد کا مالک بتایا ہے لیکن علم حدیث میں معمر اور مشائخ حدیث کا درجہ دیا ہے۔

امام المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے فتح الملہم شرح مسلم کی تقریظ میں حضرت عثمانی کے محدث ہونے کو اس طرح ظاہر فرمایا لکھتے ہیں:۔

لا جرم علامہ عصر مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی کہ محدث و مفسر و متکلم ایں عصر اند و در علم ایں احقر ہیچ کس خدمت ایں کتاب بہتر و برتر از یشاں نتانستے کرد۔ متوجہ ایں خدمت شدہ منت بر رقاب اہل علم نہادند"۔ (آخر فتح الملہم جلد اول)

یقیناً اپنے زمانہ کے علامہ مولانا مولوی محمد شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی کہ اس زمانہ کے محدث و مفسر و متکلم ہیں اور احقر کے علم میں کوئی شخص اس کتاب (مسلم) کی خدمت ان سے زیادہ بہتر اور برتر نہ کر سکا اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر انہوں نے اہل علم کی گردن پر احسان کیا۔

پس اگر حضرت شاہ صاحب کی نظر میں مسلم کی شرح جو بخاری کے بعد دوسرا مقام فن حدیث میں رکھتی ہے۔ حضرت عثمانی سے بہتر نہ کر سکا تو اس سے زیادہ ان کے عالم حدیث اور محدث ہونے میں اور کیا تائید پیش کی جا سکتی ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اپنے ایک پرائیویٹ مکتوب میں جو مولانا عثمانی کے نام بدست خود آپ نے لکھا ہے اور میرے پاس باصلہ موجود ہے۔ مولانا شبیر احمد صاحب کو دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث ہونے کا اہل ہونے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"سیدنا المحترم زادت معالیکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

عرصہ دراز سے ارادہ کر رہا ہوں کہ عریضہ ادب ارسال خدمت کروں مگر عدیم الفرصتی نے آج تک اس شرف کے حاصل کرنے میں تعویق کی۔

مجھے افسوس اور صدمہ ہے کہ جو ابحاث مجلس شوریٰ میں پیش آئیں ان کا انجراء یہاں تک ہوا کہ ناقلین کے الفاظ باعث تکدر ہوئے۔

میں نے اس مجلس میں آنجناب کے علمی کمالات تحریر و تقریر میں فائق و ماہر ذکاوت و حافظہ میں بے نظیر ہونے کا خود اقرار کیا تھا اور اب بھی اقرار کرتا ہوں اور اسی بنا پر میں یہ خیال کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہوں کہ جناب کے لئے صدارت و تدریس مناسب اور شایاں ہے اس کو لوگ پالیسی یا ڈپلومیسی پر حمل کرتے ہیں میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں اپنی استعداد اور قابلیت علمی اور تقریری و تحریری آپ کے شاگردوں کے پائے کی بھی نہیں پاتا۔ میرا پختہ اور صحیح خیال ہے کہ جناب کے شایان شان صدارت تدریس ہے اگر آپ کے لئے وہ جگہ تجویز ہو تو میں اپنا علیحدہ بھی ہونا بخوشی و خرمی منظور کروں گا...... الخ۔

مولانا مدنی مدظلہ العالی کا یہ مکتوب ۱۱ رجب ۱۳۵۴ھ کا ہے جبکہ مولانا عثمانی کے دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم ہونے کی تجویز مجلس شوریٰ کے زیر بحث تھی۔ حضرت مدنی نے قسم کھا کر مولانا عثمانی کو دارالعلوم دیوبند کی صدر مدرسی یعنی عہدۂ شیخ الحدیث کے زیادہ اہل ہونے کا مکرر سہ کرر اپنے مذکورہ بالا خط میں اظہار فرمایا ہے۔

شیخ محمد زاہد الکوثری مصر میں زبردست عالم اور ناقد ہیں انہوں نے علامہ کی فتح الملہم شرح مسلم کے متعلق پڑھ کر جو کچھ تقریظ کی وہ فتح الملہم کی بحث میں آئے گی لیکن جن الفاظ میں انہوں نے محدث پاکباز کو یاد کیا وہ قابل غور ہیں۔ مولانا کو اپنے مکتوب میں علامہ کوثری لکھتے ہیں:۔

الیٰ حضرۃ العلامۃ المحدث الناقد البارع العالم الربانی فخر المذھب النعمانی مولانا الشیخ شبیر احمد العثمانی

(یہ خط ہے) حضرت علامہ' محدث' ناقد' بارع' عالم ربانی فخر مذہب نعمانی مولانا شیخ شبیر احمد عثمانی کی طرف (فتح الملہم ص ۵۱۹)

پھر رسالہ "الاسلام" میں علامہ کوثری نے فتح الملہم پر جو تمہید لکھی ہے اس میں علامہ عثمانی کو

ان الفاظ میں یاد کرتے ہیں لکھتے ہیں:۔

ومولفه ذالک الجهبذ الحجة الجامع لاشتات العلوم محقق العصر المفسر المحدث الفقيه البارع النقاد الغواص مولانا شبير احمد عثمانی شيخ الحديث بالجامعة الاسلاميه فی دابهيل سورت (بالهند) و مدير دار العلوم الديوبنديه (ازهر الاقطار الهندية) (فتح الملہم ص۵۲ جلد۳)

اور اس فتح الملہم کا مولف لائق و فائق اور حجت مختلف علوم کا جامع، زمانہ کا محقق، مفسر، محدث فقیہ، بارع، نقاد، غواص، بحر علم مولانا شبیر احمد عثمانی جامع اسلامیہ ڈابھیل سورت (ہند) کے شیخ الحدیث اور ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے مہتمم ہیں۔ (فتح الملہم ص۵۲)

اللہ اللہ علامہ زاہد الکوثری مصری نے کن کن الفاظ یعنی محقق، مفسر، محدث، فقیہ، بارع، نقاد، غواص سے علامہ عثمانی کو یاد کیا ہے کہ جو حقیقت پرمبنی ہیں اور جو والہانہ علمی محبت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

ان چند علمائے ربانی اور محدثین یگانہ کی آراء کے بعد اور زیادہ تبصرے حضرت محدث کے متعلق پیش کرنا نہیں چاہتا اور نہ اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ اپنے علم و فضل کے ثبوت میں دوسروں کے اقوال کے محتاج ہیں۔ آپ کا عالم، مفسر، محدث، فقیہ ہونا اس چودھویں رات کے چاند اور اس کی چاندنی کی طرح ہے جس کو تمام دنیا مطلع پر جلوہ آرا دیکھ کر لطف اندوز ہوتی ہے اور دلوں اور آنکھوں کو منور کرتی ہے۔

فتح الملہم شرح مسلم

جس طرح آپ کی تفسیر آپ کے مفسر اعظم ہونے پر ایک صادق اور عادل شاہد ہے اسی طرح اور ٹھیک اسی طرح آپ کے مایہ ناز محدث پاکباز ہونے پر آپ کی "فتح الملہم" حدیث کی مشہور کتاب مسلم کی شرح ہے جس پر راقم الحروف نے تاریخی حیثیت سے آپ کی تصنیفات کے سلسلہ میں اس شرح پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز ایک اور حدیث کی تحقیقات کا خزانہ بخاری کی شرح کا ہے جو آپ کے چھوٹے بھائی کے پاس غیر مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ یہ دراصل بخاری کے درس کی تقریریں ہیں جو حضرت عثمانی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بخاری پڑھاتے وقت کیا کرتے تھے۔ موخر الذکر کتاب چونکہ پیش نظر نہیں اس لئے اس کے اقتباسات پیش کرنے سے محرومی ہے۔ لیکن جو کچھ علامہ کی تحقیقات اور آثار حدیثی فتح الملہم میں ہیں ان کی روشنی میں ہمیں موصوف کے علم حدیث کی فضیلت ولیاقت سے بحث کرنی ہوگی۔

فتح الملہم کے خصائص اوراوصاف

حضرت سید انور شاہ صاحب نے فتح الملہم کے جو خصائص تحریر فرمائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ در علم احقر ہیچ کس خدمت ایں کتاب بہتر و برتر ازیشاں نتوانستے کرد

۱۔ احقر کے علم میں کوئی شخص ان (مولانا عثمانی) سے بہتر و برتر نہیں کرسکتا تھا۔

۲۔ (مولانا شبیر احمد عثمانی) شرح نوشتند کہ در خصائص خود بعلم احقر نظیر ندارد۔

۲۔ انہوں نے ایسی شرح لکھی ہے کہ جو اپنی خصوصیات کے اعتبار سے احقر کے علم میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔

۳۔ شرح مذکور بر ایں امور مشتمل است۔

۳۔ مذکورہ شرح (فتح الملہم) حسب ذیل امور پر مشتمل ہے۔

۴۔ شرح مشکلاتِ حدیث در باب ذات وصفات۔

۱۔ حدیث کے ان مشکل مضامین کی وضاحت اس شرح میں کی گئی ہے جو اللہ کی ذات وصفات اور دوسرے خدائی افعال یا دقیق حقیقتیں جو انسانی عقلوں سے بلند ہیں حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں۔

۱۔ الٰہیہ دیگر افعال ربانیہ ویا دگر حقائق غامضہ برتر از افہام وارد می شوند

۲۔ نقل عمدہ ونخبہ از اقوال علماء کرام در ہر مادہ وموضوع۔

۲۔ ہر مسئلہ اور مضمون میں علماء کرام کے عمدہ اور منتخب اقوال کو نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ تفہیم غوامض با مثلہ ونظائر کہ اوفق بمقام بہتر ازاں نباشد

۳۔ دقیق اور مشکل مسائل کو مثالوں اور نظیروں سے کہ اس سے بہتر نہیں ہوسکتیں۔ سمجھایا گیا ہے۔

۴۔ مذاہب ائمہ دین از کتب معتمد علیہا در مذاہب اربعہ کہ گفتہ اند

۴۔ چاروں اماموں کے اقوال قابل اعتماد کتابوں سے پیش کیے گئے ہیں۔

عالم چو کتابے است پر از دانش وداد صحاف قضا وجلد او بدأ و معاد
شیرازہ شریعت و مذاہب اوراق امت ہمہ شاگرد و پیغمبر استاد

۵۔ خدمت مذہب حنفیہ در مسئلہ مختلف فیہا بغایت انصاف واحتیاط۔

۵۔ اختلافی مسائل میں مذہب حنفیہ کو انصاف اور احتیاط سے پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ نقل نکات واسرار صوفیہ کرام وعرفائے عظام در ہر باب کہ یافتہ شد از فتوحات شیخ اکبر قدس سرہ وحجۃ اللہ بالغہ وغیرہ

۶۔ ہر باب کے متعلق جو میسر ہوسکے بزرگ عارفین اور صوفیائے کرام کے اسرار اور نکات کو

نقل کیا گیا ہے جو شیخ اکبر کی فتوحات اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں سے مل سکے ہیں۔

۷۔ دفع شبہات متنورین عصر کہ بتقلید اور با اطمینان قلب ضائع کردہ اند۔

۷۔ موجودہ نئی روشنی کے لوگوں کے شبہات کو جو یورپ کی پیروی میں اطمینان قلب کھو چکے ہیں دور کیا گیا ہے۔

۸۔ جمع کردن احادیث متعلقہ باب از کتب متعددہ یک جا بمقدار امکان

۸۔ ایک باب کے متعلق مختلف کتابوں میں جو احادیث ہیں، حتی الامکان ان کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے۔

۹۔ جمع و توفیق احادیث و بذل جہد اندراں۔

۹۔ احادیث کی تطبیق میں تا بمقدور کوشش کی گئی ہے کہ تعارض نہ رہے۔

۱۰۔ مراجعت نقول از اصول و دیگر آنچہ مناسب ایں خدمت گرامی باشد۔

۱۰۔ اصل سے نقل کو ملا کر رکھا گیا ہے اور جو کچھ بھی اس شرح کے مناسب خدمت ہو سکتی ہے کی گئی ہے۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمانی کی شرح مسلم یعنی فتح الملہم کی جو خوبیاں اور اوصاف بیان کئے ہیں۔ اس کے مطابق اندازہ لگائیے کہ شارح کتنا بڑا محدث اور عالم حدیث ہو گا جس نے اپنی شرح میں ان صفات کا خیال رکھا ہے اسی لئے حضرت شاہ صاحب نے اپنی تقریظ کے شروع میں جیسا کہ ابھی کچھ اوپر ہم نے نقل کیا ہے تحریر فرمادیا ہے کہ۔

ہیچکس خدمت ایں کتاب بہتر و برتر ازیشاں خدمتی کردہ
در خصائص خود (مثل ایں شرح) بعلم احقر نظیر ندارد

فتح الملہم علامہ شیخ محمد زاہد[۱] الکوثری کی نظر میں

۱۳۵۷ھ کی بات ہے کہ علامہ نے اپنی شرح مسلم اپنے شاگرد رشید مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا سید احمد رضا بجنوری وغیرہ کے ذریعہ جو ڈابھیل کے اساتذہ تھے جبکہ وہ مذکورہ سن میں مصر (قاہرہ) پہنچے ہیں۔ علامہ زاہد الکوثری مصری کو بھیجی ہے چنانچہ حضرت کوثری اپنے مکتوب میں جو علامہ عثمانی کو لکھا ہے اور جو فتح الملہم کی تیسری جلد کے آخر میں چھپا ہوا ہے لکھتے ہیں۔

---

[۱] شیخ محمد زاہد کوثری استنبول (ترکی) کے رہنے والے بلند پایہ عالم ہیں۔ مصطفےٰ کمال کے زمانہ میں علماء اور دین پر جو گزری وہ کون نہیں جانتا۔ مصطفےٰ کمال کی کوشش یہ تھی کہ علماء کو مٹا کر ہی ہم سیاسیات مغربی کے علمبردار ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مصطفےٰ کمال نے شیخ محمد زاہد کوثری اور شیخ الاسلام مصطفےٰ صبری دونوں کو قتل کی سزا دی تھی جو معاف ہو کر جلاوطنی کے حکم میں تبدیل ہوئی اور شیخ کوثری قاہرہ مصر میں آ کر مقیم ہوئے اور وہ وصال ہوئے کہ مصر میں خدا کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فقد کان من حسن حظی ان اتعرف الی الاستاذین الجلیلین. وبالا مس شرفامنزلی و قد ما الی (فتح الملهم فی شرح صحیح مسلم) من مولفاتکم الناخره نعظم سروری وابتهاجی بذالک جداً و کلما درسة ازدوت اعجابا بالکتاب فانتم یا مولانا فخر الحنفیه فی هذا العصر حقا. (فتح الملہم جلد نمبر ۳)

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ دو محترم اساتذہ سے میرا تعارف ہوا اور کل انہوں نے اپنی تشریف آوری سے میرے مکان کو شرف بخشا اور آپ کی فتح الملہم شرح مسلم عنایت فرمائی اس کو پا کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اور جس قدر میں اس کتاب کو پڑھتا گیا میرے تعجب کی انتہا نہ رہی مولانا، آپ حق یہ ہے کہ اس دور میں فخر حنفیہ ہیں۔

بہرحال شیخ کوثری نے علامہ کی فتح الملہم کو پڑھا اور حضرت عثمانی کو خط لکھا یہ خط ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ کا لکھا ہوا ہے بعد ازاں رسالہ "الاسلام" میں جو مصر سے نکلتا ہے تقریظ لکھی ہے اس خط کے جواب میں علامہ عثمانی نے ۳ رجب ۱۳۵۷ھ کو ایک خط علامہ زاہد الکوثری کو ڈابھیل ضلع سورت گجرات سے لکھا ہے جو حسب ذیل ہے اور جس کی اصل میرے پاس موجود ہے۔

مکتوب علامہ عثمانی بنام شیخ علامہ زاہد الکوثری

الی حضرة الشیخ العلامة الحبر المحقق مولانا محمد زاهد بن حسن بن علی زاهد الکوثری اطال الله بقاء ه واحسن الیه فی دنیاه واخرته وافاض علیها من شاٰبیب علمه و فضله

بخدمت شیخ علامہ حبر محقق مولانا محمد زاہد بن حسن بن علی زاہد کوثری اللہ ان کی عمر دراز کرے اور دنیا و آخرت میں اپنے علم و فضل کی بارشیں برسائے۔

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته و بعد الحمد والصلوة فقد تشرفت بمکتوبکم السامی و سررت بمطالعته جدا کیف لا. وهو مشتمل علی کلمات طیبة مبارکة من عالم متبحر ناقد نافذ البصیرة عدیم النظیر فی عصر لاقد قرظ بها کتابی فتح الملهم" بعد ما دقق النظر فیه فوالله قد حصل لی به سرور وابتهاج عظیم لم یحصل لی قط من تقریظ احد من العلماء و بعد الشیخ العلامة الانور قدس الله روحه

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ حمد ودرود کے بعد آپ کے مکتوب گرامی نے مشرف فرمایا جس کو پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی اور کیوں نہ ہوتی جب کہ وہ (مکتوب) ایک متبحر ناقدؔ عالم اور صاحب بصیرت و بے نظیر زمانہ کے پاکیزہ ومبارک خیالات پر شامل تھا اور جس میں پوری تحقیق کے بعد میری کتاب ''فتح الملہم'' پر تقریظ (اظہار رائے) تھی۔ بخدا مجھے اس خط سے اتنی خوشی ہوئی کہ شیخ علامہ انور (شاہ) قدس اللہ روحہ کی تقریظ کے بعد کبھی اور کسی کی تقریظ سے اتنی مسرت نہ ہوئی تھی۔

وبهذاتم نصاب الشهادة واطمان قلبي و سكن جاشي حين شهدان خبيران حاذقان ذواعدل منابما يدلعلى ان عملي ليس بضائع و رجائي غير خائب انشاء الله تعالىٰ.

اس تقریظ سے (دو گواہوں کے نصاب کے باعث) شہادت کی تکمیل ہوئی اور میرا دل مطمئن اور سکون سے ہو گیا کیونکہ جب ہم میں سے وہ صاحب خبر اور حاذق اور صادق گواہ اس امر پر شہادت پیش کر دیں جس سے ثابت ہو کہ میری محنت رائیگاں اور میری امید مبدل یاس نہیں تو پھر اور کیا چاہیے۔

واني بفضل الله تعالىٰ وعونه اعدهذه الشهادة العادلة وثيقة نجاحي وذخيرة فلاحي في اخرتي والله سبحانه تعالىٰ عندظن عبده به. وقد ورد في الحديث عن عمر مرفوعاً ايما مسلم شهدله اربعة بخير ادخله الله الجنة فقلنا و ثلاثة قال و ثلاثة فقلنا و اثنان قال و اثنان ثم لم نسئله عن الواحد قال الزين بن المنير والتمالم يسئل عمر عن الواحد قال الزين بن المنير و انما لم يسئل عمر عن الواحد استبعاداً منه ان يكتفى في مثل هذاالمقام العظيم باقل من النصاب والتمس من حضرة الشيخ الدعالى بحسن الخاتمة ولهذا الشرح بحسن القبول عندالله و عند الناس مع التيسير لاتمامه وهذا نارافع يدى الى الله سبحانه و تعالىٰ ان يحفظكم ويبارك في مساعيكم الجميلة و يؤيدكم تبصره لنصرة الدين و اعلاء كلمة الحق و يزيدكم من فضلة و يجمع بيننا و بينكم في احسن احوال و اطيبها امين و ماكنت اظن ان عملي هذايقع هذا الموقع من القبول عند امثالكم من الفضلاء المتبحرين ولكن ذلك فضل من الله تفضل به على لعبدالمذنب والحقير فلله الحمد والمنة والمرجومن حضرة الشيخ اذااطلع على ......و......بهذاالكتاب ولا

بدان يصححه و يصلحه وعلمني به حتى اتوقاه في الطبعة الثانية ان شاء الله تعالىٰ ولكم مني جزيل الشكر والجزء الثالث من الكتاب تحت الطبع و هو من كتاب الزكوة الىٰ اخرالنكاح و ميصل الى فضيلةالاستاذ بعد رمضان انشاء الله تعالىٰ.

اور میں اللہ کے فضل اور اس کی مدد سے اس منصفانہ شہادت کو اپنی بخشش کا سرٹیفکیٹ اور آخرت میں اپنی فلاح کا سامان شمار کرتا ہوں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گمان کے مطابق ہوجاتا ہے۔ درانحالیکہ حدیث مرفوع میں عمرؓ سے ہے کہ ”جو کوئی مسلمان ایسا ہو کہ چار آدمی اس کے متعلق نیکی کی گواہی دے دیں تو اللہ اس کو جنت میں داخل کردیگا۔ ہم (صحابہ) نے عرض کیا اور (اگر) تین گواہی دیں تو آپ نے فرمایا اور تین (کی گواہی) پر بھی (بخش دیگا) ہم نے عرض کی اور (اگر) دو (گواہ) ہوں تو حضور نے فرمایا کہ دو (کی گواہی) پر بھی پھر ہم نے ایک کے متعلق عرض نہیں کیا۔ زین بن منیر نے کہا ہے کہ عمرؓ نے ایک ہی کی گواہی کے متعلق سوال نہیں کیا کیونکہ ایک شخص کی گواہی نصاب شہادت سے اس جیسے اہم مقام پر کافی نہ تھی“۔ میری آپ سے عرض ہے کہ میرے لئے اور اس شرح کے لئے اللہ اور لوگوں کی نظروں میں قبولیت اور تکمیل شرح کی دعا فرمائیں۔ میں بارگاہ خداوندی میں دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کو سلامت رکھے اور آپ کی اچھی کوششوں میں آپ کی امداد فرمائے“۔ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے اپنی نصرت عطا فرمائے اپنا فضل کرے اور ہمیں بخیر وخوبی ملائے آمین مجھے تو یہ امید نہ تھی کہ میری یہ کوششیں آپ ایسے جید عالم کی نظر میں قبولیت کا مقام حاصل کریں گی لیکن یہ اللہ کا فضل ہے جو اس نے حقیر گناہ گار بندہ پر کیا۔ لہذا اس کی تعریف اور شکر ہے اور میں آں بزرگ سے امیدوار ہوں کہ اگر اس کتاب میں کوئی غلطی یا سہو پائیں تو ضرور اس کو تصحیح اور اصلاح فرمائیں اور مجھے مطلع فرمائیں تا آنکہ طبع ثانی میں اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ محفوظ رہ سکوں۔ میری طرف سے بہت بہت شکریہ قبول فرمایئے۔ تیسری جلد زیر طبع ہے اور وہ کتاب الزکوۃ سے آخر کتاب النکاح تک ہے۔ اور ان شاء اللہ رمضان کے بعد آں محترم کے پاس پہنچ جائے گی۔

ثم الى قدانتفعت بمصنفاتكم من ”التعليقات على زيول طبقات الحفاظ“ و على السيف الصقيل و بلوغ الاماني والاشفاق ثم اللآلى بمقدمة تخريج الزيلعي، فسبحان الله ماذا افيض من العلوم والحقائق النادرة وساقتبس من الاشفاق بعض توادره في كتاب الطلاق من فتح الملهم جسمايليق بذالك المقام ”والسيف

الصيقل" عندی مستعار من حضرة الاخ الفاضل مولانا ابی الوفاء الافغانی مدیردائرة المعارف النعمانية بحيدرابادالدكن والمهجرمن مكارمكم ان تسمحوالی بنسخة منه لتكون تذكاراً عندی متحضرتكم ادامكم الله محفوظين والسلام مع الوف الاحترام العبد

شبير احمد العثمانی من دابهيل سورت (الهند)

٣ رجب ١٣٥٧ھ

اور ہاں میں نے آپ کی تصنیفات یعنی "التعلیقات علی ذیول طبقات الحفاظ" "السیف الصقیل" "بلوغ الامانی" "اشفاق" اور "اللآلی مقدمہ تخریج الزیلعی" سے استفادہ کیا۔ اللہ اللہ کیسے کیسے علوم اورنادر تحقیقات کے دریا بہائے ہیں۔ میں عنقریب "اشفاق" کے بعض نایاب مضامین مناسب مقام "فتح الملہم" کی کتاب الطلاق میں انتخاب کروں گا۔

"سیف صقیل" میرے پاس محترم فاضل بھائی مولانا ابوالوفا افغانی مدیر "دائرۃ المعارف" حیدرآباددکن کی مستعار ہے۔

اور مجھے آپ کے مکارم اخلاق سے توقع ہے کہ اس کی ایک جلد عنایت فرمائیں گے تاکہ یہ آپ کی یاد مجھے دلاتی رہے ہمیشہ خدا آپ کو محفوظ رکھے والسلام مع الوف الاحترام۔

العبد

شبیراحمدعثمانی ازڈابھیل سورت (ہندوستان)

٣ رجب ١٣٥٧ھ

علامہ زاہدالکوثری نے جو تقریظ فتح الملہم شرح مسلم پر کی ہے اور جس کو انہوں نے اپنے رسالہ "الاسلام" میں چھاپا ہے حسب ذیل ہے:۔

تقریظ علامہ کوثری مصری بر "فتح الملہم فی شرح صحیح مسلم"

لاهل العلم بالحديث عناية خاصة بصحيح مسلم علما منهم بمنزلته العليابين اصول الاسلام الستة فمنهم من الف بمستخرجات عليه ومنهم من الف في رجاله خاصة و منهم من عنى بمواضع انتقدها بعض اهل النقد سنداً و متناً ومنهم من سعىٰ فی ايضاح مخبات معانيه و شرح وجوه دلالاته وكشف مغالق فی اسانيده فمن جملة الشارحين لهذا الكتاب الجليل.

علماء حدیث کی صحیح مسلم کی طرف خاص توجہ رہی ہے کیونکہ حدیث اسلام کے اصول ستہ میں سے ایک بلند مقام رکھتی ہے۔ بعض نے اس پر مستخرجات کو تالیف کر ڈالا اور بعض نے اس کے رجال کو بالخصوص مرتب کیا اور بعض نے سند اور متن کے اعتبار سے بعض اہل نقد کے نزدیک مواضع نقد میں مشقت اٹھائی اور بعض نے مسلم کے مشکل معانی کی وضاحت اور اس کی دلالتوں کے طریقوں اور اس کی اسانید کے مشکلات کے حل کرنے میں کوشش کی چنانچہ اس جلیل القدر کتاب کے شارحین میں سے

۱. الامام ابو عبدالله محمد بن علی المازری صاحب "المعلم فی شرح صحیح مسلم".

۱۔ امام ابو عبداللہ محمد بن علی المازری ہیں جنہوں نے "المعلم فی شرح صحیح مسلم" لکھی۔

۲. ومنهم القاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی مولف "اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم".

۲۔ اور انہی میں سے قاضی عیاض بن موسیٰ یحصبی "اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم" کے مؤلف ہیں۔

۳. ومنهم ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی مصنف "المفهم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم"

۳۔ اور منجملہ ان کے ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی ہیں جنہوں نے "المفهم لما اشکل من تلخیص کتاب "مسلم" تصنیف کی۔

۴. ومنهم ابو زکریا محی الدین یحیی النووی صاحب "المنهاج فی شرح صحیح مسلم بن حجاج" وهواستمدمن الکتب الثلثة الذی ذکرناها.

۴۔ انہی میں سے ابوزکریا محی الدین نووی ہیں جو "المنهاج فی شرح صحیح مسلم بن حجاج" کے مصنف ہیں۔ انہوں نے مذکورہ تینوں کتابوں سے امداد لی ہے۔

۵. ومن الاعلام و معالم السنن للخطابی

۵۔ اور ابن خطابی کی الاعلام و معالم السنن ہے۔

۶. "وشرح النووی" وهذا هو اول شرح برز فی عالم المطبوعات من شروح صحیح مسلم الا انه لیس عما یشفی غلة الباحث فی حل المطالب

۶۔ اور "شرح النووی" اور یہ پہلی شرح ہے جو دنیا میں صحیح مسلم کی شرحوں میں طبع ہوئی لیکن

وہ ایسی نہیں جو حل مطالب کے طلب کرنے والے کی پیاس بجھا سکے۔

٧. ثم ظهر فی عالم الوجود" اکمال اکمال المعلم" لابی عبدالله محمد بن خلیفة الابی الذی طبع قبل نحوثلاثین سنة و معه"مکمل اکمال الاکمال" لابی عبدالله محمد بن محمد السنوسی و قدجمعا فیها صفوة ما فی الشروح السابقة من الفوائد مع استدراکهما ما تیسر لهما و کان سرور اهل العلم بهما عظیما بما لقوافیها من نوع من البسط بالنظرالی شرح النووی المطبوع فیما سبق ولکن الحق یقال انه لم یکن شرح من تلک الشروح یفی صحیح مسلم حقه من الشرح والایضاح من جمیع النواحی التی تهم الباحثین المتعطشین الی اکتناه ما فی الکتاب من اخبایا فان اجاراحدالشروح فی الفقهیات اوالا عتقادیات علی مذهب من المذاهب مثلاً تجده یغفل شرح ما یتعلق بسائر المذاهب عملا واعتقادا اوهذالایروی ظلما الباحث او تراه یهمل شرح مقدمته مع انها من اقدم ما سطره ائمة الحدیث فی التمهید لقواعد المصطلح ککتاب "التمییز" لمسلم و حق مثلها ان یشرح شرحاً وافیاً و تجدبعض الشراح من یترک الکلام علی الرجال بالمرة مع ان الباحث فی حاجة شدیدة الی ذالک فی مواضع النقدالمعروفة فاذا اعجبک احد تلک الشروح من بعض الوجوه تجده لایشفی غلتک من وجوه اخروهکذاسائرالشروح.

٧۔ اس کے بعد ''اکمال اکمال المعلم'' عالم وجود میں آئی جو ابو عبداللہ محمد بن خلیفہ کی ہے۔ جو تقریباً تیس سال ہوئے طبع ہوئی تھی اور اس کیساتھ ہی ''مکمل اکمال الاکمال'' ابو عبداللہ محمد بن السنوسی کی ہے۔ ان دونوں نے ان شروح سابقہ میں جو کچھ فوائد ہیں جہاں تک ان کے فہم نے کام کیا اور جو ان کے لئے میسر ہو سکا ان کا خلاصہ پیش کر دیا ہے اور اہل علم کے لئے یہ خوشی کی بات ہوئی کہ انہوں نے سابقہ مطبوعہ شرح نووی کی بنسبت اس میں زیادہ تفصیل کو پایا لیکن سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی شرح ایسی نہیں ثابت ہوئی جو تمام اطراف و جوانب سے صحیح مسلم کی وضاحت اور شرح کا حق ادا کر سکے جو تشنگان بحث و تحقیقات کو کتاب کی پوشیدہ حقیقتوں سے آگاہ کرے اگر کسی نے مثلاً کسی مذہب امام کے فقہیات اور اعتقادات پر روشنی ڈالی ہے تو وہ تمام ائمہ دیگر کے مذاہب پر عملی اور اعتقادی حیثیت سے روشنی ڈالنے سے قاصر رہا ہے اور ایسا کرنا ایک متجسس حقیقت کی پیاس کو دور نہیں کر سکتا یا مؤلف کا یہ حال دیا ہے کہ وہ مسلم کے مقدمہ کی شرح کو چھوڑ گیا ہے حالانکہ اس کو ائمہ حدیث نے قواعد مصطلحہ کی تمہید کی وجہ سے لکھنا مقدم سمجھا ہے جیسا کہ کتاب ''التمییز'' مسلم کی

اوراس جیسی کا حق یہ ہے کہ اس کی پوری شرح کی جائے ان شارحین مسلم میں کوئی تو بالکل رجال پر کلام نہیں کرتا۔ حالانکہ ایک متلاشی کو اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے خصوصا مشہور نقد کی جگہ میں۔ پس آپ کو ان شروح میں سے ہر ایک کسی نہ کسی عمدگی کی وجہ سے اچھی نظر آتی ہے لیکن دوسری وجوہ کی بنا پر وہ آپ کی تشنگی کو نہیں بجھاتی۔ یہی حال تمام شروح کا ہے۔

وهذا فراغ ملموس كنافى غاية الشوق الى ظهور شرح بصحيح مسلم فى عالم المطبوعات يملأهذاالفراغ وهانحن اولاء قدظفرنا بضالتنا المنشورة ببروز "فتح الملهم فى شرح صحيح مسلم" بثوبه القشيب وحله المستملحة فى عدادمطبوعات الهندية ' و قد صدر الى الأن مجلد ان ضخمان منه عدد صفحات كل جلدمنها خمسمائة صفحة وعدداسطر كل صفحة خمسة و ثلثون سطراً ولوكان الكتاب طبع بهم لكان كل مجلد منه مجلدين بالقطع الكبير.

اس مطلوبہ خلا کو بھرنے کے لئے جس کی ضرورت تھی ہم پورے شوق و انتظار میں تھے کہ صحیح مسلم کی مطبوعات میں ایسی کوئی شرح ہو جو اس خلا کو بھر دے چنانچہ یہ لو ہم اپنی گم شدہ چیز کے پانے میں "فتح الملہم شرح مسلم" کے ظہور سے کامیاب ہو گئے۔ جو ہندوستان کی مطبوعات میں عمدہ لباس میں ملبوس ہو کر جلوہ آراء ہوئی ہے۔ اس کی اب تک دو ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ کہ ہر جلد کے صفحات پانچ سو ہیں اور ہر صفحہ کی سطریں پینتیس ہیں اور اگر یہ کتاب مصر میں چھاپی جاتی تو اس کی ہر جلد دو بڑی جلدوں کے برابر ہوتی۔

وتمام الكتاب فى خمسة مجلدات هكذا والمجلد الثالث على شرف الصدور وقد اغتبطناجد الاغتباط بهذاالشرح الضخم الفخم صورة ومعنى حيث وجدناه قد شفى و كفى من كل ناحية و قد ملا بالمعنى الصحيح ذالك الفراغ الذى كنا اشرنا اليه فيجدالباحث "مقدمة" كبيرة" فى اوله تجمع شتات علم اصول الحديث بتحقيق باهريصل اراء المحدثين النقلة فى هذا الصدربما قرره علماء اصول الفقه علىٰ اختلاف المذاهب غير مقتصر على فريق دون فريق فهذا المقدمة البديعة تكفى المطالع مونة البحث فى مصادرلانهاية لها و بعد المقدمة البالغة مائة صفحة 'يلقى الباحث شرح مقدمة صحيح مسلم شرحا ينشرح له صدرالفاحص حيث لم يدع الشارح الجهبذموضع اشكال منها اصلا بل ابان مالها و ما عليها بكل انصاف' ثم شرح الاحاديث فى الابواب كلها بل وفاه حقه من

التحقيق والتوضيح ، فاستوفى في ضبط الاسماء وشرح الغريب والكلام على الرجال و تحقيق مواضع اوردعليها بعض ائمة هذاالشان وجوها من النقدمن حيث الصناعة مستسيغ اتخاذ قول من قال "كل من اخرج له الشيخان فقد قفزالقنطرة" ذريعه للتقليد الاعمى ، و كم (و في شرحه هذا على صنوف اهل الزيغ ، وله نزاهة بالغة في ردوده من اهل الفقه والحديث و كم اثار من ثنايا الاحاديث المشروحة وكم اثارمن ثنايا الاحاديث المشروحة فوائد شاردة و حقائق مالية لاينتبه اليها الاافذاذالرجال وارباب القلوب ولا عجب ان يكون هذاالشرح كما وصفناه و فوق ماوصفنا ذالك الجهبذ الحجة الجامع الاشتات العلوم محقق العصر المفسر المحدث الفقيه البارع النقاد الغواص مولانا الشبير احمد العثماني شيخ الحديث بالجامعة الاسلامية في دابهيل سورت (بالهند) و مدير دارالعلوم الديوبندية (ازهر اقطارالهندية) و صاحب المولفات المشهوره في علوم القران والحديث والفقه والرد على المخالفين اطال الله بقاء ه في خيروعافية ووفقه لا تمام طبع هذاالشرح الثمين وتاليف كثير من امثاله مما فيه سعادة الدارين و نفع بعلومه المسلمين في مشارق الارض ومغاربها ، الله قريب مجيب محمد زاهد الكوثري

یہ پوری شرح پانچ جلدوں میں اسی طرح مکمل ہوگی۔ تیسری جلد بھی عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ ہمیں اس شرح کو دیکھ کر بہت غبطہ ہوا جو اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں کے اعتبار سے شفا بخش ہے اور ہر پہلو سے کافی ووافی ہے اور واقعی طور پر جو خلا ہم محسوس کرتے تھے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اس کو اس میں پر کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک طالب علم کے لئے اس کے اول میں "مبسوط مقدمہ" ہے جو مختلف اصول حدیث کی اصطلاحات کو جامع ہے اور اس میں ایسی روشن تحقیقات ہیں جو اس امر میں نقل کرنے والے محدثین کی راؤں سے ٹکر کھاتے ہیں جن کو علماء اصول فقہ نے مذاہب مختلفہ کے مطابق کسی خاص فریق کی جانب داری کے بغیر قائم کی ہیں۔ لہٰذا یہ مقدمہ ان مواقع بحث میں جو نہایت دور رس ہیں مشقت اٹھانے سے مطالعہ کرنے والے کو کفایت کرتا ہے۔ اس مبسوط مقدمہ اصول حدیث کے بعد سو صفحات صحیح مسلم کے مقدمہ کی شرح میں ایسے ہیں جو طالب کی شرح صدر ایسے طریقے سے کرتے ہیں کہ اس میں فاضل شارح (علامہ شبیر احمد) نے کوئی اشکال کا موقع قطعاً باقی نہیں رکھا ہے بلکہ پورے انصاف سے متعلقات کو واضح کر دیا ہے۔ پھر

احادیث کی تمام ابواب میں شرح کی ہے اور تحقیق و توضیح کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ چنانچہ اسماء کے ضبطِ الفاظ غریبہ کی شرح، رجال پر کلام اور ان مواضع کی تحقیق کی ہے۔ جن پر اس قسم کی شان کے لائق ائمہ نے اعتراضات کئے ہیں اور فن کی حیثیت سے علامہ شارح نے اس قول کی طرف نہ جاتے ہوئے کہ "جو کچھ شیخین (امام بخاری و مسلم) نے روایت کیا ہے وہ صحیح ہے" جو اندھی تقلید کی حیثیت ہے، تبصرہ و تنقید کی ہے اور اپنی اس شرح "فتح الملہم" میں شارح نے اہل زیغ کا رد کیا ہے اور ان کو اہل حدیث اور اہل فقہ کے اقوال کو رد کرنے میں بھی پوری پاکیزہ احتیاط حاصل ہے اور کتنی ایک احادیث مشروحہ پر عمدہ فوائد درج کئے ہیں اور بلند تحقیقات پیش کی ہیں کہ ان پر صاحب دل اور خاص اہل علم ہی واقف ہیں۔ اور بعید نہیں جیسا کہ ہم نے اس شرح کی توصیف کی ہے کہ کسی دوسرے مطالعہ کرنے والے مصنف کی نگاہ میں اس سے بھی زیادہ اوصاف آ جائیں۔ اس کتاب "فتح الملہم" شرح مسلم کے شارح فاضل جید جامع اشتات علوم زمانہ کے محقق مفسر محدث فقیہ بارع نقاد غواص علوم مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الحدیث جامع اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت (ہند) اور ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے مدیر اور علوم قرآن و حدیث و فقہ پر صاحب تالیفات اور مخالفین قرآن و حدیث و فقہ پر رد کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خیر و عافیت کے ساتھ ان کو زندہ رکھے اور اس قیمتی شرح کی تکمیل اور اس جیسی اور بہت سی کتابوں کے تالیف کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن میں دارین کی سعادت مضمر ہے اور ان کے علوم سے مسلمانان مشارق و مغارب کو نفع بخشے انہ قریب مجیب"۔

محمد زاہد الکوثری

علامہ زاہد الکوثری کی تقریظ آپ کے سامنے ہے۔ مصر کے اتنے بڑے عالم اور غیر ہند و پاکستان کے علامہ نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "مسلم" کی جتنی بھی شرحیں لکھی گئیں وہ اگر کسی ایک وجہ سے قابل تعریف ہیں تو دوسری وجوہ کے اعتبار سے ناقص ہیں لیکن فتح الملہم ہی ایک ایسی شرح ہے جو ان تمام کوتاہیوں سے مبرا اور تمام اوصاف کی مالک ہے جو فن حدیث کے ان تمام اطراف و جوانب کو تشنہ نہیں چھوڑتی جن کی اہل علم تشنگی محسوس کرتے ہیں۔ فتح الملہم کے ساتھ اصول حدیث پر مشتمل مولانا عثمانی کے مبسوط مقدمہ پر بھی انہوں نے اپنی رائے کا اظہار بہترین اور زرین الفاظ میں کیا ہے۔ غرضیکہ دیگر کتب کا ہر خلا اس شرح میں ان کے نزدیک پر کر دیا گیا ہے۔

مولانا عبدالماجد اور فتح الملہم

حضرت شاہ صاحب اور علامہ کوثری کے نظریات کے بعد مولانا عبدالماجد دریابادی کے

ریمارکس بھی ملاحظہ فرمایئے جو حسب ذیل ہیں:۔

"استاذ العلماء علامہ شبیر احمد عثمانی شارح صحیح مسلم و مفسر قرآن کا غم آج سارے عالم اسلامی کا غم ہے' حق ہے کہ آج تعزیت دنیائے اسلام سے بشمول ہندوستان کی جائے اور پاکستان سے تو علی الخصوص حکیم الامت (مولانا اشرف علی صاحب) کے بعد علامہ عثمانی کی ذات اب اپنے رنگ میں فرد رہ گئی تھی۔ افسوس ہے کہ آج یہ بڑی نعمت بھی ہندوستان اور پاکستان سے اٹھ گئی۔

بخاری کی شرح تو "عمدۃ القاری" کے نام سے علامہ عینی حنفی مدت ہوئی لکھ چکے تھے لیکن صحیح مسلم کا قرضہ حنفیہ پر صدیوں سے چلا آ رہا تھا مولانا ہی کی ذات تھی کہ فتح الملہم کے نام سے مبسوط و مستند شرح لکھ کر دنیائے حنفیت سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔ اپنے زمانہ کے زبردست متکلم نہایت خوش تقریر واعظ و محدث و مفسر سب کچھ ہی تھے"۔ (اخبار صدق لکھنؤ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا عبدالماجد کی مذکورہ عبارت اور بھی بعض جگہ پیش کی گئی ہے لیکن وہ کسی اور ضمن میں لیکن یہاں مولانا دریابادی کی فتح الملہم پر رائے زنی کے سلسلہ میں یہ عبارت پیش ہے جس میں انہوں نے فتح الملہم کو تمام عالم حنفیت سے قرضہ اتارنے اور مبسوط و مستند شرح کے الفاظ سے تعریف کی ہے۔

حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں تعزیتی تقریر میں فرمایا:۔

"مسلم شریف کی عربی شرح یادگار زمانہ رہے گی جو پوری دنیائے اسلام میں نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے"۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کے لگ بھگ ہی مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے معارف اپریل ۱۹۵۰ء میں فتح الملہم کے متعلق لکھا:۔

"صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا خیال ان کو اپنی نوجوانی کے عہد سے تھا۔ صحیح بخاری کی شرح تو احناف میں سے حافظ بدرالدین عینی نے بہت پہلے لکھ کر احناف کی طرف سے حق ادا کر دیا تھا مگر صحیح مسلم کی کوئی شرح حنفی نقطہ نظر سے اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔ اس کے لئے مرحوم نے اپنے دست و بازو کو آزمایا"۔

ان تمام تقریظوں کا منشا آپ کے سامنے صرف اس قدر پیش کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علامہ شارح مسلم واقعی علم حدیث میں ایک خاص نظر کے مالک اور جلیل القدر محدث تھے اور ان کی فتح الملہم دنیائے حدیث میں ایک خاص مقام کی مالک ہے۔

اب ہمیں "فتح الملہم" کے ناشر اور شائع کرنے والے کی ان خصوصیات پر غور کرنا ہے جو اس

نے فتح الملہم کے ٹائٹل کے چوتھے صفحہ پر درج کی ہیں۔ میرا یقین ہے کہ ناشر نے یہ خصوصیات حضرت شارح کے بتائے ہوئے ہی تحریر کر دیئے ہیں۔ لہٰذا تصنیف را مصنف نیکو کند بیان کے مطابق اب ہم فتح الملہم کے صفات خود علامہ عثمانی کی زبانی پیش کرتے ہیں۔

فتح الملہم کی خصوصیات خود شارح کی نظر میں

حضرت علامہ مؤلف مدظلہ نے ان تمام مسائل کو اس قدر تحقیق و استیعاب سے لکھا ہے جس کی نظیر شاید دوسری جگہ نہ مل سکے۔ پوری کتاب میں حسب ذیل امور کا التزام کیا گیا ہے۔

۱۔ ایمانیات میں جو مسائل اہل سنت والجماعت کے درمیان اختلافی سمجھے گئے ہیں ان کی مستوعب تحقیق اور ایسی نقول پیش کرنا جو بقدر امکان اختلاف کو کم کرنے والی ہوں۔

۲۔ رواۃ (راویوں) کے تراجم میں ان کے ممتاز اور اہم احوال کا تذکرہ۔ غیر معروف اسماء کا ضبط۔ بقدر ضرورت و کفایت جرح و تعدیل۔

۳۔ اسنادی مباحث خاص خاص مواضع میں جہاں کوئی اشکال یا خلجان تھا۔

۴۔ الفاظ حدیث کا حل۔

۵۔ جس فن کا مسئلہ ہو اس فن کی مشہور اور معرکۃ الآراء کتابوں کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔

تاکہ مسئلہ کے سب اطراف و جوانب پوری طرح واضح ہو جائیں اور دلائل بھی اس قدر سامنے آ جائیں کہ ایک طالب علم کو اس مسئلہ کے لئے دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی چنداں ضرورت نہ رہے اور مسئلہ کی پوری صحیح صورت روشن ہو جائے اس بارہ میں صرف شروح حدیث کے اقتباسات پر قناعت نہیں کی چنانچہ بعض مواضع میں ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک مسئلہ کی بہت زیادہ مکمل تحقیق کسی ایسی کتاب میں مل گئی جہاں بالکل وہم گمان بھی نہ تھا۔

۶۔ اسرار شریعت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں جیسا کہ حضرت ولی اللہؒ امام غزالی اور شیخ اکبر وغیرہم کی تصانیف ان سے بھی موقع بموقع پورا استفادہ کیا گیا ہے تاکہ وہ اعلیٰ مضامین اور عمیق حقائق و اسرار بھی حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کے مطالعہ سے گزر جائیں۔

۷۔ فتح الباری وغیرہ کے مختلف ابواب میں ایک ہی موضوع کے متعلق جو تحقیقات بکھری پڑی تھیں ان کو یکجا کیا گیا ہے۔

۸۔ حنفیہ کے مسائل کی تحقیق و تشریح اور اثبات و ایضاح کے لئے فقہ حنفی اور حنفیہ کے شروح و حواشی کے ضروری اقتباسات پیش کیے گئے۔

۹۔ اپنے اساتذہ اور اکابر کی وہ تحقیقات جو زبانی نقل ہوتی چلی آ رہی تھیں یا کسی ایسی کتاب میں درج تھیں جن کی طرف قارئین کا ذہن منتقل نہ ہو سکتا تھا یا عربی کے سوائے دوسری زبان میں تھیں ان کو کافی بسط و ایضاح کے ساتھ شرح میں درج کیا گیا ہے۔

۱۰۔ بہت سی ایسی تحقیقات جو اس سے پہلے مسموع (سنی گئیں) نہ ہوئی ہوں گی جن کی قدر و قیمت ان شاء اللہ مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکے گی اور جن سے یہ اندازہ ہوگا کہ خداوند قدوس کا انعام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض کسی وقت بھی منقطع نہیں ہے۔

۱۱۔ تا بحد امکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ جس مسئلہ پر کچھ لکھا جائے وہ محض جدل اور احتمال آفرینی کے طور پر نہ ہو بلکہ ایسی چیز ہو جس کو وجدان قبول کرے اور ذوق سلیم رد نہ کرے۔

۱۲۔ مؤلف نے جہاں کہیں اپنی عبارت قلت یا قال العبد الضعیف وغیرہ عنوان سے لکھی ہے پوری کوشش کی ہے کہ عبارت سلیس اور صاف ہو اور تفہیم میں کوئی گنجلک نہ رہے۔

۱۳۔ وہ روایات جن میں بظاہر اختلاف ہے خواہ وہ مذہب سے متعلق نہ ہوں ہر موقع پر بے انتہا کوشش کی گئی ہے کہ خود روایات ہی کے ذریعہ سے ان میں تطبیق دی جائے یا ہر ایک کا جداگانہ منشا بیان کیا جائے تاکہ تعارض کا شبہ نہ رہے۔

۱۴۔ اپنے مقدور کے موافق بہت جگہ سعی کی گئی ہے کہ احادیث کے ماخذ قرآن کریم میں دکھلائے جائیں۔

۱۵۔ حنفیہ کے اور دوسرے مذاہب کے دلائل کی تنقیح کی گئی ہے اور پوری فراخدلی سے ہر مذہب کے ادلہ اور وجوہ ترجیح کا بیان ہوا ہے۔

۱۶۔ جو مسائل مبہمہ یا ان کے دلائل بنظر اختصار ترک کر دیے ہیں ان کے متعلق ان کے مظان کے حوالے دیے گئے ہیں تاکہ طالب بسہولت ان کی تحقیق کر سکے۔

۱۷۔ جدید شبہات کے ازالہ کی طرف بھی موقع بموقع توجہ کی گئی ہے۔

یہ ہیں وہ خصائص و اوصاف جو ناشر کی زبانی علامہ عثمانی کی ترجمانی کر رہے ہیں یہاں تک لکھنے کے بعد فتح الملہم کا ایک اجمالی خاکہ قاری کے ذہن میں اس طرح آ چکا ہے کہ جس سے تمام کتاب کی تفصیل کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔

جب یہ مسلم ہے کہ آثار سے مکان کی رفعت و شان کا پتہ چلتا ہے تو تصنیف سے مصنف کی جلالت و شخصیت کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اور معلومات سے عالم کی عز و شان عیاں ہوتی ہے۔ اس لیے مولانا کی تفسیر کی طرح ان خصائص پر بحث کرتے اور معلومات پیش کرنے کے لیے فتح الملہم

اور اس کے مقدمہ سے نمونے پیش کرنے کی کوشش کی جائیگی جس سے دعوے کی دلیل واضح ہو جائے اور ایسے مضامین اور تحقیقات کو پیش کیا جائے گا جو قاری کے لئے مفید ہوں میں یہ ضروری نہیں خیال کرتا کہ وہ مسائل جو ائمہ میں مختلف فیہا رہے ہیں ان کو ہی پیش کیا جائے بلکہ فتح الملہم کی تحقیقات اور مضامین عالیہ کے در ہائے آبدار پیش کرنا میرا مطمح نظر ہوگا جن سے علامہ کی علم حدیث میں بصیرت کا اندازہ ہو سکے۔ لیکن اگر ائمہ اربعہ کے اختلافی مسائل میں درایت اور روایت سے مولانا عثمانی نے حنفی مسلک کی تائید اور اثبات میں جو چیزیں پیش کی ہیں ان کو بھی ہدیہ قاری کیا جاسکے تو دریغ نہ ہوگا۔

مقدمہ فتح الملہم کے اقتباسات

محدث پاکباز عثمانی نے مسلم کی شرح فتح الملہم کے اول میں جو مقدمہ اصول حدیث کے حقائق واضح کرنے کے سلسلے میں تحریر فرمایا ہے وہ بجائے خود ایک مستقل کتاب ہے جو بڑے سائز کے ایک سو آٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اگر اس کا اردو میں ترجمہ ہو سکا جیسا کہ راقم الحروف کا ارادہ ہے تو یہ شائقین علم حدیث کے لئے نہایت مفید علمی ذخیرہ ہے اس مقدمہ میں موصوف نے علم حدیث کی وجہ تسمیہ حدیث کی تعریف خبر اثر سنت کے فرق اقسام حدیث کتب صحاح سنن جامع کے امتیازی خصوصیات بخاری و مسلم کی شان روایت امام اعظم رحمہ اللہ کی علم حدیث میں عظمت و شان قراءت و کتابت و سماع حدیث راویوں کے اوصاف روایت باللفظ و بالمعنی پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے۔

ایک نہایت دلچسپ حقیقت جو مقدمہ میں بیان کی گئی ہے وہ حدیث کی تدوین و ترتیب اور اس کی تحریر پر بصیرت افروز تبصرہ ہے۔ اس کے علاوہ کتب حدیث پر ان کے باہمی مدارج اور مقامات پر عادلانہ اور معقول طرز پر بحث کی گئی ہے غرضکہ قدیم اور جدید زمانہ میں فن حدیث کے لئے جن امور کا تشنہ ہو سکتا ہے۔ اس مقدمہ میں ان تمام تشنگیوں کو فرو کرنے اور بجھانے کا سامان موجود ہے۔

مذکورہ بالا تحقیقات کے لئے علامہ نے جہاں محدثین ائمہ علمائے ربانی کی تحقیقات کے دریا بہائے ہیں وہاں اپنی معلومات اور بے پناہ تدقیقات کی روشنی میں مسائل کو واضح کر کے رکھ دیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علوم کے بادل موسلا دھار بارش برسا رہے ہیں یا چشمے ہیں جو ابل ابل کر دلوں کی وسعتوں کو جل تھل کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان جواہر گرانمایہ کی قدر کچھ وہی جان سکتے ہیں جو جوہری ہیں۔

علامہ نے جہاں مختلف کتب اور ائمہ اصول حدیث کی تحقیقات کو مقدمہ میں جمع کر دیا ہے وہاں اپنی ذاتی تحقیقات کو بھی پیش فرمایا ہے جس سے ان کے مقام حدیث کا واضح طور پر اندازہ کیا

جا سکتا ہے۔ چنانچہ تمہید میں حمد و نعت کے بعد لکھتے ہیں۔

فهٰذه فصول نافعة مهمة فى بيان مبادى علم الحديث و اصوله التى يعظم نفعها و يكثردورانها۔ انتقيتها من الكتُب المعتبرة عند علماء هذاالشان مع بعض زيادات مفيدة سنحت لى فى اثناء التاليف فاحببت ان اجعلها كالمقدمة لشرح ليكون الناظر على بصيرة فيما يتضمن عليه الكتاب من مباحث الحديث متونه و اسانيده وبالله التوفيق

یہ فصلیں ہیں جو علم حدیث اور اصول حدیث کے مبادیات کے اظہار میں نہایت مفید اور اہم ہیں۔ میں نے ان فصول کو اس فن حدیث کے اہل شان علماء کی کتابوں سے چنا ہے اور اس میں ایسی تحقیقات کا اضافہ بھی کیا ہے جو اثنائے تالیف میں میرے دل پر منکشف ہوئی ہیں۔ لہذا میں نے یہ مناسب سمجھا کہ میں ان کو شرح کا مقدمہ بنا دوں تا کہ قاری کو کتاب کے مضامین میں جو حدیث کے مباحث متن اور اسناد پر شامل ہیں بصیرت حاصل ہو۔

محدث پاکباز کی اس عبارت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی تحقیقات کا بھی بہت سا ذخیرہ اس میں جمع فرمایا ہے چنانچہ مقدمہ اور شرح مسلم میں جا بجا **قلت** (میں نے کہا) یا **قال العبد الضعيف** (بندۂ ہیچمدان) کہتا ہے کہ ضمن میں آپ نے اپنی تحقیقات کو پیش کیا ہے۔ اس **قلت** اور **قال العبد الضعيف** میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محدث پاکباز کے دل و دماغ پر ربانی الہام کا بے پناہ فیض اتر رہا ہے اور **قلت** کے لفظ میں **وما رميت اذ رميت ولكن الله رمىٰ** کے مظاہرہ کے مطابق محدث پاکباز نہیں بلکہ کوئی اور ہی حکیم ازلی لکھوا رہا ہے۔

حدیث کا نام حدیث کیوں رکھا گیا

تسمیۂ حدیث اور امام سیوطیؒ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عثمانیؒ

محدث علام حدیث خبر اور اثر کے عنوان کے ماتحت علامہ سیوطی اور حافظ ابن حجر کے اقوال پیش کرتے ہوئے حدیث کے معنی اور مراد کی تحقیقات کو حسب ذیل عبارت میں پیش کرتے ہیں۔

الحديث قال السيوطى اصله ضدالقديم وقداستعمل فى قليل الخبر وكثيره لانه يحدث شيئاً فشيئاً قال شيخ الاسلام الحافظ ابن حجر فى شرح البخارى المراد بالحديث فى عرف الشرع ما يضاف الى النبى صلى الله عليه وسلم وكانه اريد به مقابلة القرآن لانه قديم

(لفظ حدیث' سیوطی نے کہا کہ اصل میں وہ قدیم کی ضد ہے اور قلیل و کثیر خبر کے لئے

استعمال ہوتا ہے کیونکہ خبر یکے بعد دیگرے ظہور میں آتی رہتی ہے اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ شریعت کے عرف میں حدیث سے مراد وہ خبر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جائے گویا کہ حدیث سے قرآن کریم کا جو کہ قدیم ہے تقابل کیا گیا ہے۔

> والذی یظہر للعبد الضعیف واللہ تعالیٰ اعلم ان اطلاق الحدیث علی ما یضاف الیہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتبس من قولہ تعالیٰ و اما بنعمة ربک فحدث فانہ سبحانہ و تعالیٰ عدد اولاًفی سورة الضحی منتہ العظیمة علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم من ایواء بعد یتمة واغناء ہ بعد علیہ وھدایة بعد ما وجدہ ضالااى وجدہ غافلا عن الشرائع التی لا تستبد العقول بدرکھا کما فی قولہ تعالیٰ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان فھداہ الی مناھجھا فی تضاعیف ما اوحیٰ الیہ من الکتاب المبین و علمہ مالم یکن یعلم ثم رتب علی ھذہ المنن الثلاثة امور الثلاثة ای النھی عن قھر الیتیم والنھی عن نھرالسائل والامر بتحدیث النعمة والاقرب الی الذوق السلیمن ھذا الترتیب بطریق اللف والنشرالمشوش دون المرتب کما زعمہ بعضھم و حاصل المعنی انک کنت یتیما وضالا وعائلا فاٰواک و ھداک و اغناک فمھمایکن من شی فلا تنس نعمة اللہ تعالیٰ علیک فی ھذہ الثلاث واقتدباللہ تعالیٰ فتعطف علی الیتیم وترحم علی السائل فقد ذقت الیتم والفقر و قولہ تعالیٰ و امابنعمة ربکفحدث ھو فی مقابلة قولہ تعالیٰ وجدک ضالا فھدیٰ ای حق ھذہ النعمة الجسیمة التی ھی الھدایة بعد الضلال (و کان لیس ما سواھا فی جنبھا نعمة) لیس الاان تحدث بھا عباداللہ تعالیٰ و تشیعھا فیھم و تبین لھم ما نزل الیھم و ظاھر ان اقوالہ وافعالہ صلی اللہ علیہ وسلم التی سمیناھا احادیث انما جلھا شرح و تبین لماھداہ اللہ تعالیٰ بھا و تحدث و تنویہ لما انعم اللہ علیہ من صنوف الھدایة وفنون الارشاد واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (مقدمہ فتح الملھم ص ۱)

لیکن جو چیز کہ عبد ضعیف (مولانا عثمانی) پر واللہ تعالیٰ اعلم ظاہر ہوئی ہے یہ ہے کہ حدیث کا اطلاق جیسا کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف نسبت کی جاتی ہے وہ کلام الٰہی کی آیت واما بنعمة ربک فحدث کی روشنی سے لیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو سورۂ ضحیٰ میں اپنے بڑے احسانات اپنے نبی علیہ السلام پر گنائے ہیں مثلاً یتیمی کے بعد ٹھکانا اور تنگ دستی کے بعد فراخی

اور راہ نہ ملنے کے بعد ہدایت کا عطا کرنا یعنی آپ کو ان راہوں سے بے خبر پایا جن کی طرف (انسانی) عقلیں راستہ نہیں پا سکتی ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "آپ کو معلوم بھی نہ تھا کہ کتاب اور ایمان کیا ہیں" پس اللہ نے ان ہدایت کے راستوں کی طرف آپ کو ہدایت دی اور مزید برآں قرآن کریم کو آپ پر بھیجا اور وہ علم عطا کیا جس کو آپ جانتے نہ تھے۔ پھر ان تین احسانات کے بعد تین باتوں سے آنحضور کو ترتیب وار فرمایا کہ یتیم پر قہر نہ کرنا اور سائل کو نہ جھڑکنا اور نعمت کے حصول پر اس کا اظہار لوگوں پر کرنا چاہئے ذوق سلیم کو یہ بات لگتی ہے کہ یہ (قرآنی) ترتیب لف ونشر غیر مرتب کے طور پر ہے مرتب نہیں ہے جیسا کہ بعض نے کہا ہے حاصل معنی یہ ہیں کہ آپ یتیم بے خبر اور مفلس تھے اللہ نے آپ کو ٹھکانا دیا اور ہدایت دی اور آپ کو غنی بنا دیا۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو آپ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ان تینوں معاملات میں فراموش نہ کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کریں۔ لہذا یتیم پر مہربانی اور سائل پر رحم فرمائیں کیونکہ آپ یتیمی اور فقر کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔ اور یہ آیت **واما بنعمة ربک فحدث** و **جدک ضالا فهدیٰ** کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی اس عظیم الشان نعمت ہدایت کا حق بے خبری کے بعد (کہ اس کے مقابلہ کی اور کوئی نعمت نہیں) یہ ہے کہ آپ اس انعام کا ذکر اللہ کے بندوں سے کر دیں اور ان میں اس ہدایت کا چرچا کر دیں اور اسے جو کچھ ان کی طرف نازل ہوا ہے اس کا بیان کر دیں اور یہ ظاہر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال جن کا نام ہم نے حدیث رکھا ہے وہ امور ہدایت الٰہی کی تشریح اور وضاحت ہے اور اللہ نے جو امور ہدایت ورشد آنحضور علیہ السلام پر انعام فرمائے ہیں ان کا بیان کرتا ہے۔ باقی صحیح بات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ حدیث کو حدیث کیوں کہتے ہیں۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۱)

مذکورہ عبارت میں علامہ محدث پاکباز نے حدیث کو حدیث کہنے کے سلسلہ میں اپنے ذاتی علم کی روشنی میں جس حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے اور آیت **واما بنعمة ربک فحدث** سے جس رنگ میں استدلال فرمایا ہے وہ محدث کے ذوق حدیثی اور قوت اجتہادی کا پتہ دیتی ہے۔ آگے چل کر محدث علام حدیث کی تعریف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

تعریف حدیث

قال العلماء رحمهم الله تعالیٰ الحديث اقوال النبي صلى الله عليه وسلم و افعاله و يدخل في افعاله تقريره و هو عدم انكاره لامر رآه او بلغه عمن يكون منقاداً للشرع و اما ما يتعلق به عليه الصلوٰة

والسلام من الاحوال فان كانت اختيارية فهى داخلة فى الافعال و ان كانت غير اختيارية كالحلية لم تدخل فيه اذلايتعلق بهاحكم يتعلق بناء وهذاالتعريف هوالمشهور عند علماء اصول الفقه و هوالموافق لفنهم وذهب بعض العلماء الىٰ ادخال كل ما يضاف الى النبى صلى الله عليه وسلم فى الحديث فقال فى تعريفه علم الحديث اقوال النبى عليه الصلوة والسلام و افعاله و احواله و هذا التعريف هوالمشهور عند علماء الحديث و هوالموافق لفنهم فيدخل فى ذالك اكثر مايذكر فى كتب السيرة كوقت ميلاده عليه الصلوة والسلام و مكانه نحو ذالك. (مقدمہ صحیح مسلم ص ۱)

علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کو کہتے ہیں اور آپ کے افعال میں آنحضور کی وہ تائید بھی شامل ہے جس کا مطلب آنحضرت کا کسی امر کو جو آپ نے دیکھا ہو یا آپ کو کسی شخص کا عمل پہنچا ہو بشرطیکہ وہ شخص شرع کے تابع ہو اور آپ نے اس پر انکار نہ کیا ہو شامل ہے لیکن جو چیز آنحضورؐ کے احوال کے متعلق ہو پس اگر وہ اختیاری ہیں تو وہ بھی افعال میں داخل ہیں اور اگر غیر اختیاری ہوں جیسا کہ حلیہ تو وہ اس میں شامل نہیں کیونکہ اس حلیہ کیساتھ کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو ہم سے متعلق ہو اور یہ تعریف علمائے اصول فقہ کے نزدیک مشہور ہے اور ان کے فن کے موافق ہے اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ ہر وہ چیز جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت رکھتی ہو وہ حدیث ہے چنانچہ انہوں نے کہا کہ حدیث اقوال و افعال و احوال نبی علیہ السلام کا نام ہے اور یہ تعریف علمائے حدیث کے نزدیک مشہور ہے اور ان کے فن کے موافق ہے پس اس تعریف میں اکثر وہ باتیں کہ سیرت کی کتابوں میں آنحضورؐ کی پیدائش کے وقت کی اور مکان وغیرہ کی ہیں حدیث میں شامل ہیں۔ (جلد اول)

حدیث کی تعریف کے سلسلہ میں حضرت محدث نے علماء کے اقوال پیش کرتے ہوئے حدیث کی تحقیق یہ کی ہے کہ حدیث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کا نام ہے اور حدیث میں وہ باتیں بھی شامل ہیں کہ آنحضور نے کوئی امر دیکھا یا آپ کو کسی شخص کا عمل پہنچا۔ بشرطیکہ وہ شخص تابع شرع ہو اور آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ کیونکہ مطیع شرع کے ناجائز عمل پر آنحضور کبھی خوشی اختیار نہیں فرما سکتے۔ اب جو آنحضور کو اس شخص کا معاملہ پہنچا اور آپ نے خوشی اختیار فرمائی تو اس سے آپ

کی رضامندی کا ثبوت مل گیا اور یہ توافق رسالت کے سانچے میں ڈھل کر تصدیق ثبوت حاصل کر چکا لیکن وہ شخص جو شریعت کا تابع نہ ہو تو اس کے عمل پر آنحضور کی خوشی حدیث کی تعریف سے خارج ہو گی کیونکہ وہ تو اسلام سے ہی خارج ہے۔

محدث پاکباز نے بعض دوسرے علماء کا قول بھی حدیث کی تعریف میں پیش فرمایا کہ ان کے نزدیک حدیث کا اطلاق ہر اس چیز پر ہے جو آنحضرت کی طرف منسوب ہو۔ اس تعریف میں کتب سیرت کے تذکروں کا وہ اکثر حصہ بھی شامل ہو جاتا ہے جو آنحضور کی پیدائش اور مکان وغیرہ سے متعلق ہے۔

حدیث کی تعریف کے بعد مقدمہ میں حضرت محدث حدیث اور خبر میں باہمی فرق کا جائزہ لیتے ہیں۔

تعریف خبر

واما الخبر فانه اعم لانه یطلق علی المرفوع والموقوف فیشمل ما اضیف الی الصحابة والتابعین و علیه یسمیٰ کل حدیث خبر اولایسمیٰ کل خبر حدیثا. و قد اطلق بعض العلماء الحدیث علی المرفوع والموقوف فیکون مرادفاً للخبر و قد خص بعضهم الحدیث بما جاء عن النبی علیه الصلوة والسلام والخبر بما جاء عن غیره فیکون مباینا للخبر. جلد اول (مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم ص ۲)

لیکن خبر (بنسبت حدیث) زیادہ عام ہے کیونکہ خبر کا اطلاق مرفوع اور موقوف دونوں پر ہے اس لئے جو بات صحابہ اور تابعین کی طرف منسوب کی جائے اس کو بھی لفظ خبر شامل ہے اسی بناء پر ہر حدیث خبر ہو سکتی ہے اور ہر خبر کو حدیث کا نام نہیں دیا جا سکتا اور بعض علماء نے مرفوع اور موقوف پر حدیث کا اطلاق کیا ہے لہذا حدیث اور خبر ہم معنی ہیں۔ اور بعض نے حدیث کو خاص بایں معنی کہ نبی علیہ السلام سے جو آئے حدیث کہا ہے اور جو نبی علیہ السلام کے سوائے کسی اور سے آئے اس کو خبر کہا ہے اس لحاظ سے حدیث اور خبر بالکل متضاد ہیں۔

مذکورہ تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث بنسبت خبر خاص ہے۔ ہر حدیث کو خبر کہا جا سکتا ہے لیکن ہر خبر کو حدیث نہیں کہا جاتا۔ البتہ بعض نے حدیث اور خبر کو ہم معنی کہا ہے مگر بعض علماء محدثین کا قول یہ ہے کہ حدیث وہ ہے جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے آئی ہو اور خبر وہ ہے جو نبی علیہ السلام کے سوائے کسی اور کی طرف سے ہو۔ بایں معنی حدیث اور خبر ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔

تعریف سنت

واما السنة فتطلق فی الاکثر علیٰ ما اضیف الی النبی علیه الصلوٰة والسلام من قول اوفعل او تقریر فهی مرادفة للحدیث عند علماء الاصول وهی اعم منه عند من خص الحدیث بما اضیف الی النبی علیه الصلوٰة والسلام من قول فقط (مقدمہ ص ۲)

لیکن سنت عام طور پر اسی امر کو کہا جاتا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہو۔ خواہ وہ قول نبی ہو یا فعل یا کسی کے عمل پر سکوت اس معنی میں علماء اصول حدیث کے نزدیک سنت اور حدیث ایک ہی چیز ہے لیکن ان لوگوں کے قول کے مطابق جنہوں نے حدیث کو صرف آنحضور کے قول میں منحصر کیا ہے سنت عام ہوگی اور حدیث خاص۔

محدث پاکباز عثمانی کی مذکورہ تحقیق کا رجحان یوں معلوم ہوتا ہے کہ سنت قول وفعل اور تقریر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ہے لیکن ساتھ میں علمائے اصول حدیث کا یہ رجحان بیان کر کے بعض دوسرے علماء کا قول بھی نقل کر دیا کہ سنت اور حدیث میں یہ فرق ہے کہ سنت تو آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال مبارکہ کو کہا جاتا ہے۔

یہ تو حدیث خبر اور سنت کے متعلق مختصر تحقیقات ہیں لیکن آگے چل کر علامہ نے علم حدیث کا مقصد وموضوع بیان فرمایا ہے اور علم حدیث کی تعریف کے متعلق تحقیقات فرمائی ہے لکھتے ہیں:۔

علم الحدیث ، قال الشیخ عزالدین بن جماعه علم الحدیث علم بقوانین یعرف بها احوال السناد والمتن وموضوعة السند والمتن و غایته معرفة الصحیح من غیره (مقدمہ ص ۲)

علم حدیث شیخ عزالدین بن جماعہ نے کہا ہے کہ علم حدیث ان قوانین کا علم ہے جس کے ذریعہ سند اور متن کے حالات کا علم پہچانا جائے اور اس کا موضوع سند اور متن ہے اور مقصد علم حدیث صحیح اور غلط روایت کی پہچان ہے۔

اس تحقیق سے علم حدیث کی تعریف، موضوع اور غایت کا پتہ چلتا ہے واضح رہے کہ کسی علم کے متعلق قاری کے ذہن میں اس علم کے تین پہلو آتے ہیں

اول یہ کہ جو علم قاری حاصل کرنا چاہتا ہے مثلاً فقہ، تفسیر، منطق یا فلسفہ تو سب سے پہلے اس کا

ذہن اس علم کی تعریف کے تجسس اور تلاش کا خواہاں ہوتا ہے۔

دوم قاری کی طبیعت اس علم کے حصول میں اس امر کی طالب ہوتی ہے کہ اس علم میں کس چیز سے بحث کی گئی ہے اور کس حقیقت کا اظہار اس علم میں کیا جا رہا ہے اسی کو موضوع علم کہا جاتا ہے۔

سوم کسی علم کے حاصل کرنے کا مقصد اور غرض معلوم ہونی چاہئے تاکہ وہ علم حاصل کرنے میں دل کے اندر رغبت پیدا ہو چنانچہ کسی علم کے حاصل کرنے سے جو مقصد ہوتا ہے اس کو غایت کہا جاتا ہے۔ ان حقیقتوں کے واضح ہونے کے بعد محدث عثمانی نے مذکورہ بالا عبارت میں انہی تین باتوں کی وضاحت کی ہے اور انہوں نے یہ تحقیق پیش فرمائی ہے کہ:۔

۱۔ علم حدیث کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسے اصول اور قوانین کا علم ہے جن کے ذریعہ راویوں کے حالات یعنی جن سے کوئی حدیث پہنچی ہے نیز متن کے حالات جو اصل حدیث ہے، معلوم ہوتے ہیں تو جب سند اور روایت کرنے والے اشخاص کو پوری پوری چھان بین کی جائے گی تو یقیناً ان کی وساطت سے پہنچنے والی حدیث کی صحت کا اندازہ ہو سکے گا۔

۲۔ تحقیق میں بھی دوسری بات علم حدیث کا موضوع بیان کیا گیا ہے کہ جس چیز سے علم حدیث میں بحث کی جاتی ہے وہ سلسلہ سند اور خود حدیث ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ علم حدیث کے حاصل کرنے کا مقصد جسے غایت کہتے ہیں یہ ہے کہ اس کے ذریعہ صحیح اور غیر صحیح حدیث کا پتہ چل جاتا ہے۔

اقسام حدیث

ان اصطلاحات اور تعریفات کے بعد محدث علام نے حدیث کی قسموں کا مقدمہ میں تفصیلی طور پر ذکر کیا ہے جیسا کہ نخبۃ الفکر میں جو کہ اصول حدیث کی مشہور کتاب ہے ذکر کیا گیا ہے لیکن نخبۃ الفکر میں نہایت اختصار ہے مگر علامہ کے مقدمہ میں ہر ایک قسم کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً حدیث کی اقسام کے ناموں میں حدیث متواتر، صحیح، احاد مقبول، عزیز، غریب، مرفوع، موقوف، مشہور، مردود، موضوع، کامل، حسن، ضعیف، قوی، صالح، معروف، جید، محفوظ، مجود، ثابت، مشبہ وغیرہ وغیرہ مختلف اقسام کی تعریفات اور تحقیقات کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ حدیث کی قسمیں اصول کی کتابوں میں مع تعریفات کے موجود ہیں وہاں مطالعہ کی جائیں یہاں طوالت کے پیش نظر قلم انداز کی جاتی ہیں۔

ایک نئی تحقیق جو حدیث متواتر کے ماتحت علامہ نے پیش کی ہے وہ تواتر کی چار قسمیں ہیں یعنی تواتر اسناد، تواتر طبقہ، تواتر عمل اور تواتر قدر مشترک۔

۱۔ تواتر اسناد یہ ہے کہ کسی حدیث کو اول اسناد سے آخر تک ایسی بکثرت جماعت نے روایت کیا ہو جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو اور محدثین کا اس پر تواتر ہو گیا ہو جیسے حدیث من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار ہے (جس نے مجھ پر جان کر جھوٹ بولا) اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔) اس حدیث کو جیسا کہ ابن صلاح نے کہا ہے باسٹھ صحابہ نے روایت کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سو سے زیادہ نے روایت کیا ہے اور امام نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ اس کو تقریباً دو سو صحابہ نے روایت کیا ہے اس لئے یہ حدیث تواتر اسناد سے ثابت ہے۔

۲۔ تواتر طبقہ یہ ہے کہ ہر ایک نسل اس کو برابر بیان کرتی چلی آئی اور ہر نسل کے طبقہ میں مشرق اور مغرب شمال اور جنوب اصاغر اور اکابر نے نبی اکرم علیہ السلام تک اس کو اس کثرت سے روایت کیا ہے کہ اس میں کذب کا وہم بھی نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ کفار کو بھی شک باقی نہیں رہتا مثلاً قرآن کریم کا تواتر' تواتر طبقہ ہے کہ ہر ایک طبقہ میں اس کثرت سے منقول ہے کہ اس پر امت کا غلطی پر اتحاد ناممکن ہے اور اس میں اتفاق ہے کہ ہم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہی قرآن چلا آ رہا ہے جو اللہ کی طرف سے نبی عربی پر نازل ہوا تھا اور اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہیں۔

۳۔ تواتر عمل :۔ اس تواتر کی مثال نماز ہے کہ صاحب شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک پانچ وقت کی نماز عملی طور پر تواتر کے ساتھ چلی آ رہی ہے اور آج تک دنیائے اسلام کا عمل پانچ وقت کی فرضیت نماز کا چلا آ رہا ہے۔ بہرحال تمام امت نے عملی طور پر پنجگانہ نماز کی فرضیت پر تواتر ثابت کر دیا ہے۔

۴۔ تواتر قدر مشترک :۔ یہ ایک ایسا تواتر ہے جو معنی کے اعتبار سے ایک روایت میں قدر مشترک کے طور پر ثابت ہو چکا ہے اگرچہ ان روایات کے الفاظ مختلف ہوں لیکن تمام روایات کی قدر مشترک معنوی طور پر ان روایات میں موجود ہے۔ مثلاً معجزات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہ احادیث میں آنحضرتؐ کے سینکڑوں معجزات موجود ہیں انفرادی طور پر گو معجزات کی روایات مختلف ہیں لیکن قدر مشترک کے طور پر صرف معجزات کا ہونا تواتر کے درجہ تک پہنچ چکا ہے۔

تعریف حدیث صحیح

حدیث متواتر اور دیگر بعض اصناف کے بعد علامہ محدث نے حدیث صحیح کی تحقیقات کو پیش کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :۔

الحدیث الصحیح ھو الحدیث الذی یکون متصل الاسناد من اولہ الیٰ منتھاہ بنقل العدل الضابط عن مثلہ ولا یکون فیہ شذوذ ولا علۃ

حدیث صحیح وہ حدیث ہے جس کی سند یعنی (راویوں کا سلسلہ اول سے آخر تک ملا ہوا (یکے بعد دیگرے) چلا جائے۔ اور (ہر ایک راوی) پرہیزگاری اور یادداشت کے ساتھ اس جیسی صفات والے راویوں سے نقل کرے اور اس میں شذوذ اور علت نہ ہو۔

اس تعریف حدیث صحیح کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث صحیح ایسی حدیث کو کہا جائے گا جس کے تمام راوی عادل یعنی معاملہ روایت میں انصاف اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھیں نیز یہ کہ ان کو اپنی یادداشت اور قوت حفظ پر پورا اعتماد ہو کہ میں نے جس سے روایت کی ہے اس نے اسی طرح مجھے حدیث بتائی ہے نیز ہر ایک راوی دوسرے راوی سے ذاتی طور پر روایت کر رہا ہو اور ان راویوں کے درمیان میں ایک دوسرے سے حدیث کی روایت میں کوئی راوی ایسا نہ ہو جس کو درمیان سے چھوڑ دیا گیا ہو گویا راویوں کا سلسلہ زنجیر کی کڑیاں ہیں جو ایک دوسرے سے ملتی چلی گئی ہوں۔ کیونکہ متصل نہ ہونے کی صورت میں حدیث کی صحت میں ایک قسم کا ضعف پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو جائے گا۔ پھر یہ کہ اس حدیث میں کوئی علت نہ ہو۔ اس کا مطلب علامہ عثمانی یہ لکھتے ہیں:۔

والمراد بالعلة هنا امر يقدح فى صحة الحديث

اور علت سے یہاں یہ مراد ہے کہ کوئی ایسا امر جو حدیث کی صحت کو نقصان پہنچائے (نہ ہو) نیز یہ بھی کہ اس میں شذوذ نہ ہو۔ اور شذوذ کے متعلق محدث شارح لکھتے ہیں:۔

والشذوذ مخالفة الثقة فى روايته من هوا رجح منه عند تعسر الجمع بين الروايتين.

اور شذوذ ثقہ کی اپنی روایت میں کسی ایسے راوی کی مخالفت ہوتی ہے جو اس راوی سے زیادہ قابل وثوق اور راجح ہو جبکہ ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا نہ ہو سکے۔

گویا حدیث صحیح کی تعریف کا اب تک محدث پاکبازی کی پیش کردہ تحقیق کے مطابق خلاصہ یہ نکلا کہ حدیث صحیح وہ حدیث ہے جس کے راویوں کا سلسلہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک متصل ہو اور وہ تمام راوی ایک دوسرے سے روایت کرنے والے اپنے عدل اور ضبط میں مستند ہوں نیز یہ کہ اس حدیث کا راوی اپنے سے بہتر راوی کی اس روایت میں مخالفت نہ کرے اور کوئی ایسی علت بھی اس حدیث میں نہ ہو جو اس کی صحت میں کلام کرنے کا موقع اور گنجائش چھوڑے۔

اقسام حدیث میں علامہ کے مقدمہ سے راقم الحروف نے صرف متواتر اور صحیح حدیث کی تعریف پیش کی ہے تاکہ کم از کم صحیح اور متواتر کی تعریفات کا تصور ذہن میں آ جائے۔

اس کے بعد علامہ نے عدالت، مروت، ضبط کی تعریفیں پیش کی ہیں جو راویوں کی صفات مانی گئی ہیں نیز یہ کہ علامہ شارح نے اپنے مقدمہ میں جہاں دلچسپ اور محققانہ بحثیں کی ہیں ان میں اخبار احاد کی صحت پر تنقیدی بحث اہل ہوا اور بدعت کی روایات اور ان کے اسماء جرح و تعدیل پر سیر حاصل تبصرہ امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کا مقام حدیث اور ائمہ کے ان کی رفعت شان پر بلند پایہ اقوال و تحقیقات ہیں۔ کتب حدیث کے درجات اور مراتب ہیں۔ بخاری اور مسلم کی شرحوں کا اجمالی تذکرہ طبقات کتب حدیث کے علاوہ حدیث کی تصنیفات کی نوعیتوں کا ذکر ہے اور آخر میں اس بات پر علامہ نے بحث کی ہے کہ کیا بخاری اور مسلم کی حدیثیں صحت میں یقین اور قطعیت کا مقام رکھتی ہیں یہ مباحث اپنی جگہ تحقیقات سے لبریز ہیں لیکن میرے لئے ان تمام تحقیقات کو یہاں جمع کرنا عسیر اور دشوار ہے۔ میری کوشش یہ ہے کہ قاری کے سامنے علم حدیث کی موٹی موٹی باتیں۔ علامہ عثمانی کے مقدمہ سے پیش کروں اس لئے یہاں ان کی مبسوط اور مفصل تحقیقات میں سے علم حدیث کی تدوین اور ترتیب یعنی یہ کہ علم حدیث کا فن کب سے شروع ہوا اور احادیث نبوی کو کب لکھنا اور جمع کرنا شروع کیا گیا اور پھر کونسی کتابیں لکھی گئیں۔ مختصراً پیش کروں گا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں محدث عثمانی نے اپنے مقدمہ میں کتابت حدیث اور تدوین پر حسب ذیل تحقیقات پیش کی ہیں۔ میں ان کا خلاصہ اردو میں پیش کرتا ہوں۔

کتابت حدیث و تدوین

جزائری نے کہا ہے کہ صحابہ قرآن کریم کے سوائے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی کوئی بات نہ لکھا کرتے تھے۔ کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث ہے جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے۔

> عن ابی سعید الخدری انه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتکتبوا عنی و من کتب عنی غیر القرآن فلیمحه و حدثوا عنی فلا حرج و من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری کوئی بات مت لکھو اور جس نے میری طرف سے قرآن کے سوائے کچھ لکھا ہو تو اس کو مٹا دو اور میری حدیث بیان کرو کوئی حرج نہیں اور جس نے مجھ پر جان کر جھوٹ بولا اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہئے۔

بہت سے علماء نے کہا ہے کہ آنحضور نے کتابت حدیث کو اس لئے منع فرمایا ہے کہ ایسا نہ ہو قرآن اور حدیث آپس میں خلط ملط ہو جائیں لیکن اگر اختلاط حدیث و قرآن کا شبہ نہ ہو تو پھر کتابت حدیث میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ اسی لئے آنحضور نے مرض وفات میں جو یہ فرمایا تھا۔

ایتونی بکتاب اکتب لکم کتابالاتضلوا بعده

مجھے کاغذ دو میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔

صاف بتاتا ہے کہ مطلقاً کچھ لکھنے میں جبکہ قرآن وحدیث مختلط نہ ہو جائیں کوئی مضائقہ نہیں۔ ورنہ آنحضور بھی نہ لکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حفاظ حدیث نے اس حقیقت کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ زید بن ثابت صحابی نے علم فرائض میں ایک کتاب مرتب کی اور امام بخاری نے بخاری میں کہا ہے:۔

ان عبداللہ بن عمر و کان یکتب الحدیث فانه روئ عن ابی هریرة انه قال ما من احدمن اصحاب النبی صلیٰ اللہ علیه وسلم اکثر حدیثا عندمنی الاما کان من عبداللہ بن عمر وفانه کان یکتب ولا اکتب

بیشک عبداللہؓ بن عمرو حدیث لکھا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ صحابہ میں میری بہ نسبت آنحضور سے زیادہ حدیث بیان کرنے والا کوئی نہ تھا۔ مگر عبداللہ بن عمرو جو تھے وہ حدیث لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

چنانچہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور علیہ السلام نے عبداللہ بن عمرو کو حدیث لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی اور انہوں نے آنحضرت سے عرض کیا تھا کہ:۔

یا رسول اللہ أأکتب ما اسمعه منک فی الغضب و الرضاء ؟ قال نعم فانی لااقول الاحقا.

یارسول اللہ کیا میں حالت غضب اور رضا میں جو کچھ آپ سے سنوں لکھ سکتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں کیونکہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ حق ہوتا ہے۔

الحاصل مقصد رسالت یہ تھا کہ اگر قرآن وحدیث میں التباس نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ حدیث کو لکھا جائے۔

آنحضورؐ کی وفات کے بعد صحابہ نے ان تحریروں کو جو عہد رسالت میں یکجا لکھی گئی تھیں جمع کرنے کی طرف سبقت کی اور اس کا نام مصحف رکھا۔ انہوں نے قرآن کریم پر ہی بس کی اور حدیث لکھنے کی طرف توجہ نہیں کی اور نہ اس طرح حدیث کو جمع کیا جس طرح قرآن کریم کو کیا تھا۔ البتہ انہوں نے اپنی ہمتوں کو بعینہٖ انہی الفاظ حدیث رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یا اگر وہ بعینہ یاد نہیں رہے تو ان کے صحیح معنی اور مدلول کی نشر واشاعت میں صرف کیا۔ البتہ قرآن کریم چونکہ اپنے الفاظ میں معجزانہ حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کے الفاظ کی حفاظت بھی ہوئی اور یہ تو خود ذمہ داری کلام والے نے لی تھی اور وانا له لحفظون فرما کر مطمئن کر دیا تھا۔

بہرحال حدیث کی حفاظت کا معاملہ صحابہ اور تابعین کے ابتدائی دور میں اسی طرح رہا کہ ان کو جب کسی مسئلہ میں آنحضور علیہ السلام کے کسی فرمان کی ضرورت پیش آتی تھی تو ایک دوسرے سے حدیثیں بیان کرتے تھے اور یہی ذکر فکر رہتا تھا کہ رسول اللہ نے اس معاملہ میں کیا فرمایا اور کیا عمل کیا ہے لیکن جب بنی امیہ کی سلطنت کے عہد میں خلافت حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سپرد ہوئی تو انہوں نے حدیثوں کے لکھنے کا حکم فرمایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز صفر ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے اور رجب ۱۰۱ھ میں وفات ہوئی ان کی تمام عمر چالیس سال کچھ ماہ کی ہوئی آپ کو زہر دیا گیا۔ بنی امیہ کو اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگر یہ زیادہ عرصہ تک خلیفہ رہے تو ہمارے قبضہ سے معاملہ جاتا رہے گا اور خلافت ایسے ہی کسی شخص کے ہاتھ میں جائے گی۔ اس لئے انہوں نے حضرت عمرؒ کو موت کے گھاٹ اتارنے میں جلدی کی۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری کی کتاب العلم میں کہا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو جو کہ قضایا اور فیصلوں میں عمر بن عبدالعزیز کے قائم مقام اور نائب تھے لکھا کہ دیکھیں جو رسول اللہ کی حدیث ہو اسے لکھ لو کیونکہ مجھے علماء اور علم کے نشانات مٹنے کا خوف لاحق ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابوبکرؓ نے صاحب بن یزید عباد بن تمیم، عمرو بن سلیم الزرقی اور اپنی خالہ عمرہ اور خالدہ بنت انس سے روایتیں کیں۔ امام مالک کا قول ہے:۔

لم یکن احد بالمدینة عنده من علم القضاء ما کان عند ابی بکر بن حزم.

مدینہ میں کوئی شخص علم قضا میں ابوبکر بن حزم کے برابر نہ تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ جو کچھ علم (حدیث) عمرہ اور قاسم کو ہے وہ بھی مجھے لکھ کر بھیجیے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ابوبکر بن حزم نے جس قدر حدیثیں جمع کیں ان سے معمر، اوزاعی، لیث، مالک، ابن ابی ذئب اور ابن اسحاق وغیرہم نے لیں اور جیسا کہ واقدی اور ابن سعد نے کہا ہے ابن حزم کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔ لیکن وہ شخص جس نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے حدیثوں کو مرتب کیا وہ سب سے پہلے شخص محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری (جو امام زہری کے نام سے مشہور ہوئے) ہیں جو مدنی ہیں اور حجاز اور شام کے علماء کے امام ہیں۔ انہوں نے حدیثوں کو ابن عمر، سہل بن سعد، انس بن مالک، محمد بن ربیع، سعید بن مسیب، ابی امامہ، ابن سہل سے لیا۔ ان لوگوں کا طبقہ صغار صحابہ اور کبار تابعین کا تھا اور امام زہری سے معمر، اوزاعی، لیث، مالک، ابن ابی ذئب وغیرہم نے حدیثیں لیں امام زہری سن ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴ھ میں آپ نے وفات پائی۔ عبدالرزاق کا قول ہے کہ میں نے معمر سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ

ہم نے امام زہری سے بہت کچھ حدیثیں سیکھ لی ہیں۔ تا آنکہ جب ولید بن یزید قتل ہوا اور دفاتر اس کے خزانے سے چوپاؤں پر لادے گئے تو وہ زہری کے علم سے لدے ہوئے تھے۔

امام زہری کے بعد ان کے زمانہ سے متصل طبقہ میں تدوین حدیث اشاعت پذیر ہوئی لیکن ابواب کے ، تحت احادیث کو جن لوگوں نے جمع کیا جیسا کہ ابن حجر کا قول ہے ان میں سے ابن جریج نے مکہ میں ابن اسحاق یا مالک نے مدینہ میں ربیع بن صبیح یا سعید بن ابی عروبہ یا حماد بن سلمہ نے بصرہ میں سفیان ثوری نے کوفہ میں اوزاعی نے شام میں ہشیم نے واسط میں معمر نے یمن میں جریر بن عبدالحمید نے ری میں اور ابن مبارک نے خراسان میں حدیثوں کو مدون کیا۔ یہ سب ائمہ ایک ہی زمانہ کے ہیں۔ البتہ کس نے سبقت کی معلوم نہیں لیکن ایک ہی قسم کی حدیثوں کو ایک باب میں امام شعبی نے جمع کیا۔ مذکورہ بالا ائمہ کے بعد دوسرے آئے۔ چنانچہ عبیداللہ بن موسیٰ عبسی کوفی نے مسند تصنیف کیا۔ مسدد بصری نے بھی مسند لکھا اسد بن موسیٰ نے بھی ایک مسند تحریر کیا اور نعیم بن حماد خزاعی نے بھی مسند تصنیف کیا۔ ان کے بعد حفاظ حدیث آئے اور انہوں نے بھی مذکورہ ائمہ کی پیروی کی چنانچہ امام احمد، اسحاق بن راہویہ عثمان بن ابی شیبہ وغیرہم نے مسند لکھے اسی طرح مسلسل تالیف حدیث کا کام جاری رہا تا آنکہ امام بخاری ۱۹۴ھ میں ترکستان کے شہر بخارہ میں) پیدا ہوئے اور اپنے عہد تالیف میں علم حدیث کے بہت بڑے ماہر مانے گئے چنانچہ ان سے بڑھ کر کسی اور کا وہ مقام نہیں سمجھا گیا جو حدیث میں ان کو ملا۔

صحت حدیث میں امام بخاری کا کام

اب تک حدیث کا جس قدر ذخیرہ جمع کیا گیا تھا وہ ان سے پہلے کی کتابوں میں صحیح اور غیر صحیح طور پر خلط ملط اور ملا جلا تھا بایں حیثیت کہ طالب حدیث کو راویوں کے حالت پر بحث کرنے کے بعد حدیث کی صحت پر پہنچنا پڑتا تھا اور اگر اس طالب کو علم اور واقفیت نہ ہوتی تھی تو ائمہ حدیث سے اس کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کے متعلق چھان بین کرنی پڑتی تھی اور اگر ایسا کوئی شخص نہ ملتا تھا تو وہ حدیث مجہول حالت میں رہتی تھی اور اس کا صحیح مقام معلوم نہ ہو سکتا تھا تا آنکہ امام بخاری نے صحیح اور غیر صحیح احادیث کو علیحدہ کر دیا اور اپنی کتاب بخاری میں صحیح احادیث جمع کر دیں اسی وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب کا نام صحیح بخاری رکھا۔ امام بخاری نے چھ ہزار حدیثیں اس کتاب میں جمع کیں چنانچہ حدیث کی کتابوں میں یہ کتاب سب سے زیادہ صحیح مانی جاتی ہے۔

امام بخاری کے بعد امام مسلم بن حجاج کا ظہور ہوا اور انہوں نے بھی امام بخاری کی تقلید کی

اور اپنی کتاب صحیح مسلم تالیف کی چنانچہ دونوں کتابوں کو صحیحین کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جب کسی کو صحیح حدیث کا پتہ چلانا ہو تو ان کی جمع کی ہوئی حدیثوں کو معتبر اور صحیح سمجھ کر لوگ ان پر اعتماد کرتے ہیں اور مزید پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ان کے بعد اور بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔

علامہ محدث عثمانی مذکورہ بالا تحقیق کے بعد دوسری کتب احادیث کے متعلق جن کو صحاح ستہ سمجھا جاتا ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

تالیفات احادیث کی مختلف قسمیں ہیں:۔

۱۔ **الجامع**:۔ جس میں آٹھ قسم کے مضامین ہوتے ہیں یعنی سیرت، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب اس قسم کی حدیث کی کتابوں میں جامع کتاب ترمذی اور صحیح بخاری ہے۔

۲۔ **السنن**:۔ یہ وہ احادیث کی کتابیں ہوتی ہیں جن میں ابواب فقہ کی ترتیب کے مطابق احکام ہوتے ہیں۔ چنانچہ سنن کی کتابوں میں ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ ہیں۔ یہ چھ کتابیں صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہیں یعنی بخاری، ترمذی، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔

۳۔ **المسند**:۔ بیان احادیث کا مجموعہ کتاب کہلاتی ہے جس میں صحابہ سے روایت کی ہوئی حدیثیں ان کے مرتبہ کی ترتیب کے موافق بغیر ترتیب ابواب فقہ کے جمع ہوتی ہیں مثلاً پہلے ابوبکرؓ سے مروی روایات، پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ وغیرہم کی روایات علیحدہ علیحدہ جمع کر دی جاتی ہیں۔

۴۔ **المعجم**:۔ جس میں شیوخ حدیث کی بالترتیب روایات جمع کی جائیں جس طرح مسند میں صحابہ کی احادیث ہوتی ہیں۔

۵۔ **الجزء**:۔ جس میں مسئلہ واحدہ معینہ کی احادیث شامل ہوتی ہیں جیسے قرات بخاری کا جزاور بخاری کا رفع یدین کا جزء۔

۶۔ **المفرد**:۔ یہ وہ حدیث کی تالیف ہوتی ہے جس میں شخص واحد کی احادیث جمع ہوتی ہیں مثلاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں یا حضرت حذیفہ کی۔

۷۔ **الغریبہ**:۔ یہ وہ مجموعہ حدیث ہوتا ہے جس میں ایک ہی شاگرد کا اپنے شیوخ واساتذہ حدیث سے لیا ہوا مجموعہ جمع ہوتا ہے اور اسی طرح حدیث کا ایک مجموعہ مستخرج اور المستدرک کہلاتا ہے۔

مذکورہ بالا تحقیقات علامہ عثمانی کی شرح مسلم کے مقدمہ میں سے میں نے خلاصہ کے طور پر اردو زبان میں لکھی ہیں۔ زیادہ تفصیلات مقدمہ میں ملاحظہ ہوں البتہ صحاح ستہ کے مصنفین کا اجمالی تاریخی خاکہ اپنی طرف سے لکھتا ہوں جو بعض مستند کتابوں سے لیا گیا ہے۔

۱۔ **بخاری**:۔ ان کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل ہے۔ ۱۹۴ھ میں بخارہ جو کہ ترکستان کا ایک

شہر ہے میں پیدا ہوئے اسی لئے انہیں بخاری کہتے ہیں۔ بخاری میں چھ ہزار حدیثیں ہیں۔ سولہ برس کی عمر میں اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ حج کو گئے اور چونکہ ابتداء سے ہی حدیث کا شوق تھا اس لئے تحصیل حدیث کے لئے حجاز ہی میں رہ گئے۔ پھر مصر اور دیگر ممالک اسلامیہ کا سفر کیا۔ سولہ سال کے بعد وطن واپس آئے اور تصنیف و تدریس میں مشغول ہو گئے ان تصانیف میں بخاری جو کہ کئی سال میں ترتیب دی مشہور ہے آپ نے اس کتاب میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ کوئی حدیث غیر صحیح نہ ہو اور راویوں کی پوری چھان بین کی ہے۔ صرف ان احادیث کو اپنی کتاب میں رکھا جن کے بارے میں یقین ہوا کہ یہ صحیح ہیں۔ آپ نے اس کا نام "الصحیح" رکھا۔ عام طور پر اس کو صحیح بخاری کہتے ہیں۔ کتاب اللہ کے بعد صحیح کتاب بخاری ہے۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئیں اور بہترین شرح حافظ ابن حجر کی ہے۔

۲۔ صحیح مسلم:۔ مسلم بن حجاج قشیری کی ہے۔ آپ شہر نیشا پور (خراسان) کے رہنے والے تھے اور قبیلہ قشیر جو کہ عرب کا ایک قبیلہ تھا اس سے نسبت رکھتے تھے۔ ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے لیکن ابن اثیر نے جامع اصول میں ان کی پیدائش ۲۰۶ھ مانی ہے۔ انہوں نے صحیح مسلم لکھی اور انتخاب احادیث میں پوری صحت کی کوشش کی۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کسی کی غیبت نہیں کی اور نہ مارا اور نہ کسی کو گالی دی۔ محمد بن الماسرجسی نے کہا ہے کہ میں نے مسلم سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے مسلم کا انتخاب تین لاکھ حدیثوں میں سے کیا ہے جو میں نے سنیں۔ رجب ۲۶۱ھ میں اتوار کی شام کو وفات پائی اور پیر کے روز دفن ہوئے۔ بستان المحدثین میں ہے کہ ابو حاتم رازی نے وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا اور حال پوچھا تو مسلم نے کہا کہ اللہ نے مجھے جنت مباح کر دی ہے کہ میں جہاں چاہوں رہوں بعض نیک آدمیوں نے ابو علی زاغونی کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہاری نجات کیسے ہوئی تو انہوں نے کہا اس جز کی وجہ سے ہوئی جو میرے ہاتھ میں ہے چنانچہ وہ صحیح مسلم کا جز تھا۔ جزائری نے کہا ہے کہ مکرر احادیث کو چھوڑ کر مسلم میں چار ہزار حدیثیں ہیں۔

یہی وہ کتاب ہے جس کی شرح کا فخر بقول مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی مرحوم پاکباز محدث علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا۔

۳۔ جامع ترمذی:۔ اس کے جمع کرنے والے محمد بن عیسیٰ ترمذ (ترکستان) کے رہنے والے تھے۔ اسی لئے اس کتاب کا نام ترمذی ہوا۔ اس میں ہر قسم کی حدیثیں نہایت تحقیق کے ساتھ جمع کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے احادیث پر تنقید بھی کی ہے اس کتاب کو بہت مقبولیت حاصل

ہے۔ آپ نے ۲۷۹ھ میں انتقال فرمایا۔

۴۔ ابوداؤد:۔ اس مجموعہ حدیث کو امام ابوداؤد نے جمع کیا ہے۔ ان کی پیدائش ۲۰۲ھ میں اور وفات ۲۷۵ھ میں بصرہ میں ہوئی۔ اس کتاب میں تقریباً چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔ یہ حدیث میں پراز معلومات کتاب مانی گئی ہے۔ فقہ، احکام دین، تفسیر قرآن، اخبار و قصص کی جامع کتاب ہے۔

۵۔ "سنن ابن ماجہ" اس کو امام محمد بن ماجہ نے جمع کیا ہے آپ قزوین میں پیدا ہوئے جو شمالی ایران میں واقع ہے۔ احادیث کی تلاش میں مختلف ملکوں کا سفر کیا۔ اس کتاب میں تقریباً چار ہزار حدیثیں ہیں۔ ان کی وفات ۲۷۳ھ میں ہوئی۔

۶ "سنن نسائی":۔ اس مجموعہ احادیث کو امام احمد بن شعیب نے جمع کیا۔ جو ۲۱۵ھ میں شہر نسا میں پیدا ہوئے جو کہ ترکستان میں واقع ہے۔ اس لئے اس کو نسائی کہا جاتا ہے۔ آپ نے حدیث کی خاطر مصر، شام، الجزیرہ اور حجاز کا سفر کیا۔ بڑے بڑے علماء سے حدیثیں عبادات کے متعلق ہیں۔ آپ نے ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

صحاح ستہ کے مؤلفین کا مختصر سا خاکہ محض تعارف کے لئے پیش کر دیا گیا ہے۔ مزید تفصیلات کی نہ یہاں ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔

آسمان فتح الملہم کے چاند تارے

گزشتہ اوراق میں ہم نے پاکباز محدث شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نوراللہ مرقدہٗ کے مقدمہ فتح الملہم سے اصول حدیث کے انتخاب اور بعض فن حدیث کے متعلق تحقیقات نادرہ پیش کی ہیں۔ اب یہاں اصل فتح الملہم شرح مسلم میں سے احادیث کی توضیحات و تحقیقات کے وہ چاند تارے پیش کرتے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ آفتاب نصب النہار سے زیادہ چمک اور روشنی رکھتا ہے۔

محدث پاکباز دوسرے ائمہ کے اقوال پیش کر کے جب اپنے خیالات اور اجتہادات کی علمی روشنی میں اپنے دلائل پیش کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان علم سے ستارے توڑ توڑ کر اور نوچ نوچ کر لا رہے ہیں۔ بہر حال اب یہاں علامہ کے احادیث کی شرح سے متعلق حقائق بصائر پیش کرتا ہوں۔ سب سے پہلے لفظ اللہ کی تحقیق فتح الملہم سے انتخاب کر کے پیش خدمت ہے کہ اللہ کے نام سے اس حصہ حدیث کا افتتاح محدث پاکباز عثمانی کی طرف سے اور اس راقم الحروف کی طرف سے ہو۔

شرح مقدمہ مسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم کو حسب ذیل تمہید کے ساتھ حمد باری تعالیٰ اور درود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کیا ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے:۔

الحمد لله رب العلمين والعاقبة للمتقين و صلى الله علىٰ محمد خاتم النبيين و على جميع الانبياء والمرسلين.

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو جہانوں کا پروردگار ہے اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے اور درود اللہ کا محمدؐ خاتم النبیین اور تمام انبیاء اور مرسلین پر ہو۔

امام مسلم کی اس حمد و نعت میں آنے والے باری تعالیٰ کے اسم اعظم اللہ پر محدث پاکباز تحقیقات میں لکھتے ہیں:۔

ثم من المعلوم ان الاسم الجليل اعنى الله خاص بواجب[1] الوجود الخالق للعالم المستحق لجميع المحامد بل هو اخص اسمائه الحسنى والصحيح انه عربى كما عليه عامة العلماء لاانه عبرى او سريانى كماذهب اليه ابوزيد البلخى ثم على انه عربى هل هو علم اوصفة او قيل صفة والصحيح الذى عليه المعظم انه علم' ثم على انه علم هل هو مشتق او غير مشتق فقيل مشتق على اختلاف بينهم فى المادة التى اشتق منها و فى ان علمية حينئذ بطريق الوضع او الغلبة وقيل غير مشتق بل هو علم مرتجل من غير اعتبار اصل اخذمنه و على هذا الاكثرون منهم ابو حنيفة ومحمد بن الحسين والشافعى والخليل والزجاج و ابن كيسان والحليمى و امام الحرمين والغزالى والخطابى ثم روى هشام عن محمد بن الحسن قال سمعت اباحنيفة رحمه الله يقول اسم الله اعظم هو الله ربه قال الطحاوى و كثير من العلماء واكثر العارفين حتى انه لاذكر عندهم لصاحب مقام فوق الذكر به وقد علم من هذا وجه تخصيص الحمد به دون غيره من اسمائه تعالى. (فتح الملہم ص۳۰۰ جلد نمبر۱)

---

[1] وجود کی دو قسمیں ہیں۔ واجب الوجود یعنی جس کا وجود ضروری اور قدیم ہو اور جو ہمیشہ سے ہمیشہ ہو جیسے اللہ کی ہستی اور اس کا وجود۔ لہٰذا اللہ کو واجب الوجود کہتے ہیں۔ دوسرا وجود ممکن الوجود کہلاتا ہے۔ یہ وہ وجود ہوتا ہے جو پہلے نہ تھا بعد میں ہوا اور پھر فنا ہو جائے گا۔ خدا کے سوا سب مخلوقات ملائکہ انسان جن آسمان و زمین سب ممکن الوجود اور حادث ہیں۔

پھر یہ بات مشہور ہے کہ اسم جلیل یعنی اللہ واجب الوجود عالم کے خالق تمام تعریفات کے مستحق کے لئے خاص بلکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں اخص ہے (پھر یا لفظ اللہ عربی ہے یا نہیں تو) صحیح یہ ہے کہ وہ عربی ہے جیسا کہ عام علماء کا خیال ہے نہ وہ عبرانی زبان کا لفظ ہے نہ سریانی کا جیسا کہ سریانی ہونے کا خیال ابوزید بلخی کا ہے۔ پھر اس کے علاوہ کہ وہ عربی ہے آیا وہ نام ہے یا صفت ہے تو بعض نے کہا صفت ہے لیکن جیسا کہ اکثر کا خیال ہے صحیح یہ ہے کہ وہ علم[1] یعنی نام ہے پھر علم ہونے کے علاوہ کیا وہ مشتق[2] ہے یا غیر مشتق۔ بعض نے کہا کہ وہ مشتق ہے اس کے مادہ کے اختلاف کی بنا پر جس سے لفظ اللہ نکلا ہے اور اس شق پر اس کی علمیت اس وقت بناوٹ یا غلبہ کی وجہ سے ہے۔ بعض نے کہا (کہ اللہ) غیر مشتق ہے بلکہ وہ بغیر کسی اصل کے کہ اس سے یہ لفظ نکلا ہو واضح طور پر علم ہے علماء اسی خیال پر اکثر ہیں جن میں سے امام ابوحنیفہ محمد بن حسن شافعی خلیل زجاج ابن کیسان، حلیمی، امام الحرمین غزالی اور خطابی ہیں۔ پھر ہشام نے محمد بن حسن سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اللہ کا اصلی نام وہ اللہ ہی ہے یہی بات طحاوی نے اور بہت سے علماء اور اکثر صوفیا نے کہی ہے۔ یہاں تک کہ کسی صاحب مقام کے پاس صوفیا میں سے اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں ہے اسی وجہ سے حمد کی تخصیص لفظ اللہ کے سوائے اور کسی دوسرے اسماء کے ساتھ نہیں کی گئی۔

مذکورہ تحقیق محدث پاکباز کی تحقیقی رفعتوں کا پتہ دیتی ہے باری تعالیٰ کے اسم گرامی اللہ کے متعلق جتنے حقائق محققین کے ہو سکتے تھے ان کو پیش کرتے ہوئے ان میں اصل ترجیحات کا بھی اپنے علمی مقام کے ماتحت ترجیحی وقار قائم کیا ہے۔ مثلاً۔

۱۔ لفظ اللہ، باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں خاص ہی نہیں بلکہ اخص ہے۔

۲۔ پھر یہ کہ لفظ عبرانی یا سریانی زبان کا لفظ نہیں ہے بلکہ خالص عربی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ باری تعالیٰ کے اسم اعظم کا شرف اسی زبان کو حاصل ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا یعنی عربی، محدث پاکباز نے اس اسم کو عربی زبان کا فرما کر اپنی سلامت طبع اور وجدان کا ثبوت دیا ہے۔ ابوزید بلخی نے اس کو سریانی بتا کر خیال میں ایک قسم کا ہیجان پیدا کر دیا ہے۔

۳۔ یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ اسم اللہ صفت نہیں بلکہ علماء کے سواد اعظم کے مطابق یہ علم

---

[1] علم گرامر میں کسی شخص یا چیز یا جگہ کے نام کو کہتے ہیں۔ لہذا اللہ خدا کا علم یعنی نام ہے۔

[2] مشتق اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی مصدر سے نکلا ہو جیسے نصر سے ناصر منصور نصیر وغیرہ

ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ صفاتی نام کریم، رحیم، سمیع اور علیم ہیں کہ تمام صفات ہیں۔

۴۔ یہ بھی کہ لفظ اللہ علم ہو کر کسی دوسرے لفظ یا مصدر سے مشتق نہیں ہے۔ چنانچہ امام اعظم اور دیگر ائمہ اور نحوی بھی فرماتے ہیں۔

یہ کہ یہ اسم اللہ کا اسم اعظم ہے جس کو خدا کے اولیاء اور عارفین اسم اعظم سمجھ کر اس سے بہتر ذکر کے لئے ان کے پاس اور کوئی نام نہیں ہے۔

اس تحقیق کو ایک مختصر عبارت میں اس طرح سمیٹا جا سکتا ہے کہ لفظ اللہ باری تعالیٰ کے اسماء و حسنیٰ میں ایک خاص بلکہ اخص اسم اعظم ہے جو عربی زبان کا لفظ ہے اور علم ہونے کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے لفظ سے مشتق نہیں بلکہ واضح طور پر غیر مشتق ہے اور یہ ایسا اسم اعظم ہے کہ صوفیا کے پاس اس سے بڑا اور کوئی نام ذکر کے لئے بہتر نہیں ہے۔

یہ ہے محدث پاکباز کی لفظ اللہ پر تحقیق تو گویا ان کی شرح کی خصوصیات میں سے الفاظ کی تحقیقات بھی ہے جو آپ وضاحت کے ساتھ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اب درود کے سلسلہ میں مذکورہ امام مسلم کی تمہیدی عبارت میں اللہ کے بعد آنحضور علیہ السلام کا نام نامی محمد آیا ہے اس کی تحقیق میں لکھتے ہیں:۔

> **محمد:۔ اشهر اسمائه الاعلام صلی الله علیه وسلم و انما سمی به لکثرة خصاله المحمودة کذا قاله ابن فارس وغیره من اهل اللغة قالوا ویقال لکل کثیر الخصال الجمیلة محمد ومحمود' وقال فی شرح التحریر انما سمی به لانه محمود عندالله وعند اهل الارض جهلا اوعناداً وهو اکثر الناس حمداً الی غیرذالک و قد منع الله تعالیٰ بحکمته ان یسمیٰ به احد غیره الیٰ ان شاع قبیل اظهاره للوجود الخارجی ان نبیاً یبعث اسمه محمد فسمی قلیل من العرب ابناء هم به رجاءً من کل ان یکون ابنه ذالک ثم منع الله کلامنهم ان یدعی النبوة او یدعیها احدله و یظهر علیه سبب یشکک احداً فی امره کذافی شرح التحریر** (فتح الملہم ص ۱۱ ج ۱)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ناموں میں سے محمد اصلی نام ہے اور یہ نام آپ کے عمدہ عادات کی کثرت کے باعث رکھا گیا ہے جیسا کہ ابن فارس اور دیگر اہل لغت نے کہا ہے کہ ہر اچھی بکثرت خصلتوں والے انسان کو محمد اور محمود کہا جاتا ہے اور شرح تحریر میں کہا ہے کہ آنحضرت کا نام محمد

اس لئے رکھا گیا ہے کہ آپ اللہ اور آسمان و زمین والوں کے نزدیک محمود ہیں اگرچہ بعض اہل زمین نے جہالت یا دشمنی کے باعث کفر کیا لیکن آنحضور کی مخلوقات میں تعریف کرنے والوں کی اکثریت ہے بہ نسبت تعریف نہ کرنے والوں کے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے کسی اور کو یہ (محمد کا نام) رکھے جانے سے روک دیا تا آنکہ یہ نام آنحضور کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے مشہور ہو گیا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے کہ اس کا نام محمد ہوگا اس لئے بعض عربوں نے (اس شہرت کے بعد) اپنے بیٹوں کا نام اس امید پر محمد رکھ لیا کہ شاید ان کا بیٹا ہی یہ نبی ہو۔ پھر اللہ نے (اپنی قدرت سے) ہر ایک کو نبوت کا دعویٰ کرنے سے یا اس کے لئے کسی اور کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ یا اس پر کسی ایسے سبب کو جو کسی کو اس کے معاملہ میں شک میں ڈال دے روک دیا۔ جیسا کہ شرح تحریر میں ہے۔

یہ ہے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی محمد کی تحقیق کہ اس کے معنی ہیں اس ذات کے جو بکثرت عمدہ خصائل اور عادات کا مالک ہو اور آپ سے پہلے یہ نام تقدیر الٰہی سے اور کوئی نہ رکھ سکا۔

راقم الحروف نے ان دونوں اسماء یعنی اللہ اور محمد کے ناموں سے فتح الملہم کی تحقیقات کا افتتاح کیا ہے کہ انہی دونوں کا کلام قرآن و سنت یا حدیث اسلام کی اصل بنیاد ہے۔

مقدمہ امام مسلم

امام مسلم نے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے یہاں سے اپنا مقدمہ یا تمہید شروع کی ہے اور اس مقدمہ میں سند حدیث اور متن حدیث نیز راویوں سے متعلق باتوں کا انکشاف کیا ہے۔ یہ مقدمہ مختصر ہے لیکن محدث پاکباز نے اس مقدمہ کی شرح اکتالیس صفحات میں پیش کی ہے۔ اور اس مقدمہ کی حمد و نعت میں اللہ جل ذکرہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لغوی تحقیقات تحریر فرمائی ہیں جیسا کہ ابھی گزریں۔

امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں ایک عبارت میں جو اوپر سے چلی آ رہی ہے اسانید کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے من صنوف الاشياء بالاسانيد التي نقلت محدث پاکباز اسانید کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق لکھتے ہیں اور ساتھ ہی متن کی بھی تحریر فرماتے ہیں۔

> الاسانيد جمع اسناد والاسنادمصدرمن قولك اسندت الحديث الى قائله اذارفعته اليه بذكرناقله واماالسند فهوفي اللغت ما استندت اليه من جداروغيره وهو في العرف طريق متن الحديث و سمي سنداً لاعتماد الحفاظ في صحة الحديث وضعفه عليه. مثال الحديث المسند قول يحيىٰ احدرواة الموطا اخبرنا مالک عن نافع عن عبدالله بن عمران

رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لايبع بعضكم على بيع بعض". فمتن الحديث فيه هو لا يبع بعضكم على بيع بعض. (فتح الملہم ص ۱۱۳ جلد ۱)

اسانید اسناد کی جمع ہے اور اسناد مصدر ہے مثلاً تم یوں کہو" کہ میں نے حدیث کا اس کے کہنے والے تک سلسلہ سند چلایا۔ یعنی نقل کرنے والے کے ذکر کے ساتھ قائل تک اس سند کو پہنچا دیا لیکن لغت میں سند کے معنی دیوار وغیرہ سے تکیہ لگانے کے ہیں لیکن عرف میں حدیث کے متن (عبارت) کے طریقہ کو کہتے ہیں اور سند کا نام اس لئے سند رکھا گیا کہ حدیث کی صحت اور ضعف کے متعلق حفاظ حدیث کو اعتماد ہوتا ہے مثلاً حدیث مسند موطا کے راویوں میں سے ایک راوی یحییٰ کا قول (حسب ذیل) "مالک نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے ہمیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بعض کی بیع بعض پر صحیح نہیں"۔

پس اس میں حدیث کا متن (**لا يبع بعضكم على بيع بعض**" ہے۔

مذکورہ تحقیقات میں تین باتیں بتائی گئی ہیں:۔

۱۔ اسناد لغت میں ٹیک لگانے کو کہتے ہیں۔

۲۔ اسناد عرف حدیث میں راویوں کا وہ سلسلہ ہے جن کے ذریعہ سے حدیث منقول ہوئی ہے۔ گویا اس اسناد سے نفس حدیث پر اعتماد قائم ہو گیا اور گویا ٹیک لگ گئی۔

۳۔ تیسری بات حدیث پیش کر کے سند اور متن کی وضاحت کر دی ہے۔ یعنی مالک نے نافع سے اور نافع نے عبداللہ بن عمر سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی ہے گویا راویوں کا یہ سلسلہ سند ہے اور جو حدیث ہے وہ متن ہے۔

متن کی تحقیق کے متعلق محدث پاکباز لکھتے ہیں:۔

والمتن في اصل اللغة الظهر وماصلب من الارض وارتفع ثم استعمل في العرف فيما ينتهي اليه السند. الخ

اور متن اصل لغت میں پیٹھ کو اور زمین کے ٹھوس اور بلند حصہ کو کہتے ہیں پھر مشہور طور پر جہاں پر سند ختم ہوتی ہے یعنی حدیث کو (متن کہتے ہیں)

و سند الحديث هو ما ذكر قبل المتن و يقال له الطريق لانه يوصل الى المقصود هنا و هو الحديث كما يوصل الطريق المحسوس الى مايقصده السالك فيه

اور حدیث کی سند وہ ہے جو متن سے پہلے ہو اس سند کو طریق بھی کہتے ہیں کیونکہ طریق (سند

حدیث) مقصود کی طرف لے جاتا ہے اور وہ مقصود حدیث ہے جیسا کہ محسوس راستہ مسافر کو منزل کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ ہے مختصر ابقدر ضرورت اسناد، متن، سند، طریق کی تعریفیں جن کا واضح کرنا اس موضوع حدیث میں سوانح علمی کے لکھنے والے کے لئے ضروری ہے۔ مزید توضیح کے لئے ایک حدیث مع سند کے درج کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

سند یا طریق حدیث

حدثنی ابوبکر بن اسحاق قال نا عفان قال ناوهیب قال نا یحییٰ بن سعید عن ابی زرعة عن ابی هریرة

۲۔ حدیث یا متن

"ان اعرابیا جاء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله دلنی علی عمل اذا عملته دخلت الجنة قال تعبدالله لاتشرک به شیئاً و تقیم الصلوٰة المکتوبة و تؤدی الزکوٰة المفروضة و تصوم رمضان قال والذی نفسی بیده لاازید علی هذاشیئاً ابداً ولاانقص منه فلما ولی قال النبی صلی الله علیه وسلم من سره ان ینظر الی رجل من اهل الجنة فلینظر الی هذا"۔

مذکورہ بالا میں ابوبکر، عفان، وہیب، یحییٰ، ابی زرعہ، ابو ہریرہ کا سلسلہ جنہوں نے ایک دوسرے سے حدیث بیان کی ہے "سند" ہے اور اس سند سے امام مسلم کو مذکورہ بالا حدیث ملی ہے۔ اور ان اعرابیا سے فلینظر الی هذا تک حدیث یا متن کہلاتا ہے انہی راویوں کی صداقت، دیانت، تقویٰ پر احادیث کی صحت کا دارومدار ہے۔ اسی لئے امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی احادیث کی صحت کو پختہ کرنے کے لئے راویوں کی پوری چھان بین کی ہے۔

راویوں کی تمیز میں محدث پاکباز کی گہری نظر

اس مقام پر پہنچ کر جبکہ میں مسلم کے مقدمہ کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ محدث پاکباز کی اسماء رجال اور راویوں کی معرفت اور قوت تمیز پر حیرت ہوتی تھی اور پتہ چلتا تھا کہ ان کا اس سلسلہ میں مطالعہ کس قدر وسیع اور گہرا تھا۔ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں راویوں پر جو تبصرہ اور جرح کی

ہے اس سلسلہ میں حفظ اور اتقان کے معاملہ میں بعض راویوں مثلاً عطاء بن سائب یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم کا ذکر بھی کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

> الاتری انک اذا وازنت ھولاء الثلثة الذین سمینا ھم عطاء و یزید و لیثا بمنصور ابن المعتمر و سلیمان الاعمش و اسماعیل بن ابی خالد فی اتقان الحدیث والاستقامة فیه وجدتھم مباینین لھم لایدانونھم (مسلم جلد نمبر ۱ ص ۱۷)

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر تو ان تینوں کا جن کا نام ہم نے عطاء یزید اور لیث بیان کیا ہے مقابلہ اتقان اور استقامت حدیث میں منصور بن معتمر سلیمان اعمش اور اسماعیل بن ابی خالد سے کرے تو (اول الذکر کو) تو (موخر الذکر) کے مبائن پائے گا کہ وہ ان کے قریب بھی نہیں ہیں۔

امام مسلم نے اس عبارت سے ذرا پہلے یزید کو یزید بن ابی زیاد کہا ہے لیکن یہ کونسا یزید بن ابی زیاد ہے اس پر محدث پاکباز علامہ عثمانی نے بحث کی ہے لکھتے ہیں:۔

> ویزید بن ابی زیاد الخ فی شرح مسلم و امایزید بن ابی زیاد فیقال فیه ایضاً یزید بن زیاد وھو قرشی دمشقی قال الحفاظ ھو ضعیف' وقال ابن نمیرو یحییٰ بن معین لیس ھو بشیء وقال ابو حاتم ضعیف وقال النسائی متروک الحدیث و قال الترمذی ضعیف فی الحدیث کذاقال النووی. (فتح الملہم جلد ۱ ص ۱۱۷)

اور یزید بن ابی زیاد الخ مسلم کی شرح میں ہے اور لیکن یزید بن ابی زیاد بس اس کے متعلق یزید بن زیاد بھی کہا جاتا ہے اور وہ قرشی دمشقی ہے حفاظ نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے ابن نمیر اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ وہ کچھ نہیں اور ابو حاتم نے کہا ضعیف ہے اور نسائی نے کہا متروک الحدیث ہے اور ترمذی نے کہا حدیث میں ضعیف ہے اسی طرح نووی نے کہا ہے۔

شرح مسلم سے مراد محدث پاکباز نے شرح نووی لی ہے مذکورہ عبارت میں امام نووی نے یزید بن ابی زیاد سے قرشی دمشقی مراد لیا ہے۔ جیسا کہ شرح نووی جلد نمبر ۱ ص ۴ پر ہے لیکن امام عثمانی امام نووی کا رد فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

> وانا اظن واللہ تعالیٰ اعلم ان مسلما رحمه اللہ لم یعن ھناھذاالقرشی اله الدمشقی بل ھویزید بن ابی زیادالکوفی صاحب حدیث الرایات السود احد علماء الکوفة المشاھیر علی سوء حفظه (فتح الملہم جلد نمبر ۱ ص ۱۱۷)

اور میں (امام عثمانی) گمان کرتا ہوں اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہاں یہ قرشی دمشقی مراد نہیں لیا بلکہ وہ یزید بن ابی زیاد کوفی روایات سود کی حدیث والے ہیں جو کہ کوفہ کے مشہور حافظ کے کمزور علماء میں سے ایک ہیں۔

ملاحظہ کیجئے کہ امام عثمانی امام نووی سے یزید بن ابی زیاد کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں چنانچہ اسی مذکورہ عبارت کے بعد اپنی تحقیق کی تائید میں لکھ چکنے کے بعد حافظ بن حجر کے تائیدی اور ہم خیال الفاظ مل گئے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

> "وبعد ماكتبت رأيت الحافظ انه قال في "التهذيب" وقال مسلم في مقدمة كتابه فان اسم الستر والصدق وتعاطي العلم يشملهم كعطاء بن السائب و يزيد بن ابی زیاد ولیث بن ابی سلیم و نظرائهم من حمال الاثار الى اخر كلامه وهو موافق لما تقدم عن ابی مهدی في الجمع بين هؤلاء الثلثة و تفضيله ليثا على الاخرين واغرب النوویؒ فذكر في مقدمة شرح مسلم ترجمة يزيد بن ابی زیاد و ابن ابی زیاد الدمشقی المذكوره قبل هذه الترجمة وزعم انه مراد مسلم بقوله يزيد بن ابی زیاد وفيه نظر لا يخفى"۔ (فتح الملہم جلد نمبر۱ ص ۱۱۷)

اس کے بعد کہ میں لکھ چکا تھا۔ میں نے حافظ (ابن حجر) کو پایا کہ انہوں نے تہذیب میں کہا ہے "اور مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں کہا کہ ستر وصدق اور تعاطی علم ان کو شامل ہے جیسا کہ عطاء بن سائب اور یزید بن ابی زیاد ولیث بن ابی سلیم اور انہی کی مانند (جو اور لوگ ہیں) جو کہ آثار کے حامل ہیں۔ (آخر کلام تک امام مسلم کے) اور (مسلم کی یہ رائے) وہ موافق ہے جیسا کہ پہلے گزرا ابن مہدی کی طرف سے ان تینوں کے بارے میں (تحدیدی خیال) اور ان تینوں میں لیث کی دونوں پر فضیلت اور نووی نے عجیب بات کہی کہ انہوں نے شرح مسلم کے مقدمہ میں یزید بن ابی زیاد اور ابن ابی زیاد دمشقی کا حال لکھا ہے اور گمان کیا ہے کہ امام مسلم کی مراد یزید بن ابی زیاد سے دمشقی یزید بن ابی زیاد ہے اور (نووی کے) اس قول میں نظر ہے جو پوشیدہ نہیں۔

حافظ بن حجر کی مذکورہ عبارت امام عثمانی کی تائید کرتی ہے کہ یزید سے مراد وہ دمشقی نہیں بلکہ کوفی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر شارح بخاری نے امام نووی کی اس تحقیق پر تعجب کا اظہار کیا ہے پاکباز محدث کو اپنی اختلافی رائے امام نووی کے خلاف لکھنے کے بعد حافظ ابن حجر کی اپنے خیال کی موافقت میں تائید مل جانے سے بہت مسرت ہوئی چنانچہ لکھتے ہیں:۔

فحمدت الله على اصابة ظنى والله الموفق

پس میں نے اپنے خیال اور تحقیق کی درستی پر اللہ کا شکریہ ادا کیا اور اللہ ہی (صحیح خیال کی) توفیق دینے والا ہے۔

اسماء رجال اور راویوں کے بارے میں مولانا عثمانی کی مذکورہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ جس مقام پر امام نووی کو دھوکہ لگا وہاں حضرت عثمانی کس ذکاوت اور بصیرت کے ساتھ ہدایت کی راہ پر چلے ہیں اور درانحالیکہ جب حافظ ابن حجر کی تائید مل جاتی ہے آں موصوف اسماء رجال اور راویوں کی معرفت اور تمیز میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنی شرح میں راویوں سے بھی بحث کرتے چلے جاتے ہیں اور پوری تحقیق اور ذمہ داری سے جو ایک محدث کی خصوصی صفت ہونی چاہیے عہدہ برآ ہونے کی لیاقت اور پوری بصیرت رکھتے ہیں۔

مسلم کے مقدمہ میں زیادہ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اب راقم الحروف ان خصوصیات کو تفصیلی طور پر نظائر کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرے گا جو فتح الملہم کے آخر میں خود ناشر نے فتح الملہم کی بیان کی ہیں۔

حدیث جبرئیل اور ایمان' اسلام' احسان کی حقیقت

اصول حدیث میں محدث پاکباز کے مقدمہ کا مختصر اور اجمالی تذکرہ کرنے اور خود مسلم کے مقدمہ کی شرح پر نظر ڈالنے کے بعد اب اصل فتح الملہم میں پیش کردہ خصوصیات اور تحقیقات کی طرف عنان توجہ منعطف کرنے کا فخر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اس سلسلہ میں ایمان' اسلام اور احسان والی مشہور حدیث سے ابتدا کرنے کی خواہش رکھتا ہوں جس سے صاحب مصابیح نے اپنی کتاب کو شروع کیا ہے کیونکہ یہ حدیث تبرک اور افتتاح رحمت و برکت میں وہی مقام رکھتی ہے جو قرآن کریم میں سورۂ فاتحہ کو حاصل ہے کہ اس سے رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔ امام مسلم نے اپنی حدیث کی کتاب مسلم میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ قارئین کو چاہیے کہ سورۂ فاتحہ کی طرف اس حدیث کو یاد کرنے کا شرف حاصل کریں۔ اسی لئے پوری حدیث یہاں نقل کرتا ہوں۔ یہ روایت عبداللہ بن عمر نے اپنے والد بزرگوار حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے:۔

حدثنی ابی عمر بن الخطاب قال بینما نحن عند رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم اذطلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب شدید سوادالشعر لایریٰ علیه اثرالسفر ولایعرفه منا احدحتی جلس الی النبی صلی الله علیه وسلم فاسندرکبتیه الی رکبتیه

ووضع كفيه على فخذيه وقال يا محمد اخبرنى عن الاسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله و تقيم الصلوة وتؤتى الزكوة و تصوم رمضان و تحج البيت ان استطعت اليه سبيلا قال صدقت قال فعجبنا له و يصدقه قال فاخبرني عن الايمان قال ان تؤمن بالله وملئكته وكتبه ورسله واليوم الاخر وتؤمن بالقدر خيره و شره قال صدقت قال فاخبرنى عن الاحسان قال ان تعبدالله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراک قال فاخبرنى عن الساعة قال ماالمسئول عنها بالعلم من السائل قال فاخبرني عن اماراتهاقال ان تلدالامة ربتها و ان ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون فى البنيان قال ثم انطلق فلبثت مليا ثم قال لى يا عمر اتدرى من السائل قلت الله و رسوله اعلم قال فانه جبريل اتاكم يعلمكم دينكم

حدیث بیان کی مجھ سے میرے والد عمر بن خطاب نے کہا اس اثنا میں کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص نہایت سفید کپڑوں والا اور سخت سیاہ بالوں والا ہمارے پاس آ نکلا۔ اس پر سفر کی کوئی علامت نہ تھی۔ اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہ تھا تا آنکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا کہ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے زانو سے لگا دیے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنی رانوں پر رکھ لیں اور کہا یا محمد مجھے اسلام کی بابت خبر دیجئے۔ پس رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسلام یہ ہے کہ تو شہادت دے کہ اللہ کے سوائے اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ تو نماز قائم رکھے اور زکوۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور اگر تجھے اس کی طرف جانے کی طاقت ہو تو خانہ کعبہ کا حج کرے اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا' عمرؓ نے کہا ہمیں تعجب ہوا اس پر کہ سوال بھی کرتا ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے اس نے کہا کہ ایمان کے متعلق بھی خبر دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ تو اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں قیامت کے دن پر ایمان لائے اور اچھی تقدیر اور بری پر یقین کرے اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ اس نے کہا کہ احسان کے متعلق بھی خبر دیجئے فرمایا (حضرت نے) کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے کہ یا اسکو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو کہ تو اس کو دیکھتا ہے تو یہ سمجھ کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے اس نے کہا کہ قیامت کے بارے میں بھی مجھے بتائیے تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے متعلق سوال کئے جانے والا سوال کرنے والے سے زیادہ

نہیں جانتا تو اس نے کہا اچھا قیامت کی علامتیں ہی بتائیے تو آپ نے فرمایا کہ باندی اپنی سیدہ کو جنے اور یہ کہ ننگے پاؤں والوں اور ننگے بدن والوں مفلسوں اور بکریوں کے چرانے والوں کو کہ وہ اونچی عمارتیں بنائیں گے۔ راوی نے کہا پھر وہ شخص چلا گیا پس میں کچھ دیر ٹھہرا پھر مجھ سے حضرت نے فرمایا اے عمر کیا تم سائل کو جانتے ہو کہ کون تھا میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول جانے فرمایا کہ وہ جبرئیل تھے تمہارے پاس تمہیں دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔

قرطبی نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ یہ اس قابل ہے کہ اس کو "ام السنة" سنت کی ماں یعنی حدیثوں کی اصل کہا جائے کیونکہ یہ حدیث تمام علم السنت پر شامل ہے۔ چنانچہ طیبی نے کہا ہے کہ اسی نکتہ کی وجہ سے بغوی نے اپنی دونوں کتابوں مصابیح اور شرح السنۃ کا افتتاح کیا ہے تاکہ قرآن کریم کی سورۂ فاتحہ سے ابتدا کی طرح اس حدیث سے قرآن کریم کی پیروی ہو سکے کیونکہ سورۂ فاتحہ بھی قرآن کریم کے علوم کو حاوی ہے اسی طرح یہ حدیث بھی تمام احادیث کے مضامین کا اجمالی خاکہ ہے۔

مذکورہ حدیث میں چند اسلامی احکام اور فرائض نیز قیامت کی علامتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی۔

۱۔ اسلام کیا ہے ۲۔ ایمان کا مطلب کیا ہے۔ ۳۔ احسان کسے کہتے ہیں۔ ۴۔ قیامت کب آئے گی۔ ۵۔ قیامت کی علامتیں کیا ہیں۔

یہ ہیں وہ امور جن کے متعلق رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ بایں طور کہ جبرئیل علیہ السلام آنحضور سے بحیثیت سائل پوچھتے جاتے ہیں اور آنحضور ان کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے جاتے ہیں اور روح الامین تصدیق کرتے جاتے ہیں۔

تحقیق احسان

اس حدیث کے معانی و مطالب کے سلسلہ میں اسلام' ایمان' احسان تین ایسے امور ہیں کہ تمام شریعت کی بقاء اور خوبصورتی نیز عمدگی کا دارومدار انہی تین چیزوں پر ہے۔ اسلام کے متعلق جو حضور نے فرمایا اس میں خدا کی توحید اور آنحضور علیہ السلام کی رسالت' نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج گویا انہی پانچ ارکان اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ توحید رسالت کے متعلق محدث پاکباز کے علم کلام کے سلسلہ میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے ایمان کے متعلق بھی آنحضور علیہ السلام نے سادہ الفاظ میں اللہ' ملائکہ' رسل' یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان لانے کو بیان فرمایا ہے تقدیر کا مسئلہ بھی تقریباً حسب ضرورت علامہ عثمانی کے حصۂ کلام کے سلسلہ میں آپ کی نظر سے گزرے گا۔ علاوہ ازیں ان کی تفصیلات مختلف اوقات میں آپ نے علما سے سنی ہیں اس لئے سردست ان حقیقتوں پر روشنی ڈالنے

کی ضرورت نہیں سمجھتا البتہ احسان کے متعلق محدث پاکباز نے جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ عام لوگوں کے سننے میں شاید ہی آئی ہوں گی اس لئے ان کو پیش کرتا ہوں لیکن محدث پاکباز کی تحقیقات کے سلسلے میں یہ بتادوں کہ کسی شرعی حکم کے بجالانے میں ایک تو

۱۔ کسی چیز کی فرضیت کا دل سے یقین کرنا اور ماننا ہے۔

۲۔ دوسرے اس پر عمل کرنا کہ قرض یا فرض ادا کر دینا کہلاتا ہے۔

۳۔ اس دل سے ایمان لائی ہوئی چیز کو فرض سمجھ کر ادا کر دینے کے بعد ایک تیسرا مقام اور بھی ہے اور وہ ہے اس چیز کے ارکان و شرائط کو خلوص، محبت اور نیاز مندی کے ساتھ پورے طور پر ادا کرنا۔

پہلی صورت کا نام ایمان، دوسری کا اسلام اور تیسری کا نام احسان ہے۔ رسول اکرم علیہ السلام سے جب حضرت جبرئیل نے پوچھا کہ احسان کیا ہے تو آنحضورؐ نے فرمایا۔

ان تعبدالله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک

کہ اے مومن تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے تو (یہ سمجھ کہ) وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔

احسان کے معنی میں محدث پاکباز نے اب جو تحقیقات کے دریا بہائے ہیں وہ قابل غور ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

> **قال الحافظ فی الفتح اشار فی الجواب الی حالتین ارفعهما ان یغلب علیه مشاهدة الحق حتی کانه یراه بعینه وهو قوله تراه والثانیة ان یستحضر ان الحق مطلع علیه یریٰ کل ما یعمل وهو قوله فانه یراک وهاتان الحالتان یثمرهما معرفة الله و خشیته وقدعبرنی روایة عمارة بن القعقاع بقوله ان تخشی الله کانک تراه و کذا فی حدیث انس.**

حافظ (ابن حجر) نے فتح الباری میں کہا ہے کہ (آنحضور علیہ السلام) نے (جواب جبرئیل میں) دو حالتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان دونوں میں زیادہ اعلیٰ یہ ہے کہ عابد پر حق کا مشاہدہ ایسا غالب ہوتا ہے گویا کہ وہ خدا کو بعینہ دیکھ رہا ہے اور وہ ہے آنحضور کا فرمانا کانک تراه اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ عبادت گزار کے دل میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ خدا اس سے آگاہ ہے اور جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کو دیکھ رہا ہے اور وہ ہے آنحضور کا فرمانا فانه یراک اور یہ دونوں حالتیں اللہ کی معرفت اور اس کا خوف پیدا کرتی ہیں اور عمارہ بن قعقاع کی روایت میں اس کا مطلب آنحضور کے قول میں یہ ہے کہ تو اللہ سے اس طرح ڈرے گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اسی

طرح حدیث انس میں ہے۔

وقال النووی انا لوقدرنا احدنا قام فی عبادة وھو یعاین ربہ سبحانہ و تعالیٰ لم یترک شیئا مما یقدر علیہ حسن الخضوع والخشوع وحسن السمت واجتماعہ بظاھرہ باطنہ علی الاعتنا بتمیمھا علیٰ احسن وجوھھا الا اتی بہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم اعبداللہ فی جمیع احوالک کعبادتک فی حال العیان فان تتمیم المذکور فی حال العیان انما کان لعلم العبد باطلاع اللہ سبحانہ و تعالیٰ علیہ فلا یقدم العبد علی تقصیر فی ھذاالحال للاطلاع علیہ وھذاالمعنی موجود مع عدم رویة العبد فینبغی ان یعمل بمقتضاہ فمقصود الکلام الحث علی الاخلاص فی العبادة و مراقبة العبد ربہ تبارک و تعالیٰ فی اتمام الخشوع وغیر ذالک و قد ندب اھل الحقائق الی مجالسة الصلحین لیکون ذالک مانعاً من تلبسہ بشیٔ من النقائص احتراماً لھم و استحیاءً منھم فکیف بمن لایزال اللہ تعالیٰ مطلعاً علیہ فی سرہ و علانیتہ فحاصل معنی الحدیث انک انما تراعی الاداب المذکورہ اذا کنت تراہ ویراک لالکونک تراہ فھودائما یراک فاحسن عبادتہ و ان لم ترہ فتقدیر الحدیث فان لم تکن تراہ فاستمر علی احسان العبادة فانہ یراک اہ

اور نووی نے کہا کہ اگر ہم فرض کریں کہ ہم میں سے ایک عبادت کے لئے کھڑا ہوا ہے اور وہ اپنے رب پاک و بلند کو دیکھ رہا ہو تو وہ کوئی چیز لوازمات خشوع وخضوع میں سے نہیں چھوڑے گا جہاں تک بھی ہو سکے گا اور احسن طریقہ پر اپنے ظاہر اور باطن کو اکٹھا اور متحد کر کے عبادت کو احسن وجوہ پر مکمل کرے گا۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تمام احوال میں اللہ کی اس طرح عبادت کر جس طرح مشاہدہ حق حاصل ہو کیونکہ مذکورہ عبادت کی تکمیل حالت مشاہدہ میں بندہ کے اس علم کے سبب ہوگی کہ وہ سبحانہ تعالیٰ کو اپنے حال پر مطلع سمجھے پس اس صورت میں بندہ اس اللہ کے آگاہ ہونے کے باعث حالت عبادت میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا اور یہ معنی بندہ کے عدم رویت کی صورت میں بھی موجود ہیں تو اس وقت بندہ کو یہ مناسب ہے کہ وہ اس کے مقتضا پر عمل کرے۔ پس کلام کا مقصد بندہ کو عبادت میں اخلاص پر آمادہ کرنا ہے اور اس کو اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے مراقبہ پر پورے خشوع وخضوع کے لئے رغبت دلانی مقصود ہے اور اہل حقیقت نے اسی لئے صالحین کی مجالس میں بیٹھنا مستحسن خیال کیا ہے کہ ان بزرگوں کے پاس بیٹھنے کے وقت ان کے احترام اور حیا کے باعث مجلس صلحا برائیوں سے مانع رہتی ہے کجا یہ کہ وہ شخص جو اللہ

تعالیٰ کو ہمیشہ اپنے ظاہر اور باطن کے حالات پر مطلع اور آگاہ سمجھے۔ اس لئے حدیث کے مطلب کا حاصل یہ ہوا کہ اگر اے بندے تو مذکورہ آداب کا خیال رکھے گا جبکہ تو اس کو دیکھ رہا ہوگا اور وہ تجھ کو دیکھتا ہوگا نہ اس لئے کہ تو اس کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تجھ کو ہمیشہ دیکھتا ہے اس لئے اس کی عبادت اچھی طرح سے کر اور اگر تو اسے نہ دیکھے تو حدیث فان لم تکن تراہ کا مطلب یہ ہے کہ حسن عبادت پر ہمیشگی اختیار کر کیونکہ وہ اللہ تجھے دیکھتا ہے۔ اھ

قال السندی فی حاشیة البخاری ...... و هذا من جوامع کلمه صلی الله علیه وسلم افهو شامل لمقام المشاهدة و مقام المراقبة و یتضح لک ذالک بان تعرف ان للعبد فی عبادته ثلثة مقامات الاول ان یفعلها علی الوجه الذی تسقط معه وظیفة التکلیف باستیفاء الشرائط والارکان والثانی ان یفعلها کذٰلک و قد استغرق فی بحار المکاشفة حتی کانه یری الله تعالیٰ و هذا مقامه صلی الله علیه وسلم قال وجعلت قرة عینی فی الصلوة لحصول الاستلذاذ بالطاعة والراحة باالعبادة والسند او مسالک الالتفات الی الغیر باستیلاء انوار الکشف علیه وهو ثمرة امتلاء زوایاالقلب من المحبوب واشتغال السر به و نتیجته نسیان الاحوال من المعلوم واضمحلال الرسوم الثالث ان یفعلها و قد غلب علیه ان الله تعالیٰ یشاهده و هذاهو مقام المراقبة فقوله فان لم تکن تراه نزول عن مقام المکاشفة الی مقام المراقبة ای ان لم تعبده وانت من اهل الرؤیة المعنویة فاعبده وانت بحیث انه یراک. و کل من المقامات الثلاث احسان الا ان الاحسان الذی هو شرط فی صحة العبادة انما هوالاول لان الاحسان بالاخرین من صفة الخواص و یتعذرعن کثیرین' قاله القسطلانی فی شرح البخاری و بعض مراتب الاحسان قد فصله الشیخ بدرالدین العینیؒ رحمة الله ترکناه مخافة الخروج عن المقصود

سندی نے بخاری کے حاشیہ میں کہا ہے۔۔۔۔۔ اور یہ الفاظ آنحضور کے جامع کلمات میں سے ہیں کیونکہ وہ مشاہدہ اور مراقبہ کے مقام کو شامل ہیں اور تجھے یہ بات بھی معلوم ہو جائے گی کہ تو پہچان لے کہ بندہ کے لئے اس کی عبادت میں تین مقامات ہوتے ہیں۔ اول مقام عبادت یہ ہے کہ وہ اس طریقہ سے عبادت کرے کہ شرائط وارکان کے پورا کرنے میں اسے عبادت کی تکلیف کا احساس ہی باقی نہ رہے۔ دوسرا مقام عبادت یہ ہے کہ عبادت کرنے میں مکاشفہ کے دریا میں غرق ہو جائے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور یہ مقام عبادت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ چنانچہ آپ

نے فرمایا کہ نماز میں مجھے آنکھ کی ٹھنڈک طاعت میں لذت اور راحت کے حصول کی وجہ سے اور غیر اللہ سے یکسوئی کے راستے بند ہونے اور کشف کے انوار بندے پر چھا جانے کی وجہ سے حاصل ہے اور یہ انوار کا غلبہ محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کے بندہ کے دل کے گوشہ گوشہ میں بھر جانے کے سبب سے اور سر کے مشغول و محو ہو جانے کے سبب سے ہے اور اس کا نتیجہ مقصد کی وجہ سے حالات کو بھلا دینا اور رسوم کا مضمحل کر دینا ہے۔ تیسرا مقام عبادت یہ ہے کہ اس کو کہا جائے اور اس پر یہ بات غالب ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اور یہ مراقبہ کا مقام ہے اس لئے آنحضور کا قول فان لم تکن تراہ مقام مکاشفہ سے مقام مراقبہ کی طرف تنزل ہے یعنی اے بندہ اگر تو ایسی عبادت نہیں کرتا کہ تو خدا کو باطنی رویت سے مشاہدہ کرے تو (کم از کم) اس طرح سے عبادت کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اور یہ تینوں مقامات احسان میں شامل ہیں لیکن صحت عبادت میں جو احسان شرط ہے وہ اول ہے کیونکہ آخر کے وہ مقامات احسان خواص کی صفت ہیں اور عوام سے مشکل ہیں۔ قسطلانی نے اس کے متعلق بخاری کی شرح میں کہا ہے اور بعض مراتب احسان کو شیخ بدرالدین عینی نے تفصیل سے ذکر کیا ہے ہم نے ان کو مقصد سے نکل جانے کے باعث چھوڑ دیا ہے۔

محدث پاکباز نے احسان کی مذکورہ تشریح میں حافظ ابن حجر امام نووی شیخ سندی قسطلانی کے اقوال پیش کرنے کے بعد پھر مذکورہ حدیث کی فضیلت میں قاضی عیاض کا قول پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

> قال القاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ و ھذاالحدیث قد اشتمل علی شرح جمیع وظائف العبادات الظاھرۃ والباطنۃ من عقود الایمان واعمال الجوارح واخلاص السرائر والتحفظ من افات الاعمال حتی ان علوم الشریعۃ کلھا راجعۃ الیہ و متشعبۃ منہ

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث تمام ظاہری اور باطنی عبادات' اصول ایمان اور اعمال جوارح اور نیات کے خالص کرنے اور اعمال کی آفت سے محفوظ رہنے کی تمام تفصیلات کو شامل ہے تا آنکہ تمام علوم شرعیہ اسی حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے ان کی شاخیں نکلی ہیں۔

حدیث احسان کے فضائل و برکات اور اس کی تحقیق کی تفصیل آپ نے ملاحظہ فرمالی۔

محدث پاکباز نے مختلف ائمہ اور محدثین کے جو اقوال اور تعبیرات پیش کی ہیں وہ اس درجہ کی ہیں کہ طبیعت مستقیمہ ان کو اپیل کرتی ہے۔ گویا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیق میں یہ واضح فرما دیا ہے کہ آنحضور علیہ السلام نے احسان کی جو حقیقت بیان فرمائی ہے وہ عمل کی روح ہے جس کے بغیر عمل میں زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ گویا مقام احسان ایک ایسا مقام ہے کہ اس میں حسب مدارج

روح کی پاکیزگی اور حضور قلب کو جتنا دخل ہوگا اتنی ہی عبادت میں فروتنی اور عاجزی پیدا ہوگی اور مسلمان کا کوئی عمل، نماز ہو یا روزہ، زکوۃ ہو یا حج، قربانی ہو یا صدقہ احسانی مقام کے بغیر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر ارکان و شرائط کیساتھ کوئی شخص نماز ادا کرے تو فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن نماز میں اگر احسانی مقام حاصل نہ ہوا تو پھر وہ نماز تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر کا مصداق نہیں ہوسکتی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ مقام علی وجہ الاتم حاصل تھا چنانچہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ابن الجم نے خنجر مارا جو سخت گہرا لگا تھا تو خنجر نکالنے میں سخت تکلیف پیش آئی۔ حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اس اثنا میں نکال لینا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ کو تکلیف بھی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ نماز میں آپ جس احسانی مقام کا کلورافارم سونگھ چکے تھے وہ ماسوائے ربانی حضور کے تمام سے بیگانہ اور بے ہوش بنا چکا تھا۔

بہرحال تبرک کے طور پر اس حدیث کو پیش کرتے ہوئے احسان کی حقیقت سے مسلمان کو اپنے عمل میں بے خبر نہیں رہنا چاہئے۔ اور جائزہ لینا چاہئے کہ آیا ہماری کسی عبادت میں جسمیں ہم داخل ہوا چاہتے ہیں احسان کا مقام ہے یا نہیں۔ یہ سطور آج میں اس وقت سپرد قلم کر رہا ہوں کہ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ کا پہلا جمعہ اور پانچواں روزہ ہے اور انگریزی کی ۲۹ اپریل ۱۹۵۵ء ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی احسان کے ذائقہ سے آشنا کرے۔

احسان کے بعد حدیث مذکورہ میں جبرئیل علیہ السلام نے آنحضور علیہ السلام سے قیامت کا سوال کیا ہے۔ مگر یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان، اسلام اور احسان میں باہمی ربط مضمون اور رشتہ سوال تو قائم ہوسکتا ہے لیکن قیامت کا ان تینوں کے متعلق سوال کے بعد کیا تعلق ہے۔ محدث پاکباز اس حقیقت سے نقاب اٹھاتے ہیں اور حق یہ ہے کہ یادر اس قسم کے اسرار پر کلام کرنا محدث عثمانی کا ہی حصہ ہے۔ چنانچہ آپ پہلے لفظ ساعت کو قیامت کہنے کے متعلق تحقیقات فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> **فاخبرنی من الساعة الخ ای عن وقت قیامها سمی الساعة، ساعة و ان طال زمنها اعتباراً باول زمانها فانها تقع بغتة اولسرعة حسابها اوعلی العکس لطولها او تفاؤلا کالمفازة للمهلکة اولانها عندالله کساعة عندالخلق کذافی الکشاف والساعة لغة مقدار غیرمعین من الزمان وعرفا جزء من من اربعة و عشرین جزءاً من اوقات اللیل والنهار قیل والساعة کما و تطلق علی موت اهل القرن الواحد وهی الساعة الوسطیٰ کما فی قوله صلی الله علیه وسلم حین سألوه عن الساعة فاشارالی اصغرهم ان یعش هذالایدرکه**

الهرم حتی تقوم علیکم ساعتکم اذالمراد انقضاء عصرهم ولذا اضاف الیهم و علی الموت و هی الساعة الصغریٰ وورود من مات فقد قامت قیامته

(الفاظ جبرئیل) مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے الخ یعنی قیام قیامت کے وقت کی خبر دیجئے قیامت کو ساعت کے نام سے اگرچہ اس کی مدت طویل ہے پکارے جانے کی وجہ اس کے ابتدائی وقت کے اعتبار سے ہے کیونکہ وہ اچانک واقع ہو جائیگی یا قیامت میں جلد حساب لئے جانے کی وجہ سے یا بالعکس طول حساب کے باعث یا شگون کے طور پر جس طرح مفازہ کو ہلاکت کے لئے پالتے ہیں یا اس لئے کہ قیامت اللہ کے نزدیک اس ساعت کی مانند ہے جس کو مخلوق خیال کرتی ہے جیسا کہ کشاف میں ہے لیکن ساعت لغت میں زمانہ کے غیر معین عرصہ کو کہتے ہیں۔ مگر عرف میں چوبیس گھنٹے کے رات دن کے ایک حصہ (ایک گھنٹہ) کو ساعت کہا جاتا ہے کہا گیا ہے کہ ساعت جس طرح سے قیامت پر یہ لفظ بولا جاتا ہے تو وہ ساعت کبریٰ ہے اور ساعت (قیامت) کا لفظ ایک قرن (یعنی نسل) والوں کی موت پر بھی بولا جاتا ہے اور اس کو ساعت (قیامت) وسطیٰ کہا جاتا ہے جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جبکہ آپ سے لوگوں نے ساعت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ان میں سے چھوٹے شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر یہ شخص زندہ رہے کہ اسے بڑھاپا نہ آنے پائے تا آنکہ تم پر تمہاری ساعت قائم ہو جائے کیونکہ یہاں مراد ان کے زمانہ کا ختم ہو جانا ہے۔ اسی لئے ان کی طرف اضافت کی گئی۔ اور اطلاق موت پر بھی ہوتا ہے اور اس کو قیامت صغریٰ کہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے "جو مر گیا اس کی قیامت تو آ گئی"۔

قال العبد الضعیف (الامام العثمانی) عفا الله عنه ولا یختلج فی صدر احد ان بین الاسلام والایمان والاحسان مناسبة جلیة و علاقة بینة واما ذکر الساعة فلاوجه لایراده ههنا فی بادی النظر فانه لیس الاتعامی عن مدارک الحق والیقین وتغافل عن مقاصد مبدع العالمین و تفصیل ذالک علی مااستخرجنا من مصنفات شیخ شیخنا العارف بالله محمد قاسم النانوتوی نورالله مرقده ان المقصد الوحید من خلق العالم بجمیع اجزائه هی العبادة فقط و کل ماسوی ذالک فانما هو داخل فی مبادیها و معداتها وتوابعها وثمراتها فان الله تعالیٰ جلت قدرته انما فطر السموت والارض و بینهما للناس و ماخلقهم الالیعبدون فالدنیا انما خلقت لنا و نحن خلقنا للاخرة والعبادة اما الاول فتنادی به النصوص الکثیرة قال عزوجل خلق لکم ما فی الارض

جمیعاً ثم استویٰ الی السماء فسوّٰهن سبع سمٰوٰت" و قال سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض و غیر ذالک من الصرائح التی لاتعدولاتحصیٰ واما الثانی فقد تعلق به النص الصریح و ما خلقت الجن والانس الالیعبدون و قد جمع الله سبحانه و تعالیٰ کلا المضمونین فی آیه واحدة حیث قال یاایها الناس اعبدواربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون الذی جعل لکمُ الارض فراشاً والسمآء بنآء و انزل من السمآء مآءً فاخرج به من الثمرات رزقاً لکم فلا تجعلوالله انداداً و انتم تعلمون والمحققون لهذاالشان کامثال شیخ شیخنا قدس سره شیدوه بالبراهین والحجاج واتوابتقاریر مفصلة بحیث لایسری الیه الجدل واللجاج فمن اراد البسط کشفا و وضوحا فلیراجعها وبالجملة فاذا کان الحال علی هذاالمنوال فمتیٰ تبلغ العبادة الیٰ مرقات الکمال احسانا و جمالا تقتضی الحاجة فتحل الساعة فان بعدازالة الداء لا حاجة الی الدواء والزرع اذا اخرج شطأه وازره واستویٰ علی سوقة و صارت سنابلة یانعة صفراء یجعل حطاما کهشیم تذروه الریاح والیه اشارالنبی صلی الله علیه وسلم فی قوله بعثت اناوالساعة کهاتین وغیره ذالک من الاحادیث الواردة المشیرة الیه و بیان ذالک ان تکمیل العبادة له صورتان' اما بکثرة العابدین کماً و عدداً او باداءً وظیفة العبودیة علی وجه الکمال کیفاً وحالاً وکان النبی صلی الله علیه وسلم اکمل عابد کیفا لاکمل معبود جلالاوجمالا فکان بعد بزوغ شمس النبوة الکبریٰ و طلوع شارق الخلافة العظمیٰ تم الامروحصل المرادمن وجه ثم تکمیلها کما وعدداً باق بعدد الیه اوماه صلی الله علیه وسلم بالتفاوت الذی هو بین السبابة والوسطی فمتی یعم الاسلام برا و بحراً سهلاً وجبلاً ویدخل تحت لوائه من کل احمر واسود حتی لایبقی علی وجه الارض بیت مدرولاوبرالاادخله الله الاسلام بعزعزیز و ذل ذلیل فتبست الجبال بسا وتمورالسماء موراً و تدک الارض دکا دکا وجاء ربک والملک صفا صفا والاٰیت هذافلا اشک شاکافی ان لیس بعد السوال عن کمال العبادة الذی عبره جبرئیل علیه السلام بالاحسان الاالسوال عن اتیان الساعة فان الساعة کما ذکرنا مترتبة علی الاحسان طبعاً وللما توابعت ذکراً والله یقول الحق و هو یهدی السبیل۔ (فتح الملهم جلد نمبر۱ ص ۱۶۸'۱۶۹)

عبد ضعیف (حضرت عثمانی) عفا اللہ عنہٗ کہتا ہے اور یہ بات کسی کے دل میں نہ کھٹکنی چاہئے کہ اسلام' ایمان اور احسان میں صاف اور واضح تعلق اور مناسبت ہے لیکن قیامت کے ذکر کو اس مقام پر بیان کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اس کا ذکر سوائے مدارک حق و یقین سے بے علمی اور جہان کے موجد و خالق کے مقاصد سے تغافل شعاری کے اور کیا ہے اور اس کی تفصیل جیسا کہ ہم نے اپنے شیخ حدیث (شیخ الہند) کے استاذ عارف باللہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ کی تصانیف سے اخذ کی ہے یہ ہے کہ پیدائش عالم کا واحد مقصد اس کے تمام اجزاء کے ساتھ وہ صرف عبادت ہے اس کے سوائے دیگر مقاصد تخلیق عالم اس کے ابتدائی احوال' اسباب' توابع اور ثمرات میں داخل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدر وسیع ہے اس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے انسانوں کے لئے پیدا کیا ہے اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ (اللہ کی) عبادت کریں۔ پس دنیا ہمارے لئے پیدا کی گئی اور ہم آخرت اور عبادت کے لئے پیدا کئے گئے لیکن پہلی بات (کہ دنیا ہمارے لئے پیدا کی گئی) اس کو بہت سی آیات پکار کر بتا رہی ہیں چنانچہ خدائے بزرگ و برتر نے فرمایا "جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے لئے اس نے پیدا کیا پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو سات آسمان بنا دیا" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اس نے تمہاری اطاعت میں دیدیا ان تمام کو جو آسمانوں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے" اور ان آیات کے علاوہ بے شمار واضح آیات ہیں لیکن دوسری بات نص صریح نے بیان کی ہے۔ یعنی "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا"۔ اور ان دونوں مضمونوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آیت میں اس طرح جمع کر کے فرمایا ہے "اے لوگو تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم ڈرو وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا۔ اور آسمان کی طرف سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے تمہارے رزق کے لئے پھل پیدا کئے لہذا اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے ہو"۔ اور اس شان کے محققین نے جیسا کہ ہمارے شیخ کے شیخ تھے۔ دلائل اور براہین سے اس مضمون کی تائیدیں کی ہیں اور مفصل تقریریں کی ہیں کہ جن میں کوئی جھگڑے اور بحث کی گنجائش نہیں چھوڑی پس اگر کوئی تفصیل و وضاحت چاہے تو ان تفصیلات کی طرف رجوع کرے اور بالجملہ جبکہ حالت اس طریقہ پر ہو تو عبادت جب معراج کمال پر احسان اور جمال کے اعتبار سے پہنچ چکی ہو جس کی حاجت مقتضی ہو تو قیامت آ جانی چاہئے کیونکہ مرض دور کرنے کے بعد دوا کی حاجت نہیں رہتی اور زراعت جب اس کی سوئیاں پھوٹ نکلیں

اور اس کا ڈنٹھل مضبوط ہو جائے اور وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو جائے اور اس کے خوشے پورے ہو کر زرد ہو جائیں تو وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے اور ہوائیں اس کو گھاس کے خشک تنکوں کی طرح اڑاتی ہیں اسی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ اپنے اس قول میں کہ میں اور قیامت (آپس میں) ان دو انگلیوں کے اتصال کی مانند ہیں اور بھی اسی قسم کا مضمون مختلف حدیثوں میں ہے اور اس کی شرح یہ ہے کہ عبادت کی تکمیل کی دو صورتیں ہیں یا تو کثرت عبادت کنندگان کے ذریعہ مقدار اور تعداد کی صورت میں یا وظیفہ عبودیت کی صورت میں کیفیت اور حالت کے کمال کی ادائیگی کے ساتھ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلال اور جمال میں اعلیٰ معبود کے کیفیت اور حال کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے عبادت گزار تھے۔ چنانچہ نبوت کبریٰ کے آفتاب کے چمکنے کے بعد اور خلافت عظمیٰ کے آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد معاملہ عبادت پورا ہو گیا اور مراد ایک طرح سے حاصل ہو گئی۔ ہاں اس کی تکمیل مقدار اور تعداد کے اعتبار سے ایک میں بھی باقی ہے چنانچہ اسی کی طرف صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا اس فرق سے جو انگشت شہادت اور درمیان کی بڑی انگلی کے درمیان فاصلہ ہے۔ پس جبکہ اسلام بر و بحر میں عام ہو جائے گا نیز زمین اور پہاڑوں میں پھیل جائے گا اور اس کے جھنڈے کے نیچے گورا کالا داخل ہو جائے گا تا آنکہ روئے زمین پر کسی قسم کا کوئی گھر ایسا نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کو عزت عزیز اور ذلت ذلیل کے ساتھ داخل نہ کر دے گا اس وقت پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور زمین بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی اور آپ کا رب آئے گا کہ فرشتے صف بصف ہونگے اور جب یہ ثابت ہو چکا تو میں تمہیں شک کرنے والا نہیں گمان کرتا اس معاملہ میں کہ کمال عبادت کے بعد جس کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے جبرئیل علیہ السلام نے قیامت کے آنے کے متعلق سوال کیوں کیا کیونکہ قیامت جیسا کہ ہم نے بیان کیا احسان کے بعد طبعاً ایک مرتبہ ہے اس لئے ذکر میں بھی تبعاً لایا گیا اور اللہ ہی سچ فرماتا ہے اور وہی سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔

مذکورہ عبارت میں محدث پاکباز نے احسان کے بعد "ساعة" بمعنی قیامت کے لفظی معنی پر پوری روشنی ڈالنے کے بعد اس ربط کو واضح فرمایا ہے کہ جو احسان کے ساتھ قیامت کو حاصل ہے۔ یعنی جبرئیل علیہ السلام کے احسان کے ساتھ قیامت کے سوال کرنے میں بظاہر کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی لیکن آپ نے دیکھا کہ محدث پاکباز اپنی معنی آفریں اور دقیق پسند طبیعت سے کس طرح "احسان" اور "ساعت" کے سوالوں میں مناسبت اور ربط قائم فرماتے ہیں کہ بے ساختہ

زبان سے مرحبا اور تحسین کے الفاظ نکلتے ہیں۔

محدث پاکباز نے "ساعت" کے لغوی اور عرفی وغیرہ معنی بیان کرنے کے بعد اس غیر مربوط سوال کا کسی کے دل میں شک کھٹکتا ہوا دیکھ کر جو کہ خود آپ کی حاوی طبیعت پر دال ہے جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بقول حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دنیا کو انسان کے لئے پیدا کیا گیا اور انسان کو خدا نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اتنی بات انہوں نے حضرت قاسم العلوم کی واضح کردہ معرفت سے حاصل کر کے پھر نہایت محققانہ حکمت اپنی طرف سے بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ۔

عبادت کا اعلیٰ مرتبہ جو احسانی مرتبہ ہے اپنے عروج اور نقطہ کمال کو پہنچنا چاہئے مثلاً جس طرح مجھ راقم الحروف کے نزدیک انسانیت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ کمال پر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذریعہ پہنچایا۔ اسی طرح محدث پاکباز فرماتے ہیں کہ عبادت کا بھی اعلیٰ مقام کسی ہستی کے ذریعہ ظہور میں آنا چاہئے۔ چنانچہ عبادت میں احسان کا اعلیٰ مقام کیفیت کے اعتبار سے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذریعہ نقطہ کمال کو پہنچا اب جس طرح ہر کمال کے بعد زوال ہوتا ہے اسی طرح اس عبادت کے کمال کے بعد دنیا کے لئے قیامت آجانی چاہئے کیونکہ آنحضور کے ساتھ نقطہ عبادت عروج کو پہنچ چکا اس لئے آنحضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اور قیامت دونوں ساتھ ساتھ ہیں اور دونوں انگلیوں یعنی انگشت شہادت اور انگشت وسطیٰ کے فاصلہ کی طرف اشارہ فرما کر اپنی ہستی اور قیامت کے قیام کا قرب مثال سے واضح فرمایا لیکن عبادت کی کیفیت کا کمال تو آنحضورؐ سے حاصل ہو گیا مگر مقدار اور کثرت اس امر پر موقوف ہے کہ دنیا کے تمام گھروں میں اور بر و بحر میں اسلام پہنچے دنیا مسلمان ہو جائے چنانچہ ایسا نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اور آپ کی وفات سے پہلے ظہور میں آئے گا تب یہ مرتبہ عبادت احسانی طور پر مقدار کے ساتھ بھی انتہائے نقطہ عروج پر پہنچ جائے گا۔ اور اب بس قیامت آجانی چاہئے جس طرح پھل اور کھیتی اعلیٰ کمال پختگی کو پہنچنے کے بعد تہس نہس کر دی جاتی ہے اسی طرح دنیا کو فنا کر دیا جائے گا۔ اس لئے جبرئیل علیہ السلام کے احسان اور قیامت کے سوالوں میں نہایت ہی لطیف اور پاکیزہ نیز معقول ربط قائم ہو جاتا ہے۔ محدث پاکباز کے اس نکتہ ارتباط سے ان کے اعلیٰ درجہ کے محدث ہونے کا پتہ چلتا ہے اور طبیعت بے ساختہ واہ واہ اور احسنت کہہ اٹھتی ہے اور یہی مطلب ہے اس آیت کا اقتربت الساعۃ وانشق القمر کہ قیامت قریب آگئی اور چاند کے ٹکڑے ہوگئے۔

یہ حدیث جبریل میں نے تبرک کے لئے محدث پاکباز کے مقام حدیث کے افتتاح کے لئے پیش کی ہے اور اس ضمن میں آپ کی تحقیقات احسان اور قیامت کے متعلق بھی قاری کی نذر کر دی گئی۔ اب آپ کے مقام حدیث کے ہی سلسلہ میں ان امور پر فتح الملہم کے ذریعہ بحث کی جائے گی۔ جن کا ذکر ناشر نے اجمالاً کیا ہے۔ جس طرح مفسر اعظم کی تفسیر سے ان کے اعلیٰ مفسر ہونے پر راقم الحروف نے تبصرہ اور تنقید کی ہے اسی طرح آپ کے محدث پاکباز ہونے پر فتح الملہم کے آثار سے روشنی ڈالیں گے اور جس طرح کہ وجود باری تعالیٰ پر ایک عرب کے بدوی سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا تھا کہ۔

البعر ليدل على البعير وان اثر الاقدام لتدل على المسير فسماء ذات ابراج وارض ذات فجاج و بحار ذات امواج الايدل ذالک على وجود اللطيف الخبير.

مینگنی اونٹ کیا وجود پر دلالت کرتی ہے اور قدم کے نشانات چلنے والے کا پتہ دیتے ہیں۔ پس برجوں والا آسمان اور راستوں والی زمین اور موجوں والے دریا کیا لطیف و خبیر خدا کے وجود پر دلالت نہیں کرتے۔

اسی طرح تصنیف' مصنف کی جلالت قدر اور بلندی منزل کا نشان بتاتی ہے اسلئے فتح الملہم کو محدث پاکباز کے علمی وجود کا نشان بنا کر ان کے مقام حدیث سے بحث کی جائے گی۔

محدث پاکباز کے حدیثی خصائص

اسمائے رواۃ کا صحیح تلفظ

ایک محدث کے لئے جو کہ واقعی طور پر محدث بننے کا حق رکھتا ہے یہ ضروری ہے کہ وہ راویوں کے اسماء کا صحیح تلفظ اور غیر معروف راویوں کے ناموں کو زبر زیر پیش سے واضح کر کے اس کا اصلی تلفظ جانے اور پیش کرے یا تحقیقات سے روشن کرے کیونکہ راوی کے صحیح نام معلوم نہ ہونے سے علم اسماء رجال پر جہالت کا ایک بہت بڑا دھبہ لگتا ہے اور ایسا ہونا حدیث پر اثر انداز ہوتا ہے اس لئے محدث کے لئے یہ اہم کام ہے۔ محدث پاکباز اسمائے رواۃ اور ان کی اجمالی زندگی پر بھی حسب ضرورت روشنی ڈالتے ہیں جس سے ان کی حدیث میں جلالت شان کا پتہ چلتا ہے اور یہ ہر محدث کے لئے ضروری ہے چنانچہ امام مسلم نے یہ حدیث روایت کی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتكذبوا على فانه من يكذب على يلج النار (فتح الملہم ص ۱۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر جھوٹ مت بولو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ بولے گا آگ میں داخل ہوگا۔

اس حدیث کا سلسلہ سند امام مسلم نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

حدثنا ابوبكر بن ابى شيبه قال ناغندرعن شعبه ح وحدثنا محمد بن المثنى وابن بشارقالاحدثنا محمد بن جعفر قال ثناشعبه عن منصور عن ربعى بن حراش انه سمع عليارضى الله عنه يخطب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتكذبواعلى.الخ

اب ملاحظہ فرمایئے کہ مذکورہ حدیث کے سلسلہ سند میں ایک راوی غندر آیا ہے۔ محدث عثمانی اس کی تحقیق پیش کرتے ہیں:۔

حدثنا غندرالخ بضم الغين المعجمة واسكان النون و فتح الدال المهملة هذاهوالمشهور فيه و ذكرالجوهرى فى صحاحه انه يقال بفتح الدال وضمها و اسمه محمد بن جعفر الهذلى مولاهم البصرى ابو عبدالله وقيل ابوبكر و غندر لقب لقبه به ابن جريج روينا عن عبيدالله بن عائشه عن بكر بن كلثوم السلمى قال قدم علينا ابن جريج البصرة فاجتمع الناس عليه فحدث عن الحسن البصرى بحدث فانكره الناس عليه قال ابن عائشة انما سمى غندراً سماه ابن جريج فى ذالك اليوم كان يكثرالشغب عليه فقال اسكت يا غندرواهل الحجاز يسمون المشغب غندراومن طرف احوال غندررحمه الله تعالىٰ انه بقى خمسين سنة يصوم يوماً و يفطر يوما ومات فى ذى القعدة سنة ثلاث و تسعين ومائة و قيل سنة اربع و تسعين . (فتح الملہم ص ۱۳۲، ۱۳۳ جلد ۱)

''غندر نے حدیث بیان کی آخر تک) غندر غین معجمہ کے پیش اور نون ساکن دال کے زبر کیساتھ ہے (غندر) یہی مشہور (تلفظ) ہے اور جوہری نے اپنی صحاح میں ذکر کیا ہے کہ غندر دال کے زبر اور پیش سے کہا جاتا ہے اور اس کا نام محمد بن جعفر ہذلی ہے۔ ان کا مولیٰ بصری ابوعبداللہ ہے اور کہا

گیا ابوبکر اور غندر کو یہ لقب ابن جریج نے دیا ہے۔ (چنانچہ) ہم نے عبیداللہ بن عائشہ سے اور اس نے بکر بن کلثوم سلمی سے روایت کیا اس نے کہا کہ ابن جریج ہمارے پاس بصرہ میں آئے پس لوگوں نے ان پر ہجوم کر لیا۔ انہوں نے ایک حدیث حسن بصری سے بیان کی لوگوں نے ان پر اس کا انکار کیا ابن عائشہ نے کہا کہ غندر کا لقب 'غندر' ابن جریج نے اسی روز رکھا کیونکہ وہ ان کے سامنے شور بہت کرتا تھا۔ ابن جریج نے کہا اے غندر خاموش رہ۔ اور اہل حجاز شور و شغب کرنے والے کو غندر کہتے ہیں۔ غندر کے عجیب حالات میں سے یہ ہے کہ وہ پچاس سال زندہ رہے ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے ذیقعد ۱۹۳ھ میں فوت ہوئے اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے ۱۹۴ھ میں وفات پائی۔

مذکورہ عبارت میں حدیث کے ایک راوی غندر جو نا معلوم سے معلوم ہوتے تھے محدث پاکباز نے پہلے ان کا تلفظ پھر ان کا نام غندر لقب رکھے جانے کی تاریخ اور وجہ ان کی عبادت گزاری اور وفات کا سارا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ اس طرح تمام شرح ملہم میں جہاں جہاں کسی راوی کی تشریح کی ضرورت سمجھی گئی تشریح کی گئی ہے۔

تحقیق الفاظ

۲۔ محدث پاکباز جابجا الفاظ کی لغوی تحقیق اور ان کے تلفظ پر پوری روشنی ڈالتے ہیں۔ مثلاً حدیث معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیت المقدس تک مکہ معظمہ سے تشریف لے جانے کا ذکر ہے تو بیت المقدس کے تلفظ اور معنی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

> **بیت المقدس:۔ بفتح المیم و سکون القاف و کسر الدال و یروی بضم المیم و فتح القاف و تشدید الدال المفتوحة قال الواحدی اما من شدده فمعناه المطهر واما من خففه فقال ابو علی الفارسی لا یخلو اما ان یکون مصدرا او مکانا فان کان مصدرا کان کقوله تعالی "الیه مرجعکم ونحوه من المصادر وان کان مکانا فمعناه بیت المکان الذی جعل فیه الطهارة او بیت مکان الطهارة و تطهره اخلاء ه من الاصنام وابعاده منها او قال الزجاج البیت المقدس المطهر و بیت المقدس ای المکان الذی یطهر فیه من الذنوب والله اعلم** (فتح الملہم جلد نمبر ا ص ۳۱۷)

بیت المقدس:۔ میم کا زبر، قاف ساکن اور دال کے زیر کے ساتھ (مقدِس) اور میم کے پیش قاف کے زبر اور دال مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ (مقدّس) بھی مروی ہے۔ واحدی نے کہا ہے کہ جس نے دال کی تشدید سے کہا ہے تو اس کے معنی مطہر (پاک) کے ہیں اور جس نے بغیر تشدید دال کہا ہے تو ابو علی فارسی نے کہا ہے کہ وہ یا تو مصدر ہے یا ظرف مکان ہے۔ لیکن اگر مصدر ہے تو آیت کے مطابق الیه مرجعكم میں "مرجع" کے وزن پر (مقدس) مصدر ہے اور اگر یہ (مقدس) ظرف مکان ہے تو اس کے معنی مکان کے اس گھر کے ہیں کہ جس میں طہارت کا خیال رکھا گیا ہے یا مقام پاکیزگی کا گھر اور اس کی پاکیزگی بتوں سے اس کو خالی اور دور رکھنا ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ بیت المقدس کے معنی مطہر کے ہیں اور بیت المقدس یعنی وہ مکان جس جگہ گناہوں سے بندہ پاک رہتا ہے۔

مذکورہ عبارت میں بیت المقدِس اور بیت المقدّس دونوں روایتیں ہیں اور دونوں کی محدث پاکباز نے جہاں تک تحقیق کی ضرورت تھی پیش کر کے واضح کر دیا کہ اگر مقدس کو مشدد پڑھا جائے تو اس کے معنی مطہر اور پاک گھر کے ہیں۔ پھر صرفی حیثیت سے جگہ کے معنی میں ہے اور یا مصدر کے معنی میں۔ مصدر کی صورت میں مرجع کے وزن پر مقدس کے معنی پاک کرنے کے ہیں یعنی بتوں سے پاک کرنا اور اگر اسم ظرف مکان مراد لیا جائے تو اس کے معنی طہارت اور پاکیزگی کے گھر کے ہوں گے۔ بہر حال حسب ضرورت مقام محدث علام الفاظ کی نادر اور دلچسپ تحقیق بیان فرماتے ہیں اور الفاظ حدیث کو حل کرتے جاتے ہیں۔

نزول عیسیٰ بن مریم کے اسرار و حکم

محدث پاکباز علوم حدیثیہ میں حسب اقتضائے مقام اسرار اور حکمتوں کے دریا بہاتے وقت حقیقت کی روح اور معرفت کے گہر ہائے آبدار پیش کرنے میں جو کمال رکھتے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے وہ جا بجا حضرت محی الدین ابن عربی جو شیخ اکبر کے نام سے معروف و مشہور ہیں۔ کے بیان کردہ اسرار و حکم اور اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہم اللہ علیہم کے اسرار بیان فرماتے ہیں اور حق یہ ہے کہ وہ خود بھی اسرار و حکم کے دریا ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سطور میں آپ نے احسان اور قیامت کے سلسلہ میں جبرئیل علیہ السلام کے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سوال کرنے میں جو ربط اور تعلق ظاہر فرمایا ہے وہ حضرت عثمانی کے اسرار و حکم کی ایک کڑی ہے اب ایک اور حدیث کے ضمن میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کے متعلق

ہے۔ محدث پاک باز نے جو حکمتیں اور اسرار پیش کیے ہیں قابل غور ہیں حدیث حسب ذیل ہے۔

قال رسول رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بیده لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما مقسطا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویفیض المال حتی لا یقبله احد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں ابن مریم نازل ہوں گے ایک منصف حکم بن کر پس وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ مٹا دینگے اور مال بہت ہو جائے گا تا آنکہ اس کو کوئی قبول نہ کریگا۔

حدیث کا مطلب تو یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب آئیں گے تو لوگوں میں انصاف سے فیصلے دینگے اور نصرانیت کو توڑ دیں گے کہ عیسائی بھی اسلام یعنی دین محمدی قبول کریں گے اور خنزیر کے کھانے کو حرام قرار دیں گے جیسا کہ دین محمدی میں ہے اور تمام بنی نوع انسان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے کسی کو جزیہ ادا کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی یا یہ کہ کثرت مال کے باعث کوئی جزیہ قبل نہ کریگا اور جزیہ دینے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی اور یہ بھی بعض نے مطلب بیان کیا ہے کہ کافروں پر سے محاباً جزیہ قائم کر دیں گے۔ جو ابھی ایمان نہ لائے ہوں گے یعنی ابتدائی نزول کے وقت۔

اس مطلب حدیث کے بعد محدث پاکباز نے نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی جو حکمت تحریر فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

قال العبد الضعیف عفا الله عنه اعلم ان الله سبحانه و تعالیٰ لما اراد ان یظهر صفة العامه و انتقامه خلق الخلق وجعله اصنافا فخلق منابع الایمان والهدایة من غیر نوع الانسان وهم الملئکة و من النوع الانسانی و هم الانبیاء والمرسلون صلوات الله وسلامه علیهم اجمعین و خلق معادن الکفر والضلالة من غیر نوع الانسان وهم الشیاطین و من النوع الانسانی و هم الدجالون الکذابون علیهم لعنة الله فالاولون هم سادة السعداء النازلین فی دار کرامته و فضله ومظاهر رحمته رضا سبحانه وتعالیٰ والاخرون هم رؤس الاشقیاء الساقطین فی محل عقوبته و سخطه و مظاهر نقمته و غضبه والمحاربة قائمة بین الفریقین والمخالفة واقعة بین الطرفین علی مایقتضیه نظام التجاذب الواقع بین صفات الله الجمالیة والقهریة فملائکة الله فی طرف والشیاطین فی طرف آخر واولیاء

الرحمن فی جانب والدجاجلة اعداء الله فی جانب آخر وما زالوا یتحاربون و یقاتلون فی کل عصر ولا یزالون مختلفین حتیٰ یأتی امر الله ولذٰلک خلقهم وکلا یمد هؤلاء وهؤلآء من عطآء ربنا وما کان عطاء ربنا محظوراً انظر کیف فضل بعضهم علیٰ بعض وللاخرة اکبر درجات واکبر تفضیلا من المعلوم المستقین انه کلما ظهر فی هذه الامة دجال کذاب قام من ورثة سید الانبیاء صلی الله علیه وسلم شخص او قوم بدفع مکائدة وابطال حیله رکت معاملة والله سبحانه و تعالیٰ نصر الصادق دخول الکاذب ولا تزال هذه المحاربة بین اولیاء الشیطان حتی یخرج رأس الکفر من المشرق وهو الدجال الاعظم وعدو الله الاکبر الذی انذر به کل نبی قومه وختمت به سلسلة الدجل والکذب و انتهت الیه مراتب الکفر والاضلال فی نوع البشر حتی تجاوز کفره من روحه الیٰ جسده و من قلبه الی وجهه فیکون مکتوبا بین عینیه ک ف ر یدعی الالوهیة مع کون اللعین الا عور ویجیء معه بمثل الجنة والنار و یتبعه من یهود اصفهان سبعون الفا علیهم الطیالسه یطأ کل بلده الا المسجدین ای مکة والمدینة یامر السماء فتمطر والارض فتنبت ویمر بالخربة فیقول لها اخرجی کنوزک فتتبعه کنوزها کیعاسیب النحل ویامر بالرجل فیوثر بالمیثار من مفرقه حتی یفرق بین رجلیه ثم یمشی بین القطعتین ثم یقول له قم فیستوی قائما و هذه فتنة لاتوجد فتنة اعظم منها فهنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا شدیداً فکان الظاهر ان لایقوم بمقاومة خاتم الدجاجلة الکاذبین الاخاتم الانبیاء والمرسلین وهو الذی اخذ الله میثاق النبیین لیومنن به و لینصرنه وادم ومن دونه یکون تحت لوائه یوم القیمة و دعاله الخلیل والذبیح وبشر بمقدمه المسیح وما وسع موسیٰ لو کان حیا الا اتباعه و انتهت الیه مراتب النبوة والرسالة حتی سرت آثار ختم النبوة التی حی صفة الروح فی جسده الکریم بحیث کانت خاتم النبوة فی مابین کتفیه من علامات صدقه الماثورة عن الاقد مین وهو عبدالله المطلق الذی ارسل بالحق بشیراً و نذیرا فلا یبقی علی ظهر الارض بیت وبر ولا مدر الا ادخله الله دینه القویم فکان الاوفق فیما یبدو للناس ان یکون

لانبی صلی الله علیه وسلم بنفسه النفیس حجیج عدوالله الاکبر فضلا عن امته الا ان الله تعالیٰ و رفع منزلته وجعل امرالدجال اللعین اهون من ان یقوم فی مقابلته صلی الله علیه وسلم و یخرج مبارزاله و نوه بشان الامة المحمدیة المرحومه حیث ابقی خاتم انبیاء بنی اسرائیل سیدنا عیسیٰ علیه السلام و هو الملقب بروح الله لعلیه اثار الحیوة علیه حیا قائما صحیحا طریاالی الان فی حصنه العلی الحصین والموطن الذی لیس هو موطن الکون والفساد حتی ینزل فی اخرالزمان حاکما لابشریعة الانجیل بل بشریعة خاتم الانبیاء صلی الله علیه وسلم و نائبا منابه لاهلاک عدوه و اظهاردینه علی سائرالادیان واستیصال الیهود اتباع الدجال و ترغیمهم و طمس معالم النصرانیة و اصلاح ماحرفوه من الدیانة الصادقة و من المعلوم البین ان اعظم ما وصف له نبینا صلی الله علیه وسلم واخصه علی العبدیة المطلقة للمعبود المطلق وهو الموسوم بعبدالله فی قوله تعالیٰ وانه لما قام عبدالله یدعوه کادوایکونون علیه لبداً وهذا

عبد ضعیف (محدث عثمانی) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنی صفت انعام اور انتقام کو ظاہر کرے تو اس نے مخلوق کو پیدا کیا اور اسی مخلوق کی مختلف قسمیں بنائیں۔ پس اس نے ایمان اور ہدایت کے چشمے انسان کی جنس سے علاوہ پیدا کیے اور وہ فرشتے ہیں اور نوع انسانی میں انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ ہیں اور اس نے کفر اور گمراہی کی کانیں اگائیں جو غیر نوع انسانی میں سے ہیں اور وہ شیاطین ہیں۔ اور نوع انسانی میں سے وہ دجال کذاب ہیں کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ پس پہلے (فرشتے اور انبیاء) وہ نیک بختوں کے سردار ہیں جو اللہ کی عنایت اور فضل کے گھر میں اترتے ہیں اور اس خدائے پاک اور بلند کی رضا اور رحمت کے ظاہر ہونے کی جگہ میں اور دوسرے (یعنی شیطان اور کاذب دجال) وہ بدبختوں کے سردار ہیں جو خداوند تعالیٰ کے غضب اور سزا کی جگہ میں گرتے ہیں اور اس کے غصہ اور عذاب کے ظاہر ہونے کی جگہ ہیں۔ اسی طرح دونوں فریقوں میں جنگ قائم ہے اور دونوں جانب میں اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی صفات کے واقع ہونے والے نظام تجاذب کے تقاضے کے مطابق مخالفت واقع ہے۔ چنانچہ اللہ کے فرشتے ایک طرف اور شیاطین دوسری طرف اور خدا کے دوست ایک جانب ہیں اور یہ دونوں فریق ہمیشہ برسرپیکار و قتل ہر زمانہ میں رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف رہیں گے تا آنکہ اللہ کا

حکم آ جائے اور اسی لئے ان کو پیدا کیا ہے ہر ایک کو پہنچائے جاتا ہے ان کو اور ان کو ہمارے رب کی بخشش میں سے اور ہمارے رب کی بخشش روکی نہیں گئی۔

دیکھو کس طرح اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور البتہ آخرت فضیلت اور درجات کے اختیار سے زیادہ بڑی ہے اور یہ بات معلوم اور یقینی ہے کہ جب کبھی اس امت میں کوئی دجال کذاب ظاہر ہوا تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ میں سے کوئی شخص یا قوم دجال کے مکر اور حیلوں کی کاٹ کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس کے ہتھکنڈے دھرے رہ گئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سچے کی مدد کی ہے اور جھوٹے کو ذلیل کیا ہے اور یہ کشمکش رحمان اور شیطان کے دوستوں میں جاری رہے گی۔ تا آنکہ مشرق سے کفر کا سردار اللہ کا سب سے بڑا دشمن دجال اعظم خروج کرے گا جس سے ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو ڈرایا ہے اور اس پر جا کر دجل اور کذب کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس پر کفر اور نوع انسانی کی گمراہی کے مراتب انتہا کو پہنچ جائیں گے حتیٰ کہ اس کا کفر اس کی روح سے اس کے جسم کی طرف تجاوز کرے گا اور اس کے دل سے کفر چہرہ پر نمودار ہو گا۔ چنانچہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (ک ف ر) لکھا ہوا ہو گا اور وہ خدا ہونے کا دعویٰ کرے گا حالانکہ وہ ملعون کانا ہو گا اور اپنے ساتھ وہ جنت اور دوزخ جیسی رکھتا ہو گا اور اصفہان کے ستر ہزار یہودی ہوں گے جو چادریں اوڑھے ہونگے اس کے پیچھے پیچھے ہونگے جو تمام شہریوں کو سوائے مکہ اور مدینہ کے روند ڈالیں گے وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ برسنے لگے گا اور زمین کو حکم دے گا تو وہ اگنے لگے گی اور ویرانوں کو حکم دے گا اور کہے گا کہ تم اپنے خزانے اُگل دو تو وہ خزانے اس کے پیچھے پیچھے شہد کی بادشاہ مکھی کی طرح ہو لینگے اور ایک شخص کو حکم دیگا تا آنکہ سر سے لے کر دونوں پاؤں کے درمیان تک...... سے چیر دیگا اور اس کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان وہ چلے گا پھر اس کو کہے گا کھڑا ہو جا تو وہ کھڑا ہو جائے گا اور اس فتنے سے بڑا اور کوئی فتنہ نہیں ہو سکتا اس وقت مسلمان مبتلا کئے جائیں گے اور سخت زلزلہ میں آ جائیں گے تو ظاہر یہ ہے کہ ان دجالوں اور جھوٹوں کے منڈ کے مقابلہ میں خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جن کے متعلق اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں مقابلہ پر آئیں جن کے جھنڈے کے نیچے قیامت کے دن آدم وغیرہ ہوں گے جن کیلئے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے دعا کی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی آمد کی بشارت دی اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے اگر وہ زندہ ہوتے تو آپ کے اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔ تا آنکہ آپ پر نبوت اور رسالت کے مراتب کی انتہا ہو گئی اور ختم نبوت کے آثار جو کہ روح

کی صفت میں آنحضور کے جسم میں سرایت کر گئے یہی وجہ ہے کہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان ختم نبوت کی مہر تھی جو آپ کی صداقت کی نشانی تھی اور آنحضور اللہ کے کامل بندے تھے جن کو خدا نے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا لہذا روئے زمین پر وہی کامل بندے تھے جن کو خدا نے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا لہذا روئے زمین پر کوئی مگر کسی قسم کا ایسا نہ ہے گا کہ اللہ اپنے سچے دین کو اس میں داخل نہ کرے گا پس ایسی صورت میں زیادہ مناسب جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود دشمن خدا کے مقابلہ میں اپنی امت کے دفاع میں آئیں لیکن چونکہ اللہ نے آپ کی ذات کو بلند بنایا ہے اور دجال جیسے ذلیل کے مقابلہ میں آپ کا آنا آپ کی شان سے گری ہوئی بات ہے اس لئے البتہ امت مرحومہ کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام خاتم انبیائے بنی اسرائیل کو آسمان پر) زندہ باقی رکھا ہوا ہے اور جو روح اللہ کے لقب سے ملقب ہیں اور آثار حیات کے غلبہ کے باعث زندہ قائم صحیح اور اب تک بلند محفوظ جگہ میں اور اس جگہ میں جہاں مرنے جینے کا مقام ہی نہیں تازہ و ر موجود ہیں۔ اس لئے آپ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اور جو شریعت انجیل سے فیصلہ نہیں بلکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہو کر آپ کے دشمن کو ہلاک کرنے اور دین محمدی کو تمام دینوں پر غالب کرنے یہودیوں کا دجال کی پیروی کا تارو پود بکھیرنے اور نصرانیت کے نشانات کو مٹانے اور جو کچھ نصرانیوں نے دیانت صادقہ کو مٹا دیا ہے اس کی اصلاح کرنے کا کام کریں گے اور یہ واضح طور پر معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی اور خاص صفت معبود مطلق کا عبد مطلق ہوتا ہے چنانچہ آپ کا نام اللہ تعالیٰ کے قول "و انه لما قام عبدالله يدعوه كادوايكونون عليه لبدا" میں عبداللہ رکھا گیا ہے اور یہ خاص لقب قرآن کریم میں انبیا میں سے

اللقب الخاص لم يجر اطلاقه فى القران على واحدمن الانبياء غير محمد صلى الله عليه وسلم اصالة و عيسىٰ عليه السلام حكاية عن قوله انى عبدالله فهذا ايماء لطيف الىٰ ان لعيسىٰ عليه السلام مناسبة خاصة بمحمدصلى الله عليه وسلم فى اشهر نعوته و اخص اوصافه من العبدية المحضة فقائل انى عبدالله فى المهد هوالاخرىٰ من بين سائرالانبياء عليهم الصلوة والسلام بان يبعث والياونائبا من الحضرة المحمدية لينصرامته ويهلك عدوه الذى يستنكف عن

العبدية و يثبت الالوهية لنفسه معاذ الله ومما يزيد حسن هذه المقابلة كون المسيح عليه السلام مع ادعائه لنفسه العبدية الخالصة ممن اتخذه امة كبيرة الٰها تعالىٰ الله عما يقولو االظالمون عباد مسيح الهداية و عباد مسيح الضلالة علواكبيرا ثم الخوارق التى تصدر من الدجال اللعين استدراجاً من احياء الاموات وغيره لما كانت بحسب الصورة من جنس الخوارق التى ظهرت على يدالمسيح والبركات العظيمة التى تظهر بعد نزوله عليه السلام بطريق الاعجاز فكان عيسىٰ عليه السلام احق باهلاک اللعين من هذه الجهة ايضاً (فتح الملہم جلد نمبر ۱ ص ۲۹۹'۳۰۰)

کسی نبی پر بھی تو اصلی طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے نہیں بولا گیا۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے "انی عبداللہ (میں اللہ کا بندہ ہوں) میں قول خداوندی سے حکایت کے طور پر ہے پس یہ ایک لطیف اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ عیسیٰ علیہ السلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالص عبدیت اور خاص خاص صفات واوصاف میں خاص مناسبت ہے لہذا گہوارہ میں انی عبداللہ کہنے والا شخص تمام انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت اس امر کا زیادہ اہل ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا والی اور نائب بنا کر بھیجا جائے تا کہ وہ ان کی امت کی مدد کرے اور ان کے دشمن کو ہلاک کرے جو کہ بندہ ہونے سے منہ چڑھاتا ہے اور معاذ اللہ اپنی ذات کیلئے خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور اس تقابل کی عمدگی اور بھی زیادہ عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے لئے خالص بندہ ہونے کے دعوے کی صورت میں ہو جاتی ہے جبکہ ایک بڑی امت نے ان کو معبود بنا رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان اقوال سے جو ظالم مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت کے بندے کہتے ہیں بلند و برتر ہے۔ پھر وہ خلاف عادت امور جو مردود دجال سے استدراج کے طور پر مردوں وغیرہ کو زندہ کرنے کے بعینہ اسی طرح کے ہیں جس طرح وہ خوارق عادات جو معجزہ کے طور پر عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ظہور میں آئے ہیں اور وہ عظیم برکتیں جو نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظہور میں آئیں گی تو عیسیٰ علیہ السلام دجال ملعون کے ہلاک کرنے کے اس حیثیت سے بھی زیادہ حقدار ہیں۔

مذکورہ بالا اسرار و حکمت کا مطالعہ کیجئے کہ محدث پاکباز نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور آسمان پر زندہ جانے کے متعلق کیا کیا موتی پروئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ کفر کا بھی ایک

انتہائی مقام ہے اور ایمان وہدایت کا بھی۔ کافر اعلیٰ کے لئے خدا کا سب سے اعلیٰ بندہ ہی مقابلہ کے لئے موزوں ہوتا ہے۔ اسی تقابل اور تضاد سے کائنات بھری پڑی ہے بقول ذوق۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

غرضکہ آخری زمانہ کے دجال کذاب کے لئے جو کفر کا اعلیٰ فرد ہوگا اعلیٰ و اکمل ہستی کی ضرورت ہے اور وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں مگر یہ آپ کی شان سے گری ہوئی بات ہے کہ آپ اس کے مقابلہ کے لئے تشریف لائیں اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو کئی وجوہ سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناسبت ہے اور جو آسمان پر اٹھائے گئے ہیں دجال کو قتل فرمائیں۔ غرض علامہ محدث حدیث کے اسرار وحکمت پر اپنے اور دیگر اہل اسرار کے خیالات پیش کر کے علم حدیث کا حق ادا کرتے ہیں۔

مسئلہ ایصال ثواب بہ میت

محدث پاکباز کسی حدیث کے ماتحت مرتب ہونے والے فقہی مسائل پر اہل فقہ کے اقوال کی روشنی میں اس مسئلہ کی منصفانہ ایسی وضاحت فرماتے ہیں کہ اصل مسئلہ میں کوئی تجلک باقی نہیں رہتی اور حدیث اور قرآن کریم کی روشنی میں اس کی ایسی تنقیح فرماتے ہیں کہ منصف مزاج انسان کے لئے اسے قبول کرنے کے سوائے کوئی چارہ نہیں رہتا وہ احناف کے مذہب کو انصاف کے معیار پر جانچنے کی کوشش فرماتے ہیں اور دیگر محدثین اور فقہا کے بھی اقوال انصاف سے پیش کرتے ہوئے تعصب سے بلند ہو کر ان پر جرح کرتے ہیں۔ فقہائے شوافع' حنابلہ' مالکی اور احناف اور دیگر منفرد مجتہدین اور ائمہ کے اجتہاد پیش کرتے ہیں اور اپنی مجتہدانہ قوت سے ان میں فیصلہ کرنے اور محاکمہ پیش کرنے کی قوت رکھتے ہیں آیئے اس سلسلہ میں مردہ کو ایصال ثواب کے مسئلہ میں مختلف مجتہدین اور محدث پاکباز کی تنقیدی قوتوں کا جائزہ لینے کی کوشش کریں لیکن جس حدیث کے ماتحت یہ بحث پیش کی گئی ہے پہلے اس حدیث کو نقل کریں حدیث یہ ہے جو مسلم شریف میں مروی ہے۔

> **حدثنا محمد بن عبیداللہ بن نمیر قال نا محمد ابن بشر قال ناھشام عن ابیه عن عائشة ان رجلااتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال یارسول الله ان امی افتلت نفسها ولم توص واظنها لوتکلمت تصدقت افلها اجران تصدقت عنها قال نعم** (فتح الملہم جلد نمبر ۳ ص ۲۸)

ہم سے حدیث بیان کی محمد بن عبیداللہ بن نمیر نے اس نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی محمد بن بشر نے اس نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ہشام نے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ

سے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میری ماں اچانک مرگئی اور اس نے وصیت نہیں کی۔ اور میں گمان کرتا ہوں کہ اگر وہ کلام کرسکتی تو صدقہ کرتی تو کیا اس کو ثواب ملے گا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دے دوں آنحضور نے فرمایا ہاں۔

اس حدیث کے ماتحت محدث پاکباز اپنی تحقیقات میں لکھتے ہیں کہ:۔

فیہ جواز الصدقۃ عن المیت و ان ذالک ینفعہ بوصول ثواب الصدقۃ الیہ ولاسیما ان کان من الولد (فتح الملہم جلد نمبر۳ ص ۳۸)

اس حدیث میں میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور میت کو صدقہ کا ثواب پہنچنے پراس کو نفع پہنچتا ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ (ایصال ثواب) لڑکے کی طرف سے ہو۔

اس فیصلہ کے بعد کہ مردے کو اگر ثواب پہنچایا جائے تو ثواب پہنچتا ہے محدث پاکباز پھر علامہ عابدین کے جو شامی کے نام سے مشہور ہیں فقہی قول پیش کرتے ہیں جو احناف کے لئے ایک مستند فقیہ ہیں:۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ فی ردالمحتار صرح علماء فانی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیر صلوۃ اوصوماً او صدقۃ او غیرھا کذافی الھدایۃ بل فی زکاۃ تاتارخانیہ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلاان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجرہ شیء ا ہ (فتح الملہم جلد نمبر۳ ص ۳۹)

علامہ ابن عابدینؒ (شامی) نے (اپنی کتاب) ردالمحتار میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء (احناف) نے حج کے بارے میں جو دوسرے کی طرف سے کیا جائے صاف صاف لکھا ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب خواہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ وغیرہ دوسرے کو پہنچائے اسی طرح ہدایہ میں ہے بلکہ زکوۃ تاتارخانیہ میں محیط سے ہے کہ افضل اس شخص کے لئے جو نفلی صدقہ کرے یہ ہے کہ تمام مومنین اور مومنات کے لئے نیت کرلے کیونکہ وہ صدقہ ان کو پہنچ جاتا ہے اور اس کے اجر میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی۔

محدث پاکباز نے پہلے تو مذکورہ بالا حدیث سے محدثانہ رنگ میں میت کو ثواب پہنچنے کے متعلق مسئلہ ثابت کیا ہے لیکن ضرورت تھی کہ فقہ حنفی کے کسی مستند فقیہ کا قول نقل کیا جائے نیز یہ بھی ثابت کیا جائے کہ کس قسم کے عمل کا ثواب میت کو پہنچ سکتا ہے چنانچہ دوسرے کی طرف سے جب

تج ہو سکتا ہے تو علامہ شامی کی اس عبارت نے اس کی بھی وضاحت کر دی کہ میت کو زندہ اپنی نفلی نماز، نفلی صدقہ، نفلی روزہ اور دیگر طور پر بھی ایصال ثواب کر سکتا ہے اس قول کی محدث پاکباز نے ہدایہ فقہ کی مستند کتاب سے تائید کی بلکہ ایک وسیع فیصلہ زکوۃ تاتارخانیہ کی عبارت سے جو محیط سے نقل کیا گیا ہے کر دیا کہ ہر نفلی صدقہ میں ایک مسلمان تمام مومنین اور مومنات کی نیت کر کے ایصال ثواب کر سکتا ہے درانحالیکہ اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ اگر ایک شخص نفل نماز یا نفل روزہ پڑھ کر اور رکھ کر نیت کرے کہ اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچے تو احناف کے نزدیک یہ ثواب یا تلاوت قرآن غرض ہر قسم کے بدنی اور مالی نفل کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے اب یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ کیا زندہ کو بھی ثواب پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔ تو اس کو بھی محدث پاکباز نے اپنی تحقیق میں صاف کر دیا۔ چنانچہ فقہاء کا قول پیش کرتے ہیں۔

و فی البحرمن صام اوصلی او تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز و یصل ثوابها الیهم عنداهل السنة والجماعة (فتح الملہم جلد نمبر ۳ ص ۲۹)

اور بحر (فقہ کی کتاب) میں ہے کہ جس نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ دیا اور اس کا ثواب دوسرے لوگوں کو خواہ مردہ ہوں یا زندہ بخش دیا تو جائز ہے اور اہل سنت اور جماعت کے نزدیک ان کو ان اعمال کا ثواب پہنچے گا۔

لیکن ایک سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی نیک عمل مثلاً روزہ، نماز یا صدقہ کا کسی مردہ یا زندہ کو ثواب پہنچاتا ہے تو اگر چند مردہ ہوں یا زندہ تو کیا ثواب کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں مثلاً چار آدمیوں کو ثواب پہنچایا جائے تو ہر ایک کو ربع یعنی چوتھائی چوتھائی ملے گا یا پورا پورا۔ محدث پاکباز نے اس کو بھی اپنی تحقیق میں صاف کر دیا ہے چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الروح کا حوالہ دیتے ہوئے ان کا قول نقل کرتے ہیں۔

ویصح اهداء نصف الثواب اوربعه کمانص علیه احمد ویوضحه انه لواهدیٰ الکل الی اربعة یحصل لکل منهم ربعه فکذالواهدیٰ الربع لواحد وابقی لنفسه اه ملخصا۔ (فتح الملہم جلد ۳ ص ۲۹)

اور نصف ثواب یا چوتھائی کا ثواب پہنچانا بھی صحیح ہے جیسا کہ امام احمد نے فیصلہ کیا ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ اگر کسی نے کل ثواب چار شخصوں کو بخشا تو ہر ایک کو چوتھائی مل جائے

گا اسی طرح اگر کسی کو چوتھائی بخشا اور باقی تین حصے اپنے لئے رکھ لیا تو وہ بھی صحیح ہے۔ (خلاصہ)

علامہ عثمانی کی مذہبی بے تعصبی

محدث پاکباز حنفیت میں متعصب نہیں بلکہ وہ غیر احناف کے قول کو بھی پیش کرتے ہیں اور بقدر گنجائش اس کو تحقیق میں لاتے ہیں لیکن اگر عقل سلیم اور نقل صحیح میں زیادہ کی گنجائش ہوتی ہے تو محدث پاکباز نہ صرف دوسروں کے اقوال سے اس گنجائش کو برقرار رکھتے ہیں بلکہ اپنی مجتہدانہ قوت کو بھی عمل میں لاتے ہوئے بشرطیکہ فقہی گنجائش ہو اس میں گنجائش پیدا کرتے ہیں مثلاً مذکورہ بالا ابن قیم کے قول میں چوتھائی تہائی نصف ثواب کی بجائے اگر کل ثواب بھی ثابت کیا جائے تو رحمت خداوندی میں اس سے کمی لازم نہیں آتی چنانچہ محدث پاکباز ابن قیم کے قول میں ابن حجر مکی شافعی کے قول سے گنجائش نکال کر اس پر اپنا فیصلہ صادر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

قلت لكن سئل ابن حجر المكى عمالو قرألاهل المقبرة الفاتحه هل يقسم الثواب بينهم او يصل لكل منهم مثل ثواب ذالک کاملاًفاجاب بانه افتى جمع بالثانى وهواللائق بسعة الفضل (فتح الملہم جلد نمبر ۳ ص ۳۹)

میں (علامہ عثمانی) کہتا ہوں کہ ابن حجر مکی سے سوال کیا گیا کہ اگر قبرستان کے مردوں پر فاتحہ پڑھی جائے تو کیا ثواب ان کے درمیان تقسیم ہو جائے گا یا ہر ایک کو اس کا پورا پورا ثواب ملے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت نے دوسرے کا حکم دیا ہے یعنی پورا پورا ملے گا کیونکہ وہ فضل کی وسعت کے لائق ہے۔

یہاں سے محدث پاکباز کی اپنی انفرادی ذاتی اجتہادی قوت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ابن قیم کے قول کی موافقت نہیں فرماتے بلکہ آگے بڑھ کر ایصال ثواب میں وسعت کو مدنظر رکھتے ہیں اور اپنی تائید میں "قلت" فرما کر حافظ ابن حجر کا قول پیش فرماتے ہیں جو شافعی مذہب میں کہ خداوند تعالیٰ کی قدرت اتنی وسیع ہے کہ پورا پورا ثواب سب کو عنایت فرما سکتے ہیں اور اسی کو عقل و نقل تسلیم کرتے ہیں۔

محدث پاکباز نے ابن حجر رحمۃ اللہ کی فتاویٰ فقہیہ کے حوالے سے ایک اور حوالہ بھی تحریر فرمایا ہے جو ابن تیمیہ کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے:۔

ذكر ابن حجر فى الفتاوى الفقهية ان الحافظ بن تيميه زعم من اهداء ثواب القراء للنبى صلى الله عليه وسلم لان جناب الرفيع لايتجرأعليه الابما اذن فيه وهوالصلوة عليه وسوال الوسيلة له (فتح

الملہم جلد نمبر ۳ ص ۳۰۹)

ذکر کیا ہے ابن حجر نے فتاوٰی فقہیہ میں کہ حافظ ابن تیمیہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرأت کے ثواب کی ممانعت کو کہا ہے کیونکہ آنحضور کی بلند بارگاہ میں اس چیز کے سوائے جس کی اجازت ہے مثلاً درود اور آپ کے لئے وسیلہ کا سوال اور کوئی جائز نہیں۔

مذکورہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ابن تیمیہؒ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قراءت کے ایصال ثواب کے قائل نہیں بلکہ وہ صرف اس امر کے قائل ہیں کہ آپ کے لئے صرف اسی چیز کا ایصال ثواب ہونا چاہئے جس کی اجازت ہے مثلاً درود شریف کا ذکر قرآن کریم میں آپ کے لئے آیا ہے یعنی صلوا علیه وسلموا اس سے آپ پر صلوٰۃ وسلام کی اجازت معلوم ہوتی ہے اسی طرح آپ کے لئے وسیلہ کا سوال ات محمد ن الوسیلة کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے گویا ابن تیمیہ حضور رسالتمآب کے لئے کسی اور چیز کے ہدیہ کو سوائے درود کے پہنچانے کی ممانعت کے قائل ہیں لیکن محدث پاکباز ابن تیمیہ کے اس خیال کی تردید خود ان کے ہم مشرب حنابلہ سے کرتے ہیں امام ابن تیمیہ بھی چونکہ حنبلی اور سخت قسم کے حنبلی ہیں اس لئے ان کے یہاں ایصال ثواب میں اس قسم کا تشدد پایا جاتا ہے مگر بعض حنابلہ کا قول پیش کر کے محدث پاکباز نے اپنی تحقیق یہ پیش کی ہے لکھتے ہیں:۔

> **قلت ورایت نحو ذالک بخط مفتی الحنفیة الشهاب احمد ابن الشلبی الشیخ صاحب البحر نقلا عن شرح الطیبة للنویری ومن جملة ما نقله ان ابن عقیل من الحنابلة قال یستحب اهداء هاله صلی الله علیه وسلم** (فتح الملہم جلد نمبر ۳ ص ۳۰۹، ۳۰۸)

میں (محدث پاکباز) کہتا ہوں اور میں نے حنفی مفتی شہاب احمد ابن شلبی شیخ صاحب البحر کی تحریر میں نویری کی شرح الطیبہ سے منقول تحریر دیکھی ہے مجملہ ان کی منقول کے یہ ہے کہ ابن عقیل حنبلی نے کہا ہے کہ قرأت کا ہدیہ آنحضور علیہ السلام کو بھیجنا مستحب ہے۔

یہاں محدث پاکباز نے خود ابن عقیل حنبلی کے قول سے قرأت کلام اللہ کا ثواب آنحضور کے لئے ہدیہ بھیجنے کو مستحب قرار دے کر ابن تیمیہ کا رد فرمایا ہے اور یہ ثابت کیا کہ ایصال ہدیہ کو قرأت بھی آنحضورؐ کے لئے جائز ہے اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے آگے چل کر محدث پاکباز

اپنے علماء احناف کی تائید میں پرزور دلیل پیش فرماتے ہیں جو عقل سلیم کو بھاتی ہے فرماتے ہیں۔

> قلت وقول علماء ناله ان يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبي صلى الله عليه وسلم فانه احق بذالک حيث انقذ نامن الضلالة ففي ذالک نوع شکرواسدله جميل له والکامل قابل الزيادة الکمال وما استدل به بعض المانعين انه تحصيل الحاصل لان جميع اعمال امته في ميزانه فيجاب عنه بانه لا مانع من ذالک فان الله تعالىٰ اخبرنا بانه صلى الله عليه ثم امرنا بالصلوة عليه بان نقول اللهم صل علىٰ محمد (فتح الملہم جلد ۳ ص ۴۹)

میں کہتا ہوں کہ ہمارے علما کا قول کہ کسی کے عمل کا ثواب غیر کو پہنچایا جاسکتا ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں کیونکہ آپ اس ثواب کے زیادہ مستحق ہیں اس لئے کہ آپ نے ہم کو گمراہی سے نکالا تو آپ کے ایصال ثواب میں ایک قسم کا شکر اور آپ کے احسان کا اعتراف ہے اور کامل اور زیادہ کمال کا مستحق ہوتا ہے اور بعض جو منکر ہیں ان کی یہ دلیل کہ آنحضور کو ثواب کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ امت کے تمام اعمال حضور کی میزان میں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیز حضور کے لئے مانع نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ حضور پر درود بھیجتے ہیں اور ہمیں بھی درود کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم کہیں اللهم صل على محمد

محدث پاکباز نے ان لوگوں کو جو آنحضور کے لئے کسی ثواب کو ہدیہ بھیجنے کے منکر ہیں بہترین نقلی اور عقلی جواب دیا ہے یعنی جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ حضور کو تو ایصال ثواب کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ آپ کے نامہ اعمال میں تمام امت کی بھلائیاں درج ہوں گی کہ آپ نے خلق کو گمراہی سے نکال کر نیکی اور اسلام کی راہ پر لگایا۔ اس کا جواب محدث پاکباز نے یہ دیا کہ اس لئے کہ آنحضورؐ نے ہمیں گمراہی سے نکالا ہم پر ایک قسم کا ثواب کا ہدیہ بھیج کر شکریہ کا اظہار کرنا عقلاً ضروری ہے اور قرآنی فیصلہ کے مطابق اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجتا ہے اور ہمیں بھی درود کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے لئے اہداء ثواب میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مذکورہ بالا امور میں محدث پاکباز کے بڑے بڑے محدثین ابن تیمیہ جیسوں کے مقابلہ میں تردیدانہ دلائل کا زور دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ محدث پاکباز خود اپنے اندر فن حدیث کی مجتہدانہ قوت رکھتے ہیں اور احادیث اور قرآن کی روشنی میں صحیح تنقید کی اہلیت رکھتے ہیں۔

مخالفت ایصال ثواب کا رد

قرآن اور حدیث کی روشنی میں معتزلہ کا رد

ایصال ثواب کے پہلوؤں پر کما حقہ سیر حاصل تحقیق آ چکی لیکن ایک خاص جماعت سے جن کو معتزلہ کہا جاتا ہے ابھی عہدہ برآ ہونا باقی ہے جن کا نقطہ نگاہ اہلسنت والجماعت کیخلاف یہ ہے کہ کسی قسم کا کوئی ثواب زندہ اہل ایمان کی طرف سے مردوں کو نہیں پہنچتا خواہ وہ مالی ثواب ہو یا بدنی ۔ان کی دلیل جو وہ پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ فرمایا گیا ہے کہ **لیس للانسان الا ما سعیٰ** یعنی انسان کے لئے نہیں ہے مگر جو کچھ اس نے کوشش کی جس کا مطلب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان کو صرف اسی چیز کا بدلہ ملے گا جو اس نے اپنی زندگی میں عمل کیا ہے اگر ظاہری معنی پر نظر ڈالی جائے تو معتزلہ کی یہ دلیل نہایت وزنی معلوم ہوتی ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا عمل کا فائدہ اور ایصال ثواب کا ہونا اس قدر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اگر تمام احادیث کو جمع کیا جائے تو ان کی صحت کا انکار مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ تو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں پھر حدیث اور قرآن کریم میں یہ تعارض کیوں ہے یہ مسئلہ حل کرنے کیلئے میں محدث پاکباز کی تحقیقات کی طرف جانہوں نے مذکورہ بالا حدیث کے ماتحت معتزلہ کے قول کے جواب میں پیش کی ہیں۔ حقیقت طلب طبیعتوں کی ضیافت کے لئے حاضر کرتا ہوں محدث پاکباز نے اس موقع پر سیر حاصل کلام کیا ہے اول یہ کہ انہوں نے بہت سی حدیثیں پیش کی ہیں اور پھر قرآن کریم سے ہی ثبوت دیا ہے قرآن کریم کی آیات میں وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے والدین کے حق میں دعا کے لئے فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

> **وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيراه و من الاخبار باستغفار الملائكة للمومنين و استغفار المومنين لاخوانهم الذين سبقوهم بالايمان (ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان) وكذا قوله تعالیٰ والذين امنوا واتبعتهم ذريتهم وما التناهم من عملهم من شی قطعی فی حصول الانتفاع بعمل الغیر**

اور کہو اے رب ماں باپ پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری تربیت کی اور (قرآن کریم ہی کی) یہ خبر ہے کہ فرشتے مومنین کیلئے اور مومنین اپنے ان بھائیوں کے لئے جوان

سے ایمان میں سبقت لے جا چکے ہیں بخشش کی دعا کرتے ہیں (اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے ایمان میں سبقت لے جا چکے ہیں) اور اس آیت میں "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ان کا اتباع کیا ایمان میں تو ان کی ذریت کو ہم ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے ہم کوئی کمی نہیں کریں گے"۔

اس آیت میں غیر کے عمل کا دوسرے کو فائدہ پہنچنا یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ اگر دعا کا فائدہ مردہ والدین کو نہیں پہنچتا تو پھر اس دعا اور مومنین اور ملائکہ کے حصول اور طلب بخشش کا مطلب ہی فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دوسرے کا استغفار اور عمل صالح کا ایصال ثواب آیا اس شخص کی سعی میں داخل ہے یا نہیں جس کو ثواب پہنچایا جا رہا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو لیس للانسان الا ماسعی اور استغفار ملائکہ و مومنین اور احادیث میں ایصال ثواب کا حد تواتر تک پہنچنا سب کا آپس میں توافق ہو جاتا ہے اور تضاد اٹھ جاتا ہے چنانچہ محدث پاکباز فرماتے ہیں کہ لیس للانسان الاماسعی کا یہ مطلب ہے کہ کسی کا عمل کسی کے اس وقت کام نہیں آتا جبکہ وہ اس کو اس کے حق میں ایصال ثواب نہ کرے اور ہبہ نہ کرے لیکن اگر ایسا کرتا ہے تو پھر ثواب پہنچنے کے یہ آیت مخالف نہیں۔

علاوہ ازیں محدث پاکباز فرماتے ہیں کہ دراصل ایصال ثواب کرنے والے کا عمل اس شخص کی سعی میں ہے جس کو ایصال ثواب کیا گیا ہے جب ایسا ہے تو پھر ایصال ثواب اسی کی سعی بن جاتی ہے اور لیس للانسان الا ماسعیٰ سے پھر دوسری آیتوں اور احادیث کا تضاد اور مخالفت اٹھ جاتی ہے۔ چنانچہ محدث پاکباز لکھتے ہیں:۔

> قلت والذی یبعث المومنین علی اهداء الثواب لاخیه المومن اماحسان المهدی له الی المهدی فی دینه او دنیاه واما مجردعظمة و محبته فی القلوب لما علم من اتصافه بمعالی الامور ومکارم الاخلاق وکونه ذریعة للخیر ووسیلة للهدایة والفلاح ولااقل من اتصافه بالایمان و ما یتبعه من الاعمال حسب ماوفق له فلیس منشاء اهداء الثواب فی جمیع هذه الصورالاعمل من اعمال المهدی له القلبیة اوالقالبیة فانه هوالباعث علیه والمحرک لدواعی الاهداء فی قلب المهدی ولولاایمان المهدی له لما اجترا

مومن علیٰ ایصال الثواب الیه فالا هداء انما یتسبب من ایمانه و حسناته ولا شبهة فی ان اعمال المهدی له کلها داخلة فی "ماسعی" فلم یتجاوز ماوصل الیه من الثواب عنسعیه فی اخر الامر بل کل ثواب یصل الیه من برکات ایمانه و ثمرات حسناته بالحقیقة والکافرالماکان صفرالیدین من الایمان ولم یکن له سعی فیه و فیما یتبعه من الایمانیات لم یبق مساغ لوصول الثواب الیه ولواهدیٰ احدالیه بجهلة وسفهه کما تقدم فی حدیث عبدالله بن عمروبن عاص والله اعلم (فتح الملہم جلد ص ۳۰)

میں کہتا ہوں کہ وہ چیز جو مومن کو اپنے مومن بھائی کے ایصال ثواب پر آمادہ کرتی ہے تو یا تو ایصال ثواب کرنے والے پر ایصال کئے گئے کا کوئی دینی یا دنیاوی احسان ہوگا اور یا صرف مہدیٰ لہ کی عظمت اور دلوں میں محبت کے باعث کہ وہ مکارم اخلاق اور عظیم الشان کارناموں کا مالک ہے اور اس کا وجود خیر کا ذریعہ اور ہدایت وفلاح کا موجب ہے اور یا کم از کم وہ ایمان سے متصف ہے اور ایسے اعمال کا مالک ہے جس کی اس کو توفیق ہوئی جو ایمان کے تابع ہیں۔ پس ان تمام صورتوں میں ایصال ثواب کا منشا ایصال ثواب کئے گئے کے دلی یا اعضاء کے عمل کے سوائے اور کوئی چیز نہیں ہے اور وہی اس ایصال ثواب کا باعث اور ایصال ثواب کرنے والے کے دل میں ہدیہ ثواب کا محرک ہوا ہے اور اگر ہدیہ ثواب دئے جانے والے میں ایمان نہ ہوتا تو مومن اس کو ایصال ثواب کی جرات بھی نہ کرتا اس لئے ایصال ثواب کا سبب اس کے ایمان اور حسنات ہیں اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ ہدیہ ثواب جس کو پہنچایا گیا ہے اس کے اعمال (آیت) ما سعیٰ میں بہرحال داخل ہیں لہذا جو ثواب اس کو پہنچایا گیا ہے وہ اس کی سعی سے باہر نہیں ہے بلکہ تمام ثواب اس کے ایمان کی برکتوں اور حقیقت میں اس کی نیکیوں کے ثمرات کی وجہ سے اس کو پہنچتا ہے اور کافر چونکہ ایمان سے خالی ہاتھ ہوتا ہے اور اس کو اس میں کوئی سعی نہیں ہوتی اور اس کی ایمانیات کے تابع چیزوں میں اس کو ایصال ثواب کے لئے کوئی گنجائش (کفر کی وجہ سے) باقی نہیں رہتی خواہ کوئی اپنی جہالت اور حماقت سے کافر کو ایصال ثواب کرے جیسا کہ عبداللہ بن عمرو عاص کی حدیث میں آچکا ہے۔

محدث پاکباز نے لیس "للانسان" اور "ربنا اغفرلنا ولاخواننا" اور دیگر تمام آیات واحادیث ایصال ثواب کو جس طرح سے مطابق کیا ہے اور ان میں موافقت پیدا کی ہے حق

یہ ہے کہ یہ انہی کا حصہ ہے انہوں نے نہایت ہی دقیق بات فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی ثواب پہنچتا ہے تو یقیناً یا اس کے مکارم اخلاق عمدہ کارنامے اور یا کم از کم اس ایمان کی وجہ سے پہنچتا ہے، جس کا حصہ ثواب پہنچائے جانے والے کو ملا ہے وہ ایصال ثواب کرنے والے کو اس امر کے لئے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کو ہدیہ ثواب پیش کرے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ثواب کا ہدیہ بھیجنے والے کے تحفے مرنے والے یا زندہ انسان کی سعی کی ہی کڑیاں ہوتی ہیں۔

ایصال ثواب عقلاً درست ہے

میت یا زندہ کو ایصال ثواب کے مسئلہ میں عقل سلیم کا تقاضا بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ غیر کے عمل کا ثواب پہنچنا چاہئے جب کہ وہ مردہ یا زندہ کو اپنے عمل کے بخشنے کی نیت کرے راقم الحروف کے نزدیک ایصال ثواب ایک قسم کی شفاعت ہے جس کی حقیقت یوں معلوم ہوتی ہے کہ دنیاوی اصول کے مطابق جب کسی بادشاہ یا حاکم اعلیٰ کی خوشنودی کسی اچھے عمل سے حاصل کی جائے تو یہ اچھی خدمات اور کارنامے خود عامل کے حق میں اس کی ترقیوں اور بلندیوں کا سبب بنتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کارناموں سے حاصل کی گئی خوشنودیاں دوسروں کے لئے بھی مفید بن سکتی ہیں۔ جب اچھی خدمات انجام دینے والے عمال سے سلاطین کی خوشنودی حاصل ہو تو انہی عمال کی سفارش دوسرے لوگوں کے لئے بھی مفید ہو سکتی ہے اسی طرح جب ایک مومن اپنے اچھے اعمال سے خدائے کریم کو خوش کرتا ہے تو اس کی خوشنودی کا یہ اثر ہونا ایک فطری امر ہے کہ اگر وہ اپنے نیک عمل کا ہدیہ کسی دوسرے کو پہنچا کر بارگاہ خداوندی سے اس پر رحمت کو متوجہ کرا سکے تو عقلاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ جب رحمتوں کے جھونکے چلتے ہیں تو ان کے اثرات گنہگاروں کو بھی پہنچتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب قہر کی آندھیاں چلتی ہیں تو عذاب کے حقداروں کے ساتھ نیکوں پر بھی قہر کے آرے چلتے ہیں۔ راقم الحروف کے نزدیک "لیس للانسان الا ماسعی" کا مطلب صاف ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کام کرے گا اس کی مزدوری پائے گا جو بوئے گا وہ کاٹے گا۔ یونہی دنیا کا قاعدہ چلا آتا ہے یہ اصول اپنی جگہ مسلم ہے کہ اپنی سعی اپنے لئے ہی ہوتی ہے نہ کہ دوسرے کے لئے لیکن اگر کوئی غیر کسی دوسرے کے لئے کھیت بودے اور کاٹ کر غلہ اس کو بخش دے تو یہ غیر اس کو کھا سکتا ہے اور اس سے اپنی زندگی برقرار اور طاقتور بنا سکتا ہے پس ایسی صورت میں کوئی معتزلی یا وہ شخص جو منکر ایصال ثواب ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ نہیں صاحب یہ بویا ہوا غلہ اور دوسرے کو بخشا ہوا اس کے لئے مفید نہیں ہو سکتا اور نہ پہنچ سکتا ہے

درانحالیکہ وہ دوسرے کے گھر میں لا کر ڈال دیا گیا ہے اور وہ اس سے متمتع بھی ہو رہا ہے۔ پس یونہی سمجھ لیجئے کہ جس طرح یہاں پر اس غلہ سے فائدہ اٹھانے والی کی سعی اس غلہ کے بونے جوتنے میں نہیں ہے لیکن اس کے باوجود پھر وہ غلہ اس کو دوسرے کے دینے سے مل گیا اسی طرح اگرچہ صدقہ روزہ نماز کسی دوسرے کا ہو اور اس کے ثمرات کسی دوسرے کو پہنچائے جائیں اگرچہ دوسرے کی سعی اس میں نہ ہو تو ان کا ثواب پہنچانے پر دوسرے کو پہنچ جائے گا اور یہ **لیس للانسان الا ماسعیٰ** کے مخالف نہیں درانحالیکہ قرآنی نصوص کے علاوہ بہت سی احادیث سے بھی اس امر کی تائید ملتی ہو چنانچہ محدث پاکباز نے قرآنی نصوص اور عقلی دلیل کے علاوہ جو احادیث اس سلسلہ میں پیش کی ہیں وہ ان کی محدثانہ قوتوں کا ظہور ہے فرماتے ہیں۔

فی الصحیحین انہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ بکبشین املحین احدھما عن نفسہ والاخر عن امتہ

بخاری اور مسلم میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی کی جو اکثر سفید اور کچھ سیاہ بالوں والے تھے۔ ان میں سے ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے۔

اور احمد نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے:۔

ان العاص بن وائل نذرفی الجاھلیۃ ان لینحرمائۃ بدنۃ وان ھشام بن العاص نحر حصتہ خمسین وان عمرواً سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذٰلک فقال اما ابوک فلواقربالتوحید فصمت وتصدقت عنہ نفعہ ذالک (فتح الملہم جلد۳ ص۳۰۹۲۸)

عاص بن وائل نے جاہلیت (اسلام لانے سے پہلے) میں منت مانی کہ وہ سو اونٹ ذبح کرے گا اور ہشام بن عاص نے اس کے حصہ کے پچاس قربان کر دیے عمرو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اس کے متعلق تو آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ اگر توحید کا قائل تھا اور تو نے روزہ رکھا اور اس کی طرف سے صدقہ کیا۔ تو اس کو اس کا نفع پہنچے گا۔

غرضکہ محدث پاکباز نے قرآن، حدیث، آثار سے مسئلہ ایصال ثواب کی آخری حد تک تحقیق فرما کر بال کی کھال نکال کر رکھ دی اور اس سلسلہ میں مخالفین کے اقوال کو بھی پیش کر کے علمائے احناف کے دلائل اور وجوہ ترجیح کو سامنے رکھ دیا ہے اور صرف زبردستی ہی نہیں بلکہ حق اور انصاف سے حدیث مسلم کی توضیح میں ان تمام دلائل کو پیش کر دیا ہے کہ تمام پہلو پر روشنی ڈال کر تمام کتابوں

سے بے نیاز کر دیا ہے اور آخر میں مسئلہ کا فیصلہ یہ کیا ہے کہ مردہ یا زندہ مسلمان کو دوسرے مسلمان کی طرف سے نفلی روزہ نماز صدقہ، تلاوت قرآن کریم کی صورت میں اگر ایصال ثواب کیا جائے تو وہ پہنچ جاتا ہے بلکہ محدث پاکباز نے اس بات کو بھی صاف کیا ہے کہ فرائض نماز و صیام و صدقہ کے بارے میں اختلاف ہے بعض جائز قرار دیتے ہیں اور بعض ناجائز چنانچہ فرماتے ہیں۔

وانه لافرق بین الفرض والنفل و فی جامع الفتاویٰ و قیل لایجوز فی الفرائض (فتح الملہم جلد نمبر ۳ ص ۳۶)

اور فرض اور نفل میں (ایصال ثواب میں) کوئی فرق نہیں ہے اور جامع فتاویٰ میں ہے اور کہا گیا ہے کہ فرائض میں (ایصال ثواب) جائز نہیں۔

ابن قیم نے زندہ کو زندہ سے ثواب پہنچنے کے بارے میں بھی اختلاف کا اظہار کیا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ زندہ کو جائز ہے اور بعض نے کہا ہے کہ زندہ محتاج نہیں وہ خود اپنے لئے ثواب کے کام کر سکتا ہے لہٰذا اسے ایصال ثواب جائز نہیں لیکن محدث پاکباز نے زندہ کے لئے بھی ایصال ثواب کی تحقیق پیش کی ہے چنانچہ بحر کے حوالے سے اہل سنت والجماعت کے نزدیک مردہ اور زندہ دونوں کو ثواب کا پہنچنا جائز قرار دیا ہے ان قرآنی، حدیثی، فقہی تحقیقات کے بعد مسئلہ کی نوعیت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے اور یہی ایک محدث کی خوبی ہے۔

اپنے اساتذہ کی تحقیقات اور ان کے حوالے

فتح الملہم میں اپنے اساتذہ اور اکابر کی وہ تحقیقات بھی پیش کی گئی ہیں جو زبانی نقل ہوتی چلی آرہی تھیں یا ایسی کسی کتاب میں درج تھیں جن کی طرف قارئین کا ذہن منتقل نہیں ہو سکتا تھا۔ یا عربی کے سوائے دوسری زبان میں تھیں ایسی تحقیقات کو کافی شرح اور بسط سے بیان کیا گیا ہے۔

اہل علم کسی چیز کی حقیقت کے انکشاف کے لئے اپنے اساتذہ اور دیگر اہل علم سے خوشہ چینی کرنے میں نہایت مسرت اور فخر محسوس کرتے ہیں۔ محدث پاکباز نے دنیائے اسلام کے ائمہ علماء صلحا، صوفیا سے بہت ہی فیض حاصل کیا ہے اور بالخصوص اپنے اساتذہ سے جن کا مرکز فکر دیوبند ہے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے ان میں بھی خصوصیت سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت قاسم العلوم کے وہبی علوم اور کشفیات پر جس قدر ان کو عبور تھا وہ کسی کو نہ تھا۔ پھر ان علوم کو اپنے انداز تفسیر میں بیان کرنا عثمانی ہی کا کام تھا چنانچہ اپنی تفسیر اور حدیث دونوں میں محدث پاکباز نے بے اندازہ معلومات کو سمو دیا

ہے اور خود ان کے قلب پر بھی جو کشفیات ظاہر ہوئی ہیں ان کو بھی اسی وضاحت سے پیش فرماتے ہیں اور اس قسم کی ان کی ذاتی کشفیات تفسیر اور حدیث میں بہت مواقع پر موجود ہیں۔ انہی کشفیات کو ناشر نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ بہت سی ایسی تحقیقات جو اس سے پہلے مسموع نہ ہوئی ہوں گی جن کی قدر و قیمت مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکے گی مثلاً حسب ذیل حدیث میں حاجی امداد اللہ صاحب کا ذکر کیا ہے جو علماء دیوبند کے پیر طریقت ہیں اور اپنے دلی کشف کا اظہار کیا ہے۔

یہ حدیث مسلم نے حضرت عثمان کے ساع سے روایت کی ہے:۔

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من امرئ مسلم تحضره صلوة مكتوبة فيحسن وضوها وخشوعها وركوعها الاكانت كفارة لما قبلها من الذنوب مالم تؤت كبيرة و ذلك الدهر كله (فتح الملہم جلد ا ص ۳۹۵، ۳۹۶)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس کو فرض نماز کا وقت آئے اور وہ وضو اور خشوع اور رکوع کا حق ادا کرے تو وہ نماز اگر گناہ کبیرہ نہ کرے تو پہلے تمام گناہوں کا کفارہ کر دیتی ہے اور یہ تمام عمر گناہ نہ کرنے کی صورت میں ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان فرض نماز کا وقت آ جانے پر اس کے لئے اچھی تیاری یعنی وضو کرتا ہے اور پوری توجہ اور عاجزی سے نماز ادا کرتا ہے تو اس کے پچھلے صغیرہ گناہ بشرطیکہ وہ گناہ کبیرہ کا کبھی ارتکاب نہ کرے تمام معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ اچھی طرح وضو کرنے اور خشوع سے جو نماز کی روح ہے نماز ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور ان گناہوں کو مٹا دیتی ہے جو صغائر کہلاتے ہیں لیکن اگر انسان کبیرہ گناہوں کا اس کے باوجود ارتکاب کرتا ہے تو وہ صغائر بھی علیٰ حالہٖ اس کے نامۂ اعمال میں باقی رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں خشوع کا لفظ نماز کی روح ہے۔ اس کیفیت اور حقیقت خشوع پر محدث پاکباز نے جہاں اور ائمہ کی تحقیق لکھی ہے وہاں جو خود ان کے دل پر منکشف ہوئی اور قرآن کریم سے ان کے دل پر اس وقت جو کچھ کشف ہوا لکھتے ہیں:۔

وقدظهر للعبد الضعيف الان ان الخشوع قد وصف الله سبحانه و تعالىٰ به الابصار والاصوات والوجوه فى ايات كثيرة ووصف به القلوب فى سورة الحديد فقال عزوجل الم يأن للذين امنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله وما نزل من الحق ولايكونوا كالذين اوتوا الكتاب

من قبل فطال عليهم الامد فقست قلوبهم وكثير منهم فاسقون فقال الخشوع بقسوتها ولما كان القسوة هي الجفاء و غلظ القلوب كما قال في البقرة ثم قست قلوبكم من بعد ذلك فهي كالحجارة او اشد قسوةً فخشوع القلب ينبغي ان يراد به ما يضاد القسوة وهو لين القلب ورقة الفواد وسرعة التاثر من ذكرالله و الخشية من ربه سبحانه و تعالىٰ والخشوع في الصلوة بهذا المعنى لاينافيه تلقي ما يلهم عبد من عباده وقت مناجاته مع مولاه وحضوره عنده من المعارف الشرعية والارتفاقات الجهادية وتجهيز الجيوش لحفظ ملة الاسلام وسدالثغوربل الخشوع المدلول لايبعدان يثمرهذاالنوع من الالهام لعبده المحدث المكلم وليس هذامنافيا للخشوع و حضور القلب مع الله بل هو من ثمراته واثاره المباركه والله اعلم.

اور عبد ضعیف (عثمانی) پر یہ بات اب منکشف ہوئی ہے کہ خشوع کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیتوں میں نگاہوں آوازوں اور چہروں کے ساتھ متصف کیا ہے اور دلوں کو بھی خشوع کے ساتھ سورۂ حدید میں متصف کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے ڈر جائیں اور جو کچھ اللہ نے حق اتارا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوں جو پہلے کتاب دیئے گئے تو ان پر مدت گزر گئی اور ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔ پس خشوع کا مقابلہ قسوت قلب سے کیا گیا ہے اور جبکہ قسوت وہ ظلم اور دلوں کی سختی کا نام ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے "پھر ان کے دل میں اس کے بعد سخت ہو گئے پس وہ پتھر کی مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت"۔ لہذا قلب کا خشوع مناسب یہ ہے کہ اس سے قسوت کی ضد مراد لی جائے اور وہ لین (نرمی) قلب اور دل کی رقت اور اللہ کے ذکر سے جلد اثر قبول کرنا اور رب سبحانہ تعالیٰ سے خشیہ ہے اور نماز میں خشوع اس معنی میں اس کے منافی نہیں ہے کہ بندہ اس چیز کو جو اپنے مولا سے مناجات اور حاضری کے وقت دل میں پاتا ہے مثلاً شرعی معرفتیں اور جہاد کے ولولے اور ملت اسلام کی حفاظت کیلئے سامان کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا بلکہ مذکورہ خشوع اس امر سے بھی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کا الہام اپنے بندہ محدث، مکلم کا پھل بخشے اور یہ اللہ کے ساتھ دل کی حضوری اور خشوع کے لئے مخالف نہیں ہے بلکہ وہ اس کے مبارک اثرات اور ثمرات میں سے ہے واللہ اعلم۔

وهذا الجواب قد نبهت لعمدة اجزاله بما سمعته من بعض كبرائنا الثقات

من علوم شیخ مشائخنا الاکبر العارف باللہ مولانا الحاج الشاہ امداد اللہ التھانوی المھاجر قدس اللہ روحہ وافاض علینا من شابیب فیوضہ امین۔

(فتح الملہم جلد اص ۲۹۵۔۲۹۹)

اوراس جواب کے عمدہ اجزاء پر جیسا کہ اپنے قابل اعتماد بعض اکابر سے میں نے سنا ہے ہمارے شیخ المشائخ عارف باللہ مولانا الحاج شاہ امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر کی قدس اللہ روحہ سے خدا ان کے فیوض کی بارشیں ہم پر برسائے سے مجھے آگاہی ہوئی ہے۔ آمین۔

محدث پاکباز نے خشوع کے معنی اوراس کی حقیقت کو قرآن کریم کی مختلف آیات کو مطابق کر کے اوراخذ فرما کر پیش کیا ہے اور یہی حقیقت ہے جو محدث کے دل پر دل کے خشوع اوراس کی قساوت سے متعلق پیدا ہوئی ہے اور یہ کہ کہیں خشوع اصوات اور آوازوں کی صفت بنتی ہے جیسے **خشعت الاصوات فلا تسمع الاھمسا** اور کہیں ابصار کے لئے خشوع کا لفظ آتا ہے اور کہیں وجوہ یعنی چہروں کے ساتھ خشوع کا لفظ آتا ہے اوراسی طرح سے دلوں کے ساتھ بھی خشوع کا لفظ آیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے آوازوں میں نرمی چہروں کا عاجزی اختیار کرنا اور جھک جانا نگاہوں کا نیچا ہو جانا اور دلوں کا نرم ہو جانا۔ یہ تمام ہی صورتیں خشوع میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ تو تھا محدث پاکباز کا وہ قلبی کشف جو خشوع کیساتھ متعلق تھا لیکن اس خشوع کے ثمرات اور برکات میں ان چیزوں کا حاصل ہو جانا اور ان رحمتوں کا نزول جو ملاقات ربی میں اوراس کی حضوری میں بندے کے دل میں پیدا ہوتی ہیں تمام امور شامل ہو جاتے ہیں انہی آخری اجزاء کی طرف حضرت محدث نے اشارہ کیا ہے کہ پیر طریقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے معارف میں سے ہے جو سینہ بسینہ ان تک پہنچا ہے۔

اب مذکورہ خشوع کے متعلق قال العبد الضعیف سے اپنا نور معرفت پیش کر کے محدث پاکباز نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ کتنی باتیں آپ کے قلب پر دوران شرح حدیث میں منکشف ہوتی ہیں ان کو وہ بیان فرماتے ہیں اوراسی طرح اپنے اساتذہ اور شیوخ کے کشفی علوم کا بھی تذکرہ فرماتے ہیں۔ محدث پاکباز جو اپنی تحقیق ذاتی پیش کرتے ہیں۔ اس کی عبارت نہایت پاکیزہ اور سہل ہوتی ہے جس کا ناشر نے ذکر کیا ہے۔

محدث پاکباز نے حق یہ ہے کہ اپنی فتح الملہم سے اپنے اساتذہ اکابر اور اپنے سلسلے کے شیوخ کا نام روشن کر دیا ہے۔ انہوں نے جابجا اپنے شیخ الشیخ مولانا محمد قاسم صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب حضرت شاہ انور شاہ صاحب کی تحقیقات کو پیش کر کے ان کو بڑے بڑے ائمہ علماء اور صوفیائے ممالک اسلام کی صف میں لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ مثلاً حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے متعلق مقدمہ اصول حدیث میں بخاری و مسلم کی حدیثوں کی صحت کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

ذکر شاہ ولی اللہؒ

حضرت شاہ ولی اللہؒ علمائے دیوبند کے علمی جد امجد اور شیخ الشیوخ ہیں۔ علمائے دیوبند کی سند حدیث کا مرکز حضرت شاہ صاحب ہیں۔ چنانچہ ان کے متعلق محدث پاکباز کہتے ہیں:۔

ونحن بحمدالله نعتقد فى هذين الكتابين الجليلين بما اعتقدو نقول بما قال به شيخ شيوخنا و مقدم جماعتنا مولانا الامام الشاه ولى الله الدهلوى قدس الله روحه فى حجة الله البالغه (مقدمہ فتح الملہم جلد اول ص ۱۰۸

اور ہم بحمداللہ ان دونوں جلیل القدر کتابوں یعنی صحیح بخاری اور مسلم کے بارے میں وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو کہ ہمارے شیوخ کے شیخ اور ہماری جماعت کے مقدم اور امام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس اللہ روحہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ذکر کیا ہے۔

ذکر شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی کا ذکر تجلی ربانی کی تحقیقات کے بارے میں محدث پاکباز نے کس شان میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

وما وجدنا تفصيل احكام التجلى و تحقيق ماهيته بحيث يطمئن به بالقلب و ينشرح به الصدر مع الفحص الشديد والتتبع البالغ فى كتب القوم الا ما حققه العلامة الجليل والعارف النبيل فقيد المثيل فى زمانه وعديم العديل فى اقرانه سيدى و سندى محمد المدعو باسماعيل الشهيد الدهلوى قدس الله روحه فى العبقات.

اور ہم نے احکام تجلی اور اس کی ماہیت کی تحقیق جس سے دل مطمئن ہو جائے اور شرح صدر نصیب ہو اور جس میں پوری تحقیق اور اعلیٰ تتبع ہو قوم کی کتابوں میں علامہ جلیل اور عارف نبیل بے مثل زمانہ بے نظیر اقران سیدی وسندی مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی قدس اللہ روحہ کی

کتاب عبقات سے زیادہ کہیں نہیں پائے۔ (فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۳۵)

مذکورہ عبارت سے جہاں حضرت شہید کی حضرت محدث کے دل میں محبت اور قدر کا پتہ چلتا ہے وہاں حضرت محدث پاکباز کی وسعت مطالعہ کا بھی حال معلوم ہوتا ہے انہوں نے دعوے سے یہ فرمایا ہے کہ تجلی ربانی کے سلسلہ میں حضرت شہید سے بہتر کسی نے کلام نہیں کیا۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ دہلوی وہی بزرگ ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ اور جو حضرت سید احمد شہید بریلوی مجاہد جلیل کے مجاہدین کے لشکر میں رہ کر بالاکوٹ کے مقام پر اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ اس مقدس ہستی نے اپنے زمانے کی بدعات اور شرک کے خلاف جو آواز بلند کی وہ صفحات تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی جا چکی ہے انہوں نے دہلی کی جامع مسجد میں اپنے آتش بیان مواعظ سے مسلمانوں کو توحید کا سبق دے کر نور حق دکھایا۔

ذکر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا ذکر تو محدث پاکباز کی علمی و عملی زندگی کا جز ہے۔ بے شمار جگہ ان کے اقوال پیش فرمائے ہیں اور ان کے علمی اجتہاد کو دوسروں کے مقابل میں ترجیح دی ہے۔ مثلاً ذات و صفات خداوندی کے ضمن میں ایمان باللہ کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:۔

قال شيخ شيخنا قاسم العلوم والخيرات نورالله ضريحه و نفعنا بعلومه...... وراجع كتب الشيخ فانه اثبة مازاج كل شبهه باشبع بيان واتمه فعلى هذا لايمكن ان يوجد نقص وقصور فى ذاته سبحانه و تعالىٰ (فتح الملہم جلد ۱ ص ۱۶۳، ۱۶۴)

ہمارے شیخ کے شیخ قاسم العلوم والخیرات نور اللہ ضریحہ نے فرمایا ہے ان کی کتابوں کی طرف رجوع کیجئے کیونکہ انہوں نے اس مسئلہ ذات و صفات کو ثابت فرمایا ہے اور ہر ایک شبہ کو مکمل اور پورے طور پر بیان کیا ہے جس کے بعد ذات خداوندی میں کوئی نقص ہونا ممکن ہی نہیں۔

ذکر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا

محدث پاکباز کے شیخ الحدیث حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی عثمانی اسیر مالٹا اور سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ہیں۔ محدث پاکباز ان کے شاگرد خلیفہ مجاز اور رشتہ دار بھی

ہیں۔ ان تعلقات پر ان شاء اللہ پہلی جلد میں ہم روشنی ڈالیں گے۔ انہی کے ترجمہ قرآن کریم پر محدث پاکباز نے تفسیر لکھی ہے۔ جس کا پہلے ذکر ہوا ہے۔ حضرت عثمانی انہی کے متعلق اپنی فتح الملہم میں ان کا جابجا فخر کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ رویت ہلال کا ذکر کرتے کرتے لکھتے ہیں:۔

> واجاب شيخنا المحمود قدس الله روحه عن حديث الباب . ...وهذا الجواب قد كنت سمعته من الشيخ رحمه الله فى دروس الترمذى قبل ثلاثين سنة ثم الان لما تشرفت بمطالعة كتاب المغنى لابن قدامة الحنبلى رأيته قد قرر هذا التقرير لعينه فسررت به جداً وحمدت الله على وجدان ما وافق رأى شيخنا برد الله مضجعه (فتح الملہم جلد ۳ ص ۱۱۴)

اور ہمارے شیخ محمود نے اس حدیث باب کا جواب دیا ہے۔ اور یہ جواب میں نے شیخ رحمۃ اللہ سے تیس سال پہلے ترمذی کے سبقوں میں سنا تھا۔ پھر آج جبکہ مجھے ابن قدامہ حنبلی کی کتاب المغنی کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا تو میں نے دیکھا کہ بعینہ وہی تقریر (جو شیخ محمود نے کی تھی) اس میں موجود ہے تو مجھے بہت خوشی ہوئی اور اپنے شیخ کے وجدان کی موافقت پر اللہ کا شکریہ ادا کیا۔

ذکر حضرت شاہ انور صاحب سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

ایک جلیل القدر ہستی جو اپنے زمانہ کی امام تھی اور جن کا ذکر محدث پاکباز نے اپنی فتح الملہم میں جابجا کیا ہے۔ وہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب محدث دار العلوم دیوبند ہیں جو شیخ الہند کے شاگرد اور محدث پاکباز کے استاد بھائی ہیں۔ آپ اللہ کی آیات میں سے ایک آیت تھے۔ چنانچہ محدث پاکباز احادیث معراج کے ضمن میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

> قال العبد الضعيف عفا الله عنه سألت الشيخ العلامة التقى النقى الذى لم تر العيون مثله و لم يرهو مثل نفسه ولو كان فى سالف الزمان لكان له شان فى طبقة اهل العلم عظيم وهو سيدنا و مولانا الانور الكشميرى ثم الديوبندى اطال الله بقاء ه عن تفسير اوائل سورة النجم وتحقيق رؤية النبى صلى الله عليه وسلم ربه فقرر الشيخ تقريراً حسناً . (فتح الملہم جلد ا ص ۳۲۵)

عبد ضعیف (شبیر احمد عثمانی) کہتا ہے کہ میں نے شیخ علامہ تقی نقی کہ ان جیسا آنکھوں نے کوئی نہیں دیکھا اور انہوں نے بھی اپنا جیسا کوئی نہیں دیکھا اور اگر وہ پہلے زمانہ میں ہوتے تو ان کی شان اہل علم کے

طبقہ میں بڑی ہوتی اور وہ ہمارے سردار اور مولٰنا انور شاہ کشمیری دیوبندی اطال اللہ بقاءہ ہیں سے اوائل سورۂ نجم کی تفسیر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کو دیکھنے کے بارے میں عرض کیا تو آپ نے بہترین تقریر فرمائی۔

الحاصل محدث پاکباز نے اپنے اکابر کے اقوال اور تحقیقات پیش کر کے جو اپنے زمانہ کے رازی اور غزالی سے کسی صورت میں کم نہ تھے یہ ثابت کیا ہے کہ دنیائے اسلام کے علماء کے علاوہ دہلی اور دیوبند کے علماء بھی حافظ ابن حجر' ابن قیم' ابن تیمیہ' نووی' امام رازی اور امام غزالی رحمہم اللہ علیہم کی صف میں ہیں۔

مذکورہ تحقیق خشوع میں حاجی صاحب کی تحقیق ایسی ہے جو اس سے پہلے مسموع نہیں ہو سکی۔

وجدان اور ذوق سلیم

محدث پاکباز مسائل حدیث میں حنفیہ کی طرف سے محض جدل اور آفرینی کو اختیار نہیں فرماتے بلکہ ان کا مقصد ایسی تحقیقات کو پیش کرنا ہوتا ہے جو وجدان اور ذوق سلیم قبول کر سکے۔ وہ ہر علمی پہلو کو علمی معیار پر پرکھنے کی عادت رکھتے ہیں اور ایک روشن دل و دماغ کے مالک ہیں۔ ان کا دماغ معلومات اور نتائج پر پہنچنے کے لئے اتنا صاف ہے کہ عملی طور پر مشکل سے مشکل مسائل کے لئے وہ فیصلہ کن اور بولتا ہوا جواب پیش کرتے ہیں مثلاً امام کے پیچھے قرات کے سلسلہ میں انہوں نے جو ایک خالص فقہی اور محدثانہ تقریر فرمائی ہے قابل غور ہے لیکن جس مسلم کی حدیث کے ماتحت یہ عظیم الشان مشہور بحث پیش فرمائی ہے وہ حدیث یہ ہے۔

لاصلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب . اس شخص کی نماز نہیں ہے جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

یعنی جو شخص قیام نماز کی صورت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے گا اس کی نماز نہ ہوگی۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک جب تک ہر رکعت میں خواہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو یا اکیلا خواہ امام زور سے قراءت کرے یا آہستہ سورۂ فاتحہ کے بغیر ان کے یہاں نماز نہیں ہوتی لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ نماز میں جبکہ تنہا پڑھ رہا ہو واجب ہے اور مطلقاً قراءت قرآن فرض ہے اور فاتحہ واجب ہے فرض نہیں۔ لیکن امام کے پیچھے مقتدی کو خواہ نماز جہری ہو یا سری دونوں صورتوں میں قیام کی حالت میں کچھ نہیں پڑھنا چاہئے۔ امام شافعیؒ مذکورہ بالا حدیث کو پیش نظر رکھ کر فرماتے ہیں کہ نماز میں بہر صورت پڑھنی ضروری ہے چنانچہ محدث پاکباز نے اپنی تحقیق میں ظاہر فرماتے ہوئے لکھا ہے:۔

قال الشافعی و احمد لایجزیہ حتی یقرا بفاتحۃ الکتاب فی کل رکعۃ

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

اور ابن حزم نے محلی میں کہا ہے۔

وقرائة ام القران فرض فی کل رکعة من کل صلوة اماماً کان اوماموماً والفرض والتطوع سواء والرجال والنساء سواء (کذافی عمدۃ القاری)

اور ام قرآن (سورۂ فاتحہ) ہر نماز کی ہر رکعت میں فرض ہے خواہ امام ہو خواہ مقتدی اور فرض اور نفل دونوں میں ایک سا ہی حکم اور مرد اور عورتیں دونوں کے لئے ہے (جیسا کہ عمدۃ القاری میں ہے)

لیکن حنفیہ کے یہاں مطلق قرات قرآنی فرض ہے کیونکہ قرآن کریم کے حکم کے مطابق **فاقرؤا ماتیسر من القران** یعنی جو آسان ہو قرآن کریم میں سے وہ پڑھو۔ اس لئے احناف کے یہاں کم از کم تین آیات یا ایک آیت جو تین کے برابر ہو تیسر میں شامل ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن مذکورہ بالا حدیث کے بموجب چونکہ اس میں تاکید آئی ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ نے سورۂ فاتحہ کو واجب قرار دیا ہے لیکن سورۂ فاتحہ کا وجوب بھی اس صورت میں ہے جبکہ کوئی منفرد نماز پڑھ رہا ہو لیکن امام کے پیچھے کسی قسم کی قرات خواہ کوئی آیت ہو یا سورۂ فاتحہ امام اعظم کے یہاں جائز نہیں یعنی حالت قیام میں اس کی دلیل یہ ہے کہ **اذاقرئ القران فاستمعواله وانصتوا لعلکم ترحمون**. جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔

اب مسئلہ کی تحقیقی شقیں دو بن کر رہ جاتی ہیں۔

۱۔ کیا سورۂ فاتحہ نماز کا ضروری رکن ہے کہ جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

۲۔ کیا سورۂ فاتحہ مقتدی کے لئے بھی پڑھنا ضروری ہے یا نہیں جیسا کہ امام کے لئے واجب ہے۔ امام شافعیؒ کے یہاں سورۂ فاتحہ ہر حال میں ضروری ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کے یہاں سورۂ فاتحہ فرض نہیں واجب ہے مگر جبکہ امام نماز پڑھا رہا ہو تو مقتدی کو خموش رہنا چاہئے اور حالت قیام میں کچھ بھی نہیں پڑھنا چاہئے خواہ فاتحہ ہی کیوں نہ ہو ان کی دلیل علاوہ اس آیت کے کہ **فاستمعواله وانصتوا** یہ حدیث بھی ہے کہ **قراءة الامام قراءة له** یعنی امام کی قرات مقتدی کی قراءت ہے۔ یہی دلیل اس بات کی مقتضی ہے کہ سری نماز یعنی ظہر اور عصر جن میں قراءت آہستہ ہوتی ہے۔ اس میں بھی قراءت نہ کی جائے اس لئے کہ حضرت جابرؓ سے یہ مروی ہے انہوں نے کہا کہ آنحضورؐ نے فرمایا۔

من کان له امام فقراءة الامام له قراءة. وہ شخص جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

اس لئے ظہر اور عصر میں بھی مقتدی پر خموشی ضروری ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی سند سے بعض روایات میں ہے جیسا کہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور ایک شخص آپ کے پیچھے تھا تو ایک صحابی نے اس کو نماز میں قرأت سے منع فرمایا۔ جب وہ چلا

گیا تو یہ صحابی دوسرے صحابی کے پاس گیا اور کہا کہ آپ نے مجھے رسول پاک علیہ السلام کے پیچھے قرأت کرنے سے کیوں منع کیا۔ یہ واقعہ آنحضرتؐ سے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا **من صلی خلف امام فان قرأة الامام له قرأة** جو امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو امام کی قرات اس کی قرات ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ظہر یا عصر کی نماز کا ہے جس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے۔ لہذا امام اعظم نے فرمایا کہ نماز خواہ خموشی والی ہو یعنی ظہر و عصر اور یا جہری ہو یعنی مغرب عشا اور صبح کی بہر حال مقتدی کے لئے قرات امام کافی ہے۔ محدث پاکباز اس روایت امام اعظم پر کہ وہ ظہر یا عصر کی نماز تھی تبصرہ فرماتے ہوئے ایک نکتہ کی بات لکھتے ہیں:۔

قلت مدلول الحدیث الصریح وحدة قراء ة الامام والماموم لاالکفایة والاجزاء فقد اعتبرالشارع المامومین قارئین بقراء ة الامام فواجب القراء ة کما یتادی من الامام بقراء ته کذالک یتادی عن المامومین فحینئذلوقرأالماموم لکان له قراء تان فی صلوة واحدة وهو غیر مشروع.

میں (محدث پاکباز) کہتا ہوں حدیث کا مطلب صاف امام اور مقتدی کی قرأت کا ایک ہونا ہے کیونکہ شارح علیہ السلام نے امام کی قرات کو مقتدیوں کی قرات قرار دیا ہے۔ پس جس طرح قرأت کا وجوب امام سے ادا ہوتا ہے اسی طرح مقتدیوں سے ادا ہو جاتا ہے اس وقت مقتدی قرات کرے گا تو ایک نماز میں اس کی دو قرأتیں ہو جائیں گی حالانکہ یہ شریعت کا حکم نہیں ہے۔ (فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۲)

محدث پاکباز نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ جب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کی قرأت میں شرکت ہے اور امام کی قرأت مقتدی کی قرات ہے جیسا کہ حدیث میں صاف طور پر موجود ہے۔ جب ایسا ہے تو اگر مقتدی بھی امام کے پیچھے قرات کرتا ہے تو اب مقتدی کی ایک نماز میں دو قرائتیں ہو جاتی ہیں ایک تو امام کی قرات اس کی قرات ہوئی اور دوسری خود اس کی اپنی قرأت لہذا ایک ہی نماز میں مقتدی کی دو قرائتیں شریعت کے حکم کے خلاف ہیں۔

آگے چل کر امام عثمانی لکھتے ہیں:۔

وتامل فی شأن جماعة وفد واعلی ملک و کان مطلوبهم و غرضهم واحداً فشرع قائد هم فی التکلم مع الملک فی ذالک الغرض فشرع کل واحد واحد منهم یتکلم معه فی ان واحد فقیل

من قبل الملک ان قائدکم یکفیکم و خطابه خطابکم و کلامه کلامکم الیس هذا عنداولی النهی نهیا عن تکلم الجمیع وامراً بالا کتفاء بخطاب القائد و نیابته عنهم هذاامرواضح لاشک فیه فهکذا قوله صلی الله علیه وسلم من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة انما سیق فی مقام یبتغی فیه انکفاف القوم عن القراء ة واکتفاء هم لقراء ة امامهم لا مجرد اسقاط القراءة عن المقتدی وجعله مخیراً فیها فعلا وترکا والله و سبحانه تعالی اعلم.

اوراس جماعت (یا وفد) کی حالت پر غور کرو جو کسی بادشاہ کے پاس آیا اوران کا مطلب اور غرض ایک ہو چنانچہ ان کے لیڈر نے اس معاملہ میں بادشاہ سے گفتگو شروع کی اورادھر ہر ایک نے ایک ہی وقت میں اس سے کلام کرنا شروع کر دیا ایسی حالت میں بادشاہ کی طرف سے کہا جائے کہ تمہارا لیڈر تمہارے لئے کافی ہے اوراس کی گفتگو تمہاری گفتگو اوراس کا کلام تمہارا کلام ہے تو کیا اس کہنے کے بعد اور باقی تمام کو گفتگو کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور کیا صرف لیڈر کے تخاطب اوران کی طرف سے نیابت کے لئے کافی ہونے پر یہ حکم نہیں ہے۔ تو یہ بات واضح ہے اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”جس کا امام ہو تو امام کی قرات اس کی قرات ہے“۔ تو یہ کلام اسی طور پہ اختیار کیا گیا ہے کہ قوم کی طرف سے امام کی قرات کافی ہے البتہ محض مقتدی سے قرات کا ساقط کرنا اور کرنے یا نہ کرنے پر اختیار دینا محض مقصود نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ (فتح الملہم جلد ص ۱۳)

مذکورہ عبارت میں محدث عثمانی نے یہ واضح کیا ہے کہ قوم کے نمائندہ فرد کی گفتگو جبکہ ان کا وفد کسی حاکم سے فریاد و احتجاج کا ایک ہی متحد مقصد لے کر آیا ہو تمام کی گفتگو ہوتی ہے لیکن عقل سلیم یہ ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ قوم کا ہر ایک فرد حاکم کے سامنے لب کشائی کرنے لگے۔ ایسا کرنا ایک شور و غوغا کا میدان گرم کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح امام کی قرات کا معاملہ ہے امام بارگاہ خداوندی میں مقتدیوں کا وکیل بن کر پیش ہوا ہے اس لئے امام کی قرات مقتدیوں کی قرات ہو گی۔ اس لئے قراۃ الامام قراۃ له فرمایا گیا ہے محدث عثمانی نے یہاں یہ نکتہ پیش کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خوب فرمایا کہ اگر مقتدی بھی قرآت کرنے لگے گا تو اس صورت میں ایک قرات کی بجائے دو قراتیں ہو جائیں گی جو حدیث کے خلاف ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جہری نماز میں استمعوا وانصتوا کو تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن سری

نماز میں فاتحہ یا قرات خلف الامامؑ کی ممانعت کیوں۔ اس کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے۔ اب حدیثی نقطہ نگاہ سے محدث پاکباز لکھتے ہیں۔

> والغرض هنا ان الانصات في القرآن وان سلم اختصاصه بجهر القرائة لكن الانصات في حديثي ابي موسىٰ و ابي هريرة لايلزم ان يكون مقصود اعلى الجهر' وحديث واذاقرأفانصتوا من مسند ابي موسىٰ قد صححه احمد بن حنبل كما في لتمهيد لابن عبدالبروصاحبه ابوبكر ابن اثرم ثم مسلم ثم النسائي من حيث اخراجه اياه في مجتباه ثم ابن جرير في تفسيره ثم ابوعمر و بن حزم الاندلسي ثم ذكي الدين المنذريؒ ثم ابن تيميه و ابن كثير في تفسيره ثم الحافظ ابن حجر العسقلاني في الفتح وقد اخرجه مسلم في صحيحه عن ابي موسىٰ من طريق سلهمان التيمي ......الخ (فتح الملہم جلد نمبر ۲ ص ۲۲)

اور یہاں غرض یہ ہے کہ انصات قرآن کریم میں اگرچہ اس کی خصوصیت قرات جہری کے ساتھ تسلیم کی گئی ہے لیکن ابوموسیٰ اور ابوہریرہ دونوں کی حدیثوں میں جہری نماز ہی پر صرف موقوف ہونا لازم نہیں ہے اور ابوموسیٰ کے مسند کی حدیث یعنی "اذا قرأ فانصتوا" اس کی تصحیح احمد بن حنبل نے کی ہے جیسا کہ ابن عبدالبر اور ان کے صاحب ابوبکر بن اثرم کی تمہید میں ہے پھر مسلم نے پھر نسائی نے اپنے مجتبا میں اس کی تخریج کی ہے پھر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں پھر ابوعمرو بن حزم اندلسی نے پھر زکی الدین منذری نے پھر ابن تیمیہ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور مسلم نے بھی اپنی صحیح میں ابوموسیٰ سے سلیمان تیمی کے طریق سے تصحیح کی ہے۔

محدث پاکباز نے ابوموسیٰ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کو مذکورہ بالا کتنے ایک محدثین اور مفسرین کی تائیدات اور طرق سے صحیح ثابت کیا ہے۔ جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے اور یہ کہ جب امام کے ہاتھ میں مقتدیوں کی قیادت ہو تو پھر مقتدیوں کو خموشی اختیار کرنی چاہیئے۔

محدث عثمانی کی تحقیقات عجیبہ میں سے فقہی اور محدثانہ نقطہ نگاہ سے چیدہ چیدہ انتخابات پیش کئے ہیں۔ مزید تحقیقات کو فتح الملہم کی دوسری جلد میں ص ۱۹ پر ملاحظہ فرمایئے جو کئی صفحوں تک پھیلی ہوئی ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

راقم الحروف اس بحث کو یہیں ختم کرتا ہے اور تحقیق کی روشنی میں یہ حقیقت واضح کرنا چاہتا ہے کہ حدیثی معیار سے محدث پاکباز نے قرات اور فاتحہ خلف الامام کی جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ اپنی جگہ بے پناہ ہیں اور یہ کہ مذہب امام اعظم کی تائید میں جس رنگ میں انہوں نے بحث کی ہے وہ نہایت شگفتہ افراط و تفریط سے بلند اور عقل سلیم کو اپیل کرتی ہے اور منقولات کے ساتھ معقولات کی موافقت نور علی نور ہے۔ یہاں یہ بھی ظاہر کردوں کہ فتح الملہم میں محدث پاکباز حنفیہ اور دوسرے مذاہب کے دلائل کی پوری تنقیح کرتے ہیں اور پوری فراخ دلی سے ہر مذہب کے ادلہ اور وجوہ ترجیح بیان فرماتے ہیں۔

کتابوں کے حوالے

محدث پاکباز نے جن اہم مسائل میں بنظر اختصار تفصیلات کو ترک کیا ہے۔ وہاں ان مسائل کی تحقیقات کے حوالے دیئے ہیں تاکہ طالب کو بسہولت وہاں مزید تحقیقات کے لئے ان کتابوں کی ورق گردانی آسان ہو جائے مثلاً فاتحہ خلف الامام اور قرات خلف الامام کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی کتاب الدلیل المحکم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> وهذه الدقيقة التي نبه عليها الشيخ (الاكبر) رحمه الله في تحقيق منصب الامام ووظيفة الماموم قد فصله وحرره شيخ شيخنا قاسم العلوم والخيرات في رسالته الهنديه المسماة بالدليل المحكم اتم تحرير وتفصيل فعليك بمراجعتها (فتح الملهم جلد نمبر ۲ ص ۲۲۰

اور یہ دقیقہ جس پر شیخ اکبر رحمہ اللہ نے منصب امام اور فریضہ مقتدی کی تحقیق میں تنبیہ کی ہے اس کو تفصیل سے ہمارے استاذ کے استاذ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنے اردو کے رسالے الدلیل المحکم میں نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے لہذا اس کا مطالعہ کیجئے۔

اس طرح متعدد مقامات پر محدث پاکباز نے کتابوں کے حوالے دیئے ہیں جس سے آپ کی وسعت معلومات، عبور تحقیقات اور کثرت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ محدث علام کی تفسیر اور فتح الملہم میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہ، حدیث اور تفسیر نیز کلام وغیرہ کی کوئی کتاب خواہ احناف کی ہو یا غیر احناف کی محدث مرحوم کے مطالعہ سے بچ کر نہیں گئیں۔ فالحمد للہ علی عبارۃ حلمہ وفضلہ

حدیث کا ماخذ قرآن سے

محدث پاکباز نے حتی الامکان یہ کوشش فرمائی ہے کہ حدیث کا ماخذ قرآن میں دکھلائیں

چنانچہ جابجا کسی حدیث کے مضمون کے ساتھ ساتھ قرآن میں دکھلائیں چنانچہ جابجا کسی حدیث کے مضمون کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی آیت کو پیش فرمایا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اس حدیث کا اصل منبع قرآن کریم کی فلاں آیت ہے مثلاً حسب ذیل حدیث کو پڑھئے جو مسلم میں ہے۔

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلى ثم جاء فسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد رسول الله صلى الله عليه وسلم السلام قال ارجع فصل فانک لم تصل فرجع الرجل فصلى كما كان صلى ثم جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فسلم عليه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليک السلام قال ارجع فصل فانک لم تصل حتى فعل ذلک ثلاث مرات فقال الرجل والذی بعثک بالحق ما احسن غير هذا علمنی قال اذا قمت الى الصلوة فكبر ثم اقرأ ما تيسر معک من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعا ثم ارفع حتى تعتدل قائما ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم ارفع حتى تطمئن جالسا ثم افعل ذلک فی صلوتک كلها (فتح الملہم جلد نمبر ۲ ص ۲۲۶،۲۲۳،۲۲۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے پھر ایک اور آدمی بھی آیا اور نماز پڑھی بعد ازاں آنحضورؐ کے پاس آیا اور سلام کیا آپ نے اس کے سلام کا جواب عنایت فرمایا اور فرمایا جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی وہ لوٹا اور پھر نماز پڑھی جیسا کہ پہلی دفعہ نماز پڑھی تھی (یعنی جلدی) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور سلام کیا آپ نے جواب دیا اور فرمایا وعلیک السلام پھر فرمایا لوٹ جاؤ اور نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ تین مرتبہ ایسا ہی کیا۔ اس شخص نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ نے فرمایا جب تو کھڑا ہو نماز کے لئے تو تکبیر پڑھ پھر قرآن جو تجھے آسان ہو پڑھ پھر رکوع اطمینان سے کر پھر کھڑا ہو کر سیدھا کھڑا ہو جائے پھر اطمینان سے سجدہ کر پھر اٹھ یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ چنانچہ تمام نماز اسی اطمینان کے ساتھ پڑھ۔ (فتح الملہم جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۳۲،۳۳۳)

اس حدیث سے نماز کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے اور اطمینان کے ساتھ ہر رکن کو ادا کرنے کا حکم ملتا ہے

۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تین مرتبہ اس شخص کو نماز لوٹانے کا حکم دیا اور نماز کے ارکان یعنی رکوع و سجود وغیرہ کو اطمینان اور تعدیل کے ساتھ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ دیکھنا یہ ہے کہ نماز ایک ذکر ہے اور اس کا منشاء حصول اطمینان ہے لیکن جلدی کی نماز میں یقیناً اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے نماز کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ محدث پاکباز نماز کو اطمینان سے پڑھنے اور قول رسالت مآب کا ماخذ تلاش کرنے میں کہاں پہنچے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

والذى يظهر لهذا العبد الضعيف والله اعلم ان ادنى مايطلق عليه تعديل الاركان والطمانينة فيها فرض لازم كما قال ابو يوسف والشافعى و غيرهما فان الله سبحانه و تعالىٰ ماامرنا بمحض اداء الصلوٰة بل امرنا باقامتها فى مواضع من كتابه اى بادائها بحفظ اوقاتها و حدودها و رعاية حقوقها و شروطها و تعديل اركانها فمن صلى ولم يعدل اركانها ولم يطمئن فيها فليس هو عندى ممن اقام الصلوٰة وقد اشارسبحانه و تعالىٰ فى بيان صلوٰة الخوف من كتابه الى ان اقامة الصلوٰة انما تتحقق وقت وجود الطمانينة فان القوم لما وقع منهم الاياب والذهاب وابيحت لهم الافعال التى نهواعنها فى الصلوٰة و فقدوا الا من والطمانينة فصلوتهم فى هذه الحالة و ان اعتدبها الشرع ضرورة الا ان القران لم يطلق عليها لفظ الاقامة فى حقهم بل قال "ولتات طائفة "اخرىٰ لم يصلوا فليصلوا معك ولهذا امرهم بالذكر عقيب صلوٰة الخوف فى كل الاحوال تلافيالما فاتهم من تحسين الصلوٰة والطمانينة فيها الا بذكر الله تطمئن القلوب لم قال تعالىٰ فاذااطمانتم (اى حصلت لكم الطمانينة وزال القلق والانزعاج) فاقيمواالصلوٰة اى اتموها وادواحقوقها وعدلوا اركانها كما يفهم من مراجعة روح المعانى و ابن كثير وغيرهما فدل على ان اقامة الصلوٰة لاتتحصل الاوقت وجودالطمانينة المرادة ههنا هى التى تحصل من احوال واسباب خارجة فماظنك بالطمانينة المطلوبة فى نفس اركان الصلوٰة وادائها.

اور اس عبد ضعیف (محدث پاکباز) پر واللہ اعلم جو ظاہر ہوئی ہے یہ ہے کہ کم از کم جس کا نام تعدیل ارکان اور اطمینان ہے نماز میں فرض اور ضروری ہے جیسا کہ امام ابو یوسف اور شافعی نے کہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں محض ادائے نماز کا ہی حکم نہیں دیا ہے بلکہ اپنی کتاب میں متعدد جگہ اقامت نماز یعنی ان کے اوقات ان کے حدود اور رعایت حقوق و شروط اور ٹھہر ٹھہر کر ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ اس لئے جو شخص نماز پڑھتا ہے اور تعدیل ارکان نہیں کرتا اور نمازوں میں اس کو اطمینان نہیں۔ تو میرے نزدیک اس نے نماز قائم نہیں کی۔ چنانچہ سبحانہ تعالیٰ نے صلوۃ خوف کے بیان میں قرآن کریم میں اشارہ کیا ہے کہ اقامت صلوٰۃ طمانیت قلب کے وقت ہی عمل میں آتی ہے کیونکہ جبکہ ان کو آنا اور جانا جنگ میں ہوتا ہے اور ان کے لئے وہ عمل بھی جائز ہے جو نماز میں ممنوع ہے اور امن اور اطمینان ان سے مفقود ہو جاتا ہے تو اس حالت میں ان کی نماز اگرچہ ضرور تاً شرع میں شمار ہوتی ہے لیکن قرآن نے اس پر اقامت کا لفظ نہیں بولا ہے بلکہ فرمایا ہے اور چاہئے کہ دوسرا گروہ آئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے"۔ چنانچہ نماز خوف کے بعد ہر حال میں ان کو ذکر کا حکم دیا ہے تا کہ مافات کی تلافی ہو سکے کہ نماز میں اطمینان اور عمدگی ان سے جاتی رہی ہے کیونکہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "پس جب تمہیں اطمینان نصیب ہو (یعنی اطمینان حاصل ہو جائے اور قلق دور ہو جائے تو نماز قائم کرو یعنی مکمل طور پر پڑھا کرو اور اس کے حقوق اور تعدیل ارکان کو ادا کرو جیسا کہ روح المعانی اور ابن کثیر وغیرہما کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اقامت صلوٰۃ صرف اطمینان قلبی کے وقت ہی وجود میں آتی ہے جو یہاں مراد ہے جو اسباب خارجہ اور احوال سے حاصل ہوتی ہے پھر اس اطمینان کا جو ارکان نماز میں اور ادائیگی نماز میں مطلوب ہے کیا پوچھنا ہے۔ (فتح الملہم جلد نمبر ۲ ص ۳۳)

مذکورہ عبارت میں محدث پاکباز نے جس اجتہادی قوت کا اظہار فرمایا ہے اس کا خلاصہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ آیا تعدیل ارکان نماز میں فرض ہے یا واجب۔ آپ نے امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نماز درحقیقت ہر رکن کو اپنی جگہ سکون کے ساتھ ادا کرنے اور اطمینان کے ساتھ پڑھنے کا نام ہے کیونکہ ذکر الٰہی دراصل طمانیت کا ہی دوسرا نام ہے اور اس حدیث کا ماخذ محدث پاکباز نے کس دقت مزاجی اور لطافت علمی سے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** کی آیت کو بتایا ہے جیسا کہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ نماز جس کو جلد پڑھ کر ختم کر دیا جائے اور اس سے اطمینان،

مسرت و دلجمعی حاصل نہ ہو نماز کہلانے کی مستحق نہیں ہوسکتی۔ اس لئے تعدیل ارکان نماز میں ضروری ہے اس وجہ سے آنحضورؐ نے تین مرتبہ مسجد میں آنے والے سے نماز لوٹوائی اور پھر خود تلقین فرمائی۔ محدث پاکباز نے صلوٰۃ خوف کے سلسلہ میں اطمینان قلب کے فقدان اور مکافات اطمینان کے لئے ذکر اللہ سے قرآن کریم میں اشارہ کا جو ذکر فرمایا ہے اور بعد ازاں فاذا اطمانتنم فاقیموا الصلوٰۃ یعنی طمانیت کے بعد نماز کے قیام سے جو حقیقت واضح فرمائی ہے وہ محدث پاکباز کی انتہائی نکتہ دانی کا ثبوت ہے۔ بہرحال میرا مقصد اس حدیث کو پیش کرکے اس کے ماخذ قرآن کا تجزیہ کرنا تھا اور بتانا تھا کہ محدث علام کی نظریں کس طرح سے حدیث و قرآن پر ایک ساتھ پڑتی ہیں اور کس طرح دونوں میں موافقت پیدا کرتی چلی جاتی ہیں۔

جدید شبہات کا ازالہ

محدث پاکباز کی تفسیری اور حدیثی صفات میں سے ایک بڑی ممتاز اور خصوصی شان یہ ہے کہ موجودہ الحاد اور زندقہ کے زمانہ میں غلط اندیش عقلوں نے جن شبہات میں پڑکر ٹھوکریں کھائی ہیں ان کا ازالہ اس خوبصورتی اور واقعیت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اپنے عہد میں ان جیسا محقق ڈھونڈے سے بھی ملنا مشکل ہے۔ مثلاً یہ شبہ آج کل قادیانیت کی زبان پر عام طور سے مشہور ہے کہ اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ ال محمد کما صلیت علی ابراھیم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ کی دعا ہے اور صلوٰۃ کے معنی رحمت لے کر قادیانی رحمت کاملہ یعنی نبوت مراد لیتے ہیں ان کی گمراہی کا مختصر مطلب یہ ہے کہ اللہ جس طرح تو نے آل ابراہیم علیہ السلام اور خود ان پر نبوت کو نازل فرمایا اس طرح محمد صلی اللہ علیہ اور ان کی آل کو نبوت عطا فرما۔ علاوہ ازیں دوسرا شبہ زبانوں پر یہ بھی آتا رہا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام پر ایسا ہی درود بھیجئے جیسا کہ ابراہیم علیہم السلام پر بھیجا تھا۔ گویا کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا درود مشبہ ہے اور مشبہ بہ مشبہ سے افضل ہوتا ہے اس لئے یہاں ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کا درود میں اشارہ ملتا ہے اب محدث پاکباز اسی درود کے جملے کما صلیت علیٰ ابراھیم کی شفا بخش تحقیق فتح الملہم میں فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> التشبیه انما هو لاصل الصلوٰة باصل الصلوٰة لا القدر بالقدر فهو کقوله تعالیٰ انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح و قوله کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم و هو کقول القائل احسن الی ولدک کما احسنت الی فلان و یرید بذالک اصل الاحسان لا قدره ومنه قوله

تعالیٰ و احسن کما احسن اللہ الیک (فتح الملہم جلد نمبر ۲ ص ۲۰۹)

یہاں تشبیہ اصل درود کی اصل درود سے ہے نہ کہ مقدار کی تشبیہ مقدار سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "ہم نے اے نبی آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسا کہ نوح کی طرف بھیجی"۔ اور اللہ کے اس قول میں "تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے"۔ جیسا کہ تم سے پہلوں پر فرض کیے گئے اور وہ اسی طرح کہنے والے کے اس قول کی طرح ہے کہ "تو اپنے بیٹے کے ساتھ اسی طرح احسان کر جیسا کہ فلاں کے ساتھ تو نے کیا"۔ اور اس سے اصل احسان مراد ہے نہ کہ مقدار احسان اور اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ کا قول "اور تو احسان کر جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا۔

محدث پاکباز نے اپنی تحقیق میں یہ بتایا ہے کہ **کما صلیت علیٰ ابراھیم** میں محض اسی طرح کی صلوٰۃ مقصود ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی اور جس طرح **انا او حینا الیک کما او حینا** میں کما کے لفظ میں اصل وحی میں تشبیہ ہے اور اسی طرح جیسا کہ **احسن کما احسن اللہ الیک** میں محض اصل احسان کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے بعد دوسری وجہ اور بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> **(۲) و منھا بدفع المقدمۃ المذکورۃ و ھی ان المشبہ بہ یکون ارفع من المشبہ و ان ذالک لیس مطردابل قدیکون التشبیہ بالمثل بل وبالدون کما فی قولہ تعالیٰ مثل نورہ کمشکوۃ و این یقع نورالمشکوۃ من نورہ تعالیٰ ولکن لما کان المراد من المشبہ بہ ان یکون شیئا ظاھراواضحاللسامع حسن تشبیہ النور بالمشکوۃ وکذاھنا۔** فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷

اور مقدمہ مذکورہ کے دعوے کے باطل ہونے میں یہ دلیل بھی ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے ہر جگہ افضل نہیں ہوتا اور یہ عام حکم نہیں ہے بلکہ کبھی تشبیہ مثل کے ساتھ بلکہ اس سے کم درجہ کے ساتھ بھی ہوتی ہے جیسا کہ اللہ کے قول "اس کے نور کی مثال مشکوٰۃ کی مانند ہے"۔ حالانکہ اللہ کے نور کے مقابلہ میں مشکوٰۃ کا نور کہاں لیکن چونکہ مشبہ بہ سے مراد کسی چیز کا سامع کے لئے عیاں اور واضح ہونا ہے اس واسطے نور کی تشبیہ مشکوٰۃ کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ اس طرح **کما صلیت علیٰ ابراھیم** میں ہے۔

محدث پاکباز نے اپنی اس تحقیق میں اس امر کو واضح کر دیا کہ ہمیشہ مشبہ بہ کا مشبہ سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ مثل نورہ کمشکوٰۃ میں اللہ کا نور مشبہ اور مشکوٰۃ (قندیل) مشبہ بہ ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے نور سے قندیل کو کیا نسبت' اسی طرح **کماصلیت علی 'ابراھیم**

میں درود ابراہیمی جو مشبہ بہ ہے درود محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے جو مشبہ ہے۔ افضل نہیں ہے بلکہ محض نور مشکوٰۃ کی وضاحت اور ظہور سے تشبیہ دے کر اللہ کے نور کو واضح اور ظاہر کرتا ہے اس لئے یہاں وجہ شبہ محض ظہور اور وضوح ہے۔ آگے چل کر محدث پاکباز اپنے خصوصی انداز میں اس حقیقت کو حسب ذیل اس طرح پیش کرتے ہیں:۔

قلت اذاكان شيء تحته انواع اواصناف وابتغى منها بعضها فاحذفردامن افرادذالک البعض حقيراً او جليلا و نقول يتغي مثل هذااذاشئناان نشترى نوعاً خاصا من الثياب فعرض انموذجا وهى ربما تكون خرقة قصيرة و نقول هات طاقة كهذاالثوب فليس المراد تشبيه طاقة من الثياب بتلک الخرقة فى القدروالقيمة بل المقصود تعيين نوع من انواع الثياب باخصرطريق واوضحه فان العبارات مع طولها لعلها لاتكاد تضبط جميع اوصاف الثوب المطلوب فهٰكذاينبغى ان يفهم ان للصلوٰة والبركة مفهوماً شاملا لانواع من الثناء والرحمة واقسام من الحنو والبركة قال تعالىٰ فى حق كافة الصابرين "اولٰئک عليهم صلوٰت من ربهم ورحمة " و خاطب المومنين لقوله هوالذى يصلى عليكم الايه وقال فى نبيه صلى الله عليه وسلم ان الله وملائكته يصلون على النبى وقال فى قصة نوح اهبط بسلام منا و بركات عليک و علىٰ امم ممن معک و قال فى ابراهيم "وباركنا عليه و علىٰ اسحاق" و قال فى عيسىٰ حكاية عنه "وجعلنى مباركا اين ماكنت" و قال لامراة ابراهيم على لسان الملائكة "رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت انه حميد مجيد والمطلوب هنا نوع من الصلوٰة والبركة خاص افيض من الله سبحانه و تعالىٰ علىٰ ابراهيم الخليل واٰله صلى الله عليه وسلم فالتشبيه طريق ذكر الانموزج للصلوٰة والبركة اللتين التمسهما فى حق محمد صلى الله عليه وسلم واٰله وهٰذايدل على افضلية المشبه به فى الكم اوالكيف من المشبه والله اعلم. (فتح الملہم جلد نمبر ۳ ص ۲۷، ۲۸)

میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی چیز اس کے ماتحت کئی قسمیں اور صنفیں ہوں اور ان میں سے بعض کی طلب ہو تو اس بعض کے افراد میں سے ایک کو لے لیتے ہیں۔ خواہ وہ معمولی ہو یا غیر معمولی اور ہم کہیں گے کہ ہمیں اس جیسی درکار ہے۔ مثلاً اگر کوئی خاص قسم کا کپڑا خریدیں تو اس کا نمونہ پیش کرتے ہیں اور وہ نمونہ بسا اوقات ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے اور ہم اس جیسے ٹکڑے کا تھان دکاندار سے طلب کرتے ہیں تو اس کا مقصد اس تھان کو اس ٹکڑے سے قدر و قیمت میں تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصد کپڑوں کی اقسام میں سے بہت مختصر اور واضح طریقہ پر کسی خاص قسم کو متعین کرنا ہے کیونکہ اغلباً طویل عبارتیں بھی مطلوبہ کپڑے کے تمام اوصاف کو متعین کرنے میں کامیاب نہیں ہوتیں۔ اسی طرح یہ سمجھنا زیادہ شایاں ہے کہ صلوٰۃ و برکت کا ایک ایسا مفہوم ہے جو ہر قسم کی ثنا اور رحمت اور ہر قسم کی سعادت اور برکت کو شامل ہے اللہ تعالیٰ نے تمام صابرین کے بارے میں فرمایا ہے "وہی لوگ ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے برکتیں اور رحمتیں ہیں اور مومنین کو اپنے اس قول سے مخاطب کیا ہے۔ "وہ اللہ ہے جو کہ تم پر رحمتیں بھیجتا ہے اور اپنے نبی کے بارے میں فرمایا "اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں" اور نوح علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا "اے نوح اتر ہماری طرف سے سلامتی اور اپنے اوپر اور ان لوگوں پر برکتوں کے ساتھ جو تیرے ساتھ ہیں"۔ اور ابراہیم کے بارے میں فرمایا "اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر برکت نازل کی اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انہی کی زبانی فرمایا "اور مجھ کو بابرکت بنایا اللہ نے جہاں کہیں بھی میں ہوں"۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سے فرشتوں کی زبانی فرمایا "اے اہل بیت اللہ کی رحمتیں اور برکتیں تم پر نازل ہوں بے شک وہ قابل تعریف اور بزرگی والا ہے" تو اس جگہ **کما صلیت علیٰ ابراھیم** میں بھی ایک رحمت و برکت کی نوع مقصود ہے خصوصاً وہ رحمت جو اللہ پاک کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فیضان کی گئی ہے۔ تو تشبیہ یہاں بھی نمونہ کے ذکر کے طور پر صلوٰۃ اور برکت کے لئے ہے جسکو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چاہتے ہیں اور یہ مشبہ سے مشبہ بہ کی مقدار اور کیفیت میں فضیلت پر دلالت نہیں کرتی۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

محدث پاکباز نے اپنے مذکورہ قول میں **کما صلیت علیٰ ابراھیم**" سے تشبیہ کے سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ شفا بخش طور پر بال کی کھال نکال کر رکھ دی ہے اور یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ ہر مسئلہ میں تحقیق کو اس مقام تک پہنچا کر چھوڑتے ہیں کہ تشنۂ علم کو کسی اور دریا پر پیاس بجھانے کے لئے جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جیسے درود ہی کی خصوصیت کیوں کی گئی کسی اور

نبی سے بھی صلوۃ میں تشبیہ دی جا سکتی تھی۔ محدث پاکباز کا ذہن اس دغدغہ سے بھی خالی اور بے فکر نہیں چنانچہ آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

وخص ابراهیم بالتشبیه دون غیره لمناسبة و مشابهة خاصة بینه و بین نبینا صلی الله علیه وسلم فان اولی الناس بابراهیم للذین اتبعوه وهذا النبی والذین امنوا والله ولی المومنین".

اور صرف ابراہیم علیہ السلام سے ہی تشبیہ میں خاص کرنے کی وجہ وہ مناسبت اور مشابہت ہے جو خصوصی طور پر آنحضور علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام میں موجود ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ قریب لوگوں میں وہ لوگ ہیں جو ان کے تابع ہیں اور یہ نبی ہے اور مومن ہیں اور اللہ مومنین کا ولی ہے۔

رہا قادیانیوں کا یہ کہنا کہ صلوٰۃ سے مراد رحمت کاملہ ہے اور رحمت کاملہ نبوت سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے لہذا جب درود میں آل محمدؐ پر صلوٰۃ بھیجی جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ نبوت کا سلسلہ ان میں جاری رہنا چاہئے۔ مگر یہ وسوسہ وسوسے سے کم نہیں کیونکہ آنحضور علیہ السلام بھی نماز میں یہ درود پڑھتے تھے اور آپ اس وقت یقیناً نبی تھے تو اگر صلوٰۃ سے مراد نبوت ہو تو آنحضور نبی ہوتے ہوئے بھی اپنے لئے دعا فرماتے رہے کہ اے اللہ محمد کو اور اس کی آل کو نبوت سے سرفراز فرما اور یہ تحصیل حاصل اور لغو ہے۔

اس بحث سے غرض یہ تھی کہ جدید قسم کے شبہات کا ازالہ کرنا محدث پاکباز کی خصوصی اور امتیازی شان ہے چنانچہ اس قسم کی احادیث جن میں فلسفہ کو عقلی طور پر انگلی اٹھانے کا موقع ملتا ہے اس شبہ کے محققانہ ازالہ میں محدث پاکباز ہمیشہ کامیاب نظر آتے ہیں۔

تحقیق الفاظ

جب تک کسی لفظ کی اصلی حقیقت اور معنی کی صحیح پوزیشن واضح نہ ہو اس وقت تک قرآن کریم ہو یا حدیث یا کوئی اور مضمون اس کا واقعی مطلب سمجھ میں آنا ناممکن ہے چنانچہ محدث پاکباز اپنی شرح میں ایسے الفاظ کی پوری وضاحت پیش فرماتے ہیں۔ مثلاً حسب ذیل حدیث کو ملاحظہ فرمایئے۔

عن عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم ان ام حبیبة بنت جحش ختنه رسول الله صلی الله علیه وسلم وتحت عبدالرحمن بن عوف استحیضت سبع سنین فاستفتت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی

ذالک فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان هذه لیست بالحیضة ولکن هذاعرق فاغتسلی و صلی ...... الخ (فتح الملہم جلد نمبر ۱ ص ۴۷۹)

عائشہؓ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ام حبیبہ بنت جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی سات سال تک استحاضہ میں مبتلا رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے اس مسئلہ کے متعلق فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے لیکن یہ رگ (کا خون) ہے لہذا غسل کرا ور نماز پڑھتی رہو۔

اس حدیث میں ختنہ کے لفظ کی تحقیق قاری کے لئے اشد ضروری ہے لہذا محدث پاکباز کو قاری کی اس ضرورت کا پورا احساس ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"ختنه رسول الله بفتح الخاء والتاء المثناة من فوق ومعناه قرابة زوج النبی صلی الله علیه وسلم قال اهل اللغة الاختان جمع ختن وهم اقارب زوجة الرجل والاحماء اقارب زوج المرأة والاصهاریعم الجمیع (فتح الملہم جلد نمبر ۱ ص ۴۷۹)

(ختنہ) رسول اللہ خ کے زبر اور دو اوپر نقطوں والی ت کے ساتھ اس کے معنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کے رشتہ داروں کے ہیں۔ اہل لغت نے کہا ہے کہ اختان ختن کی جمع ہے اور وہ مرد کی بیوی کے اقارب کہلاتے ہیں اور احماء عورت کے خاوند کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور اصہار سب کو شامل ہے۔ دیکھئے ختنہ کی کتنی جامع اور موافق ضرورت تحقیق کی ہے۔

اشتقاق لفظ

علامہ محدث کسی لفظ کے اشتقاق کے سلسلے میں بھی پر مغز بحث کرتے ہیں اور صحیح و سقیم اور غلط و صحیح کا امتیاز پورے طور پر کرتے ہیں۔

قال صاحب اکمال اکمال المعلم الصلوة عرفا قیل هی مشتقة من الصلوة بمعنی الدعاء و قیل من الصلوة بمعنی الرحمة و قیل من الصلة لانها صلة بین العبد و ربه و قیل من صلیت العود علی النار اذا قومته لانها تقوم العبد علی الطاعة کما قال تعالیٰ ان الصلوة تنهیٰ عن الفحشاء والمنکر الآیه وقیل من المصلی لان المصلی قال و تابع فعل النبی صلی الله علیه وسلم۔ و قیل من الصلوین

وهما عرقان في الردف و قيل عظمان ينحنيان في الركوع والسجود و قيل اصلها الاقبال على الشيء ۔ وقيل معناها اللزوم۔ (فتح الملہم جلد نمبر ص۱)

صاحب اکمال اکمال المعلم نے کہا صلوٰۃ معروف وصلوٰۃ بمعنی دعا سے نکلا ہے اور بعض نے کہا صلوٰۃ بمعنی رحمت سے ہے اور بعض نے کہا صلہ سے کیونکہ وہ اللہ اور بندہ کے درمیان صلہ ہے اور کہا گیا ہے "صليت العود على النار" (میں نے آگ پر لکڑی کو تاپا) یعنی اس کو سیدھا کیا سے مشتق ہے نماز بھی طاعت پر بندہ کو قائم کرتی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا "نماز بے حیائی اور بری بات سے بچاتی ہے"۔ بعض نے کہا صلوٰۃ مصلی سے ہے کیونکہ نماز پڑھنے والا پیچھے اور فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ صلوٰۃ صلوین سے مشتق ہے اور وہ سرین میں دو رگیں ہوتی ہیں اور بعض نے کہا دو ہڈیاں ہیں جو رکوع وسجود میں ٹیڑھی ہو جاتی ہیں اور بعض نے کہا صلوٰۃ کے معنی کسی چیز کے بالمقابل ہونے کے ہیں اور بعض نے کہا لزوم کے ہیں۔

ان سب معانی کے بعد محدث پاکباز نے بعض معنی کی سختی سے تردید کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

قلت لايصح اشتقاقها من الصلة لان الصلة معتلة الفاء لانها مصدر وصل والصلوة معتلة اللام ولا من صليت العود لان صليت من ذوات الياء و هي من ذوات الواو ولا من المصلي لانه اشتقاق من الفروع لان المصلي من الصلوين لانه اشتقاق من الجوامد الا ان يجعل اشتقاقها من شي من ذالك اشتقاق اكبر (فتح الملہم جلد نمبر ص۱)

میں کہتا ہوں کہ صلوٰۃ کا اشتقاق صلہ سے صحیح نہیں کیونکہ صلہ معتلۃ الفا ہے کیونکہ وہ وصل کا مصدر ہے اور صلوٰۃ معتلۃ اللام ہے اور نہ صلیت العود سے ہے کیونکہ صلیت میں ی ہے اور صلوٰۃ میں و ہے اور مصلی سے بھی نہیں کیونکہ وہ فروع سے اشتقاق ہے کیونکہ مصلی صلوین سے اس کا اشتقاق جوامد سے ہے ہاں ان کے علاوہ اور کسی سے اس کا اشتقاق مانا جائے جو اشتقاق اکبر ہے۔

محدث پاکباز نے ان اقوال کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ لفظ صلوٰۃ صلہ، صلیت العود اور مصلی سے نکلا ہے اور ان کی واضح دلیلیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ اس سے علامہ محدث کی قوت امتیاز اور علم صرف ونحو میں عظمت شان کا بھی پتہ چلتا ہے۔

محدث پاکباز الفاظ کی سند میں محاورہ اور شعر عرب کو بھی پیش کرتے ہیں چنانچہ خیط ابیض و اسود یعنی صبح صادق کے ظہور اور سیاہی میں سے سفیدی کے طلوع کے متعلق لکھتے ہیں۔

وهذه الاستعارة معروفة عند بعض العرب قال الشاعر

اور یہ استعارہ بعض عرب کے یہاں مشہور ہے شاعر نے کہا ہے

ولما اضاء ت لنا ظلمة ولاح من الصبح خيط انارا

ولما اضاء ت لنا ظلمة ولاح من الصبح خيط انارا

وقال آخر فی الخیط الاسود

اور ایک اور شاعر نے خیط اسود کے بارے میں کہا ہے

قد كاديلو او بدت تباشره قد كاديلو او بدت تباشره
وسدف الخيط البيهم ساتره وسدف الخيط البيهم ساتره

دراصل سیاہ اور سفید دھاگہ قرآن کریم میں استعارہ ہے رات کے اختتام کے بعد صبح صادق کے طلوع کا۔ گویا خیط ابیض سے صبح کی سفیدی اور خیط اسود سے رات کی سیاہی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم رمضان کی رات میں کھا پی سکتے ہو جب تک کہ صبح صادق نہ ہو بعض صحابہ سیاہ اور سفید دھاگے اپنے پاس رکھ کر سوتے تھے اور جب ان کی سیاہی اور سفیدی کی تمیز ہونے لگتی اس وقت تک رات کو کھاتے پیتے تھے۔ ان کے یہاں یہ استعارہ نہ تھا البتہ بعض عربوں کے یہاں یہ استعارہ بولتے تھے اسی لئے محدث پاکباز نے استعارہ کا استعمال دکھلایا ہے۔

فتح الملہم کے ناشر نے آخر میں جو سترہ خصوصیات فتح الملہم کی بیان کی ہیں وہ قریب قریب راقم الحروف کی بیان کردہ تنقید کے دس نمبروں میں آ گئی ہیں لیکن میری نظر میں فتح الملہم میں ان سترہ خصائص کے علاوہ اور بھی صفات ہیں جن کو مختصراً بیان کرنا مناسب ہوگا۔

محدثین سے اختلاف اور جرح

محدثین کے لئے یہ مسئلہ باعث اختلاف رہا ہے کہ آیا صبح سے پہلے اگر رات کے آخری حصہ میں اذان دی جائے تو کیا وہ صبح کے وقت کے لئے کافی ہے یا اس کو لوٹانا چاہئے۔ اس اختلاف کا مرکز حسب ذیل حدیث ہے:۔

عن عبدالله عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال ان بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى تسمعوا تاذين ابن ام مكتوم (فتح الملہم جلد نمبر ۳ ص ۱۱۷)

عبداللہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنحضور نے فرمایا کہ بلال رات کو اذان دے دیتے ہیں تم کھاتے پیتے رہا کرو حتی کہ ابن مکتوم کی اذان تم سن لو۔

مذکورہ حدیث پر محدثانہ بحث کرتے کرتے محدث پاکباز لکھتے ہیں:۔

قال والى مشروعية التاذين قبل الفجر ذهب الجمهور وخالف الثوری

وابو حنيفة و محمد والى الاكتفاء بالاذان قبل الفجر عن اعادة الاذان بعده ذهب مالك والشافعى و احمد و اصحابهم و خالف ابن خزيمة و ابن المنذر وطائفة من اهل الحديث و قال به الغزالى فى الاحياء وادعى بعضهم انه لم يرد فى شئ من الحديث (الصحيح) ما يدل على الاكتفاء اهم.

اور صبح سے پہلے اذان کے جائز ہونے پر جمہور کا فیصلہ ہے لیکن ثوری اور امام ابوحنیفہ اور محمد نے اس کی مخالفت کی ہے اور امام مالک شافعی اور احمد اور ان کے اصحاب صبح سے پہلے اذان کے کافی ہونے اور بعد فجر اذان کے لوٹانے کے قائل ہیں۔ اور ابن خزیمہ اور ابن منذر اور اہل حدیث کی ایک جماعت نے اس کی مخالفت کی ہے اور اسی کے غزالی بھی احیاء العلوم میں قائل ہیں اور بعض اہل حدیث نے دعویٰ کیا ہے کہ کوئی بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے جو اکتفا پر دلالت کرے۔

مذکورہ عبارت کی روشنی میں بعض اہل حدیث نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اکتفاء کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی محدث پاکباز اس دعوے کی تردید میں لکھتے ہیں:۔

قلت ادعى ابن القطان ان ذالك (اى تعدد الاذان) كان فى رمضان خاصة كذافى الفتح و كذا جزم به الشيخ تقى الدين بن دقيق العيد كما فى تخريج الزيلعى و يشعر بهذاالتخصيص قوله صلى الله عليه وسلم فكلوا واشربوا و قوله صلى الله عليه وسلم لايمنعن احداً منكم اذان بلال عن سحوره فيحمل التناوب المذكور سابقاً بين بلال و ابن ام مكتوم على رمضانات متعددة و حديث الا ان العبد قد نام الذى صححه كثير من اهل العلم كما قال ابن رشد فى البداية و امثاله على غير رمضان من سائر ايام السنة والله تعالىٰ اعلم (فتح الملہم جلد نمبر ۳ ص ۱۲۷تا۱۲۸)

میں کہتا ہوں کہ ابن قطان نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ تعدد اذان بالخصوص رمضان میں تھا جیسا کہ فتح میں ہے اور اسی کو شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے یقین سے کہا ہے جیسا کہ تخریج ذیلعی میں ہے اور اسی تخصیص کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول "تم کھاؤ اور پیو" اور آپ کا یہ قول کہ تمہیں کسی کو سحری کھانے سے بلال کی اذان نہ روکے خبر دے رہا ہے تو مذکورہ سابقہ نوبت متعدد رمضان میں بلال اور ابن مکتوم کے درمیان پائی جاتی ہے اور یہ حدیث کہ "خبردار ہو جاؤ کہ بندہ سو

گیا تھا'' جس کو بہت سے اہل علم (محدثین) نے صحیح کہا ہے جیسا کہ ابن رشد نے بدایہ میں کہا ہے اور اس کی امثال رمضان کے علاوہ سال کے تمام حصہ میں موجود ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس عبارت میں محدث پاکباز نے بعض ان اہل حدیث کے دعوے کے خلاف ابن قطان شیخ تقی الدین بن دقیق العید کے دعوے پیش کر کے نہ صرف ان کی تردید کی ہے بلکہ حدیث میں اپنی وسعت نظر کا بھی ثبوت دیا ہے اور اختلاف وجرح کا یہ مظاہرہ ان کی علمی بے پناہ طاقتوں کا نشان دیتا ہے۔

۱۲۔ رفع یدین

احناف اور شوافع میں رفع یدین کا مسئلہ نہایت ہی عظیم الشان ہے امام شافعیؒ کے یہاں نیت باندھتے وقت جس طرح کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں اسی طرح رکوع سے کھڑے ہوتے وقت اور رکوع میں جاتے وقت بھی اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ امام شافعی اور امام احمد رفع یدین کو مستحب سمجھتے ہیں اور امام مالک سے بھی یہی روایت ہے۔ امام شافعی کا ایک اور بھی قول ہے یعنی وہ تشہد اول سے کھڑے ہونے کے وقت بھی رفع یدین کو مستحب کہتے ہیں اور ابوبکر بن منذر اور بعض اہل حدیث سجود میں بھی رفع یدین کو مستحب کہتے ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب اور اہل کوفہ کی ایک جماعت تکبیر تحریم کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین کو مستحب نہیں کہتے اور امام مالک کی بھی مشہور روایت یہی ہے چنانچہ ابن رشد مالکی نے بدایۃ المجتہد میں ذکر کیا ہے کہ امام مالک نے اہل مدینہ کے عمل کے موافق ترک رفع یدین کو ترجیح دی ہے۔

بہرحال رفع یدین اور ترک یدین دونوں کی موافقت میں صحیح حدیثیں موجود ہیں موافق احادیث میں سے ایک یہی حدیث ہے جو مسلم میں ہے مثلاً

عن الزهری عن سالم عن ابیه قال رأیت رسول الله علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حتی یحاذی منکبیه و قبل ان یرکع واذا رفع من الرکوع ولا یرفعهما بین السجدتین (فتح الملہم جلد ۲ ص ۱۱۷)

زہری نے سالم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ مونڈھوں کے برابر تک اٹھاتے اور رکوع کرنے سے پہلے اور رکوع سے کھڑے ہوتے وقت بھی اٹھاتے (البتہ) دونوں سجدوں کے درمیان ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

رفع یدین کی حدیث کونقل کرنے کے بعد محدث پاکباز لکھتے ہیں۔

وتمسک التارکون بماروی الترمذی وابوداؤد والنسائی عن علقمة قال قال عبدالله بن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی فلم یرفع یدیه الافی اول مرة حسنه الترمذی وصححه ابن حزم فی المحلی (کما فی اللالی المصنوعة للسیوطی)

(فتح الملہم جلد نمبر۲ ص۱۲)

رفع یدین کو چھوڑنے والوں نے اس روایت سے دلیل حاصل کی ہے جس کو ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی نے علقمہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھ کر نہ بتاؤں چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور سوائے پہلی دفعہ (تکبیر تحریمہ) کے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور ابن حزم نے محلی میں (جیسا کہ لآلی مصنوعہ میں سیوطی کی ہے) اس کو صحیح کہا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے آپس میں رفع یدین اور ترک رفع یدین کے مسئلہ میں تعارض پیدا ہوگیا ہے۔ رفع یدین کا قائل یہ اعتراض کرتا ہے کہ ترمذی نے یہ بھی تو کہا ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے کہا ہے کہ رفع یدین کی حدیث زہری عن سالم عن ابیہ ثابت ہے لیکن ابن مسعودؓ کی حدیث کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ کے سوائے رفع یدین نہیں کیا ثابت نہیں۔ عبداللہ بن مبارک کے قول پر محدث پاک باز علامہ عثمانی جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قلت انفاً حدیث ابن مسعود مروی بالمضمونین الرفع الفعلی کما ذکرنا انفاً والرفع القولی کما اخرجه الطحاوی من انه صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لایعود والظاهر ان تغلیط ابن المبارک للمضمون الثانی لاالاول کیف و قدروی ابن المبارک نفسه المضمون الاول فی سنن النسائی ولم یقل ههنا لم یثبت حدیث من لم یرفع ای حدیث ابن مسعود کما قال فی قرینه قد ثبت حدیث من یرفع فانه لوقال کذالک لکان والاعلی عدم ثبوت الرفع مطلقا وهذا کان خلاف الواقع و خلاف ما کان یرویه بنفسه (فتح الملہم جلد نمبر۲ ص۱۲)

میں کہتا ہوں کہ ابن مسعود کی حدیث دو مضمونوں کے ساتھ مروی ہے رفع فعلی کے ساتھ جیسا

کہ ابھی اوپر کی حدیث میں گزرا اور رفع قولی جیسا کہ طحاوی نے تخریج کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اول تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور پھر ہاتھ اٹھانے کا اعادہ نہیں کرتے تھے اور ظاہر یہ ہے کہ ابن مبارک کا تغلیط کرنا مضمون ثانی یعنی رفع یدین کو ہے نہ کہ مضمون اول کو چنانچہ نفس مضمون اول کو ابن مبارک نے سنن نسائی میں روایت کیا ہے اور اس جگہ انہوں نے نہیں کہا ہے کہ حدیث ترک رفع یدین یعنی حدیث ابن مسعود ثابت نہیں جیسا کہ اس کے قرین کہا ہے کہ حدیث میں یرفع ثابت ہے کیونکہ اگر وہ ایسا کہتے تو مطلق عدم ثبوت رفع پر ان کا قول دلالت کرتا حالانکہ یہ خلاف واقعہ اور خلاف ما کان یرویہ بنفسہ ہے۔

آگے چل کر محدث پاکباز ترک رفع یدین کی تائید میں اور احادیث پیش کرتے ہیں۔

وروی الطحاوی و ابن شیبۃ والبیھقی فی المعرفۃ بسند صحیح عن مجاھد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیہ الافی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوۃ (فتح الملہم جلد نمبر ص ۱۶)

اور طحاوی اور ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے معرفت میں سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں نے ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ سوائے تکبیر اولیٰ کے نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

وروی ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبداللہ و اصحاب علی لایرفعون ایدیھم الافی افتتاح الصلوۃ قال وکیع ثم لایعودون (فتح الملہم جلد نمبر ص ۱۰۱)

اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ابو اسحاق سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ اصحاب عبداللہ اور اصحاب علی سوائے آغاز نماز کے رفع یدین نہیں کرتے تھے وکیع نے کہا پھر وہ اعادہ نہیں کرتے تھے۔

روایت و درایت

اب جبکہ رفع یدین اور ترک رفع یدین کی حدیثیں دونوں صحیح ہیں اور باہم تعارض واقع ہے تو اب دیکھنا یہ ہوگا کہ افضل و راجح رفع یدین ہے یا ترک۔ محدث پاکباز یہاں روایت کے بعد درایت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بار بار ہاتھ اٹھانے میں نماز کی روح یعنی سکون اور خشوع باقی نہیں رہتا۔

كما فى القرآن قد افلح المومنون الذين هم فى صلوتهم خاشعون والخشوع المطلوب فى الصلوة وهو السكون الذى امربه النبى صلى الله عليه وسلم بقوله اسكنوا فى الصلوة قال الحافظ فى الفتح والخشوع تارة يكون من فعل القلب كالخشية و تارة من فعل البدن كالسكون و قيل لابدمن اعتبارهما وروى البيهقى باسناد صحيح عن مجاهد قال كان ابن الزبير اذا قام فى الصلوة كانه عود وحدث ان ابابكر الصديق كان كذالك قال و كان يقال ذاك الخشوع فى الصلوة (فتح الملہم جلد نمبر ۲ ص ۱۲)

جیسا کہ قرآن میں ہے "کامیاب ہو چکے وہ مومن لوگ جو کہ نماز میں خشوع کرتے ہیں اور خشوع ہی نماز میں مطلوب ہے اور وہ سکون کا نام ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول "اسکنوا فی الصلوۃ" میں حکم فرمایا ہے۔ حافظ نے فتح میں کہا ہے کہ خشوع کبھی قلب کا کام ہوتا ہے جیسے خشیہ اور کبھی بدن کا فعل ہوتا ہے جیسے سکون (یعنی بدن میں عدم حرکت) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دل اور جسم دونوں کا نام خشوع ہے اور بیہقی نے مجاہد سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابن زبیر جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسے ہوتے تھے جیسے لکڑی اور انہوں نے حدیث بیان کی کہ ابوبکر صدیق کا بھی یہی حال تھا اور کہا جاتا تھا کہ نماز میں یہی خشوع ہے۔

اس عبارت میں احادیث کے علاوہ محدث پاکباز نے درایت و عقل سے کام لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عقل سلیم یہ چاہتی ہے کہ نماز میں بار بار رفع یدین کرنے سے وہ سکون مفقود ہو جاتا ہے جو نماز میں مطلوب ہے اور چونکہ مقصود نماز میں خشوع ہوتا ہے اس لئے دل اور جسم دونوں میں سکون مطلوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ جابر بن سمرہ سے روایت ہے۔

عن جابر بن سمرة قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال مالى اراكم رافعى ايديكم كانها اذناب خيل شمس اسكنوا فى الصلوة (فتح الملہم جلد نمبر ۲ ص ۱۲)

جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا یہ کیا بات ہے کہ میں تم کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں جیسے سخت گھوڑوں کی پونچھیں، نماز میں سکون اختیار کرو۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور کا ابتدائی عمل گو رفع یدین کا ہو لیکن جس طرح ابتداء میں شراب اور کتے کے نجس شدہ برتن کے سلسلہ میں کہیں نرمی اور کہیں سختی ہے اسی طرح رفع

یدین میں ابتداء میں سختی اور بعد میں ترک کا طریقہ آنحضورؐ نے اختیار کر لیا ہو۔ چنانچہ محدث عثمانی روایت اور درایت سے گزر کر آخر میں اپنا فیصلہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

قلت فاذاثبت الامران من النبی صلی الله علیه وسلم والصحابة والتابعین وتبعهم رفع الیدین و ترکه فزینة الصلوة الترک الذی هوالسکون لا الرفع فبهذا یترجح ماذهب الیه الاحناف رحمهم الله تعالیٰ و کذا بافضلیة الرواة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم کما قاله ابو حنیفة للاوزاعی فی الحکایة المشهورة عنهما و ذالک انه اجتمع مع الاوزاعی بمکة فی دارالحناطین کما حکی ابن عیینة فقال الاوزاعی مابالکم لاترفعون عندالرکوع والرفع منه فقال لاجل انه لم یصح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فیه شیء (ای لم یصح سالما من المعارض والافقد صح حدیث ابن عمر وغیره) فقال الاوزاعی کیف لم یصح و قد حدثنی الزهری عن سالم عن ابیه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة و عند الرکوع و عندالرفع منه فقال ابو حنیفة حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمة والاسود عن عبدالله بن مسعودؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم کان لایرفع یدیه الاعندافتتاح الصلوة ثم لایعود لشیء من ذالک فقال الاوزاعی احدثک عن الزهری عن سالم عن ابیه و تقول حدثنی حماد عن ابراهیم فقال ابوحنیفة کان حماد افقه من الزهری و کان ابراهیم افقه من سالم و علقمه لیس بدون من ابن عمر فی الفقه

میں کہتا ہوں کہ جب دونوں باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین سے رفع یدین اور ترک رفع کی ثابت ہیں تو نماز کی زینت ترک ہے جو کہ سکون ہے نہ رفع اس لئے مذہب ابوحنیفہ رحمہم اللہ کو ترجیح حاصل ہے اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والوں کی افضلیت بھی جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے امام اوزاعی سے ان دونوں کی ایک مشہور حکایت میں فرمایا اور وہ حکایت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ امام اوزاعی کے ساتھ مکہ کے دارالحناطین میں جمع ہو گئے جیسا کہ ابن عیینہ نے حکایت کی ہے پس اوزاعی نے کہا آپ کا کیا حال ہے کہ رکوع اور اس سے قیام کے وقت رفع یدین نہیں کرتے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں

کوئی ایسی صحیح سالم روایت نہیں ہے جو معارضے سے خالی نہ ہو اگرچہ ابن عمر کی حدیث صحیح ہے۔ تو اوزاعی نے فرمایا کیوں صحیح نہیں ہے اور مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی اور انہوں نے سالم سے لی اور انہوں نے اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے کھڑے ہوتے بھی ابو حنیفہ نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی حماد نے ان سے ابراہیم نے ان سے علقمہ نے اور اسود نے ان سے عبداللہ بن مسعود نے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوائے افتتاح نماز کے رفع یدین نہیں فرماتے تھے پھر نماز میں دوسری دفعہ ہاتھ اٹھانے کا اعادہ نہ فرماتے تھے۔ اوزاعی نے کہا میں آپ کو زہری سے عن سالم عن ابیہ حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں حدیث بیان کی مجھ سے حماد نے انہوں نے ابراہیم سے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ حماد زہری سے اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ تھے اور علقمہ ابن عمر سے فقہ میں کم نہ تھے۔

ان تمام منزلوں کو طے کرتے ہوئے محدث پاکباز علامہ عثمانی نے امام ابو حنیفہ کے راویوں کے تفقہ اور درایت و روایت کی بنا پر تعصب سے علیحدہ ہو کر دلائل کی روشنی میں جو کچھ پیش فرمایا ان کے فن حدیث میں بلند درجہ کا پتہ دیتا ہے اور واقعی یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے بلند پایہ محدث پاکباز تھے۔

علم حدیث اور مقدمہ حدیث کی مذکورہ تحقیقات قاری کو اس نتیجہ پر پہنچنے میں بڑی مدد دے سکتی ہیں کہ مسلم کی جس قدر بھی شرحیں لکھی گئیں ان میں امام نوویؒ کی شرح بلند پایہ سمجھی جاتی ہے لیکن شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح فتح الملہم بھی شرح کے اعتبار سے ان خصائص کی بناء پر زیادہ بلند مقام رکھتی ہے۔ جیسا کہ امام وقت حضرت انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کے الفاظ "در علم ایں احقر ہیچکس خدمت ایں کتاب بہتر و برتر از ایشاں نتوانستے کرد" سے واضح ہے اگر آپ فتح الملہم کا بامعان نظر مطالعہ فرمائیں گے تو قدم قدم پر "کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است" کا مصداق ہونا پڑے گا کہیں تفسیر اور کہیں حدیث کی تحقیقات کے دریا بہہ رہے ہیں کہیں فقہ اور کلام کی گفتگو ہے کہیں اسرار شریعت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے کہیں راویوں پر تنقید اور جرح ہے کہیں الفاظ کی تحقیقات کے پھول کھلے ہیں اور کہیں روایت کے ساتھ درایت کا باغ لہلہا رہا ہے۔ کہیں فلسفیانہ نکتہ آرائیں ہیں اور کہیں فن حدیث کے انوار جگمگ کر رہے ہیں۔ اسی سے محدث پاکباز کی علم حدیث میں بلند مقامی کا پتہ چلتا ہے۔ بہر حال حسب استطاعت جو کچھ مجھ سے ہو سکا میں نے بیتانے کی کوشش کی ہے کہ محدث پاکباز کا مقام حدیث کیا ہے اور ان کے فن حدیث میں سوانح زندگی کیا ہیں۔ جن کو حقیقت میں سوانح زندگی خیال کرتا ہوں۔

آخر میں حضرت استاذی شارح مشکوٰۃ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی سابق شیخ دارالعلوم دیوبند کے حسب ذیل اقوال پر جوانہوں نے حضرت شاہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقالہ میں حیات انور کے سلسلے میں محدث پاکباز کے لئے درج فرمائے ہیں۔ اور عربی قصیدہ پر جو فتح الملہم کی تہنیت میں محدث عثانی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس مقالہ کو ختم کرتا ہوں۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس اللہ سرہ اپنے زمانہ میں علم اور ورع کے لحاظ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نمونہ تھے۔ حدیث کے پروانے آپ کے گرد جمع تھے۔ آپ کے بے شمار شاگردوں میں حضرت مولانا السید انور شاہؒ امام بخاری کا نمونہ تھے۔ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثانی دیوبندی امام مسلم کا نمونہ تھے اور حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ دیوبندی ابوداؤد کا نمونہ تھے"۔ (حیات انور ص ۱۱۴)

آگے چل کر علامہ کاندھلوی مدظلہ حضرت شاہ انور صاحبؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان دونوں حضرات کا وجود دارالعلوم میں ایک عجیب شان رکھتا تھا۔ حضرت مولانا سید انور شاہ علم کے بحر ذخار تھے مگر زبان میں کچھ لکنت تھی اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثانی نہایت فصیح اللسان تھے۔ گویا کہ حضرت شاہ صاحب شان موسوی کا ایک پرتو تھے۔ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثانی شان ہارونی کا ایک عکس تھے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** حضرت ہارون علیہ السلام افصح لساناً تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اعلم قلباً تھے۔ اور بلا تشبیہ کے جس طرح حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے وزیر اور مشیر تھے اسی طرح حضرت مولانا عثانی علم میں حضرت شاہ صاحب کے وزیر اور قائم مقام تھے۔ تمام اہل علم کا یہ عقیدہ رہا کہ اگر مولانا سید انور شاہ صاحب اپنے زمانہ کے بخاری تھے تو مولانا شبیر احمد صاحب عثانی اپنے زمانہ کے مسلم تھے"۔ (حیات انور ص ۱۱۵)

اگرچہ مذکورہ عبارتوں میں براہ راست حضرت انور شاہ صاحب قدس سرہ پر شیخ کاندھلوی نے تبصرہ کیا ہے لیکن اس ضمن میں انہوں نے محدث عثانی رحمۃ اللہ علیہ کو امام مسلم کا نمونہ شان ہارونی کا عکس اور حضرت شاہ صاحب کا وزیر اور قائم مقام بتایا ہے۔ اب میں شیخ کاندھلوی کا عربی قصیدہ جو بطور تبریک موصوف نے حضرت عثانی کی خدمت میں مسرتوں سے لبریز ہو کر لکھا تھا پیش کرتا ہوں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ العلی الاکبر والصلوۃ والسلام علی سیدنا و مولانا نبینا و

رسولنا محمد المبعوث الی الاسود والاحمر و علیٰ اله الطیبین الطاهرین وازواجه الطاهرات امهات المومنین واصحابه الاکرمین الذین یغبط بهم ملائکة السموات والارضین و من تبعهم باحسان الی یوم الدین والعلماء الذین هم ورثة الانبیاء والمرسلین خصوصاً منهم من حفظ حدیثه وحمله الی من هوافقه منه واعلم و من تفقه فی دینه فعلم وعلم وفهم وفهم امابعد فان اولی نعمة یتحدث بها و یتذکر ویحمدالرب سبحانه و تعالیٰ علیه ویکشر و تطیب المجالس بتحدیثها وتعطر واحق موهبته واجد رمنحة یهنی بها بعد الایمان ویشر. انما هی نعمة علم الکتاب والسنة لماقدروینا فی صحیح مسلم عن ابی بن کعب رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا اباالمنذر اتدری ای ایة من کتاب الله معک اعظم قلت الله لا اله الا هوالحی القیوم قال فضرب فی صدری و قال لیهنک العلم یا اباالمنذر امح ففی هذاالحدیث ان النبی صلی الله علیه وسلم هنأ اباالمنذر بالعلم فسن لنا ان نهنی حضرة الاستاذ الجلیل العلامة النبیل محدث الهندوعالمها الاوحدوعلمها المفرد مولانا الشیخ شبیر احمد العثمانی الدیوبندی (نسبة الی دیوبند قریة من بلاد الهند) حرسه الله تعالیٰ بعینه التی لاتنام بماخصه المولیٰ المتفضل المنهم من التوفیق لشرح صحیح مسلم الملقب بفتح الملهم فاهنیه بهذه النعمة العظیمة والمنة الجسیمة التی انعم الله علیه وارفع یدی الی الله سبحانه و تعالیٰ ان یتقبله و یرفعه الیه و یجعله من الباقیات الصالحات والاعمال الزاکیات المرفوعات الخاصة لوجهه الجلیل التی لاتنقطع بعدالرحیل و هو حسبنا و نعم الوکیل (وهی هذه)

بلند و برتر اللہ کے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں اور درود وسلام ہمارے سید و مولیٰ ہمارے نبی اور رسول اللہ محمدؐ پر ہو جو ہر کالے اور گورے کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے اور آپ کی طیب وطاہر اولاد اور پاکیزہ فطرت ازواج پر بھی جو مومنین کی مائیں ہیں اور قابل احترام صحابہ پر بھی درود ہو جن پر آسمان

اور زمین کے فرشتے غبط کرتے ہیں اور ان پر بھی قیامت تک درود ہو جو نیکی میں صحابہ کی پیروی کرتے ہیں اور ان علماء پر جو انبیاء اور رسل کے وارث ہیں۔ ان میں سے خاص کر وہ علما جنہوں نے رسول پاک کی حدیث کی حفاظت کی اور اس کو اپنے سے زیادہ عالم کے اور فقیہ کے پاس لے کر گئے اور جس نے اللہ کے دین کو جانا اور بتایا اور سمجھایا درود و حمد کے بعد نعمتوں میں سب سے بڑھ کر جس کے متعلق بات اور تذکرہ کیا جائے اور جس پر پاک رب کی حمد اور شکریہ کیا جائے اور جس کے چرچے سے مجلسیں پاکیزہ اور معطر کی جائیں اور خدا کی بخششوں میں سب سے زیادہ لائق جس پر ایمان کے بعد مبارک باد اور خوشخبری دی جائے وہ قرآن اور حدیث کے علم کی نعمت ہے اس لئے کہ صحیح مسلم میں ابی بن کعبؓ سے ہمیں روایت پہنچی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابومنذر (صحابی) کیا تمہیں معلوم ہے کہ قرآن کی کونسی آیت تیرے پاس زیادہ معظم ہے"۔ میں نے کہا اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم انہوں نے کہا کہ (آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے میرے سینہ پر (ہاتھ) مارا اور فرمایا اے ابومنذر علم تجھے مبارک باد دیتا ہے (آخر حدیث تک) پس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابومنذر کو علم پر مبارک باد دی ہے اس لئے ہمارے لئے یہ بات سنت ہے کہ حضرت استاذ بزرگ علامہ نبیل ہندوستان و پاکستان کے محدث اور علم کے اعتبار سے بے مثل اور عالم ہونے میں یکتا شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی کو (دیوبند کی طرف نسبت جو ہندوستان میں ہے) اللہ تعالیٰ اپنی نہ سونے والی آنکھ سے ان کی حفاظت کریں ہم مبارکباد دیں جن کو فضل و انعام کرنے والے اللہ نے فتح الملہم شرح مسلم کی توفیق خصوصی عطا فرمائی لہذا میں ان کو اس عظیم الشان نعمت اور جلیل القدر عنایت پر مبارک باد دیتا ہوں جو ان پر اللہ نے کی ہے اور خدائے کریم سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس شرح کو قبول فرمائے اور اپنی طرف بلند کرے اور اس کو باقی رہنے والی نیکیوں اور ستھرے اعمال جو محض لوجہ اللہ کئے جائیں اور جو مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتے ان میں سے بنائے اور وہی اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔

قصیدہ مبارک باد بخدمت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یھنیک یا نجم الھدیٰ کل مسلم   علی ما ھداک اللہ من شرح مسلم
اے نجم ہدایت آپ کو ہر مسلمان مبارک باد دیتا ہے   اس چیز پر کہ اللہ نے آپ کو شرح مسلم کی ہدایت بخشی
شرحت بعون اللہ جامع مسلم   واوضحت فیہ کل خاف ومبھم

آپ نے اللہ کی مدد سے جامع مسلم کی شرح فرمائی   اور اس میں ہر مخفی اور پوشیدہ مسئلہ کی وضاحت کی۔
واودعت فیه لب ماقاله الالیٰ   باحسن ترتیب کدر منظم
اور پہلے شارحین کی تحقیقات کا خلاصہ اس میں پیش کر دیا   لیکن اچھی ترتیب کے ساتھ جیسے پروئے ہوئے موتی
و شرحک شرح قد حویٰ کل نکتة   وان کان فضل السبق للمتقدم
اور آپ کی شرح تو ایسی ہے جو ہر نکتہ کو اپنے اندر رکھتی ہے   اگرچہ فضیلت اگلے لوگوں کے لئے مسلم ہے
فیاحبذ الشرح المفید لامة   اتی غایة فی الحسن فوق التوهم
اللہ اللہ امت مسلمہ کے لئے کیسی اچھی مفید شرح ہے   کہ غایت خوبی میں خیال سے بھی برتر واقع ہوئی ہے
وما هو الا منبع للفوائد   وافید من شرح الابی ومفهم
اسکے سوائے کیا کہیے کہ وہ فوائد کا سرچشمہ ہے   اور ابی کی شرح سے زیادہ سودمند اور مدعا سمجھاتی ہے
وماهو الامجمع للنوادر   اتیٰ مغنیا عن کل شرح مقدم
اور وہ تو نادر تحقیقات کا مجموعہ ہے   اور ہر اگلی شرح سے (قاری) کو مستغنی بنا دیتی ہے
مشارق انوار' مصابیح سنة   یباری سناها نوربدرو انجم
(یہ شرح) روشنیوں کے طلوع کی جگہ اور چمک کے چراغ ہیں
کہ اس کی چمک چودھویں کے چاند اور انجم کی روشنی کو ماند کرتی ہے
وفتح من الباری وعمدة قاری   بلیٰ انه فتح من الله ملهم
یہ تو خدائی فتح ہے اور قاری کے لئے عمدہ جوہر ہے
کیوں نہ ہو یہ تو الہام کرنے والے اللہ کی طرف سے فتح غیبی ہے
واحسن مرقاة الصعود لطالب   لیرقی به اعلیٰ العلوم بسلم
اور طالب علم کے لئے بلندی پر چڑھنے کے لئے بہترین سیڑھی ہے
تاکہ اس زینہ کے ذریعہ اعلیٰ علوم کی طرف رسائی پا سکے
بساتین اسرار و جنات حکمة   یزاهی شذاهاریح مسک مختم
(اس میں) اسرار کے باغ اور حکمت کی جنتیں موجود ہیں
اور اس کی خوشبو مہر شدہ مشک کی خوشبو کو مات کرتی ہے
حدائق علم ذات حسن وبهجة   تنزه فیها عن کل معلم
(کتاب کیا ہے) علم کی سرسبز و شاداب کیاریاں ہیں

کہ ان کیاریوں میں ہر معلم کی آنکھ کو سرور حاصل ہوتا ہے

معان رقاق حلوۃ وللذیذۃ حلاوتہا احلیٰ من الشہد فی الفم

حلاوت و لذت کے دقیق مطالب اس میں موجود ہیں
(حتیٰ کہ) ان مطالب کی شیرینی منہ میں شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے

عروس المعانی بالبیان تزینت تزف علی اہل الحجیٰ والتفہم

معانی کی دلہنیں (ان کے) بیان سے بن سنور گئی ہیں
اور اہل عقل و فہم کو ان کا زفاف حاصل ہوتا ہے

علی العلماء العاملین وانہا محجبۃ من غیر کفؤ ومحرم

(یعنی) ان صاحبان عمل علماء کو ورنہ وہ دلہنیں
غیر محرم اور غیر کفو کے لئے پردہ میں مستور رہتی ہیں

وکل زلیخاء شرحک یوسف فلا تسالن عن حال صب متیم

اور ہر ایک زلیخا ہے اور آپ کی شرح یوسف ہے
لہذا عاشق شیفتہ کا کچھ حال نہ پوچھو کہ کیا ہے

فاعظم بشرح دائق ومنقح اتی عن فقیہ عالم متکلم

ایسی عمدہ اور واضح شرح پا کر تم صاحب عظمت بن جاؤ
جو ایک فقیہ عالم اور متکلم کے قلم سے لکھی گئی ہے

مفسر قران محدث عصرہ وقدوۃ ارباب العلی والتکریم

وہ قرآن کے مفسر اور اپنے زمانہ کے محدث
اور اہل عزت و شرف کے سردار ہیں

وشارحہ شبیر احمد ذوالحجی لی ال ذی النورین یعزیٰ وینتمی

اور اس کتاب کے شارح مولانا شبیر احمد دانش مند ہیں
جو حضرت عثمانؓ کی اولاد میں ہونے کا شرف رکھتے ہیں

تراہ لسان الاشعری اذا جریٰ بمیدان توحید او ان التکلم

اے مخاطب تو ان کو امام اشعری کی زبان پائے گا جبکہ
وہ کلام کرتے وقت میدان توحید میں چل پڑے

وذالک فضل الله یوتیه من یشا   فسبحانه من منعم ای معم
اور یہ اللہ کا فضل ہے جس کو وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے
پاک ہے وہ انعام کرنے والا کیسا اچھا منعم ہے

وما انا للتقریظ اهلا وانما   اهنی هناء طالب متعلم
اور میں تو تقریظ کے قابل نہیں اور بات صرف یہ ہے
کہ ایک طالب علم کی طرح مبارک باد پیش کر رہا ہوں

لیهنک یا استاذ علم کتابه   وعلم احادیث النبی المکرم
واقعی اے استاذ (محترم) قرآن کا علم آپ کو مبارک باد دیتا ہے
اور احادیث نبی اکرم کا علم بھی ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے

وانت بقاعی الزمان بلامرا   وانت لسان الاشعری المفخم
اور بلاشبہ آپ اس زمانہ کے بقاعی ہیں
اور جلیل القدر امام اشعری کی (بحیثیت متکلم زبان میں

اطال اله العرش عمرک فی التقی   وصدق واخلاص وعزم معهم
مالک عرش بحالت تقویٰ آپ کی عمر دراز کرے
اور صدق واخلاص اور عزم کا پیکر بنائے

ونشر علوم الدین مادمت عائشا   وعز وتمکین وفضل متمم
اور جب تک زندہ رہیں علوم دین کو پھیلاتے رہیں
اور عزت و وقار اور مکمل فضل کے ساتھ اللہ تعالیٰ زندہ رکھیں

وسلم تسلیما وصلی وبارکا   علی خیرخلق الله اکرم اکرم
اور اللہ تعالیٰ کا رسول کریم پر درود و سلام و برکت ہو
جو اللہ کی مکرم و معزز مخلوق میں سب سے زیادہ کریم ہیں۔

داعیکم المهنی
آپ کا دعا گو تہنیت خواں

محمد ادریس (کاندهلوی) غفر الله له
محمد ادریس (کاندھلوی) غفر اللہ لہ

اختتام حدیث   ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۷۴ھ ۳ جولائی ۱۹۵۵ء

تفقہ عثمانی

ترے فقہ کی شمع روشن رہی ہے   علوم شریعت کی ہر انجمن میں

(مصنف)

حضرت عثمانی کی شخصیت علمائے دیدہ ور میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ وہ معقول و منقول دونوں علوم میں نور بصیرت سے ممتاز تھے۔ ایسی جامعیت قدرت کی خاص عنایت اور فطرت کی رحمت کا اثر ہو سکتا ہے۔ انہیں جہاں تفسیر و حدیث منطق و فلسفہ اور کلام میں طبعی ذوق تھا وہاں علم فقہ میں بھی منفرد نظر آتے تھے۔ علمائے اہل نظر میں جب فقہی وغیرہ۔ مسائل اور ان کے عہد کے ہنگامی نظریوں کا سوال پیش آتا تو ان کا تفقہ اور فقہی معلومات و تحقیقات کا دریا ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا تھا۔ فقہی مسائل کو اس طرح پیش فرماتے کہ دل کی تہوں میں پیوست ہوتے چلے جاتے اور دماغ کے پردوں کو صاف اور روشن کرتے جاتے تھے۔ جب کبھی ہنگامی دور کے نازک تقاضے امت مسلمہ کے لئے شرعی احکام کی تشنگی محسوس کرتے تو مولانا کی طرف نظر اٹھاتے۔ آپ ان کے اشاروں کو سمجھتے' سوچتے' غور کرتے قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھتے اور پورے غور و خوض نقد و فکر کے بعد جبکہ ظاہری تحقیق و تدقیق کے فیصلے باطن کی نگاہوں کے ساتھ نگاہیں ملا کر شفائے قلبی کے ساتھ متفق ہو جاتے تو مولانا اس پر اڑ جاتے اور پھر ان کی قوت علمی قوت فیصلہ قوت استدلال کے سامنے جو مخالف دوسرا نظریہ لے کر آتا اس کو پسپا ہونا پڑتا تھا اسی لئے میرے نزدیک فقہ میں دسترس کے باعث اگر ان کو فقیہ دانشمند کہا جائے تو درست ہوگا۔ تفقہ اور دین میں بصیرت ایک تنویر ربانی یا موہبت کبریٰ ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ جس کے دل و دماغ میں چاہیں روشن کر دیں اسی نور اور بصیرت یعنی دین کو سمجھنے کا نام تفقہ ہے۔ ائمہ ہدیٰ نے قرآن و سنت کے نشیب و فراز سے جو کچھ سمجھ کر احکام نکالے اس کو فقہ کہا جانے لگا اور ان احکام کے لئے جو اصول وضع کئے ان کو اصول فقہ کا نام دیا گیا یہ بحث نہایت ہی اہم اور واضح تبصرہ کی محتاج ہے۔ اس لئے اس مسئلہ کے تاریخی اور علمی پہلو پر قدرے روشنی ڈالنا مناسب ہوگا تا کہ علامہ عثمانی کے اس علم میں درک و ذوق کا صحیح نقشہ قاری کے سامنے آ سکے۔

علم فقہ

تعریف علم فقہ

آج کل اصطلاح میں فقہ مسائل کے اس مجموعہ کو کہا جاتا ہے جس میں فرائض، واجبات، سنن، مستحبات کے علاوہ حرام، مکروہ اور مباح کی تفصیلات موجود ہوں۔ پس دین کے احکام کے یاد ہونے اور قرآن و حدیث سے ان کی دلیلوں کے حفظ ہونے یا معلوم ہونے کا نام فقہ قرار پایا۔

فقہ متقدمین کی نظر میں

صاحب کشاف اصطلاحات الفنون قاضی محمد اعلیٰ تھانوی سلطنت دہلوی کے مقرب اور فاضل محقق نے فقہ کے متعلق حسب ذیل تفصیل پیش کی ہے جس کا اسلامی سائیکلو پیڈیا نے حسب ذیل ترجمہ پیش کیا ہے:۔

''علم فقہ شریعت کے علم کا نام ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ فقہ کی تعریف ہے نفس کا اپنے نفع اور ضرر کو پہچاننا' بعض ائمہ نے تصریح کی ہے کہ اس سے آخرت کا نفع و ضرر مراد ہے پھر بھی یہ تعریف عام ہے جو بہت سے علوم کو شامل کرتی ہے چنانچہ اعتقادات میں نفع و ضرر کو معلوم کرنا علم کلام ہے اور وجدانیات میں نفع و ضرر سمجھنا علم اخلاق و تصوف ہے اور عملیات میں نفع و ضرر پہچاننا مسائل دینیہ کا علم ہے جس کو عام طور پر فقہ کہا جاتا ہے۔ غرضکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں علم کلام بھی فقہ میں داخل ہے اس لئے انہوں نے علم کلام کو فقہ اکبر کے نام سے موسوم کیا ہے۔ امام غزالی نے ذکر کیا ہے کہ لوگوں نے فقہ کے نام میں تصرف کر کے اس کو علم فتاویٰ سے مخصوص کر دیا ہے۔ پہلے زمانہ میں فقہ کا اطلاق علم آخرت اور معرفت حقائق' آفات النفوس اور آخرت کی فضیلت اور دنیا کی حقارت کے علم پر کیا جاتا تھا۔ اسی لئے فقیہ اس شخص کو کہا جاتا تھا جو زاہد و عابد و پرہیز گار ہو''۔ (ترجمہ کشاف از اسلامی سائیکلو پیڈیا مطبوعہ پیسہ اخبار لاہور)

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقہ میں علم کلام جزء اعظم ہے جس کو فقہ اکبر سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ مسلم الثبوت کے مصنف قاضی محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ بعہد عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم الثبوت کے آغاز میں فقہ کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں کی

ہے۔ ترجمہ پیش کرتا ہوں:۔

"فقہ شرعی حکمت عملی کا نام ہے جو عقائد پر متفرع ہوتی ہے۔ صاحب حکمت کے لئے علم چونکہ بقدر طاقت بشری شرط ہے اور مقلد کو علم الاحکام بقدر طاقت بشری نہیں ہوتا اس لئے اسے فقیہ نہیں کہا جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ دراصل فقہ علم عقائد علم طریقت اور علم شریعت تینوں کے مجموعہ کا نام تھا مگر متاخرین نے عمل کی قید زائد کر کے علم عقائد کو اور بعض نے عمل کے ساتھ محسوس کی قید بڑھا کے علم طریقت کو جس میں اعمال قلب سے بحث کی جاتی ہے خارج کر دیا۔" (مسلم الثبوت)

حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

"فن تصوف کے دو شعبے ہیں علوم مکاشفہ اور علوم معاملہ۔ علوم معاملہ تو تحصیل کے قابل ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جیسے ریا حرام ہے۔ کبر حرام ہے وغیرہ وغیرہ اور علوم مکاشفہ جو قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ پھر علوم معاملہ میں سے فقہاء نے احکام ظاہرہ جمع کر دیئے ہیں اور صوفیہ نے باطن کے احکام الگ کر دیئے ہیں باقی فقہ سب کو عام ہے جس کی تعریف امامؒ سے یہ منقول ہے یعنی **معرفۃ النفس وما لہا وما علیہا** (نفس کا اپنے نفع اور ضرر کو پہچاننا) پس یہ سب اس (فقہ) میں داخل ہیں"۔ (تجمیل الاسلام ص ۱۱ الفقہ نمبر ۳۰)

مذکورہ بالا تمام عبارتوں کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ دین میں فہم کا نام ہی فقہ ہے چنانچہ اس حدیث کا منشا بھی ٹٹولنا چاہئے جس سے فقہ کا مطلب مستنبط ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین

اللہ تعالیٰ جس کے حق میں بھلائی کرنا چاہتے ہیں تو اس کو دین میں سمجھ عطا فرماتے ہیں۔

اس حدیث سے مطلقاً دین میں سمجھ کو تفقہ کہا گیا ہے۔ خواہ عقائد و اسرار و تصوف سے متعلق ہو خواہ اخلاق اور احکام دینیہ سے متعلق ہو۔ غرضکہ تفقہ فی الدین پوری شریعت کے احکام و علل اسرار و رموز کے جاننے کا دارومدار ہے۔ اسی لئے خدائے حکیم نے کسی نہ کسی طائفہ اور جماعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے اور تفقہ فی الدین حاصل کرنے کا خصوصی انداز میں بایں الفاظ حکم فرمایا ہے۔ **فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین** یعنی ان مسلمانوں کی جماعتوں میں سے کوئی نہ کوئی جماعت ایسی ہونی چاہئے جو دین میں فقاہت حاصل کرنے کے لئے سفر کرے۔ جس طرح تفقہ فی الدین انسان کے لئے خیر کی نعمت ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں حکمت کے عطیہ اور فیضان کو بھی خصوصیت سے خیر کثیر فرمایا ہے چنانچہ آیت یہ ہے:۔

یؤتی الحکمۃ من یشاء و من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً

(خداوند تعالیٰ) جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس شخص کو حکمت دی جاتی ہے (سمجھو کہ) اس کو خیر کثیر دی گئی۔

قرآن حکیم میں بہت سے مواقع پر حکمت کا لفظ آیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے **ویعلمھم الکتب و الحکمۃ** اور جو ان کو کتاب اور حکمت سکھائے ایسا نبی ان میں مبعوث فرما۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب "موخر الذکر آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"علم کتاب سے مراد معانی و مطالب ضروریہ ہیں جو عبارت سے واضح ہوتے ہیں اور حکمت سے مراد اسرار خفیہ اور رموز لطیفہ ہیں"۔ (قرآن کریم مطبوعہ بجنور مدینہ پریس تفسیر شیخ الہند ص ۲۵ ف ۱)

قرآن کریم کے مطالعہ اور تدبر سے پتہ چلتا ہے کہ حکمت اور علم میں فرق ہے اور حکمت میں علم کی بہ نسبت خصوصیت پائی جاتی ہے فرشتوں نے اپنی عاجزی کا اعتراف حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

سبحنک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر جو کچھ آپ نے ہمیں سکھلا دیا بے شک آپ علیم و حکیم ہیں۔

اس آیت میں علیم اور حکیم دو صفتیں استعمال کی گئی ہیں۔ علامہ محقق دوانی نے ان دونوں پر اخلاق جلالی میں لطیف بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اگر حکیم کے معنی بھی وہی ہیں جو علیم کے ہیں تو یہ زیادتی جس کا خاص مقصد نہ ہو۔ قرآن کریم کی فصاحت کے خلاف ہے کیونکہ علیم سے وہی منشاء حاصل ہو چکا تھا لیکن کلام الٰہی کی فصاحت یقین دلاتی ہے کہ حکیم کے معنی علیم پر مزید ہیں جیسا کہ شیخ الہند علیہ الرحمۃ کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے۔ غرضیکہ دین کے معاملات میں اسرار و رموز کی حقیقت پر مطلع ہونا حکمت ہوگا۔ اس لئے راقم الحروف کی فہم کے مطابق تفقہ فی الدین اور حکمت قریب قریب مترادف نظر آتے ہیں جیسا کہ داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ **واتینٰہ الحکمۃ و فصل الخطاب** یعنی ہم نے (داؤدؑ) کو حکمت اور فیصلہ کرنے کی قوت عطا کی تھی۔ اس آیت اور دوسری آیت قرآنیہ میں جہاں حکمت کا تعلق انبیاء سے ہے وہاں وہی اسرار و رموز مراد ہیں جو اللہ کے دین میں فہم و تدبر اور منشائے الٰہی کی تہہ کو پہنچنے کے ہیں۔ فلسفیوں نے حکمت کی جو تعریف کی ہے کہ **معرفۃ الاشیاء کما ھی** یعنی کائنات کی چیزوں کی حقیقت کا پتہ چلانا وہ یہاں مراد نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام اس لئے مبعوث نہیں ہوتے کہ وہ یہ بتائیں ابر کی حقیقت کیا ہے بادل کیسے بنتا ہے اولے کیا چیز

ہیں اور کیسے پیدا ہوتے ہیں ہوا میں کون کون سے کیمیائی اجزا یا گیسیں ہیں۔

بہر حال فقہ اور حکمت بڑے جامع اور لطیف الفاظ میں جو اپنے اندر معانی کی ایک خاص وسیع دنیا رکھتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس لفظ کو علم الکلام وغیرہ پر بھی شامل رکھتے تھے۔ بعد میں یہ علم فقہ مخصوص معنی میں احکام و فرائض و منہیات پر بولا جانے لگا اور مشہور ہو گیا۔

علم فقہ تاریخ کی روشنی میں

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں مدنیت اور انسانی ضروریات قلیل تھیں اس لئے موٹے موٹے ضروری احکام تک ان کی زندگی محدود تھی۔ اس طرف روایات حدیثیہ اپنے کمال تک پہنچ چکی تھیں جس مسئلہ کی ضرورت پڑتی قرآن و حدیث سے اس کا حکم نکال کر پیش کر دیا جاتا تھا۔ بعد ازاں وہ زمانہ آیا جبکہ تمدن انسانی نے پھیلاؤ اختیار کیا ضروریات بکثرت ہو گئیں اس تمدن و معاشرت کی وسعت نے معاملات کا دائرہ وسیع کر دیا۔ اقتصادیات کے شعبے بڑھتے چلے گئے اور مسلمانوں کو ایسے ایسے اہم اور نازک و پیچیدہ مسائل کا سامنا کرنا پڑا کہ جن کے متعلق ظاہر بین نگاہیں قرآن و حدیث سے صاف صاف احکام کا پتہ نہ چلا سکیں ادھر روایت اور روایت کے سلسلہ نے احادیث میں موضوعات کو ملا ڈالا اور متعارض روایات بھی دشمنان دین نے گھڑ ڈالیں اس لئے بہت سے مسائل کا حل مشکل نظر آنے لگا۔ اس قسم کے موقع پر اللہ کو اپنے دین کی حفاظت کرنی تھی چنانچہ چار امام برحق اس نے پیدا کر دیئے جنہوں نے نور تقویٰ و علم و فضل سے قرآن کریم کو سمجھا، احادیث صحیح کو پرکھا اور انسانی تمدن کی وسعت کے پیش نظر ان مسائل کو قرآن و سنت سے نکالا جن سے دنیا دوچار تھی۔ ان نورانی نفوس نے جو کلام الٰہی کے عالم حدیث کے حافظ اور نباض تھے اپنے اپنے مقام پر احکام شرعیہ کے وسیع درس قائم کئے۔ بڑے بڑے علماء اس میں شرکت کرتے۔ مسائل پیش ہوتے اور ان پر بحث ہوتی غور ہوتا اور آخر جو متفقہ طور پر مسئلہ پاس ہو جاتا اس کو فتویٰ کے طور پر درج کر لیا جاتا۔ اس قسم کے شرعی فتوؤں اور متفقہ فیصلوں کا مجموعہ جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہوتا ہے اس کو فقہ کا نام دے دیا گیا۔ گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ فقہ ان احکام کے مجموعہ کا نام ہے جو قرآن و حدیث سے صاف صاف یا اقتضا دلالت اور اشاروں کے طور پر نکلتے ہیں۔ چنانچہ فقہ کے اصول قائم کئے گئے جن کو اصول فقہ کا مستقل نام دیا گیا ہے۔

احناف

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامیذ میں امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ امام زفرؒ امام عبداللہ بن

مبارک مشہور ہیں اور ان کے ذریعہ فقہ حنفی نے بڑا عروج حاصل کیا۔ پاکستان و ہندوستان کے مقلد مسلمان تقریباً تمام کے تمام حنفی ہیں۔ حنفیوں نے فقہ کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ ان کی مشہور کتب فقہ اور مستند و مبسوط حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ ہدایہ:۔ از علی ابن ابی بکر غیانی

۲:۔ درمختار:۔ علاؤالدین ۱۰۸۳ھ

۳۔ شرح وقایہ:۔ عبیداللہ بن مسعود ۷۴۵ھ

۴۔ ردالمختار یا شامی:۔ محمد امین بن عابدین شامی

۵۔ فتاویٰ عالمگیری:۔ مرتبہ علماء عہد عالمگیر

۶۔ فتاویٰ قاضی خاں:۔ قاضی خاں

یوں تو فقہ حنفی کی ہزاروں کتابیں ہیں لیکن مذکورہ چھ کتابیں اپنے جامع اور صحیح ہونے میں مستند سمجھی جاتی ہیں۔ درمختار پر البتہ فقیہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے جرح و قدح کی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ درمختار پر شامی یعنی ردالمحتار کے بغیر فتویٰ نہیں دینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ فقہ کی بعض کتابیں جو درس نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض اپنی جامعیت اور صحت کے اعتبار سے مسلم ہیں اور ان کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں اور وہ منیۃ المصلی' قدوری' کنز الدقائق' شرح وقایہ' درمختار اور ہدایہ ہیں۔ بعض نے تو ان کو فقہ کا صحاح ستہ کہا ہے۔ حضرت استاذی مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دارالعلوم دیوبند ان کتابوں میں ہدایہ اور قدوری کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے۔ ہدایہ کو نہ صرف فقہ کے اعتبار سے بلکہ عربیت کے لحاظ سے بھی باین معنی فرمایا کرتے تھے کہ "میں عربی خوب لکھ سکتا ہوں لیکن ہدایہ کی جیسی عربی نہیں لکھ سکتا"۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

یہ امر مسلم ہے کہ خدائے قدوس اپنے دین کی حفاظت کے لئے کوئی نہ کوئی جماعت بروئے کار لاتا ہے اور مردے از غیب بروں آید و کارے بکند کا مصداق بنتا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ دوسری صدی ہجری کی وہ عظیم الشان ہستی ہیں جن سے خدائے کریم نے اپنے دین کی حفاظت کا کام لیا۔ حسب ذیل آیات کے ماتحت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

هانتم هؤلآء تدعون لتنفقوا فی سبیل الله فمنکم من یبخل و من یبخل فانما یبخل عن نفسه والله الغنی و انتم الفقرآء و ان تتولو

یستبدل قوماً غیر کم ثم لایکونوا امثالکم

سنتے ہو تم لوگ تم کو بلاتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو پھر تم میں سے کوئی ایسا ہے جو نہیں دیتا اور جو بخل کرتا ہے تو اپنے ہی نفس کو محروم رکھتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم ہی محتاج ہو اور اگر تم پھر جاؤ گے تو اللہ بدل لے گا اور لوگ تمہارے سوائے پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح کے (سورہ محمد رکوع نمبر ۸)

(تفسیر)..... حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ دوسری قوم کون ہے۔ جس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ آپ نے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اس کی قوم اور فرمایا" خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اس کو اتار لائیں گے"۔ الحمدللہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بے نظیر ایثار اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا کہ ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی۔ تاہم فارس والوں نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور ایسی زبردست دینی خدمات انجام دیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بے شک حضور کی پیشین گوئی کے موافق یہی قوم تھی جو بوقت ضرورت عرب کی جگہ پر کر سکتی تھی۔ ہزار ہا علماء و ائمہ سے قطع نظر کر کے تنہا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا وجود ہی اس پیشین گوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے بلکہ اس بشارت عظمیٰ کے کامل اور اولین مصداق امام صاحب ہی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ"۔ (تفسیر عثمانی پارہ نمبر ۲۶ ص ۶۶۳ رکوع نمبر ۸)

دوسری جگہ واخرین منھم لما یلحقوا بھم (اور اٹھایا رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی ان کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے) کی تفسیر کے ماتحت مولانا عثمانی لکھتے ہیں:۔

"حدیث میں ہے کہ جب آپ سے اخرین لما یلحقوا بھم "کی نسبت سوال کیا گیا تو سلمان فارسی کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر علم یا دین ثریا پر جا پہنچے گا تو اس کی قوم فارس کا مرد وہاں سے بھی لے آئے گا۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے بڑے مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ النعمان ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ" (تفسیر عثمانی پارہ نمبر ۲۸ سورہ جمعہ رکوع نمبر ۱)

ان آیات و اقوال کے بعد امام اعظم کی جلیل القدر شخصیت کے متعلق ماننا پڑتا ہے کہ آپ سلمان فارسی کی قوم کے دین اسلام کے محافظ تھے۔ آپ فارسی النسل ہیں۔ آپ کے دادا حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور آپ سنہ ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ اس لئے فارسی النسل ہونے کے باوجود بعض علما آپ کو عربی بھی

کہتے ہیں۔ آپ نے حضرت انسؓ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے آپ نے کوفہ کے تمام بڑے بڑے محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ بعدازاں مکہ معظمہ میں عکرمہ اور عطاء بن رباح اور مدینہ منورہ میں سالم بن عبداللہ اور سلیمان سے حدیث کی تکمیل کی اور احادیث کو جمع کیا۔ فقہ میں کوفہ کے مشہور شیخ فقیہ حماد کے شاگرد ہیں۔ امام صاحب کے سینکڑوں اساتذہ تھے ۱۲۰ھ میں مسند نشین درس و اجتہاد ہوئے۔ تلامیذ کا تانتا بندھ گیا۔ ملک میں آپ کا اثر اور اقتدار بے حد بڑھ چکا تھا۔ اہل اقتدار کو خطرہ پر خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ آپ کو دام اقتدار میں پھانسنے کے لئے سرکاری عہدے پیش کیے گئے لیکن آپ نے قبول فرمانے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ منصور عباسی نے ۱۴۶ھ میں آپ کو قید کر دیا اور زہر دے کر ہمیشہ کے لئے ایک بہت بڑی رحمت سے محروم ہونا گوارا کیا۔

دوسری صدی ہجری میں جب فنون کو مدون کرنے کا خیال عام ہوا تو امام اعظم نے علم فقہ کو مرتب فرمایا جس کو فقہ حنفی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ آپ فقہ کے بانی ہیں۔ اگرچہ استنباط مسائل کا سلسلہ صحابہ کے زمانہ سے ہی شروع ہو چکا تھا اور قیاس کا اصول رائج ہو چکا تھا اور مسائل و احکام کا کافی ذخیرہ ہو چکا تھا لیکن یہ سب امور سینہ بسینہ اور زبانی تھے جو حضرات صحابہ مجتہدین مثلاً حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے شاگرد اطراف و جوانب میں پھیلے ہوئے تھے ان کے ذریعہ دین کی نشر و اشاعت جاری تھی مگر امام صاحب کے زمانہ میں ملکی جزئیات ترقی پر تھیں اور فن مدون نہ تھا۔ ضرورت تھی کہ قانون کو تفصیل سے مدون و مرتب کیا جائے۔ ملکی حوادث و احکام کی دنیا میں وسعتیں پیدا ہو چکی تھیں تہذیب و تمدن نے انقلاب کا نقشہ بدل کر رکھ دیا تھا۔ اتنے وسیع ملک کے لئے اب زبانی روایات سے کام چلنا دشوار تھا۔ ملک کے لئے کوئی دستور اساسی مرتب ہونا ضروری تھا۔ اس وقت کسی مجتہد متقی ذکی حکیم اور زمانہ کے نبض شناس انسان کی ضرورت تھی۔ ان حالات میں غیب سے تدوین فقہ کی خدمت امام صاحب کے سپرد ہوئی اور آپ نے منتشر اجزا کو اپنے اجتہاد سے یکجا جمع کیا اور قرآن و حدیث و اجماع و قیاس کے اصول مرتب کر کے قانون کی بنیادیں بلند کیں آپ نے ایک دستور اسلامی مرتب کیا جس میں احکام کے اجزا میں ہمہ گیر انسانی سہولت تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز مصالح ملکی اور اسرار شرعی پر بلیغ نظر رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم کے فقہ کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ وہ زندگی کے شعبوں کی نمائندگی کرنے میں کامیاب

ثابت ہوا اور اسلامی سلطنتوں نے اسے اپنی شرع خلافت بنایا۔ اس مسئلہ پر یہاں مزید روشنی ڈالنا ضروری نہیں ہے۔ شبلی کی سیرت النعمان ملاحظہ کیجئے۔

تلامیذ امام اعظم

آپ کے اجتہاد کی برکت و ہمہ گیر مقبولیت کے باعث قابل فخر تلامیذ درس میں شامل ہوئے اور ان میں سے حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

۱: امام ابو یوسف

جو ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں علی اختلاف روایات پیدا ہوئے صاحب اجتہاد ہیں۔ امام احمد بن حنبل بھی آپ کے حدیث میں شاگرد ہیں۔ خلیفہ مہدی نے ۱۶۶ھ میں آپ کو قاضی بنایا۔

۲: امام محمد بن حسن

دمشق کے نزدیک حرستان گاؤں میں ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے یہ بھی شاگرد ہیں۔ مگر امام صاحب کے آخری دور میں تھے۔ بقیہ تحصیل امام ابو یوسف سے کی۔ تین سال تک امام مالک سے حدیث پڑھی۔ ۱۸۹ھ میں انتقال فرمایا۔

ان دونوں مذکورہ تلامیذ امام اعظم کو صاحبین اور امام اعظم و امام یوسف کو شیخین کہا جاتا ہے نیز امام اعظم اور امام محمد کو طرفین کی اصطلاح سے پکارا جاتا ہے۔ امام محمد بڑے جری حق گو امام تھے۔ حدیث و فقہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ امام شافعی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ بلکہ فقہ حنفی کا دارومدار آپ کی تصنیفات پر ہے۔

۳: امام زفر: ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔

ائمہ تقلید اور باہم رواداری

یوں تو بہت سے مجتہد امام گزرے ہیں لیکن چار اماموں کی عموماً تقلید کی جاتی ہے امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ چاروں ائمہ ہدیٰ ہیں ان میں سے جس کی تقلید کی جائے برحق ہے۔ لیکن صرف ایک ہی امام کی تقلید کرنی چاہیے۔ ہاں حسب اقتضائے زمانہ ایک فقہ کا مقلد مفتی دوسرے امام کے قول پر بھی فتویٰ دے سکتا ہے اور اس کو عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔

چونکہ چاروں ائمہ ہدایت ہیں اس لئے ایک فقہ کے امام کے پیرو دوسرے امام کے مقلد کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں اور اپنے اپنے مذاہب پر عمل کر سکتے ہیں۔ شافعی المذہب امام کے پیچھے حنفی المذہب مسلمان بلاتکلف نماز پڑھ سکتا ہے اور اس کے برعکس بھی پہلے دور میں ایسا بارہا ہوا ہے کہ اسلامی رواداری اور تعلیم صحیح سے واقفیت کے باعث ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے وقت اپنے خیال پر قائم رہتے ہوئے بھی حنفی اگر شافعیوں کی جماعت میں ہوتا تو آمین بالجہر کہہ لیتا۔ اسی طرح شافعی المذہب حنفی امام کے پیچھے آہستہ سے آمین کہہ لیتا۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا رہا عوام میں لاعلمی و ناواقفیت کے باعث تشدد اور تعصب پیدا ہوتا چلا گیا۔ جس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

پنجاب میں پچھلی صدی میں ایک فرقہ اہل حدیث پیدا ہوا۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ فقہ حدیث کے خلاف ہے اس میں وہ احکام موجود ہیں جو حدیث کے خلاف ہیں چونکہ پاکستان و ہندوستان میں مقلدین حنفی ہی ہیں۔ اس لئے حنفیوں بالخصوص مولانا احمد رضا خان بریلوی کے معتقدین کو ان سے شروع شروع میں بڑی نفرت رہی۔ حیرت یہ ہے کہ اگر حنفیوں کی مسجد میں کوئی اہل حدیث نماز پڑھ لیتا تو مسجد کے اس حصہ کو متشدد لوگ ناپاک تصور کر کے دھلواتے تھے شاید اب بھی ایسے لوگ موجود ہوں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اسعدالابرار اپنے ملفوظات ۱۷ ستمبر ۱۹۳۸ء برمکان مولوی محمد حسن صاحب مالک انوار المطابع مولوی گنج لکھنؤ میں خوب فرمایا ہے:۔

”میں نے ایک جگہ بیان کیا تھا کہ ہم علی الاطلاق غیر مقلدین کو برا نہیں کہتے ہیں دیکھئے امام ابو حنیفہؒ خود مقلد نہ تھے مگر ہم ان کو اپنا پیشوا مانتے ہیں لیکن اس زمانہ کے اکثر غیر مقلدین کی بیشک ہم کو شکایت ہے ان میں عموماً الا ماشاء اللہ دو خصلتیں بہت بری ہیں۔ ایک ائمہ کے ساتھ بدگمانی دوسرے ان کی شان میں بدزبانی۔ باقی ہم فی نفس غیر مقلدی کو حرام نہیں کہتے۔ غیر مقلدی بھی ایک مسلک ہے لیکن اس وقت کے مفاسد کو دیکھ کر ہم کو پسند نہیں۔ بہت سی چیزیں جائز ہوتی ہیں مگر بعض طبائع کے نزدیک ناپسند ہوتی ہیں مثلاً او جھڑی شرعاً جائز ہے مگر نفیس مزاج لطیف الطبع لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔

(بل بعض الاشیاء المباحة ابغض عندالله ایضاً فقد روی ابوداؤد ابغض الحلال عندالله الطلاق او کما قال ۱۲ جامع) (اسعدالابرار ص ۱۳۵)

بلکہ بعض مباح اشیاء بھی اللہ کے نزدیک ناپسند ہیں ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں زیادہ ناپسند طلاق ہے یا جیسا فرمایا ۱۲ جامع۔

مولانا اشرف علی صاحب کے خیالات کا مذکورہ بالا عبارت آئینہ ہے جس میں دریا کو کوزہ

میں بند فرما دیا ہے اور پتہ کی بات فرما دی کہ "اس وقت کے مفاسد کو دیکھ کر ہم کو پسند نہیں"۔ بس فیصلہ ہو گیا۔ مولانا تھانوی کے عقائد میں تشدد کے باوجود یہ وسعت قلبی ان کے علم کی دلیل ہے اور یہ فیض ہے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا جو مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ کے پیرو مرشد تھے۔ حضرت مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

"حضرت حاجی صاحب کے یہاں کوئی چیز نہ تھی سوائے اللہ رسول کے۔ اسی لئے حضرت کے یہاں ہر قسم کے لوگ تھے غیر مقلد بھی وہابی بھی بدعتی بھی اور سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے اختلافیات میں کسی سے کوئی شرط نہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے۔ میاں سب ٹھیک ہو جائیں گے۔ آنے دو اور یہ حالت خاص حضرت کے شایاں تھی دوسروں کو ایسا مناسب نہیں۔ ایک غیر مقلد کو بیعت فرمایا۔ دو تین دن بعد علم ہوا کہ انہوں نے رفع یدین اور آمین بالجہر سب چھوڑ دی تو خوش نہیں ہوئے اور فرمایا بلاؤ۔ وہ آئے تو فرمایا "اگر تمہاری رائے ہی بدل گئی ہو تو خیر ورنہ اگر میری وجہ سے ہوا ہو تو ترک سنت کا وبال میں اپنے ذمہ نہیں لیتا۔ یہ بھی سنت ہے وہ بھی سنت ہے"۔ سبحان اللہ حدود کے اندر کیسا توسع تھا۔ اگر ہر شخص توسع کرے تو وہ حدود ہی سے نکل جائے"۔ (مجلس الحکمت ص ملفوظ نمبر ۳۳)

یہ ہے وہ رواداری جو علمائے حق میں تھی جو آج کل عنقا ہو چکی ہے۔ ان علما کے زمانہ میں باہم اتنی سختیاں نہ تھیں جو آگے چل کر نادیدہ ور اور تنگ نظر لوگوں میں ہو گئیں۔

تقلید کی وجہ

اگر عقل سلیم سے پوچھا جائے تو تقلید کی وجہ وہ یہ بتاتی ہے کہ ہر ایک انسان میں اجتہاد کی طاقت نہیں ہوتی لہذا اہل علم سے ہی رجوع کرنا پڑے گا۔ عدالتوں میں ہر شخص مقدمہ لڑانے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ قانون دان وکیل کی طرف لامحالہ رجوع کرنا پڑتا ہے یا بلند بام پر چڑھنے کے لئے سیڑھی کے بغیر رسائی نہیں ہوتی ٹھیک اسی طرح جو لوگ قرآن و سنت کے علوم میں بصیرت نہ رکھتے ہوں وہ اجتہاد کرنے سے عاری ہیں مجتہد کو نہ صرف علوم میں درک ضروری ہے بلکہ عربی زبان میں محاورہ اور روزمرہ نیز ان کی گفتار و زبان سے بھی پوری مہارت کی ضرورت ہے اور ان شرائط پر بھی پورے اترنے کی ضرورت ہے۔ جو ایک مجتہد میں مطلوب ہیں مثلاً واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل کی آیت کے مطابق جو کچھ قوت جہاد میں درکار ہے اور تمہاری وسعت میں ہے اور گھوڑوں کا باندھے رکھنا اس کی تیاری تمہارے لئے ضروری ہے اس

آیت میں گھوڑوں کی ضرورت کا ہر زمانے میں ہونا پایا جاتا ہے اس لئے اس قوت کو تو مقرر کر دیا لیکن ما استطعتم من قوۃ میں قوۃ کی تنوین نکرہ۔ کا سمجھنے والا مجتہد صاف سمجھ جائے گا کہ جس جس زمانہ میں جیسی جیسی قوت درکار ہو تیر تفنگ، توپ، بندوق، مشین گن، ایٹم، ٹینک، ہائیڈروجن بم وغیرہ وغیرہ سب کو یہ تنوین شامل ہے۔ لیکن جو مجتہد یہ نہ جانے کہ اس تنوین کے کیا معنی ہیں وہ اجتہاد کے قابل نہیں۔ چنانچہ چوتھی صدی تک ضروریات و جزئیات دین اصول فقہ کے ماتحت اتنے درجہ تک مکمل ہو گئیں۔ کہ آئندہ آنے والی نسلوں کی تمام ضروریات انہی فقہی مسائل اور اجتہادات سے نکل سکتی ہیں۔ ہاں علمائے دیدہ ور نبض شناس روشن دماغ، زمانے کے تقاضوں کو پرکھنے والے پرہیزگار اس زمانہ میں درکار ہیں وہ اسباب و علل پر غور کریں اور فقہ کی جزئیات میں اضافہ کرتے رہ سکتے ہیں۔ اس سے معترضین کا وہ اعتراض فضول ہو جاتا ہے کہ اجتہاد کے بند کر دینے سے ترقی رک جائیگی۔ بلکہ وہ لوگ جو نبوت کا دروازہ کھلا رکھتے ہیں۔ وہ بھی یہی دلیل دیتے ہیں کہ نبوت کی بندش سے ترقی بند ہو جاتی ہے۔

اجتہاد کا بند

لیکن جبکہ لوگوں کی نیتیں فاسد ہو گئیں خواہشات نفسانی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اہل ہوا نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیے اور بقول غالب۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی   اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

تو چوتھی صدی کے بعد ہر کس و ناکس کے لئے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا کہ دین میں فساد چور دروازے سے آ کر گھسنا شروع ہو گیا تھا تا آنکہ اس دور کے اندھے آدمیوں نے سود اور شراب ایسی ناپاک اور خبیث چیزوں کو بھی حلال کر دیا۔ مولانا اشرف علی صاحب "ملفوظات" میں فرماتے ہیں۔

"یوں تو فقہا نے تصریح کی ہے کہ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد منقطع ہو گیا ہے۔ اگر منقطع نہ بھی ہوتا اور مجھ سے رائے لی جاتی تو میں تو یہی کہتا کہ باوجود قوت اجتہادیہ باقی رہنے کے بھی آج کل اجتہاد جائز نہیں۔ مسائل کے استنباط کے لئے ورع اور تقویٰ بھی تو چاہئے۔ اب نہ تفقہ ہے نہ تدین۔" (جمیل الکلام ص ۷۷ ملفوظ نمبر ۸۹)

یہ مسئلہ ایک طویل بحث کا محتاج ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ تقویٰ اور دیانت کے فقدان اور بے باکی و خواہش نفسانی کے باعث وہ لوگ بھی اجتہاد میں کود پڑے۔ جنہوں نے نہ علم دین سیکھا نہ علما کی صحبت میں

جنہیں نہ قرآن کریم سے انہیں واسطہ نہ سنت کا نہ علم۔ چنانچہ ان کے دعوے کے مطابق علم دین صرف انہوں نے ہی سمجھا ہے اور اب تک کسی کی سمجھ ہی میں نہیں آیا غرضکہ خیالات کی دنیا میں ہنگامے برپا ہو گئے ہیں۔

میرے نزدیک خیریت کی صورت یہی ہے کہ اجتہاد کی قدریں ختم ہو چکیں ہاں ہر دور کے علمائے اولی الابصار اور مجددین کی جماعت اپنے اپنے اوقات میں ضروریات دین کو انہی بنیادوں پر جزئیات کی شکل میں پیش کرتے رہیں گے جو بنیادیں کہ ائمہ ہدیٰ نے فقہ کی قائم کی ہیں۔

پاکستان و ہندوستان کے فقیہ علما

چونکہ دین کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اس لئے ہر دور اور ہر صدی میں مجدد اور علمائے اہل نظر نے دین کی حفاظت کی ہے ہندوستان و پاکستان میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اپنے اپنے دور کے حسب مقام و وقت فقہ میں صاحب نظر گزرے ہیں۔ اس وقت زیر قلم مضمون میں میرا موضوع تحریر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا تفقہ اور ان کی فقہ میں بصیرت ہے۔ اس لئے میں ان کی شخصیت کو بحیثیت ایک بصیر فقہ کے پیش کروں گا۔

تفقہ عثمانی کے دو حصے

علامہ عثمانی کی فقہی تحقیقات و معلومات کا میری نظر نے جہاں تک جائزہ لیا ہے اس کے دو حصے کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ ایک تو وہ حصہ ہے جو مبسوط فقہی کتابوں اور فتاویٰ کی ضخیم جلدوں کی جزئیات میں معلومات اور تحقیقات و مطالعہ اور ان میں مہارت سے متعلق ہے۔ یہ وہ معلومات ہیں جو آغاز فقہ سے لے کر اب تک ایک ہی قسم کی انسانی ضروریات میں شرکت سے وابستہ ہیں۔ اور اس دور میں امت مسلمہ اس قسم کے احکام کی ضرورتمند رہی ہے۔ جن کو فقہا نے ابواب و فصول اور کتاب کے ماتحت علی الترتیب بطور فن کر دیا ہے۔ مثلاً کتاب الطہارۃ کتاب الصلوٰۃ کتاب الزکوٰۃ کتاب الرھن کتاب البیوع وغیرہ وغیرہ جو انسانی تمدن کی وسعتوں سے دوچار ہونے والی ایک سی ہی ضروریات سے ہر زمانہ میں پیدا ہو گئیں۔

۲۔ دوسرا حصہ مولانا عثمانی کی ان فقہی مساعی اور کوششوں کا نتیجہ ہے جو ان کو اپنے انتہائی تمدن کے دور میں اصول کلیہ فقہ اور جزئیات فقہی پر قیاس اور نظیر کے طور پر پیش آئے ہیں اور ان میں مولانا عثمانی کا

فقہی شعور و درک یا تفقہ کی چمک نظر آتی ہے اور ان کے متعلق فقہ میں کوئی صاف جزئی موجود نہیں۔

پہلی قسم کے مسائل زیادہ تر مولانا کی تفسیر میں احکام کے ماتحت پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اور دیگر تحریروں اور تصنیفوں میں موجود ہیں۔

دوسری قسم کے مسائل مختلف جگہ مجھے دستیاب ہوئے ہیں۔ جن کو پورے حوالوں اور تبصرے سے پیش کروں گا۔ میرا مقصد مولانا عثمانی کے تفقہ کو پیش کرنا ہے لیکن تحریر کو طویل بنانا نہیں اس لئے ان کی تمام تحقیقات کو پیش کرنا ضروری نہیں البتہ بقدر ضرورت جس سے ان کی فقہی بصیرت کا ایک واضح نقشہ قاری کے سامنے آ جائے۔ ہدیہ نظر کروں گا اور اس میں بھی پہلے وہ حصہ جو ان کے ذاتی اپنے دور کی ضروریات فقیہ سے متعلق ہے۔

عہد عثمانی کے اہم تقاضے اور فقیہ دانشمند کی فقہی موشگافیاں

سائنس کے اس دور کے اہم اور دقیق مسائل میں علمائے زمانہ کو مائیکروفون اور لاؤڈ اسپیکر (Loud Speaker) جس کو عربی میں مکبر الصوت یا جہیر الصوت کہا جاتا ہے کے ذریعہ نماز میں آواز سے قرأت کو لوگوں یا مقتدیوں تک پہنچانے کا مسئلہ ہے۔ بہرحال ضرورت عہد جدید نے اس ایجاد کو سائنس سے مانگا اور الحاجة ام الاختراعات (ضروریات ایجاد کی ماں ہے) کے قول کے مطابق سائنس نے یہ ایجاد پیش کر دی۔ مسلمانوں کے دل میں بھی بڑے بڑے مجمعوں اور عید و جمعہ کی نمازوں کے لئے اس ایجاد کے ذریعہ خطبہ اور قرأت نماز کے سننے کی خواہش اور تڑپ پیدا ہوئی اور علما کے سامنے اپنی ضرورت کو پیش کیا۔ اطراف و جوانب سے فتوے طلب ہونے لگے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے اس خصوص میں تحقیقات کے بعد احتیاط کے مقام پر نظر رکھتے ہوئے لاؤڈ اسپیکر پر نماز کو ناجائز قرار دیا لیکن مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے اپنی خداداد فقہی بصیرت سے مسئلہ کی نزاکت کو سمجھا اور تشدد میں ایک درمیانی پہلو اختیار فرما کر اختلاف کیا۔

میرے استاد محترم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند و موجودہ ممبر بورڈ تعلیمات اسلامیہ دستور ساز پاکستان کراچی نے اس واقعہ اور تحقیق عثمانی وغیرہ کا راقم الحروف سے جبکہ آں محترم ۱۹۵۰ء میں لاہور غریب خانہ پر تشریف لائے ذکر فرمایا چونکہ مولانا عثمانی کی فقہی بصیرت کے سلسلہ میں مجھے ضرورت تھی۔ اس لئے حضرت مفتی صاحب سے اس مسئلہ کی تحقیق سے متعلق مولانا کے گرامی نامہ کی درخواست کی چنانچہ آپ نے نہایت شفقت سے میرے پاس تمام واقعہ پر

روشنی ڈالنے والی ایک تحریر مع ایک مکتوب گرامی ارسال فرمائی۔ میں حضرت مفتی صاحب کی تمام تحریر اور فقیہ دانشمند کے مکتوب کو بعینہٖ حسب ذیل پیش کرتا ہوں اور حضرت مفتی صاحب کی تمام تحریر اور فقیہ دانشمند کے مکتوب کو بعینہٖ حسب ذیل پیش کرتا ہوں اور حضرت مفتی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ آں موصوف نے میری اہم ذمہ داری کو خود ہلکا فرمادیا۔

مکتوب گرامی حضرت استاذی مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

بنام راقم الحروف

مدرسہ عربیہ دارالعلوم کراچی پاکستان
نانک واڑہ کراچی نمبر ۱
مورخہ ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۷۲ھ

مکرم بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے دو کارڈ وصول ہوئے۔ خیال یہ تھا کہ بجائے جواب لکھنے کے آپ کی تعمیل فرمائش کر کے بھیجوں۔ مگر پیہم ایسے ہنگامی حالات سامنے آتے رہے کہ نہ جواب لکھنے کی ہمت و فرصت رہی نہ اصل کام کے کرنے کی۔ اب ذرا کچھ فرصت ملی تو مطلوبہ مضمون سے نقل مکتوب حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ خدا کرے آپ بعافیت ہوں اور آپ کا یہ کارنامہ پایہ تکمیل کو پہنچ کر حسن قبول حاصل کرے۔ والسلام۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ کراچی نمبر ۱، ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء

نقل تحریر حضرت استاذی مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومی واستاذی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی ایک علمی زندگی ہے اس کے مختلف گوشوں اور شعبوں پر مکمل کلام کیا جائے تو ہر ایک کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ حضرت ممدوح کی وفات اتفاقاً ایسے حالات میں ہوئی کہ دینی تعلیمی واصلاحی خدمات انجام دینے والے آپ کے تلامذہ (شاگرد) اور خدام کے سامنے پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کے اہم مسائل اور ان کے لئے مشاغل کا ہجوم تھا جس کی وجہ سے اس عجوبہ روزگار ہستی کی کوئی سوانح

حیات بھی مرتب نہ ہو سکی۔ اب غنیمت ہے کہ جب محترم مولانا انوار الحسن صاحب شیرکوٹی پروفیسر نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ اس ناکارۂ خلائق سے بھی کئی مرتبہ فرمائش کی کہ ممدوح کی علمی زندگی پر کچھ لکھوں۔ ارادہ بھی بارہا کیا مگر ہجوم مشاغل کے سبب کامیاب نہ ہو سکا۔ اس وقت عزیز موصوف نے ایک خاص واقعہ کے متعلق استفسار فرمایا تو یہ غنیمت سمجھا کہ ان کی اس خدمت میں برائے نام ہی سہی اپنا کوئی پیوند لگ جائے تو باعث سعادت ہے۔

نماز میں آلۂ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے استعمال پر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کا مکتوب

۱۳۵۸ھ میں سیدی حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا ایک فتویٰ اس موضوع پر النور میں شائع ہوا جس میں حضرت ممدوح نے آلہ مکبر الصوت سے دور تک آواز پہنچنے کی کیفیت ان لوگوں سے دریافت فرمائی جو موجودہ سائنس کے جاننے والے اس وقت میسر آئے۔ ان کی راؤں میں اختلاف رہا۔ کسی نے کہا کہ اس آلہ کے ذریعہ بولنے والے کی اصل آواز کی لہریں ہی قوی ہو کر دور تک پہنچ جاتی ہیں۔ کسی نے لکھا کہ متکلم کی آواز کو یہ آلہ اپنے اندر لے کر دوسری طرف قوت کے ساتھ پھینکتا ہے جس سے دوسرے سامعین کو متکلم کی آواز کی بالکل مشابہ آواز سنائی دیتی ہے۔ اصل آواز دور تک نہیں پہنچتی۔ حضرت والا (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) نے اس اختلاف کی بنا پر احتیاطی پہلو اختیار فرمایا اور اس آلہ کی آواز پر نقل و حرکت کرنے والے مقتدیوں کی نماز کو فاسد قرار دیا۔ کیونکہ وہ ایک ایسی چیز کی اقتدا کر رہے ہیں جو شریک نماز نہیں حالانکہ باتفاق فقہاء مقتدی کے لئے کسی ایسے شخص کی آواز کی اقتدا جائز نہیں جو شریک نماز نہ ہو۔

حضرت حکیم الامت کا یہ فتویٰ ایک خط کے جواب میں تھا۔ تصنیف کی صورت میں نہ تھا اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر احقر نے اس مسئلہ کو ایک مستقل رسالہ کی صورت میں تحریر کیا۔

اس رسالہ میں آلہ مکبر الصوت کے نماز میں استعمال کو ممنوع قرار دینے کے لئے مذکورۃ الصدر وجہ فساد کے علاوہ کچھ اور مویدات بھی احقر نے اضافہ کئے۔

رسالہ طبع ہونے کے بعد اس کا ایک نسخہ اپنے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ نے اپنی قدیم شفقت کی بنا پر میرے رسالہ کو

پورا ملاحظہ فرمایا اور اس پر ایک ناقدانہ بصیرت افروز خط تحریر فرمایا جس میں فساد نماز کے حکم سے اختلاف فرمایا۔ یہ خط سطور ذیل کے اختتام پر بعینہٖ نقل کیا جائے گا۔

احقر نے یہ خط حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب مولانا عثمانی اس طرف تشریف لائیں گے اس وقت ان کے سامنے ہی اس پر غور کیا جائے گا مگر پیہم ایسے اتفاقات پیش آتے رہے کہ تھانہ بھون میں حضرت ممدوح اور احقر کا اجتماع کسی اطمینان کے موقع پر نہ ہوسکا۔ تا آنکہ ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ کو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی وفات ہو گئی اور یہ کام اسی طرح تشنۂ تکمیل رہا۔ جمادی الآخرہ ۱۳۶۷ھ میں احقر ہجرت کرکے پاکستان کراچی آیا اور اس مسئلہ کے متعلق سوالات آتے رہے لیکن حضرت الاستاذ علامہ شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول فتاویٰ کے بارہ میں اپنے غایت تقویٰ اور احتیاط کی بنا پر دیوبند میں بھی یہی تھا اور پاکستان میں بھی یہی رہا کہ فتاویٰ سب اس ناکارہ کے حوالے فرماتے تھے اور کوئی خود لکھنے پر اصرار بھی کرتا تو عذر فرما دیتے تھے اور غایت تواضع سے فرماتے تھے کہ مجھے کبھی فتوے کے کام میں اشتغال کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے احتیاط کرتا ہوں۔ حالانکہ یہ امر بدیہی تھا کہ اس ناکارہ کو اگر کوئی علم کا کوئی حرف آتا تھا تو وہ سب انہی اساتذہ کرام کی کفش برداری کے ذریعہ سے تھا اور خود احقر کو جب مہمات فتاویٰ میں اشکال پیش آتا تو پاکستان آنے کے بعد حضرت مرحوم ہی کی طرف رجوع کرتا اور ان کے محققانہ ارشادات سے استفادہ کرتا تھا۔ حق تعالیٰ نے جہاں آپ کو کمالات علمی میں اعلیٰ پایہ عطا فرمایا تھا وہیں اخلاق فاضلہ اور تواضع میں بھی بلند مقام سے سرفراز فرمایا تھا۔ اسی کا یہ نتیجہ رہا کہ اس مسئلہ میں باوجودیکہ حضرت مرحوم کو احقر کی رائے اور فتوے سے اتفاق نہ تھا لیکن عملاً ہمیشہ موافقت فرماتے اور اختلاف کا اظہار بھی نہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حرمین محترمین میں نمازیں آلہ مکبر الصوت پر ہونے لگیں اور اطراف ہندو پاکستان سے سوالات کی بھرمار ہوئی اور لوگوں کی پریشانی کے باعث اس طرف توجہ ہوئی کہ اب مسئلہ کی تنقیح کرکے کوئی حتمی فتویٰ دیا جائے تو اس کام کے لئے دو مرتبہ خود حضرت مولانا عثمانی تکلیف فرما کر احقر کے مکان پر تشریف لائے۔ کتابوں کی مراجعت اور مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر ناقدانہ بحث ہوتی رہی۔ میرا رجحان کچھ حضرت مولانا کی تحقیق کی طرف ہونے لگا مگر ہنوز کسی حتمی فیصلہ پر نہ پہنچے تھے کہ حضرت ممدوح پر فالج کا ابتدائی دورہ ہوا اور پھر سلسلہ امراض نے مہلت نہ دی یہاں تک کہ ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ کو یہ بقیۃ السلف بھی اپنے اسلاف کے ساتھ جا ملے۔

وللہ الامر من قبل ومن بعد (اول و آخر امر اللہ ہی کے لئے ہے)

مسئلہ پھر تشنۂ تکمیل رہا۔ حضرت ممدوح کی وفات کے بعد احقر نے آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ آواز دور تک پہنچنے کے فلسفیانہ تحقیق پر از سر نو غور و تفتیش شروع کی۔ کراچی میں ماہرین سائنس اور خاص محکمہ آواز کے ماہرین سے تحقیق اور بار بار مراجعت کی۔ یہاں سب کا اس پر اتفاق معلوم ہوا کہ اس آلہ کے ذریعہ متکلم کی آواز بعینہ دور تک پہنچ جاتی ہے اور صورت یہ ہوتی ہے کہ آواز کی لہریں جو اول ہوا میں پیدا ہوتی اور ہوا کی رفتار سے چلتی ہیں اس آلہ کے ذریعہ ہوا بجلی کی رو میں منتقل ہو جاتی ہے اور بجلی کی رفتار پر چلنے لگتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آواز کی لہریں فنا ہونے سے پہلے دور تک پہنچ کر دور کے سننے والوں کو اسی طرح آواز پہنچا دیتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آواز جو ہوا میں پیدا شدہ مخصوص لہروں کا نام ہے اس میں کوئی تغیر نہیں آتا۔

علاوہ ازیں حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے خط میں ایک اہم فقہی اصول کی طرف بھی اشارہ تھا کہ فلسفیانہ تدقیق پر احکام شرعیہ دائر بھی نہیں ہوتے۔ رویت ہلال، سمت قبلہ کی تعیین میں حضرات فقہا کے ارشادات واضح ہیں کہ ان میں فنون ریاضیہ آلات رصدیہ اصطرلاب وغیرہ پر مدار احکام نہیں بلکہ جس سطح پر عوام سمجھ سکیں وہ کافی ہے"۔ اس مجموعہ پر نظر و فکر کے بعد احقر کا پورا اطمینان حضرت مولانا عثمانی کی تحقیق کی موافقت میں ہو گیا اور احقر نے بھی فساد و نماز کے فتوے سے رجوع کر لیا۔ لیکن خود حضرت استاذ مولانا عثمانی کی تحقیق کے آخری جملے یہ ہیں:۔

"بس مقصود اتنا ہے کہ مکبر الصوت (مائیکروفون) کے حکم میں شرح صدر نہیں اور اباحت کی طرف قلب کا میلان ہے"۔

"اس وقت ایک قول شیخ ابوبکر بن الفورک کا یاد آ گیا کہ کل موضع تری فیه اجتهاد او لیس علیه نور فانه بدعة خفیة (ہر وہ مقام جہاں اجتہاد کی ضرورت ہو اور اس میں نور نہ ہو تو وہ پوشیدہ بدعت ہے) بیشک یہاں بھی نور تو محسوس نہیں ہوتا"۔

اس لئے حضرت استاذ قدس سرہ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ آلہ مکبر الصوت کا نماز میں استعمال پسندیدہ تو نہیں لیکن اگر کر لیا گیا تو فساد نماز کا حکم نہ کیا جائے اور اب یہی احقر کا فتویٰ ہے۔ اب حضرت استاذ قدس سرہ کا مکتوب (خط) جس کا حوالہ شروع میں دیا گیا ہے بعینہ نقل کیا جاتا ہے امید ہے کہ اہل علم اس سے محظوظ ہوں گے۔ کیونکہ اس میں اصل مسئلہ کے علاوہ بہت سے ضمنی علمی فوائد بھی بہت قابل قدر ہیں۔

مکتوب عثمانی بنام مفتی محمد شفیع صاحب

برادر مکرم جناب مفتی محمد شفیع صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ رسالہ المفتی محرم ۱۳۵۸ھ میں سے آلہ مکبر الصوت والا مضمون میں نے

پورا پڑھا۔ ماشاءاللہ بہت محنت اور سلیقے سے لکھا گیا ہے مگر بعض اجزا پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

ا۔ بے شک دین یا عبادت میں غلو و تعمق (بہت زیادہ مبالغہ اور گہرائی) ممنوع ہے لیکن اس کی علت کی طرف خود احادیث میں اشارات کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً

(ا) لمن یشاد الدین الا غلبه یا

(ب) فان الله لایمل حتی تملو ونحو ذالک من الاعراض عن السنة او تقاللها وغیرهما.

یہی وجہ ہے کہ کبار علما (بڑے بڑے علما) خصوصاً ان حضرات کے احوال میں جو عرفاً مشائخ صوفیہ سے ملقب ہیں۔ اکثار عبادت نفلیہ (نفل عبادت کی کثرت) کی بے شمار نظائر پائی جاتی ہیں جن کو یقیناً مذموم نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ بحمداللہ۔ وہ ان مضار (مضرتوں) سے مامون تھے اور ان کا منشا صحیح تھا۔

۲۔ طہارت و نجاست کے باب میں محض شبہات و اوہام یا احتمالات پر بنا کرنا یا زیادہ خوض اور تکلف سے کام لینا بے شک ناپسندیدہ ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ محرمات (حرام کی گئی چیزیں) دو قسم کے ہوتے ہیں۔ **محروم لو صفه ارو محرم لکسبه** (وصف اور کسب کے اعتبار سے) اول میں اس طرح کا تعمق و غلو وسواس ہے اور ثانی میں شبہات و احتمالات سے بچنا احتیاط و تقویٰ ہے۔ **کما بینه الحافظ ابن تیمیه فی فتاواه جلد ۵** (جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ جلد ۵ میں بیان کیا ہے)

صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ **الحلال بین والحرام بین و بینهما مشابهات الی قوله صلی الله علیه وسلم و من رای حول الحی یوشک ان یواقعه** (حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان مشابہات ہیں۔ آنحضور کے قول تک اور جس شخص نے قبیلے کے اردگرد پر نظر ڈالی قریب ہے کہ وہ اس میں گر جائے) ورنہ جو وقائق تقویٰ ائمہ اور مشائخ کبار سے منقول ہیں بے معنی توہمات قرار پائیں گے۔ یہ چیز کتاب و سنت اور مسائل فقہ کے تتبع سے صاف ظاہر ہے کہ نجاست و طہارت کے باب میں شریعت مطہرہ جو توسع اور اغماض روا رکھتی ہے اس کا ربٰو (سود) وغیرہ کے مسائل میں اصلاً مساغ (دخل) نہیں۔ بہرحال اس مقدمہ میں کچھ قیود اور احتراسات کی ضرورت ہے۔

۳۔ جب احادیث و فقہیات کی بنا پر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اذان خطبہ قرأت وغیرہ میں استماع (کان لگانا) مخاطبین و مقتدیین کی بنا پر رفع صوت مطلوب ہے اور شریعت نے ایک حد تک اس کا

اہتمام کیا ہے تو رفع صوت یا یوں کہئے کہ ابلاغ صوت کی کسی جدید صورت کو جو فی حد ذاتہ مباح بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن تسلیم کر لی گئی اباحت وجواز کی حد سے نکالنا کس اصول پر مبنی ہوگا؟ آخر کسی امر کے متعلق شریعت کے اہتمام کی تحدید محض اس اصول پر تو نہیں کی جا سکتی کہ یہ چیز اس وقت موجود نہ تھی جیسا کہ آپ خود تسلیم کر رہے ہیں اذان الجوق کو بدعت حسنہ کہہ کر ائمہ فقہا نے قبول کر لیا جو آج تک رائج ہے اور فی الحقیقت یہ بنو امیہ کی بدعت نہیں جیسا کہ شامی نے نقل کیا ہے بلکہ فاروق اعظم نے جو آخری خطبہ جمعہ دیا ہے اس کے متعلق صحیح میں **فلما قعد علی المنبر و سکت المو ذنون** (جب وہ منبر پر بیٹھ گئے اور موذن لوگ خاموش ہو گئے کے الفاظ موجود ہیں جس کو دیکھ کر شیخ ابوالحسن سندھی نے اس مسئلہ پر تنبیہ کی ہے۔

> **و فی العمدة عن ابن القاسم عن مالک اذاجلس الامام علی المنبر واخذالموذنون فی الاذان حرم البیع فذکر الموذنون بلفظ الجماعة و یشهد لهذا حدیث الزهری عن ابن ابی مالک القرظی انهم کانوا فی زمن عمر بن الخطابؓ یصلون الجمعة حتی یخرج عمر و جلس علی المنبر و اذن الموذنون الحدیث وهکذا عن ابی حنیفة و اصحابه** (عمدۃ القاری ص ۲۱۱ جلد ۱۶)

اور عمدہ میں ابن قاسم سے اور وہ مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھ گیا اور موذنوں نے اذان دینی شروع کر دی تو بیع حرام ہے۔ پس موذنوں کا جمع کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس پر زہری کی حدیث جو ابو مالک قرظی سے مروی ہے گواہ ہے کہ عمر بن خطاب کے زمانہ میں لوگ نماز جمعہ پڑھا کرتے کہ عمرؓ آتے اور منبر پر بیٹھتے اور موذن اذان دیتے (آخر حدیث تک) اور اسی طرح سے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سے روایت ہے جیسا کہ عمدۃ القاری ص ۲۱۱ جلد نمبر ۱۶ میں ہے۔

تکبیر کی تبلیغ (پہنچانے) کے لئے مرض الموت کے قصہ میں صدیق اکبر کا واقعہ موجود ہے۔ بیشک خیال ہو سکتا ہے کہ پھر خطبہ اور قرأت صلوٰۃ میں یہ تبلیغ (آواز پہنچانے) کا عمل کیوں نہ کیا گیا۔ مگر ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہاں ایسا عمل اختیار کرنے سے دوسرے اہم مقاصد و مصالح فوت ہوتے ہیں مثلاً اگر کئی شخص علی وجہ الاجتماع (مجموعہ طور پر) خطبہ یا قرآن پڑھیں تو استماع و انصات للامام (امام پر کان لگا دینا اور خموش رہنا) فوت ہو جاتا ہے اور تنازع و تصادم اصوات کا ایسا منظر سامنے آتا ہے جو صلوٰۃ اور خطبہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور علی وجہ التعاقب تو ایک قرأت کی کئی قرأتیں یا ایک خطبہ کے کئی خطبے بن کر تخفیف علی المصلین اور قصر خطبہ

کی غرض نظر انداز ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ **من ام منکم فلیخفف** (تم میں سے جو امام ہو تو تخفیف سے نماز پڑھائے) اور **ان منکم منفرین او فتان انت یا معاذ** (تم میں سے بعض ہیں جو نفرت دلاتے ہیں)

کے ساتھ جس فرط غضب کا اظہار ایسے مواقع میں ہوا ہے وہ کسی اہل علم پر مخفی نہیں۔ آلہ مکبر الصوت میں ان مفاسد کا کوئی احتمال نہیں۔ بلکہ ابلاغ صوت (آواز پہنچانے) کا مقصد بہت پر سکون طریقہ سے حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ مجالس وعظ وغیرہ میں عموماً تجربہ ہو رہا ہے۔ رہی یہ چیز کہ بظاہر ایک لعب کی سی صورت پیدا ہو جاتی ہے یہ فی الحقیقت اس پر مبنی ہے کہ ہر نئی چیز ابتدا میں اپنی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

چیز رفتہ رفتہ عام ہوتی جا رہی ہے عام ہونے کے بعد کسی کو التفات بھی نہ رہے کہ ہم یہ آواز آلہ سے سن رہے ہیں۔

۴۔ یہ تحقیق کہ آلہ سے جو صوت مسموع ہو رہی ہے وہ عین صوت قاری (پڑھنے والے کی آواز) ہے یا اس کی نقل اور نقش ثانی ہے اس کا کوئی فیصلہ ہنوز نہ ہو سکا اس لئے اجتناب کو احوط تو کہہ سکتے ہیں ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ اور احوط بھی کہنا اس جزئیہ کی بنا پر کہ **اقتدا بمن لم یدخل فی الصلوٰۃ** (اس شخص کی اقتدا جو نماز میں داخل نہیں) زلازم آتی ہے مگر مجھے اس مسئلہ میں شفا نہیں۔ مبلغ کی آواز سے امام کے انتقالات پر استدلال کرنا حقیقتاً مبلغ کی اقتدائے شرعی نہیں محض لغوی اعتبار سے توسعاً اہتمام یا اقتدا کا اطلاق ہوتا ہے۔ محض اتنی بات سے اس پر استدلال کرنا کہ مکبر کی آواز کا وجود و عدم عام مقتدیوں کی نماز کے فساد و صحت پر اثر انداز ہے میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ غرض نہیں کہ جزئیہ فقہ میں موجود نہیں۔ بلاشبہ موجود ہے مگر میں اپنے عدم فہم کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس کا ذکر اسطر ادا کیا ہے مقصود یہ نہیں کہ اپنے عدم فہم کو حجت قرار دوں۔ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** میں کیا اور میرا فہم کیا۔ بس مقصود اتنا ہے کہ مکبر الصوت کے حکم میں شرح صدر نہیں اور اباحت مرجوحہ کی طرف قلب کا میلان ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

اس وقت ایک قول شیخ ابوبکر ابن الفورک کا یاد آ گیا **کل موضع تری فیہ اجتھاد او لیس علیہ نور فانہ بدعۃ خفیۃ** بیشک یہاں بھی نور تو محسوس نہیں ہوتا لیکن یہ اہل وجدان صحیح اور نور بصیرت رکھنے والوں کا حق ہے کہ نور کے وجود و عدم کا فیصلہ کریں۔ ما و شما کا منصب نہیں آپ نے اصرار کیا تھا اس لئے یہ چند سطور لکھی گئیں۔ (شبیر احمد عثمانی از ڈابھیل ۲۷ صفر ۱۳۵۸ھ)

تنقیح

حضرت فقیہ دانشمند اور مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی کی تحریریں ابھی آپ کے سامنے آ چکی ہیں۔ قاری اندازہ لگا سکتا ہے کہ موصوف نے حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور مفتی محمد شفیع صاحب کے فتوے سے جس بصیرت کے ساتھ اختلاف کیا ہے وہ اپنے اندر کس قدر فقہی چمک اور نور رکھتا ہے۔ میرے نزدیک عثمانی کی تحریر میں دانش نورانی اور دانش برہانی دونوں دانشوں کے دھارے بہہ رہے ہیں۔

حضرت حکیم الامۃؒ اور حضرت مفتی صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ مقتدی امام کے تابع ہیں۔ اور اسی کی قرأت کا براہ راست ان کو مطیع ہونا ضروری ہے۔ امام اور مقتدی میں کوئی غیر تیسری چیز حائل نہ ہونی چاہئے جو امام سے ہٹا کر مقتدی کو اپنی حرکات و آواز پر چلائے کیونکہ ایسے شخص کی اقتدا جو نماز میں شریک نہیں فقہا کے نزدیک جائز نہیں اس لئے اگر لاؤڈ سپیکر میں امام کی بعینہ آواز کے تموج میں شبہ رہا تو اس لئے حضرت حکیم الامۃ نے مقام احتیاط کی بنا پر مقتدیوں کی نماز فاسد ہونے کا فتوٰی صادر فرما دیا اور یہ تقوٰی کا مقام تھا۔

لیکن علامہ کے تفقہ کی بنیادیں حسب ذیل امور پر ہیں:۔

۱۔ اذان، خطبہ اور قرأت نماز میں شریعت کو اس امر کا خاص اہتمام مقصود ہے کہ نماز پڑھنے والوں اور خطبہ اور اذان سننے والوں کو قرأت، اذان اور خطبہ پہنچ جائے اور اسی پر ان کی اصلاح اور تذکیر و نصیحت موقوف ہے۔ اسی لئے موذن ایسا ہونا چاہئے جس کی آواز بلند ہو۔ ادھر قرآن کریم میں حکم یہ ہے۔ **اذا قرا القرآن فاستمعوا لہ، وانصتوا لعلکم ترحمون** یعنی جب قرآن کریم کی قرأت کی جاری ہو تو ادھر کان لگا دو اور خاموش ہو جاؤ۔ تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ قرأت قرآن پر کان نہ لگانا اور خموش نہ رہنا عذاب کا موجب ہو سکتا ہے۔ لہذا ایسا امر واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت کا بلند آوازی پر اہتمام ہے۔

۲۔ مولانا عثمانی نے اس کے لئے جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں سے اذان الجوق اور ائمہ فقہ کا بدعت حسنہ کا فتوٰی دے کر قبول کرنا پیش کیا ہے جو بہترین مثال ہے۔ علاوہ ازیں شامی کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری خطبہ جمعہ کے متعلق صحیح بخاری کی روایت پیش کی ہے۔ یعنی

فلما قعد علی المنبر وسکت الموذنون

جبکہ (حضرت عمرؓ) منبر پر بیٹھ گئے اور موذن لوگ اذان دے کر خاموش ہو گئے۔

اس روایت سے مولانا نے یہ نتیجہ نکالا ہے جیسا کہ شیخ ابوالحسن سندھی نے تنبیہ فرمائی ہے کہ

کئی موذنوں نے خطبہ کی اذانیں دیں جس کا مقصد آواز پہنچانا تھا۔ لہذا اگر موجودہ عہد میں آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ قرأت یا خطبہ یا اذان کو بلند کیا جائے تو مقتدیوں کی نماز کو فاسد نہیں کہا جائے گا۔ مولانا نے اباحت کے پہلو کو ترجیح دی ہے اور آخر میں شیخ ابوبکر بن الفورک کا قول پیش فرمایا ہے جس میں مسئلہ میں اباحت کا پہلو نکلتا ہے کو غور نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور کتنے ایک فقہی پہلو فقیہ دانش مند کی تحریر سے نکلتے ہیں جو اہل بصیرت پر مخفی نہیں یعنی:۔

اذان کے اعلان اور اہتمام سے یہ قیاس ہوسکتا تھا کہ خطبہ اور قرأت امام کو بھی پہنچانے کے لئے اگر کئی شخص مجموعی طور پر خطبہ اور قرأت کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ اس کا جواب علامہ نے بتلا دیا کہ ایسا کرنے سے اہم مقاصد یعنی امام کی قرات اور خطبہ کا سننا اور کان لگانا یعنی استماع وانصات فوت ہو جائیں گے۔ نیز جب کئی آدمی خطبہ اور قرات کو پہنچائیں گے تو آوازوں کا سلسلہ طویل ہو جائے گا اور اس سہولت کے خلاف ہوگا جس میں خطبہ کو مختصر کرنے کو کہا گیا ہے تاکہ نمازیوں کو کلفت نہ ہو لیکن مذکورہ صورت میں طوالت خطبہ کے باعث نمازیوں کو تخفیف نہ ہوگی اور اس حدیث کی مخالفت ہو جائے گی کہ **من منکم فلیخفف الخ** یعنی امام کو نماز مختصر پڑھانی چاہیے کیونکہ آنحضرت نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا کہ مقتدیوں میں تھکے ماندے ضعیف وناتواں لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اس حدیث سے آنحضرتؐ کی خفگی کا اظہار ہوتا ہے۔

راقم الحروف نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا مفصل فتویٰ لفظ بلفظ پڑھا ہے۔ اس میں موصوف نے آلہ مکبر الصوت میں قراوت اور مقتدی کی نماز کے فساد پر دلائل دیتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ قرات پہنچانا لہو ولعب سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ مولانا عثمانی نے اس کا نفسیاتی جواب یہ فرمایا ہے کہ ابتداء ایک چیز عجیب ہوتی ہے لیکن کثرت استعمال سے اس کا عجب رفع ہو جاتا ہے اور پھر اس کی طرف توجہ بھی نہیں رہتی چنانچہ لاؤڈ سپیکر کی طرف تقریروں میں اب کوئی بھی توجہ نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے اونٹ کی پیدائش کو عجائبات مخلوقات میں سے فرمایا ہے۔ چنانچہ **افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت** سے واضح ہے۔ لیکن بار بار دیکھے جانے کے باعث اس کا عجیب پن ختم ہو گیا۔ اسی طرح کسی نئی ایجاد کی اشاعت ابتداء میں عجیب سی معلوم ہوتی ہے اور پھر اس کا عجب ختم ہو جاتا ہے یہی حال لاؤڈ اسپیکر کا مولانا عثمانی کے نزدیک ہوا۔

علامہ نے ایک اور فقہی نکتہ بھی حل فرمایا ہے کہ مسائل فقہی کے لئے فلسفیانہ تحقیقات اور تدقیقات کی

ضرورت نہیں۔ جیسا کہ رویت ہلال اور سمت قبلہ کے لئے آلات رصدیہ اصطرلاب کی ضرورت نہیں۔

اور بہترین تفقہ کا ثبوت مولانا کے اس فقہی اصول کی ترجمانی ہے کہ جس مسئلہ میں اجتہاد کی ضرورت ہو اور نور قلبی وہاں اپنی چمک نہ دکھا رہا ہو۔ تو یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہاں نور یعنی شرح صدر نہیں لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اس چیز کے مباح ہونے کا پہلو نکل آتا ہے جیسا کہ مکبر الصوت کا۔

قیاس فقہی

ائمہ فن نے فقہ کے چار اصول قائم کئے ہیں یعنی قرآن، سنت، قیاس اور اجماع۔ اگر کسی اجتہادی مسئلہ کی صراحت قرآن وسنت سے ثابت نہ ہوسکے تو قیاس کو اصل قرار دیا گیا ہے ورنہ اجماع کو عمل میں لایا جائے گا۔

حضرت عثمانی کا دماغ اس قدر صاف اور گہرائی میں اتر جانے والا تھا کہ اہم سے اہم مسائل کو کسی فقہی جزئی پر قیاس کرنے میں آپ کو خصوصی اجتہادی شان حاصل تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مولانا عثمانی کی وفات پر دارالعلوم دیوبند کے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا کے تفقہ فی پر خاص اشارہ کیا ہے۔

وجود پاکستان مسلم لیگ کی کوششوں کا مرہون ہے۔ اس دور میں جبکہ لیگ اور کانگریس کی سیاسی اور مذہبی کشمکش کے باعث ہندوستان کی امت مسلمہ نازک دور سے گزر رہی تھی۔ دیندار طبقے کے لئے مذہبی حیثیت سے لیگ یا کانگریس کی شرکت کے کسی رخ کو متعین کرنا سخت دشوار تھا۔ مولانا خود اجتہادی غور وفکر کی فضا میں مضطرب نظر آتے تھے بالآخر ایک شفا بخش فقہی قیاس نے ان کا مسلم لیگ کی شرکت پر شرح صدر کردیا۔ اس لیگ اور کانگریس کے دور میں دونوں سیاسی جماعتوں میں سے کسی ایک سے وابستہ ہونے کے علاوہ قومیت کا مسئلہ بھی نہایت اہم تھا۔ مولانا نے اپنی قوت فقہی اور قیاس واجتہاد سے قومیت کا نظریہ بھی متعین کیا۔ واضح رہے کہ مجھے صرف مسئلہ کے اجتہادی فقہی پہلو سے بحث ہے۔

لیگ کی شرکت فقہ کی روشنی میں

حضرت علامہ عثمانی کے فقہی پہلو کا اندازہ مسلم لیگ میں شرکت کے حسب ذیل دلائل سے لگایئے مولانا میرٹھ کی مسلم لیگ کانفرنس کے خطبہ صدارت میں تحریر فرماتے ہیں۔

"راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اسی کشمکش و پیچ میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاصی تاخیر سے میں نے لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن وسنت اور

فقہ حنفی کی روشنی میں غور و فکر کیا۔ اللہ سے دعائیں کیں اور استخارے کئے بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی (تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہؒ) رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے اور آپ جانتے ہوں گے کہ فقہ حنفی کا سارا مدار انہیں امام محمدؒ کی تصنیفات پر ہے۔

اس تصریح کے سننے سے قبل میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جو کثیر التعداد باطل فرقے زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنے والے اور اس کا کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ ان میں خوارج ہی ایک ایسا فرقہ ہے جس سے پکی اور کھلی کھلی حدیثیں کسی دوسرے فرقے کے بارے میں نہیں آئیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس فرقہ کی نسبت کیسے کیسے صاف ارشادات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہا میں موجود ہیں جن میں سے چند الفاظ یہاں نقل کرتا ہوں۔ ان روایات کے حوالے فتح الباری اور فتح الملہم میں دیکھ لئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ

وہ (خوارج) دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔

اور فرمایا **لئن ادرکتھم لاقتلنھم قتل عاد و ثمود و فی روایۃ ثمود**

اگر میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کا استیصال کروں گا۔

اور **ھم شر الخلق** وہ بدترین خلائق ہیں اور **ابغض الخلق الی اللہ تعالیٰ** وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہیں اور **قد کان ھولاء مسلمین فصاروا کفاراً** پہلے یہ مسلمان تھے اور پھر کافر ہو گئے اور تم ان کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان کسی ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہے۔ اس کی جان و مال سب حلال ہے۔ خیال کیجئے کہ آج اس عقیدہ کے موافق کتنے آدمی مسلمان باقی رہیں گے۔ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے حالات میں کہتے ہیں۔ **یستحلون دماء المسلمین و اموالھم و یکفرون الصحابۃ**

وہ (خوارج) مسلمانوں کے خونوں اور ان کے اموال کو حلال سمجھتے ہیں اور صحابہ (حضرت علیؓ وغیرہ) کو کافر کہتے ہیں۔

اب خیال فرمایئے کہ ایسے فرقہ سے کسی طرح کے تعلقات رکھنا یا ان کی مدد کر کے ان کی شوکت بڑھانا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے ان تمام امور کے باوجود حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان

خوارج کی جنگ مشرکین بت پرستوں کے ساتھ ہو جائے تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان کفار اور مشرکین کے مقابلہ میں ان کی مدد کریں کیونکہ وہ اس وقت کفر (صریح) کے فتنہ کو دفع کرنے اور نفس اسلام کو ظاہر کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ یعنی چونکہ کلمہ گو ہیں اور اس وقت مشرکین کے مقابلہ میں اس کلمہ کو بلند کرنا ان کا مقصد ہے خواہ فی الحقیقت وہ کتنے ہی اس سے ہٹے ہوئے ہوں۔ اس لئے مسلم کھلا کھلا اسلام سے انکار کرنے والوں کے مقابلہ پر ان کا لڑنا محض اسلام کے نام اور اس کے کلمہ پر لڑنا ہے۔ لہٰذا ان کی مدد کی جا سکتی ہے۔ غور کیجئے کہ خوارج کی یہ امداد کیا ان کی تقویت کا سبب نہ بنے گی مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس وقت ان کا مقابلہ ان لوگوں سے ہے جو نفس اسلام کے نام سے چڑتے ہیں اور کلمہ سے علانیہ بیزار ہیں۔

اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں جو مسلمانوں کے قومی استقلال سیاسی اقتدار نفس کلمہ اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو من حیث المجموع مضبوط طاقتور اور سربلند کرنے کے لئے ایک آئینی جنگ ان کفار اور مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں۔ پھر مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان چند باطل پرستوں کی تعداد اہل حق کی نسبت عشر عشیر نہیں۔ (خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ از علامہ عثمانی ص ۱۲۔۱۳۔۱۴۔۱۵)

مذکورہ بالا عبارت کو پڑھ کر علامہ عثمانی کا گہرا نقش اہل علم سلیم الطبع مسلمانوں کے دل پر ہو جاتا ہے یعنی خوارج کے متعلق امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے جزئیہ پر قیاس کر کے مسلم لیگ میں شرکت کا استدلال مولانا کی فقہی صلاحیتوں سے نقاب اٹھا رہا ہے۔

مسلم لیگ یا کانگریس کی شرکت مسلمانان ہند کی زیست اور موت کا سوال تھا۔ شرعی اور سیاسی حیثیت سے اس میں شرکت ایک مذہبی اور سیاسی مفکر کی متلاشی تھی۔ ایک طرف مقتدر علما کی جماعت کانگریس میں شریک تھی اور ان کو مسلم لیگ پر کچھ شبہات تھے دوسری طرف خاص و عام سیاسی مسلمانوں کا نظریہ مسلم لیگ اور تخلیق پاکستان تھا۔ اندریں حالات اس اجتہادی مسئلہ میں سخت تعلق، غور و فکر، ذمہ داری اور دیانت دار رہبر کی ضرورت تھی جو جذبات کے ماتحت مسائل کو سوچنے کا عادی نہ ہو اور ذاتیات سے بلند رہ کر صفائے نیت سے مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح کا خیال رکھتے ہوئے انہیں کسی منزل کی طرف لے چلے۔ حضرت مولانا عثمانی کی مذکورہ بالا تحریر اور ان کی زندگی کی بیباکانہ حق گوئی بتاتی ہے کہ وہ کسی معاملہ کو قرآن و سنت کی روشنی کو لئے بغیر آگے نہیں چلتے۔ وہ اپنی ذمہ داری کو پہچانتے ہیں۔ انہوں نے مسلم لیگ کی شرکت پر مجتہدانہ غور کیا،

قرآن وسنت کی روشنی کو رہبر بنایا استخارے کئے دعائیں مانگیں جیسا کہ شرح صدر نہ ہونے پر مومن کا شیوہ ہے اس کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا اہل خوارج والے واقعات کی فقہی جزئی پر دل ٹھہر گیا اور بالآخر مسلم لیگ میں اپنی اور قوم کی شرکت کا اعلان فرمایا۔ بہرحال اپنا اپنا اجتہاد تھا اور ہر اجتہاد جو نیک نیتی پر مبنی ہو مجتہد کو اس پر ثواب کی توقع ہو سکتی ہے۔

مسئلہ قومیت فقہ کی روشنی میں

تحریک پاکستان کے سلسلہ میں مسئلہ قومیت نے بھی خاص اہمیت حاصل کی۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کا نظریہ جدا تھا۔ کانگریس کہتی تھی کہ کسی ایک ملک کے باشندے اتحاد وطن کے باعث خواہ کسی مذہب کے ہوں ایک قوم ہے لیکن مسلم لیگ کا نظریہ دو قومیت یعنی مسلم اور غیر مسلم مذہب کی حیثیت پر مبنی تھا۔ ان کے نزدیک مسلم ایک قوم ہے اور غیر مسلم دوسری قوم ہے۔ اسی قومی حیثیت کے امتیاز پر متحدہ ہندوستان یا پاکستان کے نظریات کی بنیاد رکھی جانے والی تھی۔ مسلمانوں کی جو جماعت کانگریس میں شامل تھی ان کے نزدیک قومیت کی وسعت ملک وطن پر بھی حاوی تھی۔ اس کشمکش نے طول پکڑا۔ ہندو کی ذہنیت یہ تھی کہ ہندوستان میں صرف کانگریس اور انگریز کے باہمی فیصلے ہی سے ملک کی آزادی متعلق ہے لیکن لیگ کہتی تھی کہ ایک اور قوم با طاقت بھی ہے جس کو مسلمان کہا جاتا ہے اور جن کی تعداد ہندوستان میں دس کروڑ ہے۔ اور ان کی اکثریت کانگریس کے خلاف ہے لہٰذا وہ مسلمان جو کانگریس میں شامل ہیں وہ مسلمانوں کی اکثریت کے نمائندے نہیں بلکہ ان کی نمائندہ مسلم لیگ ہے۔

علامہ عثمانی نے لیگ کی شرکت کرتے ہوئے دو قومیت کو فقہ کے رنگ میں پیش کیا۔ چنانچہ موتمر کل ہند جمعیۃ الاسلام کلکتہ مورخہ ۲۶ تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے اجلاس میں جو آپ کا تحریری پیغام پڑھا گیا اس میں "اسلام کا دو قوموں کا نظریہ" کے عنوان کے ماتحت حضرت علامہ نے اسلامی فقہ کے ماتحت دو قومیت کے مسئلہ کو حسب ذیل عبارت میں پیش فرمایا ہے:۔

اسلام کا دو قوموں کا نظریہ

ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس وقت جاری ہے میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل تنفر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندان اسلام کی مستقل قومیت کا صاف انکار کر دیا جائے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ غلط یا صحیح طور پر دنیا میں اقوام کی تقسیم وطن، نسل، زبان، ورطرز تمدن وغیرہ کے لحاظ سے ہوتی رہی ہے اور اب بھی موجود ہے لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیا کی جو تعمیر جدید ہوئی اس میں تخلیق کے اعلیٰ ترین مقاصد کے پیش نظر اللہ کے پیدا کئے ہوئے تمام انسانوں کی باعتبار قومیت کے ایسی ثنائی تقسیم کردی گئی جس کے احاطے سے کوئی فرد بشر باہر نہ رہ سکے۔ اب اسلامی نقطہ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے فاطر ہستی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اس کے مکمل اور آخری قانون کو اس کی زمین پر رائج کرنے کا التزام کرلیا ہے وہ مسلم مومن کہلاتی ہے دوسری جس نے اپنے اوپر ایسا التزام نہیں کیا اس کا شرعی نام کافر ہوا۔ **ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن** (وہی خدا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پس تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم سے بعض مومن)

یاد رہے کہ ایمان و کفر کی یہ تقسیم حضور سے پہلے بھی تھی لیکن آپ سے قبل چونکہ ہر نبی کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اسی لئے ان کی بعثت سے قومیتوں کے قائم شدہ امتیازات کلیۃً مٹائے نہیں جا سکتے تھے۔ البتہ رحمۃ للعالمین اور نذیر للعالمین کی بعثت عامہ نے جو کسی ملک، خاندان یا زمان و مکان سے مقید نہ تھی ان تمام چھوٹے چھوٹے تخصصات اور محدود امتیازات کی قدر و قیمت گھٹا دی یا ختم کردی جس کو لوگوں نے اپنے جہل و تنگ نظری سے شرافت و کرامت کا اصلی معیار بنا رکھا تھا۔

اسلامی قومیت کا بحر ناپیدا کنار

اسے آپ یوں خیال کیجئے کہ ہمارے ملک میں چھوٹے بڑے دریا' گنگا' جمنا' نربدا' اٹک وغیرہ بجائے خود اپنے اپنے تخصصات کے ساتھ موجود ہیں اور ایک دوسرے سے جداگانہ وجود رکھتے ہیں۔ مگر یہ سب دریا ایک حد پر پہنچ کر اپنی اپنی ہستیوں کو سمندر کی بڑی ہستی میں اس طرح گم کر دیتے ہیں کہ وہاں ان کا کوئی امتیازی وجود باقی نہیں رہتا۔ ٹھیک اسی طرح دنیا میں وطنی' نسلی' لونی' حرفتی اور تمدنی تقسیم کے اعتبار سے گو سینکڑوں قومیتیں سہولت تعارف کے لئے اپنی اپنی جگہ موجود اور قائم ہوں پھر بھی یہ محدود قومیتیں اسلامی قومیت کے بڑے سمندر میں گر کر ایک ایسی قوم کی تشکیل میں شامل ہو جاتی ہیں جہاں ان کے وہ سارے امتیازات اور تفرقے ختم ہو جائیں۔

چو سلطان عزت علم برکشد
جہاں سر بہ جیب عدم درکشد

اسی عالمگیر اسلامی قومیت کا بیان صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے:۔

عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقی رکبا بالروحاء فقال

من القوم قالوا المسلمون فقالوا من انت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم (صحیح مسلم مصری طبع جدید ص ۹۹)

ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آنحضرت مقام روحا میں قافلہ سے ملے تو آپ نے پوچھا کہ کون قوم ہے انہوں نے کہا مسلمان، پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں آپ نے فرمایا اللہ کا رسول۔ (صحیح مسلم مصری طبع جدید ص ۹۹، ۹)

دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ سے پوچھا تھا کہ تم کون قوم ہو۔ جواب میں انہوں نے یہ نہ کہا کہ ہم حجازی یا نجدی یا یمنی ہیں یا قریش یا ہذیل یا تمیم یا کچھ اور ہیں۔ ان سب سے زیادہ قبائلی تعصب و غرور رکھنے والے ملک میں ان کا جواب صرف یہ تھا کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ اس وقت تک انہوں نے حضور کو پہچانا بھی نہ تھا۔ گویا وطنی اور نسلی عصبیت کے سب بت ٹوٹ چکے تھے اور بجز اسلام کے اب کوئی قیقی قومیت ان کے نزدیک باقی نہ رہی تھی۔

ابو عقبہ فارسی کے قصہ میں جو آپ "وانا الغلام الفارسی" کے نعرہ پر ناخوش ہوئے اور جب اس نے آپ کی تنبیہ کے موافق "وانا الغلام الانصاری" کا نعرہ لگایا تو آپ کو مسرت ہوئی۔ اس کا راز بھی یہی تھا کہ مسلمان کی نظر میں قومیت کی تاسیس بجائے ملک و وطن کے دین اور کمالات دین پر ہونی چاہئے۔ (پیام ملک ص ۱۶۳)

حضرت علامہ کی مذکورہ بالا تحریر نے قومیت کو فقہ کی روشنی میں اس قدر صاف استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے کہ منصف مزاج انسان تفقہ کے اس پر شوکت بیان کے سامنے سر تسلیم خم کئے بغیر نہ رہ سکتا۔

مولانا نے قرآن اور احادیث سے قومیت کی بنیاد اتحاد مذہب قرار دی ہے۔ اس سلسلہ میں انبیاء سابقین کی کافر قوم کو اتحاد وطن اور نسل کے باعث جس قومیت سے پکارا گیا ہے اس کا جواب مولانا کے تفقہ کی خاص نوعیت پیش کر رہا ہے۔ قرآن کریم سے یہ استدلال کہ منکم کافر و منکم مومن موصوف کی فقاہت پر خصوصی طور پر دلالت کر رہا ہے۔ پھر وہ حدیث کہ آنحضرتؐ نے قافلہ والوں سے جب قومیت کا سوال فرمایا تو انہوں نے بے ساختہ مسلمون کہہ کر قومیت کے نقش کو ابھار کر رکھ دیا ہے جس سے مولانا کی فقاہت نے قومیت کے معنی کو ذہنوں کے بہت قریب کر دیا ہے۔

فقیہ دانشمند اور فقہی معلومات و استدلال

زمانہ کے ان مجتہدانہ اور نازک مسائل کے بعد جو گذشتہ اوراق میں گزرے اب میں قاری کی ضیافت علمی کے لئے علامہ مرحوم کی وہ فقہی معلومات اور تحقیقات پیش کروں گا جو فقہائے سلف

کی مبسوط کتابوں سے متعلق ہیں اور جو ان کی فقہی بصیرت و معرفت کا مایہ ناز سرمایہ ہیں۔ مولانا کی حکمت آمیز فقہی نکتہ آرائیوں کی حقیقت پاکستان و ہند اور دیگر اسلامی ممالک کے علماء سے پوچھئے جن کی مجالس میں مولانا کی تقریریں آج تک گونج رہی ہیں۔

علامہ زاہد الکوثری کے تقریظی الفاظ پہلے بھی ایک دو جگہ آچکے ہیں انہوں نے حضرت عثمانی کے فقہ پر اپنے خط میں جو خیال کا اظہار کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

فانتم یا مولانا فخر الحنفیہ فی ھذا العصر حقا"۔ (فتح الملہم ص ۵۱۹ جلد نمبر ۳)

یا مولانا آپ اس زمانہ میں حق یہ ہے کہ حنفیت کے لئے فخر ہیں"۔

اپنے مکتوب کے علاوہ علامہ کوثری نے فتح الملہم کی دونوں جلدوں پر رسالہ "الاسلام" مصر میں جو تقریظ لکھ کر شائع کی ہے اس کی طویل عبارت میں سے حسب ذیل جملے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم کی فقہی بصیرت پر قاری کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"ولہ نزاھۃ بالغۃ فی ردودہ علی المخالفین من اھل الفقہ والحدیث

(فتح الملہم جلد سوم ص ۵۲۰)

اور ان (مولانا عثمانی) کو مخالفین اہل فقہ اور اہل حدیث (یعنی فقہا اور محدثین) کی تردید میں پوری نزاہت حاصل ہے۔

علامہ زاہد الکوثری مصری کی مذکورہ بالا عبارتیں ایک ناقد کے لئے جو سامان تبصرہ فراہم کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ مولانا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد کی حیثیت سے جس وسیع النظری انصاف و قابلیت سے مذاہب ائمہ کو بیان کر کے فقہ حنفی کی تائید کرتے ہیں وہ قابل تحسین ہے وہ محض کورانہ تقلید میں آکر ہی تائید نہیں کرتے بلکہ ان کے پاس اس کے لئے انصاف کی میزان ہے جس میں دلائل اور برہان کے اوزان ہیں اور اس وجہ سے علمائے احناف میں ان کی ہستی قابل فخر ہے پھر انہوں نے مسلم کی شرح فتح الملہم میں ابواب حدیث کے ماتحت جو اختلافی مسائل آئے ہیں اس پر بغیر تحقیق کئے آگے قدم نہیں بڑھایا ہے اور کسی فقہی بحث کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ بلکہ مذاہب کو قریب لانے کی کوشش کی ہے اور قوی مسلک کو اپنے براہین سے مضبوط بنایا ہے اور جو دلائل کمزور ہیں ان کو کمزور ثابت کیا ہے۔

اس وضاحت کے بعد یہ حقیقت اہل علم کے ذہنوں کی طرف آنے میں کتنی قریب رہ جاتی ہے کہ مولانا کا فقہی مقام قابل فخر ہے اور نہایت بلند ہے۔

گذشتہ اوراق میں مولانا کے اپنے مختلف ہنگامی ادوار میں جو فقہیہ مسائل پیش آتے رہے ہیں

ان کی مجتہدانہ فقہی قابلیتوں کا اظہار کیا گیا ہے اس حصہ میں علم فقہ کی مبسوط کتابوں میں مولانا عثمانی کی تحقیقات کا تذکرہ چھیڑا گیا تھا چنانچہ ان کی اس حصہ سے وابستہ تحقیق کا بہت بڑا حصہ دو جگہ بکثرت ملتا ہے۔ پہلا حصہ وہ ہے جو قرآن کریم کی مختلف احکام فقہی سے متعلق آیات کے ماتحت تفسیر میں انہوں نے پیش کیا ہے اور جو جا بجا مطالعہ سے ان کی تفسیر میں ملے گا۔ مثلاً مطلقہ کا نان و نفقہ، تحریم شہد، سورۂ جمعہ میں اذان کے بعد خرید و فروخت کی ممانعت اور اذان کی تحقیق اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح مسئلہ غنیمت و فے کی محققانہ تحقیقات وغیرہ وغیرہ فقہی مسائل بکثرت پائے جاتے ہیں۔

۲۔ دوسرا حصہ مولانا کی فقہی تحقیقات اور ترجیحات کا فتح الملہم شرح مسلم میں نظروں کے سامنے آئے گا جو ایک ضخیم حصہ کہا جا سکتا ہے ان دونوں کتابوں کے علاوہ ان کی ہر تصنیف میں کم و بیش فقہی معلومات اور تحقیقات ملیں گی۔ مثلاً "الشہاب" تمام تر فقہی دلائل و تحقیقات پر مبنی ہے فتح الملہم اور قرآنی اوامر و نواہی کے سلسلہ میں راقم الحروف کو جس قدر فقہ کے جوہر گرانمایہ ملے وہ اپنی جگہ ایک مستقل ریسرچ اور تحقیقات کی دنیا کے لئے قابل فخر ذخیرہ ہیں۔

یوں تو مولانا مرحوم کی ہر مجلس، ہر محفل، ہر درس، ہر انجمن تفسیر و حدیث و فقہ اور علم کلام کی انجمن تھی مگر خصوصی طور پر دارالعلوم دیوبند کی وہ مجلس اجتماع دیکھنے کے قابل ہوتی تھی جبکہ ہر جمعہ کی نماز کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مرحوم برادر بزرگ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے دور اہتمام میں دارالعلوم دیوبند کی کوٹھی پر منعقد ہوتی تھی۔ فقہی مسائل کا ذکر آتا اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مولانا عثمانی کی طرف اشارہ فرماتے اور شریعت اسلامی کا دروازہ کھل جاتا۔ دلکش آواز، سحر آفرین طرز کلام، دلنشیں استدلال نصفت شعار قوت فیصلہ جو سنتا چونک جاتا اور سر دھنتا۔

اسی سلسلہ کی ایک خاص مجلس مکہ معظمہ میں موتمر اسلامی کے نام سے ابن سعود شاہ حجاز کی طرف سے ۱۳۴۳ھ میں بلائی گئی جس میں مختلف ممالک کے علما کو مآثر اور آثار متبرکہ و مقابر اور اماکن مقدسہ کی تعمیر و انہدام سے متعلق تھی۔ بالخصوص مزارات و مقابر صحابہ اور قبوں کے انہدام کا مسئلہ نہایت اہم اور نازک صورت میں دنیائے اسلام کے سامنے اس وقت درپیش تھا۔ ابن سعود شاہ حجاز نے اپنے دور تسلط کے بعد مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے کتنے ایک مزارات کے قبے اس لئے منہدم کرا دیئے تھے کہ لوگ ان پر شرکیہ رسوم ادا کرنے سے باز نہ آتے تھے اور مجنونانہ اعتقادات اور مبالغہ آمیز بزرگان کرام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزارات پر حدود اسلامی سے تجاوز کرتے تھے۔ بہرحال ابن سعود کے اس فعل سے دنیائے اسلام میں ایک ہیجان بپا ہو گیا تھا۔ یہ

موتمر اسلامی مکہ معظمہ میں شاہ حجاز کی طرف سے منعقد کی گئی ہندوستان کی طرف سے ایک وفد خلافت کی جانب سے نمائندہ بن کر گیا تھا جس میں مولانا محمد علی شوکت علی اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ تھے اور دوسرا وفد جمعیۃ العلماء دہلی کی طرف سے تھا اس وفد میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی وغیرہم تھے۔

مولانا عثمانی مرحوم نے موتمر میں شریک ہونے والے دنیائے اسلام کے علماء کے سامنے جو مدلل فقہی موثر تقریریں کی ہیں وہ قابل ذکر ہیں۔ میں نے ان مسائل کو اس لئے یہاں درج کیا ہے کہ جو مسائل تفسیر عثمانی یا فتح الملہم میں طبع ہو چکے ہیں وہ مطالعہ کرنے والوں کی تحقیق میں آ چکے ہیں اور آتے رہیں گے لیکن جن مسائل کو متفرق مواقع سے حاصل کیا گیا ہے ان کو یہاں پیش کر کے مولانا کی تاریخی مجلسوں کو زندہ کر سکوں۔

اب میں قارئین کی ضیافت علمی کے لئے حضرت علامہ کی خودنوشتہ ڈائری میں سے (جو مجھے ان کی وفات کے بعد ان کی حقیقی برادر بابو فضل حق عثمانی وارد حال کراچی سے ملی) مختلف چیدہ چیدہ عبارتیں پیش کرتا ہوں۔ جن سے موتمر مکہ کی علمی مجلسوں میں آں موصوف کی بے باکانہ تقریروں، عالمانہ بحثوں اور فاضلانہ فقہی موشگافیوں کا اندازہ ہو سکے گا۔

موتمر مکہ میں شاہ ابن سعود اور علمائے اسلام کے سامنے علامہ شبیر احمدؒ کی تقاریر

ذیل میں راقم الحروف علامہ شبیر احمدؒ صاحب عثمانی کی ڈائری سے ان کی ہنگامہ آرا تقریروں کو جو موتمر مکہ میں کی گئیں۔ مولانا کے اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں:۔

۱۴ ذوالحجہ کو سید رشید رضا مصری ہمارے یہاں بغرض ملاقات آئے۔ (اور) ساڑھے تین بجے عربی ٹائم سے دونوں وفدوں کو موٹروں پر سوار کر کے امیر ابن سعود کے پاس لے گئے اور اس سے پیشتر امیر کی طرف سے پیام آیا کہ آپ لوگ کس وقت ملاقات پسند کرتے ہیں۔ وہاں پہنچے دو رویہ سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ امیر کے نمائندوں نے دروازہ پر استقبال کیا۔ امیر ابن سعود نے سب سے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور دعائیہ کلمات کہتے رہے۔ پھر رسمی الفاظ شکریہ وغیرہ کے کہے۔ پھر سید سلیمان نے تقریر کی جس میں زیادہ تر زور اس پر تھا کہ ہم عرب سے اجانب و اغیار کا اثر ہٹانا چاہتے ہیں۔ درمیان میں شوکت علی محمد علی (صاحبان) کی کچھ ترجمانی کرتے رہے جس میں جیل

وغیرہ کا ذکر تھا بعدہٗ مولوی عبدالحلیم صدیقی نے کچھ تقریر کی بعدہٗ بندہ نے ایک مبسوط تقریر کی جس میں ان کے مکارم اخلاق اور اکرام ضیف (مہمان نوازی) کو بیان کر کے اپنی جماعت دیوبند اور اپنے مسلک اور مشغلہ کی پوری بصیرت کے ساتھ تصریح کر کے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر زور دیا اور اس پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ہر چیز ہے اور یہ کتاب وسنت کا استعمال اور سنن کے مظان ومحال (مواقع) کی معرفت رائے اور اجتہاد کی طرف محتاج ایک طرف زینب سے نکاح ہے۔ دوسری طرف لولا حدثان قومک مالجاهلية الحديث (اگر تیسری قوم تازہ تو مسلم نہ ہوتی) ایک طرف جاهدالكفار والمنافقين واغلظ عليهم (کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے) ہے دوسری جانب فبما رحمة من الله لنت لهم (اللہ کی رحمت کی وجہ سے آپ ان کے لئے نرم ہو گئے) اور قصہ جنازہ عبداللہ ابن ابی تغلیظ (سختی) اور لین (نرمی) کے محال (مواقع) سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اختلاف بہت سے ہیں۔ اختلاف بين الايمان والكفر اختلاف بين النفاق والاخلاص، اختلاف بين السنت والبدعة، اختلاف بين الطائفة والعصبية، اختلاف بين فروع الاحكام وهذا هوالذي هو رحمة للامة (اور یہی وہ اختلاف ہے جو امت کے لئے رحمت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہر صنف کے ساتھ جداگانہ تھا۔ باوجودیکہ واغلظ عليهم کے آپ مخاطب تھے لیکن خشية ان يقول الناس ان محمداً صلى الله عليه وسلم يقتل اصحابه (اس خوف کے باعث کہ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، بھی موجود ہے۔ اختلاف فروع مثلاً رفع یدین، قرات فاتحہ، تامین بالجہر وغیرہ صحابہ، تابعین، خیر القرون اور ائمہ مجتہدین میں رہا۔ ہم ان چیزوں میں رواداری برتتے ہیں۔ بعدہٗ امیر (ابن سعود) نے تقریر کی جس میں یہ تھا کہ ”اختلاف فروع اور ائمہ اربع کے اختلافات میں ہم شدت نہیں کرتے لیکن اصل توحید جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے اور تمسک بالكتاب والسنت سے ہم کو کوئی چیز الگ نہیں کر سکتی خواہ دنیا راضی ہو یا ناراض۔ یہود ونصاریٰ مشرکین کو ہم کیوں کافر کہتے ہیں کہ وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں لیکن یہی کہتے ہیں مانعبدهم الاليقربونا الى الله زلفا (ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں) اور انا وجدنا اباءنا على امة و انا على اثارهم مقتدون“ (ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک ہی طریقہ پر پایا اور ہم بھی انہی کے نشان قدم کی پیروی کرتے ہیں) غرض اشارے کئے عباد قبور (قبر پرستوں) کی طرف۔ اس پر میں نے بھی تقریر کی اور کہا:۔

قبر پرست مسلمانوں کے متعلق فقہ کی روشنی میں علامہ عثمانی کی تقریر

کوئی شبہ نہیں کہ آدم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب نے توحید کی تعلیم دی، شرک کو رد کیا اور ان لاتعبدوا الا ایاہ (اس کے سوائے کسی کی عبادت مت کرو) کہا جس سے مراد توحید عبادت ہے لیکن کلام عبادت کے معنی میں ہے۔ مثلاً ہر سجود لغیر اللہ ضروری نہیں کہ عبادت غیر اللہ کے تحت میں آئے (اور) ہماری شریعت میں مطلقاً حرام ہو۔ یہ جداگانہ چیز ہے لیکن اگر سجود صنم (بت پرستی) اور سجود صلیب[1] (سولی کی عبادت) کی طرح شرک جلی اکبر تھا اور عبادت غیر اللہ (تو) ازلاً و ابداً (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) کسی امت اور کسی نبی کے لئے ایک لمحہ کے لئے جائز نہیں ہو سکتا حالانکہ جواز منصوص ہے۔ بعض مفسرین اس کو انحنا کے معنی میں لیتے ہیں اور بہت سے وضع جبہ علی الارض (پیشانی کو زمین پر رکھنے) کے باوجودیکہ کسی ایک عالم کو بھی کہیں یہ خیال نہیں ہوا کہ کسی زمانہ میں شرک مباح تھا اور توحید کا ماننا ضروری تھا۔

سجود صنم (بت پرستی) و حلت (یہودیوں کا خاص نشان) صرف سجود لغیر اللہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ شعائر خاصہ اقوام کفار ہونے کی وجہ سے کفر قرار دئے گئے ہیں آپ ساجد قبر کو تادیب وتعزیر (تنبیہ و سزا) کریں لیکن آپ ان کے دم (خون) اور مال کو عباد اصنام (بت پرستوں) کی طرح مباح نہیں کر سکتے۔ جس شخص کے ہاتھ میں خدا نے زمام حکومت دی ہے خصوصاً اس بقعہ مبارکہ کی اس کے لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ٹھنڈے دل سے ہمارے معروضات پر غور کیا جائے گا اور مزید گزارش کے واسطے بھی جب آپ موقع دیں گے حاضر ہیں"۔ (ڈائری خورشید مولانا عثمانی ازص ۱۰۱ تا ص ۱۰۳)

مولانا شبیر احمد صاحب کی تقریر اس مسلمان طبقے کے بارے میں جو قبروں پر سجدے کرتے ہیں فقہی حکم کے ماتحت خاص طور پر قابل غور ہے۔ سلطان ابن سعود اور ان کے علما کے نزدیک بظاہر وہ مسلمان جو قبروں پر سجدے کرتے ہیں کافر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ابن سعود نے اپنی تقریر میں یہود و نصاریٰ کی نظیر پیش کر کے اپنے خیال کو واضح کر دیا ہے اور اسی خیال کے ماتحت وہ اس قسم کے مسلمانوں کے جان اور مال کو کفار و مشرکین کی طرح حلال سمجھتے ہوں گے جیسا کہ مولانا عثمانی

---

[1] سجود صلیب سے مراد صلیب کی پوجا ہے۔ عیسائی اس سولی کو جس پر ان کے عقیدے کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی ہے۔ نشان عبادت خیال کرتے ہیں اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ (انور)

کی تقریر سے واضح ہے لیکن علامہ نے مسئلہ کی حقیقت کو کس فقہی انداز میں حل کیا ہے اور بتایا ہے کہ قبروں پر سجدہ کرنے والے مسلمان اس حکم میں نہیں ہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ یا بت پرست۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر کسی نبی یا کسی امت کے لئے صورت میں بھی اللہ کے سوائے کسی کو سجدہ جائز نہ ہوتا۔ ہاں مولانا عثمانی کا یہ مطلب نہیں کہ مزارات پر سجدے جائز ہیں یا حرام نہیں بلکہ ان کا منشا فقہی نقطہ نگاہ سے یہ ہے کہ مسلمان قبر پرست کو دیگر مشرکین کی طرح کافر نہیں کہیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ سجدہ کر کے وہ اظہار عقیدت کر رہا ہو اور اپنی عاجزی یا مسجود کا احترام سجدہ سے ارادہ رکھتا ہو جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے والدین اور ان کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا اور مقصد صرف احترام یوسف علیہ السلام یا اللہ کی قدرت پر سجدۂ حیرت و عظمت تھا۔ بہر حال جو بھی کچھ تھا سجدہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے اختلافات کی مختلف قسمیں بیان فرما کر اور فروعی مسائل کے اختلاف پر روشنی ڈال کر اختلاف امتی رحمۃ کے مطلب کو بھی روشن کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساجد قبر کو کفر سے نکال کر مولانا عثمانی نے بت پرستوں اور مسلمان قبر پرستوں میں فرق قائم کر کے سلطان ابن سعود کو فقہی مسئلہ پر ٹوکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مولانا کی اس تقریر پر سلطان ابن سعود اور وہاں کے دیگر علما نے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے جن کو موصوف نے اپنی ڈائری میں ذیل کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"امیر (ابن سعود) نے کہا کہ میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ کے خیالات اور بیان میں بہت رفعت اور علو ہے اور دقیق مسائل پر مشتمل ہے لہذا میں ان تفاصیل کا جواب نہیں دے سکتا اس کا جواب علما بہتر دے سکیں گے۔ انہی سے یہ مسائل طے ہو سکتے ہیں"۔ (ڈائری ص ۲۲)

اب سلطان ابن سعود کی پہلی تقریر کا جملہ پڑھئے کہ "کتاب و سنت سے ہم کو کوئی چیز الگ نہیں کر سکتی خواہ دنیا راضی ہو یا ناراض یہود و نصاریٰ مشرکین کو ہم کیوں کافر کہتے ہیں۔ کہ وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں"۔ ان الفاظ میں قبروں پر سجدہ کرنے والے مسلمانوں کے کفر کی طرف اشارہ ہے لیکن جب فقیہ دانش مند نے اپنی فقہی بصیرت کو پیش کیا تو ابن سعود خاموش ہو گئے اور مسئلہ کو اپنے علما کے حوالہ کر دیا۔ مولانا کے سامنے عرب کے علما کی کیفیت اور خموشی کا حال مولانا عثمانی کی تقریر کے بعد کیا ہوا اور بھی مولانا کی زبانی سنئے لکھتے ہیں:۔

شیخ عبدالعزیز عقیقی[1] نے بیان کیا کہ جلالۃ الملک (سلطان ابن سعود مذہبی تقریروں سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ شبیر احمد عثمانی کی تقریر سے بہت محظوظ اور متاثر ہوئے اور اپنے بعض علما اور اصحاب رائے وفکر سے بعض اجزائے تقریر نقل کیے بعض علما نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سجود لغیر اللہ شرک نہ ہو۔ سلطان نے فرمایا کہ وہ لوگ سجود لغیر اللہ میں تقسیم کرتے ہیں اور شرک کے مراتب و مدارج بیان کرتے ہیں عقیقی نے کہا کہ یہ چیز پہلی دفعہ ہمارے کانوں نے سنی۔" (ڈائری ص ۲۶، ۲۷)

مذکورہ عبارت سے علمائے مکہ کا استعجاب اور مولانا عثمانی کی فقہی نکتہ آرائی کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے زاویہ خیال میں بھی وہ تحقیق سجدۂ قبر سے متعلق نہ تھی جو علامہ عثمانی نے بیان کی۔ چنانچہ عقیقی کا یہ جملہ کہ "یہ چیز پہلی دفعہ ہمارے کانوں نے سنی"۔ حقیقت سے پردہ اٹھا رہا ہے۔

مسئلہ مذکورہ کے متعلق مولانا عثمانی نے ۲۵ ذوالقعدہ کے ایک اور اجلاس میں جبکہ سلطان نے جمعیۃ العلماء کے وفد کو وہ پہر کے وقت اپنے پاس بلا کر بات چیت کی اور تقریر بھی کی۔ خوب واضح فرمایا ہے۔ آپ نے سلطان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"آپ کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ کی نسبت یعنی شعب نجدیین کے متعلق ہندوستان میں بہت سے خیالات تھے۔ اگرچہ ہم ہمیشہ سے حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ ان سے مستفید بھی ہوئے ہیں اور بعض تفردات وغیرہ میں ان پر انتقاد (تنقید) بھی کرتے رہے ہیں لیکن خاص طائفہ نجدیہ کے معتقدات کا حال ہم کو محقق نہ تھا۔ چند روز ہوئے ہم نے دو کتابیں آپ کی پڑھیں "الہدیۃ السنیہ" اور "مجموعۃ التوحید"۔ ان کے مطالعہ سے بہت چیزیں جو آپ کی طرف منسوب ہو رہی تھیں ان کا افترا ہونا ثابت ہوا پھر بھی چند مسائل میں اختلاف رہا۔ بعض میں قریب اختلاف لفظی کے ہے ہاں سخت اختلاف ان لوگوں کی تکفیر میں ہے جو قبر کو سجدہ کرتے ہیں یا اس پر چراغ جلاتے ہیں یا غلاف چڑھاتے ہیں۔ ہم ان امور کو بدعت اور منکر سمجھتے ہیں اور ہمیشہ مبتدعین سے جہاد بالقلم واللسان کرتے ہیں لیکن عباد الاوثان (بت پرست) اور یہود و نصاریٰ کی طرح مباح الدم والمال (جن کی جان لینا اور خون بہانا مباح ہو) نہیں سمجھتے جس کا ذکر میں پہلی ملاقات میں آپ سے تفصیلات کر چکا ہوں اور آئندہ اگر وقت نے مساعدت کی اور خدا نے توفیق بخشی تو شیخ عبداللہ ابن بلیہد وغیرہ سے اس پر مفصل کلام کیا جائے گا۔ (ڈائری) ص ۲۵، ۲۶، ۲۷

مذکورہ عبارت سے روز روشن کی طرح مولانا کی وسعت نظری کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی کے کفر

---

[1] شیخ عبدالعزیز عقیقی سلطان ابن سعود کی مجلس علما کے ایک اعلیٰ رکن تھے۔

میں کس قدر محتاط ہیں ان کے نزدیک احمد رضا خانی پارٹی کافر نہیں ہے یہی فرق ہے محتاط خدا سے ڈرنے والے حقیقی ذمہ دار عالم اور غیر ذمہ دار عالم میں۔ بلکہ کسی ایک مخصوص شخص کے سوائے علمائے دیوبند سوائے اصول سے اختلاف کرنے والے فرقہ کے کسی کو کافر نہیں کہتے۔ دیکھئے بریلوی حضرات بلا تخصیص علمائے دیوبند کو کافر کہتے ہیں مگر مولانا عثمانی موتمر مکہ میں سلطان کے سامنے ان کے مسلمان ہونے کی کس طرح وکالت کر رہے ہیں۔ ایک اور مقام پر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے خط کا جواب دیتے ہوئے مراسلات سیاسیہ کے ایک مکتوب مورخہ ۲۹ دسمبر میں کفر و اسلام کے مسئلہ کے سلسلہ میں فقیہ دانش مند لکھتے ہیں:۔

"سر سید احمد خان اب کہاں ہیں جو ان کے ذاتی عقائد کا مسئلہ زیر بحث لایا جائے تمام علی گڑھ والوں کو یک قلم ان کے جملہ عقائد میں ہموار رکھنا محض تحکم ہے کیا آپ کے یا دوسرے اکابر علما کے نزدیک تمام علی گڑھ والے کافر و مرتد ہیں؟ ایسے مسائل میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ خلط بحث نہ کیجئے۔ کفر و ارتداد کی بحث اسلام کے نازک ترین مباحث میں سے ہے۔" (مراسلات سیاسیہ ص ۴۵)

مذکورہ عبارت سے حضرت علامہ کا فقہی مقام متقیانہ اور محتاط وضع ملاحظہ کیجئے۔ یہی تو وہ عثمانی کی صفت ہے جس پر بے ساختہ قربان ہونے کو دل چاہتا ہے وہ کم فہم تنگ دل اہل علم غور کریں کہ جو کفر کا فتوٰی کسی پر لگا دینا بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔

انہدام تعمیرات قبور و زیارت مقامات مقدسہ

سلطان ابن سعود کے سامنے اہم مسائل میں سے صحابہ وغیرہم کے قبوں اور مزارات کی عمارتوں کے منہدم کرنے اور مآثر و مقامات مقدسہ کے آثار کو قائم رکھنے یا گرانے اور ان کی زیارتوں سے برکت حاصل کرنے کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ بھی بہت اہم تھا۔ سلطان نے ان قبوں اور مزارات متبرکہ کی عمارتوں کو گرانے کی وجہ یہ خیال کی تھی کہ لوگ عقیدت میں آ کر ایسے امور کا ارتکاب کرتے ہیں جن میں شرکت ہوتا ہے ان کے سامنے حضرت عمرؓ کا وہ واقعہ تھا کہ انہوں نے لوگوں کے حالات کے پیش نظر اس درخت کو کٹوا دیا جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افواہ پر اہل مکہ کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی بیعت لی تھی۔ اس خصوصی مسئلہ میں مولانا عثمانی نے جو تقریر ابن سعود کے سامنے کی ہے وہ قابل غور ہے۔ تقریر حسب ذیل ہے ملاحظہ فرمائیے۔

"ہم بنا علی القبر (قبر پر عمارت بنانے) کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ ہم نے فتوے دیئے ہیں بحثیں کی ہیں لیکن ہدم قباب (قبوں کے منہدم کرنے میں) ضرورت تھی کہ بہت تانی (ڈھیل) اور حکمت سے کام لیا جاتا۔

جب ولید بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ حجرات ازواج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدم کر کے مسجد کی توسیع کریں تو انہوں نے ہدم کا حکم دیا حتیٰ کہ تینوں قبریں کھل گئیں۔ اس وقت عمر بن عبدالعزیز اس قدر روئے تھے کہ کبھی اس قدر روتے ہوئے نہ دیکھے گئے حالانکہ خود ہی ہدم کا حکم دیا تھا۔ پھر نہ صرف قبر نبی علیہ السلام پر بلکہ تینوں قبروں پر بنا کرائی (عمارت بنوائی) میری غرض اس وقت تجویز بنا (قبروں پر عمارات بنوانا) نہیں بلکہ یہ بتلانا ہے کہ قبور اعاظم و اکابر کے ساتھ ہدم وغیرہ کا معاملہ ایسا ہے جس کو قلوب میں ایک تاثیر اور دخل ہے مقابر (قبروں) کے معاملہ میں میں زائد نہیں کہنا چاہتا اور شیخ کفایت[1] اللہ مجھ سے پہلے کہہ چکے ہیں (البتہ) مآثر (مقامات مقدسہ) کے متعلق میں کہوں گا کہ حدیث اسراء میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ آپ کو جبریل نے چار جگہ اتارا اور نماز پڑھوائی اور بتلایا کہ یہ یثرب یا طیبہ ہے۔ **والیہ المهاجرہ** یہ طور سینا ہے **حیث کلم اللہ موسیٰ تکلیما** جس جگہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا' یہ مدین ہے حیث ورد موسیٰ و مسکن شعیب (جس جگہ موسیٰ علیہ السلام آئے اور شعیب علیہ السلام سکونت پذیر رہے) یہ بیت اللحم ہے **حیث ولد المسیح علیہ السلام** (جس جگہ عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے) پس اگر طور پر آپ سے اس لئے نماز پڑھوائی گئی کہ وہاں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا تو جبل النور پر جانے اور نماز پڑھنے سے ہم کیوں روکے جائیں جہاں کہ اللہ کا کلام لے کر جبرئیل (علیہ السلام) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ سب سے پہلے جب مولد (جائے پیدائش مسیح پر حضور سے دو رکعتیں پڑھوائی گئیں تو کیا غضب ہے کہ امت محمد مولد النبی (نبی کریم کی جائے پیدائش) میں دو رکعت نہ پڑھ سکے۔ مدین میں حضرت شعیب (علیہ السلام) رہتے تھے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کچھ عرصہ ٹھہرے تھے پھر مسکن خدیجہؓ جہاں حضور ۲۸ برس رہے اور جس کو طبرانی نے افضل البقاع بعد المسجد الحرام فی مکہ (مکہ میں مسجد حرام کے بعد سب سے افضل جگہ) لکھا ہے کیوں اس قابل نہیں کہ وہاں دو رکعت پڑھ لی جائیں یا جبل ثور جہاں آپ تین روز مختفی (چھپے) رہے اس پر نماز کیوں نہ پڑھی جائے۔ یہ حدیث تبرک بآثار الصالحین (بزرگوں کے نشانات سے برکت حاصل کرنے) میں اصل اصیل ہے۔ بہر قصہ (میں نے) عتبان بن مالک کا ذکر کیا اور حدیبیہ کا قصہ کیا ہے جس میں تخا[2] مہ اور اشعر اور ماء وضو (وضو کا پانی) وغیرہ کا تبرک ہونا

---

[1] حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی جو اس موتمر میں جمعیۃ العلمائے ہند کی طرف سے نمائندہ ہو کر گئے تھے۔

[2] تخامہ شعر کی تحقیقات

مذکور ہے۔ پھر عبداللہ ابن عمرؓ کی بخاری والی حدیث ذکر کی پھر کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ ابن سعود نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شجرۃ الرضوان کو کٹوا ڈالا تھا۔ لیکن یہ صرف مصلحت تھی قطع ذرائع شرک اور حسم مادہ شرک کے لئے اگرچہ یہ مصلحت اب بھی موجود ہے لیکن دوسری طرف آج مسلمانوں کے ائتلاف قلوب (دلوں کے جوڑنے) کی مصلحت ہے اور ان کو ان بلاد مقدسہ کی طرف سے اور اس حکومت کی طرف سے جو یہاں حکومت کرے نفور ہونے سے بچاتا ہے اور تشتت و تفرق (پھوٹ) کو کم کرتا ہے۔ دونوں مصالح کا موازنہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ بہر حال کلام اب اصل مسئلہ میں نہیں بلکہ مصالح کے توازن میں ہے اس میں پوری احتیاط کرنی چاہئے۔ آپ بدعات و منکرات سے لوگوں کو روکیں نصیحت کریں۔ تادیب کریں لیکن اصل چیز کو محو نہ کریں۔ وایاکم والغلو فی الدین فان الغلو فی الدین قد اھلک من کان قبلکم او کما قال وقال اللہ تعالیٰ "یاھل الکتٰب لاتغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق . فیسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا و کونوا عباداللہ اخوانا (ترجمہ) اور دین میں غلو (حد سے زیادہ نوک پلک) مت کرو۔ کیونکہ دین میں غلو نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا یا جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو مت کرو اور اللہ پر سچ کے سوائے کچھ نہ کہو۔ اس قول کے مطابق سہولت پیش کرو۔ اور تنگی میں نہ ڈالو اور ان کو اپنی طرف ملاؤ متنفر نہ کرو اور بھائی بن کر اللہ کے بندے بنو۔ انوار) (ڈائری عثمانی از صفحہ نمبر ۴۳ تا ص ۵۰)

مذکورہ بالا تقریر مولانا عثمانی کے فقیہانہ ذوق، قوت اجتہاد، زور استدلال اور قیاس و استشہاد فقیہانہ کی بہترین آئینہ دار ہے۔ اس خطابت میں انہوں نے قبروں پر گنبد، عمارت وغیرہ بنوانے کو ناجائز فرمایا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر صحابہ کرامؓ، بزرگان عظام کی قبروں پر قبے بنے ہوئے ہوں تو پھر ان کو منہدم کرانا مصلحت کے خلاف ہے اس دعوے کی دلیل میں انہوں نے ولید بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس عمل کی کہ اول الذکر نے موخر الذکر کو آنحضرت علیہ السلام کی بیبیوں کے حجرے گرانے اور مسجد کو وسیع کرنے کا حکم دیا تھا۔ پیش کی ہے چنانچہ حجرے گرائے گئے تا آنکہ تینوں قبریں کھل گئیں اور پھر عمر بن عبدالعزیزؒ جو اپنے زمانہ کے مجدد گزرے ہیں ایسا کرنے پر روئے اور پھر نہ صرف روضۂ اکرمؐ پر عمارت بنوائی بلکہ ازواج مطہرات کی قبروں پر بھی عمارتیں بنوائیں۔

علاوہ ازیں مآثر کے سلسلہ میں علامہ عثمانی کا مجتہدانہ رنگ قیاس کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کو اگر معراج میں مقامات مقدسہ پر نماز پڑھوایا جانا عمل کی روح اور برکت و رحمت کا سامان ہو سکتا ہے تو امت محمدیہ کے افراد مآثر و مقامات مقدسہ پر نوافل پڑھیں یا حصول برکت کے افعال ان سے سرزد ہوں تو کیا مضائقہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب مسائل حضرت عثمانی کے فقہی رنگ پر بہترین تبصرے کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ مولانا نے شجرۂ رضوان کی نظیر سے مصلحت عامہ مسلمین اور تالیف قلوب امت مسلمہ کے پہلو کو مقدم سمجھتے ہوئے مآثر پر شرکیہ افعال سے بچانے کے لئے تنبیہ و تادیب کی تجویز پیش کی ہے جس سے ہر چیز اپنی اپنی جگہ چسپاں نظر آتی ہے۔

غلاف کعبہ

موتمر مکہ کی ایک مجلس "لجنۃ الاقتراحات" میں غلاف کعبہ یا کسوۂ کعبہ کا مسئلہ پیش ہوا کہ آیا غلاف کعبہ ریشمی جائز ہے یا حرام ہے نیز اس میں اسراف ہے یا نہیں۔ بعض علما کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھانے کو اسراف کہتے تھے اور یہ بھی کہ ریشم کا استعمال حرام ہے۔ مولانا عثمانی اپنی ڈائری میں اس مجلس اور مسئلہ کے متعلق حسب ذیل تفصیلات پیش کرتے ہیں:۔

"۴ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۶ء کو لجنۃ الاقتراحات میں کسوۂ کعبہ (غلاف کعبہ) کا مسئلہ پیش ہوا کہ اس میں بہت اسراف ہوتا ہے۔ اس کے مصارف گھٹا کر دوسرے وجوہ خیر میں صرف کیے جائیں۔ حریر و ذہب (ریشم اور سونا) وغیرہ کا استعمال بالاتفاق حرام ہے۔ اس پر محمد علی صاحب (جوہر) نے اور عبداللہ شیبی نے سختی سے مخالفت کی۔

غلاف کعبہ کے اسراف و عدم اسراف پر علامہ عثمانی کی تقریر

پھر میں نے کہا کہ اس میں علما نے بہت کچھ کلام کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دو ورق کے قریب اس پر لکھے ہیں تاریخی بحثیں کی ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ پر کسوہ (غلاف کس نے ڈالا اور کس چیز کا ڈالا گیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً دیباج[1] و حریر کا کسوہ (لباس) حضرت عباس بن عبدالمطلب کی والدہ نے ڈالا۔ اور بھی اقوال ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عہد میں دیباج و حریر کا غلاف تھا پھر اس میں تکلفات ہوتے رہے۔ علما نے کسی وقت منع نہیں کیا بلکہ جن لوگوں نے اس کا زیادہ اہتمام کیا ان کو علما نے دعائیں دیں۔ کمافی الفتح کعبہ کا حکم دوسرے تمام بیوت (گھروں) اور مساجد سے مستثنیٰ ہے۔ اس پر علما کا

---

[1] دیباج ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہوتا ہے۔

اتفاق ہے اس کو بدعت یا منکر قرار دینا صحیح نہیں"۔ (ڈائری از ص ۲۵۸ ص ۲۶۱)

غلاف کعبہ کے ریشمی ہونے پر بعض علمائے مجلس نے حرمت و اسراف کا بہت جلد فیصلہ کر کے غیر محتاط اقدام کیا ہے۔ دیکھئے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے فتح الباری کی تحقیقات سے تاریخی اور فقہی پہلو کو متعین کر دیا اور جو علما اس کو فقہی خیال کے ماتحت ناجائز خیال کئے ہوئے تھے مولانا نے ان کی تقلید نہیں کی۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اس کو اسراف کی حد میں رکھا بھی نہ جائے تو کیا غلاف کعبہ کی قیمت کو کسی اور کار خیر میں صرف کرنا مصلحت ہوگا یا نہیں۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ امر متعین ہے کہ فقہی نقطہ نگاہ سے مولانا عثمانی کی تحقیق فیصلہ کن ہے لیکن اگر مصلحت خیر کو پیش نظر رکھا جائے اور کسی زمانہ کے حالات غلاف کعبہ کے قیمتی ہونے کی بجائے گھٹا کر کسی اور کار خیر میں خرچ کئے جائیں تو ایسا کرنے کی خاص خاص ہنگامی حالات میں گنجائش نکلتی ہے ورنہ اکرام کعبہ کے لئے قیمتی غلاف مصلحت سے خالی نہیں۔

تطہیر جزیرۃ العرب

موتمر مکہ کی "لجنۃ الاقتراحات" میں تطہیر جزیرۃ العرب یعنی کفار کا جزیرۂ عرب سے اخراج یا کم از کم اعلان اپنی جگہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب (یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کرو) بدقسمتی سے سلطان ابن سعود کے نئے اقتدار و تسلط سے پہلے شریف حسین والی مکہ دشمنان اسلام برطانیہ کے ہاتھوں پر ناچ رہا تھا اور انگریزوں نے وہاں اپنا اچھا خاصہ تسلط جما رکھا تھا۔ یہی پالیسی شریف کی تباہی کا باعث ہوئی۔ ابن سعود نے حملہ کر کے شریف کو نکال باہر کیا۔

موتمر مکہ کی مجلس میں یہ سوال زیر بحث آیا کہ اگرچہ انگریز کے نکالنے کی سر دست ہمیں استطاعت نہیں لیکن کم از کم دنیائے اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا جائے کہ ہمیں کسی غیر مسلم کا دخل یا وجود جزیرۂ عرب میں منظور نہیں۔ اس تجویز پر روس کے وفد کے رئیس نے ایسے اعلان کو بھی مصلحت کے خلاف سمجھا اور اپنے فقہی نقطہ نگاہ سے ایسا اعلان مناسب خیال نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے جو کچھ تقریر فرمائی اور اپنے تفقہ کا ثبوت دیا وہ یہ ہے۔ مولانا عثمانی لکھتے ہیں:۔

۵ ذی الحجہ کو "لجنۃ الاقتراحات" میں بڑی رد و کد کے بعد جزیرۃ العرب کی تجویز پیش ہوئی۔ اس کی مخالفت میں رئیس وفد روسیہ نے طویل تقریر کی۔ اس میں زیادہ (زور) اس پر تھا کہ اس

ریزولیوشن کا نتیجہ حکومت حجازیہ اور موتمر کے حق میں برا ہوگا یہ اعلان کر کے تمام دول اجنبیہ کو تشویش اور ہیجان میں ڈالنا ہے ہم کو حکمت اور تدبیر کیساتھ قدم اٹھانا چاہئے۔ ایسا کام نہ کریں جس سے یہ حکومت حدیثہ حجازیہ (حجاز کی نئی حکومت) جو چنداں قوی نہیں ہے فنا ہو جائے۔ وصیت رسول اللہ صلعم کا کسی کو انکار نہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت اس کے اعلان کا موقع بھی ہے اس کے نتائج کیا ہوں گے یورپ موتمر اور اس نئی حکومت کی طرف تاک رہا ہے اور اس کے اعمال کا مراقبہ کر رہا ہے۔ ہم اس کو فوراً مشتعل نہ کریں۔ باقی جو مقصد تجویز کا ہے وہ سب مسلمانوں کے سینوں اور دلوں میں ہے دیکھئے رسول اللہ صلعم نے حدیبیہ میں کس طرح صلح اور معاہدہ کیا۔ کیا اس میں ہمارے لئے اسوہ نہیں ہے۔ اس پر میں نے تقریر کی۔

تقریر مولانا شبیر احمد صاحبؒ بسلسلہ تجویز جزیرۃ العرب وتردید تقریر رئیس وفد روسی

میں نے کہا کہ وصیت کے ثبوت سے کسی کو انکار نہیں۔ صحیح احادیث میں مذکور ہے اور مقترح نے اسی وصیت پر اپنے اقتراح کی بنیاد رکھی ہے آپ سب اس کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ہر مسلمان کا عزیز ترین مقصد اور محبوب ترین تمنا ہے لیکن آپ کہتے ہیں کہ حکومت حجاز کے لئے اس میں خطرہ ہے وہ اپنے کو اس طرح کے خطرات میں کیسے ڈال سکتی ہے۔ نہ ہم اس کو ایسا مشورہ دے سکتے ہیں میں کہتا ہوں کہ آپ حکومت کی طرف سے ایک ایسی چیز پیش کرتے ہیں جس کو خود حکومت پیش نہیں کرتی نہ غالباً وہ ہماری اس مصلحت اندیشی سے راضی ہوگی ہمارے سامنے رسول کریم صلعم کی دو وصیتیں ہیں جو اس دنیوی حیات کے آخری لمحات میں آپ نے ساتھ ساتھ فرمائی ہیں۔ ایک **اخرجوا الیہود والنصارىٰ من جزیرۃ العرب** (یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو) دوسری (وصیت) **لعن اللہ الیہود والنصارىٰ اتخذوا القبور انبیاءھم مساجد یحذرھم ما صنعوا** (اللہ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا) یہ دونوں وصیتیں آپ نے ساتھ ساتھ فرمائیں۔ فرق اتنا ہے کہ پہلی وصیت بصیغۂ امر ہے اور دوسری تحذیر (دھمکی) کے پیرایہ میں ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ حکومت حجاز نے دوسری وصیت کے نفاذ اور اجرا میں جو قبور سے متعلق تھی کس قدر اہتمام اور مسارعت (جلدی) سے کام لیا نہ عالم اسلامی سے مشورہ کیا نہ ان کے اجتماع کا انتظار کیا نہ علماو فضلا

سے مبادلہ خیالات کی ضرورت بھی نہ اس کی قطعاً پروا کی کہ مسلمانوں میں اس فعل سے بجا یا بیجا طور پر کیسی تشویش اور ہیجان ہوگا۔ کتنی بڑی اہم تعداد مسلمانوں کی (اور ممالک اسلامیہ) اس عمل سے متوحش اور نفور ہوں گے حکومت نے کہا کہ ہم کتاب وسنت سے تمسک کرتے ہیں۔ جب سنت صحیحہ ہمارے سامنے ہے پھر ہم کو کسی کا کوئی خوف نہیں۔ دنیا راضی ہو یا ناراض۔ کوئی ہمارا ساتھ دے یا نہ دے ہم کو کچھ سروکار نہیں۔ کائنا ما کان ایسی حکومت جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وصیت کے نفاذ میں کسی طرح کی مصلحت اندیشی اور اسلامی جماعتوں کی خوشی یا ناخوشی کی کوئی پروا نہیں کی۔ میں خیال نہیں کرتا کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دوسری وصیت کے صرف اعلان کرنے میں کفار کی تشویش اور اضطراب کی پروا کرے گی۔ ہم حکومت کی طرف اس خوف کو منسوب کرتے ہیں جسے خود حکومت اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتی۔ میری غرض یہ ہے کہ موتمر کو یا حکومت حجاز کو جبکہ اس کا تعلق تمام عالم اسلام سے ہے ہر ہر کام میں تانی (ڈھیل) اور تدبیر ومصلحت اندیشی سے کام کرنا چاہئے ہم کو یہ مناسب نہیں کہ ہم ایک برائی کے دفع کرنے میں اس سے بھی بڑی برائی پیدا کردیں میرے نزدیک ریزولیشن کے اعلان میں کوئی ضرر نہیں۔ الفاظ میں توسط اور تعدیل کا مضائقہ نہیں لیکن اس ریزولیشن سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ تمام دنیا آگاہ ہوجائے کہ مسلمانان عالم باوجود اپنے غایت تفرق وتشتت احوال کے باوجود بحث اختلاف اجیال و اقوام کے پھر بھی ایک متفقہ نصب العین رکھتے ہیں۔ اور وہ جزیرۃ العرب خصوصاً حجاز کی حفاظت و صیانت ہے۔ یہ ایک ایسا مقصد ہے جو حاکم ومحکوم، ضعیف وقوی، مستقل اور غیر مستقل آزاد اور غلام ہر مسلمان کا مطمح نظر ہے جو ان کے سینوں اور دلوں میں نقش فی الحجر ہے۔ جس کے لئے وہ اپنے تمام وسائل اور اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکومت حجازیہ کے متعلق بہت سے لوگ ظنون واوہام میں مبتلا ہیں۔ جن پر ہم ہندوستان میں مطلع ہو چکے ہیں (یعنی انگریزوں سے تعلقات رکھنے کی نسبت) اس ریزولیشن سے مسلمانوں کے قلوب حکومت حجاز کی طرف سے مطمئن ہوجائیں گے اور ان کو شفائے صدور حاصل ہوگی۔ صلح حدیبیہ کی سنت کا جو حوالہ دیا گیا ہے میں اس کو مانتا ہوں لیکن میں ایک دوسری سنت بھی یاد دلاتا ہوں کہ اس وقت جس سے بڑھ کر اسلام کے حق میں سختی اور مصیبت کا کوئی وقت نہ تھا اور جبکہ چند معدودے نفوس آپ کے ساتھ تھے۔ اسی بلد اللہ الحرام (مکہ معظمہ) میں جہاں ہم اور آپ مجتمع ہیں نبی کریم صلعم کو لوگوں نے اعلان حق اور دعوت الٰہیہ سے روکنا چاہا لیکن آپ نے فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر وہ لوگ آسمان سے اتار کر سورج کو میری ایک مٹھی میں اور چاند کو دوسری مٹھی میں رکھ دیں تب بھی محمد (صلعم) اس چیز سے ہٹنے والا نہیں ہے جس کے لئے اس کے پروردگار نے اسے بھیجا ہے۔ پس میں کہتا ہوں مقترح کی تجویز دونوں سنتوں پر مشتمل ہے۔ پہلے جز میں اعلان حق کیا جاتا ہے جس میں کوئی پروا نہیں کہ کون اس سے خوش اور کون ناخوش اور تجویز کے دوسرے جز میں سنت حدیبیہ کی رعایت ہے کہ ہم کوئی اعلان جنگ نہیں کر رہے ہیں بلکہ جزیرۃ العرب کو ایک سلمی صلحی اور حیادی مقام رکھنا چاہتے ہیں اور یہ ہی ہماری کوشش ہے۔ هذا ما كنت اريد التكلم به والامر بيدالله سبحانه و تعالىٰ (یہ ہے جس کے متعلق کلام کرنے کا میں نے ارادہ کیا تھا اور فیصلہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے)

شیخ قاضی ابوالعزائم نے اس کی بہت داد دی۔ ایک مصری نے کہا کہ ہم دونوں وصیتوں میں سے ایک کی استطاعت رکھتے ہیں۔ دوسری کی نہیں اور حدیث میں آیا ہے اذا امرتكم بشيء فاتوا منه ما استطعتم (جب میں کسی بات کا تمہیں حکم دوں تو اس میں سے جس کی تمہیں طاقت ہو اس کو بجالاؤ)۔ میں نے کہا کہ اخراج یہود ونصاریٰ اگر ہماری استطاعت میں فی الحال نہیں لیکن اپنے فریضہ اور نصب العین کا اعلان ہماری استطاعت میں ہے اور اعلان میں جو فوائد ہیں وہ میں بیان کر چکا ہوں۔

عبداللہ العفیفی نے کہا کہ اگر سلطان کو یہ معلوم ہوتا کہ قبور والی وصیت پر عمل کرنے سے اس قدر تشویش اور ہیجان مسلمانوں میں پیدا ہو جائے گا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے"۔ (ڈائری حجازی از ص ۶۲ تا ص ۸۱)

مذکورہ تقریر اگر بغور دیکھا جائے تو اپنی جگہ نہایت اہم اور ملت اسلامیہ کی زندگی اور موت کا نازک مسئلہ ہے۔ تطہیر جزیرۃ العرب کی اہمیت اور نزاکت کی حقیقت کے لئے کیا یہ کچھ کم ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں اس کی وصیت فرما رہے ہیں اور ایسے مواقع پر انہی امور کی وصیت کی جاتی ہے جو اپنی فخامت شان میں خصوصی مقام رکھتے ہوں۔ اس نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے فقاہت جس امر کی مقتضی ہے وہ وہی فیصلہ ہے جو حضرت علامہ عثمانی نے پیش کیا ہے۔ روسی وفد کے رئیس نے جس مصلحت کو پیش نظر رکھا ہے وہ پہلو بھی ہر چند کہ دل کو لگتا ہے انہوں نے صلح حدیبیہ کی نظیر پیش کر کے اپنے دعویٰ کو مضبوط کرنے کی ضرور کوشش کی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اس مسئلہ میں قائدروس کی تائید کی جائے۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو صلح حدیبیہ اور اس عہد کے حالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

۱۔ صلح حدیبیہ کے وقت مکہ پر کفار کا تسلط تھا اور مسلمان وہاں سے جلاوطن تھے۔

۲۔ اس عہد میں مکہ پر مسلمانوں کا اقتدار ہے اور کفار کی تعداد قلیل ہے۔ مگر سیاسی اتار چڑھاؤ کا یہ عالم ہے کہ شریف مکہ انگریزوں کے ہاتھ میں کٹ پتلی کی طرح ناچ رہا ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی انگریزوں کے اشارے پر شریف مکہ کے ذریعہ گرفتاری اس بات کا صاف ثبوت ہے کہ وہاں انگریز کی چشم وابرو کے اشارے چل رہے ہیں۔ اغیار کا دبدبہ حکومت مکہ کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ اندریں حالات ابن سعود کی حمیت نے شریف کی حکومت کے پرخچے اڑا دیے ہیں۔ ضرورت ہے کہ انگریز کے غائبانہ اقتدار کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی جائیں لیکن مسلمانوں کو ابھی اتنی طاقت نہیں کہ انگریزوں کو بیک بینی و دوگوش نکال باہر کیا جائے پس اگر اس کی استطاعت نہیں تو کم از کم تجویز جزیرۃ العرب کا ہی اعلان کر دیا جائے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت میں اخراج جزیرۃ العرب کے مقابلہ میں کم درجہ رکھتا ہے۔

حضرت مولانا عثمانی کا اس معاملہ میں تفقہ اور مصلحت جس کو حکمت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے نہایت مناسب انداز میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ شیخ قاضی ابوالعزم نے داد دے کر حضرت عثمانی کی خوب تائید کی ہے۔ حضرت عثمانی نے یہ فرما کر اپنے بیان میں پوری قوت بھر دی ہے کہ اس بلد اللہ الحرام (مکہ معظمہ) میں جس میں آپ اور ہم جمع ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا خوف وخطر تمام کفار کے مقابلہ میں فرمایا تھا کہ یہ لوگ اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند لا کر رکھ دیں تو میں تبلیغ رسالت سے باز نہ آؤں گا تو اب مسلمانوں کو یعنی حکومت حجاز کو کیا ہوا ہے کہ وہ تجویز یا تخلیہ جزیرۃ العرب کا صرف ریزولیشن ہی پاس کر سکے۔

بہر حال ماحول پر فقیہ دانشمند کے اس طرح چھا جانے سے ان کے زور علمی قوت فقہی حکمت اسلامی کا پورا پتہ چلتا ہے۔

یہ تو وہ مسائل تھے جو علامہ کی خود نوشتہ بیاض سے نادر سمجھ کر راقم الحروف نے پیش کئے ہیں اب اس فقہ کے حصہ کو ختم کرنے سے پہلے صرف ایک عبارت اور پیش کرتا ہوں جس سے ان کے دین میں فہم اور قوت فیصلہ کا پتہ چلتا ہے نماز میں خشوع وخضوع اور عاجزی و یکسوئی پر مفسرین اور فقہا نے مختلف اجتہادات پیش کئے ہیں اس کی تحقیق حصہ حدیث میں ایک محدثانہ نظریہ کے ماتحت آپ نے گذشتہ اوراق میں پڑھی ہے لیکن فقہی نقطہ نظر سے حسب ذیل آیت کے ماتحت فقیہ دانشمند کی تحقیق کا جائزہ لیجئے۔ آپ **قد افلح المومنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون** (وہ مومن کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدون خشوع (عاجزی و انکساری) کے صحیح اور مقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ خشوع اجزائے صلوٰۃ کے لئے شرط نہیں ہاں قبول صلوٰۃ کے لئے شرط ہے۔ میرے نزدیک یوں کہنا بہتر ہوگا کہ حسن قبول کے لئے شرط ہے واللہ اعلم (سورۂ مومنون پارہ نمبر ۱۸ رکوع نمبر ۱)

مذکورہ عبارت میں فقیہ دانش مند نے خشوع نماز کی مختصری بحث میں یکتائے روزگار صاحب روح المعانی کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے قبول نماز کے لئے خشوع کو شرط قرار دیا ہے لیکن علامہ عثمانی نے فرمایا کہ "میرے نزدیک حسن قبول کے لئے خشوع شرط ہے۔ دیکھئے صاحب روح المعانی کے قبول صلوٰۃ کے الفاظ میں فقیہ دانش مند نے حسن کا لفظ بڑھا کر حسن قبول سے اپنے فقہ نفس کو ابھارا اور نکھار کر رکھ دیا ہے۔ یہیں سے ان کے تفقہ کا پتہ چلتا ہے۔

یہ تھے فقیہ دانش مند جن کی فقہی قدروں کا مقام اس قدر اونچا اور جچا تلا ہوا ہے کہ اس مقام کو پا لینے کے بعد ان کو فخر حنفیت کہنا آسان ہو جاتا ہے۔ پیغمبر برحق کا فرمانا حق ہے کہ

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین

اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔

تاریخ اختتام حصۂ فقہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ ۲۴ جولائی ۱۹۵۳ء بروز جمعہ لاہور۔

قاسم ثانی متکلم اسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کا مقام علم الکلام میں

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ علم معقول اور منقول دونوں میں جامع تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے اور بقول مفتی محمد شفیع صاحب قبلہ ان کے ایک ایک وصف کے لئے ایک ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ علامہ کے علم الکلام پر ید طولیٰ اور تبحر پر مفصل لکھنے کے لئے مستقل تصنیف درکار ہے۔ علم الکلام ان کا مایہ ناز علم اور قابل فخر سرمایہ ہے۔ علمائے ہند و پاکستان اور بعض ممالک اسلامیہ میں شریعت اسلامیہ کے عقائد و اعمال پر عقلی دلائل اور امثال کے ذریعہ حجت واقعیہ کی روشنی میں صاف اور مستقیم راہ دکھانا مولانا عثمانی کی قوت استدلال اور کلامی جوہر کا خاص عمل رہا ہے۔

مرحوم کو علم کلام میں خصوصی ذوق حاصل تھا۔ ان کی ذہنی ساخت معقولات یعنی فلسفہ منطق اور علم الکلام کے لئے ارتقائی مقام رکھتی تھی۔ طالب علمی کے زمانہ ہی سے معقولات سے بہت زیادہ

مناسبت تھی اور اس وقت آپ اپنے ہم سبقوں کو منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے یا تکرار کرایا کرتے تھے حتیٰ کہ منطق و فلسفہ کے اس انہماک کو دیکھ کر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مرحوم نے آپ کو تفسیر و حدیث اور فقہ کی طرف مائل کیا۔ غرضکہ اگر ایک طرف قرآن کریم کے بہترین مفسر اور علم حدیث میں مہارت کے باعث اعلیٰ پایہ کے محدث اور فقہ میں دسترس کے باعث بلند مقام فقیہ تھے۔ تو دوسری طرف علم منطق و فلسفہ اور علم کلام میں پوری بصیرت کے باعث منطقی، فلسفی اور بہترین متکلم تھے حالانکہ معقولات اور منقولات دونوں طرح کے علوم پر حاوی اور جامع شاذ و نادر ہی ہستیاں ہوتی ہیں۔

حکمت و فلسفہ اسلام یونان اور سائنس کی جدید تحقیقات پر بھی عمیق نظر رکھتے تھے ان کی اسلامی معلومات اور تحقیقات کی وسعتیں امام رازیؒ امام غزالیؒ شیخ محی الدین بن عربیؒ شاہ ولی اللہ اور بالخصوص حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند سے وابستہ تھیں۔ آپ نے ان حضرات اکابر فلاسفہ اسلام کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا یہی وجہ تھی کہ اسلام کا کوئی مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق مسئلہ بھی ان کی تحقیقی نظر کی زد سے باہر نہ تھا۔ ان کو نزاکت حالات، نزاکت احکام اسلامی اور نزاکت وقت کے ساتھ ساتھ طبائع کی مناسبتوں کو ٹٹولتے ہوئے اسلام و سائنس کی نکتہ آرائیوں پر پوری دسترس تھی۔

تعارف علم الکلام

قرآن کریم کے نزول کے وقت اہل مکہ و مدینہ کا ماحول سادہ و بے تکلف تھا۔ فلسفہ اور سائنس کی موشگافیوں کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ البتہ قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر شبہات آنحضرت کے نبی ہونے پر شکوک قیامت اور حشر و نشر پر اعتراضات کرتے تھے اور سختی سے منکر تھے لیکن یہ انکار سائنس اور فلسفہ کے ماتحت نہ تھا بلکہ اپنی لاعلمی اور جہالت کے باعث قیامت آنے اور مردوں کے قبروں سے اٹھنے کو بعید از عقل سمجھتے تھے۔ چنانچہ جابجا ان کی حیرانی کا قرآن کریم میں بایں الفاظ اولو کنا تراباً و عظاماً اانا لمخرجون (کیا جب ہم خاک میں مل کر مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیاں تو کیا اس کے بعد بھی ہم زندہ ہو کر قبروں سے نکالے جائیں گے) اظہار کیا گیا ہے کہیں کفار کی حیرت کا نقشہ من یحی العظام و ھی رمیم میں کھینچا گیا ہے یعنی ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا ان سادہ اعتراض کا جواب رب العالمین نے بھی ان کی عقول کے مطابق نہایت سادہ طور پر اس طرح دیا کہ قل یحییھا الذی خلقھا اول مرۃ یعنی اے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کہہ دیجئے کہ ان ہڈیوں کو دوبارہ وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی

مرتبہ جبکہ تم کچھ نہ تھے اور جبکہ ابتدائی تخلیق نہایت مشکل ہوتی ہے اس نے تمہیں پیدا کر دیا۔ یہ جواب اتنا لاجواب ہے کہ اس کا جواب دینے سے کفار مکہ کے لئے خموشی کے سوائے چارہ نہ تھا۔

قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر کفار نے جس قدر اعتراضات کئے اس کا جواب بھی نہایت معقول اور منطقیانہ مقدمات کو چھوڑ کر صرف یہ دیا گیا کہ **فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهدآءكم من دون الله ان كنتم صدقين فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة اعدت للكفرين** یعنی ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ خدائی کلام ہے اور اگر تم نہیں مانتے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اپنے معبودوں کو بھی ، سوائے خدا بلالو۔ لیکن سب مل کر بھی اگر قرآن کریم کی ایک جیسی ایک سورت نہ بنا سکو اور ہرگز بنا بھی نہ سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن کفار اور بت ہوں گے جو منکرین کا ٹھکانا ہوگی”۔ اب غور کیجئے کس سادگی سے قرآن حکیم نے خدا کے کلام ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ جواب آج تک بلکہ قیامت تک کے لئے کافی ہے۔

کہیں کہیں اہل علم یہود قریش مکہ کے ذریعہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات بھی کرتے تھے جن میں سائنس اور فلسفہ کی حقیقت مطلوب ہوتی تھی اور اس قسم کے سوالات سے صرف رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خفیف کرنا مقصود ہوتا تھا کہ آپ اگر جواب نہ دے سکے تو ہمیں آپ کی نبوت میں دوسروں کے سامنے رخنہ اندازی کرنے اور شکوک نکالنے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ چنانچہ کبھی روح کی حقیقت کے متعلق انہوں نے دریافت کیا جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے **ويسئلونك عن الروح** (اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں) اس کا جواب بارگاہ رب العزت سے جو دیا گیا وہ یہ تھا کہ **قل الروح من امر ربي وما اوتيتم من العلم الا قليلا** یعنی روح میرے رب کے حکم کا نتیجہ ہے۔ اس کی حقیقت کا ادراک تمہارے لئے سخت مشکل ہے اس لئے کہ تمہارا علم نہایت ہی قلیل ہے۔ بس اتنا ہی سمجھ لو کہ خالق زمین و آسماں جب کسی جاندار کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس میں زندگی کا حکم اس کی بارگاہ سے ہوتا ہے بس وہ جسم حرکت میں آجاتا ہے اسی کا نام روح ہے اس جواب سے ان کے جدال اور کج بحثیوں کی تمام راہیں کاٹ کر رکھ دی گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اخلاق کی تکمیل ہے نہ کہ فلسفہ اور سائنس کی عقدہ کشائی یہی وجہ ہے کہ جب ہلالوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس کا جواب

بھی قل ھی مواقیت للناس دیا گیا۔

بہرحال ابتدائے دور میں اعتراضات اور جوابات کا سلسلہ نہایت سادہ انداز میں تھا اور افہام و تفہیم کا طور و طریق بھی مختصر اور صاف تھا کہیں کفار سے بحث اور جدال کی نوبت بھی آئی تو جادلھم بالتی ھی احسن کا رنگ اختیار کرنے کا مشورہ دیا گیا اور کہیں کفار کو ہدایت سے خارج پائے جانے کے آثار نظر آئے تو لکم دینکم ولی دین کہہ کر کلام ختم کر دیا گیا کہ یہاں زیادہ کلامی حکمت کے خلاف تھی۔

عرب کے غیر مہذب اور ناخواندہ انسانوں کے سامنے نفسیات کے ماتحت جو صاف اور سادہ دلائل پیش ہونے کے قابل تھے۔ قرآن کریم کے رنگ اعجاز نے انہی کو پیش کیا ہے ان کے سامنے آسمان و زمین پہاڑیاں اور اونٹ قدرت کی آیات آفاقیہ تھیں۔ چنانچہ اپنی قدرت و حکمت اور خدائی کو عرب کے جاہلوں کو سمجھانے کے لئے فرمایا افلا ینظرون الی الا بل کیف خلقت والی السماء کیف رفعت و الی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت یعنی کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح کا پیدا کیا گیا اور آسمان کی طرف کہ کس طرح اونچا بنایا گیا اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح نصب کئے گئے اور زمین کی طرف کہ کس طرح پھیلائی گئی غرضکہ قرآن کریم نے اپنے دعووں کے ثبوت اور مخالفین و معترضین کے الزامات شکوک اور اعتراضات کے رد میں نہایت حکیمانہ مگر سادہ اور صاف انداز میں دلائل پیش کئے ہیں۔ غرضکہ اس علم کو جس میں وجود باری تعالیٰ توحید قرآن، رسالت، انبیاء، کتب الٰہیہ، ملائکہ، صفات باری تعالیٰ، قیامت، حشر و نشر، میزان وغیرہ عقائد کو عقلی دلائل سے قرآنی نظریات کے مطابق پیش کیا جائے ایسے علم کو علم الکلام کہا جاتا ہے۔

دور صحابہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو تو احکام و اعتقادات اسلامیہ میں کوئی شبہ ہی نہیں گزرتا تھا۔ جیسا کہ معراج جسمانی کے سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ کے سامنے کفار کے اعتراض اور حضرت صدیقؓ کی تصدیق کا واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اگر یہ عبادات معاملات یا اعتقادات میں کوئی شبہ پیش آتا تو علمائے صحابہ سے پوچھ کر بے چون و چرا تسلی کر لیا کرتے تھے۔

فرقہ معتزلہ

بالآخر ایک وقت وہ آیا کہ مسلمانوں میں ہی خود فتنے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اعتقادات میں

بھی اختلاف کی نوبت آئی۔ چنانچہ سب سے پہلا فرقہ مسلمانوں میں معتزلہ کا پیدا ہوا اور بعد ازاں کتنے فرقے اعتقادات کے اعتبار سے بنتے چلے گئے۔ لیکن ان سب فرقوں میں صراط مستقیم جس مسلمانوں کے فرقے کو حاصل ہے وہ ہے اہل سنت والجماعت کا فرقہ۔

اہل سنت والجماعت

اہل سنت والجماعت کا لفظ مسلمانوں کی زبانوں سے اکثر سننے میں آتا رہتا ہے لیکن یہ کونسی جماعت ہے اس کے متعلق صرف یہ سمجھ لیجئے کہ یہ جماعت وہ ہے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عقائد کی پیروی کرتی ہے اور سنت پر چلتی ہے۔ اس راہ کے خلاف چلنے والے شخص کو خلاف اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے چنانچہ اس صراط مستقیم میں سے سب سے پہلا ٹیڑھا راستہ واصل بن عطا نے نکالا جو فرقہ معتزلہ کا پہلا بانی اور موسس ہے اور جس کا پس منظر اور خاکہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے اپنی شرح عقائد نسفی میں حسب ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے اور معتزلہ کو جو واصل بن عطا کے متبعین تھے سب سے پہلا فرقہ پرست ثابت کیا ہے:۔

> **وذلک لان رئیسھم واصل بن عطا اعتزل عن مجلس الحسن البصری رحمه الله و یقرران من ارتکب الکبیرة لیس بموٴمن ولا کافر و یثبت المنزلة بین المنزلتین فقال الحسن قد اعتزل عنا فسموا المعتزلة.**

اور معتزلہ کو معتزلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا سردار واصل بن عطا حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس سے یہ کہتا ہوا علیحدہ ہو گیا کہ جو شخص گناہ کبیرہ (مثلاً زنا، چوری، شراب وغیرہ) کا مرتکب ہو گیا تو وہ نہ مومن ہے نہ کافر۔ بلکہ وہ دو درجوں (یعنی اسلام اور کفر) کے درمیان ایک اور درجہ ثابت کرتا ہے تو حسن بصری نے کہا کہ واصل ہم سے جدا ہو گیا اس لئے لوگوں نے اس فرقہ کا نام معتزلہ رکھ دیا۔

انہی معتزلہ میں ابو علی جبائی ایسا شخص بھی ہوا جو امام ابوالحسن اشعری کا استاذ تھا۔ چنانچہ ابتدا میں امام ابوالحسن اشعری بھی معتزلہ کے ساتھ تھے لیکن ابو علی جبائی کے بعض غلط عقائد کے باعث انہوں نے اپنے استاد کو چھوڑ کر اپنا وہی مقام متعین کیا جو صحابہ کے عقائد پر تھا۔ چنانچہ امام ابوالحسن اشعری اور ان کے متبعین نے معتزلہ کی تردید اور سنت سے جن عقائد کا ثبوت ملتا تھا ان کے ثابت کرنے میں اپنے آپ کو مشغول رکھا اور ایک جماعت اسی راستہ پر چلتی رہی تا آنکہ لوگوں نے اس جماعت کا نام اہل سنت والجماعۃ رکھ دیا۔

فرقہ اشعریہ

اہل سنت والجماعت کے خصوصی فرقے کی شہرت امام ابوالحسن سے پڑی اور چونکہ امام ابوالحسن

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں چھٹی پشت میں ہیں اس لئے امام ابوالحسن کو اشعری اور ان کے سلسلہ کو اشاعرہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی لیکن ابوموسیٰ اشعری کی نسبت میں اشعری کا لفظ اس لئے آتا ہے کہ یمن کے ایک قبیلہ کا جد امجد اشعری نام کا تھا لہذا اس قبیلہ کے سب انسان اشعری کہلانے لگے۔ اسی نسبت سے امام ابوالحسن کے عقائد کے متبع اشاعرہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

اشاعرہ کے عقائد پر ہم مسلمانان پاکستان وہندوستان بھی چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس وجہ سے ہم میں بعض مشہور فرقے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نام سے فرقہ اشاعرہ نہ صرف پاکستان وہندوستان میں مشہور ہے بلکہ دیار خراسان، عراق وشام اور دیگر اقطار اسلام میں بھی اشاعرہ ہی کو اہل سنت والجماعت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

فرقۂ ماتریدیہ

اشاعرہ کو مذکورہ بالا دیار میں اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے لیکن ماوراءالنہر کے علاقے میں ابو منصور ماتریدی کے اصحاب کو اہل سنت والجماعت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابومنصور ابونصر عباس کے تلمیذ ہیں اور وہ ابوبکر جرجانی کے شاگرد ہیں۔ اور جرجانی ابومحمد بن حسن کے اور محمد بن حسن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے مشہور تلمیذ ہیں جن کی روایات پر تمام فقہ حنفی رائج ہے۔ یہ امر قابل تعجب ہے کہ ہم فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں۔ لیکن عقائد میں امام ابوالحسن اشعری کی تقلید کرتے ہیں الحاصل فرقہ ماتریدیہ ابومنصور کی طرف نسبت رکھتا ہے اور چونکہ ابومنصور ماترید کے رہنے والے تھے جو سمرقند کے قریوں میں سے ایک آبادی کا نام تھا لہذا اسی مناسبت سے یہ جماعت ماتریدیہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ حاصل یہ ہے کہ دونوں ہی جماعتیں اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں۔

بہر حال عقائد کا سلسلہ علوم اسلامیہ میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ صحیح عقائد پر ہی انسان کی نجات اور اخروی فلاح کا دارومدار ہے۔ خصوصاً مسلمان کو اس راہ پر چل کر ان صحیح عقائد کا پتہ چلانا ہے۔ جس پر صحابہ کی جماعت تھی۔ ہمیں یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ خدا کی ذات اور اس کی صفات کیا ہیں۔ رسالت کیا ہے اور یہ کہ انبیاء پر ایمان ہونا ضروری اور ان پر اعتقاد فرض ہے نیز ان تمام ضروریات کا اعتقاد جو ہمارے ایمان کا صحیح معیار ٹھہرایا جاسکے ضروری ہے اس میں فرشتوں کا وجود کتب سماویہ پر ایمان حشر ونشر کا اقرار معاد اور قیامت کے واقعات جن کا ثبوت قرآن وسنت سے ثابت ہے غرض یہ ہے کہ عقائد کے وہ تمام امور جن پر اصولی طور سے ایک انسان مومن کہلایا جا

سکتا ہے ماننے ضروری ہیں۔ البتہ کتنے جزئی اختلافات ایسے ہوتے ہیں جن کو اصولی طور پر کفر اور اسلام کا امتیازی معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ غرض یہ ہے کہ اسی معلومات کے سلسلے کو علم العقائد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی اپنی کتاب شرح میزان العقائد میں تحریر فرماتے ہیں۔

> اعلم ان علم العقائد موضوعه ذات الله تعالیٰ لانه يبحث فيه عن عوارضه الذاتيه التی هی اما صفاته تعالیٰ كالعلم والقدرة والرؤية والكلام او افعاله اما فی الدنيا بخلق افعال العباد وغير ذالک من الرسل واظهار المعجزة و تعيين الشرائع و نصب الامام او فی الاخرة كالمعاد الجسمانی والحشر والنشر والسوال والحساب وعذاب القبر ولاريب فی موضوعية ذات الله تعالیٰ العلم العقائد.

واضح ہو کہ علم عقائد کا مقصد اللہ کی ذات ہے کیونکہ اس علم میں اللہ کے یا تو صفات سے بحث کی جاتی ہے مثلاً علم، قدرت، رویت اور کلام سے یا اس خدا کے افعال سے یا دنیا میں بندوں کے افعال کو پیدا کرنے سے متعلق اور اس کے سوائے رسولوں کو مبعوث کرنے، معجزہ کو ظاہر کرنے شریعتوں کو مقرر کرنے امام کو تعیین کرنے کی صورت میں اور یا آخرت میں دوبارہ زندہ ہونے حشر و نشر اور سوال حساب اور عذاب قبر سے متعلق ہیں اس لئے علم العقائد کے اللہ کی ذات سے متعلق ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

علم العقائد والکلام

میں نے ابتدا میں تحریر کیا تھا کہ ابتدائے اسلام میں عقائد کا سلسلہ نہایت سادہ اور محدود تھا۔ طبائع رشد و ہدایت کی طرف مائل تھیں۔ صحبت رسالت کا نورانی فیضان دلوں پر رحمت و ہدایت کی بارشیں برساتا تھا۔ اگر کسی علمی معاملہ میں کسی کو وقت پیش آتی تو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بعد ازاں صحابہ سے پوچھ لیا جاتا تھا لیکن آخر ایک وہ وقت آیا جبکہ یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل کیا گیا اور خود مسلمانوں نے اس میں انہماک اختیار کیا اور فلاسفہ یونان نے دین اسلامی اور شریعت مصطفوی پر جو اعتراضات کئے تھے ان کے جواب علمائے اسلام نے فلسفہ کے رنگ میں دینا شروع کئے تا آنکہ دینی عقائد کو ان کی تفصیلی دلائل سے پیش کیا گیا اور اسلامی عقائد کو دلائل سے تفصیلی طور پر بیان کرنے کو علم الکلام کا نام دے دیا گیا۔

علم الکلام کو علم الکلام کہنے کی وجہ

جیسا کہ مذکورہ سطور میں عقائد اور کلام کا تعارف ہوا ہے وہاں یہ بھی اشارۃً واضح ہو جاتا ہے کہ علم الکلام کو کلام کس لئے کہا جاتا ہے تاہم بالوضاحت اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ عقائد دینیہ کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ بیان کرنے کو علم الکلام کہا جاتا ہے اور چونکہ بات بات پر عقائد کی بحثوں میں علمائے عقائد کی زبان پر فلاں مسئلہ میں کلام اس طرح ہے اور فلاں میں کلام اس طرح ہے کہ لفظ آتا ہے اس لئے علم کا نام ہی علم الکلام ہو گیا اور کلام کو کلام کہنے کی وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ اس علم میں اللہ تعالیٰ کے کلام یعنی قرآن کے بعض مسائل پر بحث کی بنیاد رکھی گئی ہے اس لئے کلام اللہ کی مناسبت سے اس کو علم الکلام کہا گیا۔ علم الکلام کی کتابوں میں علمائے کلام نے اور بھی مختلف وجوہات اس علم کو علم الکلام کہنے کی بیان فرمائی ہے جو طوالت سے خالی نہیں۔

علم الکلام میں حسب اقتضائے زمانہ لچک

علم الکلام کی بنیاد چونکہ ایسے دلائل پر رکھی گئی ہے جن کے ذریعہ عقلی طور پر انسانی دماغوں اور دلوں کو تسلی اور تسکین دینی مقصود ہوتی ہے تاکہ ان دلائل کے ذریعہ مخالفین عقائد اسلامیہ کے عقلی اعتراضات کا رد کیا جا سکے اس لئے ہر ہر دور میں چونکہ اعتراضات کی نوعیتوں میں اختلافات کا امکان ہو سکتا ہے اس لئے علم الکلام اسلامیہ میں بھی جوابات کے رخ بدلے جا سکتے ہیں۔ اور حسب اقتضائے زمانہ علم الکلام کی نوعیت بدل سکتی ہے نہ صرف زمانہ کے تقاضوں کا لحاظ اور مداوا علم کلام میں موجود ہوگا بلکہ مختلف جماعت ہائے انسانی اور اختلافات مذاہب کے اعتراضات کا علاج بھی علم الکلام میں محسوس کیا جائے گا۔

کلام القدماء وکلام المتاخرین

علم الکلام کی ابتدائے عمر میں اس کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا وہ معتزلہ یا شیعہ جیسے فرقے تھے جو خود کتاب و سنت کو مانتے تھے اس لئے ان کے سامنے قدیم علم الکلام کی بحث ذاتی باری تعالیٰ اور صفات الٰہی تک محدود تھی۔ اس وقت علم الکلام فلسفہ یونان کی تردید سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ قدما نے صرف اہل ہوا و بدعات وغیرہ اسلامی فرقوں کے ان عقائد کی مخالفت اور ابطال میں اپنے آپ کو اور علم الکلام کو محدود رکھا تھا چنانچہ انہوں نے علم الکلام کو ایسے ابواب اور فصلوں پر ترتیب دیا

جس میں مبتدعین معتزلہ وغیرہ کا رد تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مشہور کتاب فقہ اکبر اور عمر بن محمد کی کافی اور علاوہ ازیں احناف وشوافع کی کتابیں ایسے ہی علم الکلام پر مشتمل تھیں۔ شروع شروع میں علمانے ایسے لوگوں سے بحث اور مناظرہ سے اپنی توجہات کو علیحدہ رکھا جو اسلامی فرقوں کے علاوہ تھے اور جن کا اعتقاد کتاب وسنت پر نہ تھا لیکن جب یونان کا فلسفہ اسلامی عقائد کے آڑے آیا تو علمائے کلام کو ان کا بھی مقابلہ کرنا پڑا اور اب علم کلام میں نہ صرف فلسفہ کی آمیزش ہوئی بلکہ طبیعیات، الٰہیات اور ریاضی کے وہ اہم امور اور اصول داخل ہو گئے جن کے ذریعہ فلاسفہ یونان کی تردید کی جاسکتی۔ یہ کلام کلام المتاخرین کہلایا۔

لہذا علم الکلام کے سامنے دو قسم کی جماعتیں آئیں۔ اول وہ جنہوں نے اہل سنت والجماعت کے عقائد کے صراط مستقیم سے ہٹ کر مسلمانوں ہی میں غلط عقائد کی بنیادیں قائم کیں۔ دوسرے وہ غیر مسلم جماعتیں جو ہر قسم کے مختلف اعتراضات کو لے کر اپنے اپنے دور میں اسلامی عقائد کے مقابلہ میں میدان میں آئیں۔ اس لئے علم الکلام میں ہر دور اور ہر ملت کے لئے ظاہر ہے کہ لچک موجود ہونی چاہئے تھی چنانچہ ہر دور میں مخالفین عقائد اہل سنت والجماعت اور مخالفین اسلام کا مقابلہ علمائے متکلمین نے کیا اور جس طرح کی مخالفین کے اعتراضات نے نوعیت اختیار کی اسی نوعیت سے علم الکلام کی نوعیتوں میں بھی تغیرات آتے رہے۔

امام رازی نے اپنی ضخیم تفسیر میں زیادہ تر اسی امر کو پیش نظر رکھا ہے کہ معقولات کے رنگ میں مخالفین اسلام کے دندان شکن جواب دیے جائیں توحید و رسالت عذاب قبر، حشر ونشر، جنت و دوزخ، حساب ومیزان، معجزات اور وجود باری کو فلسفہ یونان کے مقابلہ میں منطق وفلسفہ کے رنگ ہی میں پیش کیا اور ہر عقیدۂ اسلامی کو عقلی دلائل کی روشنی میں آیات کی تفسیر کے ماتحت پیش فرمایا۔ ان کے بعد بڑے بڑے متکلمین نے معرکۃ الآراء تصانیف علم کلام میں تصنیف کیں جن کا ذکر اس تمہید میں تطویل لاطائل ہے۔

امام غزالی نے اپنی تصانیف میں اسلامی نظریوں کو جس رنگ میں پیش فرمایا وہ زیادہ تر اسرار و حکم پر زور دیتے ہیں۔ انہوں نے عقائد اسلامی اور احکام سے ان رموز اور اسرار کو فاش کیا جن میں روحانیت اور تصوف کی چاشنی تھی۔ انہوں نے اسلام کے حقائق کو فطرت انسانیہ کے قریب لانے کی کوشش کی ہے اور ایسی چیزیں پیش کی ہیں جن سے مصالح انسانی اور فلاح آدمیت کی راہیں ہموار

اور استوار ہوتی چلی جاتی ہیں۔

علامہ شبلی علم الکلام پر بحث کرتے ہوئے جب مولانا روم کی طرف پہنچے ہیں تو انہوں نے مثنوی کو ایک جدید قسم کے علم الکلام کی سلک میں منسلک کیا ہے جس کی تفاصیل شبلی کی نوشتہ سوانح مولانا روم میں ملے گی۔ مولانا روم نے حکایات اور تمثیلات کے ساتھ اسلامی نظریات کی گتھیوں کو اس طرح سلجھا کر رکھ دیا ہے کہ انسانی اخلاق ان حقائق کو اپیل کرتے ہیں۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے اپنی تصنیف الکلام میں بھی مولانا روم کے اشعار کلامی مسائل کی شرح میں پیش کئے ہیں۔

ہندوستان کے علمائے ربانی میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ لکھ کر امت محمدیہ پر بہت ہی بڑا احسان فرمایا ہے آپ نے اپنی اس تصنیف میں اسرار و حکم اور مصالح و بصائر کا مایہ ناز سرمایہ جمع فرما دیا ہے۔ میرا ناچیز خیال یہ ہے کہ اسلامی نظریات کے اظہار کا یہ انداز فکر کلامی مسائل کا خاص جوہر ہے۔ آخر امام غزالی نے اپنے دور کے تقاضوں کے ماتحت احیاء العلوم میں جن مضامین کو نئے انداز میں پیش کیا ہے وہ ان کے دور کا ایک خاص انداز ہے جو اسلامی مسائل کو روحانیت اور عقل کے ملے جلے طرز میں پیش کرتا ہے۔

فخر المتکلمین حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ

بانی دار العلوم دیوبند

ہندوستان کے دیدہ ور متکلموں میں قدرت کی رحمت کا چھینٹا ایک اور ہستی پر پڑا اور وہ تھی فخر المتکلمین حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند آپ نے اپنے دور میں ایک جدید علم کلام کی بنیاد ڈالی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت قاسم العلوم نے سابقین متکلمین سے ہٹ کر بہت سے ایسے دلائل اسلامی اصول و فروع پر پیش کئے ہیں جن میں حجۃ الاسلام منفرد نظر آتے ہیں۔ یہاں اس مقام پر اس تفصیل کی گنجائش نہیں کیونکہ معقولات اور بالخصوص علم الکلام منطق اور فلسفہ میں اپنا ایک خاص مقام ہے جو مستقل تصنیف چاہتا ہے۔ معقولات کا بھی یہ حال ہے کہ شریعت کی کلیات اور جزئیات پر مولانا کی عقلی نظر اس قدر وسیع ہے کہ قرآن و حدیث کے ماتحت رہ کر نظریہ اسلام کو مولانا نے عقل کی ترازو میں تول کر رکھ دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر عقل سلیم انسان کو حاصل ہو اور ادھر نقل صحیح ہو تو عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ حضرت قاسم العلوم

والخیرات کو خدائے حکیم و علیم نے ایسی حکمت اور عقل عطا فرمائی تھی کہ جس کو سلامتی کے ساتھ متصف کیا جائے تو بالکل درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض غیر سلیم العقل ہستیاں جب اس قسم کے نازک مسائل سے دوچار ہوئی ہیں تو انہوں نے قدم قدم پر الجھ کر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

حضرت حجۃ الاسلامؒ نے تقریر دلپذیر میں عقل کا اپنے خیالات سے جس طرح تجزیہ کیا ہے وہ بجائے خود بہت سی کج راہیوں اور کج بحثیوں کا جواب ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"عقل میں بھی سب کو متفاوت بنایا اور دانش و فہم میں اہل فہم کو مختلف پیدا کیا جو باتیں کم فہموں سے رہ جاتی ہیں اس کو کامل عقل والے حل کرتے ہیں اور جہاں کم فہم بہکتے ہیں وہاں سے سیدھی عقل والے سیدھے نکلتے ہیں اوروں کو سنبھالتے ہیں اور آپ سنبھلتے ہیں"۔ (تقریر دلپذیر مطبوعہ قاسمی ص ۲)

اس عبارت سے حجۃ الاسلام کی عقلی قدروں کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ وہ ایک ایسی عقل سلیم قدرت سے لے کر آئے تھے کہ شریعت میں اس جیسی فہم و فراست ہر شخص کو نہیں ملتی۔ میرے نزدیک عقل کے ساتھ مومنانہ فراست اور روحانی صفوت ایک ایسا مقام ہے جہاں شریعت و معرفت کی نہ سلجھنے والی گتھیاں صاف طور سے بآسانی کھل جاتی ہیں اور جس جگہ عقلی قوتیں باوجود سلامت اپنے ہتھیار ڈال دیتی ہیں وہاں وہی نور معرفت رہبری کرتا ہے۔ امام غزالی حضرت شاہ ولی اللہ اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمہم اللہ علیہم کو وہی مقام حاصل تھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے علوم اور فنون پر تبصرے کے مختصر اجزاء بندہ کے علی الاقساط مضامین "تذکرہ ادبائے دارالعلوم دیوبند" میں ملیں گے۔ تاہم مجذوب و سالک حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتوی ان کی سوانح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"منشی (ممتاز علی) جی کے پیچھے میرٹھ میں (مولانا محمد قاسم صاحب نے) مولوی محمد ہاشم صاحب کے مطبع میں کام کیا۔ اس زمانہ میں پڑھانا اکثر تھا۔ سب کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے اور اس طرح کے مضامین بیان فرماتے تھے کہ کسی نے سنے نہ تھے۔ اور عجائب و غرائب تحقیقات ہر فن میں بیان فرماتے جس سے تطبیق اختلافات اور تحقیق ہر مسئلہ کی بیخ و بن تک ہو جاتی تھی۔ آج ان کے فیض تعلیم کا اثر موجود ہے۔ ہر چند ذرہ آفتاب کا کیا نمونہ مگر پھر اسی جمال کا آئینہ ہے"۔ (سوانح قاسمی ص ۲۱، ۲۲)

مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے زمانہ کے یگانہ عالم باعمل تھے اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس ان کی مذکورہ تنقید کا یہ جملہ کہ اس طرح کے مضامین بیان فرماتے تھے کہ کسی نے سنے نہ تھے اور عجائب و غرائب تحقیقات ہر فن میں بیان فرماتے"۔ مولانا محمد قاسم صاحب

نور اللہ مرقدہ کی علمی رسائی کا آئینہ دار ہے ایک جگہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے خیالات مولانا محمد قاسم صاحب کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں:۔

"ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے اب مدتوں سے نہیں ہوتے"۔ اور مولوی صاحب کی تحریر و تقریر کو محفوظ رکھا کرو اور غنیمت جانو"۔ (سوانح قاسمی ص ۱۳، ۱۵)

ایک اور جگہ مولانا محمد یعقوب صاحب مرحوم حضرت حجۃ الاسلام کی زبانی ان کی طبیعت کی روانی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

"آمد معانی اور مضامین کی ایسی تھی یوں فرماتے تھے کہ بعض بار حیران ہو جاتا ہوں کہ کیا کیا بیان کروں"۔ (سوانح قاسمی ص ۱۶)

اگرچہ حضرت حجۃ الاسلام انتہا درجہ کے منکسر المزاج تھے لیکن بعض مقامات پر عالم بیخودی میں حسب محل ایسا جملہ نکل گیا ہے جو حضرت کی حقیقت اصلیہ اور علمی مقام کا پتہ دیتا ہے۔ مثلاً ۱۲۹۳ھ کے مباحثہ شاہجہان پور یا میلہ خدا شناسی میں مولانا کی تقریر پر غالباً پادری ایک نے مسئلہ تقدیر کو چھیڑ کر بعض منطقیانہ باتیں کہیں۔ اس نے کہا:۔

"دلیلیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک مطلک (مطلق) اور ایک مکید (مقید) مطلک وہ ہے جو حاطہ کے اندر ہو اور مکید وہ ہے جو حاطہ سے باہر ہو"۔ (میلہ خدا شناسی ص ۳۵)

یہ دونوں باتیں مذکورۃ الصدر پادری نے الٹی ہی کہہ دیں۔ اس پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے بیان فرمایا:۔

"تم نے منطق جاننے والے دیکھے ہی نہیں تم منطق کی باتیں سمجھنے کو کہتے ہو بفضل الٰہی اب بھی ایسے ایسے آدمی موجود ہیں جو منطق کو نئے سر سے ایجاد کر دیں"۔ (میلہ خدا شناسی ص ۳۵، ۳۶)

حضرت حجۃ الاسلام کے آخری جملے سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ حجۃ الاسلام کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف علوم شریعت بلکہ علوم عقلیہ میں اتنی زبردست اور بے پناہ طاقت عطا فرمائی تھی کہ وہ نئے علم منطق کی از سر نو ایجاد کر سکتے تھے اور حقیقت میں مذکورہ جملہ حجۃ الاسلام کا ان کی اپنی ہی ذات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مباحثہ شاہجہانپور کے پادریوں اور پنڈتوں نے اقرار کیا کہ مولانا محمد قاسم صاحب جیسے مضامین عالیہ اور ایسی تقریریں انہوں نے کبھی نہیں سنیں۔

علم کلام کی تجدید

جب حجۃ الاسلام کے متعلق قاری کے ذہن میں یہ حقیقت آ چکی ہے تو اس کو اس اصلیت تک

پہنچنے میں سہولت ہو جاتی ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے دور میں ایک نئے علم الکلام کی بنیاد ڈالی تھی کہ اس سے پیشتر کے متقدمین نے ان دلائل اور براہین کو چھوا تک نہیں جو مولانا نے اپنے کلامی مسائل میں پیش کئے ہیں۔ آپ نے توحید وجود باری رسالت ختم نبوت صفات باری تعالیٰ عذاب قبر اثبات حشر ونشر حساب کتاب قیامت کو عجب دلائل جدیدہ سے ثابت کیا ہے۔

علاوہ ازیں حجۃ الاسلام کو اپنے زمانہ کے جن باطل فرقوں سے واسطہ پڑا مثلاً عیسائیوں آریوں مبتدعین اور شیعوں وغیرہم سے ان کے مقابلہ اور تردید میں حجۃ الاسلام نے جو کلام کیا ہے وہ سب جدید علم کلام ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے یہاں ان مسائل کی تفصیل کا موقع نہیں البتہ آئندہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے علم کلام پر بحث کرتے ہوئے حضرت حجۃ الاسلام پر تبصرہ شاید آجائے تو آجائے۔ میرا مقصد حجۃ الاسلام کے ذکر سے صرف یہ ہے کہ آپ نے اپنے دور میں ایک نئے علم کلام کی بنیاد رکھی اور در حقیقت اگرچہ آپ کا زمانہ متاخرین کا زمانہ ہے لیکن کسی بعد میں آنے والے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ علم میں کسی اگلے سے کوئے سبقت لے جانے سے قاصر ہو سکے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو متاخرین میں کتنے ایک علماء اپنے اپنے فنون میں امام وقت ہونے کے قابل ہیں۔ بیشک مولانا محمد قاسم صاحب کا بھی وہی مقام تھا۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کئی ملفوظات میں حسب ذیل مضمون فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"ایک شخص نے کہا تھا کہ اس زمانہ میں علماء میں رازی اور غزالی پیدا نہیں ہوتے۔ میں نے کہا کہ ہمارے بزرگوں کی تحقیقات مدونہ کو غزالی رازی کی مصنفات سے موازنہ کر کے دیکھ لیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ رازی اور غزالی سے کم ثابت نہ ہوں گے بلکہ عجب نہیں کہ بہتر ہی ہوں"۔ (حصہ چہارم ملفوظات نمبر ۱۰۱۸)

اسی طرح مولانا تھانوی نے ایک جگہ اور فرمایا کہ:۔

"حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں عجیب جامع کمالات تھے۔ مولانا کا علم بالکل لدنی تھا۔ مولانا میں حق تعالیٰ نے علمی کمالات بڑے اعلیٰ درجہ کے جمع کر دیئے تھے یہ عطائے حق ہے جس پر بھی فضل ہو جائے"۔ (حصہ چہارم ملفوظ نمبر ۱۰۱۸)

جمیل الکلام میں مولانا تھانوی کا ایک اور بیان حسب ذیل ہے جس سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مجتہد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا:۔

"ایک دفعہ مولانا گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب کی گفتگو خلوت میں ہو رہی تھی مگر آوازیں بلند ہو گئیں تو باہر کے لوگوں نے بھی سنا۔ مولانا محمد قاسم صاحب فرما رہے تھے۔ مولوی

صاحب یوں تو حق تعالیٰ نے مجھے بھی بہت چیزیں دے رکھی ہیں مگر ایک چیز آپ کو ایسی دی ہے جس پر مجھے رشک آتا ہے یعنی فقہ حق تعالیٰ نے آپ کو فقہ دے رکھا ہے۔ مولانا گنگوہی نے فرمایا "جی ہاں مجھے دو چار جزیئے یاد ہو گئے تو آپ رشک کرنے لگے اور خود مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہمیں کبھی رشک نہ ہوا"۔ (جمیل الکلام ص ۴۸)

الحاصل قاری کے لئے اس حقیقت پر پہنچنے کے لئے کہ حجۃ الاسلام کو اگر اپنے زمانہ کا امام مانا جائے تو بے جا نہ ہوگا کافی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے علم کلام پر تبصرہ کے لئے اس قدر تمہید پیش کی گئی ہے۔ علمائے دیوبند کے نزدیک قاسم ثانی کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

قاسم ثانی کیوں؟

قاسم ثانی کے لقب سے مولانا عثمانی کی شہرت محتاج تعارف نہیں۔ ہر وہ شخص جو مولانا عثمانی کے حلقہ درس حلقہ مجالس اور حلقہ تقریر میں بیٹھنے کا شرف حاصل کر چکا ہے یا جن اہل علم کو علمائے دیوبند سے تعارف حاصل ہے وہ جانتے ہیں کہ مولانا عثمانی مرحوم حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات اور علوم پر گہری نظر اور مکمل بصیرت رکھتے تھے اور اگر حقیقت تک آپ رسائی چاہتے ہیں تو مولانا عثمانی ایسے جلیل القدر عالم قاسم العلوم نور اللہ مرقدہ کی تصانیف کے واسطے سے ہی بنے ہیں جس طرح جوہر قابل کی نگاہ جوہر قابل پر پڑ کر اس کو کیمیا اور لعل و گوہر بنا دیتی ہے اسی طرح حجۃ الاسلام کی نگاہ کیمیا اثر نے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی جیسا متکلم اسلام پیدا کیا۔

میرے نزدیک شیخ الاسلام حضرت عثمانی کو جن صفات نے اس بلندی علم پر پہنچایا وہ یہ تھیں۔

۱۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض یعنی آفتاب قاسمی کی ضیا بار مسلسل کرنیں ماہتاب عثمانی کو منور کرتی رہیں۔

۲۔ مولانا عثمانی کی طبیعت ابتداء سے ہی معقولات، مباحث سے دلچسپی کلام کرنے کی قوت کمال کی طرف رخ رکھتی تھی۔ ذکاوت و ذہانت فطرت میں قدرت نے ودیعت رکھ دی تھی۔

۳۔ زبان شستہ، صاف فصیح و بلیغ اور قوت گویائی حضرت عثمانی کے لئے قدرت کا عطیہ اور موہبت کبریٰ تھی۔

جیسا کہ میں پہلے بھی وضاحت کر چکا ہوں کہ مولانا عثمانی پر دو زبردست شخصیتوں کا اثر پڑا۔ براہ راست ان کے شیخ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اور بلاواسطہ کتابوں اور تصانیف کے ذریعہ حضرت قاسم

العلوم والخیرات کا۔ اس لحاظ سے علامہ عثمانی، مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ اور مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے حامل اور ترجمان تھے۔ یعنی ایک طرف وہ حجۃ الاسلام کی زبان تھے اور دوسری طرف شیخ الہند کے وہ ترجمان تھے اور یہ دونوں باتیں حضرت عثمانی کو اپنے زمانے میں حاصل تھیں۔

شریعت اسلامی کے ادق سے ادق اور مشکل سے مشکل مسئلہ کو فیض قاسمی کی برکت سے علامہ عثمانی ایسی فصیح و بلیغ، مدلل و مرتب اور متکلمانہ تقریر و تحریر سے ثابت کرتے کہ مخاطبین کے سامنے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم اور شخصیت کا نقشہ آنکھوں اور دماغ کے پردوں پر کھنچا نظر آتا تھا۔ اسی وجہ سے علما نے ان کو قاسم ثانی کے لقب سے ملقب فرمایا ہے جو بالکل حقیقت پر مبنی اور مبالغہ سے خالی ہے۔ اس دعوے کی دلیل کے لئے میں آپ کی توجہ روئداد اجلاس اول موتمر الانصار منعقدہ مراد آباد مورخہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء مطابق ۱۳۲۹ھ مرتبہ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی فاضل دیوبند کی طرف منعطف کرنا چاہتا ہوں۔ اس روئداد میں ایک مجلس کا ذکر کیا گیا ہے جو ۱۱، ۱۲ محرم ۱۳۲۸ھ کو دارالعلوم دیوبند میں اصلاح نصاب و انتظام طریقہ تعلیم و تعلم کے لئے علما نے منعقد کی تھی جس میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم و فرزند گرامی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نائب مہتمم، حضرت شاہ محمد انور صاحبؒ مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ مولانا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی، مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ چاندپوری، مولانا عاشق الٰہی شاہ صاحبؒ مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور دیگر علما شریک تھے۔ اس مجلس میں نصاب تعلیم کے سلسلہ میں ناظم جلسہ نے حسب ذیل تجاویز پیش کیں:۔

”ہم کو جو کچھ کرنا چاہئے اس کے تین مرتبے ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ سب سے اول یہ کہ مدرسہ عالیہ کی موجودہ حالت قائم رہے اور اس کے مرتبہ کو گرنے نہ دیا جائے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ہماری جماعت کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی تحقیقات و تالیفات سے پوری واقفیت رکھتے ہوں۔

۳۔ یہ کہ جہاں تک ہمارا قابو چلے ہم کسی شخص کو مذہبی علوم سے جاہل نہ رہنے دیں۔ یہ ہمارے لئے اعلیٰ کام اور انتہائی کامیابی ہوگی“۔ (ص ۵۸ رپورٹ موتمر الانصار جلسہ مراد آباد)

مذکورہ بالا تجویزوں کے بعد مولانا عبیداللہ صاحب سندھی نے اس مجلس علما میں حسب ذیل تقریر کی۔

”حضرات! مدرسہ کا اثر کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ کے صحیح معانی اور حضرت مولانا محمد قاسم

صاحب قدس سرہ کی علمی تحقیقات ہیں جن کی اشاعت کرنے اور اطراف عالم میں پہنچانے سے بہت سے کام بن سکتے ہیں میرا خیال ہے کہ جو شکوک فلسفہ جدیدہ کی وجہ سے اب پیدا ہو رہے ہیں ان کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ نے عرصہ ہوا کہ رفع فرمایا ہے ہمارے لئے جدید علم کلام یہی ہے کہ ہم مولانا مرحوم کی تالیفات کو ایسی نظر و تحقیق سے پڑھیں جیسا کہ فلسفہ اور منطق کی کتابیں پڑھتے ہیں وہ کتابیں اگرچہ اردو فارسی میں ہیں لیکن ایک فاضل ان کو بلامدد استاد نہیں پڑھ سکتا۔ یہ تجربہ ہے کہ مولانا مرحوم کی تحقیقات کو جب کبھی کسی فلسفی کے روبرو پیش کیا گیا تو اس کا اطمینان ہو گیا اور مولانا مرحوم کی ہر بات اچھی طرح دلنشین ہو گئی ہے۔ مولانا کی تحقیقات کے ذریعہ سے خدمت اسلام کرنا جمعیت کا فرض ہو گا"۔ (روئداد موتمر الانصار مراد آباد ۱۳۲۹ھ ص ۵۷)

مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی اس تقریر سے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ علیہ کی تصنیفات کو نصاب تعلیم دار العلوم دیوبند میں رکھنے پر خصوصی طور پر زور دیا گیا ہے نیز حضرت قاسم العلوم کے علمی مقام پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حجۃ الاسلام کا علم کلام جدید علم کلام تھا جس کو آپ نے مدون فرمایا تھا اور اس دور میں مخالفین اسلام کے لئے مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی تصنیفات بہترین سامان دفاع تھا۔

مولانا سندھی کی تقریر کے بعد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے تقریر فرمائی جس کا خلاصہ ناظم صاحب نے روئیداد میں درج فرمایا ہے۔ جو حسب ذیل ہے:۔

"حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے حضرت مولانا (محمد قاسم صاحب) مرحوم کی تصانیف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مولانا مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب سے فرمایا کہ مولوی شبیر احمد صاحب مدرس اول مدرسہ فتح پوری دہلی کو چونکہ مولانا مرحوم کی کتابوں سے ایک خاص مناسبت ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا عمامہ ان کو دوں۔ آپ اس امر کا اعلان فرمائیں مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا کی اس قدر افزائی کا اعلان فرمایا۔ اس کے بعد حضرات سلطان العلماء مدظلہم سے اجازت لے کر مولانا اشرف علی صاحب عم فیضہم نے اپنا عمامہ مولوی شبیر احمد صاحب کے سر پر رکھا"۔ (روئداد موتمر الانصار مراد آباد ص ۵۹-۶۰)

مذکورہ بالا حضرت تھانوی قدس سرہ کی تقریر سے مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کا علوم قاسمی سے گہرا تعلق اس وجہ ثابت ہوتا ہے کہ نصاب کمیٹی کے جلیل القدر علماء مولانا عثمانی کو متفقہ طور پر مولانا محمد قاسم صاحب کا جانشین مانتے ہیں۔ چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ایسے مجدد وقت مولانا شبیر احمد

صاحب گویہ شرف و عزت عطا فرماتے ہیں کہ اپنی پگڑی کے لئے علامہ عثمانی کو اس لئے مخصوص فرماتے ہیں کہ ان کو حضرت قاسم العلوم کے علوم سے زیادہ مناسبت ہے۔ اللہ اللہ اس عطیہ کبریٰ پر علامہ عثمانی جتنا شکر پروردگار کریں وہ کم ہے۔ قبلہ تھانوی کی طرف سے عمامہ کی عزت افزائی حضرت عثمانی کی تاریخ اور علمی سیرت میں سنہری الفاظ سے انوار لکھنے کا فخر حاصل رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک.

اس جگہ اس امر کی وضاحت کر دینا مناسب ہوگی کہ علامہ عثمانی کا یہ زمانہ فراغت تعلیم کے بعد کا بالکل ابتدائی زمانہ ہے جبکہ آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر مسجد فتح پوری دہلی کے عربی مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے تھے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے سر پر عمامہ رکھنے کی تقریب ۱۱ محرم ۱۳۲۸ھ کو عمل میں آئی۔ ۱۲ ربیع الاول کے اجلاس میں جمعیۃ الانصار کے پانچ شعبوں کی تجویز مولانا عبداللہ صاحب نے پیش فرمائی وہ شعبے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) جمعیۃ التکمیل (۲) جمعیۃ نظام تعلیم (۳) جمعیۃ الارشاد (۴) جمعیۃ التالیف والاشاعۃ (۵) جلسہ علمیہ۔

ان پانچوں شعبوں میں پہلا شعبہ یعنی درجہ تکمیل خاص اور اہم شعبہ تھا اس شعبہ کی تجویز دیوبند کے عظیم الشان جلسہ دستار بندی میں پاس ہوئی تھی اور ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ کو اس کا افتتاح حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ اللہ البالغہ اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ کی آب حیات کا خطبہ تبرکاً پڑھا گیا۔ جناب خواجہ عبدالحی صاحب فاضل دیوبند و سابق پروفیسر جامعہ ملیہ دہلی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں درجہ تکمیل کی سب سے پہلی کلاس کا طالب علم ہوں۔ اور اس وقت جبکہ حضرت شیخ الہند نے اس کا افتتاح فرمایا میں اس میں موجود تھا۔ بہر حال درجہ تکمیل کے افتتاح کی روئداد کے متعلق مولانا سندھی لکھتے ہیں:۔

”۱۵ ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ کو عام جلسہ میں درجہ تکمیل کا افتتاح ہوا جس کی روئداد مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی معتمد الانصار کی لکھی ہوئی درج کی جاتی ہے“۔ (روئداد موتمر الانصار ص ۶۲)

مذکورہ عبارت سے درجہ تکمیل کی روئداد کا مولانا شبیر احمد صاحب سے لکھا جانا منسوب ہے۔ لہذا میں مولانا عثمانی کی اس تاریخی تحریر اور روئداد کو زیب سیرت بناتا ہوں۔ حضرت سندھی کی مذکورہ تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عثمانی جمعیۃ الانصار کے ایک فرد اور معتمد تھے۔ روئداد درجہ تکمیل نوشتہ عثمانی حسب ذیل ہے:۔

”اسلامی علوم و فنون کی عزت کرنے والے یہ بشارت سن کر خوش ہوں گے کہ مدرسہ عالیہ

دیوبند میں درجہ تکمیل کے لئے کھولنے کی جو اعلیٰ تجویز عظیم الشان جلسہ دستار بندی کے موقع پر جمعیۃ الانصار نے پیش کر کے منظوری حاصل کر لی تھی وہ چودہ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ کو ایک پرشان اور بابرکت طریقہ سے عمل میں آ گئی۔ اگرچہ یہ تجویز مدرسہ کے تعلیمی مقاصد میں انتہائی درجہ رکھنے کی وجہ سے بہت زیادہ قابل قدر اور مستحق توجہ ہے مگر عام ناظرین کو اس کی اہمیت کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس درجہ (تکمیل) کی حقیقت اور غرض سے واضح طور پر واقف نہ ہوں۔ درجہ تکمیل جس کے مفہوم کی کافی تشریح میں الانصار کے مطبوعہ قوائد و مقاصد کا حوالہ دینا ہم کو ضروری ہے۔ مذہبی تعلیم کے اس بلند مرتبہ کا نام ہے جو ایک یا چند علوم میں پورا ماہر بنانے کی ضمانت کر سکتا ہو۔ اس درجہ کی عظمت و لنشیں کرنے کے لئے یہ بتلا دینا اکتفا کرتا ہے کہ اس کی میعاد تعلیم کے غالب عنصر حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی حجۃ اللہ البالغہ شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تکمیل الاذہان اور تحرامت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ہیں۔ اور اس درجہ کے طلبہ کے لئے ادب تاریخ و کلام و تفسیر وغیرہ علوم کی مستند کتابوں کا مطالعہ اردو عربی لٹریچر کی مہارت اور مناظر یا تدریس وغیرہ کی مشق کرنا واجبات میں سے قرار دیا گیا ہے۔ اس قسم کے طلبہ کو تا مدت تکمیل جس کا تخمینہ دو سال کیا گیا ہے دس روپیہ سے بیس روپیہ تک ماہوار وظیفہ مخصوص شرائط کے ساتھ جمعیۃ الانصار سے ملتا رہے گا اور مدرسہ یا جمعیۃ کے تعلیمی شعبوں میں ان ہونہار طلبہ سے بہت سی دلچسپ امیدیں وابستہ ہوں گی فی الحال اس درجہ میں دو فارغ التحصیل طالب علم داخل کئے گئے ہیں جن کے اسباق سے ۱۵ ذیقعدہ کو اس مفید تجویز کا عملاً افتتاح ہوا۔ یا جمعیت مستطیع حضرات جمعیت کو جس قدر اپنے اموال طیبہ میں سے وظائف کے اس ضروری شعبہ میں امداد دیں گے۔ اسی قدر لائق طلبہ کی زیادتی اور تعلیم کی عمدگی حاصل ہوگی"۔ (روئداد مذکور ص ۲۲۔۲۳)

حضرت عثمانی کی مذکورہ بالا رپورٹ یا روئداد ایک تاریخی پس منظر پیش کر رہی ہے اور وہ یہ کہ مولانا اپنی لیاقت علمی کے باعث اپنی کم سنی میں ان اکابر علما میں شامل ہو چکے ہیں جن کو لیاقت علمی کا مشار الیہ قرار دیا جا سکتا ہے نیز درجہ تکمیل سے حضرت عثمانی کی رپورٹ کو جو نسبت حاصل ہے اس نسبت میں مولانا عثمانی کو فلسفہ و کلام قاسمی و ولی اللھی دونوں سے خاص نسبت ہے جو رپورٹ کے الفاظ سے ٹپک رہی ہے تحریر کا سلسلہ یہاں تک آ پہنچا۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ مولانا عثمانی کے لئے قاسم ثانی کا لقب پانے کے لئے حضرت تھانوی اور دیگر علمائے اکابر کے متفقہ فیصلہ کے مطابق گذشتہ واقعہ کافی ہے۔ تاہم اس حقیقت کو دیگر بیانات و اقوال سے ثابت کرنے سے علامہ

عثمانی کی علمی سیرت پر کافی روشنی پڑتی ہے اس لئے بعض دیگر علما کے خیالات بھی پیش کرتا ہوں۔

علامہ عثمانی کے ایک مقالہ "الروح فی القرآن" کا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے مکہ معظمہ سے جو تقریظ اور رائے لکھ کر بھیجی وہ میں نے دوسری جگہ بھی درج کی ہے لیکن ضرورتاً یہاں بھی پیش کرتا ہوں حضرت سندھی لکھتے ہیں:۔

"اس کتاب (الروح فی القرآن) کا ایک ایک لفظ میرے لئے نہایت بصیرت افروز ثابت ہوا اور اس مشکل مسئلہ کو اس قدر آسان بیان کرنے کی داد جس قدر میرا دل دے رہا ہے اس برعظیم میں انہیں ایسے بہت کم ملیں گے۔ میں حضرت علامہ (مولانا شبیر احمد صاحب) کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی قوت بیانیہ کا مثل جانتا ہوں"۔ (صدائے ایمان)

مولانا عبید اللہ صاحب جیسی مقتدر ہستی کی رائے میں مولانا عثمانی کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی قوت بیانیہ کا مثل اور مانند ظاہر کیا گیا ہے یہی عثمانی کی جانشینی ہے۔

استاذی مولانا محمد طیب صاحب موجودہ مہتمم دار العلوم نے حضرت عثمانی کی وفات پر دار العلوم دیوبند کے ۱۴ دسمبر ۱۹۴۹ء کے ماتمی اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے حسب ذیل الفاظ میں موصوف کو مولانا محمد قاسم صاحب کا جانشین قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"آپ اس علمی ذوق کے امین تھے جو اکابر دار العلوم سے بطور وراثت آپ کو ملا تھا۔ حضرت قاسم العلوم والخیرات بانی دار العلوم دیوبند کے مخصوص علوم پر گہری نظر تھی اور درسوں میں ان کے علوم کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریریں فرماتے تھے"۔ (الجمعیۃ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی مصنف "علمائے ہند کا شاندار ماضی" نے علامہ عثمانی کی تفسیر پر تقریظ کے ضمن میں آپ کو مفسر اعظم اور قاسم ثانی کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے ترجمہ پر ریمارک کرتے ہوئے محمد میاں صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ ترجمہ اگرچہ بذات خود تفسیر تھا مگر اس کے مضمون کو پورے طور سے واضح کرنے کے لئے ایک ایسے متبحر عالم نے اس کی تفسیر فرمائی ہے جس کے متعلق مسلمانان ہند کا صحیح علم یہ ہے کہ فہم قرآن غور و فکر اور سلاست کلام دلچسپی تحریر دلپذیری تقریر میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ یعنی شیخنا و استاذنا مفسر اعظم، قاسم ثانی حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی شارح مسلم شریف"۔ (تقریظ دیباچہ قرآن مجید تفسیر عثمانی مطبوعہ بجنور)

اس "قاسم ثانی" کے لقب نے نہ صرف حلقہ علمائے دیوبند میں شہرت خصوصی حاصل کی بلکہ دوسرے مقتدر اداروں کے مشاہیر علما نے بھی علامہ عثمانی کے لئے اس حقیقت کو متعین اور طے شدہ

واقعیت سمجھا۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی متکلم اسلام عثمانی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"دیوبند کے حلقے میں اس زمانہ میں یہ بات برملا کہی جاتی تھی کہ مولوی شبیر احمد صاحب کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے علوم و معارف پر پورا احتوا ہے وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مضامین و معانی کو لے کر اپنی زبان اور اپنی طرز ادا میں اس طرح ادا کرتے تھے کہ وہ دلنشیں ہوجاتے تھے۔

یہ خیال رہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین نہایت غامض، دقیق اور مشکل ہوتے تھے جن تک عوام کی پہنچ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے ان کے مضامین اور حقائق کو سمجھنا پھر زمانہ کی زبان میں اس کی تعبیر و تفہیم کوئی آسان بات نہ تھی اور اسی لئے مولانا شبیر احمد کی تقریر و تحریر کی تعریف کی جاتی تھی" (معارف نمبر ۴ جلد نمبر ۶۵ ص ۲۹۹ ماہ اپریل ۱۹۵۰ء)

ان چند خیالات کے پیش نظر حقیقت نے اس یقین تک پہنچا دیا جیسا کہ میں نے آغاز مضمون میں ظاہر کیا ہے کہ علامہ عثمانی امام الکلام حضرت قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین تھے۔

مولانا تھانوی کے ملفوظات میں سے حسب ذیل ملفوظ پڑھئے:۔

"ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقائق کو مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بکثرت ظاہر فرمایا ہے حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ ہر ایک بزرگ کو ایک خاص لسان دی جاتی ہے میری لسان مولوی محمد قاسم صاحب ہیں"۔ (الانور ۲۳ شعبان ۵۵ھ ملفوظ نمبر ۳۵۶)

حضرت تھانوی کے حوالے سے مخدوم العلما حاجی امداد اللہ صاحب کی لسان جس طرح حجۃ الاسلام نانوتوی تھے۔ اسی طرح متفقہ طور پر سید المتکلمین علامہ عثمانی امام الکلام مولانا محمد قاسم صاحب کی لسان تھے۔ وہ مجالس علما اور عوام کے جلسوں میں مولانا نانوتوی کی تقریر دلپذیر اور آب حیات کے مضامین غامضہ کو اس طرح آسان اور تمثیلی رنگ میں پیش فرماتے کہ ان کو پانی پانی کر دیتے۔ خواجہ عبدالحئی صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ لاہور کے خدام الدین کی انجمن کے جلسہ میں جس کے روح رواں مولانا احمد علی صاحب ہیں مولانا عثمانی تقریر فرما رہے تھے اور ڈاکٹر اقبال سر محمد شفیع اور مولانا ظفر علی وغیرہ لاہور کے اہل علم موجود تھے۔ حضرت عثمانی حیات نبوی پر مخصوص انداز میں کلام فرما رہے تھے اور ان مضامین کے انبار اپنی خاص حکیمانہ زبان میں لگا رہے تھے جن کا ذکر حضرت نانوتوی نے اپنی آب حیات میں فرمایا ہے جلسہ کے لوگوں پر عجب محویت کا عالم تھا۔ یہی وہ پہلا جلسہ تھا کہ جس میں اقبال مولانا عثمانی کی عقیدت دل میں لے کر اٹھے اور سر محمد شفیع تو اپنی جگہ

سے اچھل اچھل پڑتے تھے اور کہتے تھے کہ علما میں اب بھی ایسے آدمی موجود ہیں۔

مولانا عثمانی کے علم کلام کے متعلق مذکورہ خیالات اور طے شدہ نظریات کے باعث حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم شرح مسلم پر تقریظ میں حضرت علامہ کے متعلق فرمایا۔ "لا جرم علامہ عصر خود مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی مفسر و محدث و متکلم ایں عصر اند"۔

مذکورہ جملے میں شاہ صاحب کی نظروں میں مولانا عثمانی نہ صرف مفسر و محدث ہیں بلکہ انہوں نے اپنے زمانے کا ان کو متکلم فرمایا ہے۔ اسی شہرت کے نتیجہ میں اور متکلمانہ تقریروں اور تحریروں کی مقناطیسی کششوں نے لوگوں پر اپنے متکلم اسلام ہونے کا خراج تحسین مولانا نے وصول کیا۔

چنانچہ مولانا عبد الماجد صاحب نے آپ کی وفات پر حسب ذیل تاثرات کا اظہار کیا ہے:۔

"استاذ العلماء علامہ شبیر احمد عثمانی شارح صحیح مسلم و مفسر قرآن کا غم آج سارے عالم اسلامی کا غم ہے۔ حکیم الامت تھانوی کے بعد علامہ عثمانی کی ذات اب اپنے رنگ میں فرد رہ گئی تھی لیکن افسوس ہے کہ آج یہ بڑی نعمت بھی ہندوستان اور پاکستان سے اٹھ گئی۔ (آپ) اپنے وقت کے زبردست متکلم' نہایت خوش تقریر واعظ محدث و مفسر سب ہی کچھ تھے"۔ (صدق)

مذکورہ عبارت میں مولانا دریابادی نے حضرت عثمانی کو اپنے وقت کا زبردست متکلم قرار دیا ہے مگر نہ صرف علما میں ان کے علم کلام کا غلغلہ برپا ہوا بلکہ ابو سعید بزمی ایم اے نے آپ کی وفات پر جو مقالہ اخبار احسان میں بحیثیت ایڈیٹر لکھا ان کے الفاظ یہ ہیں۔

"مولانائے عثمانی کی ذات گرامی ہی وہ واحد ذات تھی جس نے عقل و دانش کی روشنی میں اسلامی احکام کی مصلحتیں آشکارا کیں اور خطہ ہندوستان کے طول و عرض سے متفقہ طور پر "متکلم اسلام" کا لقب حاصل فرمایا"۔ (اخبار احسان لاہور کا مقالہ مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدظلہ اپنے مقالہ حیات انور میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی تحقیق و تدقیق اور حسن بیان میں امام ابو الحسن اشعری کی زبان اور ترجمان تھے"۔ (حیات انور ص ۱۱۹)

یہ حقیقت آوازیں اور علمائے دانش ور کی تحدیدیں مولانا عثمانی کے رئیس المتکلمین ہونے پر ایک آئینہ حقیقت نما ہیں جس میں تصویر اپنا صحیح عکس پیش کر رہی ہے۔

نقش اول سے نقش ثانی کی عقیدت

یہاں تک پہنچ کر اب ذرا قاسم ثانی کی اپنی زبانی قاسم اول کے ساتھ عقیدت مندیوں کی

کیفیت کا حال سنئے۔ موتمر الانصار مراد آباد منعقدہ ۹ ۱۳۲۹ھ مطابق اپریل ۱۹۱۱ء میں ۱۴ اپریل کے اجلاس میں بوقت صبح آٹھ بجے سے دس بجے تک علم کلام پر "الاسلام" کے عنوان سے جو مستقل مبسوط مقالہ پڑھا۔ اس کے آخر میں مولانا عثمانی فرماتے ہیں:۔

"رفتہ رفتہ ہندوستان میں جو ہزارہا معبودوں کا گھر تھا مسلمانوں کے بابرکت قدم آئے اور انہوں نے اس ظلمت کدہ میں توحید کا چراغ روشن کیا اور گویا بت خانہ کے اندر مسجد بنادی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے زلزلے سے جہاں اور قومی عمارات گرنی شروع ہوئیں یہ مسجد بھی انہدام کے قریب آ پہنچی۔ اس پر ایک طرف تو دشمنان اسلام نے اس کی بنیادیں نکال ڈالنے کا ارادہ کر دیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں نے اس کی اینٹوں سے اپنے رہنے کے مکانات تعمیر کرنا چاہے۔ اس پرخطر وقت میں ایک مرد اسلام کو خدائے تعالیٰ نے بھیج دیا جس نے اس مسجد کی عمارت کو زمانہ کے دستبرد سے بچا لیا اور پہلے سے بھی زیادہ رفیع الشان اور باعظمت بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوا۔ یہ رفیع المنزلت عمارت مدرسہ عربی دیوبند ہے جس کا مفصل تبصرہ آپ میرے سوا اور لوگوں کی رپورٹوں میں پائیں گے اور وہ مرد اسلام قدسی صفات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ ہیں جنہوں نے اس مدرسہ کی بنا ڈالی اور جن کے اسم گرامی پر ہی اپنی اس تحریر کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

مولانا عثمانی کے مذکورہ مقالہ الاسلام کے آخری ٹکڑے حضرت قاسم العلوم کے ساتھ ان کی والہانہ عقیدت مندی کا اظہار کر رہے ہیں۔ آپ کا موتمر الانصار میں یہ مقالہ اتنا موثر اور محققانہ تھا کہ مولانا اشرف علی صاحب نے تو خاص طور پر اپنی تقریر میں اس کی مدحت سرائی کی اور فرمایا۔

"جو دلائل عقلیہ وجود صانع (باری تعالیٰ) اور ضرورت نبوت و رسالت پر مولوی شبیر احمد صاحب نے بیان فرمائی ہیں میں اب ان سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں"۔ (رپورٹ موتمر ص ۱۱۰)

لیکن خود اس جلسے کے رپورٹر مولانا عبیداللہ صاحب سندھی نے مولانا عثمانی کے اس کلامیہ مقالہ کے جو تاثرات پیش کئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

"لیکن اس میں شک نہیں کہ مولوی شبیر احمد صاحب نے جس خوبی اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ یہ تقریر فرمائی وہ تمام اہل علم حضرات کے دل پر نقش کالحجر ہوگئی۔ دہریت فلسفۂ جدیدہ اور آریہ فرقہ کے تمام اعتراضات متعلق بوجود و توحید باری تعالیٰ اور ضرورت نبوت و رسالت وغیرہ کے جوابات نہایت مدلل و معقول طریقہ پر بیان فرمائے اور ثابت فرمایا کہ اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جو

ہر قسم کی خرابیوں سے مبرا اور ایک واحد حقیقی خدا کو واجب الوجود تسلیم کرتا ہے اور اپنے پاس وہ معقول و زبردست دلائل رکھتا ہے جس کے سامنے کسی فلسفہ اور کسی مذہب کے دلائل کی کچھ حیثیت اور وقعت نہیں رہتی"۔ (رپورٹ موتمر ص ۱۰۱)

رپورٹر کی اس رپورٹ سے واضح ہے کہ عثمانی نے علم کلام کے اس مقالہ میں دلائل صداقت اسلام کی دنیا بھر دی ہے اور اسی کو علم کلام کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس مقالہ کے اول میں سندھی صاحب نے جو ریمارک دیئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

"۸ بجے مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی کھڑے ہوئے اور اسلام کے عنوان پر اپنی تقریر شروع کی یہ وہ زبردست تقریر ہے کہ جس کی کوئی بات دلائل عقلیہ سے خالی نہیں۔ فلسفہ و حکمت اور علم کلام کے ذریعہ سے جو آج کل تعلیم یافتہ گروہ کا تختہ مشق ہیں ان تمام اعتراضات کو اٹھایا گیا ہے جس کی نسبت مولوی حالی نے عربی تعلیم یافتہ گروہ کو بیکار سمجھ کر اپنے مسدس میں کہا تھا کہ وہ دلائل حقیقت اسلام اور غیر نبوت و رسالت کو بھی ثابت نہیں کر سکتے اور نہ ان کے پاس اس کا ذخیرہ ہے"۔ (رپورٹ موتمر ص ۷۷)

موتمر الانصار منعقدہ مراد آباد میں جہاں بڑے بڑے علمائے ربانی شریک ہوئے تھے وہاں علامہ شبلی بھی تشریف لائے تھے۔ شبلی مرحوم نے مولانا عثمانی کے اس کلامی مقالہ سے جو الاسلام کے عنوان سے انہوں نے وہاں پیش فرمایا اپنے تاثرات لکھنو واپس جا کر مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے جو ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ حسب ذیل الفاظ میں ادا کئے ہیں۔ واضح رہے کہ شبلی مرحوم بھی علم الکلام پر اپنی ایک کتاب ملک میں شائع کر چکے تھے جس کے متعلق علمائے ہند میں ان کے عقائد پر بہت لے دے ہوئی تھی۔ بلکہ مولانا محمد عماد الدین صاحب انصاری شیرکوٹی فاضل دیوبند نے ایک پمفلٹ "علامہ آخر الزماں" کے نام سے شائع کیا تھا جن میں شبلی کی کلامی لغزشوں پر تنبیہ فرمائی تھی۔ غرض شبلی مرحوم نے مولانا عثمانی کے مقالے کے متعلق اپنے شاگرد سے جو کچھ فرمایا وہ خود سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنئے۔

"مولانا شبیر احمد صاحب دار العلوم دیوبند میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے اور سال بسال ادنیٰ سے اعلیٰ کتابوں کا درس دیتے ہوئے کتب حدیث کا درس دینے لگے کچھ دنوں کے بعد مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس ہو گئے۔ اسی زمانہ میں میرا بھی دلی جانا ہوا تو مدرسہ میں ان سے ملاقات ہوئی مگر پھر دار العلوم دیوبند لوٹ آئے۔ اسی زمانہ میں مولانا عبید اللہ سندھی

حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طلب پر دیوبند آ کر مقیم ہوئے تھے۔ ان کا مشن یہ تھا کہ دیوبند پر جو تعلیمی فضا محیط ہو گئی تھی اور سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کی مجاہدانہ روح جو اس حلقہ سے وہیں چلی جا رہی تھی اس کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں موتمر الانصار کی بنیاد پڑی۔ اور اس کا ۱۹۱۱ء یا اس کے پس و پیش[1] زمانہ میں مراد آباد میں بہت بڑا جلسہ ہوا۔ جس میں علی گڑھ اور ندوہ اور دیوبند کے اکثر رجال علم و عمل جمع ہوئے اور تمام ہندوستان سے مسلمانوں کا بہت بڑا مجمع اس میں شریک تھا۔ ندوہ سے حضرت الاستاذ مولانا شبلی مرحوم شریک ہوئے تھے۔ اس جلسہ میں مولانا شبیر احمد صاحب نے العقل[2] والنقل کے نام سے اپنا ایک کلامی مضمون پڑھ کر سنایا۔ حاضرین نے بہت داد دی۔ اس مضمون میں گو جدید معلومات حضرت الاستاذ کی تصنیف سے لئے گئے تھے مگر اس کا نتیجہ اس کے برعکس نکالا گیا تھا۔ یہ گویا حامیان عقل کے اس علم کلام کا رد تھا جس میں خرق عادت کے وجود اور معجزات کے صدور پر ناک بھوں چڑھائی جاتی تھی۔ حضرت الاستاذ (مولانا شبلی) نے واپس آ کر مجھ سے فرمایا تھا کہ انہوں نے معلومات میری کتاب سے لئے اور پھر میرا ہی رد کیا"۔ (المعارف اپریل ۱۹۵۰ء ص ۲۹۸)

سید صاحب علیہ الرحمۃ (جن کا پچھلے ماہ کراچی میں انتقال ہوا) کی مذکورہ تحریر سے معلوم ہوا کہ علامہ شبلی کو علامہ عثمانی کے مقالہ سے جو احساس ہوا وہ خصوصی طور پر انہوں نے قابل تذکرہ سمجھا۔ سید سلیمان ندوی مرحوم کے آخری دونوں جملوں سے علامہ شبلی کے بعض کلامی مسائل کی علامہ عثمانی کی طرف سے تردید کا مطلب بھی دریافت ہو جاتا ہے۔ یعنی ہندوستان میں حامیان عقل معجزات اور خوارق عادات کے چونکہ منکر ہیں اور وہ معجزات نبوت کو عقل کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے علامہ عثمانی نے معجزات اور خوارق کو اپنے مقالہ میں ثابت کر کے علامہ شبلی کے اقوال اور نئے معلومات سے لے کر انہی کا رد فرمایا۔

ہندوستان میں ایک خاص جماعت کے نظریات یہ تھے کہ جو چیز ہماری عقل کو اپیل نہیں کرتی وہ مذہب میں کچھ اور معنی رکھتی ہے۔ یا وہ اسلام میں موجود ہی نہیں۔ مثلاً شق قمر ہو یا دریائے قلزم میں عصائے موسیٰ سے راہیں بن جانا وغیرہ معجزات کا کوئی وجود ہی نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ

---

[1] موتمر الانصار کا یہ جلسہ مراد آباد میں ۱۵، ۱۶، ۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء مطابق ۱۳۲۹ھ منعقد ہوا۔ (انوار)

[2] موتمر الانصار مراد آباد کے اس اجلاس میں علامہ عثمانی نے اپنا مقالہ "الاسلام" پڑھ کر سنایا تھا جیسا کہ رپورٹ میں درج ہے لیکن العقل والنقل تو حضرت عثمانی نے ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ کو لکھ کر ختم فرمائی ہے اور موتمر الانصار کا اجلاس ۱۳۲۹ھ میں منعقد ہوا تھا۔ (انوار)

دریائے قلزم میں راستوں کا بننا خلاف عقل ہے۔ البتہ صورت یہ تھی کہ دریا میں کبھی مد اور کبھی جزر یعنی پانی کا اتار اور چڑھاؤ ہوتا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کا لشکر اترا تو اتفاق سے پانی اترا ہوا تھا۔ لیکن جونہی فرعون کا لشکر داخل ہوا تو قلزم میں پانی آ گیا اور فرعون کا لشکر غرق ہو گیا۔ وہ عصائے موسوی کے اژدہا کی صورت میں تبدیل ہونے کے بھی منکر ہیں۔

مگر علمائے ربانی معجزات کے قائل ہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ معجزات ایسے امور نہیں ہیں جو عقل میں نہ آ سکیں یہ دوسری بات ہے کہ بعض عقلیں اپنی کوتاہی کے باعث معجزات کو خلاف عقل تصور کرنے لگیں۔ ان کو اپنی عقلوں کے قصور کی بجائے مذہب کے نظریات کو خلاف عقل کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عقل سلیم معجزات کو خلاف عقل نہیں جانتی۔ علامہ عثمانی بھی اسی مکتبہ خیال سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا معرکتہ الآرا مقالہ جس کے انتخابات ان شاء اللہ اسی عنوان کلامی کے ماتحت آئندہ پیش کیے جائیں گے۔ معجزات اور خوارق عادات کے عقلی طور پر اثبات میں نہایت ہی شاندار مقالہ ہے۔

مضمون کا رخ دوسری طرف بدل گیا مگر حضرت عثمانی کے مرکز حال سے بہر حال باہر نہیں۔ عنوان یہ تھا کہ مولانا عثمانی حضرت قاسم العلوم والخیرات کو کس والہانہ عقیدت سے دیکھتے اور اپنی تصنیفات میں بار بار ان کے مضامین عالیہ کو پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اسی مقالہ ”الاسلام“ میں توحید اثبات کے سلسلہ میں حضرت عثمانی لکھتے ہیں:۔

”جہاں تک فکر کی گئی اس سوال کا جواب حکیم الامت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ پر مغز اور جامع کسی نے نہیں دیا اور مصنفین میں غالباً اس قسم کی فلسفیانہ بحث کو اس قدر سلیس زبان میں کوئی نہیں سمجھ سکا چنانچہ مولانا کے ان مضامین کا ماحصل جو تقریر دلپذیر میں ہے درج ذیل ہے۔

مطرب از گفتۂ حافظ غزل نغز بخواں   تا بگویم کہ ز عہد طربم یاد آمد

(مقالہ از رپورٹ ص ۸۶)

علامہ عثمانی کی مذکورہ عبارت جہاں یہ بتاتی ہے کہ وہ حضرت قاسم العلوم کے علوم پر محیط نگاہ رکھتے ہیں وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ عثمانی دوسرے اہل دانش و اہل کلام کی تصانیف کلامی تقریری اور تحریری دلائل پر بھی کامل معلومات رکھتے ہیں۔ جس کی بنا پر ان کو یہ فرمانے کا حق حاصل ہوا کہ اثبات توحید میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ سے زیادہ پر مغز اور جامع جواب کسی نے نہیں دیا۔ یہاں حضرت عثمانی کی اس تحریر سے یہ بھی حقیقت خیال میں آئی کہ حضرت قاسم العلوم ایک نئے

علم کلام کے موجد تھے۔ جس میں نظریات اسلام کو اپنے تخلیقی اور خود ساختہ ذہنی دلائل سے ثابت فرمایا ہے اور یہی مولانا کا جدید علم کلام ہے۔

علاوہ ازیں وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا جو اس کی طرف راہ چلنے کی طاقت رکھتا ہو) کے ضمن میں علامہ عثمانی حضرت قاسم العلوم کا ذکر فرماتے ہیں" ۔ اس مضمون (حج) کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ نے قبلہ نما میں بڑے شرط و بسط سے لکھا ہے۔

اسی طرح حضرت عثمانی اللہ الذی خلق سبع سموٰت و من الارض مثلھن کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا محمد قاسم صاحب کا حوالہ ان الفاظ میں دیتے ہیں" اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے بعض رسائل میں اس کے بعض اطراف و جوانب کو بہت خوبی سے صاف کر دیا گیا ہے۔

اور اس سے زیادہ عثمانی مرحوم کو قاسم العلوم سے عقیدت اور کیا ہو گی کہ اپنی مایہ ناز تفسیر کا خاتمہ من الجنۃ و الناس کے معانی کی تفصیلات کے ماتحت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے مضمون گرامی پر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ان دونوں سورتوں (الفلق اور الناس) کی تفسیر میں علماء و حکماء نے بہت کچھ نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ حافظ ابن قیم امام رازی ابن سینا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بیانات درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں صرف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ روحہ کی تقریر کا خلاصہ درج کرتا ہوں۔ تا فوائد قرآن کے حسن خاتمہ کے لئے ایک فال نیک ثابت ہو"۔ (تفسیر حقانی مطبوعہ قرآن مدینہ پریس ص ۴۴ عف)

اس عبارت سے حضرت عثمانی کی عقیدت اور استفادہ کا اندازہ لگایئے کہ قرآن کریم کی تفسیر کا خاتمہ حضرت قاسم العلوم کے مضمون پر کرنے کو فال نیک تصور فرمایا ہے اسی لئے حضرت عثمانی قاسم ثانی کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

قاسم ثانی مولانا عثمانی قاسم اول کی تفسیر و زبان ہیں

گزشتہ سطور میں راقم الحروف نے ان علمائے دیدہ ور کے اقوال کی ترجمانی کی ہے جنہوں نے مولانا عثمانی کو علم کلام میں بالخصوص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جانشین یا قاسم ثانی کے لقب سے یاد کیا ہے اور جس کا اظہار مولانا عثمانی کے سوانح نگار کے اولین فرائض کی کڑی ہے۔

اب ہم ان مسائل کے اقتباس پیش کرنے کی کوشش کریں گے جن کو مولانا قاسم العلوم نے اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے اور حضرت عثمانی نے مولانا کی زبان و تفسیر بن کر وضاحت سے پیش فرمایا ہے۔

جیسا کہ گذشتہ عبارت میں واضح کیا گیا کہ امام الکلام قاسم العلوم کے علوم اس قدر عمیق ہوتے تھے کہ بڑے بڑے قابل علماء ہی اسے سمجھ سکتے تھے جیسا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے سوانح قاسمی میں تحریر فرمایا ہے۔ اب اندازہ لگایئے کہ ایسے امام الکلام کے ادق اور غامض مضامین کو پانی کی طرح بہانا اور آسان بنانا مولانا عثمانی کے لئے مشہور اور مخصوص ہو تو پھر علامہ عثمانی کی ذکاوت فطانت، لیاقت کا کیا حال ہوگا چنانچہ یہ امر مسلم ہے کہ وہ اپنے دور کے مایہ ناز عالم تھے۔ جن پر علوم عقلی و نقلی فخر کرتے تھے۔ اب میں حضرت قاسم العلوم کی حسب ذیل عبارت حجۃ الاسلام سے پیش کرتا ہوں جس میں حضرت امام الکلام نے قرآن کریم کو دلیل نبوت فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف جس کو تمام معجزات علمی میں بھی افضل و اعلیٰ کہیئے ایسا برہان قاطع ہے کہ کسی سے کسی بات میں اس کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ علوم ذات و صفات و تجلیات و علم برزخ و علم آخرت و علم اخلاق و علم احوال و علم افعال و علم تاریخ وغیرہ اس قدر ہیں کہ کسی کتاب میں اس قدر نہیں۔ کسی کو دعویٰ ہو تو لائے اور دکھائے اس پر فصاحت و بلاغت کا یہ حال کہ آج تک کسی سے مقابلہ نہ ہو سکا۔ مگر ہاں جیسے اجسام و محسوسات کے حسن و قبح کا ادراک تو ایک نگاہ اور ایک توجہ میں بھی متصور ہے اور روح کے کمالات کا ادراک ایک بار متصور نہیں ایسے ہی معجزات علمی کی خوبی جو متضمن علوم عجیبہ ہوں ایک بار متصور نہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ بات کمال لطافت پر دلالت کرتی ہے"۔ (حجۃ الاسلام مطبوعہ مجتبائی ص ۳۱)

مذکورہ عبارت میں حضرت قاسم العلوم نے قرآن کریم کو خدا کا کلام ثابت کرنے کے لئے دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ قرآن کریم میں علوم ذات و صفات مبدا و معاد تہذیب و تمدن اقتصادیات و معاملات وغیرہ وغیرہ علوم اس طرح اور اتنے بیان کئے گئے ہیں کہ کسی کتاب میں اتنے علوم موجود نہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت لفظی و عبارتی اس قدر بلند ہے کہ کائنات کا کوئی انسان اس کے مقابلہ سے قاصر ہے اتنے مختصر پر مغز اور دقیق انداز میں قرآن کریم کو حضرت قاسم العلومؒ نے تمام علمی معجزات میں اعلیٰ و افضل ثابت فرمایا ہے۔

اب تفسیر و زبان قاسمی یعنی علامہ شبیر احمد عثمانی کے الفاظ میں قرآن کریم کے اعجاز پر نہایت پر شکوہ الفاظ میں کلامی دلیل ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"آؤ! اس مشہور عام کی اس کتاب کو دیکھیں جو قرآن کے نام سے معروف ہے کہ آیا وہ خدا کا کلام ہو سکتا ہے یا نہیں۔ جب تم اس کی تفتیش کرو گے تو تم کو اس کتاب میں تہذیب اخلاق، طریق تمدن و معاشرت، اصول حکمت و سیاست، ترقی روحانیت، تحصیل معرفت ربانی، تزکیہ نفوس، تنویر قلوب،

غرضکہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیت خلائق کے وہ تمام قواعد و سامان موجود نظر آئیں گے جن سے کہ آفرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے ایک امی فرد سے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی پھر ان تمام علوم و حکم کا تکفل کرنے کے ساتھ جن کے بغیر مخلوق اور خالق کا تعلق صحیح طور پر قائم نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مخلوق دوسری مخلوق کے حقوق کو پہچان سکتی ہے۔ اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع و موثر اور دلربا طرز بیان، دریا کا سا تموج اور روانی سہل ممتنع سلاست اسالیب کلام کا تفنن اور اس کی لذت و حلاوت اور شہنشاہانہ شان و شکوہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑی بلند آہنگی سے سارے جہان کا مقابلہ کا چیلنج دے دیا ہے۔ جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آرا نے غیب کی نقاب الٹی اور آدم کی اولاد کو اپنے سے روشناس کیا اس کا برابر یہی دعویٰ رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین اور خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی"۔ (اعجاز القرآن علامہ عثمانی زیر عنوان قرآن کی جامعیت)

حضرت امام الکلام مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا عثمانی دونوں کی عبارتوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہے۔ اول الذکر نہایت دقیق دلائل کے ساتھ منطقیانہ پہلو میں اعجاز قرآنی کا ثبوت دے کر اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت فرما رہے ہیں جس سے نبی امی کی نبوت بھی ثابت ہوتی جا رہی ہے۔

علامہ عثمانی بھی قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے اور اس کی فصاحت و بلاغت پر نہایت پر شکوہ اور حکیمانہ انداز میں شواہد و امثلہ سے تائید اور وضاحت کرتے ہوئے قرآن کریم کا خدا کلام ہونا ثابت فرما رہے ہیں۔ قاسم اول علمی اصطلاحات سے مضامین عالیہ کی طرف اشارے کر رہے ہیں۔ مگر قاسم ثانی تفصیل و شرح و بسط کے ساتھ اسی مضمون کے چہرے سے نقاب الٹ رہے ہیں۔

۲۔ حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مضامین عالیہ کے بیان کو واضح کرنے کے لئے آب حیات اور تقریر دلپذیر میں جابجا تمثیلات پیش فرماتے ہیں اور کہیں امثال و نظائر اور مشاہدات سے اپنے اثبات مدعا میں کام لیتے ہیں۔ تمثیلات و نظائر کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ ادق سے ادق مضامین قاری اور سامع کے ذہن میں آسانی سے اتر جاتے ہیں۔ یہی حال علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ کا ہے ان کے یہاں بھی بکثرت تمثیلات اور تشبیہات و نظائر مضامین کی گرہیں کھولتی نظر آتی ہیں۔ جابجا دقیق سے دقیق مضمون کو مولانا نے تشبیہات اور تمثیلات سے ممتنع بنا دیا ہے۔ ان کا طرز افہام و تفہیم ان کے حلقہ تعارف میں نہ صرف مشہور بلکہ ضرب المثل ہے۔

الشریعت اسلامیہ کے اہم مسائل کو سلیس پیرایہ و اسلوب میں ڈھال دینا علامہ عثمانی کی بیانی خوبیوں کا جوہر تھا۔ اب میں حضرت قاسم العلوم کی تقریر دلپذیر سے ایک تمثیل پیش کرتا ہوں۔ حضرت امام یہ مضمون بیان فرمار ہے ہیں کہ اللہ کی ہدایت تمام دنیا و بد انسانوں کے سامنے آتی ہے۔ لیکن صرف وہی طبیعتیں اس کو قبول کر لیتی ہیں۔ جن میں قابلیت اور استعداد ہوتی ہے لیکن جن دلوں اور طبیعتوں میں جوہر قابل نہیں وہ نہ تو اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کو خداوند تعالیٰ اپنا رازداں یا نبی بنائے اور نہ اس قابل ہوتے ہیں کہ ان میں ہدایت کا نور چمکے۔ ان کی تاریکی ان کے اندر نور ہدایت کو جذب کرنے سے روکتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

”جیسے آفتاب کے نور کو کسی سے بخل نہیں پر چونکہ ہر جسم میں وہ قابلیت نہیں (جو آئینہ کو نصیب ہوئی ہے) اس لئے ہر جسم مثل آئینہ منور نہیں ہوتا۔ اور ہر شیشہ میں آتشی شعاعیں نہیں آتیں۔ ایسے ہی فیض ہدایت کو بھی کسی سے انکار نہیں مگر قابلیت شرط ہے پھر جیسے آفتاب کا فیض عام اور خاص ہے کہ بعضے فیوض آئینہ یا پانی وغیرہ اور آتشی شیشہ ہی کو پہنچتے ہیں ایسے ہی آئینہ کے فیض میں بھی (بشرط مقابلہ) عموم اور خصوص ہے یعنی جو در و دیوار اس کے مقابلہ میں نہیں ہیں باوجود آئینہ کی نور افشانی کے اس نور سے محروم ہیں۔ بدستور اندھیرے میں گرفتار ہیں اور جن کو نور پہنچتا ہے ان کو بھی یکساں نہیں پہنچتا۔ جو آئینہ کہ اس آئینہ کے مقابل ہے جس قدر وہ فیضیاب ہے اور اجسام فیض یاب نہیں“۔ (تقریر دلپذیر ص ۱۶۲ و ص ۱۶۳)

حضرت امام المتکلمین نے فیض ہدایت کے قبول کے سلسلے میں نہایت ہی دقیق نکتہ حل فرمایا ہے آپ یہ فرمار ہے ہیں کہ قبول ہدایت کے لئے اول جوہر قابل کی ضرورت ہے اور دوسرے اس امر کی ضرورت ہے کہ جس طرح آئینہ کے بالمقابل آنے والی چیزوں ہی کا عکس آئینہ میں آتا ہے اور جو چیزیں آئینہ کی طرف رخ نہ کریں اور اس کے بالمقابل نہ ہوں وہ آئینہ میں نہیں آتیں اس لئے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ جوہر قابل کے علاوہ طالب ہدایت قلوب کا رخ آفتاب ہدایت کے بالمقابل اور اس کی طرف متوجہ ہو بعض ہستیاں ریاضت و مجاہدہ سے اپنے دلوں کو صاف کر لیتی ہیں لیکن چونکہ ان کا رخ صراط مستقیم کی طرف نہیں ہوتا اس لئے وہ ہدایت سے محروم رہتے ہیں اور تجلیات الٰہی سے مقابل نہ ہو سکنے کے باعث ان دلوں میں نور ہدایت نہیں چمکتا۔ امام الکلام کی عبارت میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ مبداء فیض کے بعض فیض خصوصی ہوتے ہیں جو شیشے کی طرح آفتاب کی چمک کو خصوصی طور پر اپنے اندر سمونے کی قابلیت رکھتے ہیں اور یہی ثبوت نبوت

کی بھی دلیل بن جاتا ہے اور پھر اس آفتاب نبوت سے شیشے اور پانی کی طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کسب ہدایت کا مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔

اب علامہ شبیر احمد عثانی کی عبارت پڑھئے جو میں ان کی معرکۃ الآرا کلامی تصنیف العقل و النقل سے پیش کرتا ہوں جس میں مذکورہ مضمون کو تمثیل کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

”آفتاب ٹھیک نصف النہار پر ہے کنکریاں سنگریزے درخت کی شاخیں، زمین زمین کی ریت سمندر کا پانی اور لوہے کے کالے کالے ٹکڑے غرض دنیا کی سینکڑوں ہزاروں چیزیں اس کے سامنے پڑی ہوئی ہیں سورج کی روشنی میں ہر ایک شے ان میں سے الگ الگ دکھائی دیتی ہے اور ہر ایک میں دھوپ کی کچھ نہ کچھ گرمی بھی محسوس ہو رہی ہے لیکن ان ہی مختلف الانواع اشیاء کے بیچ میں اور ان ہی کالے سیاہ آہن پاروں کے قریب ایک شخص بیٹھا ہے جس کے ہاتھ میں آتشی شیشہ اور دوسرے میں کوئی سیاہ یا سبز چادر ہے اور جب وہ اپنے شیشے کو سورج کے روبرو کر کے چادر کو اس کے مقابلہ پر لاتا ہے تو اسی وقت چادر میں آگ سلگ کر دھواں اٹھنے لگتا ہے اور جب شیشے کو سورج کے یا چادر کو شیشے کے سامنے سے سرکا دیتا ہے تو وہ تاثیر آتشیں باقی نہیں رہتی۔

یہ سارا تعجب انگیز ماجرا ہم ایک اجنبی سے اجنبی جاہل اور متعصب آدمی سے کرتے ہیں۔ تو وہ بغیر کسی استعجاب کے اس کو تسلیم کرنے لگتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ بہت افسوسناک بے باکی کے ساتھ محال سمجھ کر تمسخر اڑانے کو جائز رکھتا ہے جب ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ ریگستان میں جہاں بہت سے ایسے مختلف المذاہب مختلف الطبائع اور مختلف الالوان لوگ جمع تھے جن کے پتھریلے معبودوں کی مانند سخت و سیاہ دلوں پر آفتاب کمالات کی شعاعیں بھی اپنا گہرا اثر نہ ڈالتی تھیں جن کی تہ بہ تہ مادی کثافتوں کے نیچے ان کی لطیف روحانیت نے اپنے کو چھپا رکھا تھا اور جن کی جہالت آمیز حرکتوں اور عاقلانہ بدمستیوں سے دنیا کے اخلاقی مرقع کی اصلی صورت ایسی بگڑ گئی تھی کہ پہچانی نہ جا سکتی تھی۔ وہاں پر ایک ایسا صفاکیش اور روشن ضمیر انسان ظاہر ہوا جس کے قلب میں فطری طور پر کمالات الٰہی سے استفادہ نہ کرنے کی پوری استعداد ودیعت کی گئی تھی اور جس نے ہوش سنبھالتے ہی بغیر کسی ظاہری معلم کے تمام گرد و پیش کے خیالات سے علیحدہ ہو کر ایسی روش اختیار کی جو سیدھی معبود حقیقی تک پہنچانے والی تھی۔ اس پاکیزہ سرشت انسان کو اپنے جبلی اخلاق اور برگزیدہ ملکات کی بدولت جو وہ بطن مادر سے اپنے ساتھ لایا تھا اس منبع الکمالات خالق سے ایک خاص الخاص نزدیکی اور مناسبت قائم ہو گئی اور جس وقت وہ خدا کا پاک

طینت بندہ تمام فانی تعلقات کو فراموش کیے ہوئے دل سے طلب صادق کے ساتھ خدائے ذوالجلال کی جناب میں متوجہ ہو کر بیٹھا تو نہ معلوم کس غیر محسوس راستے سے ایک ایسی گرم روشنی اس کے قلب کی تہ میں اتری کہ پھر جو دل بھی سامنے آیا اس کی ساری کدورتوں اور آلائشوں کو جلا کر کندن بنا دیا"۔ (حصہ العقل والنقل از مقالات عثمانی مطبوعہ ادارہ فروغ اردو لاہور صفحہ ۷۶، ۲۸۰، ۲۸۱)

حضرت قاسم العلوم اور علامہ عثمانی رحمہم اللہ کی عبارتوں کا تجزیہ کیجئے تو دونوں عبارتوں سے اثبات نبوت اور حضرت نبوت سے صحابہ اور دیگر اہل امت کا اکتساب ہدایت و نور نہایت معقول طور پر ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عثمانی نے منبع انوار یعنی آفتاب اور آتشی شیشے سے تشبیہ دے کر ملکات فاضلۂ نبوت کو آفتاب ہدایت یعنی رب العزت کے فیضان خصوصی کا سبب بیان فرما کر نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کو آئینۂ نبوت سے بھی صحابہ کرام کی ہدایت کا حصول ثابت فرمایا ہے۔ تمثیل کا جو رنگ عثمانی کی عبارت میں جلوہ آرا ہے وہی تمثیلی کیفیت امام الکلام کی عبارت میں بھی ہے۔ فرق وہی ہے جو ایک امام اور مقلد یا ایک استاذ اور شاگرد میں ہوتا ہے بسا اوقات شیخ ایک دقیق مضمون کو اشاروں اور کنایوں اور علمی اصطلاحوں میں پیش کرتا ہے اور شاگرد اسے پانی پانی کر کے بہاتا اور آسان بنا دیتا ہے بعینہ یہی حال دونوں یعنی قاسم اول اور قاسم ثانی کی عبارتوں میں پورے ابھار کے ساتھ نظر آتا ہے عثمانی کی اردو عبارت اور زور تفہیم میں ایک دریا کا سا جوش اور روانی ہے جو مضمون کو دلوں کی تہوں میں بٹھاتی جاتی ہے۔ اور جس سے دل اور دماغ دونوں متاثر نظر آتے ہیں غرضکہ دقیق مضامین کے بیان اور تمثیلات سے ان کو واضح کرنے کا جوہر قاسم اول اور قاسم ثانی دونوں میں پوری طاقت سے چمکتا ہوا نظر آتا ہے چنانچہ عثمانی خود العقل والنقل میں فرماتے ہیں:۔

"یہ ایک اتفاقی اور فائدہ مند بات ہوئی کہ جب ہم خالق و مخلوق کے ان پنہانی تعلقات پر بحث کر رہے تھے اور نظیروں اور مثالوں کے ذریعہ ان کو دلنشیں کرتے جاتے تھے تو اس کے ضمن میں ہم کو چند ایسے اصول و اسباب کے سراغ لگانے کا بھی موقع مل گیا جن پر یہ تعلقات واقع میں متفرع ہوتے تھے۔" (حصہ النقل ص ۱۸۲ و ص ۱۸۲ مقالات عثمانی)

اس مذکورہ عبارت میں حضرت عثمانی نے خود نظیروں اور مثالوں سے دقیق مضمون کے الجھاؤ کو سلجھانے کا صاف اظہار فرمایا ہے اسی طرح کی اور بیسیوں مثالیں دونوں کے مضامین میں پیش کی جا سکتی ہیں مگر مجھے صرف ایک ایک مثال پر اکتفا کر کے یہ بتانا ہے کہ نقش اول یعنی قاسم اول اور قاسم ثانی یعنی نقش ثانی کس طرح کلامی علمی و منطقی مضامین کو امثال و نظائر سے دل میں اتارتے ہیں اور طرح طرح کی

تشبیہات سے معانی مشکلہ کو سلیس اور معانی و بیان کی رنگینیوں میں عبارتیں آراستہ کرتے ہیں۔

حضرت امام الکلام قاسم العلوم کے مضامین عالیہ کے تشبیہی الفاظ جن سے وہ عبارتوں میں گلہائے رنگارنگ کھلاتے ہیں یہ ہیں یعنی ضیائے آفتاب آتشی شیشہ، آئینہ و حجر، نور و قمر روشندان، چاند چاندنی، تجلی، آسمان و زمین، برق و باراں، آب و باد، آتش و خاک، ارواح و اجسام نور و شمع لطیف و کثیف شعاع شمس و قمر، چشم، نور شکل و صورت، رنگ روپ، رنگ و بو، خار و گل، عینک و نگاہ، چشم و دل و گوش، آفتاب و چراغ، دھوپ چھاؤں، گلاب و پیشاب، نور اور اندھیرا اندھیرا اور چاندنا، سرخی و سبزی، زردی و سفیدی اور سیاہی، شمع اور سرخ آئینہ، چشمہ اور آنکھ آفتاب و شپر، عکس نور آفتاب یا عکس نگاہ، ستارے اور انوار، نظارۂ جمال خداوندی، کرۂ زمین و کرۂ آتش، کرۂ آب و ہوا، ذرہ و آفتاب، سایہ و نور، نور و ظلمت، ابر و غبار، غرضکہ امام المتکلمین کا قلم اپنی متکلمانہ رفتار میں مذکورہ الفاظ اور تراکیب میں گل افشانیاں کرتا چلا ہے۔

ادھر علامہ شبیر احمد عثمانی قاسم ثانی کی نازک کلامیاں بھی جن تشبیہی الفاظ اور استعاراتی تراکیب سے ہم آہنگ و ہم نوا ہیں وہ قاسم اول کا عکس اور مظہر ہیں۔ مثلاً ان کی تصانیف العقل والنقل مسئلہ تقدیر اور اعجاز القرآن میں قاری کو حسب ذیل الفاظ ملیں گے۔

شعاع شمس و قمر سرعت برق، شمع، نور و ضیا، نزاکت و لطافت، شیشہ آتشی، عنایت خاصہ، آفتاب و ماہتاب، آئینہ و عکس، آب و تاب، نصف النہار، تنویر و تاثیر، افادات خاصہ لطافت روحی آتش و شعلہ ذرہ آفتاب آہن پارہ لطافت و کثافت کندن اور رومک حرارت و برودت نور و ظہور، صاف و شفاف، روح و جسم، شجر و حجر، خاک و باد، عقل و نظر، عیب و قصور، عقل و شعور، آئینہ و ذہن، عکس اور فوٹو، صیقل و زنگ، طلسم نظر، کہربا، نور بصر، گوش ہوش، عقل و نقل، شفقت و رافت ابانئیل رحمت، حسن نظر آفتاب و کواکب برق زبان، شیوا بیانی، طلاقت لسانی، غلغلہ انگیز فصاحت براہین نیرہ وغیرہ وغیرہ۔

غرضکہ دونوں کی علمی جولانگاہ کے تمثیلی الفاظ اور تشبیہی تراکیب میں پوری مماثلت کام کر رہی ہے۔

اسی طرح علمی الفاظ اور تراکیب اور اصطلاحی لفظوں کا موازنہ کیا جائے تو دونوں کی عبارتوں اور مضامین علمیہ میں ایک دوسرے کی ہم آہنگی اور توافق مزاج کے دھارے ساتھ ساتھ بہتے نظر آئیں گے۔

بہرحال میرے اس مضمون کا عنوان یہ تھا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ امام الکلام قاسم العلوم بانی دارالعلوم دیوبند کی زبان، تفسیر اور ان کے علوم کی ترجمانی کے باعث قاسم ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے اور وہ قاسم العلوم رحمہ اللہ کے جانشین اور وارث علوم ہونے کے بجا طور پر جیسا

کہ دونوں کی عبارتوں کو پیش کر کے واضح کیا جا چکا ہے حقدار ہیں۔ پھر حضرت قاسم اول کا مقام امام المتکلمین کا ہے۔ وہ خود ایک جدید علم کلام کے بانی ہیں اور حضرت قاسم ثانی ان کے مقلد ہیں۔ قاسم علوم کو کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں نہ وہ کتابوں سے کسی کے اقوال پیش کرتے ہیں بلکہ اپنے علوم کا سمندر خود بہاتے ہیں اور اپنے دلائل واجتہاد کی کشتی خود بنا کر چلاتے ہیں چنانچہ قاسم ثانی حضرت عثمانی العقل والنقل میں حضرت سرسید مرحوم کے امام غزالی پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی بعض عبارتیں پیش کرنے سے پہلے ان کے متعلق حسب ذیل امام الکلام اور جدید بانی کلام ہونے کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اور سپاس خاطر معترض امام صاحب کے جادۂ استدلال سے ہٹ کر یا آگے بڑھ کر اس زبردست فاضل کی تقریر کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کی تصنیفات میں جتنا غور کرو اتنا ہی اس کی وہبی دانشمندی اور صادق البیانی کا اعتراف لازم ہے یہ وہ فاضل ہے کہ جس کو اگر ہم اپنے عہد کا شیخ اکبر امام غزالی اور شاہ ولی اللہ سب کچھ کہہ دیں تو بے جا نہیں اور یہی وہ فاضل ہے جس نے علم کلام کی ایک ایسے انوکھے طرز میں بنا ڈالی۔ جو ان شاء اللہ قیامت تک کے واسطے پتھر کی لکیر ہے اور جس پر ہمارا ناز کبھی ختم نہیں ہو سکتا اس فاضل نے جس کو عام طور پر مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اپنی مختلف کتابوں میں جو مفید بیانات درج کئے ہیں وہ اس مسئلہ عقل ونقل میں ہماری بہت زیادہ مشکل کشائی کرتے ہیں اور اب ہم ذیل میں جو کچھ لکھیں گے وہ تمام تر انہی تصانیف سے ماخوذ ہوگا۔

مطرب ترانہ و گراز پردہ ساز کن زیرا کہ حرف عشق نمیدارد انتہا"

(مقالات عثمانی حصہ العقل والنقل ص ۲۵۳)

مولانا عثمانی کی مذکورہ عبارت میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو جدید علم کلام کا بانی اور اپنے زمانہ کا شیخ اکبر امام غزالی اور شاہ ولی اللہ ہونا واضح اور زوردار الفاظ میں ثابت فرما رہے ہیں اور اپنے آپ کو مولانا محمد قاسم صاحب کا مقلد اور ان کے علوم سے استفادہ اور ان کے مضامین کو اپنے لئے رہبر منزل بنا رہے ہیں چنانچہ ایک جگہ العقل والنقل میں قاسم العلوم کی عبارتیں پیش فرما کر لکھتے ہیں۔

"اس میں ہرگز مبالغہ نہیں کہ اگر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب (روحی وارواحکم فداہ) کی بیش بہا کتابوں پر میری دسترس نہ ہوتی تو میں ہرگز اس طرح کے نازک مسائل پر بے خوف وخطر قلم اٹھانے کی جرات نہ کر سکتا اس لئے یہ سخت احسان فراموشی اور خیانت متصور ہوگی کہ میں کسی ایسے مضمون کو اپنی طرف منسوب کر کے جو در حقیقت حضرت مولانا مرحوم کی تصانیف سے اخذ کیا گیا ہو اپنی غیر واقعی عظمت وتفوق کا ثبوت پیش کروں۔ میں اس سے زیادہ اپنے کو خوش قسمت اور فائز المرام

بتانے کی تمنا نہیں رکھتا کہ مولانا (محمد قاسم صاحبؒ) کے عالی مضامین میرے پیرایۂ بیان میں اس طرح ادا ہو جایا کریں کہ ان کی تعبیر میرے مدعا کے واسطے مفید اور صحیح ہو اور اپنے قصور فہم یا پریشانی تقریر کی وجہ سے دلائل کی تقریب ناتمام رہ جائے۔" (مقالات عثمانی حصہ اول صفحہ ۲۶۸، ۲۶۹)

مولانا عثمانی کی اس عبارت سے ان کے قلم سے قاسم العلوم کے علوم کے ساتھ ان کے تعلق کی ایک پوری تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے آ گئی ہے۔ بالخصوص اس جملہ سے جو علمی جوش میں قاسم ثانی کی زبان قلم سے نکل گیا ہے کہ "اگر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی بیش بہا کتابوں پر میری دسترس نہ ہوتی تو میں ہرگز اس طرح کے نازک مسائل پر بے خوف و خطر قلم اٹھانے کی جرات نہ کر سکتا"۔ مولانا محمد قاسم صاحب کے علوم پر ان کی دسترس نعمت عظمیٰ موہبت کبریٰ ہے۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی علوم قاسمی کے حصول اور ان کی طرف رغبت کے متعلق اپنے خودنوشت سوانح نقش حیات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں ایسے ایسے حِکَم اور علمی مضامین ملتے تھے کہ تمام مطولات کتب قدیمہ میں ہاتھ نہیں آتے تھے۔ ان سے طبیعت کو بہت زیادہ اطمینان اور شرح صدر ہوتا تھا اور یہی حالت اب تک ہے۔ ان مضامین کو دیکھ کر ارمان پیدا ہوتا تھا کہ کاش یہ علوم مجھ کو بھی حاصل اور محفوظ ہو جائیں کیونکہ حضرت نانوتوی مرحوم کی تحقیقات نہایت ہی بلند پایہ اور مفید ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز کی تصانیف میں بھی تحقیقات اور حکمتیں بھری ہوئی ہیں اور نہایت مفید اور بلند پایہ ہیں مگر مجھ کو جو طمانیت اور بلند پایگی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں ملتی تھی وہ وہاں نہ تھی۔ اگرچہ تحقیقات کے بلند پایہ ہونے کی وجہ سے بہت سے مضامین سمجھ میں آنے دشوار ہوتے تھے اور چند صفحوں کے مطالعہ کے بعد طبیعت تھک بھی جاتی تھی اور بہت سی باتیں سمجھ میں بھی نہ آتی تھیں۔ تاہم ان سے بہت سکون اور شرح صدر ہو جاتا تھا۔ افسوس کہ حافظہ کی کمزوری کی بنا پر بہت سے مضامین تھوڑے عرصہ میں ضائع ہو گئے اور ہوتے رہے ایک روز بہت غلبہ شوق پیدا ہوا اور ان علوم کے حاصل ہونے کی رغبت اس قدر زیادہ ہوئی کہ مواجہ شریفہ نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) میں حاضر ہو کر بہت رویا اور ان علوم کے حاصل ہونے کی استدعا اور درخواست کرتا رہا اور اپنی بے بضاعتی اور جہالت کا شکوہ بھی کیا۔ دیر تک اسی حالت گریہ میں رہ کر واپس ہوا تو چند قدم ہی چلا تھا کہ یکایک قلب میں وارد ہوا لا تقنطوا من رحمة الله مگر افسوس کہ آج تک محرومی ہی رہی ہے ممکن ہے کہ آئندہ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو جائے۔ وما ذالک علی الله بعزیز (نقش حیات جلد اول ص ۱۴۴، ۱۴۵)

یہ ہے وہ تمنا اور شوق جو بڑے بڑے علما کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے علوم حاصل کرنے کے متعلق تھا۔ اور یہی ہے وہ حقیقت کہ حضرت عثمانی نے مولانا محمد قاسم صاحب کے علوم کو اپنے پیرایہ بیان میں بہترین طرز اور شگفتہ عبارت میں پیش کرنے کو اپنی غایت تمنا بیان فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ مولانا عثمانی کو قدرت نے وہ صاف دماغ آئینہ دل اور وہ شرح صدر بخشا تھا کہ آپ کے دل و دماغ میں جو کیفیات اور مضامین و معانی پیدا ہوتے اس کو ایسے سلیقہ سلاست جوش اور فصاحت و بلاغت سے پیش فرماتے کہ اس جیسا صاحب قلم اور صاحب زبان دارالعلوم دیوبند کی مادر شاید ہی کوئی فرزند پیدا کر سکے جس کو تحریر و تقریر پر یکساں قدرت اور پیرایہ بیان اور معانی و مضامین کے الفاظ کا صحیح توازن اور مد و جزر حاصل ہو سکے۔

علامہ عثمانی کا علم کلام میں مستقل انفرادی مقام

بہر حال حضرت عثمانی امام رازی امام غزالی شیخ اکبر ابن حزم علامہ علاؤ الدین علی طوسی علامہ تفتازانی حضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ ولی اللہ ابن تیمیہ ابن قیم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہم اللہ علیہم جیسے ائمہ علما عارفین اور حکما کے مضامین کو ساری عمر کھنگالنے اور تحقیقات کرنے میں گزارنے کے بعد ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں وہ بڑے بڑے علما صوفیا ائمہ اور حکما کے حقائق و دقائق اسرار و معارف پر تنقید و تبصرہ کرنے پر اپنے نور بصیرت سے قدرت رکھتے تھے اور علم کے اس مقام پر متمکن ہو چکے تھے کہ جس میں وہ اپنی منفرد رائے رکھتے تھے۔ ان کے علوم عقل و نقل حکمت و بصیرت معرفت و شرح صدر فراست مومنانہ اور وجد عارفانہ سے ہم آہنگ تھے۔ مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق نظری اور عقلی شرعی اور روحانی مسائل سے واسطہ پڑنے پر حضرت عثمانی ان کی دشوار گزار گھاٹیوں اور عمیق وادیوں سے شرح صدر اور شفائے قلبی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی قابلیت رکھتے تھے چنانچہ علم کلام حضرت عثمانی کا فن تفسیر و حدیث و فقہ کی طرح ایک مایہ ناز فن تھا۔ العقل والنقل اپنے عہد کے بعض مغرب اور عقل زدہ لکھے پڑھے انسانوں کی ایک جماعت کے مقابلہ میں جو اپنے عہد میں کسی عالم کو مسائل اسلامی پر شفائے صدر اور دلائل عقلی کی روشنی میں ثابت کرنے کے نااہل تصور کرتے تھے اور جن کا ذکر اس حصہ تبصرہ علم الکلام کے اول میں میں کر چکا ہوں اور حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اقتباس میں بھی پیش کر چکا ہوں علامہ عثمانی ایسے گروہ کے مقابلہ میں اپنی خداداد لیاقت اور قابلیت سے میدان میں اتر کر آئے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں۔

”اس بات کا کہہ دینا اس کے ثابت کرنے سے زیادہ آسان ہے کہ علوم جدیدہ کی روشنی میں تمام قدیم علوم ماند پڑ گئے۔ اس کے مقابلہ میں متکلمین کی تحقیقات بالکل بیکار ثابت ہو گئیں اور

اس کے دنیا میں آنے سے مذہب کو موت کا سامنا کرنا پڑا۔

کیا یہ دعویٰ کرنے والے ہم کو خاص ان مضامین کی ایک فہرست دے کر ممنون بنا سکتے ہیں جن کو اسلام اور متکلمین اسلام کے دلائل کے مخدوش بنانے میں کسی قسم کا دخل ہو اور جن کی صحت و سقم پر قدیم علم کلام نے بہت کافی طور پر بحث نہ کی ہو ہماری ایسے لوگوں سے جو حال کے علما کو جدید حملوں کی مدافعت سے عاجز بتلاتے ہیں یہ التجا ہے کہ وہ ضرور ہم کو ایسے مسائل کی مع ان کے دلائل کے ایک فرد تیار کر کے عنایت فرمائیں جن کا مقابلہ ہمارے بوڑھے اسلام سے نہ ہو سکا اور آخر کار ہمارے سی ایس آئی بہادر (سرسید) کو اس کے ضعف اور پیرانہ سالی پر رحم کھا کر اس میں بہت کچھ اصلاح کرنے کی ضرورت پیش آئی"۔ (مقالات عثمانی اشل داحل صفحہ ۳۰۳، ۳۰۵)

علامہ عثمانی کی یہ عبارت علوم جدیدہ کے مدعیوں کو ایک زبردست چیلنج ہے اور یہ چیلنج یقیناً ان کو زیب دیتا ہے وہ ہر مدعی کے سامنے ایک علم کی مضبوط بلند اور اونچی چٹان تھے۔ حضرت عثمانی تمام ایسے مسائل کی فہرست کا مطالبہ کر رہے ہیں جن کے جواب دینے سے وہ اپنے دور کے علماء کو قاصر اور اپنے خیال میں قاصر سمجھے بیٹھے ہیں۔ مدعیوں کے چیلنج کے جواب میں مولانا کا یہ بانگ دہل اعلان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام اور کلامی قدرت کا آئینہ دار ہے اور یہ کہ وہ اب شریعت اسلامیہ کے نمائندہ ہونے کی حیثیت میں مقلد نہیں بلکہ ایک مستقل مقام علم و حکمت و دانش اور امامت حاصل کر چکے ہیں اور جس خدمت کو مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری عمر نباہا اسی منزل پر عثمانی کی زبان اور قلم چل رہا ہے اور جس طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تمام عمر لسانی اور قلمی جہاد میں گزری اس طرح مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی بھی تمام عمر لسانی اور قلمی جہاد میں صرف ہوئی۔ اس مقام پر مجھے ان حضرات سے مودبانہ معذرت کرنی پڑے گی جو محض قید فرنگ کو جہاد کے دائرہ میں محدود خیال کرتے ہیں۔ بیشک حق کی راہ میں وہ بھی بڑا جہاد ہے اور میدان جنگ میں شمشیر بکف اور کفن بردوش ہو کر جانا یہ بھی جہاد ہے لیکن بسا اوقات لسانی اور قلمی جہاد اپنے نازک دور میں تلوار کے جہاد سے بھی زیادہ اہم ہوتا ہے۔ منطوق نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے فرمان میں اسی جہاد لسانی کی اہمیت اور فضیلت کو ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے" وافضل الجھاد من قال کلمۃ حق عند سلطان جائر"۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد کے ساتھ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں نفسی جہاد بھی کرتے رہے اور عیسائیوں، آریوں، مبتدعین اور شیعوں کے مقابلہ میں ان کا لسانی اور قلمی جہاد وقت کا نہایت اہم اور نازک دور کا وقیع جہاد تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں جو

خان اعظم میرزا عزیز کوکلتاش کے نام آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ اکبر کے پرفتن اور اس کے بعد عہد جہانگیری کے دور میں جہاد لسانی کو نہایت اہم اور افضل قرار دیا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"وایں جہاد قولی کہ امروز شمارا میسر شدہ است جہاد اکبر است مغتنم دانید وھل من مزید بگوئید وایں جہاد گفتن بہ از جہاد کشتن دانید۔ امثال ما مردم فقرا بیدستوپا ازیں دولت محرومیم۔

اور یہ جہاد جو اس وقت آپ کو میسر ہوا ہے جہاد اکبر ہے غنیمت سمجھو اور مزید کوشش کرتے رہو اور اس زبانی جہاد کو تلوار کے جہاد سے بہتر جانو۔ ہم جیسے بے بس فقرا اس دولت سے محروم ہیں۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ مولانا عثمانی کا علمی اور لسانی جہاد اس حقیقت کا مالک تھا کہ وہ اپنے دور کی بڑی بڑی زبردست شخصیتوں کے سامنے کلمہ حق کہنے سے کبھی دریغ نہ فرماتے تھے چنانچہ مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی فاضل دیوبند ایم اے پروفیسر و ایڈیٹر اپنے مقالہ میں علامہ عثمانی کی وفات کے موقع پر جس کو قاسم ثانی کی حق گوئی میں پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ برہان میں لکھتے ہیں۔

"حق بات کہنے میں ہمیشہ بے باک اور نڈر تھے اور ہر معاملہ میں اپنی رائے صفائی اور آزادی کے ساتھ پیش کرتے تھے"۔ (برہان ماہ جنوری ۱۹۵۰ء)

سعید صاحب کے مذکورہ الفاظ عثمانی کی ہستی سے صحیح معنی میں نقاب کشائی کر رہی ہیں بہرحال علامہ عثمانی کو اس معاملہ جہاد لسانی و قلمی میں بھی قاسم العلومؒ سے مناسبت تامہ اور صحیح جانشینی حاصل رہی ہے۔

آمدم برسر مطلب علامہ عثمانی نے اپنے دور کے جدید قسم کے خیالات کے انسانوں کو چیلنج دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ آپ اسلامی اہم سے اہم مسائل کی عقدہ کشائی سے عہد برآ ہونے کے پورے اہل تھے۔ چنانچہ آگے چل کر علامہ العقل والنقل میں لکھتے ہیں:۔

"میں جرأت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اب بھی دنیا میں امام ابوالحسن اشعری اور ابوالمنصور ماتریدی کے ایسے وکیل موجود ہیں جو اسلامی معتقدات کے متعلق ان تمام شبہات کا استیصال کرتے ہوئے جو کسی نئے سے نئے پیرایہ میں ظاہر کئے جائیں قدیم علم کلام کے کامل اور مکمل ہونے کا ثبوت دے سکیں"۔ (مقالات عثمانی ص ۲۰۵)

یہ عبارت علامہ عثمانی کی اس کلامی طاقت کا بے پناہ ظہور ہے جو ان کے اندر قدرت نے ودیعت کر رکھی تھی۔ اس عبارت میں ناتجابنہ انداز میں اپنے آپ کو امام ابوالحسن اشعری کا وکیل ہونے کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور لاریب یہ بات ان کی زبان پر پھبتی ہے۔ آگے چل کر مولانا عثمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر کوئی صاحب صرف چند جرمنی اور فرانسیسی مصنفین کے اقوال یاد کر لینے ہی کو علوم جدیدہ میں ماہر ہونا تصور کرتے ہوں تو بحمد اللہ ایسے مباحث سے بھی کو ہم اپنے آپ کو عاجز نہیں پاتے مگر جب ایسے دور از کار فضولیات کا منظر سامنے ہوگا تو ہماری طبیعت بھی صرف اسی قدر جواب کو پسند کرے گی کہ

مدعی گو برو نکتہ بحافظ مفروش
کلک ما نیز زبانے و بیانے دارد

(مقالات حقانی حصہ عقل ص ۳۰۸، ۳۰۹)

قاسم ثانی اپنے دور کے مغرب زدہ مسلمانوں کے ایسے گروہ کو جو قدیم علم کلام کو کوتاہ اور ناقص بتاتے ہیں مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

علم کلام جس غرض کی تکمیل کے لئے مدون کیا گیا میرے نزدیک اس نے اس میں پوری کامیابی حاصل کی اور اب میرا قصد ہے کہ میں اسلامی عقائد کے ہر باب کے متعلق بصورت رسائل جدیدہ یہ دکھلاؤں کہ علمائے اسلام نے اس کو تحقیق کی کس حد تک پہنچا کر چھوڑا ہے۔ اور اب ہم کو اس میں کہاں تک ترمیم یا اصلاح کرنے کی ضرورت ہے"۔ (حصہ عقل و نقل ص ۲۰۷، ۲۰۸)

اس عبارت میں قاسم ثانی کا دعویٰ یہ ہے کہ اول تو متکلمین اسلام نے اسلام کے ہر کلی اور جزئی مسئلے کو علم کلام کے ذریعے سے اپنی پوری تحقیق کی حد کو پہنچا کر چھوڑا ہے لیکن اگر ہمارے دور کے بعض مسائل ایسے ثابت ہوئے تو اول تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت قاسم العلوم نے اس کی کو بھی اسرار دین اور تصوف و اخلاق پر لکھ کر تکمیل کر دی ہے لیکن پھر بھی اپنی ذات سے مولانا عثمانی مذہب اسلام کے ایسے مسائل پر سیر حاصل تبصرہ کے لئے قلم اٹھانے کا ارادہ ظاہر فرماتے ہیں۔ اس عبارت سے عثمانی کا وہ مقام منکشف ہو جاتا ہے جو بذات خود ایک مستقل شیخ یا امام کا ہو سکتا ہے۔

مولانا عثمانی کی تصنیف العقل والنقل میں اس مضمون کو پایہ تحقیق تک پہنچایا گیا ہے کہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی تعارض اور مخالفت نہیں ہو سکتی اور اگر کہیں پائی جائے تو یا عقل سلیم نہیں اور یا نقل صحیح نہیں۔ عقل و نقل کے لئے مولانا عثمانی نے امام غزالی کا حوالہ دیا ہے اور لکھتے ہیں:۔

"امام غزالی کے زمانہ تک غالباً بہت کم عالم ادھر متوجہ ہوئے جنہوں نے اس عقل و نقل کے اختلاف پر باضابطہ اور مکمل بحث کی ہو"۔ (مقالات حقانی حصہ عقل و نقل ص ۲۱۵، ۲۱۶)

لیکن قاسم ثانی یہ بھی محسوس فرماتے ہیں کہ عقل و نقل کے جھگڑے کو چکانے کے لئے امام غزالی نے اگرچہ بہت کچھ سامان جمع کر دیا ہے لیکن ہر دور اپنے اطراف و جوانب اور ماحول پر خاص خصوصیات کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے۔ مولانا عثمانی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ ضرور ہے کہ عقل و نقل کی جو مخالفت آج کل دیکھنے میں آ رہی ہے کہ عرصہ ہوا دونوں حکومتوں میں سفرا اٹھائے جا چکے اور اعلان جنگ ہو کر لگاتار معرکہ آرائی ہونے لگی پھر لڑائی بھی باقاعدہ نہیں بلکہ زمانہ حال کی عقل نے غدر پر کمر بستہ ہو کر محض جاہلانہ کارروائی شروع کر دی چونکہ یہ بہار یا خزاں نہ امام غزالی نے دیکھی تھی اور شان سے پہلے کسی اور نے اس لئے اگر زمانہ حال کی بعض خصوصیات پر نظر کر کے امام غزالی کی تقریر میں بھی کوئی کمی ہوگی تو میں اس کو آزادانہ ظاہر کروں گا"۔ (مقالات عثمانی حصہ العقل ص ۲۲۸، ۲۲۹)

قاسم ثانی کی مذکورہ عبارت کا آخری ٹکڑا کہ امام غزالی کی تقریر میں بھی کوئی کمی ہوگی تو میں اس کو آزادانہ ظاہر کروں گا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ مولانا عثمانی کا مقام تقلید کے دائرے سے نکل کر کوئی اور مقام بن چکا ہے جس پر وہ فائز ہو چکے ہیں۔ امام غزالی کی تقریر اور اس میں کمی کے سلسلہ کو قاسم ثانی کی نظر کے موافق پیش کرنا طوالت سے خالی نہ ہوگا۔ تاہم انہوں نے ایک ظاہر پرست کے ذہن میں بیٹھ کر جو اعتراض اور کوتاہی سمجھی ہے اس کو وہ حسب ذیل عبارت میں پیش کرتے ہیں:۔

"یہاں تک ہم نے امام غزالی کی تقریر کا ماحصل نقل کر دیا۔ امام صاحب کی تقریر اگرچہ نہایت صاف، نہایت سلیس، نہایت عام فہم اور نہایت پر اسرار ہے لیکن اس میں چند ایسے احتمالی مقدمات بھی ہیں جن کا انکار کر دینا ہمارے ایک بے باک حریف سے کچھ مستبعد نہیں ہے ہم امام صاحب کے اس قابل قدر بیان کی بہت کچھ عزت کر سکتے ہیں لیکن ہمارا ایک ظاہر پرست اور آزاد منش مقابل اس پر یہ نکتہ چینی کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ہم ذہن میں صورتوں کا انعکاس تسلیم کر لیں تو جو شرائط آئینہ میں انعکاس کے واسطے قرار دی گئی ہیں ان سب کا ذہن میں پایا جانا کیوں ضروری ہے یہ ہم نے مانا کہ ذہن میں اور آئینہ میں ایک حد تک مشابہت پائی جاتی ہے مگر ان دونوں میں تفاوت بھی بے انتہا ہے جس کا اعتراف تم بھی پہلے کر چکے ہو۔ اب اگر اس تفاوت کی بنا پر بعض وہ شرطیں جو آئینہ میں ضروری ہیں حصول علم میں ضروری نہ ہوں یا اس کے برعکس تو کیا مضائقہ ہے"۔ (مقالات عثمانی حصہ العقل والنقل ص ۲۵۱، ۲۵۲)

قاسم ثانی اگرچہ بذات امام غزالی پر معترض نہیں تاہم جو معترض مخالف کو ان کی تقریر پر اعتراض کا موقع مل سکتا تھا اس کو علامہ نے بیان کر کے پھر اس اعتراض کا جواب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے پیش کیا ہے۔ بہر حال علامہ عثمانی کا ایک خاص مقام اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

پھر ایک اور مقام پر العقل والنقل میں علامہ عثمانی شیخ بو علی سینا اور محقق طوسی کی حسب ذیل

عبارتوں کو درج کر کے ان پر جرح وقدح کرتے ہیں شیخ بوعلی سینا کی عبارت جو ان کی مشہور کتاب اشارات میں ہے حسب ذیل ہے لکھتے ہیں:۔

> والعارفون المتزهون اذاوضع عنهم وزرمقارنته البدن وانفکوا عن الشواغل خلصوا الیٰ عالم القدس والسعادة وانتقشوا بالکمال الاعلیٰ و حصلت لهم اللذة العلیاقدعرفتها و لیس هذاالاالتذاذمفقوداً من کل وجه والنفس فی البدن بل المنغمسون فی تامل الجبروت المعرضون عن الشواغل یصیبون وهم فی هذه الابدان من هذه اللذة حظاوافراًلیتمکن منهم لیشغلهم عن کل شیء.

اور خدا کی معرفت رکھنے والے پاک بندے جس وقت ان سے جسمانی تعلق کا بار ہلکا کر دیا جاتا ہے اور دنیوی مشاغل سے وہ علیحدہ ہو جاتے ہیں تو ان کی توجہ خالص طور پر عالم قدس اور عالم معاد کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے کمال کے ساتھ موصوف اور بڑی لذت اٹھانے والے ہوتے ہیں جیسا کہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو اور یہ نہیں کہ جب روح بدن میں ہو تو وہ اس لذت سے بالکل محروم رہیں بلکہ ایسے لوگ جو خدا کی عظمت وجبروت کی فکر میں ڈوبے ہوئے اور جسمی شغلوں سے اعراض کرنے والے ہیں وہ ان اجسام میں رہ کر بھی اس لذت سے اتنا بڑا حصہ پا لیتے ہیں جو ان پر غالب آ کر تمام اشیاء سے ان کو فارغ کر دیتا ہے۔

شرح اشارات محقق طوسی میں ہے:۔

> جل جناب الحق تعالیٰ ان یکون شریعة لکل وارد او یطلع علیه الاواحد بعد واحد ولذلک فان مایشتمل علیه هذاالفن ضحکة المغفل وعبرة المحصل فمن سمعه فاشمأزعنه فلیتهم نفسه لعلها لاتناسبه و کل میسر لماخلق له المراد ذکر قلة عددالواصلین الی الحق والاشارة الی ان سبب انکار الجمهور للفن المذکور فی هذا النمط هو جهلهم بها فان الناس اعداء ما جهلوا والی ان النوع من الکمال لیس مما یحصل بالاکتساب المحض بل انما یحتاج مع ذالک الی جوهر مناسب له بحسب الفطرة.

خدائے تعالیٰ کی جناب اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے کہ وہ ہر وارد وصادر کی گزرگاہ بن جائے یا

اس پر مخصوص افراد کے سوائے کوئی مطلع ہو سکے اور اسی وجہ سے صوفیا کا طریقہ غافل کے نزدیک مضحکہ خیز اور طالب کے واسطے عبرت انگیز ہے تو جو ان کی باتوں کو سن کر ان سے اعتراض کرے اس کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں اپنے نفس کا قصور سمجھے کیونکہ اس کو ان سے مناسبت نہیں ہے اور ہر شخص کے واسطے وہی بات آسان ہوتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ خدا رسیدہ لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں اور اکثر لوگ باطنی طریقوں سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ وہ اس کو نہیں جانتے۔ آدمی ہمیشہ نامعلوم باتوں کا دشمن ہوتا ہے پھر یہ کمال ہر ایک کو محض حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس کا جوہر طبیعت فطرۃً اس کے مناسب نہ ہو۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتیں یعنی شیخ بوعلی سینا اور محقق نصیر الدین طوسی کی ہیں جو قاسم ثانی علامہ عثمانی نے العقل والنقل میں پیش کی ہیں اور دونوں فلسفیوں کا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے آں موصوف رد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:۔

"ان دونوں عبارتوں سے شیخ اور علامہ طوسی کا یہ مطلب ہے کہ اگر انبیاء اور اولیاء سے بعض ایسے امور منقول ہوں جو ہماری عقل کے دائرہ سے باہر ہیں تو ہم کو ان کی اس بنا پر تصدیق کرنا چاہئے کہ ان کے نفوس بہیمیت کی ظلمات اور بشریت کی کدورت سے پاک وصاف ہوتے ہیں اور ہم کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی لیکن شیخ کی اس تقریر سے اس کا کوئی جواب نہیں نکلا کہ اس صورت میں ہندوستان کے جوگی نصاریٰ کے راہب اور پہلے زمانے کے اشراقیوں کے تمام علوم کیوں قابل تسلیم نہیں ہیں جبکہ روحانیت کی ترقی کا مدار تجرد اور ترک دنیا پر ہو تو ان لوگوں کا تجرد انبیاء اور اولیاء کے تجرد سے کیوں کم ہے۔ بلکہ بظاہر یہ لوگ بہت زیادہ آدمیوں کی مجالست سے متنفر اور انسانی جذبات کے فنا کر دینے والے نظر آتے ہیں چونکہ اس حیثیت سے شیخ کی تقریر بالکل ناقص ہے اس لئے اب ہم شیخ کو چھوڑ کر دوسرے علماء کے اقوال کا مختصر انتخاب درج ذیل کرتے ہیں۔ (مقالات عثمانی ص ۳۳۱-۳۳۳)

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بوعلی سینا کی تقریر پر جو شبہ وارد کیا ہے وہ نہایت ہی وزنی ہے۔ واقعی شیخ بوعلی سینا کی تقریر سے اس امر کی تسلی نہیں ہوتی کہ رہبان اور جوگی لوگ جن کو ترک دنیا اور تجرد حاصل ہو۔ وہ انبیاء اور اولیاء کے ترک دنیا اور تجرد سے کیوں کم ہیں اس حیثیت میں حضرت عثمانی نے بوعلی سینا کی تقریر میں نقص نکال کر اپنے مقام علمی کا پتہ دیا ہے۔

ان اقوال کے بعد علامہ عثمانی نے مسئلہ نبوت و رسالت پر دیگر صوفیا کے اقوال نقل کئے ہیں اور پھر علامہ ابن تیمیہ، شیخ محی الدین بن عربی، مجدد الف ثانی، ابن خلدون، شیخ شہاب الدین

سہروردی، حضرت شاہ ولی اللہ، علامہ علاؤ الدین علی القوسی رحمہم اللہ علیہم کے اقوال پیش کرتے ہوئے جہاں جہاں بھی کسی کے قول میں مسئلہ نبوت کے متعلق بلندی و نزالت اور کوتاہی دیکھی ہے اپنے علمی قوت سے اس کا جائزہ لیا ہے اور آخر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند کی تقریر کو پیش کیا ہے جس سے قاری کو علامہ عثمانی کی ناقدانہ نظر اور بصیرانہ بے پناہ طاقتوں کا پتہ چلتا ہے جو تقلید سے نکال کر ان کے ذاتی فکر اور شخصی رہبری کے مقام کا پتہ دیتا ہے۔

علامہ عثمانی علم کلام کا پہاڑ یا طوفاں خیز سمندر ہیں

قاسم ثانی کے علم کلام پر یہاں تک پہنچ کر قاری کے سامنے آئینہ کی طرح یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے زبردست متکلم تھے علامہ نے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے ان کی تحریر و تقریر دونوں اپنے زور، تنوع، دلائل کے استحکام، علمی اعتماد اور صحیح علم کا طوفان خیز سمندر یا پہاڑ ہیں کہ جن سے جو ٹکرایا پاش پاش ہو گیا۔ دماغ و دل کی صفائی کا اثر علامہ کی تحریر و تقریر پر ایسا اثر پذیر ہے کہ کسی مضمون یا تقریر میں کیا مجال کہ جھلک یا الجھاؤ پیدا ہو جائے۔ چونکہ فکر و غور کی تہوں میں صفائی ہے اس لئے ہر ہر لفظ اور جملہ سے علوم کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں اور مخاطبین کے دل کو اصلی شفا اور تسکین معلوم ہوتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صحیح چیز وہی ہے جو علامہ عثمانی کی زبان یا قلم پر ہے۔

علامہ کی کلامی تصانیف

قاسم ثانی کے علم کلام کی قدریں اور تصانیف و مقالات کیا ہیں میرے نزدیک ان کا تمام تصنیفی سرمایہ کلام اور حکمت ہے۔ ان کے علم کلام کا بہترین اور گنج گرانمایہ ان کی تفسیر ہے جس میں جابجا مخالفین اسلام اور مسلمانوں کے باطل فرقوں کی جڑیں قدم قدم پر ان کا صاف نام لئے بغیر کٹتی اور اکھڑتی چلی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے مولانا کے علم تفسیر پر جو بحث کی ہے وہ آپ کی نظروں سے گزر چکی ہوگی۔

تفسیر کے علاوہ ان کا علمی ذخیرہ اسلام، اعجاز القرآن، العقل والنقل، خوارق عادات، الروح فی القرآن، سارے کے سارے مقالے کلامی اور پر اسرار و حکم ہیں۔ میں اب قارئین کے سامنے ان کے معرکۃ الآرا کلامی مسائل کے بعض اقتباسات پیش کروں گا کہ مولانا نے شریعت کی مصلحتوں کو آشکارا کرنے میں کہاں تک کامیابی حاصل کی ہے۔

میرے عزیز مرحوم چھوٹے بھائی مولوی ریاض الحسن نے بتایا کہ ۱۹۳۳ء میں غالباً مولانا

عثمانی جبکہ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند تھے۔ دارالعلوم کے طلبہ علامہ عثمانی کے پاس پہنچے اور گھر پر جا کر عرض کیا کہ حضرت مسئلہ تقدیر کے متعلق کسی کی تقریر سے شفا حاصل نہیں ہوئی کیا اچھا ہو کہ آنجناب اس مسئلہ پر روشنی ڈال کر شفا بخشیں چنانچہ مولانا نے وعدہ فرمایا اور تقریباً ایک ماہ تک اپنے دولت کدہ پر مسئلہ تقدیر پر تقریریں ہوا کیں جس سے ہر ایک لڑکا اپنی جگہ مطمئن ہو گیا۔

آہ! مولانا عثمانی کا حق کسی شخص نے ادا نہیں کیا ورنہ اگر ان کی تمام تقریریں لکھی جاتیں اور چھپتیں تو کتنا بڑا علمی خزانہ ہمارے پڑھنے میں آتا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ قارئین کرام مولانا عثمانی ایک علم کا سمندر یا لائٹ ہاؤس تھے جس میں علوم موجیں مارتے اور ضیا باریاں کرتے تھے۔

اب میں مولانا کے کلامی مسائل اور مقالوں کا انتخاب پیش کرتا ہوں جن سے ناظرین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مولانا کے مضامین آسمان علم کے ستارے اور مہر و ماہ ہیں جنہیں وہ توڑ کر لاتے ہیں۔ پھر اردو زبان کی سلاست، طمطراق اور شکوہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔

وجود باری تعالیٰ

دنیا میں ایک ایسی جماعت بھی موجود ہے جو اس کارخانہ عالم کا کوئی خالق تسلیم نہیں کرتی۔ یہ ملحدین یا دہریوں کی جماعت ہے ان کے نزدیک خدا، رسول اور مذہب بے معنی چیزیں ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ یہ تمام کائنات نیچر کا ظہور ہے نیچر خود بخود اپنا عمل دنیا میں کر رہا ہے۔ نہ کسی کا کوئی مارنے والا اور نہ جلانے والا ہے۔ نیچر کے عناصر اپنے اپنے اثرات کے ماتحت دنیا پر عمل کرتے اور اشیائے عالم اور مخلوقات کے وجود میں آنے کا باعث بنتے ہیں لیکن اس کے برعکس اہل مذہب کی جماعت ہے جن کی دنیا میں اکثریت ہے وہ اس تمام عالم کا خالق خدا کو مانتے ہیں۔

وجود باری کا مسئلہ اپنی جگہ نہایت ہی مہتم بالشان ہے۔ اگر وجود باری کا انکار ثابت ہو جاتا ہے تو تمام اہل مذاہب کی مذہبی عمارتیں دھڑام سے زمین پر آ گرتی ہیں اس لئے ہر مذہب کو ماننے والے گروہ کا یہ اولین فرض ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود کو ثابت کرے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنے مقالہ اعجاز القرآن کے شروع میں وجود باری پر جس پر شکوہ عبارت اور مستند دلائل سے بحث کی ہے وہ انسانی دلوں اور دماغوں کو یکساں متاثر کرتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

”یہ بات ظاہر ہے کہ جب ہم مکونات میں مختلف افعال و آثار دیکھتے ہیں تو بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کو ہم کسی سبب کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ مثلاً بیمار نے دوا پی اچھا ہو گیا یہ صحت یابی دوا کی طرف منسوب ہو گئی۔ چھت گری اور اس کے نیچے کوئی دب کر مر گیا۔ بجلی گری اور کوئی شخص جل گیا۔

اور بعض ایسے ہیں جن کو کسی سبب کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ جیسے کسی پر بجلی گری مگر مرا نہیں یا چھت گری مگر وہ زندہ نکلا اس قسم کے واقعات کو کسی سبب پر محمول نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ محض خدا کی قدرت سے ایسا ہوا۔ کیونکہ یہاں بظاہر اسباب کا سلسلہ اس واقعہ کے مخالف تھا۔ چاند سورج کو گہن لگتا ہے اس کا سبب بیان کیا جاتا ہے۔ بارش برستی ہے اس کا سبب بیان کرتے ہیں لیکن اسباب کا سلسلہ ضرور کہیں نہ کہیں مجبوراً بند کیا جاتا ہے۔ اور وہاں پہنچ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ چیزیں قدرتی ہیں۔ غرض قدرتی چیزیں وہ کہلاتی ہیں جن کا بنانا تمام مخلوق کی قدرت سے باہر ہو جس کو دیکھ کر لامحالہ ایک قادر مطلق کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے ایسی اشیاء کے وجود سے اپنے وجود پر استدلال فرمایا ہے قرآن عزیز میں فرماتے ہیں:۔

ان فی خلق السمٰوٰت والارض و اختلاف الیل والنهار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل الله من السمآء من مآء فاحیابه الارض بعد موتها وبث فیها من کل دابة و تصریف الریح والسحاب المسخر بین السمآء والارض لایٰت لقوم یعقلون.

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے اول بدل میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں ہیں (مال تجارت وغیرہ) سمندروں میں لے کر چلتے ہیں اور مینہ میں جو اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرے پیچھے دوبارہ زندہ کرتا ہے اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر پھرنے میں اور بادلوں میں جو خدا کے حکم سے آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

آسمان اور جو سیارات اس میں ہیں جیسے چاند اور سورج وغیرہ ان سب کا وجود قدرتی ہے ان کی پیدائش کو کسی مخلوق کا فعل نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے مثل بنانے کا حوصلہ نہیں کر سکتی۔

زمین ہے کہ جس سے ہر قسم کی غذائیں اور رنگ برنگ کے پھول پھل نکلتے ہیں کسی کی طاقت نہیں کہ ایک ٹکڑا اس جیسی زمین کا بنا وے سورج ایک معین اور مضبوط نظام کے ماتحت ہمیشہ دن کو نکلتا ہے شام کو غروب ہو جاتا ہے کسی کی کیا طاقت ہے کہ اس کو ایک منٹ یا ایک سیکنڈ کے لئے روک لے۔ ہوا ہے کہ اس پر کسی کا قابو نہیں انسان چاہتا ہے کہ پچھوا چلے مگر پروا چلتی ہے۔ سارا جہان مل کر پانچ منٹ کے لئے بھی پچھوا نہیں چلا سکتا۔ پانی کے بھرے ہوئے بادل کڑکتے اور گرجتے ہوئے نکل

جانتے ہیں مگر کسی کو اختیار نہیں کہ بارش حاصل کر سکے۔ زمین و آسمان کے درمیان بادل لٹکا ہوا ہے کسی کی طاقت نہیں کہ دو قطرے لے سکے اور جب برستا ہے تو کسی کی قدرت نہیں کہ روک سکے۔ جب ان امور کو انسان دیکھتا ہے اور عاجز ہو جاتا ہے تو قدرت کو ماننا پڑتا ہے۔ طوفان خیز سمندر میں جہازوں کا چلنا' ہواؤں کا ادل بدل یہ سب چیزیں کسی کے قبضہ میں نہیں۔

والشمس تجری لمستقرلها ذالک تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرنه منازل حتی عاد کالعرجون القدیم لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا الیل سابق النهار وکل فی فلک یسبحون

اور سورج ہے کہ چلا جا رہا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف یہ اندازہ ہے زبردست حکیم کا باندھا ہوا اور چاند ہے کہ مقرر کر دی ہے ہم نے اس کی منزلیں یہاں تک کہ پھر لوٹ کر رہ جاتا ہے کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح نہ تو سورج کو یہ لائق ہے کہ وہ جا پکڑے چاند کو اور رات (کی مجال) ہے کہ وہ آ جائے دن (ختم ہونے) سے پہلے۔ اور ہر ایک سیارہ پڑا اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔

یہ سب اس لئے ذکر کیا گیا کہ آپ سمجھ لیں کہ خدائی کام اور انسانی کاموں میں کس طرح تمیز ہوتی ہے۔ خدائی کام وہ کہلاتا ہے کہ اس جیسا کرنے سے سب مخلوق عاجز ہو۔ ازل اور ابد کے انسانوں کو یہ ہی لیکن کوئی نہ کر سکے"۔ (مقالات حقانی حصہ ۲ از القرآن ص ۹۷ تا ۱۰۰)

مذکورہ بالا عبارت مولانا حقانی کی وجود باری پر ایک ایسے استدلال کے ساتھ پیش کی گئی ہے جو انسانی صحیح الفطرت جذبات کو اپیل کرتی ہے ان کا استدلال جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات سے مستنبط ہے یہ ہے کہ اتنے بہترین نظام عالم کو کہ جس میں نظام شمسی اور نظام قمری کو ایسی محکم اور راست تدبیر سے رکھا گیا ہو یہ صرف نیچر اور مادہ کا کام نہیں بلکہ کوئی دانا مدبر حکیم اس کارخانہ عالم کا خالق ہے۔ جس نے آسمان' زمین' سمندر اور سمندروں میں جہاز چلائے ہیں وہی مدبر ہے جو آسمان سے بارش برسا کر مردہ زمین کو سبزہ سے شاداب کر دیتا ہے اور یہ باتیں مادے کے بس کی باتیں نہیں ہیں۔ اور بھلا اس کا کیا جواب ہے کہ چھت کے گرنے اور انسان کے نہ مرنے آگ میں گرنے اور آگ میں نہ جلنے بجلی کے گرنے اور انسان کے نہ مرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی حکیم اپنی قدرت سے بچا لیتا ہے ورنہ مادہ کا عمل تو اس طرح سے یہی ہونا چاہئے کہ چھت کے گرنے بجلی کے پڑنے اور آگ میں جلنے سے یقینا مخلوق مر جائے گی مگر چونکہ ایسا نہیں ہوتا لہذا کوئی خالق ہے حضرت حقانی اپنے مقالات الاسلام میں وجود باری پر بحث کرتے ہوئے مادیین اور دہریوں کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

"ہم کہتے ہیں کہ بے شک مادئین نے بزعم خود کائنات کے وجود کا ایک خاص سبب پیدا کیا ہے (یعنی مادہ) لیکن ابھی تک جس منتظم اور مرتب کائنات کے سبب کی ہم کو تلاش تھی اس میں کامیابی نہیں ہوئی انہوں نے ہم کو ایک نہایت علیم وحکیم اور ہمہ صفت موصوف خدا سے علیحدہ کر کے ایک ایسے خدا پر قناعت کرنے کی رائے دی ہے جو بالکل اندھا بہرا گونگا اور بے حس و بے شعور ہے جس کا کوئی کام نہ قصد و اختیار سے ہو سکتا ہے نہ مصنوعات میں کسی قسم کی ترتیب اور تناسب پیدا کرنے پر قادر ہے۔ نہ اس میں سمجھ کا مادہ ہے نہ وہ کسی قاعدہ اور قانون سے واقف ہے نہ اس کو امور انتظامیہ کی اطلاع ہے حالانکہ جس عالم کے فاعل کا ہم کو کھوج لگانا تھا وہ عالم کائنات کا ایسا مجموعہ ہے جس کے ہر ہر جز میں بیش قیمت حکمتیں ودیعت رکھی ہوئی ہیں جس کے عجیب وغریب اسرار کا مشاہدہ کرتے کرتے عقل انسانی تھک جاتی ہے اور جس کے بہت تھوڑے حصہ کا تتبع کرنے سے حکما کو خصوصاً مادئین کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ مظاہر فطرت کی جس قدر باریکیاں ہم معلوم کر سکے ہیں وہ اس سے بہت ہی کم ہیں جو اب تک معلوم نہیں ہو سکیں۔ علم تشریح علم الافلاک علم الحیوانات علم نباتات اور علم طبقات الارض کے ماہرین سے دریافت کرو جو راز ہائے قدرت تم نے موجودات عالم میں آج تک دریافت کئے ہیں وہ کس قدر ہیں اور ان کی حفاظت کے واسطے کتنے دفتر اور کتب خانے تم کو درکار ہوئے ہیں پھر عالم کے احوال میں جو تفاوت اور حاجتمندی کے آثار پائے جاتے ہیں اس پر بھی ایک نظر ڈالو اور ہر ہر شے کی پستی و ذلت کو جس سے خدائے تعالیٰ کی پرحکمت وجبروت کا سبق حاصل ہوتا ہے بنظر تعمق ملاحظہ کرو تو تم کو معلوم ہوگا کہ یہ کارخانہ یوں ہی بے سرا اور بخت واتفاق سے پیدا ہونے کے قابل نہیں ہے"۔ (مقالات عثمانی حصہ اسلام صفحہ ۱۶ تا ۱۸)

قاسم ثانی نے مذکورہ عبارت میں مادہ پرستوں کی اس بات کا شدومد سے جواب دیا ہے کہ یہ کارخانہ عالم جیسا کہ دہریہ یا ملحدین کہتے ہیں مادہ کی بدولت چل رہا ہے غلط ہے بلکہ اس دنیا کی مخلوقات میں غور کرنے سے جس قدر حکمتوں اور اسرار کا پتہ چلتا ہے وہ اس کے ماننے پر مجبور کر رہا ہے کہ اس عالم کا خالق کوئی دانا حکیم اور منتظم ہے مادہ نہیں ہے جو بے عقل گونگا اور بہرہ ہے۔

اثبات توحید اور علامہ عثمانی

توحید مذہب اسلام کا ایک روشن آفتاب ہے آسمانی مذاہب میں ہر مذہب نے اپنے دور میں توحید کی دعوت کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ چنانچہ ہر ایک رسول اور نبی نے سب سے

پہلے اپنی قوم کو بھی دعوت دی ہے۔ یقوم اعبدوا الله ما لکم من اله غیره کی ندا (یعنی اے قوم اللہ کی ہی عبادت کرو اس کے سوائے کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے) سے فضائے دنیا کو انبیا علیہم السلام نے بھر دیا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی دنیا کا مذہب خواہ وہ آسمانی ہو (اور مذہب اللہ کی طرف سے ہی ہوا کرتا ہے) اور یا کسی انسان کا خود ساختہ توحید کے بغیر آگے چل نہیں سکتا۔ لیکن جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدائے اسلام سے دنیا کو آشنا کیا اس وقت دنیا کفر و شرک کی گھٹا ٹوپ اور سیاہ فضاؤں میں گھری ہوئی تھی۔ توحید کی ایک کرن بھی کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی اس عالم میں جبل نور کی پہاڑی پر سے دنیا میں آل ابراہیم کا موحد اعظم توحید کا جھنڈا لے کر اٹھا اور اس نے تمام دنیا کو جو توحید سے بھٹکی ہوئی تھی للکار کر پکارا کہ اے انسانو! اپنے ایک خالق اور مالک کو پہچانو اور اے عیسائیو تثلیث کو چھوڑ دو۔ اور اے بت پرستو! بتوں کی پوجا سے دست بردار ہو جاؤ غرضکہ اللہ کے سوائے تمام پرستشوں سے اس آواز نے روکا اور مشرکوں کو پکا موحد بنا دیا۔ غرض یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے تمام مذاہب کے مقابلہ میں توحید کا صحیح اور سچا راستہ دکھایا۔ متکلمین اسلام نے توحید کے سلسلہ میں غیر موحد قوموں اور مذاہب کے مقابلہ میں جو زبردست دلائل پیش کئے ہیں وہ قرآن کریم کی اس آیت لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا سے ماخوذ ہیں۔ علامہ عثمانی نے ایک تمثیل سے نہ صرف وجود باری بلکہ توحید کو نہایت سلیس اور منطقیانہ رنگ میں پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"اس سارے سلسلہ عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشینوں اور کلوں کے کارخانوں اور گھڑیوں وغیرہ میں بہت سی کلیں اور پرزے آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ پھر اگر کوئی کام لینا منظور ہوتا ہے تو اول کل کو ہلاتے ہیں اور سب کلیں بہ ترتیب ہلتی ہیں اور آخر میں جو کام مقصود ہوتا ہے وہ آخیر کی کل سے ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ کلیں خود بخود نہیں ہلتیں کیونکہ وہ بے حس و حرکت جمادات میں سے ہیں ان کے واسطے جب تک کوئی ذی عقل اور صاحب ارادہ کام لینے والا نہ ہوگا ہرگز کام نہ چلے گا۔ اسی طرح سلسلہ عالم کے واسطے علت العلل اور فاعل حقیقی ایک خدائے تعالیٰ ہے"۔ (الاسلام)

اس مختصری تمثیل میں علامہ عثمانی نے توحید کے سمندر کو کوزہ میں بھر دیا ہے اور اہل علم و فضل کے لئے اس مثال سے توحید کا جو صحیح راستہ ملتا ہے وہ سلیم الطبع انسان کے سمجھنے اور راہ توحید کی طرف آنے کے لئے کافی ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس کی طرف آ کر عکرمہ بن ابو جہل موحد بنے اور اسلام لائے۔ مولانا عثمانی اپنی تفسیر میں "ھو الذی یسیرکم فی البر والبحر" وہی تم کو خشکی اور تری میں پھراتا ہے کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

"فتح مکہ کے بعد ابوجہل کا بیٹا عکرمہ مسلمان نہ ہوا تھا مکہ سے بھاگ کر بحری سفر اختیار کیا تھوڑی

دور جا کر کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا۔ ناخدا نے مسافروں سے کہا کہ ایک خدا کو پکارو یہاں تمہارے معبود کام نہ آئیں گے۔ عکرمہ نے کہا یہی تو وہ خدا ہے جس کی طرف محمد صلعم ہم کو بلاتے ہیں اگر دریا میں رب محمد کے بدوں نجات نہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی اس کی دستگیری اور اعانت کے بغیر نجات پانا محال ہے۔ اے خدا اگر تو نے اس مصیبت سے نکال دیا تو میں واپس ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا مجھے امید ہے کہ وہ اپنے اخلاق کریمہ سے میری تقصیرات کو معاف فرمائیں گے۔ چنانچہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (پارہ نمبر ۱۱ رکوع نمبر ص ۲۷۴)

علامہ عثمانی کی توحید پر تمثیلی دلیل اور عکرمہ بن ابو جہل کا یہ واقعہ اثبات توحید کا مختصر الفاظ میں ایک زریں باب ہے جس کے مقابلہ میں اثبات توحید کے لئے سینکڑوں صفحات بھی میرے نزدیک غیر ضروری ہیں۔ چنانچہ علامہ عثمانی مذکورہ آیت کے تفسیری فوائد میں لکھتے ہیں:۔

"اس آیت میں ان مدعیان اسلام کے لئے بڑی عبرت ہے جو جہاز کے طوفان میں گھر جانے کے وقت بھی خدائے واحد کو چھوڑ کر غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں"۔

اس جملے میں علامہ عثمانی نے ان مسلمانوں کے لئے جو توحید کے علمبردار ہوتے ہوئے طرح طرح کے انسانوں سے جو خود خدا کے محتاج ہوتے ہیں اور غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔ عبرت و نصیحت کا بہترین ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ جس کے سامنے پند و نصائح کی ضخیم کتابوں کی ضرورت نہیں رہتی۔

علامہ عثمانی نے اپنی تفسیر میں لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا کے ماتحت خدا کے ایک ہونے اور دو یا دو سے زیادہ خداؤں کے ہونے پر نظام عالم کے درہم برہم ہو جانے پر جو حکیمانہ دلیل دی ہے صرف وہ نقل کر کے سلسلہ توحید کو ختم کرتا ہوں۔ علامہ عثمانی مذکورہ آیت پر لکھتے ہیں:۔

"تعدد الٰہ (کئی معبود ہونے کے) ابطال پر یہ نہایت چستہ اور واضح دلیل ہے جو قرآن مجید نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی ہے اس کو یوں سمجھو کہ عبادت نام ہے کامل تذلل (عاجزی) کا اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات و صفات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو۔ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار نہ عاجز ہو نہ مغلوب نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کر سکے۔ اب اگر فرض کیجئے آسمان و زمین میں دو خدا ہوں تو وہ دونوں اسی شان کے ہوں گے۔ اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات و سفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوئی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں۔ اور اگر تنہا ایک

سارے عالم کا کام کامل طور پر سر انجام کر سکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا۔ حالانکہ خدا کا وجود اسی لئے ماننا پڑا ہے کہ اس کے مانے بدون چارہ ہی نہیں ہو سکتا اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا تو وہ خدا نہ رہا۔ اور یا دونوں بالکل مساوی و متوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے اول تو خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگے گی تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص و عاجز ہونا لازم آتا ہے جو خلاف مفروض ہے"۔ (پارہ نمبر ۱۷ رکوع نمبر ۲ ف ص ۴۲۹)

یہ ہے مولانا عثمانی کا کلامی نمونہ جو اثبات توحید کے سلسلہ میں قاری کی ضیافت کے لئے پیش نظر ہے۔ اب یہ قاری کی اپنی طبیعت کے انداز پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ علامہ عثمانی کے ان علمی و کلامی مباحث و مسائل پر احتیاط، سنجیدگی اور کامل غور سے نظر ڈال کر فیصلہ کرے ان دلائل توحید کے علاوہ حضرت عثمانی نے قرآن کریم کی تفسیر میں جابجا اپنے خاص اچھوتے اور پیارے انداز میں توحید پر کلام کیا ہے۔ جس کی مزید یہاں گنجائش نہیں۔

اثبات نبوت محمدیؐ

حسب ذیل عبارت کو پڑھئے اور غور کیجئے کہ علامہ عثمانی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں جس تمثیل سے کام لے کر رسالت محمدی کو ثابت کیا ہے وہ اپنی جگہ عقل سلیم اور منصفانہ نگاہ کے لئے کس قدر صاف اور سیدھا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر کسی اجنبی بستی میں کوئی اجنبی طبیب آ جائے اور وہاں کے لوگوں سے اپنے فن کی حیثیت میں تعارف پیدا کرنا چاہے حالانکہ وہ لوگ نہ تو نظریات طب سے خبردار ہیں اور نہ انواع مرض سے واقفیت رکھتے ہیں اور نہ ان کے لئے طرق علاج کی صحت و غلطی کا دریافت کرنا آسان کام ہے تو ایسی صورت میں اس طبیب کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہیں۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سب سے پہلے تو وہ مجامع و مجالس میں موقع بموقع اپنی طب دانی کا تذکرہ کرے گا اپنے مطب پر ایک بڑا سا سائن بورڈ لگائے گا اور وقتاً فوقتاً اپنے اسانید کو جو کسی معتبر مدرسہ سے اس کو دستیاب ہوں گے خواص کے روبرو پیش کرتا رہے گا اور اس کے بعد کچھ لوگ تو عام چرچا سن کر اور محض شہرت پر ایمان لا کر اور کچھ محض امتحان اور جانچ کرنے کی نیت سے اور کچھ

طبیبوں کے احوال او اطوار سے قدرے واقفیت رکھنے کی وجہ سے اس کے پاس بغرض معالجہ آنے لگیں گے اور بہت سے مریضوں کے پاس اپنا اعتبار بڑھانے اور مطب کو چکانے کے لئے وہ بذات خود بغیر کسی قسم کی فیس اور مالی معاوضہ کے دور دراز کے تعلقات جتلا کر چلا جائے گا۔

اب اس ساری جدوجہد اور دوادوش میں اگر کچھ بیماریوں کی شفا اس کے ہاتھ سے مقدر ہے تو وہ اس کی اولین کامیابی کا باعث ہوگی اور جوں جوں کہ یہ سلسلہ ترقی کرتا جائے گا اسی قدر اس کی عزت اور مقبولیت کو چار چاند لگتے چلے جائیں گے۔ انتہا یہ ہے کہ وہ کچھ زمانہ کے بعد شہرت عامہ کے اس درجہ پر پہنچ جائے گا کہ مریضوں کو اس کے یہاں پہنچنے کے لئے استدلال اور غور وفکر کی ضرورت باقی نہ رہے گی اور عوام کے محاورات میں شفاو صحت تو اس کی معالجانہ کوششوں کی طرف اور موت وہلاکت خالی بخت واتفاق یا مشیت ایزدی کی طرف منسوب ہونے لگے گی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دوسرے نئے طبیبوں کی مقبولیت کا معیار ہی اب اس کی تسلیم وتصدیق قرار پا جائیں گے۔ بعینہ اسی پر اطبائے روحانی یعنی انبیاء علیہم السلام کے حالات کو قیاس کرو جب وہ عالم کی ہدایت واصلاح کے لئے مبعوث ہوتے ہیں تو سب سے اول وہ اپنے اللہ کی طرف سے بشیر ونذیر ہونے کا نہایت زور وشور اور تحدی کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں اور اپنی دعوت وتبلیغ کا غلغلہ اہل وعیال اور خویش واقارب سے شروع کر کے مشارق ومغارب میں ڈال دیتے ہیں جس کو سن کر کچھ لوگ تو ان کے سابق چالیس سالہ زہد وریاضت پاک وصاف اخلاق دیانت وراستبازی اعراض عن المال والجاہ شرافت حسب ونسب اور روشن خوارق یا آیات بینات (معجزات) وغیرہ امور کی وجہ سے اور بہت سے محض امتحان وتفتیش ہی کی غرض سے فطرۃً ان کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے وہ خوش قسمت ہیں کہ خود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قوت قلبیہ اور ہمت باطنی کے زور سے باذن اللہ ان کو اپنی طرف جذب کر لیتے ہیں اور اسی اثناء میں جب یہ لوگ روحانی امراض سے یکا یک شفایاب ہونے لگتے ہیں اور ان کے دلوں کی تاریکی دور ہو کر جمال خداوندی کا عکس ان میں پڑنے لگتا ہے تو وہ اپنے ہادی کے متعلق فوراً چلا اٹھتے ہیں کہ "ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم" یہ شخص آدمی نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ اس وقت ان مریضوں کو بھلا چنگا دیکھ کر اور ان کے حالات سابقہ میں ایسا انقلاب عظیم پا کر اوروں کے دل بھی فرمانے لگتے ہیں اور ان کو ان کی صحت کی بحالی پر رشک آنے لگتا ہے پھر تو مخلوق خدا فوج در فوج اور جوق در جوق ہو کر اس پاک بندے کے گرد جمع ہو جاتی ہے اور اپنے اپنے امراض کا مرافعہ اس کی طرف کرتی ہے اور جیسے جیسے کہ یہ سلسلہ وسیع تر ہوتا

جاتا ہے اندھوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور عاقلوں کو عبرت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آتا رہتا ہے۔ اس کے بعد اس کے طبیب حاذق یا نبی مرسل سمجھنے کے واسطے نہ کسی استدلال کی ضرورت رہتی ہے اور نہ اس میں بہت زیادہ تدقیق اور غور و فکر کو کام فرمانے کی۔

تم خود ہی خیال کرو کہ کسی تجربہ کار طبیب کے ہاتھ پر تپ کہنہ کے پانچ چار مریض (جو زندگانی سے مایوس ہو چکے ہیں) شفایاب ہو جائیں تو گھر گھر میں اس کا چرچا پھیل جاتا ہے اور دور دراز شہروں کے مایوس العلاج بیمار اس کی طرف رجوع کرنے لگتے ہیں اب اگر فرض کرو کہ ایک طبیب کے دست شفا سے کوئی بستی یا ملک کا ملک تپ کہنہ سے صحت یاب ہو جائے تو اس کی طرف لوگوں کی توجہ کیا کسی منطقی استدلال کی محتاج رہے گی۔

مثلاً سرخیل اطباء روحانی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ الاسلام میں نہایت مفصل بیان کیا ہے اور یہاں پر ہم مطلقاً اپنے زمانہ کے ایک اصلاحی روشن خیال مولف کے الفاظ میں لکھتے ہیں) ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ دنیا ایک عجیب روحانی سکتہ کی حالت میں تھی اور آپ ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کا کچھ سامان نہ تھا اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمہ کی گئی جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال اور بد اخلاقی اور نفاق و جنگجوئی کے کسی قسم کے اخلاقی خوبی نہ رکھتے تھے مگر آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب و غریب تاثیر کی کہ اس سے ان کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں۔ برسوں کے بہکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے اور مدتوں کے سوئے ہوئے غفلت کی نیند سے چونک پڑے۔ جو مشرک تھے وہ موحد ہو گئے جو کافر تھے ایمان لائے جو بت پرست تھے وہ بت شکن ہو گئے جو گمراہ تھے وہ خدا کی راہ دیکھنے لگے جاہلانہ حمیت اور وحشیانہ عصبیت کا نام نہ رہا۔ خاندانی جھگڑے اور پشتینی عداوتیں جاتی رہیں۔

اثبات رسالت محمدیؐ

کیا اس سے اس امر کا مشاہدہ اور درخشاں ثبوت نہیں ملتا کہ آپ (محمد عربی علیہ السلام) حقیقت میں سچے رسول طبیب حاذق اور خدا ہی کی طرف سے موید تھے ورنہ انسان کا کام نہ تھا کہ وہ ایسا انقلاب عظیم عرب کی روحانی اور اخلاقی حالت میں پیدا کر دیتا اور ایسے جنگ جو تم پیشہ لوگوں کو جو بات بات پر لڑ پڑتے اور جھگڑتے تھے اخوت کے ایک رشتہ میں باندھ دیتا اور ان کی پشتینی عداوتوں اور کینوں سے ان کے دلوں کو ایسا صاف کر دیتا کہ اس کا کچھ اثر باقی نہ

رہتا۔ بلکہ دنیا میں اخلاق اور انسانیت کا نمونہ بنا دیتا"۔ (مقالات عثمانی حصہ عقل ونقل از صفحہ ۲۹۳ تا ۳۰۰)

علامہ عثمانی کی مذکورہ تمثیل اور اس کے ذریعہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی ضرورت اور پھر نبی اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثبات ایسا واضح، روشن، صاف، نفسیاتی اور حقیقی ثبوت ہے جس کو عقل سلیم تسلیم کرتی اور طبیعت مستقیم مانتی ہے ایسے ہی دلائل ہیں جو علامہ عثمانی کی کلامی قوت اور صفائی کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔

معجزات وخوارق عادات

معجزات اور خوارق عادات یا کرامات اولیاء اور قانون قدرت کے باہمی تعلق پر جس حکیمانہ انداز میں مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مایہ ناز مقالہ "خوارق عادات" میں کلام کیا ہے وہ نہایت ہی زبردست فلسفیانہ اور متکلمانہ مقالہ ہے اس کے پڑھنے کے بعد کسی منصف مزاج اہل علم کے لئے معجزات انبیاء علیہم السلام مثلاً شق قمر کا ہونا، موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا اژدہا ہونا، دریائے قلزم میں راستوں کا بن جانا وغیرہ وغیرہ کا تسلیم کرنا بعید از حقیقت نہیں۔ نہ صرف مغرب کے فلاسفر اور سائنس دان بلکہ مغرب زدہ مسلمانوں کا ایک طبقہ بھی معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء کا منکر ہے وہ کہتا ہے کہ معجزات قانون قدرت کے خلاف ہیں اس لئے عقل ان کے تسلیم سے انکار کرتی ہے۔ مولانا عثمانی نے یہ ثابت کیا ہے کہ معجزات قانون قدرت کے خلاف نہیں ہیں نہ ایسی چیزیں ہیں جن کو عقل سلیم تسلیم نہ کر سکے چنانچہ حضرت عثمانی نے عقل مذہب اور فلسفہ سے ثابت کیا ہے کہ معجزات فطرت وقدرت نیز عقل انسانی کے خلاف نہیں حسب ذیل مضمون مولانا کے مقالہ خوارق عادات کا مختلف جگہ سے انتخاب ہے جو پیش خدمت ہے یہی وہ مقالہ ہے جس پر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زبردست ریمارک دیے ہیں۔

خوارق کا وجود قوانین فطرت کا دشمن نہیں

موجودہ سائنس کی ساری عمارت کی بنیاد یہ ہے کہ فطرت یکساں اور باقاعدہ کام کرتی ہے اگر خوارق ومعجزات کے پائے جانے سے فطرت کی یکسانی اور باقاعدگی میں فرق آئے اور قوانین قدرت میں بے ترتیبی اور گڑبڑی پیدا ہو تو جو لوگ خوارق کے امکان پر غور کرنے سے انکار کرتے ہیں ان کو شاید معذور رکھا جائے مگر واقعہ اس طرح کا نہیں ہے۔ ہم معجزات وخوارق کو قوانین قدرت کے خلاف نہیں کر سکتے بلکہ ہمارے نزدیک وہ ایک ایسی دریچی ہے جہاں سے قدرت کا چہرہ زیادہ

صفائی اور زیادہ قریب سے نظر آتا ہے۔ خوارق کا احیاناً وقوع ہی وہ چیز ہے جس سے ہم ان منظم قوانین قدرت کے متعلق یہ یقین حاصل کرتے ہیں کہ وہ قوانین قدرت ہیں کسی غیر قادر یا غیر مختار ہستی سے یوں ہی بالاضطرار نہیں بن گئے۔

معجزہ قانون قدرت کے مطابق ہے

معجزات وغیرہ اگر گاہ بگاہ وقوع میں آئیں تو وہ اسی خلاق عالم کا کام ہوں گے جو ہمیں روزانہ فطرت کے عمل کے معمولی عجائبات دکھاتا رہتا ہے اور جب ایسا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ خود معجزات قانون قدرت کے مطابق ہوں البتہ وہ قانون اس قانون سے اعلیٰ ہوگا جس سے طبعی سائنس آشنا ہے۔

معجزہ ایک اعلیٰ قانون قدرت ہے

خارجی فطرت میں ہمیں چار مختلف عالم نظر آتے ہیں جن میں سے ہر ایک اعلیٰ ادنیٰ پر مبنی اور اس سے ممیز ہے۔

اول:۔ بظاہر بے ترتیب عالم جس میں کیمیائی عناصر اور ان کے مرکبات پائے جاتے ہیں یا جسے ہم مردہ مادہ کہتے ہیں۔ یہ عالم اپنے جر ثقل اور جذب و اتصال کے ماتحت ہے۔

۲:۔ اس کے اوپر مرتب اور منظم عالم (نباتات وغیرہ) ہے جس کی ساخت اس پہلے بے ترتیب عالم سے ہوئی اور اس لحاظ سے یہ قوانین مادہ کے ماتحت ہے۔ لیکن اس کے سوا اس میں فطرت کی ایسی پوشیدہ قوتیں اور شرائط پائی جاتی ہیں۔ جو بے ترتیب عالم کو معلوم ہی نہیں۔ بنا بریں یہ اور قسم کے قوانین کے تابع ہے جن کا ادنیٰ طبقہ سے کچھ تعلق نہیں یعنی منظم زندگی کے قوانین۔

۳:۔ ان سے اوپر حیوانی زندگی ہے جس کی خاص صفات و شرائط نشوونما پرورش اور حرکت ارادیہ وغیرہ کے قوانین ہیں۔

۴:۔ اور اس سے بالاتر انسان کی ذی عقل، مدرک، اخلاقی اور ترقی کن زندگی ہے جس کے قوانین پچھلے تینوں عالموں سے جداگانہ ہیں۔

عالموں کے اس سلسلہ کا ہر اعلیٰ طبقہ ادنیٰ طبقہ کے لحاظ سے فوق العادت اور اعجازی ہے۔ قدرت کے جو قوانین عالم جمادیات میں دائر سائر ہیں وہ حیوانات میں نہیں اور جو حیوانات میں ہیں اس سے کہیں بڑھ کر عالم انسان میں پائے جاتے ہیں۔

اگر فرض کرو نباتات یا حیوانات میں ہماری باتیں سمجھنے کی قوت ہو اور ہم ان کی دنیا میں جا کر اپنے انسانی کارنامے اور بنی آدم کے عجیب و غریب احوال اور وہ قوانین فطرت بیان کریں جو عالم

انسان میں کارفرما ہیں تو یقیناً وہ اس ساری داستان کو خلاف قانون فطرت قرار دے کر ہمارا اسی طرح مذاق اڑائیں گے جیسا کہ معجزات نہ ماننے والے معجزات کا اڑاتے ہیں کیونکہ جو قوانین ان نباتات' جمادات کے دائرہ وجود میں عمل کر رہے ہیں انسان کے متعلق قوانین فطرت ان سے بہت زیادہ بلند اور رفیع واقع ہوئے ہیں جن کے احاطہ کی ادنیٰ طبقہ کی مخلوقات سے توقع کرنا سفاہت ہے۔

معجزہ انسان کو عالم بالا کی چمک دکھاتا ہے

آگے مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ انسان بے ترتیب اور باترتیب حیوانی اور ذی عقل چاروں عالموں کے اوپر اور ان سے لطیف تر ایک اور عالم کا وجود تسلیم کرے۔ یعنی خالص روحانی اور نورانی عالم جس کے چمکارے وقتاً فوقتاً ہم کو دکھائی دیتے رہتے ہیں انسان چونکہ چوتھے عالم (ذی عقل اور اس پانچویں عالم روحانی کی سرحدوں پر آباد ہے اس لئے اس کا تعلق ایک طرح سے دونوں کے ساتھ ہے اعلیٰ اسی طرح اس کا ورثہ ہے جس طرح ادنیٰ لیکن اعلیٰ کے ابھی صرف چمکارے ہی اس کو حاصل ہیں معجزات کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اس مزاج اور روح کے خلاف ہم کو آگاہ کریں جو ان چمکاروں کو بے اعتبار سمجھتی اور ان کا انکار کرتی اور ادنیٰ طبقہ ہی میں زندگی بسر کرنا پسند کرتی ہے۔

تمام نوامیس فطرت پر ہمارا احاطہ نہیں اور نہ ہو سکتا ہے

ان پست خیال کوتاہ نظروں کی بڑی فروگذاشت یہ ہے کہ انہوں نے سارے نظام عالم کو چند نوامیس طبعیہ میں منحصر سمجھ لیا ہے جو مادہ اور اس کی قوت کے متعلق انہیں دریافت ہوئے ہیں باوجودیکہ سائنس کے بڑے بڑے اساتذہ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم کو ابھی تک کل قوانین قدرت پر تو کہاں اس کے کسی معتدبہ حصہ پر بھی احاطہ حاصل نہیں ہوا۔ لیکن اس پر بھی جب کبھی کوئی چیز ان کے محدود و معدود مدرکات سے باہر ہوتی ہے تو وہ نہایت بیباکی اور ڈھٹائی سے اس کی تکذیب پر تیار ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ اگر ہم نوامیس طبعیہ کے اسی نظام پر غور کریں جو مادیات سے متعلق ہے تو ''فلتات طبعیہ'' کا ایک مستقل باب ہے جس کی ہزاروں جزئیات کا عام سنن طبعیہ اور مقررہ قوانین فطرت سے علیحدہ ہونا ان قوانین کی یکسانیت اور انتظام کو سخت صدمہ پہنچانے والا ہے (خوارق عادات)

یہاں تک مولانا عثمانی نے جو مقدمات اور اصول پیش کئے ہیں وہ ہمیں معجزات کے قانون قدرت کے مطابق ہونے کی طرف رہبری کرتے ہیں۔ مولانا عثمانی نے دو مثالیں آگے چل کر

پیش کی ہیں اور بتایا ہے کہ قانون قدرت بتاتا ہے کہ اولاد آدم میں ایک تنہا ذات اپنی آنکھوں، کانوں، ناک، ہاتھ اور پاؤں کے ساتھ پیدا ہوتی ہے لیکن اگر دو بچے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں اور ان کا دھڑ ایک ہو تو اس مادی دنیا میں رہنے والے اور معجزات کا انکار کرنے والے ایسے امور کو خلاف فطرت کہیں گے یا نہیں۔ مثلاً ایک مثال میں مولانا عثمانی لکھتے ہیں:۔

"ایک چینی لڑکا جس کی عمر بارہ برس کی تھی وہ اپنے سینے پر دوسرا بچہ اٹھائے ہوئے تھا۔ اس بچہ کا سر اس کے سینے کے اندر چھپا ہوا تھا۔ باقی دھڑ اس کے سینے سے گھٹنوں تک لٹکا رہتا تھا۔ اس بچہ میں کافی حس و شعور تھا ذرا سا چھونے سے بھی متاثر ہوتا تھا۔ اور یا اٹھانے والا لڑکا بھی اس بچہ کے دکھ سے دکھ اٹھاتا تھا۔ (خوارق عادات)

مذکورہ مثال عام قانون قدرت کے خلاف ہے تو اگر یہ خلاف قانون قدرت مادی حالت میں ہو سکتا ہے تو روحانی حالت میں معجزات کا صدور خلاف عقل اور خلاف قانون فطرت کیوں ہے اس کے بعد مولانا عثمانی لکھتے ہیں:۔

عالم ارواح

"یہ تو مادیات اور جسمانیات کا حال تھا لیکن اگر مادہ کی سرحد سے ذرا قدم باہر نکالا جائے تو پھر ایک ایسا عالم سامنے آ جاتا ہے جہاں ہماری وہ ادھوری توجیہات بھی کچھ کام نہیں دیتیں جن سے ہم فطرت طبعیہ اور قوانین فطرت کی تطبیق میں کام لیتے تھے۔

یہ عالم، عالم ارواح ہے جس کی طاقتوں اور نوامیس کا حال یورپ کے ملحدوں کو ابھی تھوڑے عرصہ سے کھلا ہے یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے فلاسفر جو مادہ اور قوت کے سوا کسی دوسری قوت کا نام لینے والے کو وہم پرست اور پاگل کہتے تھے خدا کی شان کہ آج وہی مشاہدات اور تجربیات متواترہ سے عاجز و مبہوت ہو کر روح اور اس کی عجیب و غریب طاقتوں کے ثابت کرنے میں پیش پیش ہیں۔ عالمان مسمریزم "تھیوسافیکل سوسائٹی" اور "سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ" وغیرہ بہت سے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے روح کی ان طاقتوں پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے اور اگرچہ یہ کام ابھی تک تکمیل کو نہیں پہنچا لیکن اس میں اب شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی ہے کہ "نوامیس طبعیہ مادیہ" سے بالاتر اور عظیم تر اور بھی نوامیس ہیں جن کے سامنے مادہ اور اس کی طاقتیں کچھ بھی وزن نہیں رکھتیں (خوارق عادات)

اس مقام پر پہنچ کر علامہ عثمانی نے یورپین نظریات کا حوالہ دے کر روح کے مختلف درجات بتائے ہیں اور پھر لکھا ہے:۔

"اب ہمارے سامنے سات سلسلے ہیں۔

ا۔ نظام طبعی مادی ب۔ فلتات طبعیہ ج۔ نظام روحانی د۔ نظام ملکوتی۔

اور ان سب کے اوپر خود قدرت الٰہیہ کا وہ زبردست پنجہ ہے۔ جس کی گرفت سے ان میں سے ایک چیز بھی ایک سیکنڈ کے لئے باہر نہیں ہو سکتی۔

اوست سلطاں ہرچہ خواہد او کند　　عالمے را دردمے ویراں کند

مذکورہ بالا نظامات میں سے کس کی طاقت ہے کہ وہ خدا کے دست قدرت کو کسی حکیمانہ تصرف سے روک دے۔

ہماری استدعا یہ ہے کہ خوارق کو جھٹلانے والے تھوڑی دیر کے لئے ٹھنڈے دل سے اپنے علم و تحقیق کی حد اور قدرت اور قوانین قدرت کی پہنائیوں پر غور کریں پھر یہ بھی دیکھیں کہ ان خوارق کا ثبوت ہر زمانہ میں ہر جگہ۔ ہر قوم کے ہاں اور ہر عقیدہ اور مذہب کے پیروؤں کے نزدیک کس قدر تواتر اور استفاضہ سے ثابت ہے۔ تو ان شاء اللہ ان کی جرات نہ ہوگی کہ وہ یک قلم خوارق عادت کے وجود یا امکان ہی سے انکار کر بیٹھیں۔

تماشہ یہ ہے کہ عام قوانین فطرت کی فضا میں جب بعض غیر معمولی واقعات حسب اتفاق پیش آ جاتے ہیں تو ہم ان کے ماننے والوں سے جنگ نہیں کرتے لیکن اسی کے مشابہ کوئی چیز جو روزمرہ کے عام معمول سے ذرا مستبعد ہو اگر کسی بڑے سے بڑے جلیل القدر پیغمبر کی طرف منسوب ہو جائے تو فوراً شکوک اور شبہات کی لہر ہمارے دلوں میں دوڑنے لگتی ہے اور اس کی نفی کرنے کی ہر ممکن صورت پر ہم غور کرنے لگتے ہیں۔

فرانس کے مشہور و معروف فیلسوف کامل فلامریون نے اپنی کتاب "المجہول والمسائل الروحیہ" میں ایسی عورت کا ذکر کیا ہے جس کی ایک پستان بائیں ران میں تھی اور وہ بچے کو اسی سے دودھ پلاتی تھی۔ یہ عورت ۱۸۷۲ء میں "پیرس" کی جمعیۃ فضلا کے روبرو پیش ہوئی۔

اب فرض کیجئے اسی طرح کے فلتات طبعیہ کو اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ فلاں پیغمبر اعجاز یا فلاں ولی کی کرامت سے فلاں زمانہ میں ایسا ہوا تھا تو منکرین اعجاز کسی نہ کسی عنوان سے اس کی تردید پر فوراً کمربستہ ہو جائیں گے۔ جاپان میں قیامت خیز زلزلہ آیا کتنی ہی بستیاں تباہ ہوئیں اور کتنی ہی مستحکم عمارتیں منہدم ہو گئیں۔ چند سال ہوئے ضلع ہردوئی میں بگولہ اٹھا جس سے ایک جھیل

کا پانی بالکل اڑ گیا۔ اور دوسری جگہ جھیل بن گئی۔ اس طرح کے واقعات جو خوارق میں سے نہیں صرف قلیل الوقوع ہیں ہم سنتے ہیں اور ایک منٹ کے لئے بھی ان کو غلط نہیں سمجھتے۔

کسریٰ کے چودہ کنگرے گر جانا

لیکن کیا قیامت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت اگر معتبر سے معتبر راوی یہ خبر دے کہ ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا اس کے چودہ کنگرے گر پڑے یا دریائے ساوہ خشک ہو گیا یا فارس کی ہزار سالہ آگ بجھ گئی تو متکلمین کو اس کے ماننے میں پس و پیش ہونے لگتا ہے۔

روح کے متعلق یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے تاثیر دائرہ میں بعد مکانی یا زمانی خلل انداز نہیں ہوتا۔ اور اس جوہر لطیف و نورانی کو اپنے عمل میں مسافت جسمانی کی کچھ پروا نہیں۔ پس اگر روح محمدی صلعم کی نورانیت عظیمہ نے حضرت آمنہ کے لئے مکہ سے بصریٰ تک روشن کر دیا تو اس میں کیا اشکال ہے۔

آنحضورؐ کا پس پشت سے دیکھنا

ہم نے احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھا تھا۔ انی واللہ ابصر من ورائی کما ابصر من بین یدی یعنی میرا دیکھنا مواجہ پر موقوف نہیں بلکہ پیٹھ پیچھے کی چیزیں بھی مجھے ایسے ہی نظر آتی ہیں جیسے کہ سامنے کی۔ بہت سے متفلسفین اس قانون فطرت کے خلاف سمجھ کر درپے تاویل ہو گئے تھے لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ محققین نے حدیث کو ظاہر پر حمل کر کے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص اور خوارق عادات میں شمار کیا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز ماہر علم بصارت نے انسان کی جلد میں قوت باصرہ کے راز پر روشنی ڈالی ہے وہ لکھتے ہیں کہ انسان کے بدن کی جلد کے نیچے چھوٹے ذرات پائے جاتے ہیں جو سارے جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ذرے ننھی ننھی آنکھیں ہیں ان میں سے اسی طرح تصویر اتر آتی ہے جس طرح آنکھ کی پتلی میں اتر آتی ہے۔

بہر حال سائنس کی ترقی خوارق کی تفہیم میں بہت کچھ مدد دی ہے اسی لئے ہم یہ امید رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ سائنس کے پجاری خوارق کی تسلیم کے لئے گردن جھکا دیں گے۔

مذکورہ بالا خوارق کو علامہ عثمانی نے جس رنگ استدلال میں پیش کیا ہے وہ اپنی جگہ فطرت کو اپیل کرتا ہے۔ میرے نزدیک مطالعہ کائنات سے علامہ سائنس کو قریب لاتے ہوئے معجزات اور خوارق کو عقل و فہم کے قریب تر کرنے میں کسی عالی دماغی اور سلجھے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ عام سے عام انسان کے سمجھنے میں بھی دقت نہیں ہوتی۔

آنحضورؐ کے سامنے درختوں کا جھکنا

آگے چل کر علامہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کو ثابت فرمار ہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درخت جھک جاتے تھے فرماتے ہیں:۔

ابھی چند روز پہلے جب یہ سنتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درخت جھک گئے یا انہوں نے حضور کو سلام کیا یا حضور کے ایما سے وہ اپنی جگہ سے سرک گئے تو ملحدین ان قصوں کی "اساطیر الاولین" کہہ کر ہنسی اڑاتے تھے۔ اور ان بیانات کو پرانے مسلمانوں کی خوش اعتقادی یا وہم پرستی پر حمل کرتے تھے لیکن آج ماہرین علم نباتات نے نباتاتی زندگی کے جو حیرت انگیز حالات ظاہر کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ درخت اور پودے فی الواقع زندگی کے وہ تمام حسیات وتاثرات اپنے اندر رکھتے ہیں جو اب تک ذی روح مخلوق کی خصوصیت سمجھے جاتے تھے ہر شخص جو نباتاتی زندگی سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے جانتا ہے کہ پودے اور پھول بھی اپنی غذا کھاتے اپنا پانی پیتے اور اپنی نیند سوتے ہیں ان میں بھی جنسوں کا وصل وجفت ہوتا ہے ان کی بھی نسل چلتی ہے اور ان پر بھی بڑھاپا آتا ہے اور وہ بھی بالآخر موت کے چنگل میں پھنستے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض پودے پھول محض ہاتھ لگا دینے سے سکڑ جاتے ہیں اور ذرا سے اشارے سے بند ہو جاتے ہیں اسی ذکی الحسی کی وجہ سے ایک پودے کا نام ہی "چھوئی موئی" پڑ گیا ہے۔

"سر جگدیش چندر بوس" کی جدید تصنیف کا اگر مطالعہ کریں جو "پلانٹس آٹوگرافس اینڈ دیر ریویلیشن **(Plants autograph and their revelation)** کے نام سے حال میں شائع ہوئی ہے تو آپ کو معلوم ہو کہ اس ماہر فن نے پودوں پر کس کس قسم کے تجربات کر کے کیسے کیسے حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں اور ان سے فطرت کے کیسے راز ہائے سر بستہ معلوم ہوئے ہیں ان حالات کے دیکھنے اور معلوم کرنے سے بے اختیار زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

سب سے زیادہ ذکی الحس پودہ "مائی موزہ" ہے کہ ایک ذرا سی بدلی چھا جانے سے وہ اونگھنے لگتا ہے اور شعاع آفتاب پڑنے سے فی الفور چاق وچوبند ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف "جھنگا پھول" کا پودہ ہے جو دریائے گنگا کے کنارے بنگال میں زیادہ ہوتا ہے یہ دن کے وقت خواب استراحت میں رہتا ہے اور شب میں اپنی پوری بہار دکھاتا ہے۔

بنگال کے اس تاڑ کے درخت کا حال تو اکثر لوگوں کو معلوم ہوگا جو کہ طلوع آفتاب کے ساتھ بیدار ہوتا اور تدریجاً زمین سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا لیکن جوں جوں سورج ڈھلتا جاتا تھا۔ یہ درخت بھی جھکنے لگتا تھا اور غروب آفتاب کے ساتھ یہ بھی سربسجود ہو جاتا تھا۔

کیا نباتات کے متعلق یہ جدید انکشافات اور سریوں کی تصانیف پڑھ کر کسی انصاف پسند طالب حق کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معتبر و مستند حقائق کی تکذیب کر دے جو نباتات میں حس و شعور ارادہ نطق اور جذبات محبت وغیرہ کی موجودگی پر دلالت کرتے ہیں۔

علامہ عثمانی نے علم نباتات اور نباتات کے احساسات وغیرہ کے ذریعہ جو استنباط کیا ہے اس سے اہل فہم کو تسلی ہوتی ہے ان معجزات کی کہ جن میں درختوں کا نبی اکرم کے سامنے جھک جانا بیان کیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ ہر غالب کا مغلوب پر اثر ہوتا ہے۔ اشرف المخلوقات میں انبیاء کی تاثیر درختوں کو بھی متاثر کر دیتی ہے۔

شہاب ثاقب اور یاساریۃ الجبل

آگے چل کر کرامات ہی کے سلسلہ میں حضرت عثمانی نے تمثیلات کے ذریعہ یاساریۃ الجبل اور قرآنی نظریہ یعنی شیطان پر ستاروں کے ٹوٹنے کو کس تمثیل میں پیش کیا ہے۔ قابل غور ہے حقیقت یہ ہے کہ علامہ عثمانی خدا ان کی تربت کو انوار رحمت سے بھر دے تمثیلات کے شاہ تھے اور اسلام کے مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق مسائل و نظریات کو اپنے دماغ کی سلجھی ہوئی قوتوں اور قدرت کلامی سے سلجھا کر رکھ دیتے تھے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

”ہم اسلامی تاریخوں میں ”یاساریۃ الجبل“ کا مشہور واقعہ پڑھتے تھے لیکن ”وائرلیس“ کی ایجاد سے پہلے ہمارے لئے یہ سمجھنا کس قدر مشکل تھا کہ شاید ایک روحانی ”وائرلیس ٹیلیفون“ کے ذریعے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز ساریہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی ہو عالمگیر جنگ کے زمانہ میں ایک سالکی پیام پڑوگریڈ سے لندن کو چلا۔ راستہ میں بعض جرمن اسے جذب کرنے لگے اوپر سے ایک فرانسیسی طیارہ نے ان جذب کرنے والوں پر بم پھینکا اور یہ جرمن اپنی سعی میں ناکام رہے۔

دیکھئے یہ مادی واقعہ اس روحانی واقعہ سے کس قدر مشابہت رکھتا ہے کہ عرش سے جو لاسلکی پیغام سرزمین حجاز کو جا رہا ہے شیاطین اس کو اچکنا چاہتے ہیں لیکن اوپر سے شہاب ثاقب کا گولہ ان

کا کام تمام کر دیتا ہے اور وہ ناکام و نامراد و شکل دیے جاتے ہیں۔

اس قسم کے ہزار ہا سائنٹیفک شواہد و نظائر نے خوارق اور دیگر مشکل اور غامض مسائل کی تفہیم کے متعلق ہمارے کام کو بہت آسان کر دیا اور قوانین قدرت کی نسبت اپنی تنگ نظری اور کم مائگی کی بنا پر جو غلطیاں ہم کر رہے تھے ان میں سے بہت سی اغلاط کی اصلاح کر دی ہے۔

یاد رکھو جس چیز کا نام ہم معجزہ رکھتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے جو اس کی عام عادت کے گو خلاف ہو مگر عادت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے موافق ہوتا ہے کیونکہ خاص اوقات میں مخصوص مصالح کی بنا پر عام عادت کو چھوڑ کر خوارق و معجزات کا ظاہر کرنا یہ بھی حق تعالیٰ کی خاص عادت ہے"۔ (خوارق عادات علامہ عثمانی)

علامہ عثمانی کے معرکۃ الآرا مقالہ یعنی "خوارق عادات" کی مختلف جگہ سے مختلف عبارتیں لے کر ہم نے اوپر درج کی ہیں جن میں علامہ عثمانی نے موجودہ سائنس کے دور کے تقاضوں کے مطابق اپنے علم کلام سے معجزات کو ثابت کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرز جدید کے ذریعہ علامہ عثمانی اپنی تفاسیر اور دوسری کتابوں میں خوب عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ ان کے دلائل میں دانش برہانی اور دانش نورانی دونوں کے دھارے بہتے نظر آتے ہیں۔ وہ امثال اور تمثیلات کے ذریعہ اسلام کے نازک مسائل کو چٹکیوں میں حل کر کے رکھ دیتے ہیں۔

قیامت میں اعمال کا ریکارڈ اور وزن

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ حضرت عثمانی مرحوم سائنس کے دور کے نئے تقاضوں کو سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قائل تھے۔ نیز وہ تمثیلات کے ذریعہ باریک اسلامی مسائل کو سلجھانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے مثلاً قیامت میں ہمارے اعمال تولے جائیں گے یہ قرآن کریم اور اسلام کا ایک ایک اہم نظریہ ہے اور ہمارے اعمال مثلاً جھوٹ، چوری، سود وغیرہ تولے جائیں گے لیکن ایک مخالف اسلام جو منکر قیامت بھی ہے یہ اعتراض کرتا ہے کہ جھوٹ بولنا غیبت کرنا چغلی کھانا تہمت باندھنا یہ ایسے اعمال ہیں جن کا جسم نہیں اور ظاہر ہے کہ جسمانی اشیاء اور مادی چیزوں کو ہی تولا جا سکتا ہے۔ لیکن جو گناہ مادی نہیں جسمانیت نہیں رکھتے وہ کس طرح تولے جا سکتے ہیں۔ علامہ عثمانی اپنے کلامی دلائل سے کس طرح اس کا جواب دیتے ہیں حسب ذیل آیت کی تفسیر پڑھئے۔

والوزن یومئذ الحق فمن ثقلت موازینہ فاولئک ھم المفلحون و من خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسھم بما کانوا بایٰتنا یظلمون

اور اعمال کا وزن اس دن ٹھیک ہوگا پس جس کے وزن بھاری ہوں گے وہ کامیاب ہوں گے اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے وہی لوگ ہوں گے کہ جنھوں نے اپنا نقصان کیا کیونکہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

علامہ عثمانی مذکورہ آیت کی تفسیر کے بعد اعتراض بالا کا جواب دیتے ہیں:۔

"کہا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال تو غیر قارالذات اعراض (نہ قائم رہنے والے غیر جسمانی ہیں جن کا ہر جز وقوع میں آنے کے ساتھ ہی ساتھ معدوم ہوتا رہتا ہے پھر ان کا جمع ہونا اور تلنا کیا معنی رکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ گراموفون میں آج کل جو لمبی چوڑی تقریریں بند کی جاتی ہیں کیا وہ تقریریں اعراض میں سے نہیں جس کا ایک حرف ہماری زبان سے اس وقت ادا ہوسکتا ہے جب اس کا پہلا حرف نکل کر فنا ہوجائے۔ پھر یہ تقریر کا سارا مجموع گراموں میں کس طرح جمع ہوگیا۔ اسی سے سمجھ لو کہ جو خدا گراموفون کے موجد کا بھی موجد ہے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ ہمارے کل اعمال کے مکمل ریکارڈ تیار رکھے جس میں سے ایک شوشہ اور ذرہ بھی غائب نہ ہو۔ رہا ان کا وزن کیا جانا تو نصوص (آیات) سے اس قدر معلوم ہوچکا ہے کہ وزن ایسی میزان (ترازو) کے ذریعے سے ہوگا جس میں کفتین (دو پلڑے) اور لسان (رسیاں) وغیرہ موجود ہیں لیکن وہ میزن اور اس کے دونوں پلے کس نوعیت وکیفیت کے ہوں گے اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا ان باتوں کا احاطہ کرنا ہماری عقول وافہام کی رسائی سے باہر ہے اسی لئے ان کے جاننے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی بلکہ ایک میزان کیا۔ اس عالم کی جتنی چیزیں ہیں بجز اس کے کہ اس کے نام ہم سن لیں اور ان کا کچھ اجمالی مفہوم جو قرآن وسنت نے بیان کردیا ہو عقیدہ میں رکھیں۔ اس سے زائد تفصیلات پر مطلع ہونا ہماری حد پرواز سے خارج ہے کیونکہ جن نوامیس وقوانین کے ماتحت اس عالم کا وجود اور نظم ونسق ہوگا ان پر ہم اس عالم میں رہتے ہوئے کچھ دسترس نہیں پاسکتے۔ اسی دنیا کی میزانوں کو دیکھ لو کتنی قسم کی ہیں ایک میزان وہ ہے جس سے سونا چاندی یا موتی تلتے ہیں ایک میزان سے غلہ اور سوختہ وزن کیا جاتا ہے ایک میزان عام ریلوے اسٹیشنوں پر ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تولتے ہیں۔ ان کے سوا "مقیاس الہوا" یا مقیاس الحرارت" وغیرہ بھی ایک طرح کی میزانیں ہیں جن سے ہوا اور حرارت وغیرہ کے درجات معلوم ہوتے ہیں۔ تھرمامیٹر ہمارے بدن کی اندرونی حرارت کو جو اعراض میں سے ہے تول کر بتلاتا ہے کہ اس وقت ہمارے جسم میں اتنے ڈگری حرارت پائی جاتی ہے جب دنیا میں بیسیوں قسم کی جسمانی میزانیں ہم مشاہدہ کرتے ہیں جن سے اعیان واعراض کے اوزان ودرجات کا تفاوت معلوم ہوجاتا ہے تو اس قادر

مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک حسی میزان قائم کر دے۔ جس سے ہمارے اعمال کے اوزان ودرجات کا تفاوت صورتاً وحساً ظاہر ہوتا ہو"۔ (تفسیر عثمانی پارہ نمبر ۸ الاعراف رکوع نمبر ۱ ف ۲)

علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ نے مذکورہ عبارت میں اعمال کے اوزان میں ثابت کیا ہے کہ جس طرح دنیا کی مختلف چیزوں کے تولنے کے لئے میزانیں جدا ہیں اسی طرح اللہ کے یہاں اعمال کے تولنے کی بھی میزان ہوگی۔

ہاں یہ بتانا مشکل ہے کہ وہ میزان کس طرح کی ہوگی ہمیں صرف ترازو اور اعمال کے تولے جانے کا عقیدہ رکھنا چاہئے جس پر ہمارے ایمان کی صحت کو بہت کچھ دخل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ عثمانی نے مختلف چیزوں کے تولنے کی میزانوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً تھرما میٹر وغیرہ اسی طرح ایک میزان زلزلہ یا مقیاس المطر بھی ہے۔ اول الذکر کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ زلزلہ کا مادہ کہاں تھا کہاں سے چلا اور اس میں کتنی شدت تھی اور کتنی حد رہا۔ یہی حال مقیاس المطر یعنی بارش کے آلہ کا ہے کہ اس کے ذریعہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی جگہ کتنے انچ بارش ہوئی۔ اب جو شخص معمولی علم کا مالک ہو وہ حیرانی میں پڑ جاتا ہے کہ زلزلہ بخار بارش برودت تمام چیزوں کو کیسے تولا جاتا ہے اور ان سب پر بڑی میزان عقل کہ جس میں دنیا کی ہر اچھی بری چھوٹی بڑی چیزوں کی میزان ہے۔ غرضکہ جس طرح دنیا کی ہر چیز کے لئے میزانیں ہیں اسی طرح اعمال کو تولنے کی بھی قیامت میں میزان قائم ہوگی۔ البتہ کیفیتیں مختلف ہوں گی۔

کلام تو اس میں ہے کہ حضرت عثمانی نے اپنی کلامی قوت سے میزان قیامت کو کس انداز میں ثابت کیا ہے۔

مسئلہ ختم اللہ علیٰ قلوبھم

میں نے بار بار علامہ عثمانی کے متعلق یہ کہا ہے کہ مشکل سے مشکل مسائل کو وہ تفصیل میں لا کر بیان کرتے تو سمندر بہاتے اور اگر اس کو چند سطروں اور جملوں میں سمیٹنا چاہتے تو مختصر بیان میں ہی سمندر کو کوزے کی طرح بھر دیتے تھے۔ مثلاً ختم اللہ علیٰ قلوبھم و علیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم یعنی اللہ نے کافرین کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جس سے وہ ہدایت سے محروم ہو گئے کیونکہ ہدایت کے لئے تین ہی راستے تھے یا دلوں کی توجہ سے یا کانوں سے ہدایت کو سن کر یا آنکھوں سے ہدایت کا راستہ دیکھ کر لیکن کفار کے لئے تینوں راستے بند کر دیئے گئے اور اللہ نے مہر لگا دی تو سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی منکر اسلام یہ کہے کہ جب اللہ نے خود مہر لگا دی تو پھر ان کے لئے عذاب کا جو وعدہ کیا گیا ہے اور

اس آیت کے آخر میں کہا گیا ہے **ولھم عذاب عظیم** کہ ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہوگا تو یہ عذاب کا ہونا کیوں۔ اس میں کفار کا کیا قصور ہے جبکہ ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی گئی اور آنکھوں پر پردے ڈال دیے گئے۔

یہ اعتراض اپنی جگہ ایسا اہم ہے کہ حقیقت پسند مسلمان بھی اس میں بھٹکتے نظر آتے ہیں اور علماء نے اس مسئلہ پر بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے لیکن علامہ عثمانی کے چند جملے اس اعتراض اور شبہ کو صاف کر دیتے ہیں۔ میری خوشی کی کوئی مسرت نہ رہی جب میں نے قرآن کریم کی اس جیسی حسب ذیل آیت کی تفسیر میں اس نکتہ کو عثمانی علیہ الرحمۃ کے قلم سے حل اور شفا بخش ہوتے ہوئے پایا۔ علامہ موصوف اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

تلک القریٰ نقص علیک من انبائها ولقد جاءتهم رسلهم بالبینٰت فما
کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل کذلک یطبع الله علیٰ قلوب الکٰفرین

یہ بستیاں ہم آپ کو ان کے کچھ حالات سناتے ہیں اور بیشک ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر آئے پھر ہرگز نہ ہوا کہ وہ اس بات پر ایمان لے آئیں جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اس طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

اس آیت میں **ختم الله علیٰ قلوبهم** کی طرح کا مضمون بیان کیا گیا ہے بلکہ اس کی تفسیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر لگائے جانے کے مطلب کی تشریح کی گئی ہے۔ حضرت عثمانی اس کی تفسیر میں مختصر طور پر اس نکتہ کو مکمل فرما گئے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

”یعنی جس چیز کا (کفار) ایک دفعہ انکار کر بیٹھے پھر کتنے ہی نشان دیکھیں دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے ممکن نہیں کہ اس کا اقرار کر لیں۔ جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی قوم کی ضد اور ہٹ اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے تب عادتاً اصلاح حال اور قبول حق کا امکان باقی نہیں رہتا۔ یہی صورت دلوں پر مہر لگ جانے کی ہوتی ہے۔ یہاں واضح (طور پر) فرما دیا کہ اللہ کی طرف سے دلوں پر مہر لگا دینے کا کیا مطلب ہے۔

حضرت علامہ نے آیت کی تفسیر میں مہر لگ جانے کی جس کیفیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ اپنی جگہ ایک وسیع مضمون کی وکالت کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی قوم کی ضد اور اس کا انکار جب اس درجہ پر پہنچ جائے کہ قبول حق کی گنجائش اور امید ایمان کی طرف سے بند ہے تو گویا مہر لگنے کی سی صورت ہوگی۔

ناچیز اس مسئلہ میں جو خیال رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے دلوں اور کانوں پر مہر لگ جانے اور آنکھوں پر پردہ پڑ جانے کی مثال یوں سمجھی جائے کہ کسی کالج میں پرنسپل کے خلاف

اسٹرائک ہو جائے پرنسپل کی طرف سے ان کو بار بار فہمائش کی جائے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہو۔ اور بالآخر وہ اپنی آخری کوشش کا حربہ بھی استعمال کر دیکھے کہ شاید اب بھی لڑکے باز آ جائیں اور اپنے انکار سے توبہ کر لیں لیکن معاملہ ایسی ضد اور پیچ کا ہو جائے کہ حقیقت کو چھوڑ کر محض ضد کی وجہ سے انکار پر انکار لڑکوں کا شیوہ ہو جائے اور وہ پرنسپل کی بات کو تسلیم کر لینا اپنی بے عزتی اور ہتک سمجھنے لگیں اور حالات کا رخ یہ واضح کر دے کہ طلبہ کسی صورت سے بھی اسٹرائک ختم کرنے کے لئے تیار نہیں تو ایسی صورت میں پرنسپل کالج بند کر دے یعنی اس کے بڑے گیٹ میں ان کو داخل نہ ہونے دے اور دوسرے چھوٹے دروازے بھی بند کرا دے جائیں حتیٰ کہ کھڑکیوں پر پردے اور چقیں چھوڑوا دی جائیں کہ ان کا تعلق کالج سے قطعاً منقطع ہو جائے اور کالج کی چار دیواری اور باؤنڈری میں ہر کسی قسم کے شور اور ہنگامہ آرائی کا انہیں موقع نہ مل سکے تا آنکہ وہ کالج کے اندر کی فضا کو بھی نہ دیکھ سکیں۔ اور پھر اس پر بس نہ کی جائے بلکہ وہ یونیورسٹی سے چند سالوں کے لئے اسٹرائک کرنے والوں کو نکلوا بھی دے۔ یہی حال خدائی ہدایت کا ہے کہ اس نے اپنی طرف سے کفار کے لئے ہدایات اور نشانیوں کا سامان انبیاء کے ذریعہ بھیجا۔ انہوں نے مسلسل ہدایت کی ارشیں برسائیں لیکن ابوجہل اور ابولہب جیسوں کا انکار مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑا ہو جائے دربار بوت و ربوبیت سے متواتر ہدایت اور فہمائش کی جاتی رہے تا آنکہ جب ہدایت کے ترکش کا آخری تیر بھی ختم ہو چکا تو ابولہب جیسے لوگوں کے دلوں کو جو ہدایت کے قبول کرنے کے بڑے دروازے تھے ان پر مہر لگا دی گئی چھوٹے دروازے یعنی کان جن کے ذریعہ سن کر ہدایت اختیار کی جا سکتی ان کو بھی بند کر دیا گیا۔ پھر ہدایت کی جھلک بھی دیکھنے کا سلسلہ بند کر دیا گیا کہ آنکھوں کی کھڑکیوں پر چلمنیں اور پردے چھوڑ دیے گئے اور یہ بھی فیصلہ صادر کر دیا گیا کہ **ولهم عذاب عظيم** یعنی ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اس نوعیت کے ساتھ جب اللہ کی طرف سے **ختم الله علىٰ قلوبهم و علىٰ سمعهم و علىٰ ابصارهم غشاوة ولهم عذاب عظيم** کا طلب پیش کیا جائے تو افہام کے سامنے واضح اور عقلوں کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ تقدیر

مسئلہ تقدیر اسلام اور دیگر مذاہب آسمانی کا ایک مشکل ترین مسئلہ ہے۔ علامہ عثمانی نے بخاری شریف کے دوران درس میں اس مسئلہ کو جس سلیس اور طبع مستقیم کو اپیل کرنے والی طرز میں پیش کیا ہے

وہ قابل حیرت ہے۔ میں نے جیسا کہ بار بار عرض کیا ہے حضرت عثمانی کو قدرت نے جہاں بے پناہ علم دیا تھا اس کے ساتھ ساتھ ان کو بیان اور تحریر کی بھی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ دشوار سے دشوار مسئلہ کو حل کرنے میں بہت دلچسپی لیتے تھے اور اس کو اپنی معجزانہ تقریر اور ساحرانہ شگفتہ اور صاف تحریر سے ایسا واضح فرماتے کہ دنیا عش عش کر جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے دشوار گزار مسائل میں علماء و فضلائے عصر علامہ عثمانی کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ حضرت استاذی محدث روزگار و جبل علم حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے بار بار آپ سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دو مسئلوں کی توضیح آپ مستقل رسالوں کی صورت میں لکھ دیں ایک مسئلہ معجزات انبیاء اور دوسرا مسئلہ تقدیر۔ چنانچہ حضرت عثمانی علیہ الرحمۃ نے معجزات انبیاء پر مستقل رسالہ "خوارق عادات" کے نام سے تحریر فرمایا جس کو حضرت شاہ صاحب نے بہت پسند فرمایا چنانچہ اس رسالہ کے اول میں حضرت شاہ صاحب کی ایک تقریظ بھی تحریر ہے اس رسالہ کو حضرت شاہ صاحب نے اپنی توقع سے بلند قرار دیا ہے لیکن مسئلہ تقدیر پر مولانا عثمانی نے اپنے درس بخاری میں جس کے تمام مضامین تحریر میں ضبط کیے گئے اور جو تقریباً ایک ہزار فولیس کیپ کے صفحات پر ہے اور تاہنوز طبع نہیں ہوئی اور حق یہ ہے کہ یہ علامہ عثمانی کے شاہکار میں سے ہے۔ اس تقریر کا حصہ تقدیر آپ کے چھوٹے بھائی نے طبع کرایا ہے۔ اس میں سے کچھ حصہ پیش کرتا ہوں۔ دراصل یہ تقریر ایک حدیث کی تشریح ہے حدیث یہ ہے۔

وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامنکم من احد الا وقد کتب مقعدہ من النار و مقعدہ من الجنۃ قالوا یا رسول اللہ افلا نتکل و ندع العمل قال اعملوا فکل میسر لما خلق لہ اما من کان من اهل السعادۃ فسیسر لعمل السعادۃ واما من کان من اهل الشقاوۃ فسیسر لعمل الشقاوۃ ثم قرأ فاما من اعطیٰ و اتقیٰ و صدق بالحسنیٰ الآیہ متفق علیہ.

حضرت علیؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کوئی نہیں مگر لکھا گیا ٹھکانا اس کا آگ میں یا ٹھکانہ اس کا بہشت میں۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم بھروسہ نہ کریں اور عمل نہ چھوڑ دیں۔ فرمایا تم عمل کرو کیونکہ ہر ایک آسان کیا گیا ہے اس چیز کے واسطے جس کے لئے پیدا کیا گیا لیکن جو شخص کہ ہوا نیک بخت تو اس کے لئے نیک بختی کا عمل آسان کیا جاتا ہے اور جو شخص کہ ہوا بدبختی والا تو آسان کیا جاتا ہے اس کے لئے عمل بدبختی کا پھر یہ آیت پڑھی جس نے دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور سچا جانا اچھی بات کو۔ الخ بخاری و مسلم۔

حضرت عثمانی اس حدیث کی تشریح اور مطلب کو حسب ذیل تقریر میں واضح فرما رہے ہیں: ۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ سب کچھ پہلے سے متعین اور فیصلہ شدہ ہے۔ اس پر صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ جب سب کچھ طے شدہ اور متعین و مشخص ہو چکا اور جو وہاں طے ہو چکا وہی واقع ہو کر رہے گا تو پھر عمل کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ علم الٰہی میں جو متعین اور طے شدہ ہے اس کے خلاف ہونا تو ممکن نہیں عمل کرو یا نہ کرو۔ کم کرو یا زیادہ اسی کے مطابق ہو کر رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب ارشاد فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ تم عمل کرتے رہو کیونکہ تم کو کیا خبر ہے کہ اللہ کے علم میں کیا چیز طے شدہ ہے لہٰذا تم اپنا کام کرتے چلے جاؤ فضول بحثوں میں مت پڑو اور تم ناگزیر کرو گے وہی جو علم الٰہی میں طے ہو چکا ہے پھر لسی بیکار بحثوں میں الجھنے سے کیا فائدہ۔

رہا یہ کہنا کہ کسی شخص کا جنتی یا جہنمی ہونا اور اسی طرح سعید و شقی ہونا جب پہلے لکھا جا چکا ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے تقدیر کا لکھا ہوا تو بہر حال پورا ہو کر رہے گا یہ قلت تدبر کی دلیل ہے کیونکہ تقدیر میں جہاں یہ لکھا ہے کہ فلاں شخص جنتی یا سعید ہوگا وہیں یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ وہ شخص فلاں فلاں عمل کر کے اس نتیجہ پر پہنچے گا لہٰذا وہ اعمال بھی مقدر ہوئے اور ان کا صدور بھی تقدیر کا ایک جزء ہی ہوا پھر اس کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے۔ پس یہ سوال کہ ہم عمل کیوں کریں یا عمل میں زیادہ جان کیوں ماریں اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہماری تقدیر میں جن اعمال کے ذریعہ جنت میں پہنچنا یا درجات عالیہ حاصل کرنا لکھا ہے ان کا صدور بھی ہم سے ضروری و لابدی ہے۔ جس طرح دنیا میں ایک مدت معینہ تک ہماری حیات جن کے اسباب کے ذریعہ مقدر ہے ان اسباب کی مباشرت بھی تقدیری طور پر ہمارے لئے ضروری ہے۔ تقدیر میں صرف نتائج و مسببات ہی نہیں ان کے اسباب و ذرائع اور مبادی بھی پہلے سے لکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ سوال بالکل بے موقع ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص کا جنتی یا جہنمی ہونا مقدر ہے وہ خواہ کتنی ہی بحث و تکرار کرے اس کی طبیعت آخر کار اسی طرف چلے گی اور وہی اعمال صالحہ یا اعمال کفریہ اس کے لئے آسان ہوتے چلے جائیں گے جو اس کے آخری نتیجہ تک پہنچنے کے وسائل و ذرائع ہیں اور ان اچھے برے اعمال کی تفریق و امتیاز جن اسباب پر مبنی ہے مثلاً انزال کتب و ارسال رسل وغیرہ ان سب کا وقوع پذیر ہونا بھی ناگزیر ہوگا۔ بہر حال جس طرح ایک شخص کا جنتی یا جہنمی ہونا مقدر ہے اس کے مناسب اعمال کا صدور بھی مقدر ہے اور اچھے برے اعمال کی تقسیم کے لئے کتابوں اور رسولوں کا آنا بھی مقدر ہے یہ سب چیزیں ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو کر رہیں گی۔ (مسئلہ تقدیر مطبوعہ صدیقی پریس کراچی ص ۲۵)

حدیث مذکورہ کی تشریح کے بعد علامہ عثمانی نے مسئلہ تقدیر کو اس نوعیت پر آگے تحریر فرما
ہے کہ آیا انسان اپنے افعال میں مختار ہے یا مجبور۔ اسی فیصلہ پر مسئلہ تقدیر کی تمام تر الجھنیں موقوف
ہیں۔ اگر انسان مجبور ہے تو پھر کفر اور اعمال بد پر سزا دینا خلاف عقل و انصاف ٹھہرتا ہے اور اگ
انسان نیکی و بدی کے کرنے میں مختار ہے تو پھر اعمال کفر و بد پر اس کے لئے سزا کا دیا جانا درست
اور انصاف ہوگا۔ اس اختیار و جبر کی وضاحت حضرت عثمانی حسب ذیل تقریر میں فرماتے ہیں۔

انسان مختار ہے یا مجبور

خیر یہ تو ایک سوال و جواب کی تقریر و تشریح تھی جو صحابہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
درمیان پیش آ چکا۔ اس کے بعد یہاں ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے یہ اعمال آ
ہمارے ارادہ اور اختیار میں ہیں یعنی ان کے صدور میں ہمارے اختیار و ارادہ کو کچھ دخل ہے یا ہ
بالکل مجبور محض اور مضطر ہیں۔ یہ سوال اس لئے ہو رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف ایک
ذرہ بھی نہیں ہل سکتا تو ہر شخص وہی عمل کر سکتا ہے اور کریگا جو علم الٰہی میں پہلے سے مقرر اور طے شد
ہے۔ تو پھر بظاہر عامل اپنے عمل میں مجبور و مضطر ہوا اور عامل کے اپنے ارادہ اور اختیار کو کوئی دخ
اس کے صدور میں نہ رہا۔ گویا بندوں کے سارے افعال اضطراری ہو گئے۔ لیکن فی الحقیقت یہ
بات غلط ہے کہ علم الٰہی کی وجہ سے عامل کا ارادہ و اختیار سلب ہو جاتا ہے۔ بیشک ہر چیز ٹھیک اُ
طرح وقوع پذیر ہوگی جو علم الٰہی میں ازل سے طے شدہ ہے ایک رتی برابر بھی اس سے تخلف نہیں
ہو سکتا مگر یہ علم الٰہی ازلی ہمارے ارادہ و اختیار کو پھر بھی سلب نہیں کرتا۔ بلکہ الٹا اس کو اور زیادہ پ
مستحکم کرتا ہے۔ کیونکہ علم الٰہی میں مثلاً ہمارے افعال اختیاریہ کے متعلق یہ طے شدہ ہے کہ فلا
شخص اپنے ارادہ و اختیار سے فلاں وقت میں فلاں عمل کرے گا۔ بناءً علیہ یہ ضروری اور لازم ہ
کہ وہ شخص اپنے ارادہ اور اختیار ہی سے وہ عمل انجام دے۔ ورنہ ایک چیز کا علم الٰہی کے خلا
واقع ہونا لازم آئے گا جو محال ہے۔ علاوہ بریں علم الٰہی میں کسی عمل کے مقرر و متعین ہونے کی وجہ
عامل کا مسلوب الارادہ والاختیار نہ ہونا ایک اور جہت سے بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ تھوڑی دیر
لئے افعال و اعمال عباد کے متعلق بحث کو ملتوی رکھئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ خود اللہ تعالیٰ کے جو
افعال و تصرفات ہر وقت اس کائنات میں مشاہد ہیں وہ سب اس کے علم قدیم محیط میں پہلے
ثابت ہیں یا نہیں اگر نہیں ہیں تو جہل لازم آتا ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ خود اللہ تعالیٰ جو کچھ افع

اس دنیا میں کرتے ہیں وہ سب علم قدیم میں پہلے ہی سے طے شدہ ہیں کیونکہ جہل ممتنع ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل اس کے علم ازلی محیط کے خلاف ہو سکتا ہے اگر نہیں ہو سکتا جیسا کہ ظاہر و مسلم ہے تو یہاں بھی وہی بحث آ گئی جو تم افعال عباد کے متعلق کر رہے تھے کہ جب علم قدیم سے خلاف نہیں ہو سکتا تو عامل اپنے عمل میں مجبور و مضطر ہوگا اس بنا پر تو یہ لازم آتا ہے کہ بندے تو رہے ایک طرف خود اللہ تعالیٰ بھی فاعل و مختار نہ ہو تم تو افعال عباد کی فکر میں تھے۔ یہاں خود افعال باری کا اضطراری ہونا لازم آ گیا۔ پس ثابت ہوا کہ کسی فعل کے ساتھ علم الٰہی کے متعلق ہونے سے فاعل کا مضطر اور مسلوب الارادہ ہونا لازم نہیں خواہ وہ فاعل اللہ تعالیٰ ہو یا بندے ہوں تو اصل بات وہی ہوئی جو میں کہہ چکا ہوں کہ علم ازلی قدیم عامل کے ارادہ و اختیار کی نفی نہیں کرتا۔ اسے ایک ناتمام سی مثال سے سمجھئے۔ آپ جانتے ہیں کہ ریل گاڑیوں کی آمد و رفت تا بحد امکان طے شدہ ٹائم ٹیبل کے بالکل موافق و مطابق ہوتی ہے لیکن کیا اس ٹائم ٹیبل کو ریل کے چلنے اور اس کی حرکت میں ذرا بھی دخل ہے ظاہر ہے۔ کہ کچھ بھی دخل نہیں۔ تو بطور تقریب الی الفہم کے علم الٰہی کو بطور اس ٹائم ٹیبل کے سمجھئے۔ فرق یہ ہے کہ ٹائم ٹیبل بنانے والوں کا علم چونکہ محیط و کامل نہیں وہ لوگ محض اپنے قواعد و اصول کی بنا پر طے کر لیتے ہیں کہ فلاں سٹیشن پر گاڑی فلاں وقت پہنچے گی ان کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ کسی دن لائن درمیان میں ٹوٹ جائے گی یا انجن خراب ہو جائے گا یا اور کوئی حادثہ پیش آئے گا۔ اس لئے گاڑی لیٹ ہو جائے گی۔ اس قسم کے عوارض و موانع جزئیہ کا علم محیط ان کو نہیں ہو سکتا۔ لہذا کبھی کبھی ان عوارض و حوادث کی بنا پر ان کے طے کئے ہوئے ٹائم ٹیبل سے تخلف ہونا ناگزیر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ تمام جزئیات پر بوجہ جمیع تفاصیلہا محیط ہے لہذا ذرہ برابر بھی اس کے علم سے تخلف نہیں ہو سکتا۔ فرض کرو کہ ٹائم ٹیبل بنانے والوں کو بھی اگر ایسا ہی علم محیط حاصل ہوتا تو تخلف ہرگز نہ ہوتا۔ بہر حال یہاں تشبیہ دیتے وقت تخلف و عدم تخلف کی بحث نہیں بلکہ تشبیہ صرف اتنی بات میں ہے کہ انجن کی حرکت اور سٹیم کے فعل میں اس ٹائم ٹیبل کو کوئی دخل نہیں۔ انجن اسٹیم کی طاقت اور اپنی حرکت سے ڈرائیور کے ارادے کے موافق چلتا ہے ٹائم ٹیبل کا اس حرکت کرنے میں کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم قدیم عامل کی قدرت و اختیار کو سلب نہیں کرتا بلکہ علم تو محیط کے تابع ہوتا ہے کیونکہ علم اس معلوم کے صحیح انکشاف ہی کا نام ہے معلوم کے واقع ہونے میں علم کا کوئی دخل نہیں۔" (مسئلہ تقدیر از علامہ رحمانی صفحہ ۹۷،۹۸)

مذکورہ تقریر مسئلہ تقدیر کے ایک بسیط مقالہ کا جز ہے جس کو میں نے محض اس لئے پیش کیا ہے

تاکہ آپ اندازہ لگائیں کہ مولانا عثمانی کی ذکاوت اور کسی مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے اور اس کی بال کی کھال نکال کر رکھ دینے میں کہاں تک عمل اور قدرت رکھتی ہے تقدیر کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں لیکن علامہ نے فہمیدہ اہل علم طبقہ کے سامنے جس قدر تقدیر کا خاکہ پیش کیا ہے وہ سمجھنے کے لئے کافی ہے اور ذرا سی بھی عقل رکھنے والوں کے لئے تقدیر کی گنجلک وادیوں اور پیچ و خم گھاٹیوں سے نکلنا آسان ہو جاتا ہے۔ الحق یہ کام علامہ عثمانی ہی کے قدرت نے سپرد کیا تھا۔ اسی لئے مولانا سعید احمد فاضل دیوبند و ایم اے نے ٹھیک کہا ہے کہ مولانا عثمانی ناموس شریعت تھے۔ میں اس کے بجا طور پر اپنے ان مقالوں سے اس کی تشریح اور تائید کر رہا ہوں۔

معراج جسمانی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک بہت بڑا واقعہ معراج ہے۔ مسلمانان عالم کا اکثر حصہ آنحضور کی جسمانی معراج کا قائل ہے۔ تقریباً تمام جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم معراج جسمانی کے قائل ہیں لیکن مسلمانوں ہی میں بعض جماعتوں کے افراد معراج جسمانی کے قائل نہیں۔ ان کا اور غیر مسلم اقوام کا یہ کہنا کہ معراج جسمانی کا ہونا اور کرۂ ناریہ کرۂ زمہریر میں سے انسان جسم کا گزرنا محالات میں سے ہے لیکن صوفیا علمائے ربانی جمہور اہل سنت والجماعت معراج جسمانی کے قائل ہیں۔ میرے نزدیک اگر آدم علیہ السلام آسمانی مذہب رکھنے والوں کے اتفاق کے ساتھ آسمان سے دنیا کی طرف اتارے گئے اور وہ ان تمام کرات میں سے گزرتے ہوئے دنیا میں پہنچے تو اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان کی طرف عروج کر سکتے ہیں۔ بہرحال علامہ عثمانی نے نقلی دلائل کے علاوہ جو احادیث سے ثابت ہیں اور قرآن کریم میں بھی اس کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے جو عقلی دلائل پیش کئے ہیں وہ معترضین کے اعتراضات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کافی ہیں۔ میں سبحن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً کی آیت کی تفسیر میں سے علامہ عثمانی کی دلائل کا عقلی حصہ پیش کرتا ہوں جو ان کے کلامی مسائل کا ایک اہم مسئلہ ہے لکھتے ہیں:۔

"کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں اتنی لمبی مسافت زمین و آسمان کی کیسے طے کی ہوگی یا کرۂ زمہریر میں سے کیسے گزرے ہوں گے یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اس شان سے تشریف لے جانا جو روایات میں مذکور ہے کیسے قابل تسلیم ہوگا۔ لیکن آج تک کوئی دلیل اس کی نہیں پیش کی گئی کہ آسمان واقع میں کوئی شے موجود نہیں اگر ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نیلگوں چیز جو

ہم کو نظر آتی ہے فی الحقیقت آسمان نہیں ہے تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس نیلگونی رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہو سکتا۔ رہا ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کرنا تو تمام حکماء تسلیم کرتے ہیں کہ سرعت حرکت کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ اب سے سو برس پیشتر تو کسی کو یہ بھی یقین نہیں آ سکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موٹر تیار ہو جائے گی یا دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز کر سکیں گے۔ سٹیم اور قوت کہربائیہ کے یہ کرشمے کس نے دیکھے تھے کرۂ نار تو آج کل ایک لفظ بے معنی ہے ہاں اوپر جا کر ہوا کی سخت برودت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیئے گئے ہیں جو اڑنے والوں کی زمہریر سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا۔ خالق کی بلاواسطہ پیدا کی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ ہو جاتی ہے زمین یا سورج چوبیس گھنٹے میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں روشنی کی شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے اور اس سرعت سیر و سفر میں پہاڑ بھی سامنے آ جائے تو پرکاہ کی برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں کیا وہ قادر مطلق اپنے حبیب صلعم کے براق میں ایسی برق رفتاری کی کلیں اور حفاظت و آسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا جن سے حضور بڑی راحت و تکریم کے ساتھ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہو سکیں۔ شاید اسی لئے واقعہ اسراء کا بیان سبحان الذی اسریٰ سے شروع فرمایا تا کہ لوگ جو کوتاہ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم و تخمین کی چہار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں کچھ اپنی گستاخیوں اور عقلی ترکتازیوں پر شرمائیں۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن　　کہ جاہا سپر باید انداختن

(تفسیر عثمانی بحاشیہ قرآن مجید مطبوعہ مدینہ پریس بجنور پارہ نمبر ۱۵ بنی اسرائیل رکوع نمبر ۱)

یہ ہے حضرت عثمانی کی تفسیر کا وہ عقلی دلائل کا حصہ جو منکرین معراج جسمانی کے مقابلہ اور تردید کے لئے مشعل راہ ہے اور فلسفہ کی دنیا میں رہ کر سوچنے والوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ پیش کرتا ہے مذکورہ مختصر مگر پر مغز اشارات اور تصریحات کے بعد معراج جسمانی میں شبہ کی بظاہر گنجائش نہیں رہتی اور چونکہ سپیڈ (رفتار) کی کوئی حد نہیں ہے بلکہ روز بروز سائنس کے تجربات سرعت رفتار کی نئی نئی کلیں دریافت کر رہے ہیں جن سے براق کی سپیڈ کا اندازہ ہو سکنا آسان ہو جائے گا۔

بلکہ اب تو ماہرین کی ایک جماعت ایسے ہوائی جہاز تیار کر رہی ہے جو چاند تک جلد سفر طے کر سکیں۔ اب اندازہ لگائیے کہ چاند ہماری زمین سے کتنا اونچا اور دور ہے تو آئے وقت اخبار

مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۵۳ء کے شمارہ میں حسب ذیل نوٹ ملاحظہ فرمائیے۔

پرواز کا نیا ریکارڈ

کراچی ۲۸ جنوری برطانیہ کے کینبرا جٹ بمبار طیارے نے آج لندن سے کراچی تک کا ۳۹۲۱ (تین ہزار نو سو اکیس) میل کا فاصلہ آٹھ گھنٹے اور ترپن (۵۳) منٹ میں طے کر کے پرواز کا نیا ریکارڈ قائم کر دیا۔ اس سے پہلے برطانوی فضائیہ کے ایک سکواڈرن لیڈر نے یہ فاصلہ پندرہ گھنٹے اٹھارہ منٹ اور چھتیس سیکنڈ میں طے کیا تھا۔ یہ جٹ طیارہ لندن سے ڈارون تک ۸۶۰۸ میل کا فاصلہ کم سے کم وقت میں طے کرنے کا ریکارڈ قائم کرنے کی غرض سے پرواز کر رہا ہے۔ کراچی میں ایک گھنٹہ ٹھہرنے کے بعد طیارہ کل رات سوا گیارہ بجے پرواز کر گیا (اے پ) نوائے وقت مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۵۳ء)

اس رفتار کے ریکارڈ سے معلوم ہوا کہ رفتار کی سرعت نے ۲۸ جنوری ۱۹۵۳ء تک ۳۹۲۱ میل فی گھنٹہ تک ترقی حاصل کر لی ہے۔

نوائے وقت مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۵۳ء میں ایک راکٹ کا ذکر کیا گیا ہے جو چالیس گھنٹے میں چاند تک پہنچ سکے۔ لکھتا ہے:۔

"نیویارک ۲۴ جنوری امریکی بحریہ کے چار ایسے راکٹوں کا آرڈر دیا گیا ہے جن کی رفتار اس قدر زیادہ ہے کہ اگر ان میں کافی ایندھن کا ذخیرہ ہو تو وہ چالیس گھنٹے میں چاند تک پہنچ سکتے ہیں۔ مارٹن وائکنگ نامی یہ راکٹ ۵۸۰۰ (پانچ ہزار آٹھ سو) میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کر سکتے ہیں اور زمین کی سطح سے دو سو میل اوپر پرواز کرنے کے قابل ہیں۔ بحریہ کے سائنسدان ان کی مدد سے ماحول کی بیرونی سطح کے متعلق تحقیقات کریں گے۔ اس تحقیقات میں اب تک چھ سال صرف کئے جا چکے ہیں"۔ (شار)

مذکورہ تحقیقات اور معلومات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عثمانی کی اس تفسیر کے لکھنے کے بعد سرعت رفتار میں بہت کچھ ترقی ہو چکی ہے۔ لہٰذا اگر چالیس گھنٹے میں دنیاوی طیارے چاند تک پہنچ سکتے ہیں تو خدائے قدیر کی برق کی بنائی ہوئی سواری اگر چشم زدن میں پہنچ جائے اور دم زدن میں ہی واپس پہنچا دے تو کیا تعجب اور امر محال لازم آ جاتا ہے۔

ختم نبوت مولانا عثمانی کی نظر میں

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ کے کلامی مسائل کا کچھ حصہ جن میں چند مسائل پر مختلف الخیال

جماعتوں کے غلط عقائد پر نقد و نظر ہے اور اسلامی صحیح نظریات کو عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے بطور نمونہ ہم نے پیش کیا ہے جو ان کے علم کلام اور ان کی مجتہدانہ قوتوں کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔ آخر میں چل کر میں ان کی بعض ایسی کلامی تحقیقات اور خیالات کو پیش کر کے اپنے اس مقالہ کو ختم کرنا بہترین تفاول اور برکت یقین کرتا ہوں جن میں علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ثابت فرمایا ہے اور یہ کہ نبوت ختم ہو چکی اور آپ کے بعد اب اور کسی قسم کا کوئی نبی قیامت تک نہیں آئے گا۔ چنانچہ علامہ عثمانی **ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین** (نہیں ہے محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں پر مہر ہیں) کی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

”آپ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی بس جن کو ملنی تھی مل چکی اسی لئے آپ کی نبوت کا دور سب نبیوں کے بعد رکھا گیا جو قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی آخیر زمانہ میں بحیثیت آپ کے ایک امتی کے آئیں گے۔ خود ان کی نبوت اور رسالت کا عمل اس وقت جاری نہ ہوگا جیسے آج تمام انبیاء اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں مگر شش جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ کا جاری و ساری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام زمین پر زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میرے اتباع کے چارہ نہ تھا۔ بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیائے سابقین اپنے اپنے عہد میں بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اس وقت دکھائی نہیں دیتا اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے۔ ختم نبوت کے متعلق قرآن و حدیث اور اجماع وغیرہ سے سینکڑوں دلائل جمع کر کے بعض علمائے عصر نے مستقل کتابیں لکھی ہیں مطالعہ کے بعد ذرا تردد نہیں رہتا کہ اس عقیدہ کا منکر قطعاً کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے“۔ (قرآن مجید مطبوعہ بجنور تفسیر عثمانی پارہ نمبر ۲۲ رکوع نمبر ۲ سورۃ احزاب)

عقیدۂ ختم نبوت کو عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے عقلی دلیل سے بھی خوب ثابت فرمادیا ہے۔ یعنی جس طرح آفتاب کی روشنی تمام روشنیوں کا مرکز اور خاتمہ ہے اور رات کو ستارے اور چاند اگرچہ سورج غائب ہوتا ہے اسی کے نور سے روشن رہتے ہیں اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی

آفتاب نبوت ہیں اور تمام انبیاء چاند اور ستاروں کی مانند ہیں۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر شریعت محمدیہ کو ترجیح دیں گے۔

حضرت علامہ عثمانی مسلم کی شرح فتح الملہم میں امام مسلم کے خطبہ کتاب کے لفظ خاتم النبیین کی شرح میں حسب ذیل تحقیقات ختم نبوت کے بارے میں پیش فرماتے ہیں جو اپنی جگہ نصوص اور آخری ہیں لکھتے ہیں:۔

خاتم النبیین الخ بفتح التاء وكسرها اى هو آخر هم فلانبى بعده' و انما قال خاتم النبيين ولم يقل المرسلين و ان كان خاتماً لهم ايضاً لما علم ان النبوة اعم من الرسالة باعتبار البشر و نفى الاعم يستلزم نفى الاخص فلزم من كونه خاتم النبيين بمعنى لا نبى بعده انه خاتم المرسلين ايضا اى لا رسول بعده بخلاف العكس فلو ذكر المرسلين مع النبيين لكان حشواً

خاتم النبیین "ت" کے زبر اور زیر کے ساتھ یعنی آنحضرت علیہ السلام انبیاء میں آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور (امام مسلم نے) خاتم المرسلین نہیں کہا بلکہ خاتم النبیین کہا ہے اگرچہ آنحضرت صلعم رسولوں کے بھی خاتم ہیں تو یہ اس لئے کہ نبوت رسالت سے باعتبار بشر عام ہے اور عام کی نفی سے خاص کی نفی لازمی طور پر ہو جاتی ہے اس لئے آنحضرتؐ کے خاتم النبیین ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور یہ کہ آپ خاتم المرسلین بھی ہیں اور آپ کے بعد کوئی رسول نہیں۔ اس کے برعکس خاتم الرسول کی نفی سے خاتم النبیین کی نفی نہیں ہوتی۔ البتہ خاتم النبیین کے ساتھ خاتم المرسلین کہنا فضول ہے۔

قال الشيخ الانور فى اكفار الملحدين و هذا (اى ختم النبوة بخاتم الانبياء وانقطاعها بعده) مماشهد به نبينا صلى الله عليه وسلم وشهد به الاموات ايضاً كزيدبن خارجة الذى تكلم بعد الموت فقال محمد رسول الله النبى الامى خاتم النبيين لانبى بعده كان ذالک فى الكتب الاول ثم قال صدق صدق فكره بهذااللفظ فى المواهب وغيرها اهج

حضرت مولانا انور شاہ صاحب نے اکفار الملحدین میں لکھا ہے کہ یہ (یعنی خاتم الانبیاء پر نبوت کا خاتمہ اور انقطاع) ایسے امور سے ہے کہ جس کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شہادت دی ہے اور مردوں میں سے زید بن خارجہ نے بھی موت کے بعد کلام کر کے گواہی دی اور

کہا کہ محمد اللہ کے رسول نبی امی خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور یہ عقیدہ پہلی آسمانی کتاب میں بھی موجود ہے پھر انہوں نے کہا صدق صدق اسی لفظ کے ساتھ مواہب وغیرہ نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

و قد ذكرت فى المقدمة ان احاديث ختم النبوة قد جمع بعض فضلاء عصر فالبلغت ازيد من مائة و خمسين منها نحوللاثين من الصحاح الستة و اجمع عليه الامة المرحومة و كفروا من جحده وصرح به صاحب الفتوحات الذى يتبة يحاول التجهت بازياله بعض الدجالين فى بقاء النبوة بعد خاتم الانبياء صلى الله عليه وسلم و هذا نصه "كمن يوحىٰ اليه فى المبشرات و هى جزء من اجزاء النبوة و ان لم يكن صاحب المبشرة نبياً فتفطن لعموم رحمة الله فما تطلق النبوة الامن اتصف بالمجموع فذالک النبى و تلک النبوة حجرت علينا وانقطعت فان من جملتها التشريع بالوحى الملكى فى التشريع و ذالک لا يكون الالنبى خاصة

اور میں نے مقدمہ فتح الملہم میں ذکر کیا ہے جو کہ ختم نبوت کی حدیثوں کو بعض ہمارے فضلائے زمانہ نے جمع کیا ہے جو ڈیڑھ سو سے زیادہ کو پہنچتی ہیں۔ ان میں سے تقریباً تیس حدیثیں صحاح ستہ کی ہیں اور امت مرحومہ نے اس امر پر اتفاق کر لیا ہے اور جس نے ختم نبوت کا انکار کیا اسے کافر کہا ہے اور صاحب فتوحات نے تو ختم نبوت کی تصریح کر دی ہے جس سے بعض جھوٹوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کو باقی اور جاری رکھنے کی دلیل پکڑی ہے اور ان (صاحب فتوحات) کا یہ فیصلہ ہے "جس طرح وہ شخص کہ اس کو مبشرات دی جائیں جو کہ اجزائے نبوت کا ایک جز ہے۔ اگرچہ صاحب مبشرہ نبی نہ ہو پس اللہ کی عام رحمت کے ذریعہ سمجھو کہ نبوت کا بولا جانا اسی شخص کے لئے ہوتا ہے جو تمام شرائط نبوت سے متصف ہو پس اسی کو نبی کہا جائے گا اور اس قسم کی نبوت جو تمام شرائط کے ساتھ ہو ہم پر بند کر دی گئی ہے اور ختم کر دی گئی ہے کیونکہ نبوت کی شرطوں میں سے شریعت کے متعلق فرشتہ کا وحی لانا ہے جو صرف نبی کرتے ہے۔

فتوحات ص ۵۶۸، ۳) وقال فى موضع اخر فاخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرؤيا جزء من اجزاء النبوة فقد بقى للناس فى

النبوۃ هذا وغیرہ و مع هذالایطلق اسم النبوۃ ولاالنبی الاعلی المشرع خاصة فحجرهذاالاسم لخصوص وصف معین فی النبوۃ (فتوحات صف ۳۹۵، ۲) قال العلامة الشهید فی الطبقات "والاتصاف بکمالات النبوۃ لایستلزم النبوۃ و فی موضع اخر من الفتوحات فما بقی للاولیاء الیوم بعد ارتفاع النبوۃ الاالتعریفات وانسدت ابواب الاوامر الالٰهیة والنواهی فمن ادعاها بعد محمد صلی الله علیه وسلم فهو مدع شریعة اوحی بها الیه سواء وافق بهاشرعنا او خالف (فتوحات صف ۵۱، ۳) و فی الباب الحادی والعشرین من الفتوحات من قال ان الله تعالیٰ امرہ بشیء فلیس ذالک لصحیح انما ذالک تلبیس لان الامر من قسم الکلام وصفته وذالک باب مسدود دون الناس (الیواقیت صف ۳۴) (فتح الملہم شرح مسلم صف ۱۱۱ جلد اول)

(فتوحات ص ۵۶۸، ۳) اور ایک اور جگہ پر صاحب فتوحات نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبری دی ہے کہ، خواب اجزائے نبوت میں سے ایک جزء ہے صرف نبوت کے اجزا میں سے ایک جز لوگوں کے لئے رہ گیا ہے لیکن اس کے باوجود نبوت اور نبی کا لفظ سوائے صاحب شریعت اور کسی پر نہیں بولا جاسکتا۔ یہ نبوت کا نام (کسی کے لئے) بوجہ نبوت میں مقررہ وصف کے بند کردیا گیا۔ (فتوحات صف ۳۹۵، ۲) علامہ شہید نے طبقات میں لکھا ہے "کمالات نبوت کے پائے جانے کے باوجود نبوت کا (اس شخص میں) پایا جانا ضروری نہیں اور فتوحات کی اور ایک جگہ میں ہے کہ اب نبوت کے ختم ہوجانے کے بعد اولیاء کے لئے تعریفات کے سوائے کچھ باقی نہیں رہا اور اوامر خداوندی اور نواہی کے دروازے بند ہوگئے ہیں پس جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تو اس نے ایسی شریعت کا دعویٰ کیا جو اس کی طرف وحی کی گئی خواہ ہماری شریعت کے موافق ہو یا مخالف (فتوحات صف ۵۱، ۳) اور فتوحات کے اکیسویں باب میں ہے"۔ جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی بات کا حکم دیا ہے تو یہ (ہرگز) صحیح نہیں ہے۔ یہ دھوکا ہے کیونکہ حکم کلام کی قسم میں سے ہے اور کلام کی صفت ہے اور یہ اور تمام لوگوں پر دروازہ بند کردیا گیا ہے۔ (الیواقیت صف ۳۴، ۲)

یہ ہیں وہ تحقیقات جن میں مسئلہ ختم نبوت کا محکم فیصلہ علامہ عثمانی نے ائمہ وعلمائے امت کے

فیصلوں کے مطابق پیش کیا ہے جن کی روشنی میں ان باطل فرقوں کا دجل وفریب بے نقاب ہو کر رہ جاتا ہے جو کسی قسم کے نبی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنا جائز سمجھتے ہیں اور ایسے لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا جو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا سمجھتے ہیں صاحب فتوحات کے اقوال بھی علامہ عثمانی نے پیش کیے ہیں جن میں ختم نبوت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے جن کے قول سے بعض مدعی نبوت استدلال پیش کرتے ہیں۔ اسی ختم نبوت پر میں قاسم ثانی علامہ عثمانی کے کلامی حصہ کو ختم کرتا ہوں۔

علامہ عثمانی اور علم منطق وفلسفہ

حضرت عثمانی کے اسلامی وشرعی علوم یعنی تفسیر، حدیث، فقہ اور علم کلام پر گزشتہ اوراق میں سیر حاصل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ بالخصوص علم تفسیر پر نقد ونظر کے ضمن میں علم تفسیر سے متعلق علوم پر بھی علامہ کا اجمالی تذکرہ آ چکا ہے لیکن معقولات یعنی منطق وفلسفہ پر جو کہ اس نادر روزگار کا طالب علمی اور فراغت علوم کے بعد مایۂ ناز شغل رہا ہے تاہنوز کوئی تفصیلی تبصرہ نہیں ہو سکا۔

علم حدیث کے ضمن میں آپ کی نظر سے یہ حقیقت گزری ہوگی کہ حضرت عثمانی اپنے طالب علمی کے زمانہ میں ہی ذکاوت ولیاقت کی شہرت حاصل کر چکے تھے اور دیگر ہم جماعت طلبہ کو منطق وغیرہ کی کتابوں کا درس دینے لگے تھے جس کو عربی طلبہ کی اصطلاح میں تکرار کہتے ہیں ان کو منطق و فلسفہ سے اس قدر شغف ہو چلا تھا کہ آپ کے مربی برادر بزرگ فخر الہند مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کو یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ مولانا شبیر احمد صاحب محض عقلی علوم کے ہو کر ہی نہ رہ جائیں چنانچہ آپ نے ان کی توجہ علوم شرعیہ یعنی تفسیر حدیث وغیرہ کی طرف منعطف کرنے پر پوری کوشش کی جس کے ثمرات اور نتائج نہایت مبارک اور شاندار ثابت ہوئے چنانچہ آپ نے دیکھا کہ علامہ عثمانی نے تفسیر میں مفسر اعظم حدیث میں محدث پاکباز علم کلام میں قاسم ثانی اور فقہ میں فقیہ دانش مند کے عظیم ترین القاب حاصل کیے۔

علم منطق اور فلسفہ سے بھی انہوں نے علوم شرعیہ کی زبردست خدمات انجام دیں اور یہی سبب تھا کہ وہ مسائل شرعیہ کو عقل وحکمت کے ذریعہ بہترین پیرائے میں ثابت کرنے میں اعلیٰ مقام پر پہنچے وہ اسلامی احکام کو فلسفہ یونان اور جدید سائنس کے ساتھ مطابقت دینے میں دنیائے اسلام میں اپنا ممتاز مقام رکھتے تھے۔ میری نگاہوں نے یہ دیکھا ہے کہ عصر کی نماز کے بعد جب

علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مدرس دارالعلوم اور مولانا عبدالسمیع صاحب مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند تینوں حضرات مطبخ قاسمی دیوبند میں مولانا عماد الدین صاحب انصاری شیرکوٹی کے پاس آتے اور سیر کرنے کی غرض سے مجتمع ہو کر جاتے تو اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ مطبخ میں ہی سیر کی بجائے چائے کا دور چلتا اور مغرب کی نماز چھتہ کی مسجد میں پڑھ کر جاتے اور مولانا عبدالسمیع صاحب مرحوم منطق کی کتاب میر زاہد کھول کر بیٹھ جاتے اور علامہ سے مشکل مسائل حل کرتے اور علامہ موصوف منطق کے مشکل اور دقیق مسائل پر تقریر فرماتے جاتے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ علامہ نے منطق و فلسفہ کے مطالعہ کو چھوڑ کر محض حدیث و قرآن کے ساتھ اپنا سلسلہ حیات قائم کر لیا تھا۔ بہرحال آں موصوف علما کے حلقہ میں منطق و فلسفہ میں مسلم اور مشہور حیثیت رکھتے تھے جیسا کہ حسب ذیل روایات سے واضح ہے۔

مولانا عبدالوہاب بہاری منطقی اور علامہ شبیر احمد عثمانی

مولانا عمادالدین صاحب شیرکوٹی اپنے ایک مکتوب میں جو میرے نام تحریر فرمایا ہے۔ علامہ عثمانی کے زمانہ طالب علمی کے واقعات میں لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ مولانا عبدالوہاب صاحب بہاری مشہور منطقی دارالعلوم دیوبند تشریف لائے وہ منطق و فلسفہ میں کسی کو اپنا ثانی نہ سمجھتے تھے۔ دیوبند کے طلبہ پر ان کا اثر جم رہا تھا۔ مولانا شبیر احمد صاحب کو بھی مولانا بہاری کے کچھ دوست لے کر گئے۔ ان سے بہاری صاحب کی لن ترانیاں دیکھی نہ گئیں اور ایک مشہور مسئلہ یعنی "بعدیت" ذاتی اور "بعدیت زمانی" میں سرگرم بحثا بحثی ہونے لگی۔ مولانا عثمانی کے دلائل نے بہاری طلبہ اور مولانا عبدالوہاب کو یہ ثابت کر دیا کہ۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

جب مولانا بہاری سے کچھ بن نہ آیا تو یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ آپ اس مسئلہ کو پھر سوچیں۔

فلسفۂ عثمانی اور مولانا سراج احمد صاحب

نائب ناظم جمعیۃ الانصار دیوبند

مولانا سراج احمد صاحب مرحوم جو دارالعلوم دیوبند کے اعلیٰ مدرسوں میں اور جمعیۃ الانصار کے نائب ناظم تھے جمعیۃ الانصار کے دوسرے عظیم الشان جلسہ کے متعلق جو میرٹھ میں ۶، ۷ اپریل ۱۹۱۱ء مطابق ۷؍

۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ کو منعقد ہوا مولانا شبیر احمد صاحب کی فلسفیانہ تقریر اور تحریر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"جناب مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنی وہ تقریر شروع کی جس کا عنوان "الدار الآخرۃ" تھا۔ عنوان بتلا رہا ہے کہ مضمون کیسا کچھ دقیق ہوگا۔ ادھر مولانا کی طرز تقریر و تحریر فلسفیانہ مشکل تھا کہ عوام اس مضمون سے متمتع ہوتے مگر جہاں مولانا کی تقریر فلسفیانہ ہے وہاں خداوند تعالیٰ کے فضل سے طرز ادا بھی ایسی عام فہم ہے کہ اس کی نظیر دوسری جگہ مشکل سے مل سکتی ہے"۔ (القاسم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ صفحہ ۳۹)

مولانا سراج احمد صاحب کی تحریر سے علامہ عثمانی کی تحریر و تقریر کے فلسفیانہ پہلو پر ایک گونہ روشنی پڑتی ہے۔

مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے علامہ کی فلسفیت پر ریمارکس

موتمر الانصار کے پہلے جلسہ کی رپورٹ میں جو مراد آباد منعقد ہوا تھا۔ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی علامہ عثمانی کی ایک تقریر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"چوتھا اجلاس بھی خیر و خوبی کے ساتھ ساڑھے پانچ بجے ختم ہوا۔ بعد نماز عصر مولانا شبیر احمد صاحب کا وعظ ہوا جو وجود واجب الوجود (باری تعالیٰ) اور خلق افعال وغیرہ کی بحث سے متعلق بالکل فلسفیانہ رنگ میں ہوا اور جو مخصوص اہل علم کے واسطے تھا اور انہوں نے نہایت دلچسپی کے ساتھ اس کو سنا"۔ (روئداد موتمر الانصار مراد آباد صفحہ ۱۳۲)

مولانا سندھی کی مذکورہ تحریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانی نے ۱۶ اپریل ۱۹۱۱ء کے آخری اجلاس کی نماز عصر کے بعد صرف اہل علم کی مجلس میں فلسفیانہ تقریر کی تھی اور جس سے عوام استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ مسئلہ بھی ذات باری تعالیٰ کے وجود اور خلق افعال پر فلسفیانہ اور متکلمانہ مضمون تھا جس سے موصوف کا اعلیٰ درجہ کا فلسفی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

عبدالقادر صاحب نائب مینیجر آرمی پریس شملہ اور عثمانی کا فلسفہ

مولانا مظہر الدین صاحب شہید شیر کوٹی کی کوششوں سے جمعیۃ الانصار کے ماتحت شملہ میں اگست ۱۹۱۳ء میں جلسہ منعقد ہوا۔ علامہ عثمانی بھی تشریف لے گئے تھے آپ نے جو وہاں تقریر فرمائی اس کی رپورٹ عبدالقادر صاحب نائب شملوی رکن جلسہ نے دیوبند بھیجی جو القاسم ماہ شعبان ۱۳۳۱ھ کے رسالہ میں چھپی ہے لکھتے ہیں:۔

"۳۰ اگست کے جلسہ میں پہلے مولانا عبدالسمیع صاحب نے وعظ فرمایا اور بعد کو مولانا شبیر

احمد صاحب عثمانی نے حدوث عالم پر اپنی مدلل تقریر شروع کی اگرچہ مضمون فلسفی اور نہایت خشک تھا مگر آپ کی صاف بیانی نے مجمع پر وہ جادو کیا کہ سب محو حیرت تھے۔ زور کلام سے سامعین نقش تصویر کی طرح خاموش تھے کہیں کہیں آپ کی تمثیلیں اس غضب کی تھیں کہ لوگ پھڑک اٹھتے تھے۔ الحمد للہ کہ یہ جلسہ بخیر و خوبی ختم ہو گیا لیکن سامعین کا شوق پورا نہ ہوا۔ چنانچہ نو تعلیم یافتہ گروہ کی طرف سے یہ درخواست کی گئی کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ایک تقریر ہمارے تنزل اور ترقی کے اسباب پر آج مغرب کے بعد فرمائیں"۔ (الامام شعبان ۱۳۳۱ھ صفحہ ۲)

مذکورہ تحریر سے حضرت عثمانی کی "عالم کے حادث" ہونے پر خالص فلسفیانہ تقریر کا ہونا معلوم ہوتا ہے ان مذکورہ تاریخی حالات اور علاوہ نیز دیگر اہل علم کی آراء و افکار کی روشنی میں علامہ کا فلسفہ میں بلند پایہ ہونا مسلم امور میں سے واضح ہو جاتا ہے۔

اس مقام پر واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ جب ہم علامہ عثمانی کا ایک بہترین فلسفی ہونا بیان کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلامی اور یونانی دونوں فلسفوں کے ماہر ہیں نیز موجودہ سائنس کے ان مشہور افکار و نظریات سے بھی عہدہ برآ ہونے کا کمال رکھتے ہیں جو اسلامی فلسفہ سے پوری ہم آہنگی اور مناسبت رکھتی ہے وہ موجودہ سائنس کے ان خیالات کا مقابلہ کرنے کی بھی پوری مہارت اور لیاقت رکھتے ہیں جن کو یورپ نے اسلامی نظریات کے مقابلہ میں مخالفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سائنس کے اس دور میں مذہب کو فلسفہ زدہ ذہنوں سے سخت تصادم کرنا پڑ رہا ہے اور ایسے حالات درپیش ہیں کہ غیر مسلم قومیں تو درکنار آج مسلمان قوم کے افراد بھی جنہوں نے موجودہ دور کی رواجی تعلیم سے کچھ حصہ حاصل کیا ہے خود مذہب اسلام جیسے فطری مذہب کے بارے میں عجیب خیالات رکھتے ہیں مشکل یہ ہے کہ وہ اپنی علمی کم مائیگی کا فیصلہ کرنے کی بجائے مذہب پر اپنی بے عقلی کی آزمائش کرتے ہیں اور سائنس کے ذریعہ مذہب کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ ایسے ہی فلسفہ زدہ انسانوں کی تسلی کے لئے علامہ خاص دماغ رکھتے ہیں اور دیگر باطل مذاہب کے ان اصولوں کی بھی تردید پر ید طولیٰ رکھتے ہیں جو گمراہی کے جنگل میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ عثمانی کے مشہور مقالہ "اسلام" سے جو انہوں نے موتمر الانصار مراد آباد کے لئے لکھا تھا روح اور مادہ کے قدیم ہونے کی تردید میں فلسفیانہ بحث کی ہے پیش کرتے ہیں لیکن اس مضمون کے انتخاب پیش کرنے سے پہلے یہ تعارف ضروری ہوگا کہ۔

تعارف روح و مادہ

مادہ سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس سے کوئی چیز بنتی ہے مثلاً کرسی لکڑی سے بنتی ہے لہذا لکڑی

اس کا مادہ ہے اسی طرح انسان کی پیدائش جس چیز سے ہوئی وہ اس کا مادہ ہے اور جس سے انسان یا حیوانات کے جسم حرکت کرتے ہیں وہ روح ہے۔

اسلام کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کو قادر مطلق مانتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ وہ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا نہ اس کی ابتدا ہے اور نہ اس کی انتہا ہے اور ایسی ہستی کو قدیم یا واجب الوجود کہتے ہیں لیکن جو چیز پہلے موجود نہ ہو اور پھر پیدا ہوئی یا پہلے اس کا وجود نہ تھا بعد میں ہوا اور پھر وہ نیست و نابود ہو جائیگی ایسی چیز کو حادث کہتے ہیں لہٰذا اسلامی فلسفہ میں خداوند تعالیٰ کے سوائے تمام دنیا حادث ہے کہ پہلے نہ تھی اور پھر فنا ہو جائیگی اس نظریہ کے مطابق روح اور مادہ بھی دونوں حادث ہیں قدیم نہیں ہیں لیکن دنیا میں ایسے فلسفی بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ روح اور مادہ بھی قدیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کائنات کے پیدا کرنے میں روح اور مادہ کا محتاج ہے لیکن اسلام کا فلسفہ یہ ہے کہ خداوند قادر و توانا نہ روح کا محتاج ہے اور نہ مادے کا۔ جب اس کا حکم ہوتا ہے تو وہ روح اور مادے کو پیدا کر دیتا ہے۔ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون (جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کے بنانے کا ارادہ کرتے ہیں اور اس کو کن فرماتے ہیں تو وہ ہو جاتی ہے) لہٰذا اس قرآنی آیت کے فلسفہ کے مطابق روح اور مادہ حادث ہیں قدیم نہیں۔ علامہ عثمانی اسی روح اور مادہ کے حادث ہونے کو حسب ذیل تحریر میں ثابت فرما رہے ہیں اور ان فلاسفروں کی تردید کر رہے ہیں جو روح اور مادہ کو قدیم ٹھہراتے ہیں اور ان مذہب والوں کی بھی اس ضمن میں تردید فرما رہے ہیں۔ جو روح اور مادہ کی قدامت پر تناسخ (آواگون) کی بنیاد رکھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

'''بلاشبہ ہمارے زمانہ کے بعض عقلاء سے سخت غلطی ہوئی کہ انہوں نے ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کے قوانین قدرت کو جن سے خدائے تعالیٰ کی حکمتوں اور صناعوں کی بوقلمونی ظاہر ہوتی ہے خدائے برتر کی امداد کا محتاج نہیں سمجھا۔ بلکہ صرف ان قوانین میں جو حرکت مادہ سے پیدا ہوئے ہیں باہم توافق' تناسب' ربطٔ اتحاد پیدا کرنے کے لئے خدا کے وجود کی ضرورت باقی رکھی حالانکہ اس تناسب و اتحاد کا باقی رکھنا بھی اسی مادہ اور حرکت کو کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا جس نے ایسی ایسی غامض اور غیر متغیر قوانین عالم میں جاری کر دئے ہیں تماشے کی بات یہ ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں میں بعض علما نے مادہ پرستوں کی دھمکی سے مرعوب ہو کر مادہ وغیرہ کو قدیم مان لیا اسی طرح بعض دوسری اقوام کے لیڈروں نے بھی یورپ کے ملحدوں سے ڈر کر قدامت کے مسئلہ کو جزو مذہب بنا لیا ہے اور اسی پر مسئلہ تناسخ کی بھی نیو جمانا شروع کر دی حالانکہ دنیا کی وہ پرانی کتاب جس پر یہ لوگ نہایت زور و شور کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور جس کو اہل ہند کی عزت افزائی نے الہامی

کتاب بھی بتا دیا ہے خوب پکار کر کہہ رہی ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے سوا کوئی قدیم نہیں ہے چنانچہ رگ وید منتر ۱۱ شلوک ۱۸ ادھیائے ورگ ۱۷ کا جو ترجمہ خود سوامی جی مہاراج نے بھاشیہ بھومکا ص ۵۷ میں کیا ہے اس کی حرف بحرف نقل یہ ہے۔

"جس وقت یہ ذروں سے مل کر بنی ہوئی دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت یعنی پیدائش کا تناسب سے پہلے است (غیر محسوس حالت) تھی یعنی شونیا کاش بھی نہیں تھا کیونکہ اس کا اس وقت کچھ کاروبار نہیں تھا۔ اس وقت (ست پرکرتی) یعنی کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرے) تھے وراٹ (کائنات) میں جو آکاش دوسرے درجہ پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا بلکہ اس وقت صرف پر برہم کے سامرتھ (قدرت) جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر پرم (بے علت) کارن ہے موجود تھی" الخ

کیا رگ وید کی اس صریح عبارت میں کوئی تاویل چل سکتی ہے کیا کسی تاویل کرنے والے کے لفظ الٹ پھیر کچھ کام دے سکتے ہیں کیا اس کے بعد بھی ان حضرات کے دو اہم اصول قدامت عالم اور تناسخ کی بیخ و بنیاد پر قائم رہ سکتی ہے ہم کو افسوس ہے کہ اس قوم کے لیڈروں کی کوشش جو انہوں نے ویدکی جدت طرازی میں کی تھی بالکل رائیگاں گئی اور انہوں نے خدا کو لوہار بڑھئی کمہار کے ساتھ تشبیہ دینے میں فضول اپنا وقت ضائع کیا ان کا خیال ہے کہ جس طرح بڑھئی لوہار ظروف ساز وغیرہ اپنے ہر چیز کے بنانے میں مادہ کی احتیاج رکھتے ہیں اسی طرح خداوند کارساز کے لئے بھی یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ دنیا کے کارخانہ کو بغیر کسی مادہ کے بنادے لیکن ان صاحبوں کو یہ خیال نہیں رہا کہ بڑھئی لوہار وغیرہ کو بغیر ہاتھ پاؤں اعضائے جسمانی کے لوہا وغیرہ سامان اور اوزاروں کے بھی کسی چیز کا بنانا محال ہے حالانکہ خدا کی نسبت خود بھومکا ص ۹ میں تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اس کو ان آلات کی ضرورت نہیں۔ بڑھئی لوہار وغیرہ کو جیسا کہ کسی چیز کے بنانے میں مادہ کی ضرورت ہے ایسے ہی دیکھنے میں آنکھ کی اور سننے میں کان کی اور بولنے میں زبان کی بھی ضرورت ہے حالانکہ ستیارتھ پرکاش کی تصریح کے موافق خدائے عزوجل بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے بغیر کانوں کے سنتا ہے اور بغیر زبان کے کلام کرتا ہے تو ایسی حالت میں نہ معلوم ان حضرات کو ویدک تعلیم کے برخلاف مادہ کے قدیم کہنے اور اس پر تناسخ کا خیال باندھنے کی کیا ضرورت پیش آئی کیوں صاف طور پر وہی نہ کہہ دیا جو مسلمان وغیرہ کہتے تھے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا سب اشیاء فانی اور حادث ہیں اور سب چیزوں کا وجود خدائے تعالیٰ کے اعتبار سے ایسا ہی عرضی و مستعار ہے جیسا کہ زمین و آسمان اور در و دیوار کا نور آفتاب کے نور سے یا گرمی پانی کی گرمی کی حرارت سے اس خدائے واحد نے اپنی

قدرت کاملہ اور ارادہ تامہ سے ہر چیز کو نیست سے ہست کیا اور وہی اپنے اختیار سے جب چاہے گا نیست کردے گا نہ اس کو مادہ کی احتیاج ہے نہ اس پر روح کی حکومت ہے نہ اس کے اختیارات محدود ہیں اور نہ اس کا فعل کوئی حکمت سے خالی ہے وہ تمام کمالات کے ساتھ موصوف اور جملہ نقصانات اور عیوب سے پاک ہے کیونکہ تمام کمالات وجود کے تابع ہیں اور وجود ہی ان کا سرچشمہ ہے اور تمام نقصانات عدمی ہیں اور عدم ہی ان کا باعث ہوا ہے تو جب خدا کا وجود غیر محدود اور اس کا خانہ زاد ہے کسی دوسری جگہ سے آیا ہوا نہیں اور نہ عدم کا اصلا اس کے ساتھ اختلاط ہوا ہے تو جملہ کمالات بھی اس کے بیحد و بے پایاں اور غیر مستعار ہوں گے اور مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے اندر جو کوئی بھی خوبی اور حسن ہوگا وہ سب اس کے محاسن اور صفات کا پرتو ہوگا پس جب ایسی ذات ستودہ صفات نے اپنے اختیار و قدرت سے دنیا کو بنایا ہے تو یقیناً اس کی ایجاد اور بنا میں بے انتہا حکمتیں صرف ہوئی ہوں گی اور بے شبہ بنانے سے پہلے ہی خدائے تعالیٰ کے علم میں اس کا مرتب نقشہ اور ابتدا سے انتہا تک ہر ہر چیز کا اندازہ اور پیمانہ موجود ہوگا جس کو غالباً اہل اسلام لفظ تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ تعبیر اس اعتبار سے بالکل موزوں ہے کہ لغت میں اس لفظ کے معنی اندازہ ہی کرنے کے ہیں۔ بہرحال اب تک جو کچھ ہم نے لکھا اس میں اگرچہ اثبات صانع عالم کے متعلق وہ زبردست استدلالات نہیں لکھے گئے جن کی تفصیل ہمارے متکلمین نے اپنی مبسوط تصانیف میں کی ہے یا جن کو ان شاء اللہ اسی مفصل کتاب میں ہم درج کریں گے جس کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے لیکن تاہم ایک سچے دلنشین اور عام فہم طریقہ سے جس قدر اس مختصر تحریر میں گنجائش تھی عالم کے واسطے ایک جامع الکمالات فاعل کا ہونا ضروری قرار پا گیا اور یہی وہ مدعا تھا جس کو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے"۔

فلسفہ روح

علامہ کی مذکورہ عبارت سے روح اور مادہ کے حادث ہونے اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے نیز تناسخ کے باطل ہونے کا فلسفہ واضح ہو گیا ہے اس کے بعد موصوف کے مشہور مضمون روح کے متعلق حسب ذیل فلسفہ ملاحظہ فرمائیے جو یسئلونک عن الروح کے ماتحت آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ یہ حقیقت مشہور ہے کہ کفار مکہ یا یہودیوں نے آپ سے روح کا فلسفہ پوچھا تھا اور مقصد آپ کو لاجواب پا کر شرمندہ کرنا تھا لیکن خدائے علیم و حکیم نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ قل الروح من امر ربی کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے چنانچہ علامہ اسی سلسلہ میں امر ربی اور کن نیز روح کی حقیقت پر فلسفیانہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

’’رہا یہ مسئلہ کہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکمائے قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہل حدیث کی رائے ہے اس میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب اطال اللہ بقاءہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ بالفاظ عارف جامی یہاں تین چیزیں ہیں۔

ا۔ وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں جیسے ہمارے ”مادی ابدان“ (ہمارے گوشت پوست کے بنے ہوئے جسم)

۲۔ وہ جواہر جو مادہ اور کمیت (مقدار) دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ ”ارواح“ یا حکما ”جواہر مجردہ“ کے نام سے پکارتے ہیں۔

پس جمہور اہل شرع جس کو روح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک بدن مثالی سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادی کی طرح آنکھ ناک ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔

علامہ کی ان مذکورہ تصریحات سے صوفیاء علما اور فلسفیوں کے خیالات کا خلاصہ روح کے فلسفہ کے متعلق ہمارے سامنے آ گیا کہ روح ایک جوہر مجرد ہے جو مادہ اور مقدار سے خالی ہے اور جو جسم میں گھس کر بدنی مشین کو حرکت میں لاتا ہے اور جس کو صوفیا بدن مثالی کہتے ہیں۔

روح حادث اور مخلوق ہے

روح کی اس تمام اجمالی فلسفیانہ حقیقت کا پردہ اٹھنے کے بعد روح اپنی جگہ حادث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ روح اور اس کے کمالات کو اگر چاہے تو نیست و نابود کر سکتا اور چھین سکتا ہے چنانچہ علامہ اپنے الروح فی القرآن کے مضمون میں لکھتے ہیں:۔

”روح انسانی خواہ علم و قدرت وغیرہ صفات میں کتنی ہی ترقی کر جائے حتیٰ کہ اپنے تمام ہم جنسوں سے گوئے سبقت لے جائے پھر بھی اس کی صفات محدود رہتی ہیں۔ صفات باری تعالیٰ کی طرح لامحدود (جس کی حد نہ ہو) نہیں ہو جاتیں اور یہی بڑی دلیل اس کی ہے کہ روح خدا سے علیحدہ کوئی قدیم غیر مخلوق ہستی نہیں ہو سکتی ورنہ تحدید (حد بندی) کہاں سے آئی۔ (پھر) کتنی ہی بڑی کامل روح ہو حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اس سے کمالات سلب کر لے گو اس کے فضل و رحمت سے کبھی ایسا کرنے کی نوبت نہ آئے۔

ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک ثم لاتجدلک به علینا وکیلا الارحمۃ من ربک ان فضله کان علیک کبیرا

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر آپ پر وحی بھیجی ہے سب سلب کرلیں پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے مگر رب کی ہی رحمت ہے بیشک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔

مذکورہ آیت میں قرآن کریم کو جو آنحضور علیہ السلام پر وحی کے ذریعہ نازل ہوتا ہے آپ سے لے لینے کا جس شان کے ساتھ اظہار کیا گیا ہے وہ قدرت الٰہی کا اظہار ہے کہ اگر اللہ چاہے تو آنحضور جو خود ایک کامل روح ہیں ان سے روحانی کمالات یعنی وحی کا انقطاع کرسکتا ہے اگرچہ ایسا ارادۂ قدرت نہیں ہوا کرتا۔

روح امر ربی کس طرح ہے

لیکن قرآن کریم میں روح کو جو امر ربی کہا گیا ہے وہ فلسفہ اپنی جگہ قابل حل ہے مولانا اس کو آگے چل کر حل فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں:۔

کسی مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا' اس کے پرزوں کا ٹھیک اندازہ پر رکھنا پھر فٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام ہیں جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز بجلی یا سٹیم اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ حق تعالیٰ نے اول آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو خلق کہتے ہیں پھر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جس کو تقدیر کہا گیا ہے۔ **فقدرہ تقدیرا** سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے تصویر اور تسویہ کہتے ہیں۔ **خلقنکم ثم صورنکم** اور **فاذا سویتہ ونفخت فیہ** یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔

امر کیا ہے

اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگایا جائے مشین کو چالو کرنے کے لئے امر الٰہی کی بجلی چھوڑ دی گئی شاید اس کا تعلق اسم "باری" سے ہے۔

غرض ادھر سے حکم ہوا چل' فوراً چلنے لگی۔ اسی امر الٰہی کو فرمایا۔

انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون

اس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے اس کو ہو وہ اسی وقت ہو جائے

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امر کے معنی یہاں حکم کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ کن سے تعبیر کیا گیا۔

فاضل فلسفی نے روح کو امر ربی سمجھانے میں حقیقت پر اس قدر گہری نظر ڈالی ہے جس سے روح کا امر ربی ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی جب کسی کو زندگی سے نوازا جاتا ہے تو حکم الٰہی اس کے لئے جاری ہوتا ہے وہی

زندگی اور روح ہے۔ آگے چل کر اس روح یعنی امر ربی کی ایک اور کیفیت کو علامہ عثمانی واضح فرماتے ہیں۔

”امر کن باری تعالیٰ شانہ سے صادر ہو کر ممکن ہے کہ جوہر مجرد کے لباس میں یا ایک ”ملک اکبر“ اور ”روح اعظم“ کی صورت میں ظہور پکڑے جس کا ذکر بعض آثار (حدیثوں) میں ہوا ہے اور جسے ہم کہربائیہ روحیہ کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔ گویا یہیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوالارواح (روح والی مخلوقات) پر تقسیم کی جاتی ہیں اور الارواح جنود مجندۃ الخ (روحوں کے لشکروں) کے بیشمار تاروں کا یہیں کنکشن ہوتا ہے اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ ہر مشین سے اس کی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتا اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے بلکہ جن لیمپوں اور قمقموں میں یہ بجلی پہنچتی ہے انہی کے مناسب رنگ و ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔

کن جوہر مجرد کیسے بنا

رہی یہ بات کہ کن (ہو جا) کا حکم جو قسم کلام سے ہے جوہر مجرد یا جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ تمام عقلا اس پر متفق ہیں کہ ہم خواب میں جو اشکال و صور دیکھتے ہیں بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر، چیتے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں وہ جواہر و اجسام کیونکر بن گئے اور کس طرح ان میں اجسام کے لوازم اور خواص پیدا ہو گئے یہاں تک کہ بعض مرتبہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی یہ آثار و لوازم جدا نہیں ہوتے۔

خواب کی مثال

فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوت مصورہ میں اس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کے موافق غیر مجسم خیالات کو جیسی سانچہ میں ڈھال لے اور ان میں وہی آثار و خواص باذن اللہ (اللہ کے حکم سے) پیدا کرے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے مگر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ کو علیحدہ بھی نہیں ہوئے۔ ان کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے تو کیا اس حقیر سے نمونے کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مصور برحق جل وعلا کا (امر بے کیف کن) باوجود صفت قائمہ بذات تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے۔ ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں وہ ارواح و ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں اور امر الٰہی بحالہ قائم رہے۔ امکان و حدوث کے احکام و آثار ارواح وغیرہ تک محدود ہیں اور امر الٰہی ان سے برتر ہو جیسے جو

صورت خیالیہ بحالت خواب مثلاً آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورت ناریہ میں احراق' سوزش' گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک لمحہ کے لئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے"۔ (المعد حق القرآن ص ۱۴۲ تا ص ۳۰)

آگے چل کر علامہ روح امر ربی ہے اور کن کا نتیجہ ہے لکھتے ہیں:۔

"مذکورہ تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو کن کی مخاطب ہوئی روح حیات پائی جائے بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کہ مخلوق کی ہر نوع کو اس کی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کے لئے وہ چیز پیدا کی گئی ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا "کن" (اس کام میں لگ جا) بس یہی اس کی روح حیات ہے۔ جب تک اور جس حد تک وہ اپنی غرض ایجاد کو پورا کرے گی اسی حد تک زندہ سمجھی جائے گی۔ اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی اسی قدر موت سے نزدیک ہوتی جائے گی یا مردہ کہلائے گی۔ (ایضاً ص ۳۰)

مذکورہ بالا تحریر میں علامہ نے کن میں روح حیات کو ثابت کیا ہے اور یہی کن امر ربی ہے۔ لہذا روح امر ربی سے ہے اس سے زیادہ اس کی حقیقت کیا ہو سکتی ہے اسی کو فلسفیوں کے دوسرے الفاظ میں یا صوفیہ کے نظریہ کے مطابق ایک ایسا جوہر کہا جا سکتا ہے جو مادہ اور مقدار سے خالی ہے یا جو مثالی جسم رکھتا ہے۔

روح کا بدن سے علیحدہ ہو کر بھی تعلق رہتا ہے

علامہ نے ان مباحث کو طے کرتے ہوئے آگے چل کر ایک خاص فلسفہ حل کیا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ بعض اوقات روح اگرچہ جسم سے نکل جاتی ہے لیکن ایسا ہونے سے روح کے اثرات پھر بھی جسم میں باقی رہتے ہیں اور وہ مرتا نہیں ہے۔ چنانچہ فاضل فلسفی لکھتے ہیں:۔

یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیف علاقہ (نامعلوم حالت میں) بدن کے ساتھ قائم رکھتی ہے جس سے بدن پر حالت موت طاری ہونے نہیں پاتی۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے

الله يتوفى الانفس حين موتها والتى لم تمت فى منامها (پ ۲۴ ع ۲)

اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں۔

کی تفسیر میں نقل کیا ہے اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے۔ جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا

ہے یا جیسا کہ حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوابازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے ہیں اور تعجب انگیز نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا لیکن لاسلکی کے ذریعہ سے وہ منزل مقصود پر پہنچایا گیا۔ اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لاسلکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود جو کام کیا وہ ایسا ہی مکمل ہے جیسا کہ کسی ہواباز کی مدد سے عمل میں آتا آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں جن میں روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا۔

بہر حال اہل شرع جو "روح" ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک روح مجرد مانتے ہیں جس میں کوئی استحالہ نہیں بلکہ اس روح کی بھی اگر کوئی اور "روح" ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر امر ربی کی وحدت پر منتہی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے منطق الطیر میں کیا خوب فرمایا۔

ہم ز جملہ بیش و ہم بیش از ہمہ جملہ از خود دیدہ و خویش از ہمہ
جاں نہاں در جسم و او در جاں نہاں اے نہاں اندر نہاں اے جان جاں

(الروح فی القرآن)

ہم نے علامہ عثمانی کی فلسفیانہ بلندیوں کا ایک منظر روح کی تحقیقات کے سلسلہ میں مختلف جگہ سے ان کے مختصر سے مضمون الروح فی القرآن سے پیش کر دیا ہے اس سے آپ ان کی بلندی پرواز کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور اس میں قطعاً مبالغہ محسوس نہ کریں گے کہ وہ اپنے زمانہ کے غزالی اور رازی تھے۔ اگر اس امر کا آپ مزید ثبوت چاہتے تو آپ اس زبردست فلسفی کا مقالہ العقل والنقل، سجود الشمس اور الاسلام وغیرہ پڑھئے۔ اور اب تک آپ نے جس قدر ان کے متعلق پڑھا وہ روز روشن کی طرح ان کی فلسفیانہ شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ تاہم اس جگہ اسلامی فلسفہ کے سلسلے میں اس حدیث کا فلسفہ کہ سورج عرش کے نیچے سربسجود ہوتا ہے اور جس کا مطلب علامہ نے "سجود الشمس" کے عنوان کے ماتحت تحریر کیا ہے پیش کرتے ہیں اس مقالہ سے آپ کو ان کے اسلامی اور دوسرے فلسفہ نیز علم ہیئت پر بھی کافی واقفیت حاصل ہوگی۔

سجود الشمس

والشمس تجری لمستقر لہاذٰلک تقدیر العزیز العلیم

(اور آفتاب ہے کہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے)

منجملہ ان پیچیدہ معرکۃ الآراء مباحث کے جن میں فلسفۂ طبعی نے ہمیشہ حکمت الٰہیہ سے مزاحمت کی ایک مسئلہ آفتاب کے زیر عرش سجدہ کرنے کا ہے۔ جس کا تعلق صحیح روایات حدیثیہ کے موافق اس آیت سے ہے جو مضمون ہذا کے عنوان میں لکھی گئی۔

اس کا مفصل واقعہ وہ ہے جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

> **کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد عند غروب الشمس فقال یا اباذر اتدری این تذھب ھذہ الشمس قلت اللہ و رسولہ اعلم قال تذھب لتسجد[1] فتستاذن فیوذن لہا (فی الرجوع کما جاء کما فی الروایة للترمذی واحمد) و یوشک ان تسجد فلا یقبل منہا و تستاذن فلا یوذن لہا فیقال لہا ارجعی من حیث جئت فتطلع من مغربہا فلذلک قولہ عزوجل والشمس تجری لمستقر لہا**

میں غروب آفتاب کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھا آپ نے فرمایا کہ ابوذر جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے میں نے (از راہ ادب) عرض کیا کہ خدا اور خدا کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ جاتا ہے اور چلا رہتا ہے یہاں تک کہ زیر عرش اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے پس سجدہ میں گرتا ہے اور خدا سے اس کی اجازت حاصل کرتا ہے کہ جیسے آیا ہے اسی طرح چلا جائے چنانچہ اس کو اجازت دی جاتی ہے اور قریب ہے کہ (قیامت کے نزدیک) وہ سجدہ کرے گا لیکن قبول نہ ہوگا اور اجازت چاہے گا مگر نہیں ملے گی اور کہا جائے گا کہ جدھر سے آیا ہے ادھر ہی پھر لوٹ جا۔ چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے اس قول میں **والشمس تجری لمستقر لہا**

یہ روایت جس کو ہم نے فقط صحاح کی کتابوں سے نقل کیا ہے اپنے ثبوت میں نہایت محکم اور مضبوط اسناد رکھتی ہے اور ہر ایسے شخص کے حق میں برہان قاطع ہے جو روایات کے رد و قبول میں کسی

---

[1] و فی روایة تجری حتی تنتھی الیٰ مستقرھا تحت العرش فتخر ساجدة ۱۲

معقول ضابطہ کا پابند ہو (خصوصاً آج کل جبکہ ملک میں متواتر تجربوں کے باوجود ریوٹر کی تار برقیوں سے متاثر ہونے والوں کی تعداد خوش قسمتی سے بہت زیادہ پھیل چکی ہے۔

مفسرین اور ارباب حدیث نے اس بارہ میں اگرچہ اور بھی روایات بکثرت فراہم کی ہیں جن کا استیعاب غالباً شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب الہیۃ السنیہ سے زیادہ کسی دوسری جگہ نہ ہوگا۔

لیکن افسوس ہے کہ عامہ محدثین بلکہ مفسرین تک کو بھی ان کی صحت پر چنداں اطمینان نہیں۔

اور بالفرض اگر ایسی نقول کا اعتبار ہو یا فرقہ امامیہ کی بے سروپا مگر عجیب و غریب روایات پر وثوق کیا جائے تو انہوں نے اپنی نام نہاد احادیث میں سورج کے سجدہ کرنے اور روزانہ طلوع کی اجازت چاہنے کا جو فلسفہ بیان کیا ہے اس کا سننا فن ہیئت کے ایک طالب علم کے واسطے نہایت دلچسپ ہوگا۔

ان روایات میں بتلایا گیا ہے کہ سورج کے اندر ستر ہزار کلالیب (آنکڑے لگے ہوئے ہیں۔)

اور ان میں سے ہر ایک کو ستر ہزار فرشتے تھامے رہتے ہیں اور اس طرح سے یہ لاکھوں فرشتوں کا لشکر جرار آفتاب کو کھینچ کر مشرق سے مغرب کو لے جاتا ہے پھر وہاں پہنچ کر اسی میں سے یہ فرشتے نور کھینچ لیتے ہیں یہاں تک کہ سورج کالا توا سا ہو کر سجدہ میں گر پڑتا ہے۔ تب فرشتے اپنے پروردگار سے اس کو دوبارہ خلعت نورانی پہنانے کی بابت دریافت کرتے ہیں اور یہ بھی پوچھتے ہیں کہ آیا اس کو پورب کی طرف سے نکالا جائے یا پچھم سے۔ اور آج کے دن کے واسطے روشنی کی کتنی مقدار اس میں ودیعت کی جائے۔ ان سب سوالات کا خدا تعالیٰ اپنی مرضی کے موافق جیسا چاہتا ہے جواب مرحمت فرماتا ہے اور وہ ملائکہ اس حکم کو نہایت مستعدی کے ساتھ بجالاتے ہیں اور طلوع و غروب کی یہ عجیب و غریب داستان بارہ مہینے اسی طرح دہرائی جاتی ہے۔

مگر میرے خیال میں اس قسم کی مذہبی حکایت جو سرتاپا حکمت ریاضی کو شرمندہ کرنے والی ہیں شاید اتنی زیادہ عجیب نہ سمجھی جائیں جتنا کہ رئیس طائفہ امامیہ کا یہ حیرت انگیز دعویٰ کہ یہ تحقیق جو سورج کی نسبت اوپر بیان ہوئی اہل ہیئت کے اقوال سے سرمو بھی مخالفت نہیں رکھتی ہم نہیں کہہ سکتے کہ موجودہ ہیئت کے مسائل دیکھنے والے کو اس قسم کے ادعاء پر زیادہ ہنسنے کا استحقاق ہے یا خود ہیئت والوں کے قہقہہ لگانے پر۔

ہاں یہ بہت ممکن ہے کہ اہل ہیئت سے اس رئیس الطائفہ کی مراد نہایت ہی قدیم زمانہ کے وہ یونانی لوگ ہوں جن کا خیال سر رابرٹ بال کے الفاظ میں یہ تھا کہ "یہ ہماری زمین ایک بڑا ہموار اور مسطح میدان ہے جو ہر طرف بیحد پھیلا ہوا ہے اس لئے وہ بڑے حیران و پریشان ہوتے تھے کہ

سورج دن کو نکلتا اور آسمان پر گردش کرتا ہے مگر رات کو کہاں چلا جاتا ہے ان کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اترتے اترتے کہیں دور سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو سورج کی گرمی پانی میں ساری بجھ جاتی اور اس کی تپش ہی جاتی رہتی۔ قدیم زمانے کے بعض لوگ یہاں تک کہا کرتے تھے کہ جب آفتاب شام کے وقت سمندر میں جا کر ڈوب جاتا ہے تو ہم کو اس کی بڑی خوفناک سنسناہٹ کی آواز تک سنائی دیتی ہے جیسی کہ جب تپا ہوا لوہا پانی میں بجھایا جاتا ہے مگر اس خیال میں ایک بڑی خرابی یہ پیش آئی تھی کہ اگر سورج ہر روز شام کے وقت مغرب میں سینکڑوں کوس کے فاصلہ پر سمندر میں جا کر ڈوب جاتا اور بالکل ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو پھر کس طرح دوسرے روز صبح کو سینکڑوں کوس پر مشرق میں بالکل ویسے ہی زور کی تپش کے ساتھ نکل کر چمکنے لگتا ہے۔ اس معمہ کو کوئی حل نہ کر سکتا تھا۔ بعض یہ کہتے تھے کہ نہیں صاحب یہ سورج جو آج صبح کو پورب میں چمکتا ہوا نکلا ہے وہی سورج نہیں ہے جو کل شام کے وقت مغرب میں ڈوب گیا تھا بلکہ ایک اور نیا سورج ہے۔ دیوتا لوگ ہر روز صبح کو بڑی دور مشرق میں ایک نیا آفتاب چلا دیتے ہیں۔ پھر وہ دن بھر اپنا دورہ پورا کر کے شام کے وقت مغرب میں جا کر مر جاتا ہے پھر رات بھر دیوتا لوگ اسی کام میں مشغول رہا کرتے ہیں تاکہ دوسری صبح کے لئے ایک نیا سورج بنا کر تیار کریں مگر اس قیاس کی نسبت اور لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ اس طرح تو ایک بڑا سورج ہر روز ضائع ہوتا ہے اس لئے اوروں نے ایک اور قیاس باندھا جس میں کفایت رہے اور بے فائدہ کچھ نقصان نہ اٹھایا جائے اور وہ یہ ہے کہ قدیم زمانے کے لوگوں کو اپنے علم کے موافق یہ یقین تھا کہ بڑے بڑے خشکی کے قطعات جو براعظم کہلاتے ہیں ان کے چاروں طرف ایسے بڑے سمندر پھیلے ہوئے ہیں جن کی حد کہیں ختم نہیں ہوئی ان کا خیال تھا کہ زمین کے شمال میں بڑے بڑے پہاڑ اور یخ اور برف ہے اس وجہ سے شائستہ ملکوں کے لوگوں کی اس سمندر تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

ایک دیوتا جس کا نام ول کن ہے وہ اس سنسان سمندر پر جہاز رانی کا مالک ہے یہ بڑا ذمہ داری کا کام اسی کے سپرد ہے کہ آفتاب کو حفاظت کے ساتھ اس سمندر سے پار لے جائے اور صبح کو سلامت منزل مقصود پر پہنچا دے اور ہلاکت سے بچا لے۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے ول کن کے پاس ایک بڑا جہاز تیار رہتا تھا جب وہ دیکھتا تھا کہ اب غروب آفتاب کے وقت سورج سمندر میں ڈوبنے کو ہے تو وہ آن کر اس کو جھٹ سنبھال لیتا تھا اور اپنے جہاز میں سوار کر کے راتوں رات سمندر میں جہاز رانی کرتا ہوا شمال کی راہ سے اپنی عظیم الشان سواری کو لے جایا کرتا تھا۔ جب

سورج کی سواری اس طرح شمال کی راہ سے گزرا کرتی تھی تو اس کی چمک بعض وقت گرمیوں میں شمالی پہاڑوں پر سے دکھائی دے جایا کرتی تھی۔ غرض متقدمین کا خیال تھا کہ عین گرمیوں میں جو رات کو شفق کی روشنی بہت عرصہ تک رہا کرتی ہے اس کی وجہ یہی ہے۔ اس طرح ول کن رات بھر جہاز چلاتا ہوا آخرکار صبح ہوتے ہوتے ٹھیک وقت پر سورج کو مشرق میں پہنچا دیا کرتا تھا اور وہاں اس کو ایسے زور کے ساتھ اوپر کی طرف دھکیل دیتا تھا کہ وہ اسی زور میں بھرا ہوا دن بھر اپنا دورہ کئے جاتا تھا۔ پھر وہ بڑا محنتی دیوتا یعنی ول کن آفتاب کو مشرق میں روانہ کر کے الٹے پیروں اپنی ساری قوت خرچ کر کے اسی سمندر کی راہ واپس آ جاتا تھا کہ شام کو آفتاب کی سواری کے لئے پھر مغرب میں تیار رہے۔ یہ دھندا بیچارے ول کن کو رات دن برابر رہتا تھا۔

آفتاب کی ظاہری گردش کو سمجھانے کے لئے ول کن اور اس کی کشتی کا حال جو ہم نے بیان کیا اچھا تو معلوم ہوتا ہے مگر اس میں ایک تو نقص یہ ہے کہ بیچارے ول کن کو رات دن محنت کرنے سے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں ملتی اس کے سوا بعض اور مشکلیں بھی تھیں مثلاً جہازوں کے کپتان کہا کرتے تھے کہ ہم تو سارے بڑے بڑے سمندروں پر چاروں طرف پھرے مگر ہم کو تو یہ نہیں معلوم ہوا کہ سمندر آگے ہی کی طرف برابر پھیلتے چلے جاتے ہیں اور کبھی ختم ہونے میں نہیں آتے بلکہ ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ سمندر کی سطح جھک کر خمدار ہو جاتی ہے کیونکہ ہمارے جہاز ایک ہی طرف کو بہت دور تک چلتے چلتے آخرکار پھر اسی جگہ آ پہنچے جہاں سے ہم پہلے روانہ ہوئے تھے ان جہازرانوں نے یہ بھی کہا کہ ہم کو شمال کا حال بھی کسی قدر معلوم ہے کہ وہاں کوئی ایسا سمندر نہیں جس میں ول کن اپنا جہاز چلا سکے۔ یہ بات بھی لوگوں کو معلوم ہوئی کہ جہازراں لوگ رات دن کرۂ زمین پر سمندروں میں ہر طرف سفر کرتے پھرتے ہیں مگر انہوں نے کبھی سورج کو سمندر میں اترتے نہیں دیکھا اور گو ول کن اپنا جہاز لئے روایت مذکورہ بالا کے موافق رات دن سمندر میں سفر کرتا رہتا ہے مگر ان جہاز رانوں کو کبھی اس کا سایہ تک نہیں دکھائی دیا۔

غرض ان باتوں سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ زمین ایسی ہموار سطح نہیں ہے کہ جو برابر آگے کو پھیلتی چلی جاتی ہو بلکہ وہ ضرور گول کرہ ہے جو آسمان میں معلق دھرا ہوا ہے اور کسی چیز کے ساتھ بندھا ہوا نہیں جس سے وہ تھما ہوا ہو۔ اس کے بعد لوگوں کو یہ خیال آیا کہ رات سے بدل کر دن اور دن سے بدل کر رات جو پیدا ہوتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ آفتاب درحقیقت آسمان میں زمین کے گرد پھرتا ہے اور دن کو ہمارے سر کے اوپر اور رات کو ہمارے پیروں کے تلے کی طرف گردش کرتا ہے"۔ اھ

لیکن اس آخیر خیال کو درست ماننے کی صورت میں حدیث کا جو عقدہ ہم حل کرنا چاہتے تھے وہ

جوں کا توں باقی ہے کیونکہ بقول امام الحرمین رضی اللہ عنہ وغیرہ کے یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ آفتاب جس وقت ایک قوم کے یہاں غروب ہوتا ہے اسی وقت دوسروں کے یہاں طلوع ہوتا ہے اور رات کسی ملک میں چھوٹی ہوتی ہے تو کسی میں بڑی یہاں تک کہ بلغار کے علاقہ میں بعض اوقات شفق غائب بھی نہیں ہونے پاتی کہ صبح صادق نکل آتی ہے اور جیسا کہ اپنے موقع میں ثابت کیا گیا ہے عرض تسعین میں ہمیشہ چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے غرض کہ اس پر دلائل قائم ہیں کہ غروب کے وقت آفتاب ساکن نہیں ہوتا۔ ورنہ لازم آئے کہ طلوع کے وقت بھی ساکن ہو (بلکہ ہر وقت ساکن ہی رہے) کیونکہ اب ایک افق کا غروب بعینہ دوسرے افق کا طلوع ہے پھر یہ بھی براہین سے ثابت ہو چکا ہے کہ سورج اپنے آسمان سے کسی حالت میں جدا نہیں ہوتا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ طلوع ہو کر ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر اور وہاں سے تیسرے پر اور اسی طرح عرش معلی تک جا پہنچے جو کوئی ایسی بدیہی البطلان بات کا دعویٰ کرے وہ گویا روز روشن میں سورج کے نہ نکلنے کا اقرار کرتا ہے۔ اس موقع پر یہ امر بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں کہ آفتاب ہمیشہ عرش کے نیچے ہی رہتا ہے کیونکہ عرش تمام آسمانوں کو (جن میں فلک شمس بھی داخل ہے) محیط ہے اور وہ سب اس کے جوف میں واقع ہیں۔ پھر فقط غروب کے وقت اس کے تحت العرش جانے کے کیا معنی۔

اسی قسم کے شبہات پر نظر کر کے سید محمود آلوسی بغدادیؒ صاحب روح المعانی نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ:۔

ولقد سالت كثيراً من اجلة المعاصرين عن التوفيق بين ماسمعت من الاخبار الصحيحة و بين مايقتضى خلافها من العيان والبرهان فلم اوفق لان افوز منهم بما يروى الغليل ويشفى العليل

میں نے اپنے بہت سے جلیل القدر ہمعصروں سے ان روایات صحیحہ اور مشاہدات و دلائل عقلیہ کے درمیان تطبیق کی صورت دریافت کی لیکن میری قسمت میں کسی ایسے جواب سے فائز ہونا نہ تھا جو کسی تشنہ کام کی پیاس کو فرو کر دے یا کسی بیمار کو شفا بخشے۔

اس کے بعد انہوں نے جو کچھ اپنی ذاتی تحقیق اس بارہ میں بیان کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آفتاب اور اسی طرح تمام ستارے ہمارے نزدیک عقل و ادراک رکھتے ہیں جیسا کہ کتاب و سنت کے شواہد کثیرہ سے ہویدا ہوتا ہے اور جب یہ بات ہے تو کچھ بعید نہیں کہ آفتاب کے لئے انسان کی طرح کوئی نفس ناطقہ بھی ہو۔ بلکہ بعض صوفیہ نے تو اس کی تصریح کر دی کہ اس کے واسطے نہایت اعلیٰ درجہ کا کامل نفس ناطقہ ہے اور حکماء نے بھی افلاک کے حق میں تو عموماً کہا ہے کہ ان کے اندر نفوس منطبعہ موجود ہیں لیکن بعض حکمانے کواکب کے لئے بھی ایسا ہونا بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عالم

علوی میں ہے خواہ وہ کواکب ہوں یا افلاک کلیہ یا افلاک جزئیہ یا مدلویریا اور کچھ حی و ناطق ہے۔

اور انسان کا نفس ناطقہ گاہ بگاہ مقدس ہو کر بدن سے نکل جاتا ہے اور پھر اپنے بدن کی یا کسی اور کی صورت میں متمثل ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام صحیح روایات کے موافق حضرت دحیہ کلبی یا بعض اعراب کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے اور ایسے حالات میں جبکہ انسان کے نفس ناطقہ پر یہ کیفیت پیش آئے اپنے اصلی جسم کے ساتھ بھی اس کو ایک درجہ کا تعلق باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کے جسم اصلی سے بھی افعال و حرکات سرزد ہوتے ہیں چنانچہ بعض اولیاء اللہ کی نسبت ایسی بہت حکایات منقول ہیں کہ وہ ایک ہی وقت میں متعدد جگہ دیکھے گئے اور اس کا سبب ان کے نفوس قدسیہ کی قوۃ تجرد کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جس کی بنا پر وہ ایک موقعہ پر متمثل ہو کر ظاہر ہوتے تھے اور دوسری جگہ ان کا اصلی جسم پایا جاتا تھا اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ حضرات صوفیہ کے درمیان مشہور اور مشاہد اور مسلم ہے اور احادیث معراج وغیرہا میں جو بعض انبیاء علیہم السلام سے آپ کی ملاقات کے تذکرے آئے ہیں ان سے بھی اسی اصول کی تائید ہوتی ہے۔

پس اب ہم اسی اصول کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ آفتاب کے لئے بھی ممکن ہے کہ ایک ایسا ہی نفس مقدس ہو جو اس کے مشاہد جسم سے اس طرح جدا ہو کر کہ ایک نوع کا تعلق اس سے بھی باقی رہے عرش تک جا پہنچے اور بلا واسطہ اس کے نیچے سجدہ کرے اور اجازت مانگے اور اس حالت میں اس کا یہ جسم مشاہد برابر چلتا رہے اور ایک منٹ کے لئے بھی ساکن نہ ہو۔ جیسا کہ اہل ہیئت دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے عروج الی العرش کا یہ واقعہ اس وقت پیش آتا ہو جبکہ وہ افق حقیقی کے اعتبار سے غروب ہوتا ہوا اور ربع مسکون کے لوگ عموماً اس کے دیکھنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ عرض تسعین میں وہ اس وقت طلوع ہو رہا ہو کیونکہ یہ ہمارے لئے اب کچھ مضر نہیں اور یہ بھی ایک احتمال ہے کہ غروب کا اعتبار خاص افق مدینہ کے اعتبار سے کیا جائے۔ اھ واللہ اعلم بالصواب۔

ان تمام توجیہات کے بعد جو اوپر مذکور ہوئیں یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ جس صحیح حدیث کا مطلب حل کرنے کے لئے مسائل ہیئت کے مقابلہ میں اس قدر جدوجہد کام میں لائی گئی اگر اس سے پہلے خود الفاظ حدیث کا منطوق متعین کرنے کی سعی کی جاتی تو میرے خیال میں بہت سی تاویلات سے نجات مل جانے کا امکان تھا۔ اگر یوں کہا جاتا تو کیا حرج تھا کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الحقیقۃ خداوند ذوالجلال کی عظمت و جبروت اور مخلوقات میں سے بڑی سے بڑی مخلوق کی عجز و بیچارگی کو واضح فرمایا ہے اور ربط حادث بالقدیم کے اس مسئلہ کی تقریر کی ہے جس کو محققین ام المسائل کہتے ہیں اور

جس کا حاصل یہ ہے کہ مخلوقات کو جو علاقہ (استفادۂ وجود کا) اپنے خالق جل علاہ سے ہے وہ اگر بالفرض ایک لمحہ کے لئے بھی منقطع ہو جائے تو عالم میں کسی چیز کا وجود اسی طرح باقی نہیں رہ سکتا جس طرح آفتاب کی شعاعوں کا تعلق زمین سے رک جانے پر زمین کا روشن رہنا ممکن نہیں اسی لئے اسلام کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ ہر قسم کے وجود اور تمامی حرکات و سکنات کی باگ فقط خدائے واحد کے قبضہ اقتدار میں ہے یہاں تک کہ کوئی شخص جو سانس لیتا ہے اور ہر پتہ جو درخت پر ہلتا ہے اور ہر ایک تنکا جو اپنی جگہ سے سرک جاتا ہے" اس میں بھی اسی کی اجازت اور اسی کا ارادہ درکار ہے۔

وہ آفتاب درخشاں (جس کو ان تمام اجرام علویہ کا بادشاہ کہنا چاہیے جو کل اجسام سفلیہ پر اپنی حکومت رکھتے ہیں) اسی وحدہ لاشریک کی ادائے طاعت کے لئے محیط کے پردہ سے باہر آتا ہے اور دنیا کا یہ سب سے زیادہ روشن ستارہ (جس کے محکم نظام حرکت نے حضرت خلیل اللہ کے مقابلہ میں نمرود کو ہکا بکا کر دیا اور جس کی آب و تاب کے سامنے سبا کی بہت بڑی ملکہ (بلقیس نے) باوجود **اوتیت من کل شی ولها عرش عظیم** کی شان رکھنے کے جبین نیاز جھکا دی۔ اور سر بسجود خم کر دیا) جب مشرق سے مغرب کو روانہ ہوتا ہے (اور ہر وقت روانہ ہوتا رہتا ہے) تو اپنی حرکت کی ہر ہر آن میں اور مسافت کے ہر ہر قدم پر عرش کے نیچے اور رب العرش کے سامنے سجدہ میں گرتا ہے۔ اور (علی اختلاف الاراء) حالاً یا قالاً۔ ہر لحظہ آگے بڑھنے کی اجازت طلب کرتا رہتا ہے۔ یہ مجال نہیں کہ اس عزیز و علیم کا اذن حاصل کئے بغیر وہ ایک قدم ادھر یا ادھر رکھ سکے۔ چنانچہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک جو چکر چوبیس گھنٹہ میں وہ پورا کرتا ہے اس میں ایک ساعت بھی ایسی نہیں آتی کہ وہ رب العزت کے حکم سے بے نیاز ہو سکے یا اس سے سرتابی کا خیال لا سکے۔

اس کا یہ سلسلہ رفتار اسی طرح روزمرہ چل رہا ہے اور یونہی ہمیشہ چلتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اہل اسلام کے معتقدات کے موافق امر الٰہی آن پہنچے اور عالم کی تباہی کی گھڑی نزدیک آ جائے اور اپنے جس مستقر (جائے قرار و سکون) کی تلاش میں یہ آفتاب سرگرداں رہتا تھا اس کو پا چکے۔

اس وقت اس کو حکم ہوگا کہ قدم آگے مت اٹھاؤ۔ اپنی حرکت کو روک لو۔ اور جس طرف سے آئے تھے اسی طرف پھر الٹے پاؤں لوٹ جاؤ۔ **وما ابلغ مقال سبحانه و تعالیٰ والشمس تجری لمستقر لها ذلک تقدیرالعزیز العلیم والقمر قدرناه منازل حتی عاد کا العرجون القدیم. لاالشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النهار و کل فی فلک یسبحون** (ترجمہ) اور آفتاب ہے کہ اپنے ٹھکانے کی طرف کو چلا جا رہا ہے۔ یہ

(اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست (اور ہر چیز سے) آگاہ ہے اور چاند ہے کہ ہم نے اس کے لئے منزلیں ٹھہرا دیں یہاں تک کہ (آخر ماہ میں گھٹتے گھٹتے) پھر (ایسا ٹیڑھا اور پتلا) رہ جاتا ہے جیسے (کھجور کی) پرانی ٹہنی نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جا لے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے (اور کیا چاند اور کیا سورج) سب (اپنے اپنے) مدار (آسمان) میں (پڑے) تیر رہے ہیں۔

ہماری اس تقریر کے موافق جو ہم نے حدیث مذکور کے متعلق عرض کی۔ آفتاب کا ہر وقت زیر عرش رہنا یا ہر آن میں طلوع و غروب کا ہونا یا لیل و نہار میں اختلاف پایا جانا وغیرہ امور جن کو امام الحرمین نے شبہ کے موقع پر پیش کیا تھا کچھ مضر نہیں بلکہ مفید ہیں البتہ **تجری حتی تنتھی الیٰ مستقرھا تحت العرش الخ** والی روایت میں تحت العرش کو برخلاف تصریحات قوم تجری کے متعلق کرنا پڑتا ہے۔ جس میں قواعد عربیت کے لحاظ سے کوئی قباحت نہیں۔ باقی مستقر کے جو معنی لئے گئے ہیں وہ بعض اجلہ مفسرین کے قول کے بالکل موافق ہیں۔

اس کے بعد اگر گفتگو کی کچھ گنجائش باقی رہتی ہے تو فقط اس بارہ میں کہ جب ہر لحظہ آفتاب کی یہی حالت تھی کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا رہتا اور اجازت مانگتا رہتا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر سے خطاب کرنے میں غروب آفتاب کی خصوصیت کو کیوں ملحوظ رکھا لیکن اس کا جواب نہایت سہل ہے کون نہیں جانتا کہ سورج کے تنزل اور بیچارگی کا نمایاں سے نمایاں منظر اور اس کی ادھر سے ادھر حرکت کا ظاہر سے ظاہر پہلو دیکھنے والوں کو اپنے اعتبار سے صرف غروب ہی کے وقت دکھائی دیتا ہے اور اس لحاظ سے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کے لئے اس وقت کی رعایت فرمائی تو نہایت ہی مناسب ہوا۔

الغرض اس حدیث سے علاوہ دوسرے فوائد کے اس کی بھی بخوبی وضاحت ہو گئی کہ یہ دیکھ کر کہ عالم مشاہدات میں علویات سفلیات سے اشرف ہیں اور پھر آفتاب تمام علویات میں بھی اشرف و اعلیٰ ہے کوئی شخص یہ دھوکا نہ کھائے کہ آفتاب بھی کسی درجہ میں قابل عبادت ٹھہر سکتا ہے ایسے شخص کو یاد رکھنا چاہئے کہ آفتاب بہرحال عرش کے نیچے ایک مزدور کی طرح جو کسی کام پر لگایا گیا ہو پڑا چکر کھا رہا ہے اور مستحق عبادت تنہا وہی نور السموات والارض ہو سکتا ہے جو عرش سے بھی ادھر ہے اور جس کی روشنی سے تمام آسمان و زمین اور عرش و کرسی جگمگا رہے ہیں۔ **و من ایٰتہ اللیل والنھار والشمس والقمر لاتسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون**

(ترجمہ) اور خدا کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند

(بھی) ہیں (سو) نہ تو تم سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اگر تم کو خدا کی ہی عبادت کرنی ہے تو اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ و النعم ماقیل

لنا شمس وللافاق شمس وشمسی خیر من شمس السماء
فشمس الناس تطلع بعد فجر و شمسی تطلع بعد العشاء

(تنبیہ) اس مبحث کے متعلق بعض دوسرے محققین کی تقریرات ضیق مقام کی وجہ سے ترک کی گئیں۔ اور واضح رہے کہ ان تمام مضامین کی بناء عرش کو کروی الشکل ماننے پر ہے جیسا کہ امام الحرمین کی رائے ہے ورنہ اس کے خلاف بھی اقوال مؤید بالنصوص موجود ہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مناظرہ ومباحثہ ومکالمہ

فن مناظرہ ایسے فن کو کہا جاتا ہے جس میں مناظرہ کرنے والا دلائل کے ذریعہ دوسرے شخص پر اپنے معتقدات اور نظریات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے مناظرہ کی یہ تعریف کسی خاص فلسفیانہ اور منطقیانہ تفصیل کی محتاج نہیں۔ یہ فن اپنی شان اور ذمہ داری کے اعتبار سے نہایت ہی اہم اور قابل وقعت ہے۔ مذہبی مناظروں میں کسی مذہب کی صداقت اور حقانیت کی پوری پوری ذمہ داری مناظر کی علمی قوتوں اور دلائل کو دل نشین کرنے کی لیاقتوں پر موقوف ہے۔ ایک بے سلیقہ مناظر ایک صحیح اور سچے مذہب اور صحیح عقائد کو بہت آسانی سے شکست میں بدل سکتا ہے لیکن فن مناظرہ کا ماہر بعض اوقات غلط اور باطل نظریات کو بھی صحیح کر دکھاتا ہے۔ پھر فن مناظرہ میں نہ صرف لیاقت کی ضرورت ہے بلکہ فطری حاضر جوابی اور حاضر دماغی کی بھی سخت ضرورت ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ان تمام صفات میں پورے تھے اور جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ظاہر کیا ہے کہ اگر دنیائے مذاہب کی سچائی کا عالمگیر مناظرہ منعقد کیا جائے تو میرے نزدیک موصوف کے دور میں ان سے اچھا اسلام کا نمائندہ جو اپنے روشن پختہ دلائل سے دوسرے مذاہب پر حجت قائم کر دے اور کوئی نہ ملے گا۔ دارالعلوم دیوبند کی جماعت کو جب کسی آل انڈیا اہم مسئلہ یا بحث میں بڑے بڑے اہل فہم اور سلجھے ہوئے لیڈروں کے مقابلہ میں ضرورت پیش آتی تو سب کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھتیں اور علمائے دیوبند کو میدان جیتنے کا اطمینان ہو جاتا چنانچہ دارالعلوم کی تاریخ شاہد ہے کہ موصوف نے فن مناظرہ میں بڑے بڑے معرکے سر کیے ہیں اور نہ صرف دیوبند کا وقار قائم کیا ہے بلکہ اسلام کی لاج بھی رکھی ہے موصوف کی زندگی جہاں شریعت کے مطالعہ درس قرآن وحدیث

وعظ و تقریر میں گزری وہاں اسلام کی وکالت اور تائید میں بھی ایک پختہ کار مناظر کی حیثیت سے آپ کی عمر کا ایک حصہ بسر ہوا۔ ان کی قوت علمیہ اور زور بیان کے ساتھ قوت استدلال کے سامنے شاید و باید ہی کوئی ٹھہرتا تھا۔ علامہ مخاطب اور مناظر کی مختصر سی گفتگو میں اس کی تمام علمی طاقتوں اور منتہائے خیال کے سارے زور کا اندازہ لگا لیتے تھے اور ایسے دلائل یا الزامی سوالات قائم کرتے کہ حریف چاروں طرف سے اپنے آپ کو محصور پا کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اس قسم کے مناظروں اور مباحثوں کے اثرات اور نتائج سے آپ ان کے فن مناظرہ اور مباحثہ کا اندازہ لگا سکیں گے اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ پیش کرنے کی بجائے دوسرے دیدہ ور علماء کے لکھے ہوئے حالات پیش کرتا ہوں۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم دارالعلوم دیوبند کی ایک باہمی مصنوعی مجلس مناظرہ کا چشم دید منظر پیش کرتے ہوئے علامہ عثمانی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"اسی زمانہ میں (۱۹۰۶ء کے بعد) آریوں کی تحریک سے شدھی کا زور تھا اور عربی مدرسوں میں آریوں سے مناظرہ کی تعلیم دی جاتی تھی چنانچہ (دارالعلوم دیوبند میں ایک) جلسہ کے بعد طالب علموں نے آریہ اور مسلمانوں کے مناظرہ کا مظاہرہ کیا۔ طالب علموں کے دو گروہ بنے۔ ایک (گروہ) ایک مسئلہ کا حامی تھا اور دوسرا اس پر معترض باہم سوال و جواب اور رد و قدح کا سلسلہ قائم تھا کہ ایک گروہ کمزور پڑ گیا۔ مولانا شبیر احمد صاحب جو مدرسین کے ساتھ میرے قریب بیٹھے تھے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے اجازت لے کر مدرسین کی صف سے نکل کر طالب علموں میں مل گئے اور اس کمزور فریق کی حمایت میں فرمانے لگے اور آخر اپنی تقریر کی قوت اور استدلال کے زور سے ہارا ہوا میدان جیت لیا اور سب نے ان کی ذہانت اور طباعی کی داد دی"۔ (معارف اپریل ۱۹۵۱ء ص ۲۹۷)

مذکورہ بالا مناظرے کے رپورٹر اور راوی معمولی آدمی نہیں ہیں بلکہ ہندوستان کی مایہ ناز ہستی ہیں جو حضرت عثمانی کے ایک مناظرہ کا نقشہ کن شاندار الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں بلکہ تمام علمائے دیوبند اور طلبہ کی اس کیفیت کا بھی نقشہ کھینچ رہے ہیں جو علامہ عثمانی کی مناظرانہ قوت تقریر اور زور استدلال سے تمام مجمع پر طاری ہو گئی تھی۔

تردید قادیانیت اور علامہ عثمانی

جناب مفتی محمد شفیع صاحب حیات انور کے اپنے مقالہ میں مولانا عثمانی کے متعلق فیروز پور کی ایک تقریر کا اثر جو قادیانیت کی تردید میں آپ نے فرمائی تھی۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگلے روز مقررہ وقت پر مناظرہ شروع ہو گیا۔ ابھی شروع ہوا ہی تھا کہ عین مجلس مناظرہ میں نظر پڑی کہ حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہما مع چند دیگر علما کے تشریف لا رہے ہیں۔

مناظرہ کے بعد شہر میں ایک جلسہ عام ہوا جس میں حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی تقریریں فیروز پور کی تاریخ میں ایک یادگار خاص کی نوعیت رکھتی ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جو قادیانی دجل کے شکار ہو چکے تھے (قادیانی ہو چکے تھے) اس مناظرہ اور تقریروں کے بعد اسلام پر لوٹ آئے"۔ (حیات انور ص ۲۹۰)

جناب مفتی محمد شفیع صاحب کی تحریر سے واضح ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کی تقریروں نے مرتد مسلمانوں کو کس طرح اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق سے پھر اسلام کے دائرے میں لا کھڑا کیا۔ کسی مرتد کو اسلام کے دائرہ میں واپس لانا جتنا مشکل ہے اس کا اندازہ لگانا سخت دشوار ہے۔

پانی میں ہے آگ کا لگانا دشوار　　بہتے دریا کو پھیر لانا دشوار
دشوار سہی مگر نہ اتنا جتنا　　بگڑی ہوئی قوم کا بنانا دشوار

کراچی میں علامہ کا آریوں سے مناظرہ

فخر الہند مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رسالہ القاسم ماہ شوال ۱۳۳۹ھ میں علامہ عثمانی کے کراچی میں آریوں کے ساتھ ایک مناظرہ کا حال حسب ذیل الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"کراچی میں آریہ جماعت کے سالانہ جلسہ منعقد ہوا اور اس میں اہل اسلام سے مناظرہ کی قرارداد ہو گئی۔ تب انجمن ضیاء الاسلام کراچی کی جانب سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی طلب میں تار آیا۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف ۲۲ رمضان کو کراچی روانہ ہوئے اور وہاں بحمد اللہ مولوی صاحب موصوف کے نہایت موثر بیانات ہوئے (اور مناظرہ بھی ہوا) جن کا اہل کراچی پر گہرا اثر ہوا اور مولوی صاحب ہی کی موجودگی میں جمعیۃ الانصار کی شاخ قاسم المعارف کا باضابطہ انعقاد و افتتاح ہوا۔ ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ کو عین تراویح کے وقت سیکرٹری صاحب انجمن ضیاء الاسلام کا تار بدیں مضمون موصول ہوا۔ کہ مولوی شبیر احمد صاحب نے نہایت کامیابی حاصل کی اور آج کی میل میں دیوبند روانہ ہو گئے۔ ۳۰ رمضان کو دس بجے دن کے مولوی صاحب موصوف بخیریت تمام دیوبند پہنچے"۔ (القاسم ماہ شوال ص ۵)

مہتمم صاحب کی تحریر سے علامہ عثمانی کے بیانات کا گہرا اثر" مناظرہ میں واضح کامیابی اور رمضان کے ماہ میں طویل سفر اور مشقت نیز جمعیۃ الانصار کی شاخ کا وہاں افتتاح ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ سب امور موصوف کی مناظرانہ لیاقت، پر اثر تقاریر اور اسلامی خدمات کی آئینہ داری کرتے ہیں مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اپنی عمر کے ابتدائی حصہ میں ہی شہرت کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ کیونکہ آپ جب ۱۳۲۵ھ میں تعلیم سے فارغ ہوئے اور ۱۳۲۹ھ میں کراچی والوں کی نظر انتخاب مناظرے کے لئے صرف آپ پر ہی پڑی کہ دارالعلوم سے انہوں نے آپ ہی کو دعوت دی۔ یہ تو آپ کے مناظرے کے دو تین تحریری ثبوت کے مناظر تھے ورنہ آپ نے کتنے زبردست مناظرے کیے جن کی تفصیل یہاں مطلوب نہیں۔

ہندوستان کے مختلف مذاہب اور دیگر مکتبہ ہائے خیال کے ساتھ آئے دن کے مناظروں کے باعث دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کو تقریروں اور مناظروں کی مشق کرائی جاتی رہتی تھی اور علامہ عثمانی ان امور کے انچارج ہوتے تھے اور طلبہ کو ان فنون کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے عہد میں اس قسم کی مختلف جماعتیں ظہور میں آتی رہتی تھیں۔ جیسا کہ مرحوم سید سلیمان ندوی کے بیان سے واضح ہے۔

تحریک خلافت کے زمانے کے بعد جب حکومت برطانیہ نے ہندو مسلم اتحاد کے خرمن پر فساد اور پھوٹ کی بجلی گرائی اور پنڈت شردھانند نے آگرہ اور اس کے اطراف و جوانب میں شدھی کی تحریک شروع کی تو علامہ بھی وہاں پہنچے اور دارالعلوم میں طلبہ کے سامنے مناظرانہ شان کی تقریریں شروع فرمائیں اور اسی کے نتیجہ میں مولانا کا "اعجاز القرآن" جیسا مقالہ علمی خزانے لے کر ہمارے سامنے آیا۔ اس زمانہ میں دارالعلوم میں ہندی کی تعلیم کا بھی آغاز ہوا اور راقم الحروف نے بھی کئی سال ہندی کی تعلیم جاری رکھتے ہوئے سنسکرت کے ستیارتھ پرکاش کا پہلا باب پڑھنا شروع کیا جس کے بعض بعض اشلوک اب تک مجھے یاد ہیں۔

آپ نے جہاں قادیانوں کے رد میں بہت کچھ کام کیا ہے وہاں آریوں کے متعلق بھی آپ کے مضامین مناظرہ کرنے والوں کے لئے خاص ہتھیار ہیں۔

قادیانیوں کے رد میں بعض آیات کے ماتحت آپ کی تفسیر میں بہت کچھ ہے اور خاص طور پر آپ کی کتاب "الشہاب" اور "صدائے ایمان" نیز دیگر تقریریں ہیں۔

اکتوبر ۱۹۱۸ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ کے جلسہ انعام میں مولانا عثمانی نے جو تقریر کی۔ اس

کے متعلق القاسم ماہ مذکور کے صفحہ چونتیس پر مولانا اعزاز علی صاحب کی رپورٹ یہ ہے:۔

"(مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ) کی تقریر کے بعد حضرت مولانا مولوی شبیر احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے اسی مذہب کے متعلق بعض خاص خاص ارشادات فرمائے۔ حیات مسیح کے متعلق دلائل بیان فرما کر فرمایا کہ عقلی دلیل بھی اسی کو مقتضی ہے کہ مسیح علیہ السلام ضرور زندہ ہیں آج چونکہ جمعہ کا دن ہے اور وقت تنگ ہو گیا ہے اس لئے ہم پھر کسی روز بیان کریں گے آخر میں آپ نے موثر الفاظ میں طلبہ سے فرمایا کہ تم لوگ محض خدا کے واسطے مناظرہ کرو اور احقاق حق کی پوری کوشش کرو"۔ (القاسم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ)

اس رپورٹ سے بھی علامہ کا مناظرہ کے فن میں طلبہ کو رغبت دلانا واضح ہے۔ غرض کہ آپ کی زندگی کے بہت سے لمحے اسی فن کی صحرا نوردیوں میں گزرے جو آج بھی ہمارے لئے یادگار مباحث ہیں۔ رہا مباحثہ تو اس کے متعلق سیاسیات کے عنوان کے ماتحت مختلف واقعات ملیں گے جو مولانا محمد علی جوہر اور سید سلیمان ندوی وغیرہما کے ساتھ پیش آئے۔

مکالمہ

جب کسی خاص مسئلہ میں آپ کو اہل علم حضرات سے کلام کرنے کی نوبت آئی ہے وہ اپنی جگہ حیرت انگیز ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ کا "مکالمۃ الصدرین" ملاحظہ کیجئے۔

عثمانی اور تبلیغ اسلام

اسلام میں تبلیغ کا فریضہ اس قدر اہم اور نازک ہے کہ اس کی ذمہ داری سے صحیح قسم کا مبلغ ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ تبلیغ محض یہی نہیں ہے کہ کسی مذہب کو جس طرح چاہا دوسروں کے سامنے پیش کر دیا۔ بلکہ قرآن کریم نے مبلغ کے فرائض میں دو کڑی شرطیں لگائی ہیں یعنی حکمت اور موعظۂ حسنہ چنانچہ خدائے حکیم نے اپنے کلام میں آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حسب ذیل الفاظ میں فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ

اپنے رب کی طرف (اے محمد) حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ لوگوں کو دعوت دیجئے۔

مذکورہ آیت میں تبلیغ کی روح بیان کی گئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی صداقت کے علاوہ اسی حکیمانہ طرز اور موعظۂ حسنہ کے ذریعہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنی زندگی میں وہ زبردست

کامیابی ہوئی کہ دنیا کے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کسی کو بھی وہ مقام حاصل نہیں ہو سکا۔

تبلیغ کی فرضیت

تبلیغ میں جہاں حکمت اور موعظہ حسنہ کی ضرورت ہے وہاں خود نفس تبلیغ کو اسلام نے فرض قرار دیا ہے چنانچہ **بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالته** یعنی آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا جائے اس کی برابر تبلیغ کرتے رہئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے منصب رسالت میں کوتاہی کی۔ اس لئے ختم نبوت کے بعد تو علما کے لئے تبلیغ کا کام اس قدر اہم ہو جاتا ہے کہ اسلام کی حیات اور نشو ونما کا بہت بڑا دارومدار محض تبلیغ پر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تبلیغ کی افادیت کا اندازہ کلام الٰہی کی اس آیت سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔

وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین

اور آپ نصیحت کرتے رہا کیجئے کیونکہ نصیحت مومنین کو نفع بخش ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا کی حیات دینی اور دنیوی کسی منفعت کے حصول پر موقوف ہے اور مذکورہ آیت میں نصیحت کرتے رہنے کو مسلمانوں کے لئے سودمند بتایا گیا ہے اس لئے ہر مسلمان کا عموماً دوسروں کو تبلیغ کرنا اور علما کو بالخصوص نہایت ضروری ہے تبلیغ اور نصیحت کی مسلسل بارشوں سے خالق کون ومکان کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے اور دین کی طرف دلوں کا میلان ہوتا رہتا ہے چنانچہ ہر دور میں یہ علمائے اسلام ہی کی کوششوں کا نتیجہ رہا ہے کہ اسلام کے احکام اور مسلمانوں کے اعمال صالحہ میں تازگی اور نشو ونما ہوتی رہی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کی تبلیغی سرگرمیاں بھی ایسی نہیں ہیں کہ جن کو فراموش کیا جا سکے اگر آپ کی تبلیغی سرگرمیوں اور اسلامی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو مختصر الفاظ میں مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ آپ کی ساری عمر اللہ کے کلمہ کو بلند کرتے اور دعوت اسلام دیتے اور اسلام کی صداقت کے بیان کرنے میں بسر ہو گئی۔ اس کا اندازہ آپ گذشتہ اوراق سے کر چکے ہوں گے۔ آپ کی تحریریں اور تقریریں، تصانیف اور مجلسیں اسلام کے نظریوں کو آشکارا کرنے کے لئے وقف رہیں۔ عمر کے تمام لمحے قرآن اور سنت کو حکیمانہ انداز میں سلجھانے اور موعظہ حسنہ کے ساتھ سمجھانے میں گزر گئے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ انہوں نے جس پہلو پر بھی قلم اٹھایا لبوں کو جنبش دی مسلمانوں

کے دلوں کی کھیتیوں کو سرسبز و شاداب بنا دیا جس جلسہ میں تقریر کی اس کے دلوں کی دنیا کو بدل ڈالا غرضیکہ نفس تبلیغ اور حکیمانہ انداز دونوں میں موصوف کی خدمات بہت شاندار ہیں۔ اور دونوں میں آپ کا مقام بلند اور معیار اونچا ہے اور انصاف یہ ہے کہ وہ دنیائے اسلام کے ممتاز مبلغین کی فہرست میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

تبلیغ کا آغاز

دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ کا سب سے پہلا غلغلہ انداز تبلیغی مقالہ ”اسلام“ تھا۔ جس کو آپ نے جمعیۃ الانصار دیوبند کے ماتحت موتمر الانصار مراد آباد کے عظیم الشان اجتماع میں پڑھ کر پبلک اور علماء میں اپنا وقار قائم کیا۔ یہ جلسہ ہندوستان کے بڑے بڑے علماء فضلاء اہل عزت و اہل علم کا اپنے دور میں زبردست جلسہ تھا یہیں سے حضرت عثمانی کی شہرت کا آفتاب طلوع ہوا۔

موتمر کا دوسرا جلسہ جو میرٹھ میں ہوا اس میں آپ نے الدار الآخرہ یعنی قیامت کے اثبات اور تناسخ کے بطلان پر زبردست فلسفیانہ مقالہ پڑھا۔ بعد ازاں جیسا کہ آپ نے ابھی گذشتہ اوراق میں مناظروں کے سلسلہ میں پڑھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ان کی تقریریں ہوئیں کہ ہر تقریر بجائے خود تبلیغ تھی۔

حکیمانہ رنگ

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ایک مبلغ کو تبلیغ میں حکمت کی سخت ضرورت ہے وہ آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تبلیغی سلسلہ جاری کر رکھا تھا اور قائداعظم محمد علی جناح کو تبلیغ کرنے کے لئے وفد کی ترتیب دی تو اس کا امیر انہوں نے مولانا شبیر احمد صاحب کو منتخب فرمایا۔ ”تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی“ کے مصنف لکھتے ہیں:۔

”۳ جون ۱۹۳۹ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ ارباب لیگ کو تبلیغ کرنے کی غرض سے حضرت تھانوی نے اس اجلاس کے زمانہ میں ایک تبلیغی وفد بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ آپ نے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو اس وفد کا امیر مقرر فرمایا“۔ (تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی ص ۷)

حاضر جوابی اور مسئلہ کی تہہ تک رسائی

مولانا محمود علی صاحب مرحوم سابق پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ (جن کی ۲۳ اپریل ۱۹۳۵ء کو

پنشن ہونے کے بعد اس راقم الحروف کو کپورتھلہ کے اسی کالج میں بحیثیت لیکچرر بارہ سال ایف اے اور بعد ازاں بی اے کی کلاسوں کو ستمبر ۱۹۴۷ء پاکستان کے بننے تک پڑھانے کی نیابت کا فخر حاصل رہا) اپنے زمانے کے علماء مصنفین میں ایک دیدہ ور مصنف تھے۔ آپ کی تصنیفات میں سے دین و دولت، دین دانش اور دین و آئین بہترین تصنیفات ہیں۔ آپ غالباً اس وقت دین و آئین کی تصنیف میں مصروف تھے اور مسئلہ سود کی دقیق بحثوں کی الجھنوں کے سلجھانے میں بے تاب تھے۔ کیونکہ موجودہ دور میں دنیاوی تجارتوں کا طویل سلسلہ بینکوں کے لین دین اور سود کے بغیر چلنے کی دشواریاں ہر ہر قدم پر مشکلات کا پتہ دے رہی تھیں۔

ناگاہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا کپورتھلہ تشریف لانا ہوا اور آپ محترم خواجہ فیروز الدین صاحب مرید عقیدت کیش حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی علیہ الرحمۃ و سابق ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی کوٹھی پر قیام فرما ہوئے۔ مولانا محمود علی صاحب نے مسئلہ سود کی الجھنوں کو حضرت عثمانی کے سامنے پیش فرمایا اور عرض کیا کہ موجودہ دور میں اس کے بغیر چارہ نظر نہیں آتا۔ ان کا اتنا فرمانا تھا کہ جواب حاضر تھا سوچنے کی ضرورت نہ تھی۔ مولانا نے فرمایا:۔

”اگر کسی ملک یا شہر میں وبا پھیل جائے اور اس میں انسان مبتلا ہونے لگیں تو کیا بیماری کو صحت کہا جا سکے گا یا بیماری کو بیماری ہی سمجھا جائے گا“۔

مولانا محمود علی صاحب مرحوم اس جواب کو سن کر پھڑک اٹھے اور فرمایا میں سمجھ گیا۔ قابل نے جوہر قابل کو اشارہ کیا اور اشارہ ہی اشارہ میں سب کچھ حل فرما دیا۔ خاصوں کے سامنے نکتوں کی تشریح خلاف بلاغت ہے جس طرح عوام کے سامنے خاص نکتوں کا بیان کرنا خلاف بلاغت ہے۔

پیش ارباب خرد شرح مکن مشکل عشق
نکتہ خاص مگو مجلس عام است ایں جا

گفتگو میں بذلہ سنجی اور حقیقت کی ملاوٹ

دیر کی بات ہے کہ مولانا عثمانی اپنی آنکھیں بنوانے کے لئے موگا ضلع فیروز پور تشریف لے گئے۔ وہاں ایک مرزائی قادیانی مولانا کے پاس آیا۔ مولانا عثمانی اس وقت حجامت بنوا رہے تھے۔ قادیانی صاحب حسب عادت کہنے لگے کہ اگر کوئی شخص نیکوں کے راستہ پر چلتا ہے تو نیک ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بدوں کے راستہ پر چلتا ہے تو بد، کوئی ولی کی راہ پر چلتا ہے تو ولی مولانا عثمانی مرحوم اس کے مقصد کو تاڑ گئے اس کا منشا اس کہنے سے یہ تھا کہ جو نبوت کے راستہ پر چلے گا وہ نبی ہو جائے گا۔ مولانا

نے فوراً فرمایا اور جو ریل کے راستہ پر چلے گا وہ ریل ہو جائے گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں شہد کی مکھی کو فرمایا ہے۔ فاسلکی سبل ربک ذللا (اپنے رب کے راستہ پر آسانی سے چلتی رہ) لہذا شہد کی مکھی رب کے راستہ پر چلنے سے رب بن جائے گی۔ فبهت الذی کفر

قوت فیصلہ

دہلی کے ایک ہندو مسلم متحدہ اجلاس میں جس کی صدارت کوئی ہندو لیڈر کر رہا تھا اور یا گرو کی شدھی کے بعد کا واقعہ ہے۔ دو مسئلے در پیش تھے۔ پہلا ہندو مسلم اتحاد اور دوسرا انگریز سے حصول آزادی کا طریق کار۔

اس اجلاس میں بڑے بڑے ہندو مسلم لیڈر جمع تھے۔ جلسہ بھی اہم تھا۔ جمعیۃ العلما کے حضرات بھی تھے اور علماء دیوبند میں سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بھی شریک جلسہ تھے۔ جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی جلسہ کا کافی قیمتی وقت اسی بحث میں ضائع ہو گیا کہ دونوں تجویزوں میں سے پہلے کس کو طے کیا جائے۔ پلیٹ فارم پر دسیوں لیڈر آئے کسی نے پہلی اور کسی نے دوسری تجویز پر پہلے بحث کرنے کو کہا اسی طرح معاملہ طول پکڑ گیا اور کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ آخر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سے نہ رہا گیا آپ نے مولانا احمد سعید صاحب کے ذریعہ صدر جلسہ سے بولنے کی اجازت چاہی اور پلیٹ فارم پر تشریف لائے کھدر کے موٹے کپڑے بدن پر اور کھدر کی محمودیہ ٹوپی سر پر دیکھ کر لوگ معمولی آدمی سمجھے۔ آپ نے حسب ذیل تقریر شروع فرمائی۔

"صاحب صدر! آج کے جلسہ کی کارروائی سے مجھے خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی۔ میں تقریر سے پہلے اپنا تعارف کرا دوں کہ میں چٹائیوں پر بیٹھنے والوں اور چراغ کی روشنی میں پڑھنے والوں میں سے پرانے خیالات کا ایک شخص ہوں مجھے مسرت اس لئے ہوئی کہ میں سمجھتا تھا کہ نئی روشنی پرانی سے بہتر ہوگی مگر آج کے جلسے نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ معاملہ غلط ہے۔ بلکہ ثابت یہ ہوا کہ اس نئی روشنی سے وہی پرانی روشنی بہتر ہے اور افسوس اس امر کا ہے کہ نئی روشنی کے حامل انسان ابھی تک یہ طے نہ کر سکے کہ دونوں تجویزوں میں سے پہلے کس تجویز کو طے کیا جائے۔ اس مسئلہ کا بہت آسان حل میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی انسان کسی کارخانہ کے کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ انجن کی طاقت کے مطابق ہی مشین لگاتا ہے۔ اگر انجن دس ہارس پاور کا ہوگا اور مشین کو چلانے کے لئے پندرہ گھوڑوں کی طاقت کے انجن کی ضرورت ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کوئی عقل مند آدمی ایسی مشین نہیں لگا سکتا ورنہ کارخانہ چلنے کی امید عبث ہے۔

لہذا ہمیں اس اجلاس میں پہلے یہ طے کرنا ہے کہ دونوں قومیں متحد ہو کر کوئی کام کرنا چاہتی

ہیں یا علیحدہ علیحدہ۔ دونوں قوموں کے اتحادی انجن کے لئے جو مشین لگائی جائے گی اس کے لئے کچھ اور سکیم ہوگی اور انفرادی انجن کے لئے کچھ اور۔ لہذا اگر مسلم اور ہندوؤں کو علیحدہ علیحدہ حقوق کا پاس ہے تو اس صورت میں ہم مسلمانوں کو یہ سوچنا ہوگا کہ ہم اپنے انجن کی طاقت کے مطابق مشین لگائیں گے۔ لہذا پہلے ہندو مسلم اتحاد کے معاملہ پر بحث ہونی چاہئے"۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی یہ تقریر سن کر صدر نے فوراً فیصلہ کر دیا کہ واقعی پہلے اسی تجویز پر غور ہونا چاہئے اس کے بعد اور کسی کی کوئی بات اس تجویز کے متعلق نہ سنی جائے گی۔ چنانچہ اس تجویز کے متعلق جلسہ کے اکثر اوقات میں ہندوؤں کی طرف سے موہن مدن مالویہ بولتے رہے اور مسلمانوں کی طرف سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مالوی کے جوابات دیتے رہے۔ تا آنکہ مولانا عثمانی اپنی تقریر اور قوت فیصلہ سے دونوں قوموں کے لیڈروں پر چھا گئے۔

جواب کی لاجوابی

ابھی ابھی مناظرے کے ضمن میں آپ نے علامہ کی قوت استدلال کا ذکر پڑھا ہے اسی کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ آپ معترض یا سائل کا جواب اس قدر وزنی مناسب اور محققانہ دیتے تھے کہ قاری یا سامع کو اس جواب کی لاجوابی کا یقین ہو جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں ہم آپ کو معترضین اور سائلین کے اعتراضات اور موصوف کے جوابات کی طرف لئے چلتے ہیں جو ان کی تصنیفات اور مضامین سے ملتے ہیں۔ مثلاً تناسخ یا آواگون کے متعلق سوامی دیانند کی ایک دلیل اپنے مضمون الدار الآخرہ میں علامہ لکھتے ہیں:۔

سوامی جی کی دلیل

سوامی جی تناسخ کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھو ہر آدمی کو بالطبع موت سے ڈر لگتا ہے حالانکہ خوف اسی کا ہونا چاہئے جو کبھی تجربہ میں آ چکی ہو اس سے ثابت ہوا کہ ہم پہلے بھی کبھی موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں اور اس کی وہ ناگوارگی جب ہم کو یاد آ جاتی ہے تو ہم اس سے گھبرا اٹھتے ہیں (القاسم رجب ۳۵ھ ص ۱۵)

جواب عثمانی

سوامی جی نے اس دلیل میں جس فلسفیت کو کام فرمایا ہے وہ قابل داد ہے اگر وہ یہ بھی خیال

فرما لیتے کہ آدمی موت سے اس لئے ڈرتا ہے کہ موت اس کی ہستی کو زائل کر دینے والی چیز ہے اور اپنی ہستی کی محبت ہر ایک شخص کے دل میں ایسی طبعی ہے جس کے واسطے سبب کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ اگر یوں کہا جائے کہ آگ بالطبع گرم اور پانی ٹھنڈا ہے تو یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ کس سبب سے ایسا ہوا اور کیوں آگ ٹھنڈی اور پانی گرم نہ ہو گیا۔" (الحکم رجب ۱۳۲۱ھ ص ۱۵)

آریوں کا اعتراض

اب ہم اپنے دوستوں سے نہایت ادب کے ساتھ ایک اور سوال کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ جب آپ عذاب قبر کے مسئلہ میں اس وجہ سے ہم پر برہم ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ایک مدت دراز تک سشن سپرد کرنے کی کیا ضرورت ہے کیوں قیامت کا انتظار کیا جاتا ہے اور فوراً ہی سزا کیوں نہیں دی جاتی۔ کیا خدا تعالیٰ کو اس کے جرم کی تحقیقات صحیح طور پر نہیں ہوئی"۔ (بحوالہ مذکورہ)

جواب عثمانی

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جس وقت کسی زانی نے زنا کیا یا کسی شرابی نے شراب پی یا اور کوئی گناہ کیا تو تناسخ ماننے والوں کا خدا اسی وقت ان کو کیوں نہیں سزا دیتا اور موت کا کیوں انتظار کرتا ہے۔ اگر خدا کو ابھی تک اس کے مجرم ہونے کا ثبوت بہم نہیں پہنچا تو اس کو عالم الکل کہنا روا نہیں اور اگر باوجود جرم ثابت ہونے کے پھر سزا دینے میں ٹال مٹول کی تو آپ کے اصول کے مطابق کھلی ہوئی سستی یا ناانصافی پر دلالت کرتا ہے"۔ (بحوالہ مذکورۃ الصدر)

مذکورہ بالا اعتراضات کے جوابات کی لاجوابی کا آپ خود اندازہ کر لیجئے اور غور کیجئے کہ ان کے جواب میں کتنی معقولیت ہوتی ہے کہ دھاندلی کا نام نہیں ہوتا۔

شبہ

کہا جاتا ہے کہ قادیانی نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں تلاوت کرتے ہیں پھر بھی وہ مسلمان کیوں نہیں۔

جواب عثمانی

میں کہتا ہوں کہ ایک ایسی ہی بدنصیب قوم کا ذکر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو ظاہر میں صحیح اور سچے مسلمانوں سے بھی زیادہ نمازیں پڑھیں گے روزے رکھیں گے تلاوت کریں گے لیکن وہ اسلام سے ایسے ہی خارج ہو جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے اور مسلم کی وہ حدیث

بھی پڑھیے جو ابواب الایمان میں ہے کہ ایک شخص آنحضور اور صحابہ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا اور اس نے مسلمانوں کی اتنی خدمت کی تھی کہ اس کا اقرار صحابہ نے خود حضور سے ان الفاظ میں کیا۔

مااجزأمنا الیوم احدما اجزأفلان

آج کے دن ہم میں کوئی بھی ایسا کافی نہیں ہوا جیسا کہ فلاں آدمی۔

مگر آنحضور علیہ السلام نے ان شاندار خدمات کے باوجود فرمایا:۔

اماانه من اهل النار یادرکھو وہ تو جہنمی ہے۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فتویٰ بھی پڑھیے جس میں انہوں نے اس جماعت کو جو قرآن و رسول اور سب کو مانتی تھی۔ صرف تقدیر پر ایمان نہیں رکھتی تھی آپ نے فرمایا۔

اذالقیت اولئک فاخبرهم انی بری منهم وانهم برأوا منی والذی یحلف به عبدالله بن عمر لو ان لاحدهم مثل احدذهبا فانفقه ما قبل الله منه حتی یومن بالقدر

جب تم ان سے ملو تو کہہ دو کہ میں عبداللہ ان سے علیحدہ ہوں اور ہم سے بے تعلق ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کی عبداللہ بن عمر قسم کھا سکتا ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کی برابر سونا ہو تو اللہ تعالیٰ ہرگز اسے قبول نہ کرے گا تا آنکہ وہ شخص تقدیر پر ایمان نہ لے آئے۔

مذکورہ روایات کو پڑھ کر کس کو جرات ہو سکتی ہے کہ قادیانیوں کی نام کی اسلامی خدمات اور نماز روزہ پڑھنے اور رکھنے کے باعث جب تک کہ وہ کفریہ عقائد سے دست بردار نہ ہوں مسلمان کہہ سکیں۔

مذکورہ بالا اعتراضات وشبہات کے جوابات کی لاجوابی موزونیت اور محققانہ انداز سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کے جوابات میں کس قدر معقولیت ہوتی تھی اور یہ کہ دھاندلی کا نام نہیں تک ہوتا تھا۔

شعلہ مقال مقرر و خطیب

اثر لبھانے کا پیارے ترے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں

خطابت کی تعریف

تحریر یا تقریر کی اس خوبی کو خطابت کہتے ہیں جس سے ہماری تقریر یا تحریر زیادہ سودمند یا زیادہ خوشگوار اور مدلل ہو جائے۔ ادبائے عرب خطابت کے علم کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

ا۔ خطابت کا وہ پہلو جو افادی کہلاتا ہے اس کو علم معانی کہا جاتا ہے۔

۲۔ خطابت کا وہ حصہ جو گفتگو یا تحریر و تقریر کو مدلل اور موثر بناتا ہے اسے علم البیان کہتے ہیں۔

۳۔ خطابت کا وہ ظاہری حسن جس سے کسی تحریر یا تقریر کو سنوارا اور سجایا جاتا ہے علم بدیع کہلاتا ہے۔

خطبہ، خطابت، خطیب اور مخاطب سب الفاظ ایک ہی مادہ سے ہیں اور جیسا کہ مذکورہ سطور میں گزرا خطابت کا لفظ تحریر و تقریر دونوں کو شامل ہوتا ہے لیکن راقم الحروف کی مراد عنوان بالا میں مولانا عثمانی کی خطابت کے تقریری حصہ سے ہے۔ ان کی تحریر کے متعلق گذشتہ اوراق میں سیر حاصل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ ان صفحات میں علامہ عثمانی کی تقریر کے ان صفاتی اجزا سے بحث کی جائگی جو ان کی زندگی کا درخشاں باب ہے اور یہ وصف ان کے جوہر علمی کو چمکانے اور ان کی ہستی کو شہرت کے آسمان پر لے جانے والا وصف ہے جس سے مولانا نے بڑے بڑے معرکۃ الآرا سیاسی اور علمی میدانوں میں طرق کے جھنڈے گاڑے ہیں مجھے اقبال مرحوم کے اس قنوطیت پسند تخیل یعنی۔

برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

سے اتفاق نہیں۔ ان کے زمانے میں ان سے پہلے۔ اور ان کے بعد بیسیوں شعلہ مقال مقرر اور خطیب پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی آتش بیانیوں سے ہندوستان میں آگ لگا کر رکھ دی۔ اپنی برق طبعی سے جہاد فی سبیل اللہ کے شعلے بھڑکا دیے اور انقلاب کے طوفان برپا کر ڈالے۔ اقبال کے کانوں نے دہلی کی جامع مسجد کی وہ محفلیں سنی ہوں گی جو مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کے مواعظ سے گرم تھیں اور جنہوں نے دہلی کے کوچہ و برزن میں آگ لگا دی تھی۔ اور کیا پھر ان کے سامنے وہ نقشہ نہیں جو مولانا ابوالحسن ندوی نے اپنی کتاب "سیرت سید شہیدؒ" ص ۲۳۹ میں بایں الفاظ کھینچا ہے:۔

”مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) جو خلقاً اور خلقاً شاہ (محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ) سے بہت مشابہ تھے اور اپنے زمانہ کے نہایت خوش بیان واعظ و خطیب تھے۔ سید صاحب کے دیکھنے والوں نے انقراض صحبت کے بعد پھر کسی کا وعظ نہیں سنا۔ البتہ اگر کبھی اتفاق ہوا تو مولوی (محمد قاسم صاحب مرحوم) کا وعظ سنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کا وعظ مولانا محمد اسماعیل صاحب کے وعظ سے بہت ملتا تھا“۔

دارالعلوم دیوبند کے علما میں یوں تو کتنے بہترین مقرر اور خطیب گزرے لیکن متوسط دور میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ایسا بادل کی طرح برسنے والا اور بجلی کی طرح کڑکنے والا آتش بیان خال خال ہی ہندوستان میں پیدا ہوا۔

خلافت کے جلسے، ترک موالات کے پلیٹ فارم جمعیۃ علما کے پنڈال مدارس اسلامیہ کی وجد

آور درسگاہیں مسلم لیگ کی کانفرنسیں ہندو مسلم سیاسیات کی نبردگاہیں تبلیغ وارشاد کی مجلسیں موتمر مکہ کی محفلیں دار العلوم دیوبند کی مسندیں موتمر الانصار کے ہنگامے جامعہ ڈابھیل کی فضائیں اور مرکزی پارلیمنٹ پاکستان کی مشورت گاہیں کسی جادو بیان کی سحر آگیں تقریر کے اشتیاق میں آج بھی سراپا انتظار ہیں۔ آج بھی فضائیں انہیں تقریروں سے گونج رہی ہیں مگر آہ وہ آتش بار زبان ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ مگر نہیں نہیں وہ سیف اللہ خالد کی طرح زبان الٰہی تھا۔ جو کلام ربانی کی تفسیروں میں بولتا بولتا اگرچہ دنیا سے اٹھ گیا۔ مگر اس کی آوازیں مسلسل آرہی ہیں وہ زبان رسالت تھا جو حدیثوں کے عقدے کھولتا کھولتا فضائیں بھر گیا۔

آج دار العلوم دیوبند سے مسئلہ تقدیر حقیقت روح خوارق عادات تحقیق ایمان اتحاد و عقل و نقل اعجاز قرآن کی تحقیق کے تشنہ کام اور درد دل والے اپنی دوائے درد کے لئے اس مسیحا کا پتہ پوچھ رہے ہیں لیکن دار العلوم زبان حال سے کہہ رہا ہے۔

ہم نفسو اجڑ گئیں مہر و وفا کی بستیاں
پوچھ رہے ہیں اہل دل مہر و وفا کو کیا ہوا

علامہ عثمانی کی تقریر اور خطابت کے متعلق میں نے اوپر شاعری سے کام نہیں لیا۔ اگر یہ آپ مانتے ہیں کہ بعض مقرر جادو بیان ہوتے ہیں تو ان جادو بیانوں میں سے ایک جادو بیان مولانا شبیر احمد عثمانی تھے۔ پنجاب کے نامور ادیب مولانا نصر اللہ خان عزیز بی اے اپنے اخبار "تسنیم" مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کے آرٹیکل معنون بہ "شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی" میں لکھتے ہیں:۔

"مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبند کے مدرسہ علم و فقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے سینے میں ایک دل بیدار و مستجاب تھا جو ان کی تمام احتیاطوں کے باوجود ان کو میدان عمل میں لئے پھرتا تھا۔ سب سے پہلے وہ تحریک خلافت و عدم تعاون میں عوام کے سامنے آئے وہ ایک جادو بیان مقرر تھے۔ لاہور میں مولانا ابو الکلام آزاد کی صدارت میں جمعیۃ العلمائے ہند کی کانفرنس ہوئی تھی اس میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی تقریر نہایت معرکۃ آرا تھی"۔

مولانا ظفر علی خان صاحب مولانا شبیر احمد صاحب کے متعلق اپنے مقالہ "آہ شیخ[1] الاسلام" میں لکھتے ہیں۔

"جن لوگوں نے مرحوم کی تقریریں سنی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا کے ایک ایک لفظ میں علم و عرفان کا سمندر موجزن ہوتا تھا اور ایک ایک بات میں دنیا بھر کے حقائق پوشیدہ ہوتے تھے"۔

(زمیندار مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء)

---

[1] مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا لقب جو اہل پاکستان کے قلم اور زبان پر جاری ہوا۔ اس لقب کی زیادہ تر شہرت دولت عثمانیہ میں رہی اسلامی حکومتوں میں شیخ الاسلام کی پوزیشن چیف جج کی رہی ہے۔ ۱۲ انوار

مفتی کفایت اللہ صاحب نے فرمایا:۔

"مولانائے مرحوم (مولانا شبیر احمد صاحب) وقت کے بڑے عالم پاکباز محدث، مفسر اور خوش بیان مقرر تھے"۔ (الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء امروز اخبار لاہور نے اپنی اشاعت ۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء میں لکھا:۔

"جن لوگوں نے ان (مولانا عثمانی) کی جوانی کے زمانے کی تقریریں سنی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ جس مجمع میں تقریر کرنے کھڑے ہوتے تھے اس پر چھا جاتے تھے"۔

ہفتہ وار قندیل لاہور ۲۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

"شیخ الاسلام (مولانا شبیر احمد صاحب) دنیا کے نامور علماء میں سے تھے۔ وہ ایک جید عالم قرآن کے مفسر، حدیث کے عالم ہونے کے علاوہ سیاست دان اور تجر بیان مقرر تھے"۔

استاذ محترم مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا:۔

"آپ کی فصیح و بلیغ تقریروں سے لاکھوں باشندگان وطن آزادی وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے"۔ (الجمعیۃ دہلی)

مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:۔ "ایک میلاد کی مجلس میں میرا ان کا ساتھ ہو گیا۔ اسی جلسہ میں خود حضور نظام بھی آنے والے تھے۔ میری تقریر ہو رہی تھی کہ وہ آ گئے میرے بعد مولانا شبیر احمد صاحب نے تقریر شروع کی۔ حضور نظام نے بڑی داد دی اور اہل محفل محظوظ ہوئے۔

مولانا شبیر احمد صاحب بڑے خطیب و مقرر تھے۔ ان کی تقریروں میں کافی دلائل ہوتے تھے اور سیاسی و ملی اور تبلیغی واعظانہ ہر قسم کے بیان پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ ذہانت و طباعی اور بدیہہ گوئی ان کی تقریروں سے کافی نمایاں ہوتی تھی"۔ (معارف اپریل ۱۹۵۰ء ص ۳)

احمد سعید اختر اخبار آزاد میں مولانا عثمانی کی تحریر و تقریر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"حلقہ علما میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بلیغ البیان خطیب شاید عرصہ تک میسر نہ ہو۔ جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ علم و کمال کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور علم و عرفان کی سوتیں رواں ہو کر ابل رہی ہیں۔ وہ تقریر و تحریر میں اپنے وقت کے امام تھے۔ عربی و فارسی دونوں زبانوں پر آپ کو اردو کی طرح عبور تھا۔ اور بے تکان بولتے اور لکھتے چلے جاتے تھے"۔ (آزاد اخبار مورخہ ۲۳ دسمبر ۴۹ء کالم ۴)

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:۔

"اپنے وقت کے زبردست متکلم نہایت خوش تقریر یا محدث و مفسر سب کچھ ہی تھے"۔ (صدق جدید)

بار بار کتاب کی ضخامت کا ڈر کا میرے لئے سوہان روح نہ بنتا۔ اور قارئین کی پیشانی کی سلوٹوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ہندو پاکستان و بیرون ہند کے تمام اہل علم کی رائیں پیش کرتا۔ جو ایک رسالہ کی شکل اختیار کر جاتیں۔ اس لئے چند نقاد خطابت کے اقوال پر اکتفا کرتا ہوں اور مولانا کی خطابت کے محاسن کا تجزیہ کرنا چاہتا ہوں۔

علامہ کی خطابت کے جائزے

۱۔ مولانا کی تقریر کے کمالاتی اجزا میں ان کا استدلال اور محققانہ طرز قابل تحسین تھا۔ آپ یقیناً ایک پرجوش خطیب اور لیکچرر تھے مگر آپ کا منطقیانہ طرز خطابت مخاطبین کے جذبات سے کھیلنے کی بجائے زیادہ تر دماغ کو حرکت میں لاتا تھا۔

۲۔ خطابت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مخاطبین کے پیمانہ فکر کا اندازہ لگائے اور اس انداز کے مطابق جلسے کو لے کر چلے۔ مولانا کی تقریر میں اہل علم اور عوام دونوں کے لئے یہ جوہر یکساں تھا کہ وہ تقریر میں ایسا اعتدال قائم رکھتے تھے جس سے طبقات انسانی یکساں طور پر حظ اور دلچسپی حاصل کرتے تھے۔

۳۔ ان کی تقریر میں اتنی کشش اور جاذبیت ہوتی تھی کہ کوئی مخاطب نہ اکتاتا تھا اور نہ کشش سے چھوٹ کر بھاگ سکتا تھا۔ تحریر کی طرح تقریر بھی کانوں کے راستوں کو چیر کر دل اور رگ جاں میں پیوست ہو جاتی تھی۔

۴۔ دماغ اس قدر سلجھا ہوا تھا کہ تقریر کے تمام گوشوں پر اس کی گرفت بہترین ترتیب کے ساتھ اپنا کام کرتی تھی اور مقام و محل کی مناسبت کا خاص خیال رہتا تھا۔

۵۔ مافی الضمیر کی وضاحت اور افہام و تفہیم میں آپ کی تقریر بے نظیر تھی۔ مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق مضمون کو ایسے آسان طریقے اور تمثیل و تشبیہ کے ساتھ سمجھاتے تھے کہ کوئی جاہل سے جاہل بھی ناکام نہ جاتا تھا۔

۶۔ تقریر میں برمحل اشعار کا چسپاں کرنا آپ کا انتہائے کمال تھا۔ فن خطابت کے اصول کے پیش نظر خشک سے خشک مضمون کو عربی، فارسی اور اردو اشعار سے دلچسپ بناتے جاتے تھے۔ اکبر الٰہ آبادی کی شاعری سے آپ کو بے حد دلچسپی اور مناسبت تھی۔ لیکن ان اشعار سے آپ کی عالمانہ ثقاہت میں قطعاً کوئی فرق نہ آتا تھا۔

۷۔ علمی طاقت اور لسانی طلاقت کے ساتھ الفاظ کی شوکت مسلسل فضاؤں میں ارتعاش پیدا کر دیتی تھی جس سے دلوں پر جادو ہوتا چلا جاتا تھا وہ اپنی اعجاز بیانی سے سامعین کو تصویر حیرت بنا دیتے تھے۔ کہ کیا مجال جو ان کے چہرے سے نگاہیں اور ان کے بیان سے دل ہٹ جائیں۔

۸۔ بیان میں فصاحت، بلاغت، سلاست، شگفتگی اور ہلکی ہلکی ظرافت ہوتی تھی۔ ہاتھوں کی مناسب حرکت جسم کی گردش بائیں ہاتھ کی پہلو پر نشست اور دائیں ہاتھ کی جنبش نگاہوں میں ایک خاص کشش اور دندان مبارک کی ایک خاص تبسم کے ساتھ اثنائے تقریر میں چمک یہ سب آپ کی تقریر کے انداز تھے۔

مولانا کی جادو بیانی

گذشتہ سطور میں اہل قلم کے حوالے سے بقول مولانا نصر اللہ عزیز بی اے "وہ ایک جادو بیان مقرر"۔ اور بقول ہفتہ وار قندیل (ادارہ نوائے وقت) "معجز بیان مقرر" تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریروں کے کچھ واقعات کا خاکہ پیش کرتا ہوں۔ قاری محمد کامل صاحب عثمانی دیوبندی نے مجھ سے فرمایا:۔

خلافت کا زمانہ میں بمقام الٰہ آباد ایک جلسہ ہوا جس میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام دونوں شریک تھے۔ دونوں قریب قریب کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ناگاہ مولانا عثمانی کی تقریر کے کسی حصہ نے ابوالکلام کو چونکا دیا اور اپنی طرف جذب کر لیا۔ گردن جھک گئی اور مولانا ابوالکلام ایسے محو تقریر ہوئے کہ مولانا عثمانی کی تقریر ختم ہو گئی اور سر اسی طرح نیچے جھکا رہا۔ جب آزاد کے کان آواز سے لطف اندوزی نہ کر سکے تو سر اٹھا کر دیکھا مولانا عثمانی بیٹھ چکے تھے۔ چنانچہ مولانا آزاد نے پھر دوسرے اجلاس میں تقریر کی فرمائش کی"۔

دیکھئے ایک جادو بیان کو دوسرے جادو بیان نے باوجود استغناء کس طرح اپنی طرف کھینچ لیا۔

۲۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب تھانوی نے جو مولانا کے اکثر لیکچروں میں شریک رہتے تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ ایک ہندو، مسلم متحدہ اجلاس میں جو دہلی منعقد ہوا تھا کسی خاص سیاسی معاملہ پر مختلف تقریریں ہوئیں۔ لیڈروں اور علما نے اپنے اپنے نقطہ خیال سے تقریریں کیں جو گاندھی جی کی موافقت کر رہی تھیں۔ مولانا عثمانی بھی اٹھے اور تقریر شروع فرمائی۔ محفل کا رنگ بدل ڈالا۔ یہ دیکھ کر گاندھی بولے کہ آپ اپنی تقریر سے لوگوں کو مرعوب کر رہے ہیں۔

۳۔ غالباً ۱۹۲۳ء یا ۱۹۲۵ء یا اسی کے آس پاس کی بات ہے کہ جدید دارالاقامہ دارالعلوم دیوبند کی مالی اعانت کے سلسلہ میں ایک وفد جو علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری اور مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی پر مشتمل تھا۔ ضلع بجنور کے دورے پر پہنچا۔ نہٹور ضلع بجنور

میں جلسہ ہوا۔ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی جن کی فصیح وسلیس تقریر مشہور ہے اور جن کو ملکہ تقریر کے باعث "سحبان الہند" کہا جاتا ہے۔ وہ بھی دہلی سے تشریف لائے تھے۔ راقم الحروف بھی اتفاق سے موجود تھا۔ عشاء کے بعد مولانا عثمانی کی تقریر ہوئی۔ مولانا احمد سعید اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب دونوں تقریر سے موزوں فاصلہ پر چارپائیوں پر اتنی دور آرام فرما رہے تھے کہ تقریر کی آواز آ رہی تھی میں بھی مولانا احمد سعید صاحب اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ مولانا احمد سعید صاحب علامہ شبیر احمد صاحب کی تقریر پر انتہائے وجد میں بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ اور واہ واہ کے الفاظ سے ختم تقریر تک برابر بولتے جاتے اور جھومتے جاتے تھے۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی مولانا شبیر احمد صاحب کی تقریر پر میر عثمان خان صاحب نظام دکن کی داد اور مجمع کے محظوظ ہونے کا ذکر ابھی اوپر گزرا ہے۔ اسی تقریر کا حوالہ مولانا عثمانی نے دیتے ہوئے ایک مجلس میں اپنی پرانی نشست گاہ پر فرمایا تھا۔ جس میں راقم الحروف بھی موجود تھا۔ کہ نظام دکن میری تقریر میں خصوصی طور پر تشریف لائے تھے مجھ سے نظام صاحب کے مصاحبین نے کہا کہ نظام صاحب کے سامنے اس طرح تقریر کرنی چاہئے اور اس طرح اور آپ یہ پسند فرماتے ہیں اور وہ اور اتنی دیر ہونی چاہئے اور اتنی میں (مولانا عثمانی) نے تقریر شروع کی دیر تک تقریر جاری رہی اور نظام صاحب برابر تقریر میں بیٹھے رہے۔ مصاحبین کی ساری ہدایات اپنی ہی جگہ رہیں میں نے اثنائے تقریر میں جب یہ کہا کہ:۔

"اگر آج حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیرہن کا ٹکڑا بھی نظام صاحب کو مل جائے تو آپ اس کو اپنے تاج میں لگانا باعث فخر تصور فرمائیں گے"۔ اس پر نظام صاحب اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور فرمانے لگے بے شک مولانا۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جو بہ نظر طوالت قلم انداز کرتا ہوں۔ آپ نے اگر ان کی تقاریر سنی ہیں تو خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ واقعی مولانا عثمانی جادو بیان مقرر تھے۔

حق بیانی

آپ کی تقریر کی روح اور خطابت کا جوہر بے باکانہ حق گوئی ہے۔ تحریر میں بھی جس چیز کو پوری تحقیق اور غور و فکر کے بعد صحیح خیال فرماتے عالمانہ شان سے صاف صاف اور حق فرماتے اور

جس چیز کو حق سمجھتے پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کو مرعوب نہیں کر سکتی تھی۔ اور ان کو ان کے مرکز خیال سے ہٹا نہ سکتی تھی۔ میں نے اکثر تقریروں میں مولانا کو حق گوئی اور بے باکی کے سلسلہ میں **افضل الجهاد من قال كلمة حق عند سلطان جائر** (افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کا کہنا ہے) کی حدیث پر عجیب شان سے تقریر کرتے ہوئے سنا ہے۔

مولانا سید سلمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک وقت ایسا آیا کہ جب نظام پر تفضیلیت کا غلبہ تھا اور اتفاق سے وہ مکہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے۔ تو مرحوم (مولانا شبیر احمد صاحب) نے تقریر فرمائی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بہت دلنشین طریقے سے بیان کیے تھے اس دن لوگوں کو مرحوم کی تقریر سے بڑی خوشی ہوئی اور ان کے بے کانہ اظہار حق کی سب نے تعریف کی"۔ (معارف اپریل ۱۹۵۰ء)

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی فاضل دیوبند ایم اے حضرت مولانا کے تلمیذ ماہنامہ "برہان" جنوری ۱۹۵۰ء کے نظرات میں مولانا عثمانی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"بڑے بڑے اجتماعات میں حضرت شیخ الہند کے ترجمان کی حیثیت سے (مولانا عثمانی نے) جو تقریریں کیں۔ انہوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں آپ کی عظمت و برتری کا سکہ بٹھا دیا"۔

حاصل یہ ہے کہ مولانا کی تقریر ہو یا تحریر حق گوئی اور صاف بیانی کا مرقع ہوتی تھی۔ علمی تحقیقات اور قوت بیانیہ مافی الضمیر کی ادائیگی اور وضاحت مضمون آفرینی اور قدرت الفاظ اس پر حق گوئی یہ وہ جوہر تھے جنہوں نے مولانا کی تقریر و تحریر کو چار چاند لگا دیے تھے۔

میں آپ کی حق بیانی کے سلسلہ کو مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے حسب ذیل تبصرہ پر ختم کرتا ہوں وہ "برہان" جنوری ۱۹۵۰ء کے نظرات میں لکھتے ہیں:۔

"تقریر کے وقت عقل کو کبھی جذبات سے مغلوب نہیں ہونے دیتے تھے۔ جو بات کہتے تھے ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ بہت ناپ تول کر کہتے تھے تحریک خلافت کا زمانہ حد درجہ اشتعال اور جذبات کی برانگیختگی کا عہد تھا۔ اس زمانہ میں کبھی بھی تقریراً تحریراً کوئی بات ایسی نہیں کہی جو صرف جذبات کا نتیجہ ہو۔ حق بات کہنے میں ہمیشہ بے باک اور نڈر تھے اور ہر معاملہ میں اپنی رائے صفائی اور آزادی کے ساتھ پیش کرتے تھے۔

چنانچہ شاید لوگوں کو اب تک یاد ہو کہ دہلی کے عظیم الشان جلسہ میں پنڈت مدن موہن مالویہ کے مقابلہ پر اور ۱۹۲۲ء میں گیا میں جمعیت العلمائے ہند کے سالانہ جلسے کے موقعہ پر کونسلوں کے بائیکاٹ کے مسئلہ پر حکیم محمد

اجمل خان مرحوم کی مخالفت میں حضرت علامہ استاذ نے کس قدر ہنگامہ آفریں اور معرکۃ الآرا تقریریں کی تھیں"۔

آہ! ان شعلہ مقالیوں کو اب قوت سامعہ ترستی ہے اور بقول ڈاکٹر اقبال

حضور ملت بیضا تپیدی   نوائے دلگدازے آفریدی
ادب گوید سخن را مختصر گو   "تپیدی" آفریدی" آرمیدی

علامہ کی تقریر کے متعلق مولانا سعید احمد صاحب کے خیالات آپ کے سامنے ہیں۔ اب میں ان خیالات کے بعد ان کی ایک تقریر پیش کرتا ہوں جس سے موصوف کی طلاقت لسانی کا تو اندازہ نہیں ہوسکتا۔ البتہ شوکت بیان کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ تقریر موصوف نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی مرکزی پارلیمنٹ میں شہید ملت نواب لیاقت علی وزیر اعظم کی تائید میں کی تھی جنہوں نے قرار داد مقاصد کے متعلق تجویز پیش کی تھی۔

تقریر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی
ممبر مجلس دستور ساز مملکت پاکستان روشنی کا مینار

جناب صدر محترم! قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خان صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے۔ میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج بیسویں صدی میں (جبکہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کے عزم وہمت اور جرات ایمانی کو مبارکباد دیتا ہوں۔

اگر غور کیا جائے تو یہ مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس بسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریصانہ حرص و آز اور رقیبانہ ہوس ناکیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر درد انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔ اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں مگر پھر علاج اور دوا کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اسی کو دوا اکسیر سے سوا سمجھ لیا جاتا ہے۔

یاد رکھئے دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ پھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی وہ صحیح راستہ گم کر چکی ہے اور جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے اس پر جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

ہمیں اپنے نظام حیات کو درست اور کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے اسے تبدیل کریں اور جس طرح بعض اوقات لائن تبدیل کرنے کے لئے گاڑی کو پیچھے ہٹانا پڑتا ہے ایسے ہی صحیح لائن پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہم کو پیچھے ہٹنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستہ پر بے تحاشا دوڑ رہا ہے اور اگر ہم دیکھیں کہ چند قدم آگے بڑھنے پر وہ کسی ہلاکت کے غار میں پڑ جائے گا تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے اسے ادھر سے پیچھے ہٹا کر صاف اور سیدھی شاہراہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ یہی حال آج دنیا کا ہے اگر ہماری اس تجی اور بے چین دنیا کو اپنے تباہ کن مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو اسے حالات کا ازسر نو جڑ بنیاد سے جائزہ لینا ہوگا۔ کسی درخت کے پتوں اور شاخوں پر پانی چھڑکتے رہنا بیکار ہے اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبی ہوئی ہے مضبوط نہ ہو آج کے بکھرے ہوئے مسائل خواہ ان سے آپ کو کتنی ہی دلچسپی اور شغف کیوں نہ ہو کبھی ٹھیک طور پر سنور سلجھ نہیں سکتے۔ جب تک ان کے اصول بلکہ اصل الاصول درست نہ ہو جائے۔ قدامت پسندی اور رجعت پسندی کے طعنوں سے نہ گھبرایئے۔ بلکہ کشادہ دل و دماغ کے ساتھ ایک تجسس حق کی طرح الجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنے کی کوشش کیجئے۔ جو باتیں طاقتور اور ذی اقتدار قوموں کے زبردست پروپیگنڈا یا غیر شعوری طور پر ان کے حاکمانہ اقتدار اور مسحور کن مادی ترقیات کے زور و اثر سے بطور مسلمات عامہ اصول موضوعہ اور مفروضہ صداقتوں کے تسلیم کر لی گئی ہیں انہی پر تجدید فکر و نظر کی ضرورت ہے اس پکے ارادے کے ساتھ کہ جس چیز پر ہم صدیوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں اعتقاد جمائے بیٹھے تھے۔ وضوح حق کے بعد ایک لمحہ کے لئے اس پر قائم رہنا ہم جرم عظیم سمجھیں گے اگر دنیا کو انسانیت کی حقیقی فلاح کے لئے کسی نتیجہ پر پہنچنا ہے تو اسے ان قدیم اور اٹل نظریات پر غور کرنا ہو گا۔ جنہیں مادی اور معاشی مسابقت کی بے تحاشا دوڑ میں بہت سی قومیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں۔ اسے یوں خیال کیجئے کہ کتنی صدیوں تک سکون ارض کے متعلق بطلیموس کا نظریہ دنیا پر مستولی رہا۔ فیثاغورث کی آواز پر کسی نے توجہ نہ کی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہوا بیج جو فیثاغورث دبا گیا تھا زمین کے سینے کو چاک کر کے باہر نکلا اور برگ و بار لا کر رہا۔ سچائی کا پرستار کبھی اس کی پروا نہیں کرتا کہ کسی زمانہ میں یا طویل عرصہ تک لوگ اس کے ماننے سے آنکھیں چرائیں گے یا ناک بھوں چڑھائیں گے حق اکیلا رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے اسے یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا جب کہ اس کے جھٹلانے والے زمانہ کے دھکے کھا کر اس کے دامن میں پناہ لینے پر

مجبور ہوں گے۔ آج وہ دن قریب آ رہا ہے اور جیسا کہ آنریبل جناب لیاقت علی خان نے فرمایا روشنی کی تحریر افق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش خیمہ بن کر رہی ہے"۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے کو خفاش صفت ثابت نہ کریں جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت والحاد کی اندھیریوں میں بھٹکی ہوئی دنیا کو روشنی کا مینار دکھانا چاہتا ہے۔ یہ دنیا کے لئے کوئی چیلنج نہیں بلکہ انسانیت کے لئے پیغام حیات و نجات ہے اور تمام دنیا کے لئے اطمینان اور خوش حالی عموماً اور پاکستان کے لئے خصوصاً کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری یہ مملکت بھی شامل ہے مالک اصل اور حاکم حقیقی کون ہے؟ اور ہے یا نہیں اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالق کل اور مقتدر اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں (جیسا کہ میں خیال رکھتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام ارکان و اعضا کا یہ عقیدہ ہوگا) تو ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا کہ کسی مالک کی خصوصاً اس مالک علی الاطلاق کی ملک میں ہم اس حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمیں اجازت دے دے۔ ملک غیر میں کوئی غاصبانہ تصرف ہمارے لئے جائز نہیں ہو سکتا پھر ظاہر ہے کہ کسی مالک کی اجازت و مرضی کا علم اس کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسی لئے بھیجے اور وحی ربانی کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا کہ انسانوں کو اس کی مرضی اور اجازت کے صحیح حدود معلوم کراوے جائیں اس نقطہ خیال کے پیش نظر ریزولیشن میں "اس کے مقرر کردہ حدود کے اندر" کے الفاظ رکھے گئے ہیں۔ اور یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے دینی اور خالص مادی حکومتوں کی لائنیں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتی ہیں۔

یہ نظریہ کہ دین و مذہب کا تعلق انسان اور اس کے مالک سے ہے بندوں کے باہمی معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں نہ سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا ممکن ہے دوسرے مذاہب جو آج کل دنیا میں موجود ہیں ان کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو اور وہ کسی جامع و حاوی نظام حیات سے تہی دامن ہوں مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔

قائد اعظم مرحوم نے اگست ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اس میں لکھتے ہیں "قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے اس میں مذہبی اور مجلس دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرضکہ تمام شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر

روزانہ کے امور حیات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق و فرائض تک دنیوی زندگی میں جزا و سزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا و سزا تک ہر فعل قول اور حرکت پر عملی احکام کا مجموعہ ہے۔ لہذا جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو یہ بات مابعد حیات اور ہر مقدار اور ہر معیار کے مطابق کہتا ہوں"۔

۱۹۱۵ء میں قائداعظم نے عید کا پیغام دیتے ہوئے کہا کہ:۔

"ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات و اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانون حیات ہے یعنی مذہبی معاشرتی، تجارتی، تمدنی، عسکری عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیں یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کو بغور و خوض مطالعہ کرے تاکہ یہ اس کی انفرادی و اجتماعی ہدایات کا باعث ہو"۔

قائداعظم نے ان خیالات و عزائم کا بار بار اظہار فرمایا ہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرر تصریحات کے بعد اور کوئی شخص یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ سیاست و حکومت کا مذہب سے کوئی علاقہ نہیں یا یہ کہ اگر آج قائداعظم زندہ ہوتے تو یہ تجویز مقاصد پیش نہیں ہو سکتی تھی۔ **"فلا و ربک لایومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً** اور **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون......... الظالمون......... الفسقون"۔**

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں دینی حکومت کے معنی "پاپائیت" یا "کلیسائی حکومت" کے نہیں۔ بھلا جس بت کو قرآن نے **اتخذوا احبارھم و رھبانھم ارباباً من دون اللہ** کہہ کر توڑا ہے کیا وہ اسی کی پرستش کو جائز رکھ سکتا ہے؟

اسلامی حکومت سے وہ حکومت مراد ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر چلائی جائے اس لحاظ سے وہ ایک خاص قسم کی اصولی حکومت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی اصولی حکومت کو چلانا خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی (جیسے روس کی اشتراکی حکومت) دراصل ان ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو ان اصولوں کو مانتے ہوں۔ جو لوگ ان اصولوں کو نہیں مانتے ایسی حکومت انتظام مملکت میں ان کی خدمات تو ضرور حاصل کر سکتی ہے مگر مملکت کی جنرل پالیسی یا کلیدی انتظام کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتی۔

اسلامی حکومت اصل سے انسانی حکومت نہیں بلکہ نیابتی حکومت ہے اصل حاکم خدا ہے انسان زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) ہے جو حکومت در حکومت کے اصول پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے۔

مکمل اسلامی حکومت، حکومت راشدہ ہوئی ہے۔ لفظ "رشد" حکومت کے اعلیٰ انتہائی معیار حسن وخوبی کو ظاہر کرتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے کارکن اور مملکت کے عوام کو نیکوکار ہونا چاہئے قرآن نے حکومت اسلامی کی یہ غرض وغایت قرار دی ہے کہ وہ انسانوں کو اپنے دائرہ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اسلام آج کل کی سرمایہ پرستی کے خلاف ہے۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں جمع شدہ سرمایہ کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے اس کو دائرے وسائر رکھنا چاہتی ہے مگر اس کام کو اخلاقی و نیز قانونی طریقہ پر عام خوش دلی عدل اور اعتدال کے ساتھ کرتی ہے اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی۔ مناسب حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے زائد سرمایہ کی تقسیم سے سرمایہ اور افلاس کے درمیان توازن واعتدال کو بحال رکھتی ہے۔

شوریٰ اسلامی حکومت کی اصل ہے (وامرھم شوریٰ بینھم) اسلامی حکومت دنیا میں پہلا ادارہ ہے جس نے شہنشاہیت کو ختم کر کے استصواب رائے عامہ کا اصول جاری کیا۔ اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب کردہ امام (قائد حکومت) کو عطا کی محض توریث اور جبر واستبداد کے راستوں سے بادشاہ بن بیٹھنا اسلام کے منشا کے سراسر خلاف ہے وہ جمہور کی مرضی اور انہی کے ہاتھوں سے سٹیٹ کو اقتدار واختیار دلاتا ہے ہاں انہیں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ امانت کی کوئی تنظیم نہ کریں اور اقتدار اپنے ہی پاس روک کر انتشار ابتری اور طوائف الملوکی پھیلا دیں۔ یہ اولیت کا ایسا شرف ہے جو اسلامی حکومت کو دنیا کی تمام جمہوریتوں پر حاصل ہے۔

اسلامی سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال ہے کہ سلطنت کی بنا جغرافیائی نسلی قومی حرفتی اور طبقاتی قیود سے بالاتر ہو کر انسانیت اور اعلیٰ اصولوں پر ہو۔ جن کی تبلیغ اور ترویج کے لئے وہ قائم کی جاتی ہے۔

اسلامی حکومت پہلی حکومت ہے جس کے اس منتہائے خیال کو پورا کرنے کے لئے اپنی خلافت راشدہ کی بنیاد انسانیت پر رکھی یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ مساوات حقوق آزادی ضمیر اور سادگی کا امکانی حد تک خیال رکھتی ہے۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے قلمرو میں بسنے والے تمام غیر مسلموں کی (جو معاہد یعنی

وفادار ہوں) جان، مال، آبرو، مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق کی پوری حفاظت کرے اگر کوئی طاقت ان کے جان و مال وغیرہ پر دست اندازی کرے تو حکومت اس سے جنگ کرے اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جو ان کے لئے ناقابل تحمل ہو۔ جو ملک صلحاً حاصل ہوا ہو وہاں کے غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں ان کی پوری پابندی کرے۔ پھر غیر مسلموں کے حقوق محض اکثریت کے رحم کرم پر نہیں بلکہ خدا کا عائد کیا ہوا ایک فرض ہے جس سے کسی وقت انحراف جائز نہیں۔

اس کے بعد دینی حکومت کی مزعومہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے اس کے جواب میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ علم و تحقیق کی روشنی میں موجودہ حکومتوں کے طور و طریق کو خلفائے اربعہ کے بے داغ عہد حکومت کے مقابلہ میں رکھ کر مفاد عامہ کے لحاظ سے وزن کر لیا جائے آج ظلم و جبر عہد شکنی مالی دست بردکشت و خون بربادی و ہلاکت انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی افراد کی عدم مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی کی مثالیں دوربین سے دیکھے بغیر نظر آ رہی ہیں۔ خلفاء کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا غرضکہ بیان کردہ خرابیاں مذہبی طرز حکومت کی خرابیاں نہیں۔ بلکہ ان انسانی گمراہیوں سے اخذ کی گئی ہیں جنہوں نے خالص مادی طرز حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جب ۱۹۳۷ء میں آپ نے کانگرسی وزراء کو ہدایات دیں کہ تم ابوبکرؓ اور عمرؓ کی سی حکومت قائم کرو نیز قائداعظم نے دستور کی اسی اساس کی طرف اشارہ کیا تھا جب ۱۹۴۳ء میں بمقام جالندھر آل انڈیا اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ "میرے خیال میں مسلمانوں کی طرز حکومت کا آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصلہ کر دیا تھا۔ انہوں نے نومبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کے نام جو خط لکھا اس میں صاف صاف لکھ دیا تھا" کہ اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قانون بنانے والی جماعت جس میں بہت زیادہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی پاکستان کے لئے ایسا قانون بنا سکے گی جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ ہی پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کر سکیں گے"۔ اس قسم کے اعلانات قیام پاکستان سے پہلے قائداعظم اور دیگر زعمائے لیگ کی طرف سے ہوتے رہے۔ جن کا بخوف طوالت ہم استیعاب نہیں کر سکتے۔ بہر حال ان بیانات کے پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمح نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام اشتباہ نہیں رہ سکتا اور جس قدر باتیں آئین و نظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہی جا رہی ہیں ان سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلانات کئے جا رہے تھے۔

جب یہ سب کچھ جان کر اور سمجھ کر دوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلہ پر دستخط کئے اور پاکستان کی اقلیت نے ان مقاصد کو مانتے ہوئے ہمارے ساتھ اشتراک عمل کیا اب پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطۂ نظر سے انحراف کی کوئی وجہ جواز ان کے پاس موجود نہیں انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی مخلوط مساعی سے عمل میں آیا ہے لیکن پاکستان کا حصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا رہین منت ہے اور ان کے قومی خصائص و ممیزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں اس موقع پر یہ بات بھی فراموش نہ کیجئے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرح سے بڑھتا چلا آ رہا ہے اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے اگر ہم پاکستان یا عالم اسلامی کو اس بھیانک خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہ ہی ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پر اسی کی دعوت دیں اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر وہ وحدت اسلامی قائم ہو جائے گی۔ جس کی ہم سب مدت سے آرزو رکھتے ہیں اور جو اشتراکیت اور سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لئے مضبوط آہنی دیوار کا کام دے گی۔

بہت سے لوگوں کو یہ خیال گزرتا ہے کہ ابھی تک ہمارا کاروبار جس ڈگر پر چل رہا ہے اسلام اور اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلاب عظیم ہوگا جو ہماری قومی زندگی کی کایا پلٹ کر دے گا اور جس کے لئے ہمیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لئے کثیر تعداد میں مناسب رجال کار تیار کرنے پڑیں گے اور بہت عرصہ درکار ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے بھی اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں اسلامی آئین و نظام سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصل نصب العین اور اس کی انتہائی منزل مقصود واضح اور مستحضر ہو جائے تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اٹھے وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے والا ہو یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہوگا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے جو کام فی الحال کئے جا سکتے ہیں فوراً کرنے ہوں گے اور جن کاموں کے لئے سردست حالات سازگار نہیں وہ فوراً نفاذ پذیر نہ ہوں گے بلکہ حکیمانہ اسلوب پر حالات کو سازگار بنانے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لائی جائے گی بہرحال انسان اسی چیز کا مکلف ہے جس کی وہ

استطاعت رکھتا ہے یہ ہی وہ بات ہے جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات وخطبات میں کھول کر کہہ چکا ہوں چنانچہ خطبہ لاہور میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین ممکن ہے بتدریج حاصل ہوا۔ تاہم ہر دوسرا قدم جو اٹھایا جائے گا ان شاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین سے قریب تر کر دے گا جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ دفعۃً بغتۃً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نصف انہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔

جناب صدر محترم! آخر میں ایوان ہذا کے معزز ممبران کی خدمت میں میں عرض کروں گا کہ اس ڈھیلے ڈھالے ریزولیشن سے گھبرانے اور وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی فرقوں کے اختلاف تحریک پاکستان کی برکت سے بہت کم ہو چکے ہیں اور اگر کچھ باقی ہیں تو ان شاء اللہ برادرانہ مفاہمت سے صاف ہو جائیں گے کیونکہ تمام اسلامی فرقے اور ملک آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے غیر مسلم دوست بھی اگر ایک مرتبہ تھوڑا سا تجربہ کر کے دیکھ لیں گے تو اگلی اور پچھلی سب تلخیاں بھول جائیں گے اور بہت مطمئن رہیں گے بلکہ فخر کریں گے کہ ہم سب پاکستانیوں نے مل کر عام ہیجان واضطراب کے زمانہ میں انسانیت عامہ کی اس قدر عظیم الشان خدمت انجام دی۔ **وماذالک علی اللہ بعزیز**

اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ دستور سازی کی مہم ایسے قابل فہیم مضبوط اور محتاط ہاتھوں کے سپرد ہو جو اس ریزولیشن کے خاص نکتوں کی حفاظت کر سکیں اس کے فحوا کو بخوبی سمجھ سکیں اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے جو اللہ ہی کی توفیق سے آسان ہو گا بہر حال ہم آئندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے۔ **وباللہ التوفیق**

یہ ہے علامہ کی غلغلہ انداز تقریر جو انہوں نے دستور ساز اسمبلی میں کی جس نے تمام ملک سے ادبی، اسلامی اور سیاسی طور پر خراج تحسین حاصل کیا۔ اس سے قاری ان خصوصیات کا اندازہ بآسانی لگا سکتا ہے جن کا ذکر ہم نے شروع میں خطابت کے عنوان کے ماتحت کیا ہے۔

علامہ کی تقریر کے متعلق جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کے اخبار الجمعیۃ کے آرٹیکل کے حسب ذیل الفاظ خاص طور پر ملاحظہ کیجئے۔ جس پر میں اس حصہ کو ختم کرتا ہوں۔ ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں:۔

"ہمیں حلقہ علما میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بلیغ البیان خطیب شاید عرصہ تک میسر نہ آ سکے گا جب آپ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم وکمال کا ایک

سمندر موجیں مار رہا ہے اور علم و عرفان کی سوتیں رہ رہ کر ابل رہی ہیں"۔ (الجمعیۃ ۸ دسمبر ۱۹۳۹ء)

درس کی خصوصیات

آپ کا درس دینے کا طریقہ ماہرین تعلیم کا سا تھا۔ درس دیتے وقت پہلے کسی موضوع اور علمی مسئلہ کا اصل مفہوم بیان فرماتے اور پھر اس کی تنقیح کرتے۔ بعد ازاں تحقیقات کا دریا بہاتے' قابل ترجیح مسائل کا اعلان کرتے اور اس کی ترجیحی قدروں پر منصفانہ روشنی ڈالتے تھے۔ مسائل درسیہ کو تمثیلوں کے ذریعہ قریب الفہم بناتے جاتے تھے۔ کسی علمی مشکل مسئلہ پر ایسی محققانہ روشنی ڈالتے تھے کہ مضمون کی پوری تصویر اپنے پورے خط و خال کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آ جاتی تھی جس کے بعد کہیں اور سے پیاس بجھانے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ مولانا محمد طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک مسئلہ کو اس کے تمام شقوں و جوانب کے ساتھ کھولنے اور صاف کرنے کی روش تھی اس لئے درس میں کمیت (مقدار) پر نہیں کیفیت پر نظر نہیں رہتی تھی سبق خواہ تھوڑا ہو مگر تام (مکمل) ہو۔ اسی لئے درس و تدریس کے سلسلہ میں وقت کے کچھ زیادہ پابند نہ تھے۔ تنقیح مسئلہ اور اس میں تدبر و تفکر پر وقت زیادہ صرف ہوتا تھا۔ ایک ہی دن کے سبق میں کئی کئی طور پر کئی دنوں کے درس کا مواد فراہم ہو جاتا تھا۔

میری ابتدائی تعلیم کے دوران میں حضرت والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے خود ہی فرمائش کی کہ اسے معقولات میں پڑھاؤں گا اور مجھ سے فرمایا کہ منطق تجھے میں پڑھاؤں گا۔ چنانچہ خصوصیت سے صغریٰ کبریٰ شروع کرائی اور مرقات تک پہنچے گو یہ کتابیں بیچ میں رہ گئیں لیکن جس قدر پڑھایا اتنے ہی سے فن سے کافی مناسبت پیدا ہو گئی کیونکہ ان کی ابحاث کا نقطہ نظر کتاب نہیں بلکہ فن ہوتا تھا اور طلبہ کو حسب استطاعت فن سے مناسبت ہو جاتی تھی۔" (بحوالہ مذکورۃ الصدر)

لسان الغیب کا مطالعہ کتب

کتابوں سے یوں کس اہل علم کو پیار نہیں۔ یہ علما کی بہترین رفیق ہیں اور جب زندگی کا ہر ساتھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے اس وقت کتابیں رفاقت کا بہترین حق ادا کرتی ہیں۔ اسی لئے متنبی شاعر نے کہا ہے۔

اعز مکان فی الدنیٰ سرج سابح وخیر جلیس فی الزمان کتاب

ترجمہ:۔ دنیا میں سب سے زیادہ معزز جگہ تیز رفتار گھوڑے کی زین ہے اور کتاب زمانہ کی بہترین ساتھی ہے۔ علامہ کے متعلق یہ کہنا کہ آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا ایک ہلکی سی بات ہے۔ آخر مطالعہ کے بغیر وہ اتنے یکتائے روزگار کیسے بن گئے لیکن یہ کہنا صحیح ہو گا کہ وہ علوم و فنون اور

کتابوں میں فنا ہو گئے تھے۔ کسی نئی اور نایاب کتاب کے متعلق علم ہوتا تو اس کو خریدنے کی کوشش فرماتے اور مطالعہ فرماتے اور اس سے پورا استفادہ کرتے اور لطف لیتے تھے۔ ایک ہی نظر میں معانی اور مطالب پر غلبہ حاصل کر لیتے تھے۔ دقیق سے دقیق مضامین کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوتی تھی ضخیم سے ضخیم کتابیں سرسری طور پر پڑھتے اور اس کے تمام اطراف و جوانب پر قابو پا جاتے۔ ائمہ دیدہ ور کی چھوٹی چھوٹی حکمت کی باتوں سے آپ کے دل پر علوم کے دروازے کھل جاتے تھے۔ مولانا محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:۔

"کتب بینی اور مطالعہ کا شغف بہت تھا۔ خود بھی کبھی کبھی فرماتے کہ کام کیا کروں میں تو کتابوں کا کیڑا بن کر رہ گیا ہوں۔ پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ تفسیری فوائد اور شرح مسلم جیسے دو اہم اور عظیم الشان کام یادگار زمانہ چھوڑے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اعلیٰ ترین تصانیف اور دوسرے مفید ترین رسائل و مسائل پر قلم زنی فرمائی۔ اور حق یہ ہے کہ بیان مسائل کا حق ادا کیا ہے۔ حضرت علامۃ الاستاذ (مولانا محمد انور شاہ صاحب) کشمیری نور اللہ مرقدہ اسی لحاظ سے (علامہ شبیر احمد صاحب کو) لسان الغیب فرمایا کرتے تھے"۔ (رسالہ دارالعلوم، مئی ۱۹۵۶ء ص ۸)

ادبی مقام

اردو ادب

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار   گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

اس عنوان پر موقع کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ کی ادبی گلکاریوں کو اگر میری نگاہ کی کم دستی سے شکوہ کا موقع مل جائے تو کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ

سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

موصوف کو ملک میں بحیثیت مفسر، محدث، متکلم، فقیہ، خوشگو خطیب، سیاست دان بہت کچھ کہا اور سمجھا گیا ہے مگر ان کے اردو ادب کے کمالات اور حسن پر آنکھ ڈال کر بالکل نہیں دیکھا گیا۔ اور اگر دیکھا بھی تو بہت سرسری نظر سے۔ ایسا ہونا کوئی انوکھی بات بھی نہ تھی کیونکہ ان کی عالمانہ شخصیت کی بلندی کے سامنے ان کی ادبی حیثیت کو نمایاں مقام ملنا ماحول اور حالات کے تقاضوں کے باعث مشکل بھی تھا۔

آج جبکہ اردو زبان کی جمالیاتی اور سائنٹیفک قدریں نئے نئے رجحانات سے دوچار ہو رہی

ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم ان قدروں کے پرکھنے والوں کی نظریوں سے ان کی وسعتوں اور پہنائیوں کا اندازہ لگائیں اور دیکھیں کہ انہوں نے ہمارے لئے ادب کے میدانوں کو کتنی وسعتیں بخشی ہیں۔ انیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی دور کی طرف تھوڑی سی گردن موڑ کر دیکھنے سے ہمارے سامنے اردو ادب کے کچھ ایسے نقشے نظر آتے ہیں جن میں سرسید' آزاد' نذیر احمد' شبلی' اور حالی نے طرح طرح کے رنگ بھرے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی طرز کا موجد ہے اور ہر ایک کوئی نہ کوئی شان ادب اپنے لٹریچر میں رکھتا ہے۔ سکولوں' کالجوں' علمی انجمنوں اور ادبی ماہناموں میں ان ہستیوں کی دھوم ہے اور ان کے اردو ادب کا چرچا ہے۔ آخر اہل ذوق نے ان کے ادبی شاہکاروں میں کچھ امتیازی رنگ ہی تو دیکھا ہے جس کے باعث یہ ہستیاں ممتاز نظر آتی ہیں اور یقیناً ان کی تحریروں میں حسن ادب کی وہ جھلکیاں ہیں جن کے سبب ان کے قلمی کارناموں کو قبولیت اور عقیدت کا تاج پہنایا گیا ہے۔

انہی ناموران ادب کے معیار کو پیش نظر رکھ کر علامہ عثمانی کی ادبی گلکاریوں کا ادب نواز نگاہیں فیصلہ کر سکتی ہیں کہ باغ اردو کو اپنی تصانیف میں انہوں نے کس طرح آراستہ کیا ہے اردو کے مذکورہ محسنوں کی چمن بندیوں کے برابر میں ان کی اردو نوازیوں کو رکھئے اور باہمی تصنیفات کا مقابلہ کیجئے۔ تو آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ علامہ اردو زبان کا بہترین اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے اور وہ ان ناموران ادب سے کسی صورت میں بھی کم نہ تھے۔ جن کی تحریریں ملک سے خراج ادب لے چکی ہیں۔ چنانچہ اہل علم اور اہل ادب نے ان کے اردو ادب کے متعلق جو کچھ کہا ہے سب سے پہلے ان کے خیالات کو پیش کرتا ہوں۔

عثمانی کے اردو ادب پر اہل علم وادب کے خیالات

جہاندیدہ ادیب

ادارۂ فروغ اردو لاہور جس نے کہ مولانا کے بعض مقالات مثلاً الاسلام' اعجاز القرآن' العقل والنقل' الروح فی القرآن کو ایک جگہ جمع کر کے چھاپا ہے اور ان کے اول میں ایک مختصر سا تعارف پیش کیا ہے۔ مولانا کو اردو کے "جہاندیدہ ادیب" کے نام سے یاد کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"علما کی جماعت سے باہر بہت کم اصحاب کو اس خوشگوار حقیقت کا علم ہے کہ حضرت علامہ (شبیر احمد عثمانی) محض خطیبہ و تقریر پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ آپ نے دینی مسائل اور حکمت و فلسفہ کے نکات پر ایک جہاندیدہ ادیب اور ایک پختہ کار حکیم کی حیثیت سے قلم اٹھایا ہے"۔ (تعارف مقالات عثمانی)

سلاست وفصاحت

ابو سعید صاحب بزمی ایم اے مرحوم سابق ایڈیٹر اخبار احسان نے اپنے آرٹیکل میں موصوف کے اردو ادب پر حسب ذیل الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے:۔

”علما کی صف میں آپ ان چند اکابر میں بھی نمایاں حیثیت رکھتے تھے جو وقت کی زبان میں سلاست و فصاحت کے ساتھ عام فہم طریقے پر موثر انداز سے اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتے تھے“۔ (احسان مورخہ [illegible])

ادبی شگفتگی

مولانا عبد الماجد دریابادی نے آپ کی تفسیر کی اردو زبان کے متعلق لکھا:۔

”زبان اور طرز بیان نہ خشک نہ مغلق نہ مولویانہ بلکہ عموماً سلیس شگفتہ اور جابجا ادیبانہ“۔

(مقدمہ قرآن کریم مطبوعہ بجنور)

متانت وبلاغت

اسی تفسیر کی اردو زبان سے متاثر ہو کر مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے تحریر فرمایا تھا: ”معارف قرآنیہ کو اردو زبان میں اس خوبی، خوشنمائی، شگفتگی، متانت، سلاست، فصاحت، بلاغت کے ساتھ منصۂ شہود پر لانا حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ہی کا حصہ ہے“۔ (مقدمہ قرآن کریم مطبوعہ بجنور)

شوخی اور کہنگی کے درمیان

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علامہ کی تحریر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

”تحریر کا ایک خاص رنگ تھا جس میں نہ زمانہ حال کی بے قید شوخی تھی نہ قدیم طرز کی کہنگی۔ حال کی فصاحت اور ماضی کی متانت سے ملا جلا رنگ تھا جو آپ کی تحریر کا نمایاں پہلو تھا۔ بلاغت کلام کلام پر برستی تھی جو ہر طبقہ کے جذبات کو اپیل کرتی تھی“۔ (رسالہ دار العلوم ماہ مئی ۱۹۵۶ء ص ۹)

ادبی جامعیت

اسی مقالہ میں قاری صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

”تحریر کی شگفتگی مسلم تھی ایک ہی مضمون کئی آدمی لکھتے اور اسی کو وہ قلم بند فرماتے تو ان کی تحریر

کی شگفتگی سب پر نمایاں رہتی تھی۔ بہرحال ان کی تحریر کی جامعیت شگفتگی اور بلاغت کو خود ان کے اکابر بھی مانتے تھے اور اس کی کافی داد دیتے تھے۔"

انگریزی ساخت کی اردو مولانا محمد علی جوہر کی رائے

حضرت عثمانی کی اردو کی ساخت انگریزی طرز کی ہوتی تھی اور مولانا محمد علی جوہر کو دل سے بھاتی تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی اردو کا ترجمہ انگریزی میں آسانی سے ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں:۔

"مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحریر بھی صاف، شستہ تھی اور اس عمر کے اچھے لکھنے والوں کے لٹریچر کو غور سے پڑھا تھا اور اس سے فائدہ اٹھایا تھا۔ جمعیت و خلافت کے جلسوں میں علماء کی بعض تجویزوں کی انگریزی بنانے میں بڑی دقت ہوتی تھی اس موقع پر محمد علی مرحوم نے کہا تھا کہ مولانا شبیر احمد صاحب کی عبارت کی انگریزی بنانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کیونکہ اس کی ساخت انگریزی طرز پر ہوتی ہے"۔ (معارف ماہ اپریل ۱۹۵۰ء ص ۳۰۶)

یوں تو علامہ کے اردو ادب میں بلندی کا اعتراف بہت سے اہل علم و ادب نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں کیا ہے لیکن ہم نے ان میں سے بقدر ضرورت چند علماء، ادبا، صحافی اور نقادوں کی رائیں پیش کر دی ہیں۔ تاکہ میرے خیالات کے لئے سہارے کا کام دیں اور مجھ پر محض عقیدت کی تنقید یا کتاب المدائح کا الزام عائد نہ کیا جا سکے۔ لیکن اپنی اور مذکورہ اہل علم و ادب کی تائید میں حضرت عثمانی کی ادبیت اور وجوہ ادبیت پر سیر حاصل تبصرہ کرنا ضروری ہے اور بحیثیت علمی سوانح نگار کے میرا فرض ہے کہ میں ان کے ادبی جواہر کو جو گمنامی کے گوشوں میں مستور پڑے ہیں منصۂ شہود پر لاؤں اور ان کے ادبی ارتقا کو تاریخ اور تنقید کے ساتھ پیش کروں لیکن اس سے پہلے ایک ذہنی الجھن کو سلجھانے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ آیا آپ کے لٹریچر کو ادب سے کس درجہ کا تعلق ہے اور آیا وہ ادب کے ضمن میں آتا بھی ہے یا نہیں۔

اسلامی ادب

موصوف کے ادبی سلسلے میں یہ امر دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کے قابل ہے کہ آپ کا ادب عمومی طور پر ایک ایسا ادب ہے جس سے مذہب اسلام کے نظریات کی ترجمانی کی گئی ہے اور جس کو اسلامی ادب کہا جا سکتا ہے۔ آپ کی نثر نگاری اور انشا پردازی مذہبی حقائق کو فلسفہ اور حکمت کے رنگ میں ادیبانہ انداز کے ذریعہ پیش کرتی ہے اور اس قسم کی تحریریں بھی جو خواہ مذہبی یا اصلاحی اخلاقی یا سیاسی ہوں جبکہ وہ دلوں کو اپیل کرنے اور چونکا دینے والی ہوں اہل یورپ کے نزدیک

ادب کی ایک شاخ ہیں۔ پروفیسر محی الدین زور اپنی کتاب "روح تنقید" میں ادب اور اس کی قسموں کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

"ایسی تحریریں (بھی ادب کا جز ہیں) جو انسان کی فطرت کی تہذیب و تزکیہ میں مدد دیتی ہیں مثلاً۔

۱۔ وہ تحریریں جن کا مقصد درستی اخلاق ہوتا ہے۔

۲۔ وہ تحریریں جن کا مقصد تبلیغ مذہب ہوتا ہے"۔

اس لحاظ سے علامہ کی تحریریں جو مذہب کو خاص رنگ میں پیش کرتی ہیں ادب میں شامل ہیں۔ اور اسی لئے آپ اسلامی ادب کے زبردست ترجمان ہیں۔

ادب کی تعریف اور ادیب

پروفیسر محی الدین زور نے ادب کی تعریف میں مختلف یورپین اور ایشیائی مصنفین کے نظریے پیش کئے ہیں ان میں سے جان مارلے کی کتاب "اون دی سٹڈی آف سٹریچر" کا حوالہ دے کر ادب کی تعریف پیش کی ہے۔ مارلے نے ادب کی تعریف یہ کی ہے:۔

"ادب میں تمام کتابیں داخل ہیں..... جن میں خلق، صداقت اور انسانی جذبات پر وسعت قلب، سنجیدگی اور طرز بیان کی دلچسپیوں کے ساتھ بحث کی گئی ہو"۔ (جان مورلے اون دی سٹڈی آف لٹریچر ص ۳۹)

مارلے کی ادب کی تعریف اور اس کے نظریہ کے ماتحت علامہ عثمانی کا تمام لٹریچر خلق، صداقت اور انسانی جذبات پر وسعت قلب، سنجیدگی اور طرز بیان کی دلچسپ بحثوں سے بھرا پڑا ہے۔

ایک اور تحریری قطعہ ادب کی تعریف میں ملاحظہ ہو:۔

"ہم ادب کی ایک موٹی سی تعریف کرنے پر اکتفا کرتے ہیں یعنی وہ ان کارناموں پر مشتمل ہوتا ہے (خواہ وہ نثر کے ہوں یا نظم کے) جو تخیل کی پیداوار ہوتے ہیں قوم کی حتی الامکان زیادہ تعداد کو بہ نسبت عملی اثر ڈالنے یا تربیت دینے کے زیادہ خوش رکھتے ہیں اور بہ نسبت خاص کے عام معلومات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں"۔ (پاسٹ کیا ہے لٹریچر)

ادب کی مذکورہ تعریف سے میرا مقصد حل ہو جاتا ہے جس کے بعد ہر قسم کی اخلاقی اور مذہبی تحریریں ادب کے ضمن میں شامل ہو جاتی ہیں۔

شیخ لویس نے علم ادب پر بحث کرتے ہوئے تعریفات الجرجانی سے حسب ذیل تعریف کو اخذ کیا ہے۔

"ادب اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ انسان غلطیوں سے بچ سکتا ہے"۔ (روح تنقید)

چنانچہ عرب کے علمائے معانی نے ادیب کو بارہ علموں سے روشناس ہونے کی قید لگائی ہے

جن میں سے آٹھ اصولی ہیں اور چار فروعی:۔

اصولی:۔ صرف' نحو' اشتقاق' لغت' قافیہ' عروض' معانی و بیان۔

فروعی:۔ علم الخط' انشاء' شعر اور تاریخ۔

عثمانی کا مذاق علمی ان سب علوم سے حظ وافر رکھتا ہے جیسا کہ ان کی خالص ادبی مجالس اور تصانیف میں یہ رنگ ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔

ادب کی تقسیم میں نظم و نثر دونوں کو شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ ادیبانہ نثر کے متعلق جو تنقید نگاروں نے فیصلہ کیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ:۔

"ہر بہترین نثر کی علامت یہ ہے کہ اس کو پڑھتے وقت آواز میں مدوجزر اور دلآویزی پیدا ہو۔ (جو فطرت اور ادبیات کی ہر فضا کی خوبصورتیوں میں زیادتی کرنے کا اصلی سبب ہوتا ہے) اور یہ مدوجزر اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ مصنف کے احساسات و جذبات میں بھی اس کے لکھتے وقت تلاطم پیدا ہو رہا ہو۔

"ہر اعلیٰ نثر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ قاری کو ایک خاص ذہنی اور وجدانی فضا میں منتقل کر دیتی ہے اس فضا میں اخلاق و روحانیت کی حقیقتیں جس قدر زیادہ ہوں گی اتنا ہی اس نثر کا رتبہ بلند ہوگا"۔ (روح تنقید ص ۵۱)

جدید تنقید کی مذکورہ بالا روشنی میں اور آئندہ کی قدیم تنقید کی رہبری میں علامہ عثمانی کی تصنیفی تحقیقی عبارتیں آپ کے ذوق ادب پر خود اپنی ادبیت کا خوشگوار اثر قائم کر سکیں گی۔ ان کی عبارتیں قاری کو ایک خاص ذہنی اور وجدانی فضا میں منتقل کر دیتی ہیں ان کو پڑھتے وقت یقیناً آواز میں مدوجزر اور دل آویزی پیدا ہوتی ہے۔

قدیم و جدید تنقیدوں کا معیار

تنقید کے پہلوؤں پر اگر آپ غور کریں گے تو سب کا خلاصہ آپ یہ پائیں گے کہ ہمیں کسی ادب میں ان لطافتوں کی تلاش ہے۔ جس سے ہمیں صحیح لطف حاصل ہو اور وجدان صحیح اور ذوق سلیم کو اس کی ادبیت اپیل کر سکے اور زبان سے پڑھ کر یا آنکھوں سے دیکھ کر دل میں ادب جگہ حاصل کرتا چلا جائے۔ یا تنقید سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ کسی ادب کے نقائص اور عیوب سے نقاب اٹھائی جائے تاکہ صحیح اور فصیح ادب ترقی کر سکے۔ الحاصل تنقید کا مقصد حسن و قبح کا تجزیہ کر کے ادب کو صاف اور خالص عمدہ اور لطیف بنانا ہے اس لئے نہ صرف ادب بلکہ ہر چیز کا حسن حسن مذاق پر موقوف ہے۔ جب ایک چیز آنکھوں کو موزوں اور متناسب نظر آتی ہے اور ذوق سلیم اس کو حسین سمجھتا ہے تو یہی تنقید کا سب سے بہتر معیار ہے اسی حسن معیار کو ہم قواعد و ضوابط کا قیاسی جامہ پہناتے ہیں اور اصول وضع کرتے ہیں

لیکن وہ تمام اصول اسی ذوق سلیم کے نقطہ پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔

علامہ کا ادبی ارتقا

کسی شاعر یا نثر نگار کی فطرت خود اس کی بہترین استاد ہوتی ہے وہ شخص ادب اور شاعری میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا جس کی طبیعت میں قدرت نے ادبی مادہ نہ رکھا ہو۔ علامہ بھی قدرت سے ادب کی سلیقہ شعار طبیعت لے کر آئے تھے۔ طالب علمی کے زمانہ سے ہی اچھی اور بری نظم و نثر پر تنقید کرنے کا مادہ موجود تھا۔ پسندیدہ عبارتوں اور جملوں کو جہاں دیکھتے اوائل عمر میں نوٹ کر لیتے اور پھر اپنی تحریر یا تقریر میں استعمال فرماتے آپ کے رفیق خاص حضرت مولانا عماد الدین صاحب شیرکوٹی نے ان کی ادبی دلچسپی کی ابتدائی تاریخ اپنے ایک مکتوب میں مجھ سے اسی طرح بیان کی ہے اور مولانا ندوی کے گذشتہ بیان میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے طالب علمی کے زمانہ کی یہ دلچسپی ترقی کرتی رہی چنانچہ آپ مادر علمی دارالعلوم کی ادبی مجلسوں اور علمی انجمنوں میں برابر حصہ لیتے رہتے تھے چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے مضمون میں حضرت عثمانی کے ادبی ارتقا کا اس طرح ثبوت بہم پہنچایا ہے لکھتے ہیں:۔

”سنہ ۱۹۰۲ء کی بات ہے وہ دارالعلوم دیوبند میں اور راقم دارالعلوم ندوہ میں تعلیم پا رہے تھے یہ زمانہ دونوں درسگاہوں کا زریں زمانہ تھا۔ دارالعلوم ندوہ میں میرے ساتھ میرے ایک عزیز قریب و ہم وطن (مولوی سید محمد قاسم صاحب خلف الرشید مولانا شاہ تجمل حسین صاحب خلیفہ شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی و حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہم اللہ تعالیٰ رفیق درس تھے وہ اپنے والد کے حکم سے ندوہ چھوڑ کر دیوبند چلے گئے تھے۔ ان کو طالب علموں کی انجمن سازی اور دفتر داری کا بڑا اچھا سلیقہ تھا چنانچہ دیوبند پہنچ کر انہوں نے اس سلیقہ کا ثبوت دیا اور دیوبند میں طالب علموں کی تقریر و تحریر کی ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ مولانا شبیر احمد صاحب جو ان دنوں انہی کی عمر کے طالب علم تھے اور تقریر و تحریر کا فطری ذوق رکھتے تھے ان جلسوں میں دلچسپی لیتے تھے اور اسی مناسبت سے مولوی قاسم سے بھی ان کی محبت تھی۔ مولوی قاسم نے ندوہ و دیوبند کو ملانا چاہا۔ وہ میرے خطوں میں مجھ سے مولانا شبیر احمد صاحب کا تذکرہ کرتے تھے اور سلام پہنچاتے تھے اور میرا تذکرہ ان سے کرتے تھے اور میری طرف سے ان کو سلام پہنچاتے تھے۔ اس تعلق کا یہ اثر ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے آشنا اور ایک دوسرے سے واقف ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دیوبند سے ”القاسم“ اور ندوہ سے ”الندوہ“ نکل رہا تھا اور ہم دونوں کے مضامین اپنے اپنے پرچے میں نکلتے تھے اور چھپتے تھے اسی زمانہ میں مرحوم کسی تعلق سے لکھنؤ آئے تو مدرسہ میں مجھ سے ملنے آئے۔ یہ میری ان کی

طالب علمانہ ملاقات کا پہلا موقع تھا۔ یہ غالباً ۱۹۰۴ء کی بات ہے۔ (معارف اپریل ۵۵ء ص ۲۹۵، ۲۹۶)

مولانا ندوی کی اس تحریر سے علامہ کے ادبی ذوق و شوق تحریر و تقریر کے فطری ذوق اور طالب علمی کے زمانہ میں تحریر و تقریری انجمنوں میں حصہ لینے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

ادبی اور خطابی خدمات

۱۳۲۵ھ یا ۱۹۰۸ء میں آپ تعلیم سے فارغ ہوئے اور دارالعلوم میں آپ نے تعلیم دینی شروع فرمائی بعد ازاں کچھ عرصہ فتح پوری کے مدرسہ میں رہے لیکن جلد ہی آپ کو واپس بلا لیا گیا۔ دیوبند پہنچنے کے بعد آپ کی تحریر و تقریر کے کمال کے باعث دیوبند کے طلبہ ہمیشہ تحریر و تقریر میں آپ کو سرپرست بناتے۔ آپ نے اس سلسلہ میں دارالعلوم کی بہت بڑی خدمت انجام دیں۔ آپ طلبہ کو تحریری اور تقریری سلیقہ شعاری کے نشیب و فراز بتاتے۔ مولانا احسان اللہ خان صاحب تاجور نجیب آبادی مرحوم فاضل دیوبند سابق پروفیسر دیال سنگھ کالج لاہور نے مجھ سے فرمایا کہ "میں نے اصول الشاشی، تلخیص المفتاح، ملاحسن، بیضاوی، مشکوٰۃ، ابوداؤد، مسلم شریف، حمداللہ، صدرا وغیرہ کتابیں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سے پڑھیں اور صفر ۱۳۲۶ھ سے ۱۳۳۶ھ تک میرے زمانہ میں آپ ہی کی سرپرستی میں تقریر و تحریری انجمنیں قائم ہوتی تھیں اور مجھے بھی اردو ادب کا فیض انہی کی ذات سے پہنچا ہے اور انہی کی تاثیر تعلیم سے مجھ میں اردو ادب کا شوق پیدا ہوا۔ ان کی تحریر میں اعلیٰ درجہ کی ادبیت تھی"۔ غرضکہ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ میں اکثر اور بالخصوص مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ ان کی تحریروں اور تقریروں سے بہت فیضیاب ہوئے ہیں۔

القاسم کی مضمون نگاری اور مقصد ادب کی خدمات

۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں جب علامہ فتح پوری سے دارالعلوم بلا لئے گئے تو آپ نے "القاسم" کے لئے مضامین لکھنے شروع کیے۔ "القاسم" کا اجرا دیوبند سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی زیر سرپرستی ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں شروع ہوا۔ چنانچہ اس کا سب سے پہلا پرچہ شعبان ۱۳۲۸ھ کو شائع ہوا۔ اس ماہنامہ رسالہ میں علامہ عثمانی کے بکثرت مضامین شائع ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ قرآن کریم میں تکرار کیوں ہے۔ (القاسم شوال ۱۳۲۸ھ جلد نمبر ۱ ص ۲)

۲۔ العقل والنقل جو کتابی شکل میں چھپ چکی ہے۔ (آغاز القاسم سے بالاقساط دس نمبروں میں یہ مضمون شائع ہوا اور آخری دسویں قسط ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ میں شائع ہوئی)

۳۔ روزہ کے متعلق بعض آیات کی تفسیر (القاسم ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ نمبر ۲ جلد نمبر ۴)

۴۔ اتفاق و ہمدردی کا ایک نیا سبق (القاسم ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ ۵ جلد نمبر ۲)

۵۔ الدار الآخرہ تین قسطوں میں جو میرٹھ کے جمعیۃ الانصار کے جلسہ میں لکھ کر علامہ نے پڑھا تھا۔ (القاسم جمادی الاولیٰ رجب شعبان ۱۳۳۰ھ)

۶۔ لطائف الحدیث کئی قسطوں میں (القاسم ربیع الاول ۱۳۳۱ھ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ وغیرہ)

۷۔ معارف القرآن کئی قسطوں میں (القاسم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ جلد نمبر ۳ نمبر ۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۱ھ جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۱۱ قسط نمبر ۲ رجب ۱۳۳۱ھ جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۱۲، قسط نمبر ۴ شعبان ۱۳۳۱ھ جلد نمبر ۴ نمبر ۱، قسط نمبر ۵ رمضان ۱۳۳۱ھ)

۸۔ مکتوب شیخ الاسلام جزائر فلپائن پر علامہ عثمانی کا تبصرہ (القاسم شوال ۱۳۳۲ھ جلد نمبر ۵، نمبر ۳)

۹۔ تحقیق خطبہ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ جلد نمبر ۵، نمبر ۴۔

۱۰۔ تشریح واقعہ دیوبند بجواب مولانا ابوالکلام آزاد (رمضان ۱۳۳۳ھ جلد نمبر ۶ نمبر ۲ اگست ۱۹۱۵ء)

۱۱۔ مضمون دار الحدیث (ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ جلد نمبر ۷ نمبر ۹)

۱۲۔ ہدیہ سنیہ (شوال ۱۳۳۶ھ جلد نمبر ۹ شمارہ)

ان مضامین کے علاوہ علامہ کی تقریظیں، اور القاسم سے متعلق کتنی تحریریں مذکورہ رسالہ میں شائع ہوئیں جو اپنی پوری ادبی شان ظاہر کرتی ہیں، ان رسالوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وقت بے وقت القاسم کو ترتیب دینے کا کام بھی انجام دیا ہے۔

المحمود

تقریباً ۱۹۲۷ء ۱۳۳۵ھ میں آپ کی زیر ادارت رسالہ المحمود شائع ہوا۔ اس کے پروپرائٹر مولوی عبدالاحد صاحب نگینوی تھے۔ مولانا عثمانی نے یہ ماہوار رسالہ دیوبند سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار میں نکالنا شروع کیا تھا۔ ہر نمبر میں بحیثیت ایڈیٹر علامہ کا مضمون ہوتا تھا۔ بالخصوص خوارق عادات اور معجزات پر ایک زبردست اور جہاندیدہ ادیب کی حیثیت میں آپ کے مضامین اس میں نکلتے رہے۔ جو اسلام اور ادب کی خدمت تھی۔

اعجاز القرآن

علامہ کی تصنیفات میں آپ کا مقالہ اعجاز القرآن قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور ادب کے مضمون پر خاص نظریات پیش کرتا ہے اور قرآن کریم کی تفسیر تو سرتاپا ادب ہی ہے۔ قصص اور حکایات کو خالص ادب کا نام دینا اگر درست ہے تو قرآن کریم کے عبرت آموز قصوں کی تفسیر جو علامہ کے قلم سے نکلی ہے بالخصوص سورۂ یوسف اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات وہ بجائے خود اخلاق اور ادب ہیں۔

مکاتیب و خطوط

خطوط کو بھی اہل ادب نے ادب کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں مولانا کے خطوط علوم کے ساتھ ادب کا خصوصی پختہ رنگ رکھتے ہیں جن کو ان شاءاللہ کسی اجتماعی شکل میں پیش کیا جائے گا۔

شاعری

ان سب حیثیتوں کے سوائے مولانا شعر و شاعری سے بھی عاجز نہ تھے بلکہ بوقت ضرورت آپ کسی چیز سے متاثر ہوئے ہیں تو اشعار کی صورت میں بعض جگہ ان تاثرات نے شاعری کا جامہ پہن لیا ہے جن کا ذکر آئندہ اوراق میں کیا جائے گا سننے میں آیا ہے کہ آپ کو شروع شروع میں شاعری کا شوق رہا ہے۔

ان امور سے قطع نظر اگر اشتراکیت کی تبلیغ اور ترویج کرنے والا ادب ترقی پسند یا اشتراکیت پسند کہا جا سکتا ہے جس کا مقصد ایک خاص نظریہ کو ہوا دینا ہے تو ایسے نظریات کی اشاعت کرنے والا ادب جو اسلام سے متعلق ہوں اسلامی ادب کے نام سے موسوم ہونا بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔ چنانچہ علامہ عثمانی کے ادب کو اسلامی ادب قرار دیتے ہوئے ہم آئندہ تبصرہ کریں گے۔ میرا مقصد اس وقت آپ کے ادبی ارتقاء سے بحث کرنا تھی کہ آپ طالب علمی کے زمانہ سے لے کر اردو ادب میں مسلسل ترقی کرتے چلے گئے اور آپ کی تحریروں نے وہ پختگی اختیار کر لی کہ وہ رنگ پھر آخر تک کبھی بھی پھیکا نہیں پڑا جس کا بین ثبوت ان کی ترتیب وار تصانیف میں ملاحظہ فرمایئے۔ مگر جہاں تک ان کے اردو ادب کا تعلق ہے۔ اسے ہم اب آپ کے سامنے انتخاب کے طور پر پیش کریں گے اور ناقدانہ انداز میں بھی اس کا تجزیہ کریں گے نیز ان کی چھوٹی چھوٹی خود ساختہ اضافی ترکیبوں روزمروں محاوروں اور خوبصورت فصیح و بلیغ جملوں کو پیش کرنے کے بعد ان کی نثری عبارتیں پیش کریں گے۔

مرکبات اضافی وتوصیفی

علامہ کی اردو تحریروں میں ان کے موصوف وصفت اور مضاف الیہ سے ملے ہوئے ایسے مرکب الفاظ ملیں گے جو یقیناً ان کے خود ساختہ ہیں اور ان کی ادیبانہ اور فطری ذوق کی ترجمانی کرتے ہیں۔ عام طور پر اس قسم کے مرکب توصیفی یا مرکب اضافی جملے ان دقیق ولطیف اور وسیع معانی کی ترجمانی کے لئے اہل قلم کو ایجاد کرنے پڑتے ہیں جو لمبی لمبی عبارتوں کے بغیر ادا ہونے مشکل ہوتے ہیں۔ غالب کو بھی بقول ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری یہی کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ غالب نے جو بہت سی ترکیبیں ایجاد کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں مثلاً آشوب آگہی، نفس رنگ، موج خرام یار، دلفریبی انداز نقش پا، بت مشکل پسند، جلوہ زار آتش دوزخ، ہنگامہ زبونی ہمت، ماہ نیم ماہ مہر نیمروز وغیرہ وغیرہ۔ علامہ کی تصنیفات میں بھی ایسی ترکیبیں حسب ذیل ہیں:۔

براہین نیرہ، تنویر ربانی، فراست صادقہ، انوار رحمت الٰہیہ، ربوبیت عامہ
مصالح تکوینیہ، اسرار کونیہ، صفات جمالیہ وقہریہ، نصوص مستفیضہ، اکثریت غالبہ، اسباب عادیہ، اباحت مرجوحہ، تارکی تشابہ، کھٹ کھٹ، نظری در نظری اسرار، کہربائیہ روحیہ، شئون بشریہ۔

مولانا عثمانی کا ایک ذومعنی اور عجیب لفظ کا استعمال

مولانا عثمانی نے "ماکان لبشر ان یکلمه الله الا وحیاً او من وراء حجاب" کی تفسیر میں ایک ایسا لفظ تحریر فرمایا ہے کہ قیاس کہتا ہے کہ اس سے پیشتر کسی مصنف کا تصور بھی اس لفظ کے استعمال کی طرف نہ گیا ہوگا۔ لغوی اور ادبی نزاکت ولطافت اسے ہی نہ کہیں تو اور کس کو کہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"باقی حجاب والی صورت چونکہ بالکل نادر بلکہ اندر تھی اس لئے عائشہؓ کی حدیث میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا"۔ (قرآن مجید مطبوعہ مدینہ پریس ص ۶۳۳ ف ۲)

راقم الحروف نادر بلکہ اندر کے ٹکڑے کو دیکھ کر پھڑک اٹھا اور یقین ہے کہ عثمانی صاحب بھی اس کو لکھتے وقت جھوم گئے ہوں گے چنانچہ لفظ اندر پر آپ نے حرکات بھی لگائی ہیں۔

جس طرح عربی میں ظالم سے اظلم اور جاہل سے اجہل اسم تفضیل کے صیغے ہیں اسی طرح نادر سے اندر اسم تفضیل ہے بمعنی زیادہ نادر دوسری طرف اردو زبان میں اندر کا لفظ عام مستعمل ہے جس کے معنی "میں" کے ہیں۔ اب حجاب اور اندر دونوں لفظوں کے اجتماع کا منظر ملاحظہ ہو۔ حجاب

اندر رہنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اللہ رے زور قلم۔

محاوروں اور روزمروں کا استعمال

چونکہ علامہ کی طبیعت میں ادبی جولانی اور ذوق لسانی کی تنویر موجود ہے۔ اس لئے محاورہ اور روزمرہ کی زبان میں خوش سلیقگی کے ساتھ بے ساختہ جگہ لے لیتا ہے۔ کچھ جملے تفسیر عثمانی سے نقل کرتا ہوں جن میں بے ساختہ محاورے اور روزمرے استعمال ہوئے ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ تفسیر ایک ثقہ اور متین مضمون ہے لیکن علامہ قرآن کی تفسیر میں ایسی تمیز سے محاورات اور روزمرے لاتے ہیں۔ کہ زبانی ذوق پھڑک اٹھتا ہے اور قرآن کریم کی تفسیری ثقاہت ومتانت میں کوئی رخنہ پیدا ہونے نہیں پاتا

۱۔ '' یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیئے۔

۲۔ آپ ان مشرکین کی جھنجھٹ میں نہ پڑیئے۔

۳۔ چند روز میں پتہ چل جائے گا کہ ظالموں کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

۴۔ (کافر) دنیا کی چند روزہ زندگی اور فانی ٹیپ ٹاپ ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا کر عملی جدوجہد کرتا ہے۔

۵۔ چند گنتی کے آدمیوں نے امر بالمعروف کی کچھ آواز بلند کی مگر نقار خانہ میں طوطی کی صدا کون سنتا تھا۔

۶۔ مفسرین نے بہت سے درمیانی قصے نہایت دردانگیز اور رقت خیز پیرائے میں (یوسف علیہ السلام کے متعلق) نقل کیے ہیں جنہیں سن کر پتھر کا کلیجہ موم ہو جاتا ہے۔

۷۔ ادھر سے مسلمانوں نے دھاوا بول دیا آخر بہت سے کفار کھیت رہے۔

۸۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں۔

۹۔ تم بے سروسامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے ایسے منہ مارے جاتے۔

۱۰۔ یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت قابل دید ہوگا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرائیں گے۔

۱۱۔ بعض احکام میں (بنی اسرائیل نے) اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے بھی کٹ حجتی کی۔

۱۲۔ کتنی ہی بدبخت قومیں اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کی جا چکی ہیں۔ جن کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ آج ان کے پاؤں کی آہٹ یا ان لن ترانیوں کی ذرا سی بھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔

۱۳۔ ممکن ہے ان (منکرین) کو بھی کوئی ایسا ہی تباہ کن عذاب آگھیرے جو چشم زدن میں

تہس نہس کر ڈالے"۔ (تفسیر حقانی)

مذکورہ بالا خط کشیدہ اور ان کے علاوہ بہت سے روز مرے اور محاورات عثمانی کے نوک زبان و قلم ہیں جو بے ساختہ تحریروں میں گھلتے ملتے چلے آتے ہیں۔ انہی محاوروں پر نگرانی اور انہی روز مروں پر کنٹرول اور خوش سلیقگی کے ساتھ ادا کے باعث کوئی شخص ادبیت کے کمال سے متصف ہو سکنے کا اہل قرار دیا جا سکتا ہے۔

مولانا عثمانی اور مولانا نذیر احمد دہلوی

یہ تمام روز مرے اور محاورے مولانا کی تفسیری عبارتوں سے لئے گئے ہیں۔ ان میں غور کیجئے اور دیکھئے کہ انہوں نے کس طرح تفسیر میں ان کو کھپایا ہے کہ ایک روز مرہ یا محاورہ بھی ان کی عالمانہ اور مفسرانہ شان کو گرنے نہیں دیتا لیکن مولانا نذیر احمد کے متعلق ناقدین کا خیال ہے کہ:۔

"مولوی نذیر احمد اکثر دفعہ خیالات کی رو کے ساتھ اس طرح بہہ جاتے تھے کہ دامن ادب ان کے ہاتھ سے چھوٹا پڑتا ہے اور یہی وہ نقص ہے جس کی بنا پر نہ صرف ادبیت کا فقدان ہو جاتا ہے بلکہ عالمانہ شان بھی ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ نہایت سنجیدہ اور ثقہ بحث میں بھی وہ مذاق اور عامیانہ اسلوب بیان استعمال کرتے ہیں مثلاً اپنی ایک زبردست مذہبی تصنیف "الحقوق والفرائض" کو وہ اس طرح شروع کرتے ہیں:۔

کسی نے کیا اچھی باون تولے پاؤ رتی کی بات کہی ہے کہ **من عرف نفسہ عرف ربہ**

اسی طرح "الاجتہاد" کے چند جملے ملاحظہ ہوں:۔

"اسی اثناء میں اتفاق سے مجھ کو تپ آنے لگی اور مسہلوں تک نوبت پہنچی۔ علالت کی حالت میں مجھ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں اس بیماری کی حالت میں مر گیا۔ تو کتے کی موت مرا' تم اپنی ہستی کو کیوں بھولتے ہو۔ تو گدھی کمہار کی تجھے رام سے کو تجھ' کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی۔

"یہی وہ امتیازی فرق ہے جو بڑھ جانے کے بعد نقص کی شکل میں نمودار ہو کر نذیر احمد کے نہ صرف سنجیدہ مباحث بلکہ قرآن شریف کے ترجمہ میں مورد الزامات رہا" (جواہر منشور ص ۲۲۳'۲۲۵)

مولانا عثمانی اور مولانا نذیر احمد کے محاوروں کے استعمال میں یہ بات ضمناً سامنے آ گئی ہے اب قاری مولانا کے روز مروں اور محاوروں کے استعمال میں ثقاہت اور ادبیت نیز "عناصر خمسہ اردو" کے ایک فرد مولانا نذیر احمد کو خود دیکھ لیں مجھے بولنے اور تولنے کی ضرورت نہیں۔

فصیح و بلیغ جملے اور شہرت یافتہ اقوال

ابھی ابھی اوپر علامہ کے ایسے جملے پیش کیے گئے ہیں جن میں روزمرہ محاورہ اپنا نکھار اور اپنی بہار دکھا رہا تھا۔ اب ایسے جملے یا مختصر عبارتیں ہدیہ نظر کروں گا جو اپنی لسانیت، حکمت، فصاحت اور بلاغت کے رنگ میں نظر فریب معلوم ہوتی ہیں اور جو مولانا کے مضامین، خطبات یا تصنیفات میں ادیبانہ فطرت کے ماتحت ان کے قلم سے نکلے ہیں:۔

۱۔ مخبر صادق کی خبر کے مطابق یہ دنیا بھی ایک آخری سنبھالا لے کر داعیِ اجل کو لبیک کہے گی۔ (اعجاز القرآن)

۲۔ اس بیسویں صدی میں ابن علقمی اور جعفر صادق کے جانشینوں نے پھر ایک دفعہ اپنی تاریخ دہرائی (خطبۂ صدارت)

۳۔ زندگی کے اس طویل عرصہ میں جو دوسرے لوگوں کے لئے عموماً نفسانی جذبات کی انتہائی ہنگامہ خیزیوں کے اٹھ اٹھ کر ختم ہو جانے کا زمانہ ہوتا ہے کوئی معاند سے معاند اور کٹر سے کٹر متعصب دشمن بھی ایک حرف ایک شوشہ آپ کی پیغمبرانہ عصمت اور خارق عادت عفاف و پاکبازی کے خلاف نقل نہیں کر سکتا۔ (اعجاز)

۴۔ فلسطین میں صیہونیوں کی فتنہ سامانیاں حشر برپا کر رہی ہیں۔ وہ مقدس سرزمین آج دنیا کی سب سے بڑی سرمایہ پرست اور سرمایہ داری کی سب سے بڑی مخالف سلطنتوں کے نرغے میں ہے۔ اس گھمسان میں عرب اپنی قسمتوں کو تول رہے ہیں (خطبۂ صدارت)

۵۔ اوس و خزرج کی ایک سو بیس سالہ جنگ کے اثرات کو اسلام کی روحانی تاثیر نے ایک آن میں ختم کر دیا تھا۔ (خطبۂ عید)

۶۔ مسلم قوم سے یہ توقع ہرگز نہ رکھیئے کہ وہ انگریز کی سنگل اور اضطراری غلامی کے مقابلہ میں انگریز اور ہندو کی ڈبل اور اختیاری غلامی کو ترجیح دے گی۔

۷۔ کل وہ (مسلم لیگ) جو کچھ بھی تھی مگر عامۂ مسلمین کی شرکت سے اسے اپنا صحیح موقف اور صحیح مقام نظر آ رہا ہے اور وہ اس کے لئے دوڑ دھوپ کر رہی ہے۔ آخر کانگریس بھی تو اپنے آغاز میں جو کچھ تھی انجام میں وہ نہیں رہی۔ (پیغام بنگال کانفرنس)

۸۔ ہندوستان بلکہ دنیا میں جو طرز حکومت آج رائج ہے اس کی لپیٹ میں طوعاً و کرہاً سب آ رہے ہیں بہت مشکل ہے کہ دریا کی موج میں گھر کر تر دامنی سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

۹۔ لیکن کچھ تو لوگ خاموش رہنے نہیں دیتے اور کچھ اس وقت یہ دردناک منظر دیکھ کر کہ دس کروڑ مسلمانوں کے قومی اور سیاسی استقلال کی روح کو کیسی سنگدلی سے مسلمانوں ہی کی چھری سے ذبح کرایا جا رہا ہے۔ بالکل خاموش رہنا گوارا نہ ہوا۔ (پیغام ملک)

۱۰۔ مسلم لیگ جس اصول پر الیکشن لڑ رہی ہے وہ شرعی اور عقلی حیثیت سے بے غبار ہے۔

۱۱۔ اسلام کا مقصد ایک ایسی قوم کی تشکیل ہے جو وطن، نسل، رنگ اور پیشے سے بالا ہو"۔

۱۲۔ اردو پاکستانی عوام کو متحد کرنے کا واحد ذریعہ ہے (زمیندار لاہور مورخہ ۲۳ جون ۱۹۴۹ء)

۱۳۔ اگر پاکستان میں اسلامی دستور اپنی اصلی شکل میں نافذ نہ ہوا تو حصول پاکستان کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ (جنگ کراچی ۱۳ مارچ ۱۹۵۰ء)

۱۴۔ اگر الیکشن میں لیگ ہار گئی تو ایک سچا اصول ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا۔ (پیغام)

۱۵۔ وہ تو یہ کہیے کہ اس نام نہاد قومیت متحدہ کے آتش فشاں کے جگر میں جو زہریلا مادہ اور آتشیں لاوا جوش مار رہا تھا تحریک پاکستان سے اسے جلد نکلنے کے لئے ایک راستہ ہاتھ آ گیا۔ پاکستان نہ بنتا تو اس آتش فشاں کے بے طرح اور وسیع پیمانہ پر پھٹنے سے پورے دس کروڑ مسلمان اس کی لپیٹ میں آ جاتے۔ (خطبۂ صدارت)

۱۶۔ سب سے زیادہ قابل تنفر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندان اسلام کی مستقل قومیت کا انکار کر دیا جائے۔ (پیغام ملک)

۱۷۔ ہوا خوش گوار اور موافق تھی۔ مسافر ہنستے کھیلتے آرام سے چلے جا رہے تھے کہ یکایک ایک زور کا طوفانی جھکڑ چلنے لگا اور چاروں طرف سے پانی کے پہاڑ اٹھ کر کشتی سے ٹکرانے لگے۔ (تعمیر حق ص ۲)

۱۸۔ تھوڑی دور جا کر کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا۔ ناخدا نے مسافروں سے کہا کہ ایک خدا کو پکارو یہاں تمہارے معبود کچھ کام نہ دیں گے عکرمہ نے کہا کہ یہی تو وہ خدا ہے جس کی طرف محمد بلاتے ہیں۔ اگر دریا میں رب محمد کے بدوں نجات نہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی اس کی دستگیری اور اعانت کے بغیر نجات پانا محال ہے۔ (تفسیر)

۱۹۔ قرآن کریم عام اشعار کی طرح کلام منظوم نہیں لیکن اس نے نظم کی روح نکال کر نثر میں ڈال دی ہے۔

۲۰۔ گویا وہ ایک زور و شور کی ہوا تھی۔ جس کے چلتے ہی شرک و بت پرستی کے بادل پھٹ گئے اور آفتاب توحید ابر کے پردے سے باہر نکل آیا۔ یا وابل رحمت تھی۔ جس کی بوچھاڑ نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھیوں کے پرخچے اڑا دیئے۔ (اعجاز القرآن)

ان جملوں اور مختصر عبارتوں پر غور کیجئے اور تنقید جدید وقدیم کے نظریوں کو سامنے رکھ کر پھر اندازہ لگایئے کہ عثمانی کی اردو تحریریں کیسی لطیف، شیریں، سلیس و شگفتہ اور ڈھلی ہوئی زبان رکھتی ہیں۔ آخری سنبھالا لیتا تاریخ دہراتا انتہائی ہنگامہ خیزیوں کے اٹھا اٹھ کر ختم ہو جانے کا زمانہ فلسطین میں صیہونیوں کی فتنہ سامانیاں اس گھمسان میں عرب اپنی قسمتوں کو تول رہے ہیں۔ یہ ٹکڑے کتنے سبک اور نفیس ہیں۔

نمبر ۶ میں متحدہ ہندوستان اور کانگریس میں ادغام و اشتراک کے ابطال کی کیا پیاری دلیل دی ہے کہ ذہن کے پردوں پر نقش ہو کر رہ گئی ہے۔ ساتویں قطعہ عبارت میں مسلم لیگ کے صحیح موقف کی معرفت اور ابتداء سے انتہا کے مرحلے تک رسائی اور انقلاب ماہیت کا کیسا اچھا فوٹو اتار کر رکھ دیا ہے۔ غرض کہ تمام خط کشیدہ ٹکڑے نگینے ہیں جو اپنی اپنی جگہ جڑے ہوئے ہیں اور فطرت انسانی کے بہتے ہوئے دھارے کا رخ متعین کرنے میں بے باکانہ انداز رکھتے ہیں۔

منتخب عبارتیں

شوخی تحریر کا خالص ادبی رنگ

مذکورہ صفحات میں مولانا کی اضافتی ترکیبیں روزمرے اور محاوروں کے استعمال کا انداز آپ نے معلوم کر لیا ہے اب ان کی نثروں اور عبارتوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بتدریج ان کی طرز تحریر کی ارتقائی منزلیں الاسلام، العقل والنقل اور دیگر بتدریج تصنیفات سے معلوم ہو سکیں گی جن کا ابتدا میں ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور جن کی عبارتیں علم الکلام کے باب میں بھی گزری ہیں لیکن تاریخ و زمانہ کی ترتیب سے علیحدہ ہو کر سب سے پہلے میں آپ کو ان کے ایک پرانے مضمون کی طرف لئے چلتا ہوں۔ جو دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث کی تعمیر کے سلسلہ میں آپ نے مسلمانان ہند کو متوجہ کرنے کے لئے لکھا تھا۔ یہ مضمون ۲۴ محرم ۱۳۳۵ھ کا لکھا ہوا ہے لیکن القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق فروری ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا جس کی تمہید خالص ادبی ہے اور جس کو ابتدائی دور کی یادگار کہا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

”عشق و محبت کی بحث میں تم نے لیلیٰ مجنوں کے تذکرے پڑھے، قیس و فرہاد کی داستانیں سنیں اور یہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ رات کے وقت جب شمع روشن ہوتی ہے تو ہزاروں پروانے اپنی چھوٹی چھوٹی ہستیوں کو کس اشتیاق اور بے تابی کے ساتھ شمع کی لو پر نثار کرتے اور تن من کو جلا ڈالتے ہیں لیکن تم کو غالباً کبھی ایسے پروانوں کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا جنہوں نے شمع کی آگ میں اپنے

آپ کو اس لئے جلایا ہو کہ وہ جلنے سے بچ جائیں اور اس لئے فنا کیا ہو کہ وہ پھر کبھی فنا نہ ہوں چمن میں خاموش پھولوں کے اردگرد سینکڑوں دفعہ بلبلوں کے چہچہے سنے ہوں گے پر ایسا ایک دفعہ بھی نہ سنا ہوگا کہ شاید گل تو خود چہچہا رہا ہو اور شور مچانے والی بلبلیں ساکت وصامت رہ کر اس کے ایک ایک لفظ کو چن رہی ہوں"۔ (الاعتصام ثانی [illegible])

آگے چل کر علامہ اسی مضمون میں لکھتے ہیں:۔

”عرب کے خشک ریگستانوں اور بے آب وگیاہ پہاڑوں میں خدا کی قدرت دیکھو کہ ایک غنچہ میں چٹک ہوئی اور ایک ایسا پھول کھلا جس کی مست کر دینے والی مہک کے سامنے مشک وگلاب کی بھی حقیقت نہ رہ گئی اور جب بلبلوں کے دماغوں میں اس کی مدہوش کر دینے والی خوشبو پہنچی تو انہوں نے جمع ہو کر خوب شور مچانا شروع کیا اس پر چمنستان نبوت کا وہ گل سرسبد گویا ہوا اور اپنے نغمۂ طرب افزا سے سب کی زبانیں خاموش کر دیں پھر کیا تھا بلبلیں اس کے لحن داؤدی سننے کے لئے گردنیں جھکا جھکا کر اور پر سمیٹ سمیٹ کر بیٹھ گئیں اور جو لفظ بھی اس کی زبان سے نکلا اس کو اٹھا لیا اور جو کلمہ بھی سنا اس کو فوراً دل کی تختی پر لکھ لیا“۔ (الاعتصام ثانی [illegible] بمطابق ۲۸ مئی ۱۹۹۱ء ص ۲۵)

علامہ کی مذکورہ بالا عبارتیں خالص ادبیت کا رنگ رکھتی ہیں اور ادب برائے ادب کا نقش پیش کر رہی ہیں جن سے ان کی ادبیت کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ مذکورہ عبارتوں کو پڑھنے سے گذشتہ تنقید کے اعتبار سے مدوجزر پایا جاتا ہے اور یقیناً اس عبارت کو لکھتے وقت مصنف کے احساسات وجذبات میں تلاطم محسوس ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں عبارتیں قاری کو ایک وجدانی فضا میں منتقل کر دیتی ہیں۔ اور یہی ایک بہترین نثر کی علامت ہے۔

رنگ استعارہ

۹ مارچ کو آپ نے دستور ساز اسمبلی میں بحیثیت رکن مجلس جن الفاظ سے قرارداد مقاصد کی تائید کی وہ آپ کی ادبیت کا بہترین شاہکار ہے۔ یہ عبارت استعارے کے رنگ میں اپنی نظیر آپ ہے اس کا ابتدائی مختصر حصہ پیش خدمت ہے جو ان کے آخری دور کی یادگار ہے فرماتے ہیں:۔

”یاد رکھئے دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ پھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور سخت ہوتی چلی جائے گی۔ اگر غور کیا جائے تو یہ مبارک بادی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی

روح انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آز اور رقیبانہ ہوسناکیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر دردانگیز ہیں کہ بعض اوقات سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں مگر علاج و دوا کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ مرض کے اصلی سبب ہی کو دوا اور اکسیر شفا سمجھ لیا ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب　　اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

اس اقتباس میں ایک حسن ہے جو اہل ادب کی نگاہیں پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اخبارات نے اس کو نمایاں حیثیت دے کر چھاپا۔

علامہ کا یہ خطابیہ قطعہ بہت ہی دلچسپ ہے جس کے استعارانہ انداز نے عبارت میں جان ڈال دی ہے۔ قوت ادب کا تسلسل برابر کام کر رہا ہے۔ وہ اثبات مقصد کے لئے الفاظ اور طرز کا مناسب مقام تلاش کرتے ہیں برمحل اشعار چسپاں کرنے کا بھی خاص شعور حاصل ہے۔ وجدان اور ذوق اس تقریر کی ادبیت کو دل میں جگہ دینے پر آمادہ نظر آتے ہیں وہ اسلامی قانون کے بروئے کار لانے میں مسلسل جدوجہد کے بعد کامیاب ہونے پر نہایت پرجوش قلبی کیفیت سے دوچار ہو گئے ہیں۔

معنوی حیثیت کا وقار قائم کرنے کے لئے عثمانی نے جس جوش حقیقت کی ترجمانی کو کام میں لانے کی کوشش کی ہے وہ اس میں کامیاب ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے خود بنائے ہوئے اصولوں میں پسماندہ اور بھٹکی ہوئی روح کے لئے کوئی مداوہ نہیں۔ اس مضطرب روح کے لئے یورپ کا قانون صحیح درماں پیش کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اضطراب روح کا باعث بھی تو یہی یورپین نظریات اور آئین ہیں اس لئے علاج اسی سے طلب کرنا جو بیماری کے جراثیم ہوں۔ کہاں تک دانائی ہے اس کے برعکس خدائی قانون میں تمام مصالح موجود ہیں۔

محاکات

محاکات کے معنی کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ اس چیز کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے یہ صورت نظم اور نثر دونوں میں تصور کی جا سکتی ہے۔ علامہ محاکات میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور کسی حقیقت کا نقشہ کھینچنے میں کمال رکھتے ہیں اور یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ کیفیت قاری کے ذہنی اور بصری پردوں پر منقش ہو گئی ہے۔ آپ ظہور اسلام اور بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت عرب کی حالت کی محاکات حسب ذیل عبارت میں فرماتے ہیں:۔

"دیکھئے دنیا کی فضا کس قدر بھیانک اور کیسی تاریک نظر آ رہی ہے۔ شیطانی طاقتوں نے کس قدر پرے جما رکھے ہیں۔ امن و اطمینان کی ایک کرن بھی کسی طرف نظر نہیں آتی تیرہ و تاریک گھٹاؤں نے دن کو رات بنا دیا ہے۔ ان ہی خوفناک اندھیریوں میں دفعۃً مکہ کی پہاڑیوں پر ایک چمک دکھائی دی۔ رحمت کا بادل زور سے گرجا اور کڑکا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جبل النور کی چوٹی سے دنیا کا ہادی اور شہنشاہ اکبر کا پیغمبر اعظم چمکتا ہوا اور گرجتا ہوا باران رحمت کو ساتھ لئے نزول اجلال فرما رہا ہے"۔ (خطبہ صدارت لاہور)

اس اقتباس پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ الفاظ اور لہجہ میں کس قدر شوکت و دبدبہ ہے۔ بلا کی روانی اور تسلسل ہے۔ عبارت سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا فضا میں ارتعاش پیدا ہو گیا ہے طلوع آفتاب اسلام کے وقت کی تاریکی جہالت اور دعوت رسالت کی کیا اچھی محاکات ہے۔ مضمون و معنی اور کیفیت کے اظہار کے لئے الفاظ کا تناسب اور ادبیت کی شان کو برقرار رکھنے کے لئے کس قدر تعاون رکھتا ہے۔ پھر اصلیت کے اظہار میں قطعاً مبالغہ نہیں۔ جذبات صحیحہ کی پوری ترجمانی ہے اسلوب بیان نفس مضمون سے زیادہ نہیں ہے عبارت کو ذوق سلیم و وجدان فصاحت و بلاغت کا ہم نوا تصور کرتے ہیں یہی ایک ادیبانہ لطافت کی خوبی ہے جیسا کہ ناقدین ادب کا خیال ہے۔

علامہ شبلی

اس مقام پر قاری کی دلچسپی کے لئے علامہ شبلی کی سیرت سے ایک قطعہ عبارت پیش کرتے ہیں جس کو بعض ادبا نے نمونہ کے طور پر انتخاب کر کے پیش کیا ہے۔

"آج کی صبح وہی صبح جاں نواز وہی ساعت ہمایوں وہی دور فرخ فال ہے۔ ارباب سیر اپنے محدود پیرایۂ زبان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتش کدۂ فارس بجھ گیا دریائے ساوہ خشک ہو گیا لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم شوکت روم اوج چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدۂ کفر آذر کدۂ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ بت کدے خاک میں مل گئے۔ شیرازہ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے"۔

علامہ شبلی اور علامہ حقانی دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ کہا ہے عبارت کا زور شوکت اور تسلسل میں دونوں کا مقابلہ کیجئے اور خود فیصلہ کیجئے۔

حسی محاکات کی ایک اور مثال تفسیر حقانی کی اس عبارت میں ملاحظہ کیجئے غزوۂ تبوک میں حضور رسالت مآب تشریف لے جا چکے ہیں لیکن ابو خیثمہ اپنے باغ میں فروکش ہیں اس کیفیت کو

کن ہلکے پھلکے لفظوں میں عثمانی محاکات کا جامہ پہناتے ہیں۔

"ابوخیثمہ بھی غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے حضور کی روانگی کے بعد باغ میں گئے وہاں خوشگوار سایہ تھا حسین و جمیل بیوی سامنے تھی۔ اس نے پانی چھڑک کر زمین کو خوب ٹھنڈا کر دیا چٹائی کا فرش کیا تازہ کھجور کے خوشے سامنے رکھے اور سرد و شیریں پانی حاضر کیا۔ یہ سامان عیش دیکھ کر دفعۃً ابوخیثمہ کے دل میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ بولے تف ہے ایسی زندگی پر کہ میں تو خوش گوار سائے ٹھنڈے پانی اور باغ و بہار کے مزے لوٹ رہا ہوں اور خدا کا محبوب پیغمبر ایسی سخت لو اور گرمی و تشنگی کے عالم میں کوہ و بیاباں طے کر رہا ہے یہ خیال آتے ہی سواری منگائی تلوار حمائل کی نیزہ سنبھالا اور حضور کے نقش قدم پر چل نکلے۔ اونٹنی تیز ہوا کی طرح چل رہی تھی۔ آخر لشکر کو جا پکڑا۔ حضور نے دور سے دیکھ کر کہ کوئی اونٹنی سوار ریت کے ٹیلے قطع کرتا چلا آ رہا ہے فرمایا کن اباخیثمہ "یعنی ابوخیثمہ" "ہو جا"۔ تھوڑی دیر میں سب نے دیکھ لیا کہ وہ ابوخیثمہ ہی تھے۔" (تفسیر حقانیہ ص ۳۶۷)

اس عبارت میں ابوخیثمہ کے جہاد سے بیٹھ رہنے حسین بیوی کے حسن دل آرام سے اکتساب نور کرنے باغ میں جانے خوشگوار سایہ شیریں پانی اور عرب کی خوش ذائقہ کھجوروں کا خوشہ وغیرہ وغیرہ۔ سامان عیش کا عثمانی نے کیسا اچھا نقشہ کھینچا ہے۔ اس دلچسپی و نظر نواز فضا میں ابوخیثمہ کے دل میں شمع رسالت کی محبت کی بجلی کا کوندنا پھر تلوار حمائل کرنا' نیزہ سنبھالنا اور بے درنگ اونٹنی پر سوار ہو کر ریت کے ٹیلے الٹتے ہوئے اور گرد و غبار اڑاتے ہوئے میدان جہاد کی طرف جانا صاحب رسالت کا دور سے غبار کو دیکھ کر نور نبوت سے ابوخیثمہ کے ہو جانے کا نعرہ لگانا محاکات کا زندہ تصویر ہے۔

محتاط جامع و مانع نثر نگاری

علامہ کی اردو عبارتیں نہایت ہی جامع مانع اور جچی تلی ہوئی نیز محتاط ہوتی ہیں۔ ان کی تقریر ہو یا تحریر جامعیت و مانعیت کا پورا پورا لحاظ رکھتی ہے۔ جامع و مانع تحریر و تقریر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس قدر الفاظ جس مقصد کے لئے انشا نگار کی زبان قلم سے نکلے ہیں ان الفاظ میں کمی بیشی مدعا کو فوت کر دیتی ہے۔ اور تحریر و تقریر سے جو اظہار مقصد ہے وہ ان الفاظ میں پورا پورا ادا ہو رہا ہوتا ہے۔

علامہ نے عصر جدید کلکتہ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء میں ایک مدلل مضمون دیا تھا جس میں دفع دخل مقدر کے طور پر متحدہ ہندوستان کے مسلمان دعویداروں کے ایک ایک اعتراض کو واضح طور پر کاٹ کر رکھ دیا گیا ہے کہ آیا پاکستان میں فوری طور پر اسلامی قانون کی ترویج ہو سکے گی۔ اگر نہیں تو

پاکستان بنانے سے مدعا اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے علامہ عثمانی نے کیا جامع مانع بیان دیا ہے۔ عبارت کا یہ قطعہ پڑھیے:۔

"پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے یہ نام سن کر کسی کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں پیدا ہونی چاہئے کہ اس خطہ میں فوراً بلا تاخیر خلافت راشدہ یا خالص قرآنی و اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا یا توقعات باندھنا کسی عاقبت اندیش حقیقت پسند کے لئے زیبا نہیں ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ قائم ہونے پر کسی وقت منتج ہو سکتا ہے جس کے قیام کا نام نہاد قومیت متحدہ کی حکومت کے ذریعہ بظاہر کوئی امکان نہیں"۔

یہ عبارت بجائے خود اس قدر پر مغز اور جامع و مانع ہے کہ اس کا ایک لفظ بھی کم و بیش نہیں ہے اس میں سے ایک لفظ کا کم کرنا جسم انسانی سے کسی عضو کا کاٹ دینا ہے اسی طرح اس میں زیادتی کی بھی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

آخری عبارت کے ٹکڑے علامہ کے انتہائے تدبر کی کڑیاں ہیں جو یہ واضح کر رہی ہیں کہ متحدہ ہندوستان میں کوئی ادنیٰ سا تصور بھی حکومت اسلامیہ کا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے برعکس پاکستان میں اگر فوراً نہ سہی تو کسی وقت اسلامی حکومت کا آئین نفاذ پذیر ہو سکتا ہے یعنی کوئی دوسری طاقت پاکستان میں ایسی نہ ہوگی جو قانون الٰہی میں سد راہ بن سکے۔ سو الحمد للہ کہ مولانا عثمانی کی سعی حاصل سے قرارداد مقاصد پاس ہوگئی اور آئندہ پاکستان کا قانون اسلامی ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ عثمانی افراط و تفریط کی راہوں سے بچ کر چلنے میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور ان کی اس روش کا ان کی ادبی تو میں کسی ساتھ نہیں چھوڑتیں۔

اظہار مدعا پر قدرت الفاظ

شیشۂ قلب عثمانی میں تنویر غیبی

علامہ کو اپنے مافی الضمیر کے ادا کرنے کے لئے مناسب الفاظ لانے پر پوری قدرت تھی۔ ان کی قادر الکلامی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ نظریہ پاکستان کی تائید میں فرماتے ہیں۔

"ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں۔ جس کے پردے سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا اس صبح امید کے نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے”۔

یہ عبارت علامہ کے خطبہ صدارت لاہور سے لی گئی ہے۔ جس میں انہوں نے پاکستان کی اہمیت کو مسلمانوں کی نظروں میں قائم کرنے کے لئے اس کو ”زندگی اور موت کے سوال“ سے سمجھا کر او قع فی النفس کرنا چاہا ہے۔ پھر آگے چل کر

“ہمارا عقیدہ کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے”۔

عقیدہ اور تقدیر کے ساتھ پاکستان کے تحفظ اور وجود میں لانے کو جزو ایمان ثابت کر کے عثمانی نے کلام میں پوری برقی طاقتیں آزاد چھوڑ دی ہیں۔

“امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں۔ جس کے پردے سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا۔ اس صبح امید کے نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے”۔

یہ عبارت کتنی حسین ہے کہ اس کی رعنائیوں اور خوبرویوں کا اندازہ آپ کی آنکھیں خود کریں تو ٹھیک ہے یہاں نطق کی لب کشائی آنکھوں کی راہ پُرسکوں میں ایک سمع خراش شور ہے۔ اس عبارت کی تعریف میں صرف آنکھوں کو دیکھنے کی اجازت ہے اور لبوں پر مہر سکوت کی اور بس۔

آپ نے دیکھا کہ علامہ نے پاکستان کے مستقبل میں بننے پر مخالفین کے ہنسنے اور دیوانے کے خواب سے زیادہ وقعت نہ دینے پر جو جولانی طبع دکھائی ہے وہ ان کی قادر الکلامی کا پورا مظہر ہے۔

آپ نے یہ بھی دیکھا کہ ان کی نگاہیں گویا پاکستان کو سامنے دیکھ رہی ہیں اور اس کی جھلک ہی نہیں بلکہ پورے جلوے کو دیکھ کر کیا کیا پیشین گوئی کر رہی ہیں۔ اس کی تعبیر آپ نے اور ہم نے سب نے دیکھ لی۔ یہ اسی قسم کی پیشین گوئیوں میں سے ہے جو کبھی کبھی اہل دل کی زبانوں سے خدائی طاقتوں کے اثرات کے ماتحت نکل پڑا کرتی ہیں اور جو شیشہ قلب عثمانی میں تنویر ربانی کی ایک جھلک سے ضوفشاں ہوگئی ہے۔

عربی اور انگریزی الفاظ کا بہترین پیوند و استعمال

علامہ عثمانی اگرچہ انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن انگریزی الفاظ بکثرت سنے سنائے ایسے برمحل استعمال کرتے تھے کہ ان کے مناسب فٹ ہونے کو آپ ان کے جملوں کے سلیقہ سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔

"آج بھی کوئی جنگ محض بڑے بڑے مہیب اور ہلاکت بار اسلحہ سے نہیں جیتی جا سکتی فتح و کامیابی کا اصل مدار فوجوں کے بلند حوصلہ مضبوط کیرکٹر اور بہترین ڈسپلن پر ہے"۔ (خطبہ ڈھاکہ)

کیرکٹر اور ڈسپلن کا استعمال سلیقہ ادب کے تیور بتا رہا ہے۔

"سردست ہم اتنی استطاعت بھی نہیں رکھتے کہ اپنی مدافعانہ طاقت کو دشمن کے لیول تک پہنچا دیں۔

لیول کے لفظ کا استعمال ملاحظہ ہو۔

"ادھر ہمارے ملک میں ہنوز (ففتھ کالم کی بھی کمی نہیں"۔

ففتھ کالم کا لفظ کیسا برمحل استعمال ہے۔

عربی الفاظ کی پیوستگی کی مثالیں بھی دیکھیے۔

"اس پر قرآن کریم نے ہکرات و مرات نہایت شدومد کے ساتھ متنبہ کیا ہے"۔

کرات و مرات کا استعمال یہاں کتنا فصیح معلوم ہوتا ہے۔

"انگریزی عہد کی بدبودار سیاست کا ممکن ہے یہ لوگ کچھ تجربہ رکھتے ہوں مگر پاکستان بننے کے بعد مسلمان جس پرانی سیاست کا نیا ایڈیشن بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں اس سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ طول امد کی وجہ سے خوف ہے کہ اس کے سمجھنے کی اہلیت بھی ان سے سلب ہو چکی ہے۔

عمریست کہ افسانہ منصور کہن باشد　　　　من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را"

ا۔ ایڈیشن انگریزی لفظ ہے۔ عثمانی کی یہ ترکیب یعنی "پرانی سیاست کا نیا ایڈیشن" کیسی خوبصورت اور کتنی معنی خیز ہے۔

طول امد عربی ہے۔ لیکن کیسا چسپاں کیا گیا ہے۔

۲۔ آخر میں فارسی شعر کو بہترین فنشنگ ٹچ (Finishing Touch) نہ کہیے تو اور کیا کہیے۔

تنقیدات عثمانی

علامہ کا مقام تنقید ادب اور دیگر علوم میں بہت بلند ہے۔ حقیقت میں نگاہیں جاتی ہیں کہ کسی کتاب مقالہ یا مضمون کا لکھنا اس قدر دشوار نہیں جتنا نقد و نظر کی وادی پرخار میں تعصب سے پاک ہو کر بے لاگ تنقید کرنا مشکل ہے۔

تنقید ہی ایسا شعوری احساس ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں جاری وساری ہے۔ صحیح تنقید کے بغیر سچ پوچھیے تو انسانی کمالات نامکمل ہیں جس شخص کو دنیا میں اچھے برے کھرے کھوٹے دوست دشمن اور نفع ونقصان کی تمیز نہیں اور وہ اپنی زندگی کے مختلف مدارج اور حیات کے مختلف شعبوں میں صحیح وسقیم خیالات اور اپنی روزانہ کی کھاتے پینے پہننے اوڑھنے اور بچھانے کی چیزوں میں پسندیدگی کی قوت نہیں رکھتا اس کی زندگی نہ صرف ناقص ومکدر بلکہ ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔

تنقید کے لفظی اور اصطلاحی معنی

تنقید عربی کا لفظ ہے جو تفعیل کے وزن پر مصدر ہے جس کے معنی پرکھنے اور کھرے کھوٹے میں فرق پیدا کرنے کے ہیں۔ لیکن فن تنقید کی اصلاح میں تنقید اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعہ کسی مصنف کی تصنیف یا شاعری یا کسی مضمون ومقالہ وغیرہ کی خوبیاں اور برائیاں ایک ایک کر کے بیان کی جائیں چنانچہ سید غلام محی الدین زور "روح تنقید" میں لکھتے ہیں:۔

"فن تنقید اس فن کو کہتے ہیں جس میں دوسروں کی حرکات واقوال پر انصاف کے ساتھ فیصلے صادر کیے جاتے ہیں صحیح وغلط اچھے اور برے اور حق وباطل کے درمیان فرق کرنا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دکھانا وقتیہ معتقدات اور ذاتیات کو ملیامیٹ کرنا صحیح مذاق پیدا کرنے کی کوشش کو تنقید کہتے ہیں"۔

"اویس شیخ نے اپنی تصنیف "علم الادب" میں تنقید کی تعریف یہ کی ہے:۔

"النقد لغة هو النظر في الدراهم ليتميز جيدها من فاسدها و في الاصطلاح هو عبارة عن تعقل التاليف الادبية بالبصيرة لبيان محاسنها وغرائبها وللدلالة على مغالطها و شوائبها

نقد لغت میں سکوں (دراہم) پر نظر کرنے کا نام ہے تا کہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کیا جا سکے لیکن اصطلاح میں ادبی تصنیف کو نور بصیرت کے ذریعہ اس کے محاسن وغرائب اور اغلاط نیز مخلوط چیزوں کو معلوم کرنے کو کہتے ہیں"۔

تنقید کی تعریف کے متعلق اہل فن تنقید نے بہت کچھ خیال آرائیاں کی ہیں لیکن صاف اور سادہ تعریف یہی ہے جو بیان کی گئی ہے۔ پھر تنقید میں یا تو کسی تصنیف کے محاسن ومعائب بیان کر کے اس کی اچھائی یا برائی پر حکم لگا دیا جاتا ہے اور یا صرف محاسن ومعائب بیان کر دیئے جاتے ہیں اور آخری فیصلہ ناظرین پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اس تمہید سے تنقید کی تفاصیل میں جانا میرا مقصد نہیں لیکن علامہ کی تنقیدی قوت اور تبصراتی بصیرت کے سلسلہ میں تنقید کے متعلق کچھ بیان کرنا ناگزیر ہو گیا۔

علامہ کی ایک مستقل کتاب تنقیدی سلسلہ میں "اعجاز القرآن" بہترین شاہکار تنقید ہے۔ اس کتاب میں علامہ نے قرآن کریم کے ادیبانہ حکیمانہ اور تاریخی واخلاقی پہلوؤں پر تنقید کرتے ہوئے قرآن حکیم کو کلام الٰہی ثابت کیا ہے۔ اور روشن دلائل سے یہ بھی واضح کیا ہے کہ کلام الٰہی اپنی ادبیت کے باعث بھی اس قدر بلند ہے کہ دنیا اس کا ادبی مقابلہ نہیں کر سکتی۔

آئیے اب علامہ کی ان تنقیدی نکتہ آرائیوں کی روشنی میں غور کریں کہ عثمانی کس پایہ کے تنقید نگار ادیب ہیں۔ ان کی تصنیف اعجاز القرآن سے چند اقتباسات ہدیہ نظر ہیں۔ لیکن ان کے پیش کرنے سے پہلے اس حقیقت کو فراموش نہ کیجئے کہ کسی شاعر یا ادیب پر بہترین تنقیدی جائزوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شاعر یا ادیب اپنے کلام پر مساوی قدرت رکھتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ بلندی و پستی اور نشیب و فراز کی بے آہنگیوں سے جا ملے اور میر کے نقادوں کی طرح کہ بلندش بغایت بلند و پستش بغایت پست" کا مورد طعن بن جائے۔ اس خصوص میں علامہ نے قرآن کریم کی ہم آہنگی اور مساوی ادبی شان کو کلام الٰہی کا روشن استدلال قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے پر ان لفظوں میں تنقید کرتے ہیں۔

"آپ نے بڑے بڑے فصیح البیان اور عمدہ بولنے والے بھی دیکھے ہوں گے۔ کیا کوئی لیکچرر آپ کی نظر میں ہے جو ہر ایک مضمون پر یکساں بولنے کی قدرت رکھ سکتا ہو۔ کوئی آدمی ہر مضمون کے بیان پر یکساں قدرت نہیں رکھ سکتا بلکہ بڑے بڑے قصیدوں میں دو ہی چار اشعار منتخب ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی متکلم کو ہر مضمون پر پوری قدرت نہیں ہوتی۔ چنانچہ علمائے ادب کا اعتراف ہے کہ امرأ القیس گھوڑوں کی تعریف اچھی کرتا ہے۔ نابغہ خوف و خشیہ میں اعشیٰ شراب کی طلب اور تعریف میں زہیر رغبت و رجا میں اچھا لکھتا ہے۔ جیسے نظامی و فردوسی رزم و بزم میں سعدی وعظ و پند میں تفوق رکھتا ہے لیکن دوسرے فن میں جا کر ان کی ساری جولانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

بوستاں میں ایک جگہ جنگ کی کہانی آ گئی وہیں سعدی کی زبان سست پڑ گئی۔ بوستان کے پانچویں باب میں اس حکایت کو دیکھ لو کہ نظامی اور فردوسی کے مقابلہ میں سعدی کا کلام کس قدر پھسپھسا ہے۔ کیونکہ رزمیہ کلام لکھنا سعدی کا فن نہیں تھا کسی مشہور سے مشہور شاعر کا دیوان یا کسی مسلم سے مسلم عالم اور حکیم کی کتاب کیف ما اتفق اٹھا کر پڑھ جاؤ۔ اول سے آخر تک یکساں زور

قائم نہیں رہ سکتا لیکن قرآن کو اول سے آخر تک دیکھ لو کس قدر مضامین مختلفہ کی رو ہے جو کہ نہایت روانی سلاست آب و تاب اور شان و شوکت سے بہہ رہی ہے اور ہر مضمون کو کس قدر قوت اور جزالت و فصاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہیں معاش کا بیان ہے نکاح و طلاق کے قواعد کی تعلیم ہے کہیں فرائض میت کی تقسیم کی جاتی ہے کبھی نماز و روزہ کا وعظ ہے۔ کبھی جہاد کا بیان ہے لڑائی کے نقشے کھینچے جاتے ہیں کہیں سنین ماضیہ کے تاریخی واقعات ہیں کبھی دلوں کو رلانے والی پند و نصائح بیان کی جاتی ہیں کبھی بہشت کا سماں سامنے ہے کہیں دوزخ کا عذاب ہے یہ سب کچھ ہے مگر طرز بیان میں کوئی سستی نہیں کمزوری نہیں انحطاط نہیں ہر موقع پر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کے مقابلہ سے تمام جن و بشر عاجز ہیں اور ہر جگہ زبان پر آتا ہے۔

؎ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است" (اعجاز القرآن)

آپ علامہ کے قرآن کریم کے کلام ربانی ہونے پر تنقیدانہ انداز پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ بحیثیت الفاظ و معانی قرآن کریم کیوں کلام الٰہی ہو سکتا ہے۔

علامہ قرآن اور شاعری کو شان محمد عربی کے خلاف ہونے پر تنقیدی تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آپ حقیقت کے ترجمان تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدوں ادنیٰ ترین کذب و غلو کے روشناس کرنا تھا ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شاعریت کا حسن و کمال کذب و مبالغہ خیالی بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں۔ شعر میں اگر کوئی جز محمود ہے تو اس کی تاثیر اور دلنشینی ہو سکتی ہے سو یہ چیز قرآن کی نثر میں اس درجہ پر پائی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے شاعر مل کر بھی اپنے کلاموں کے مجموعہ میں پیدا نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کے اسلوب بدیع کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا نظم کی اصل روح نکال کر نثر میں ڈال دی گئی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فصیح و عاقل دنگ ہو کر قرآن کو شعر یا سحر کہنے لگتے تھے حالانکہ شعر و سحر کو قرآن سے کیا نسبت کیا شاعری اور جادوگری کی بنیاد پر دنیا میں کبھی قومیت و روحانیت کی ایسی عظیم الشان اور لازوال عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جو قرآنی تعلیم کی اساس پر آج تک قائم شدہ دیکھتے ہو یہ کام شاعروں کا نہیں پیغمبروں کا ہے کہ خدا کے حکم سے مردہ قلوب کو ابدی زندگی عطا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے عرب کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ آپ شاعر تھے شاعری سے ترقی کر کے نبی بن بیٹھے"۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۷۷)

علامہ کی اس عبارت میں قرآن کریم اور شاعری کے فرق پر کتنی گہری تنقید ہے۔ نیز یہ کہ عثمانی شاعری میں تاثیر اور دلنشینی کو اصل چیز خیال فرماتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر شعر میں اثر نہیں تو وہ شعر شعر ہی نہیں۔

اسی سلسلہ میں علامہ آگے چل کر ایک اور تنقیدی نکتہ بیان کرتے ہیں جس میں یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ شاعر یا انشا نگار کا کلام یا نثر کا معیاری پہلو یہ ہے کہ وہ جس مضمون کو بیان کرتا ہے اس میں لطافتوں کی چاشنیاں بھر دیتا ہے اور اس طرح سے مضمون بیان کرتا ہے کہ اس کی طرز ادا دوسرے درجے کے شعرا سے امتیازی مقام حاصل کر لیتی ہے اس سلسلہ میں مولانا کے تنقیدی و ادبی ذوق کی نکتہ آرائیاں اور اردو نیز فارسی کے شعرائے اساتذہ پر تبصرہ و تنقید نگاریاں ملاحظہ ہوں۔ آپ کو ان کی قوت تنقید اور ادبی ذوق نوازیوں تک فاصلہ طے کرنے میں نہایت آسانی ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں:۔

”محض ایک شاعرانہ مضمون کے ادا کرنے میں بھی بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک ہی خیال ہے جس کو شاعر ایک رنگ سے ادا کرتا ہے دوسرا اسی میں ایسی لطافت پیدا کرتا ہے کہ پہلے شاعر کا کلام اس کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگتا ہے۔ ذوق ملک الشعراء ایک غزل میں لکھتا ہے کہ

آنکھ سے آنکھ ہے لڑتی مجھے ڈر ہے دل کا　　کہیں یہ جائے نہ اس جنگ و جدل میں مارا

اسی خیال کو ایک دوسرا شاعر کندرام جس کا نام بھی شاید کسی کو معلوم ہو ایسی لطافت کے ساتھ ادا کرتا ہے سخن شناسوں کو ناچار اسی کے حق میں فیصلہ دینا پڑتا ہے۔ کہتا ہے۔

دل کی نہیں تقصیر کندرا آنکھیں ہیں ظالم　　یہ جا کے نہ لڑتیں وہ گرفتار نہ ہوتا

دیکھو ذوق کا کلام کندرام کے مقابلہ میں کیسا پھیکا پڑ گیا ہے۔ اسی طرح فردوسی نے کہا تھا۔

جہاں را بلندی و پستی توئی　　ندانم چہ آنچہ ہستی توئی

نظامی نے اس کے مقابلہ میں فرمایا۔

پناہ بلندی و پستی توئی　　ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

پہلے مصرع میں پناہ اور دوسرے میں نیستند نے نظامی کے شعر کو فردوسی کے شعر سے بلیغ اور بہت صاف کر دیا ہے۔ فردوسی نے لکھا تھا۔

زہے بارگاہے زافراسیاب　　ز مشرق بمغرب کشیدہ طناب

نظامی کہتے ہیں۔

زہے بارگاہے کہ چوں آفتاب　　ز مشرق بمغرب کشیدہ طناب

دیکھو ”چوں آفتاب“ نے شعر کو کیسا مبرہن اور لاجواب بنا دیا ہے اور ”زافراسیاب“ کی ”ز“ کی ضرورت بھی نہ رہی۔ اردو میں قمر کا شعر ہے

مرض ہجر مرا خاک ہو اچھا تم سے　　خود مسیحا ہو اجی اور ہیں بیمار آنکھیں

جوہر نے اس مضمون کو کس قدر خوبی سے ادا کیا ہے۔

آپ سے اپنا مداوا بھی نہیں ہو سکتا ۔   کیسے عیسیٰ ہو کہ جب دیکھو ہیں بیمار آنکھیں

آنکھوں کے ساتھ لفظ دیکھو دیکھنے کے قابل ہے۔ ناسخ کہتا ہے۔

شکل نہیں نظر پڑی آیا نہیں پیام بھی   عمر ہوئی کہ ایک سی حالت چشم و گوش ہے

غالب نے اس کو کس قدر چست اور لطیف بنادیا کہتے ہیں۔

نے مژدہ وصال نہ نظارۂ جمال   مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے

ذوق نے کہا تھا۔

ہزار لطف جو ہیں ہر ستم میں جاں کے لئے   ستم شریک ہوا کون آسماں کے لئے

کسی استاد نے اسی مضمون کو اس طرح لکھا ہے

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں   کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

سخن شناس سمجھتا ہے کہ دوسرا شعر اول سے باعتبار پاکی الفاظ وحسن ادا وخوبی تراکیب بالاتر ہے اور الفاظ معشوق و پردۂ زنگاری نے اس کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے۔ مومن خان کہتے ہیں۔

خوں بہا قاتل بے رحم سے مانگا کس نے   کہ فرشتے مجھے یاں داغ درم دیتے ہیں

اس کے مقابلہ میں ذوق کا کلام ملاحظہ ہو۔

کہتی تھی ماہی بریاں کہ دیران قضا   داغ دیتے ہیں اسے جس کو درم دیتے ہیں

ظاہر ہے کہ شعر اول میں داغ درم دینا اور خوں بہا مانگنا محض ادعا ہے اور دوسرے شعر میں داغ دینا اور صاحب درم ہونا ثابت ہے دیکھو یہاں داغ اور درم کا مضمون لے کر ایسی طرح ادا کیا کہ پہلے کی نسبت شعر نہایت بلیغ ہو گیا۔

یہ چند نمونے ہم نے اس لئے پیش کئے ہیں کہ یہ ثابت ہو سکے کہ بعض شاعرانہ تخیلات اور مفروض ومخترع مضامین کے ادا میں بھی ترکیب کی بندش اور الفاظ کی چستی اور روانی اور دیگر لطائف ومزایا کی رعایت سے کس قدر فرق اور تفاوت ہو جاتا ہے۔

پس ہم اجازت دیتے ہیں کہ آج بھی سارے فصیح وبلیغ مل کر ایک دو قصہ کہانیاں ہی ایسی عبارت میں پیش کر دیں جو قرآن کی کسی چھوٹی سی سورت کے مقابلہ میں لطیف تر اور فصیح تر بیان کیا اس قدر مہلتیں عطا کرنے کے بعد اگر مقابلہ سے عاجز رہے تو یہ اس کی دلیل نہ ہو گی کہ یہ کلام دنیا کے خالق اور مالک کا ہے"۔

یہاں تک مولانا کی خاص ادبی تنقید کا سلسلہ تھا۔ قاری اس تحریر سے اس کے ادبی تنقیدی شعور اور مذاق کا اندازہ بخوبی لگا سکتا ہے کہ عثمانی نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور عربی میں بھی گہری تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔ نہ صرف ادبائے عربی و فارسی و اردو بلکہ محدثین، مفسرین متکلمین پر ذاتی تنقیدوں سے ان کی تفسیر اور شرح مسلم بھری پڑی ہے۔

تفسیر قصص قرآنی میں ادبیت کا رنگ

اہل ادب نے قصص کو ادب کی شرح قرار دیا ہے لیکن قرآن کریم میں جتنے قصص آئے ہیں۔ ان سے عبرت، نصیحت اور اخلاق کی درستی کا کام لیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے تمام قصوں میں یوسف علیہ السلام کے قصہ کو احسن القصص فرمایا گیا ہے اور یہ پوری سورت میں مسلسل چلا گیا ہے اس لئے مفسرین کی تفسیروں نے بھی تسلسل کی شکل اختیار کر لی ہے مولانا عثمانی نے اس سورت کی تفسیر میں تفسیر اور اردو ادب کا پورا حق ادا کیا ہے۔ جو بذات خود ایک قابل قدر علمی اور ادبی حصہ ہے۔ حسب ذیل اردو عبارت تفسیر ہے اس آیت کی جس میں زنان مصر کو عزیز کی بیوی نے جس کا نام عام طور پر زلیخا لیا جاتا ہے دعوت پر بلایا تھا اور جو زن عزیز کو عشق یوسف کا طعنہ دیا کرتی تھیں۔ جب یہ عورتیں دعوت پر آ گئیں تو ان کے سامنے پھل اور چاقو پیش کیے گئے اس اثنا میں یوسف علیہ السلام کو جو کہیں علیحدہ تھے ان کے سامنے سے گزارا گیا اور انہوں نے پھلوں کی بجائے ہاتھوں کو کاٹ لیا۔ علامہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"یہ سب سامان درست کر کے اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو کہیں قریب ہی موجود تھے آواز دی کہ ادھر نکل آیئے۔ نکلنا تھا کہ بجلی سی کوند گئی۔ تمام عورتیں یوسف کے حسن و جمال کا دفعۃً مشاہدہ کرنے سے ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور مدہوشی کے عالم میں چھریوں سے پھلوں کی جگہ ہاتھ کاٹ لئے۔ گویا قدرت نے یہ ایک مستقل دلیل یوسف علیہ السلام کی نزاہت و صداقت پر قائم فرما دی کہ جس کے جمال بے مثال کی ذرا سی جھلک نے دیکھنے والی عورتوں کے حواس گم کر دیئے بحالیکہ یوسف نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کے حسن و خوبی کی طرف نہ دیکھا تو یقیناً واقعہ یونہی ہوا ہو گا کہ زلیخا اس کے جمال ہوش ربا کو دیکھ کر ہوش و خرد کھو بیٹھی اور وہ معصوم فرشتے کی طرح اپنا دامن عفت بچاتا ہوا صاف نکل گیا۔ چنانچہ زنان مصر انہیں دیکھ کر پکار اٹھیں) کہ یہ تو حسن و جمال اور نورانی صورت کے اعتبار سے فرشتہ معلوم ہوتا ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

قوم اذا قوبلوا کانوا ملائکۃ حسناً و ان قوتلوا کالو عفاریتا

یا حیا و عفت اور پاکدامنی جو چہرہ اور چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی اسے دیکھ کر کہا کہ یہ آدمی نہیں کوئی معصوم فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اب زلیخا کو موقع ملا کہ عورتوں کے طعن و تشنیع کا تیر ان ہی کی طرف لوٹا دے گویا اس وقت فذالکن الذی لمتننی فیہ کہہ کر وہ اس شعر کا خلاصہ ادا کر رہی تھی۔

ایں است کہ خوں خوردہ و دل بردہ بسے را بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

مجمع کے رنگ دیکھ کر زلیخا بالکل ہی کھل پڑی اور واقعہ کا صاف صاف اظہار کر دیا۔ کہ بے شک میں نے اس کا دل لینا چاہا تھا مگر اس بندۂ خدا نے ایسا مضبوط تھامے رکھا کہ کسی طرح نہ دیا۔

یہ خدا تعالیٰ نے شہر کی عورتوں کے مجمع میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال عصمت و عفت اور غایت نزاہت و طہارت کا اقبالی ثبوت پیش کرا دیا۔ زلیخا کا حال اس وقت وہی تھا جو کسی نے کہا ہے۔

لاتخف ما صنعت بک الاشواق واشرح ھواک فلکنا عشاق

زلیخا کی اس گفتگو میں کچھ تو عورتوں پر اپنی معذوری اور نامرادی کا اظہار تھا تاکہ ان کی ہمدردی حاصل کر سکے اور کچھ یوسف علیہ السلام کو تحکمانہ دھمکیوں سے مرعوب کرنا تھا کہ وہ خوف زدہ ہو کر آئندہ اس کی مطلب برآری پر آمادہ ہو جائیں حالانکہ

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

اقتباس قصہ موسیٰ علیہ السلام از تفسیر عثمانی

یہ اقتباس اس مقام سے لیا گیا ہے جب کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی سسرال مدین سے مصر کو واپس تشریف لے جا رہے ہیں راستہ بھول چکے ہیں کوہ طور پر آگ چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ علامہ تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہو گیا تھا کئی سال وہاں مقیم رہنے کے بعد حضرت موسیٰ نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ حاملہ بیوی ہمراہ تھی۔ رات اندھیری تھی، سردی کا شباب تھا بکریوں کا گلہ بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے۔ بکریاں متفرق ہو گئیں اور بیوی کو دردِ زہ شروع ہو گیا اندھیرے میں سخت پریشان تھے۔ سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ چقماق مارنے سے بھی آگ نہ نکلی۔ ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعۃً دور سے ایک آگ نظر آئی وہ حقیقت میں دنیوی آگ نہ تھی اللہ کا نور جلال تھا یا حجاب ناری تھا (جس کا ذکر مسلم کی حدیث میں آیا ہے) موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر والوں سے کہا

کہ تم یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لا سکوں یا وہاں پہنچ کر کوئی راستہ کا پتہ بتلانے والا مل جائے۔ کہتے ہیں کہ اس پاک میدان میں پہنچ کر عجب نظارہ دیکھا۔ ایک درخت میں زور و شور سے آگ لگ رہی ہے اور آگ جس قدر بھڑکتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی و شادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے درخت کے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھا لائیں لیکن جتنا وہ آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر ہٹنا چاہتے تو آگ تعاقب کرتی۔ اسی حیرت و دہشت کی حالت میں آواز آئی" انی انا ربک "(میں تیرا رب ہوں) گویا وہ درخت بلا تشبیہ اس وقت غیبی ٹیلیفون کا کام دے رہا تھا۔ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب یا "موسی" سنا تو کئی بار "لبیک" کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے۔ آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں تیرے ساتھ ہوں تیرے سامنے ہوں تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے نزدیک ہوں۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ہر جہت سے اور اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سنتے تھے"۔ (تفسیر عثمانی سورۂ طہ ص ۴۰۵)

آپ نے تفسیر عثمانی کے ان دو نثری قطعوں کو گہری نظر سے دیکھا۔ اگر نہیں تو پھر امعان نظر سے دیکھئے۔ اور اندازہ لگائیے کہ مولانا کی دونوں عبارتوں میں زبان میں چاشنی' حلاوت' سلاست روزمرہ اور شعروں کی مناسب چسپیدگی نے ادبیت کے نقش ابھار کر رکھ دئے ہیں۔

تفسیر یوسف کی عبارت میں موقع کی مناسبت سے رنگینی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں تو اس قدر سلاست اور بہاؤ ہے کہ خدا کی پناہ۔ اس سے زیادہ سلیس اور سہل ممتنع عبارت اور کیا ہو سکے گی۔

سرسید مرحوم کے متعلق انشا پردازوں کا یہ نظریہ ہے کہ سلیس اردو کے سب سے پہلے بانی اور موجد وہ ہیں یہاں ایک مضمون نگار کی منتخبہ آسان اور سہل سرسید مرحوم کی عبارت پیش کرنا مناسب ہوگی۔ مولانا عثمانی اور سرسید کی نثروں کا آپ خود فیصلہ کیجئے کہ کون زیادہ فصیح دلکش اور سادہ ہے۔ سید صاحب کی تہذیب الاخلاق کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"سویلیزیشن انگریزی لفظ ہے جس کا تہذیب ہم نے ترجمہ کیا ہے مگر اس کے معنی نہایت وسیع ہیں۔ اس سے مراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی' اخلاق اور معاملات اور معاشرت تمدن اور طریقہ تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور ان کو نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور تمکین و وقار

اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے"۔ (تہذیب ارق)

علامہ کے ادبی کمال اور نثر نگاری کو میں جمعیۃ العلما کے مشہور اخبار کی ناقدانہ رائے پر ختم کرتا ہوں اخبار الجمعیۃ دہلی کے ایڈیٹر آپ کی تحریر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"فن تحریر میں بھی علامہ شبیر احمد صاحب عثانی اپنے وقت کے امام تھے۔ آپ نے ہزاروں مضامین لکھے اور کتابیں تصنیف فرمائیں۔ عربی اور فارسی زبانوں پر آپ کو اردو زبان ہی کی طرح عبور حاصل تھا اور بے تکان لکھتے اور بولتے جاتے تھے"۔ (الجمعیۃ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۹ء اداریہ)

شاعری

گذشتہ اوراق میں آپ کی اردو نثر پر بقدر ضرورت تبصرہ ہو چکا ہے لیکن قاری کی معلومات میں یہ حقیقت بھی اضافہ کا باعث ہوگی کہ آپ اردو کے شاعر بھی تھے۔ جب آپ کی شاعری کے متعلق کچھ کہا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آپ میں شعر کہنے کا سلیقہ اور جذبہ بھی موجود تھا۔ یہ فن بھی آپ کی فطرت میں قدرت نے ودیعت کیا تھا لیکن شعر و شاعری سے شغف علمائے دیوبند کو نہ کبھی رہا اور نہ رہنے کا سوال ہی پیدا ہوتا ہے۔ یوں تو اکابر علما میں قریب قریب سب ہی شاعر تھے مگر ان کی شاعری میں مرثیہ گوئی یا نعت و معرفت یا دنیا کی بے ثباتی کے سوائے کچھ نہیں اور اگر تغزل کا رنگ موجود بھی ہے تو اس میں بھی ثقاہت اور متانت کا پہلو ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔

علمائے دیوبند کے ادبی کارناموں سے متعلق راقم الحروف نے ایک مستقل تصنیف "تذکرہ ادبائے دارالعلوم دیوبند" کے نام سے مرتب کی ہے جو کسی وقت ان شاء اللہ چھپ کر پیش خدمت کی جائے گی اس میں دارالعلوم دیوبند کے ادبا ان کی اردو فارسی عربی خدمات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور مختلف دور قائم کر کے ان کے ادب اور مختصر سوانح پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بہر حال اس تذکرہ میں آپ وہاں کے ادب کے متعلق مختلف معلومات حاصل کر سکیں گے۔

علامہ عثانی کی شاعری ان کی زندگی کا کوئی خاص عنوان نہیں ہے اور جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے کہ علمائے دیوبند کی زندگی شاعری سے متعلق تو کیا ہوتی بلکہ شعر و شاعری کو انہوں نے محدود دائرے میں رکھ کر اپنی ثقاہت کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس لئے علامہ کی شاعری کے متعلق کوئی تاریخی حقیقت پیش کرنا کہ اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور آپ نے کیا کچھ لکھا پردۂ خفا میں مستور ہے۔ البتہ جو کچھ منزل کا نشان ملا ہے وہ اس قدر ہے جیسا کہ حضرت استاذی مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ العالی اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں۔

''مولانا (شبیر احمد عثمانی) نظم اور شعر و شاعری سے بھی عاری نہ تھے گو اس کا ذوق نہ تھا چند مواقع ایسے بھی پیش آئے کہ جذبات دلی کی ترجمانی آپ نے نظم میں فرمائی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ''نالہ دل'' کے نام سے ایک نظم لکھی جو بہت پسند کی گئی اور ایک بار میرے متعلق ایک نظم قلم بند فرمائی جس کا واقعہ یہ ہوا کہ میرا رشتہ رام پور میں مولوی محمود صاحب مرحوم اور رام پوری کے یہاں ہو چکا تھا۔ نکاح ابھی تک نہیں ہوا تھا کہ یہ میری اہلیہ بے پورا اپنے تایا کے پاس گئی ہوئی تھی اور شدید علیل ہوئی۔ حالت نازک دیکھ کر غلطی یا غلط فہمی سے وہاں سے کسی نے انتقال کا تار دے دیا جس سے یہاں دیوبند میں صف ماتم بچھ گئی۔ تیسرے دن تار پہنچا کہ وہ انتقال کا تار غلط تھا اس پر بساط شادی بچھ گئی اور تہنیتی جلسے گھروں میں اور مدرسہ میں ہونے شروع ہو گئے۔ تقریباً پندرہ بیس دن تک جلسہ ہائے شیرینی و تہنیت کا سلسلہ قائم رہا۔ ان مجالس میں مختلف حضرات کی طرف سے مبارکباد کی نظمیں بھی پڑھی جاتی تھیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا نے بھی ایک جلسہ میں نہایت بلیغ نظم لکھی اور سنائی جس کا واقعاتی شعر یہ تھا۔

غلط اک تار برقی پہنچی تھی بے پورے جس نے
جلایا خرمن مقصود کو برق تپاں ہو کر

اس طرح کبھی کبھی کسی خاص محرک کے ماتحت نظم بھی کہہ لیتے تھے مگر یہ چیز ذوق کے درجہ میں نہ تھی صرف ضرورت کے درجے میں تھی اور طبیعت اس سے عاری اور عاجز نہ تھی''۔ (رسالہ دارالعلوم، مئی ۱۹۵۶ء ص ۹۸)

حضرت مولانا محمد طیب صاحب کے مذکورہ خیالات سے علامہ کی شاعری پر اجمالی اشارہ ہو چکا ہے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کی وفات سے متعلق غلط خبر پر مولانا نے جو اشعار لکھے اگر وہ سب سامنے ہوتے تو آپ کی شاعری کے متعلق معلومات میں اضافہ کا سبب بنتے۔ کاش کہ مولانا مدظلہ العالی علامہ کے تمام اشعار تحریر فرماتے۔

حضرت عثمانی نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر بقول مولانا محمد طیب صاحب جو اشعار ''نالہ دل'' کے نام سے تحریر فرمائے افسوس کہ وہ بھی کہیں دستیاب نہ ہو سکے البتہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر علامہ نے ایک مرثیہ لکھا ہے جو ''درد دل'' کے نام سے مطبع قاسمی میں چھپا تھا اور پھر کتب خانہ اعزازیہ نے بھی طبع کرایا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے پور ضلع سہارنپور کے رہنے والے اہل اللہ بزرگوں میں دارالعلوم کے اکابر میں سے تھے۔ آپ کی وفات سے متعلق تعزیتی جلسہ کی کارروائی رسالہ القاسم رجب ۱۳۳۷ھ مطابق اپریل ۱۹۱۹ء میں چھپی ہے۔ یہ تعزیتی روئداد حضرت استاذی مولانا اعزاز

علی صاحب سابق شیخ الادب دارالعلوم نے تحریر فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رائے پوری کا انتقال ۹ جمادی الاخری ۱۳۳۷ھ کو ہوا اور اس روز دارالعلوم دیو بند میں ایصال ثواب کے لئے اساتذہ اور طلبہ کا اجتماع ہوا۔

اگلے روز ۱۰ جمادی الاخری کو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے حضرت رائپوری کی یادگار میں صبح کے ساڑھے سات بجے دوسری دفعہ جلسہ منعقد کیا جس میں انہوں نے جلسہ کی غرض بیان فرمائی اور مولانا رائے پوری کے اوصاف کا تذکرہ کیا اور توحہ جاہلیت اور ثنا علی الاموات (مردوں کی تعریف) میں لطیف فرق بیان فرمایا۔ بعد ازاں حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے تقریر فرمائی پھر اپنا ایک عربی مرثیہ پڑھ کر سنایا پھر مولانا اعزاز علی صاحب نے عربی اشعار سنائے پھر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عربی اشعار سنائے۔ پھر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عربی نظم پڑھی بعد ازاں حضرت استاذی مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دارالعلوم رحمۃ اللہ علیہ نے عربی فارسی اور اردو میں مرثیے پڑھے۔ اس روئداد کے بعد مولانا اعزاز علی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

آپ کے بعد حضرت مولانا مولوی شبیر احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیو بند نے اپنی اردو کی نظم سنائی۔ عربی نظموں نے مولانا رائے پوری کی وفات کے مجروحوں کو پہلے ہی بے تاب کر رکھا تھا کہ آپ نے اپنی نظم میں اور بھی بے تاب کر دیا اردو زبان میں ہونے اور دردناک مضامین سے بھرے ہونے کی وجہ سے سامعین پر اس کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ ضبط گریہ مشکل ہو گیا اور اکثر شرکائے جلسہ باوجود ضبط کے بلند آوازوں سے رونے لگے کچھ دیر تک یہی سماں رہا"۔ (رسالہ القاسم رجب ۱۳۳۷ھ ص ۵)

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم کے مذکورہ بیان سے مولانا عثمانی کے مرثیہ کی پوری تاریخ اور اثر کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ لیجئے آپ کے سامنے اس مرثیہ کے منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں کیونکہ اس مرثیہ کے کل اشعار کی تعداد باون ہے۔

منتخبہ اشعار مرثیہ

مرے دل پر ہیں کیوں آثار وحشت آج کیا ہوگا　　یہ کیسی مجلس غم ہے یہ کس کا تذکرا ہوگا
تمہارے شور و شیون سے گماں ہوتا ہے یہ مجھ کو　　قیامت سے بھی شاید حادثہ کوئی بڑا ہوگا
اگر یہ مانتے ہو موت عالم موت عالم ہے　　تو موت مرشد کامل کا بولو نام کیا ہوگا
سنبھل جانا کہ اب میں نام کی تشریح کرتا ہوں　　کہ سامع کا کنایوں سے جگر شق ہو رہا ہوگا

مذکورہ تمہید نے سامعین کو انتظار میں ڈال دیا ہے۔ اب انتظار کو آئندہ شعر سے ختم کرنے گریز کیا جا رہا ہے۔

تواضع اور مروت گر کوئی شخص مجسم ہو   تو وہ سرتا قدم عبدالرحیم باصفا ہو گا

حضرت شاہ صاحب حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے خلیفہ تھے اور گنگوہ کا فیض ان کے ذریعہ رائے پور سے جاری تھا۔ اگلے شعر میں اسی کا اظہار ہے اور خوب ہے۔

جنہوں نے رائے پور میں بیٹھ کر گنگوہ دیکھا ہے   انہیں ہی یاد کچھ گنگوہ کا جغرافیہ ہو گا
جسے تم شیخ کا اپنے مزار پاک کہتے ہو   یقین ہے وہ تمناؤں کا میری مقبرا ہو گا

جب شاہ صاحب کا انتقال ہوا تو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب مالٹا میں قید فرنگ میں تھے۔

چلے ہیں آپ اور محمود بھی آنے نہ پائے تھے   اسے تو غالباً دل آپ کا بھی جانتا ہو گا

مذکورہ شعر اتنا سلیس ہے کہ در گفتن نمی آید۔ شیخ الہند نے بھی اسی قسم کا شعر حضرت گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے۔

نہ آئے مہدی موعود اور تم بھی چلے یاں سے   کرے گا گلشن اسلام کی کون اب نگہبانی

آگے چل کر حضرت عثمانی لکھتے ہیں۔

بہت اچھا ہمیں سب چھوڑ کر تنہا چلے جاؤ   کہ حامی ہم غریبوں بیکسوں کا بھی خدا ہو گا
کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے جب یہ سوچتا ہوں میں   کہ کیا کچھ حال تیرا اے اسیر مالٹا ہو گا
تمہارے ذکر سے جس کے بدن میں جان آئی تھی   تمہاری فکر میں ہی کیا خبر تھی وہ فنا ہو گا
زمین والوں کے مجمع میں نہ اس نے جب تجھے پایا   فلک پر اب ملائک کی صفوں میں ڈھونڈتا ہو گا
وصیت کی ہے کچھ حسرت بھرے الفاظ میں اس نے   تمہیں معلوم شاید یہ نہ ہو گا یا ہوا ہو گا
غرض وہ تو جوار حق میں پہنچے اور یہاں ہم پر   کہوں کیا کیا ہوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو گا

دوسرے مصرعہ کے یہ ٹکڑے کیا ہوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو گا ماضی حال اور مستقبل کی خوب تصویریں ہیں۔

یہ مانا تم وہاں بھی سابق بالخیر ہو لیکن   بڑا ہی کام ان ٹوٹے دلوں کا جوڑنا ہو گا

سابق بالخیر عربی ترکیب کو کیا خوبصورتی سے کھپایا ہے کہ جوڑ دکھائی نہیں دیتا۔

خدارا جلد آ کر دیکھ لو چشم محبت سے   ہمارا بس تمہاری اک نظر پر فیصلہ ہو گا
ادا سے تم جو دیکھو گے تو ہم نذر قضا ہوں گے   یہ جاں وقف ستم ہو گی یہ دل مشق جفا ہو گا
تماشا لوگ دیکھیں گے ہنر ہم آزمائیں گے   ترے ناوک کا اور میرے جگر کا سامنا ہو گا
تبسم کر کے جس دم تم دہن سے گلفشاں ہو گے   تو بلبل کا اسی دم غنچہ امید وا ہو گا

بہار آجائے گی پھر عیش کے سامان بہم ہوں گے　　چلے گا دور ساغر اور تسلسل دور کا ہوگا
وہی مینا، وہی خم اور وہی جام و سبو ہوں گے　　وہی ساقی وہی مے اور وہی پھر میکدہ ہوگا

آخر کے یہ تمام اشعار تغزل کا رنگ رکھتے ہیں۔ شاعر مرثیہ لکھتے لکھتے جذبات میں گھر گیا ہے۔ اگرچہ مرثیہ ہے لیکن مذکورہ چھ اشعار سے رنگ تغزل کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ مرثیہ کے آخر میں دعائیہ اشعار یوں لکھتے ہیں۔

خدایا ہم ضعیف و ناتواں ہیں اور نکمے ہیں　　کبھی شاید ہی کوئی کام ہم سے بن پڑا ہوگا
ترے بندے ہیں اور تیرے نبی کے نام لیوا ہیں　　یقین ہے کچھ کرم ہم پر بحق مصطفےٰ ہوگا
سمجھ میں صورت تاریخ یہ بے قصد بر آئی ہے　　کہ کہہ دوں داخل خلد بریں ہی مادہ ہوگا

تاریخ مادہ کے شعر پر مرثیہ ختم ہو گیا ہے۔

مگر دیکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ ان دو اوپر پچاس اشعار میں "ہوگا" کی ردیف کو کتنے مضامین میں رنگ کر نکالا ہے۔ اس آخری شعر میں موصوف نے اپنا تخلص نہیں ظاہر فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ شاعری کی طرف کوئی خاص توجہ تھی اور نہ تخلص کی ضرورت پڑی۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو تاریخ نکالنے کا بھی ملکہ تھا۔

رباعیات

شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے مرثیہ کے بعد اگر کچھ شعری ٹکڑے علامہ کے قلم سے سوز دروں کی بے تابی میں نکلے ہیں تو وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی وفات پر غم کے آنسو بن کر نکلے ہیں۔ علامہ عثمانی کی یہ پانچ رباعیاں ہیں جو انہوں نے مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر (سورت) کے تعزیتی جلسہ میں لکھ کر پڑھی تھیں اور جو خاتمہ السوانح مولانا اشرف علی کے آخر میں علامہ عثمانی کے نام پر طبع ہوئی ہیں۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کا انتقال تیرہ سو سینتیس ہجری میں ہوا ہے اور مولانا اشرف علی صاحب کا وصال ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء کو ہوا۔ اس لئے عثمانی کے مرثیہ اور رباعیات کا فاصلہ زمانی پچیس سال ہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے اپنے سمند شعر کو مہمیز لگایا ہے یا نہیں تاریکی کے پردے میں ہے بہرحال یہ پانچ رباعیاں ہدیہ ناظرین ہیں جو تبرک سے کم نہیں۔

واحسرتا کہ شیخ زمانہ نہیں رہا　　امت کا وہ حکیم یگانہ نہیں رہا
جائیں جہاں ازالہ شبہات کے لئے　　اب کوئی اپنا ایسا ٹھکانہ نہیں رہا

قلب و جگر فگار ہیں فریاد کیا کریں ہمدم بیان گلشن برباد کیا کریں
غم ہی وہ غم پڑا ہے کہ اللہ کی پناہ درمان راحت دل ناشاد کیا کریں
امداد حق نظر کا نظارہ کدھر گیا یعقوب کی نگاہ کا تارا کدھر گیا
فیض رشید و قاسم و محمود شیخ ہند ہم بے کسوں کا آہ سہارا کدھر گیا
تھا اشتیاق دید خدا دل میں موجزن روح ورواں نے چھوڑ دیا اتصال تن
آخر وطن بنا ہی لیا۔ باغ خلد کو واصل بحق ہوئے بطفیل شہ زمن
رحلت سے ان کی قلب وجگر سب کے شق ہوئے ارکان جامعہ بھی غریق قلق ہوئے
لیکن سوائے صبر کے چارہ نہیں ہے کچھ مومن وہ ہیں جو تابع فرماں حق ہوئے

ان رباعیات میں سوز وغم اور جوش واصلیت کا تلاطم برپا ہے۔ درد اٹھ اٹھ کر کلام میں اضطراب دکھا رہا ہے۔ پہلی رباعی کا پہلا دوسرا اور چوتھا مصرع بالکل صاف اور رواں ہے۔ تیسرے مصرع میں ازالہ شبہات نے قدرے ثقل پیدا کر دیا ہے مگر حقیقت کا رنگ اس ترکیب میں نمایاں ہے۔

دوسری رباعی فن شاعری کے معیار پر شعریت میں بے نظیر ہے۔ تیسری رباعی میں حق نظر کا نظارہ نگاہ کا تارا بیکسوں کا سہارا خوب ٹکڑے ہیں۔

تیسری رباعی کے تیسرے مصرع میں چند اسماء ہیں جن کی تشریح یہ ہے کہ رشید سے قطب ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی اور قاسم سے مولانا محمد قاسمؒ صاحب بانی دارالعلوم دیوبند اور محمود سے شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب کی طرف اشارے ہیں۔ جن کے بعد مولانا اشرف علی صاحب کی ہی بارگاہ علم وعرفان مرجع علماء کرام بنی ہوئی تھی۔

اشعار کے تیور بتاتے ہیں کہ اگر علامہ عثمانی گلشن شعر کی باغبانی کرتے تو اس فن میں بھی وہ لالہ وگل کھلاتے کہ جن کی شگفتگی اور بہار گلستان شعر کو سدا بہار بنائے رکھتی۔ اسباب خواہ کچھ ہوں لیکن اندازہ کہتا ہے کہ مولانا کا اور بھی کلام ہوگا جو دوسرے علمی مشاغل میں دب کر گم ہو گیا۔

مذکورہ بالا تبصرہ کی روشنی میں یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ علامہ دیگر علوم وفنون کی طرح اردو ادب میں بھی کمال رکھتے تھے اور آپ ہی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو قوت تحریر اور اسلوب بیان میں دارالعلوم میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی۔ وہ استعارات تشبیہات، فصاحت وبلاغت، جدت ادا زور کلام، تمثیلات اور حسن الفاظ سے چمن اردو کے سجانے میں پوری اہلیت رکھتے تھے۔

عربی ادب

مولانا کے اردو ادب کے بعد ان کے عربی اور فارسی ادب پر تاریخی حقائق کی روشنی میں قاری کے سامنے تذکرہ کرنا مناسب ہوگا۔

یہ تو ایک واضح حقیقت ہے کہ علامہ عثمانی کی مادری زبان عربی نہیں بلکہ اردو ہے۔ نہ وہ کسی عربی ملک میں قیام پذیر رہے اور نہ کسی عربی زبان کی سوسائٹی میں رہ کر عربی زبان میں گفتگو کا سامان ان کو میسر ہو سکا۔ لے دے کر ان کی مادر علمی یعنی دارالعلوم دیوبند کی ایک گود ایسی ہے جہاں سے انہوں نے عربی تحریر و تقریر کا سلیقہ حاصل کیا۔ اور سب سے بڑا جوہر ان کا فطری ادبی جوہر ہے کہ وہ علم و ادب حکمت و فلسفہ اور دیگر علوم و فنون کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ یہی فطری شعور اور قوت قبول مولانا کے عربی ادب کا پس منظر ہے ورنہ کتنے ایسے اہل علم ہو گزرے ہیں کہ ان کی علمی قابلیتوں کا لوہا سب مانتے ہیں لیکن عربی بول چال اور تحریر میں ایک قدم بھی آگے چلنے سے عاجز رہے ہیں۔ تاہم یہ بھی ایک اصلیت ہے کہ علامہ کو اتنا اردو لٹریچر سے واسطہ نہیں پڑا جتنا کہ عربی سے علم نحو میں شرح مائۃ عامل سے شرح جامی تک منطق میں تہذیب سے لے کر قاضی تک فقہ میں نور الایضاح اور منیۃ المصلی سے ہدایہ تک اور ان کے علاوہ اصول فقہ، فلسفہ، تفسیر، حدیث، ادب، اصول حدیث، فرائض، معانی و بیان وغیرہا دوران تعلیم میں سب عربی زبان میں پڑھتے رہے۔ ۱۳۲۵ھ یعنی سال فراغت تک عربی زبان میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء سے ۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء تک رات دن کے لیے عربی کتب کی ورق گردانی میں گزارے۔ جس سے مولانا کو عربی زبان کا ذوق پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ فراغت علم کے بعد مولانا اپنی ذکاوت و فراست کے باعث اکابر دیوبند میں شمار کیے جانے لگے تھے چنانچہ علمی بلند پروازیوں نے آپ کو مسلم کی شرح لکھنے کی طرف راغب کر دیا۔ مدرسی کے زمانہ میں ابتداء سے لے کر انتہا تک معقول و منقول کی چھوٹی بڑی اکثر کتابیں پڑھانے کے بعد آپ نے صرف مسلم پڑھانے کے لئے اپنے آپ کو دارالعلوم دیوبند میں مختص کر لیا تھا اور یہ تخصیص مفتی محمد شفیع صاحب کے قول کے مطابق ۱۳۳۶ھ سے ہوئی۔ مسلم کی شرح میں آپ کو عربی لکھنے کی ضرورت پڑی ممکن ہے کہ دوران تعلیم میں بھی اپنے فطری ذوق کے باعث عربی لکھنے اور بولنے کی مشق کی ہو جیسا کہ طالب علمی کے دور میں آپ کی مناظرانہ اور ادیبانہ سرگرمیوں کا چرچا رہا ہے۔ مسلم شریف کی مبسوط شرح نے مولانا کو عربی کا بھی پختہ ادیب بنا دیا جیسا کہ قرآن کی اردو تفسیر نے اردو کا۔ اور میرا قیاس ہے کہ شرح مسلم ہی وہ

بنیادی کوشش ہے جس سے مولانا کو عربی تحریر میں بصیرت ہوتی چلی گئی۔ البتہ درس نظامیہ میں ادب کی کتابوں نفحۃ الیمن سے لے کر مقامات حریری اور پھر دیوان متنبی اور دیوان حماسہ وغیرہ نے آپ میں عربی ادب کا مذاق پیدا کرنے کا سامان پہلے ہی پیدا کر دیا تھا۔

مولانا عثمانی کی عربی گفتگو اور تقریریں

ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں جب کہ سلطان ابن سعود نے مکہ معظمہ میں عالمگیر اسلامی کانفرنس بلائی تھی۔ مولانا بھی جمعیۃ العلما کی طرف سے اس میں شریک تھے۔ آپ کی خود نوشتہ ڈائری سے جس کی نقل راقم الحروف کے پاس لفظ بلفظ محفوظ ہے۔ سلطان کے سامنے اور دیگر مجالس علما میں مولانا کی عربی تقریروں اور گفتگوؤں کا پتہ چلتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہاں عربی میں تقریروں کے سوائے چارہ ہی کیا تھا۔ آپ نے اپنی ڈائری میں صفحہ نمبر ۱۱، ۱۲ پر تحریر فرمایا ہے:۔

"امیر ابن سعود نے سب سے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور دعائیہ کلمات کہتے رہے پھر رسمی الفاظ شکریہ وغیرہ کہے۔ پھر سید سلیمان صاحب نے تقریر کی جس میں زیادہ تر زور اس پر تھا کہ ہم عرب سے اجانب واغیار کا اثر ہٹانا چاہتے ہیں درمیان میں شوکت علی محمد علی کچھ ترجمانی کرتے رہے جس میں جیل وغیرہ کا ذکر تھا۔ بعدہ مولوی عبدالحلیم صدیقی نے کچھ تقریر کی بعدہٗ بندہ نے ایک مبسوط تقریر کی"۔

سلطان ابن سعود اور دیگر علما کے سامنے مولانا عثمانی کی اس عالمانہ عربی تقریر کا بہت ہی اثر ہوا۔ آگے چل کر مولانا اپنی ڈائری میں فرماتے ہیں۔

"اس گفتگو میں علاوہ وفدین (جمعیۃ العلما اور خلافت) کے عبدالعزیز عتیقی اور حافظ وہبہ وغیرہ بھی تھے۔ باہر نکل کر عتیقی نے میرا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے نہایت صراحت سے خیالات ظاہر کیے۔ سید سلیمان نے کہا کہ آپ نے اپنا فرض بے خوف وخطر ادا کر دیا۔ الحمد لله علی ذالک حمداً کثیرا سب مجمع کو خوشی ہوئی۔ اس ملاقات کی اجمالی کیفیت ام القریٰ مورخہ ۱۹ ذوالقعدہ ۱۳۴۴ھ میں چھپی ۱۲ ذوالقعدہ کو جو ہمارے رویت ہلال کے موافق ۱۵ تھی شیخ عبدالعزیز عتیقی نے بیان کیا کہ جلالۃ الملک تقریروں سے بہت خوش ہوئے ہیں۔ شبیر احمد عثمانی کی تقریر سے بہت محظوظ اور متاثر ہوئے اور اپنے بعض علما اور اصحاب رائے و فکر سے بعض اجزائے تقریر (مولانا شبیر احمد صاحب نقل کیے"۔ (ڈائری مولانا عثمانی صفحہ ۲۲۱)

علامہ کی عربی تحریر وتقریر پر سید سلیمان کی رائے

مولانا کی اس تحریر سے تقریر کی فصاحت و وضاحت اور علمی دلائل کی قوت کا پتہ چلتا ہے اور

یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ تقریر عربی میں ہوئی ہے۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی المعارف میں مولانا شبیر احمد صاحب اور اپنے اسی سفر مکہ و موتمر کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مکہ میں موتمر کے جلسے ایک ماہ کے قریب ہوتے رہے ان میں ہم لوگ شریک ہوتے رہے اور اکثر مولانا شبیر احمد صاحب بھی شریک ہوتے تھے۔ اسی سفر میں مجھے علم ہوا کہ موصوف عربی تحریر و تقریر پر اچھی طرح قادر تھے۔ سلطان (ابن سعود) نے خلافت اور جمعیت کے دونوں وفدوں کو ایک ساتھ ملنے کو بلایا اور مختلف موضوعوں پر گفتگو کی مولانا شبیر احمد صاحب نے اس موقع پر خلاف توقع اپنے اکابر دیوبند کے عقائد اور فقہی مسلک پر اچھی اور شستہ گفتگو کی اور سلطان اس کو دیر تک سنتے رہے"۔ (معارف، اپریل ۱۹۵۰ء)

مولانا ندوی کی اس عبارت سے یہ دو توضیحی جملے میری مسرت اور میرے مقصد میں زیادتی کا باعث بنے۔ پہلا جملہ یعنی "اس سفر میں مجھے معلوم ہوا کہ موصوف عربی تحریر و تقریر پر اچھی طرح قادر تھے"۔ دوسرا جملہ یعنی مولانا شبیر احمد صاحب نے اس موقع پر خلاف توقع اپنے اکابر دیوبند کے عقائد اور فقہی مسلک پر اچھی اور شستہ گفتگو کی اور سلطان دیر تک سنتے رہے"۔ ان دونوں جملوں سے زیادہ جو ایک ادیب اور قابل جوہر کی زبان سے نکلے ہیں مولانا عثمانی کے عربی ادب پر اور کیا کہا جا سکتا ہے سچ پوچھئے تو ان کی عربی ادبیت پر صرف مولانا ندوی کے یہی جملے کافی ہیں۔

مولانا عثمانی کے اس سفر مکہ کی یادداشت سے ان کی نہ صرف عربیت کا پورا خاکہ ذہن میں آ جاتا ہے بلکہ یہ بھی کہ وہ علما کے ان موتمر کے جلسوں میں اپنی فصاحت، قوت استدلال اور لسانی ادبی جوہر سے تمام علما پر چھا گئے تھے۔ مولانا اپنی اس نوٹ بک میں ایک ادبی مجلس کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"۳۰ ذوالقعدہ کو قاضی القضاۃ اور اشہر علماء نجد عبداللہ بن بلیہد نے مدعو کیا دونوں وفد گئے وہاں فلسطینی وفد کے ارکان اور بعض دوسرے معززین بھی تھے۔ کوئی خاص مسئلہ نہ تھا مختلف مذاکرات ادبی و علمی رہے۔ (اس مصرع) "ماعاتب المرء الکریم کنفسہ" کے سلسلہ میں میں نے کہا کہ میرے خیال میں اس کے معنی یہ ہیں کہ

ماعاتب المرء الکریم احداً معاتبته لنفسہ فان من شان الکریم ان ینظر الی معائب نفسہ ویلومہا و یعاتب علیہا اشد کما یعاتب و یلوم غیرہا کما قال اللہ تعالیٰ "بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ" فالمرء الکریم لایلقی معاذیرہ بل یلوم نفسہ "و ان الانسان لربہ لکنود وانہ علی ذلک لشہید"۔ (ڈائری مولانا عثمانی صفحہ ۵۵، ۵۶)

کریم آدمی کسی شخص پر اپنے نفس کی بجائے عتاب نہیں کرتا کیونکہ کریم کی شان تو یہ ہے کہ وہ اپنے ہی

نفس کے عیوب پر نظر ڈالتا ہے اور اسی کو ملامت کرتا ہے اور غیر کی بہ نسبت اپنے ہی آپ کو زیادہ نشانہ عتاب و ملامت بناتا ہے جیسا کہ کلام الٰہی میں اس کی نظیر ہے (بلکہ انسان اپنے نفس کے لئے آپ دلیل ہے اگرچہ بہانے بنائے) پس کریم آدمی بہانے نہیں تراشتا بلکہ اپنے نفس کو برا بھلا کہتا ہے اور (جیسا کہ اس کی نظیر ہے) یہ قول خداوندی کہ) بیشک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ اس کو خود بھی جانتا ہے (کہ میں ناشکرا ہوں)

مذکورہ بالا عربی مصرع کی تشریح اہل لسان اور مشاہیر علما کے سامنے مولانا عثمانی کی ادبی صلاحیتوں اور علمی کمالات کی غمازی کر رہی ہے۔ مولانا زاہد خشک نہ تھے بلکہ ان کے ادب میں جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے ایک لطیف مزاج اور شستہ ظرافت ہوتی تھی۔ ایک جگہ اور موتمر مکہ کی یادداشت میں مولانا لکھتے ہیں:۔

"ابن طیبد نے ضیافت کے لئے کہا تو شوکت[1] صاحب نے کہا کہ میں اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ میں نے کہا "ان هذا هوا مامنا فی العقل والاکل (بیشک یہ ہمارے عقل اور اکل میں امام ہیں) اس پر سب لوگ نہایت محظوظ ہوئے۔ میں نے کہا

لما نزلنا بحرة[2] رأينا الاطفال الصغار يقولون مشيرا الى شوكت علىٰ شف هذا الرجال[3] كبير قلت "ولفظ الرجال و ان كان من اغلاط العامة الا انه صحيح فى حقه فانه ليس رجل بل هو رجال" (نوٹ بک ص ۷۷)

ہم بحرہ اترے تو ہم نے چھوٹے بچوں کو مولانا شوکت علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دیکھا" کہ اسے موٹے آدمی کو دیکھو میں نے کہا کہ رجال کا لفظ اگرچہ غلط العوام میں سے ہے لیکن وہ ان (مولانا شوکت) کے حق میں صحیح ہے۔ کیونکہ وہ ایک شخص نہیں ہیں بلکہ (اکیلے ہی) کئی آدمیوں کے برابر ہیں۔

اب آپ ملاحظہ فرمایئے کہ مولانا کا پہلا جملہ یعنی ان هذا هوا مامنا فی العقل والاکل کیسا برجستہ لطیف ادب میں لطیف مزاح اور معنی لفظوں میں چست طنز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے اس جملہ پر ہدیہ دل نقد پیش کرنے کو جی چاہتا ہے آپ ہی تصدیق کیجئے کہ مولانا شوکت علی صاحب

مولانا محمد علی جوہر کے بھائی شوکت علی صاحب مرحوم مراد ہیں جو دونوں موتمر مکہ میں خلافت کمیٹی کی طرف سے منتخب ہو کر گئے تھے اور مولانا ندوی بھی خلافت ہی کی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ [2] بحرہ مکہ اور جدہ کے درمیان ایک منزل ہے۔ [3] رجال عربی کے لفظ رجل کی جمع ہے جس کے معنی کئی آدمیوں کے ہیں۔ غالباً عرب میں ایک شخص پر (رجل) کی بجائے رجال کا اطلاق کرتے ہوں۔

مرحوم کی سیرت و صورت کا ایک جملہ یا چند الفاظ میں اس سے اچھا اور کیا نقشہ کھینچا جا سکتا ہے۔ رہی دوسری عربی عبارت وہ نہایت ہی فصیح، سلیس اور عربی زبان کا مایہ ناز قطعہ ہے جس میں شگفتگی اور بے ساختگی کے علاوہ ادبیت اور ذرا تیز مزاح کی چاشنی قہقہہ مارنے پر مجبور کر رہی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل زبان بول رہا ہے۔

اسی موتمر مکہ کی ڈائری میں ایک اور جگہ تحریر فرمایا ہے:۔

"میں بسطة فی العلم سید سلیمان جیسے اور بسطة فی الجسم شوکت علی جیسے صفات نہیں رکھتا"۔

یعنی نہ میں علم میں سید سلیمان جیسا پھیلاؤ رکھتا ہوں اور نہ جسم میں مولانا شوکت علی صاحب جیسا مولانا عثمانی نے اس جملہ سے قرآن کریم میں طالوت کے متعلق بسطة فی العلم و الجسم سے کیسا فائدہ اٹھایا ہے اور اس کو کیا اچھا دونوں ہستیوں پر فٹ کیا ہے یہی ادبیت کی شانیں ہیں۔

خطبہ استقبالیہ عربی میں

میرے برادر اصغر ریاض الحسن مرحوم نے ایک تحریر میں مجھے مولانا عثمانی سے متعلق ان کی وفات کے بعد اس وقت کا ایک واقعہ لکھ کر بھیجا تھا جب کہ مولانا دار العلوم میں صدر الصدور تھے لکھا تھا:۔

"ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ میں جامعہ ازہر قاہرہ کے علماء پر مشتمل ایک وفد آیا تھا جس میں ابراہیم جبالی مصر کے مشہور عالم اور ان کے رفقا تھے۔ وفد نے ہند کے تقریباً تمام مدارس میں علمی سرگرمیوں اور کتب خانوں کا جائزہ لیا۔ دار العلوم میں حضرت عثمانی صدر تھے مولانا عثمانی نے خطبہ استقبالیہ عربی میں تحریر فرما کر پڑھا جس کو سن کر سب محو حیرت ہو گئے۔

لجنۃ الاصلاح کی سرپرستی

ایک اور واقعہ عزیز مذکور نے لکھ کر بھیجا تھا:۔

"محرم ۱۳۶۰ھ میں مولانا کی زیر سرپرستی لجنۃ اصلاح اللسان کا قیام عمل میں آیا جس کا واحد مقصد یہ تھا کہ دار العلوم دیوبند کے طلبہ بات چیت میں عربی زبان استعمال کریں۔ چنانچہ اس لجنہ کے اجلاس عام طور پر مولانا ہی کی زیر صدارت ہوتے تھے اور مولانا شبیر احمد صاحب کی عربی تقاریر بے حد موثر اور اعلیٰ پایہ کی ہوتی تھیں چنانچہ مولانا کی کوشش سے طلبہ کو عربی بولنے کی مہارت ہونے لگی تھی"۔

"موتمر مکہ" اور "لجنۃ اصلاح اللسان" دار العلوم دیوبند کی تقریروں کے بعد مولانا کی عربی تقاریر کا پتہ "الموتمر الاسلامی" کراچی کی مختلف صحبتوں میں اور مختلف اجلاسوں سے چلتا ہے۔

الموتمر الاسلامی کا پس منظر اور اسلامی بلاک

صدارت عرب پاکستان ثقافتی انجمن

مولانا عثمانی کی زندگی کے کارناموں میں جہاں اور شاہکار ہیں ان میں سے ایک "موتمر اسلامی" بھی ہے۔ اس کا سب سے پہلے تخیل علامہ ہی کے دماغ میں پیدا ہوا جس کا مقصد یہ تھا کہ مولانا اسلامی ممالک میں رشتۂ اخوت پیدا کرنا اور ان کو متحد کر کے اسلامی بلاک بنانا چاہتے تھے اور چونکہ آپ "پاکستان عرب ثقافتی انجمن" کے صدر تھے۔ اس لئے "موتمر اسلامی" کی بنیاد آپ کے ذہن کی اولین کڑی ہونی بھی چاہئے تھی۔

مولف "پاکستان کے تین سال" (اگست ۱۹۴۷ء سے اگست ۱۹۵۰ء تک) لکھتا ہے۔

"پاکستان عرب ثقافتی جمعیت کی بنیاد ۱۹۴۸ء کے اوائل میں رکھی گئی اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم اس کے صدر تھے۔ اس انجمن کی غرض وغایت یہ تھی کہ کلام پاک عربی زبان اور عربی رسم الخط کے مطالعہ کا ذوق وشوق پیدا کیا جائے تاکہ دنیائے اسلام کے ساتھ قریبی رابطہ پیدا ہو سکے۔ اس جمعیت کی کوششوں کی بدولت ایک عربک کالج قائم ہو گیا"۔

اخبار "جنگ" کراچی نے اسلامی بلاک اور مولانا شبیر احمد صاحب کا یوم وفات منانے کے سلسلہ میں حسب ذیل خبر شائع کی تھی:۔

"ڈاکٹر محمود حسین (صدر مجلس استقبالیہ واستقبال العلماء وزیر امور کشمیر) نے پریس کانفرنس میں بتایا کہ کانفرنس (موتمر اسلامی) کے انعقاد کا پہلا مقصد علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا یوم وفات منانا اور دوسرا ان کی زندگی کے سب سے بڑے مشن اسلامی بلاک کی تشکیل کے لئے غور کرنا ہے"۔

مذکورہ بالا دونوں حوالے اس لئے پیش کئے گئے ہیں کہ ان سے معلوم ہو سکے کہ "پاکستان عرب ثقافتی جمعیت کی صدارت اور "موتمر اسلامی" کے انعقاد سے اسلامی بلاک بنانے کا مشن مولانا عثمانی کی سعی کا مرہون تھا اس موتمر عالم اسلامی کے صدر بھی مولانا ہی تھے۔ موتمر میں آپ نے مختلف تقریریں عربی میں کیں اور اپنا خطبہ بھی پڑھا۔ موتمر کی تقریروں میں سید عبدالحمید وزیر مملکت سعودیہ کی تقریر معنون بہ "الخطاب البلیغ" کے ساتھ مولانا عثمانی کا خطبہ اور تقریر بھی چھپی ہوئی ہے اس کو پیش کرتا ہوں مولانا محمد بخش مسلم بی اے نے مجھے بتایا کہ تمام ممالک عربیہ اسلامیہ کے نمائندوں نے اس موتمر میں اپنی اپنی تقریریں لکھ کر پڑھیں لیکن مولانا عثمانی نے بغیر کسی نوٹ یا تحریر کے فی البدیہ عربی میں تقریر فرمائی۔

بیان مولانا شبیر احمد عثمانی فی الموتمر الاسلامی کراشی

لقد اجتمع الموتمرون علی برکة الله من جميع الاقطار الاسلامية ينشدون شيئاً واحداً وهو خدمة الاسلام ولماکان هذاالمقصد متعدد النواحی فی تفاصيله و بحوثه فقد انهمک علی دراسته نخبة من اعضاء الموتمر ليقدموا الموضوع الی العالم الاسلامی تاماکاملا صالحالان يکون اساساً للتعاون بين رجال الدعوة الاسلامية فی انحاء الارض

اللہ کی مہربانی سے اطراف ممالک اسلامیہ سے افراد موتمر کا اجتماع ہوا جو سب کے سب ایک ہی راگ الاپ رہے ہیں یعنی خدمت اسلام اور چونکہ یہ مقصد اپنی تفصیلات اور مباحث کے اعتبار سے متعدد پہلو رکھتا ہے۔ اس لئے اسی پر بعض مخصوص افراد موتمر نے زور دیا ہے تا کہ وہ پورے اور کامل اور درست طریق پر مقصد کو مسلمانان ممالک اسلامیہ کے سامنے پیش کر سکیں اور تا کہ اطراف ارض میں دعوت اسلامیہ والوں میں تعاون کی بنیاد کا سبب ہو۔

ولکنارأينا جماهير الناس متعطشين الیٰ ان يقرءواشيئاً من مقررات الموتمر سريعاً قريباً الیٰ افهامهم فاستحسنا ان نقدم اليهم ماياتی

لیکن ہم نے لوگوں کی اکثریت کو اس بات کا پیاسا پایا ہے وہ موتمر کی تجویزیں جو ان کی عقلوں کے لئے آسان ہوں جلد پڑھیں اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کے سامنے آئندہ خیالات پیش کریں۔

ان کل اسباب المصائب والنکبات علی الامة الاسلامية ترجع جملتها الیٰ شیٔ واحدهو ضعف الايمان بالله والثقة به و فسادالعقيدة فساداً قتل روح الاسلام فی قلوب المسلمين فلو ان العقيدة الاسلامية کانت متمکنة فی قلوبهم کما کانت فی قلوب السلف الصالح لما انحرفواقيد شعرة عن تعاليم الاسلام ولما غيرالله من حالهم شيئاً ولحقق وعده لهم ولکن لهم دينهم الذی ارتضیٰ لهم وبدلهم من بعد خوفهم امنا يعبدونه ولايشرکون به شيئا وان هذا هو جوهرالدعوة الاسلامية بل هو اساس اديان السماوية کلها فعلی المسلمين ان يبدأوباصلاح انفسهم من هذه

الناحية حتى يرسخ التوحيد ويتمكن كل التمكن فى قلوبهم و تظهر اثاره الطيبة علىٰ الستهم و جوارحهم فاذابدء وابه فالله كفيل لهم بالمزيد من التوفيق والهداية والامداد (ان تنصروا الله ينصركم) الخ ثم (ان ينصركم الله فلا غالب لكم و ان يخذلكم فمن ذاالذى ينصركم من بعده و على الله فليتوكل المومنون)

یقین کیجئے کہ امت مسلمہ کی بدبختیوں اور مصیبتوں کے تمام اسباب کی جڑ صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے اللہ پر اعتماد اور ایمان کی کمزوری اور عقیدے کی وہ خرابی جس نے اسلام کی روح کو مسلمانوں کے دلوں میں قتل کر ڈالا ہے۔ اگر اسلامی عقیدہ ان کے دلوں میں اس طرح جڑ پکڑ لے جیسا کہ ہمارے صالحین بزرگوں کے دلوں میں تھا تو پھر مسلمان ایک بال برابر بھی اسلام کی تعلیم سے نہ ہٹیں اور اللہ تعالیٰ ان کی حالت کچھ بھی تو نہ بگاڑیں اور ان کے لئے اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے کہ اللہ ان کے جس دین سے راضی ہو چکا اس پر ان کو قائم رکھے اور ان کو خوف کے بعد امن نصیب کرے کہ وہ اس کی ہی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور یہی یقیناً دعوت اسلامیہ کا جوہر ہے بلکہ تمام آسمانی دینوں کی بنیاد ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسی سرزمین سے اپنی خود اصلاح کا آغاز کریں حتیٰ کہ ان کے دلوں میں توحید راسخ ہو جائے اور پوری طرح جم جائے جس توحید کے پاکیزہ آثار ان کے اعضا اور زبانوں پر صاف ظاہر نظر آ ئیں۔ جب وہ اس کی طرف قدم اٹھائیں گے تو اللہ ان کے لئے مزید ہدایت اور امداد کی توفیق کے ذمہ دار ہو جائیں گے (اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریں گے الخ) پھر (اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہیں آئے گا اور اگر وہ تمہیں ذلیل کرے تو بعد ازاں کوئی بھی نہیں جو تمہاری مدد کر سکے اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے)

لقد كان رسول الله عليه الصلوة والسلام يحافظ على جوهر هذه الدعوة كل المحافظة و ينكر كل شى ينقص منها او يكون ذريعة للاخلال بهامن كل مايصرف الناس عن التوجه الى الله والركون اليه بحيث يفوت الالتفات التام الى الخالق سبحانه تعالىٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جوہر توحید کی تبلیغ پر کڑی نگرانی اور کوشش فرماتے تھے اور ہر اس چیز کی مخالفت فرماتے جس سے توحید میں خلل پیدا ہو یا جو چیز خداوند تعالیٰ کی طرف دھیان اور

توجہ سے مانع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ سے مسلمان کو روک دے۔

ونذکرہ علی سبیل التمثیل مارواہ الامام احمد رحمہ اللہ فی مسندہ ان رجلاقال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما قالہ (ماشاء اللہ و شئت) فتغیر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال (اجعلتنی للہ ندا قل ماشاء اللہ وحدہ (وھذاردمنہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سوء تعبیرہ فی بیان مقام التوحید المحض ونذکر ایضاً ماروی عن ابی واقدالليثی قال (خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی حنین و نحن حدثاء عھد بکفر وللمشرکین سدرۃ یعکفون عندھا و ینوطون بھا اسلحتھم یقال لھاذات انواط فمررنا بسدرۃ فقلنا (یا رسول اللہ اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر انھا السنن قلتم والذی نفسی بیدہ کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ قال انکم قوم تجھلون لترکبن سنن من کان قبلکم رواہ الترمذی و صححہ

ہم مثال کے طور پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی سند میں پیش کی ہے کہ "ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے بارے میں جو آپ نے اس سے فرمایا۔ عرض کیا (جو کچھ اللہ نے اور آپ نے چاہا) اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا اور فرمایا (کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرایا۔ صرف ماشاء اللہ کہو یہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف سے اس شخص کی اس غلط تعبیر کا رد ہے جو توحید خالص سے ہٹ گئی تھی۔

اور ہم اس کا بھی ذکر کیے دیتے ہیں جو ابی واقد لیثی سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ حنین کے لیے نکلے اور ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور مشرکین کی ایک بیری تھی جس کے پاس وہ اعتکاف کیا کرتے تھے اور ان میں اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے جس کا نام ذات الانواط (کھونٹیوں والی) پس ہم ایک بیری کے پاس سے گزرے تو ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ایسی ہی بیری کھونٹیوں والی مقرر فرما دیجئے جیسی کہ ان کی ہے اس پر آنحضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ اکبر: خدا کی قسم تم نے انہی باتوں کی خواہش کی جیسی کی بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر کی تھیں کہ "اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود تجویز

کردیں جیسا کہ ان کے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم تو جاہل قوم ہو تم اپنوں سے پہلے لوگوں کے راستہ پر چلنا چاہتے ہو۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا اور صحیح کہا ہے۔

ونذکر ایضا ان دعوة کل الانبیاء کانت تبدأ بقولهم یاقوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره و نحن فی مستهل دعوة هذا المؤتمر ندعوا المسلمین باول مادعاهم الیه انبیاء هم فنقول لهم. یا قوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره ولا تدعوا مع الله احداً و معهذا یجب ان تحفظوا ان اسقاط الاسباب الطبیعیة رأسا وتعطیل الوسائل المشروعة لیس من التوحید ولا من التوکل الشرعی المحمود فی شی بل القیام بها واعتبارها و انزالها فی منازلها التی انزلها الله فیها هو محض التوحید والعبودیة واجمع القوم علی ان التوکل لاینافی القیام بالاسباب فلا یصح التوکل الامع القیام بها والافهو بطالة وتعطل وتوکل فاسد فالموحد المتوکل یلتفت الی الاسباب بمعنی انه لایسقطها ولایهملها و یلغیها بل یکون قائما بها ملتفتا الیها ناظراً الی مسببها و مجریها فلا یصح التوکل شرعاً و عقلا الا علیه سبحانه وحده ولا الخوف الامنه والا الرجاء الالدیه ولا الطمع الا فی رحمته کما قال اعرف الخلق به (اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بمعافاتک من عقوبتک واعوذبک منک) و قال (لامنجاو لاملجأ منک الا الیک) فاذا جمعت بین هذا التوحید و بین اثبات الاسباب استقام قلبک علی السیر الی الله تعالیٰ ووضح لک الطریق الاعظم الذی مضی علیه جمیع رسل الله و انبیاء ہ و اتباعهم وهو الصراط المستقیم صراط الذین انعم الله علیهم و بالله التوفیق.

اور ہم یہ بھی یاد دلاتے ہیں کہ تمام انبیاء دعوت و تبلیغ کی ابتداء یہاں سے کرتے تھے کہ ”اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں“ اور ہم بھی اس موتمر کی دعوت کا آغاز انبیاء کے اسی قول کے مطابق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوائے تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو“۔ اس کے باوجود یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اسباب طبعیہ کے اصل سے چھوڑ دینا اور وسائل شرعیہ کو معطل کر دینا نہ توحید

سے ہے اور نہ ہی اسباب کو چھوڑ دینا شرعی توکل کا نام ہے۔ بلکہ ان ذرائع کو قائم رکھنا اور ان کا لحاظ رکھنا اور ان کو ان کے ان مقامات میں رکھنا جن میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہی خالص توحید اور عبادت ہے اور قوم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ توکل اسباب کو حرکت میں لانے کے مخالف نہیں بلکہ اسباب دنیاوی کو عمل میں لانے کے بعد ہی توکل صحیح ہوتا ہے ورنہ تو وہ تو بیکاری اور تعطل اور فاسد توکل ہے کیونکہ توحید پرست متوکل اسباب کی طرف اس معنی میں متوجہ ہوتا ہے کہ وہ ان کو ساقط نہیں کر رہا۔ اور چھوڑ نہیں رہا اور لغو نہیں کر رہا ہے بلکہ ان اسباب کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اور متوجہ ہوتے ہوئے اس کے سبب کی طرف دیکھتا ہوتا ہے لہذا شرعاً اور عقلاً سوائے ایک خدا کے توکل کسی پر کرنا صحیح نہیں اور اس کے سوائے کسی سے خوف نہ کھانا اور امید نہ رکھنی چاہئے اور اسی کی رحمت کی طمع رکھنی چاہئے جیسا کہ اللہ کو مخلوق میں سب سے زیادہ پہچاننے والے نے فرمایا (میں اے اللہ تیری رضا مندی کی تیرے غصہ سے اور تیری معافی کی تیری سزا سے پناہ چاہتا ہوں اور تیری ہی پناہ چاہتا ہوں تیری گرفت سے) اور حضور نے فرمایا (نہ تو جائے نجات ہے اور نہ جائے پناہ ہے تجھ سے مگر تیری ہی طرف) پس اگر تم اس توحید اور اسباب کو باہم یکجا کر لو گے تو تمہارا دل اللہ کی طرف جانے کی طرف مستقیم ہو جائے گا۔ اور تم پر ایک شاہراہ صاف ہو جائے گی جس پر تمام انبیاء اور رسول چلا کئے ہیں اور وہی صراط مستقیم ہے جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور اللہ ہی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔

> **ثم ان من الاسباب المشروعة التي امر الله بالقيام بها كما امر باقام الصلوة وايتاء الزكوة والصيام والحج وغيرها من العبادات هو ما محض عليه عباده وندلهم اليها بقوله سبحانه (واعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم) الاية و نبههم على ان اعداد الاسباب الحربية التي تجلب القوة و تلقي الرعب و توقع الرهبة والهيبة في قلوب اعداء الاسلام حسب ما تقتضيه الضرورة في كل زمان و مكان هو عين الدين و محض الاسلام و من لوازم التوحيد فانه تعالىٰ حيث ذكر ارسال الرسل وانزال الكتب في كتابه العزيز قرن معه انزال الحديد وذكر غايته بقول و ليعلم الله من ينصره و رسله بالغيب**

پھر وہ اسباب مشروعہ جن کے قائم کرنے کا حکم دیا ہے مثلاً نماز قائم کرنا زکوۃ دینا روزہ رکھنا اور حج وغیرہ عبادات کرنا جن کی رغبت دلائی ہے اور اپنے بندوں کو ان کی طرف بلایا ہے جیسا یہ اللہ کا قول (اور تم تیاری کرو حسب استطاعت طاقت کی اور گھوڑے وغیرہ کی جن کے ذریعہ اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو تم ڈراسکو) اس آیت میں اللہ نے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ سامان جنگ کی تیاری جو قوت کا باعث ہو اور جو اعدائے اسلام کے دلوں میں رعب ہیبت پیدا کرے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ہر جگہ اور ہر وقت عین دین اسلام اور خالص اسلام اور توحید کے لوازمات سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس جگہ رسولوں کے بھیجنے اور قرآن کریم میں کتابوں کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے وہاں لوہے کے بھیجنے کا بھی ذکر کیا ہے اور لوہے کے پیدا کرنے کی غرض بھی بیان کی ہے اور وہ یہ "کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے"۔

وانی اری ان ترک الامة الاسلامية الامتثال بهذه الاوامر منذقرون من اكبر اسباب ضعفها وانحطاطها. وانا لن ننجح فى مقاصدنا الدنيوية الا بتحقيق التوحيد الخالص ومباشرة الاسباب وتهيأها الىٰ اخر حد الاستطاعة الانفرادية والاجتماعية حسب ما اسلفنا ذكره من طريقة اسلافنا الاولين الاكرمين من الجمع بين ما تقتضيه قدرة الله العاملة الكاملة وهذا هوالذى يجب علينا ان نعض عليه بالنواجذ ولا نغفل عنه ولا نتساهل فيه والله الموافق لارب غيره وصلى الله خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين (الخطاب البلیغ ص۱۲،۱۳)

اور میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ امت اسلامیہ کے کئی صدیوں سے ان احکام کو چھوڑ بیٹھنے سے امت میں کمزوری اور انحطاط پیدا ہو گیا ہے اور ہم کبھی بھی دنیوی مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ خالص توحید اور اسباب کی بحد امکان تیاری نہ کریں۔ خواہ وہ تیاری انفرادی ہو یا اجتماعی ہو جیسا کہ ہمارے اسلاف کے ذکر میں گزرا۔ کیونکہ ہمارے قابل احترام بزرگ ان اسباب کو اللہ تعالیٰ کی کامل اور شامل قدرت کے تقاضوں کے ماتحت اور اس کی حکمت بالغہ کے مطابق مہیا کرتے تھے یہی وہ عمل ہے جس کو ہمیں چاہیئے کہ مضبوطی سے اسکو اپنے لئے لائحہ عمل بنائیں اور اس سے قطعاً غافل نہ ہوں اور اس میں بالکل تساہل نہ کریں اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے کہ اس کے سوائے کوئی رب نہیں ہے۔ وصلى الله على خير خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعين۔ (الخطاب البلیغ ص۱۲،۱۳)

یہ تو تھا حضرت عثمانی کا عربی مختصر بیان لیکن جو خطبہ استقبالیہ آپ نے اس موتمر میں پڑھا اور

جو تجویزیں پیش ہیں وہ اپنی جلد تاریخی حیثیت رکھتی ہیں اور خطبہ میں تو ادبیت کا خاص جوہر چمک رہا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

خطبہ مولانا الشبیر احمد عثمانی رئیس الموتمر الدائم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على افضل الانبياء والمرسلين واله صحبه اجمعين. اما بعد فانى انتهزهذه الفرصة السعيدة فرصة الفراغ من شئون الموتمر الاسلامى الدائم لاول مرة فى تاريخه فاحى العالم الاسلامى من هذاالمنبر التاريخى الذى ولد فيه هذاالموتمر الاسلامى الخطير واسأل الله سبحانه لشعوب العالم الاسلامى اجمع السدادوالتوفيق وجمع الشمل و نجاح القصد والاقالة من العثرات كما انى باسم الامة الباكستانيه المجيدة لارحب بوفودالموتمر كضيوف اعزاء الدى الباكستان واشكرهم على تكلفهم مصائب الاسفارمن شتى الاقطار لتشجيع الموتمر وتدعيمه وانا معشرالباكستانيين لنعتزبظهورهذا الموتمر فى العاصمة الباكستانية كما نعتزبحكومتنا الباسكتانية التى احتضنت هذاالموتمر وشدت فى ازره وشجعته اكرم تشجيع لنقيم الدليل الاول علىٰ ان باكستان جديدة بمكانتها فى الشرق كدولة اسلامية كبرىٰ تحرص اشدالحرص على تحقيق رسالة الاسلام السامية فى هذه الارض ولاعجب فى ذلك فان باكستان هى اول امة فى العالم تمخض عنها الاسلام وولدت من اسمه و نفخ فيها من روحه فاصبحت قوة له واصبح روحا لها لانعيش الابه وانى قبل توديع ضيوفنا المحترمين احب ان الفت الانظار الى ثلاث حقائق.

ہر قسم کی تعریف جہانوں کے پروردگار کے ہی لئے ہے اور درود وسلام افضل الانبیاء والمرسلین اوران کی آل واصحاب سب پر ہو۔ بعدازاں یہ پہلا خوش نصیب تاریخی موقع ہے کہ ہم ایک موتمر اسلامی دائم کے حالات سے دوچار ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں عالم اسلامی کو اس تاریخی منبر سے زندگی کا پیغام دے رہا ہوں جس میں یہ شاندار موتمر اسلامی عالم وجود میں آئی ہے اور میں خدائے پاک سے تمام عالم اسلامی کی مختلف شاخوں کے لئے استقامت اور توفیق اور انتشار کو اجتماع اور

ارادہ میں کامیابی اور لغزشوں سے چشم پوشی کی دعا کرتا ہوں۔ اور اسی طرح صاحب عظمت امت پاکستانیہ کے نام پر پاکستان کے نزدیک محترم مہمانوں کی آمد پر خوش آمدید کہتا ہوں اور مختلف مقامات سے موتمر کو کامیاب بنانے کے لئے سفر کی تکالیف اٹھانے پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ہم پاکستانی لوگ دارالخلافہ (کراچی) میں اس موتمر کے انعقاد کو اسی طرح سے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس طرح ہم اپنی حکومت پاکستان کو دیکھتے ہیں جس نے اس موتمر کی سرپرستی کی اور اس کو پروان چڑھایا اور اس کی بہترین طریقہ پر حوصلہ افزائی کی تاکہ ہم اس بات پر پکی حجت قائم کر سکیں کہ پاکستان ایشیا میں ایک بڑی اسلامی سلطنت ہے جو اسلام کی تبلیغ کا اس سرزمین میں بہت زیادہ شوق رکھتی ہے اور جو اپنے بلند منصب کے لائق ہے اور اس میں کوئی تعجب نہیں کہ پاکستانی دنیا میں پہلی جماعت ہے کہ جس میں سے اسلام خالص ہو کر نکلا اور اسلام کے نام پر یہ قوم وجود میں آئی اور اس امت میں اسلام کی روح پھونکی گئی چنانچہ پاکستانی قوم اسلام کی قوت بنی اور اسلام اس کی روح بنا کہ ہم اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور میں معزز مہمانوں کو رخصت کرنے سے پہلے اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ ان کو تین باتوں کی طرف متوجہ کروں۔

۱۔ اولا۔ ان هذاالموتمر اخذ علی نفسه ان لایصادم مع السیاسة و ان لایقوم فی ای طرمن الطواره باعمال لتسی لای حکومة من الحکومات بل لقد اخذ علی نفسه فوق ذالک ان یکون حربا علی الحرکات الهدامة و ان یکون عونا مخلصا لیسا عدالحکومات الاسلامیة من طریق الدین علی تحقیق اغراضها السامیة وتقریب الطریق لخطواتها و نهضتها

۱۔ اول۔ یہ موتمر اپنے اوپر اس امر کو لازم کرلے کہ وہ سیاست میں آپس میں نہیں ٹکرائیں گے اور کسی صورت میں بھی ایسا اقدام نہ کریں گے جو کسی حکومت (اسلامی کے منافی ہو گا بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ تخریبی حرکتوں کے خلاف ڈٹ جائیں گے اور مددگار مخلص بن کر اسلامی حکومتوں کی دینی طور پر ان کے بلند مقاصد کی حقیقت کے مطابق مدد کریں گے اور ان حکومتوں کی ترقی کے لئے ان کے قدموں کے واسطے راستوں کو قریب کرنے کی کوشش کریں گے۔

۲۔ ثانیا۔ سیتعاون رجال الموتمر وانصاره علی حصراعمالهم فی المسائل الاسلامیة المتفق علیها بین الجمیع وعلی تجنب النظریات

التی کثر الکلام والاختلاف فیھا والتی من شانھا ان تثیر النقاش و تصدع کیان الموتمر

۲۔ دوم۔ موتمر کے ممبران اور مددگار تمام مسلمانوں کے متفق علیہا مسائل میں محدود رہ کر باہمی تعاون سے کام لیں گے اور ایسے نظریات سے بچیں گے جن میں زیادہ بحث اور اختلاف کرنا پڑے اور جو باہمی اختلافات پیدا کریں اور موتمر کے متفقہ فیصلوں کو پارہ پارہ کردیں۔

۳۔ثالثا۔ نلاحظ ان ھناک حقیقة مرة و ھی ان العالم الاسلامی قد ابتلی بالاجتماعات والخطاب والمناھج والتصریحات التی لاطائل تحتھا ولاعمل من ورائھا والتی لاتثمرالاشیئاً واحداًھومضاعفة یاس الامة الاسلامیت وسوء ظنھا بزعمائھا و علماء ھا واعتقادھا انه لم یبق شیء یمکن فیه انقاذھا مما ھی فیه وبناء علی ھذہ الحقیقة المرة فارجوان یوطن رجال المؤتمر انفسھم علی ان لا یخرجوامنه الابنتائج عملیة ولوضئیلة اوناقصة حتی یشعر وابانھم قدادواشیئاحقیقیامن خدمة الاسلام و انی لعلی ثقة بان ھذاالموتمر سینجح بعون الله ویؤدی اطیب الثمرات وان المسلمین وحکوماتھم فی اقطارالارض سیساعدونه لانه اول موتمر اسلامی من نوعه فی ھذاالعھد

۳۔ سوم۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے سامنے ایک تلخ حقیقت ہے جو یہ ہے کہ دنیائے اسلام ایسی جماعتوں تقریروں، طریقوں اور وضاحتوں میں مبتلا ہے کہ جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس کے پیچھے کوئی عمل نہیں ہے اور جو امت اسلامیہ میں رہبروں اور علماء کے ساتھ بدگمانی اور ناامیدی کے سوائے کوئی نتیجہ نہیں رکھتی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں رہی ہے کہ امت اسلامیہ جس مصیبت میں مبتلا ہے اس سے اس کو کوئی چھڑا سکے۔ اس تلخ حقیقت کی بناء پر میں امید کرتا ہوں کہ موتمر کے اشخاص اپنے دلوں میں اس بات کو مضبوط کرلیں کہ وہ اس موتمر سے عملی نتائج کے بغیر خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہوں نہ اٹھیں حتیٰ کہ وہ محسوس کریں کہ انہوں نے اسلام کی کوئی خدمت انجام دی ہے اور مجھے بھروسہ ہے کہ یہ موتمر اللہ کی مدد سے کامیاب ہوگی اور اچھے نتائج پیدا کرے گی اور مسلمان اور اسلامی حکومتیں اطراف زمین میں اس کی مدد کریں گے کیونکہ یہ موتمر اس

زمانہ میں اپنی نوعیت کی پہلی موتمر ہے۔

یہ ہے علامہ عثمانی کی عربی ادبیت کی رفعت اور ذوق فصاحت و بلاغت کہ بغیر کسی جھجک اور توقف کے وہ عربی بیان تقریر و تحریر پر کیسی قدرت رکھتے ہیں اور یہیں سے ان کی زندگی کا وہ شاندار کارنامہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں رہ کر انہوں نے ممالک اسلامیہ کو ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کی تھی اور یہی وہ اصل مدعا تھا جس کی تکمیل کا ارادہ علامہ عثمانی نے سوچا تھا۔ جس کی تحریک کے بانی شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ علامہ کے استاذ محترم تھے اور جنہوں نے مولانا عبیداللہ صاحب سندھی علیہ الرحمۃ وغیرہ کے ذریعہ ممالک اسلامیہ کو ہندوستان پر متحدہ حملے کے لئے تیار کیا تھا۔ شیخ الہند کی یہ تحریک دراصل کڑی تھی حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی امداداللہ صاحب و مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے جہاد حریت کی۔ بہرحال علامہ عثمانی نے خالص مملکت اسلامیہ پاکستان میں اتحاد اسلامی کی بنیاد رکھی اور کراچی میں موتمر اسلامی طلب کر کے ان میں ایسی تجاویز پیش کیں جو امت اسلامیہ کو عملی اقدام کی طرف دعوت دیں۔ اگر علامہ عثمانی کی ان تینوں تجاویز پر غور کیا جائے تو ممالک اسلامیہ میں اتحاد کی یہ بہترین تجاویز ہیں۔ اور امید ہے کہ ان شاءاللہ علامہ کی یہ رکھی ہوئی بنیاد مستقبل میں اپنا ضرور رنگ لائے گی۔

میں نے تو یہ خطبہ اور بیان ادبی سرخی اور عنوان کے ضمن میں پیش کیا تھا جس سے میں علامہ کے عربی ادب پر قدرے روشنی ڈال سکوں۔ لیکن ضرورت ہے کہ علامہ کی عربی تقریظوں میں سے کوئی مقفی تقریظ پیش کی جائے جس سے ان کی ادبیت کا خالص اندازہ ہو سکے اس ضمن میں فتح الملہم شرح مسلم کی وہ عربی عبارت پڑھنے کے قابل ہے جس میں انہوں نے سابق تاجدار دکن میر عثمان علی خان کے نام پر اس شرح کو ہدیہ عقیدت کے طور پر پیش کرتے ہوئے لکھی ہے اس سلسلے میں میں وہ تقریظ جو علامہ نے مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے مقامات حریری کے حاشیہ پر تحریر فرمائی ہے۔ پیش کرتا ہوں جو حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صورة ماقرظه الحبر الفهامة والبحر التكلامة زبدة الفضلاء الكرام عمدة العلماء الاعلام فخر المتكلمين وقدوة المفسرين مولانا الشيخ شبير احمد العثماني متع الله بفيوضه الاقاصي والاداني

الحمد لله الذى خلق اللوح والقلم وعلم الانسان مالم يعلم

والصلوة والسلام على رسوله محمد الذى ارسل الى العرب والعجم واله واصحابه الذين هم بحورالعلم والحكم

اما بعد فان علم الادب صناعة اهل العرب هذه فضتهم والذهب وسنانهم العضب به يمتازون عن جميع العالم وان لم يكن عندهم دينار ولادرهم ولابدمنه لمن ارادالاطلاع على غوامض الكتٰب وعلومه ويعرج على سمائه و نجومه وعلى معارف الاثار والسنن بل فى كل علم و فن لكن هبت رياح الجهل على مصابيحه فخبت و توسطت ارض الغفلة بين شموسه فكسفت وصارنهاره كالليل المظلم ولاتسئل عن ليله المدلهم ' من علينا العالم البارع التقى النقى والفاضل الفارع الذكى المزين لمسندالتدريس المولوى الحافظ محمد ادريس بان انتدب لتحشية المقامات للامام ابى القاسم الحريرى رحمه الله تعالىٰ فحشاها و شرح مشكلاتها و وشاها وكشف مغلقاتها بحيث يعم نفعها و يسهل فهمها فلله الحمد والمنة و به التوفيق والعصمة

العبد

شبير احمد العثمانى عفاالله عنه

۱۱ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۳۵ھ

مذکورہ بالا عربی تحریروں اور تقریروں سے علامہ کی عربی ادبیت پر اہل نظر کے لئے کافی بصیرت کا سامان فراہم ہو جاتا ہے جس سے آپ کا عربی ادب کا مقام قاری کے سامنے واضح ہو جاتا ہے۔

فارسی ادب

وہ جو ایک فطرت صحیحہ اور طبع قدرت نے مولانا کو دی تھی وہ ہر منزل اور ہر وادی میں آپ کے لئے تجلی طور کا کام دے رہی تھی۔ دل میں ایک نور طبیعت میں شعور اور دماغ نور علی نور تھا اس لئے مولانا ہر دل کے سرور اور ہر آنکھ کے نور تھے اردو فارسی یا عربی کوئی ادب ہو سب میں مولانا کی چمک اور بصیرت کام کر رہی تھی۔ اس نور نگاہ علم و ادب نے قرآن کریم اور اردو کی کتابیں پڑھنے کے بعد ۱۳۱۴ھ سے ۱۳۱۹ھ تک دیوبند میں فارسی کی متداولہ کتابیں مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی مدرس فارسی سے پڑھیں۔ ۱۳۱۹ھ سے عربی کورس کی تکمیل میں مشغول ہو گئے۔ اس کے

بعد فارسی کی منتہی ایک مختلف کتابوں اور مثنوی وغیرہ کا مطالعہ خود کرتے رہے ہوں گے۔ چنانچہ آپ کی تصانیف بالخصوص تفسیر میں جابجا فارسی کے دلچسپ اور لطیف اشعار مضامین کے مناسب چسپاں ہیں۔ جن سے آپ کے فارسی ذوق کا پتہ چلتا ہے مثلاً قرآن کریم مطبوعہ مدینہ پریس کے صف ۶۸۳ کے فائدہ نمبر ۱۴ میں لقد رای من ایت ربه الکبریٰ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں　　　بلبل چہ گفت گل چہ شنید و صبا چہ کرد

یا نحن اقرب الیه کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

جاں نہاں در جسم و او در جاں نہاں　　　اے نہاں اندر نہاں اے جان جاں

یا صف ۲۷۳ پر

گرز باغ دل خلالی کم بود　　　بر دل سالک ہزاراں غم بود

یا صف ۶۷۸ فائدہ نمبر ۱۰ میں۔

من نکردم خلق تا سودے کنم　　　بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

غرضکہ اس طرح بہت سے اشعار تفسیر کے علاوہ ان کی دوسری تصانیف میں بھی ہیں۔ مثلاً خطبہ صدارت ڈھاکہ میں ص ۴۴ پر یا الاسلام صف ۳۴ پر۔

عمریست کہ افسانہ منصور کہن شد　　　من از سر نو جلوہ دہم دار ورسن را

مطرب از گفتہ حافظ غزل نغز بخواں　　　تا بگویم کہ ز عہد طربم یاد آمد

مجھے مولانا عثمانی کے فارسی ادب پر تبصرہ کرنے کے لئے کوئی آپ کی فارسی تحریر یا تقریر نہ ملی تھی لیکن ڈھونڈے سے خدا بھی مل جاتا ہے آپ کی تفسیر نے ہی ایک فارسی تحریر آپ سے لکھوائی۔ کابل کی حکومت نے جب آپ کی تفسیر کا ترجمہ فارسی میں کرا کے چھپوایا تو اس کی پہلی جلد پارہ اول سے دس تک مولانا کو دیوبند بھیجی دوسری جلد گیارہ پارہ سے بیس پارے تک دیوبند اس وقت پہنچی جب کہ مولانا کراچی تشریف لے آئے لیکن وہ جلد پھر دیوبند سے مولانا کے پاس کراچی موصول ہوئی۔ تیسری جلد مولانا کی وفات کے بعد کراچی آئی۔ اس جلد کا ایک نسخہ علامہ عثمانی کی بیگم صاحبہ نے مجھے عنایت فرمایا۔ اس عطیہ کبریٰ پر ان کا بہت بہت شکریہ اس جلد کے آخر میں مولانا کی ایک فارسی تحریر ہے جو آپ نے تقریظ کے طور پر پہلی جلد کے مطالعہ کے بعد اپنے دست مبارک سے لکھ کر کابل روانہ فرمائی تھی اور جو حسب ذیل ہے۔

تقریظ از بیت الفضل دیو بند

از طرف مولانا شبیر احمد صاحب مفسر تفسیر شریف

’’ارباب بصیرت می دانند کہ مثلیکہ حیات جسد عنصری از نفخ روح است‘ حیات حقیقی روح انسانی بہ وحی ربانی بدست می آید و چکر اکمل و مظہر کامل وحی ربانی قرآن عظیم است ازیں لحاظ قرآن کریم را باید روح الارواح نامید۔ مزید برآں نہ تنہا بذریعہ ایں روح اعظم ارواح و قلوب زندگی انفرادی را بدست میآرند بلکہ حیات اجتماعی ہم کہ آں را حیات قومی باید خواند از ہمیں روح مقدس مفاد است پس اقوام مردہ از فیض ہمیں روح زندہ می شوند و حیات یابند

اہل بصیرت پر روشن ہے کہ جس طرح عنصری جسم کی زندگی روح کے کرم پر موقوف ہے اسی طرح روح انسانی کی اصلی زندگی وحی ربانی سے ہے اور وحی خداوندی کا اعلیٰ اور کامل مظہر قرآن کریم ہے اس حیثیت سے قرآن مجید کو روح الارواح کہنا چاہیے۔ نہ صرف یہ قرآن تنہا انسانوں کے دلوں کی زندگی کی روح اعظم ہے بلکہ یہ روح اجتماعی حیات کو بھی جس کو ہم قومی زندگی کہتے ہیں۔ زندہ کرسکتی ہے لہذا مردہ قومیں اسی روح قرآن سے زندہ ہوتی اور حیات پاتی ہیں۔

امکان دارد کہ قومی از مجموعہ فیوض قرآن کریم بے بہرہ ماندہ بزرگ ترین و بلند ترین ترقیات مادی را حاصل کنند مگر من آں را محض ترقی بہیمیت و یا سبعیت و یا ابلیسیت میدانم و آں را ارتقائے انسانیت نمی پندارم در معنی صحیح و حقیقی من حیث یک انسان و یا جمعیت انسانہا ہیچ ترقی و زندگی درحالیکہ از کلام ربانی و روح قرآنی جدا باشد ممکن نیست (**وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا‘ ماکنت تدری ماالکتب ولاالایمان ولکن جعلنٰہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا وانک لتھدی الی صراط مستقیم**) بنابراں در ہر عصر احتیاج بودہ است کہ بغرض اینکہ بذریعہ روح قرآنی اشخاص و اقوام دارای حیات نوینی گردند باید ذرائع و وسائل جستہ شود کہ ہدایات و تعلیمات قرآن کریم بیاذہان انجام آنقدر قریب شود کہ ہر شعبہ انسانیت از نور آں مستفید گردد۔ دریں سلسلہ علماء و فضلائے ہر عصر بروفق ذوق خود بہ تحریر تفاسیر قرآن مجید خدمات انجام دادہ اند و ذخیرۂ تفاسیر خرد و کلاں و بہ تعداد لکہا نسخہ برائے رہنمائی است تیار شد۔ یک طرف اگر تفسیر شیخ علاء الزاہد حنفی در جلد ہائے بیش از یک ہزار و تفسیر ابو یوسف قزوینی معتزلی در سہ صد دیا پانصد مجلدات ضخیم مدون شد۔ طرفی دیگر تفاسیری چوں تفسیر جلالین است کہ می گویند کہ الفاظ آں در تعداد

برابر عدد الفاظ قرآن ست و بینها متوسطات لا تعد و لا تحصی۔

ممکن ہے کہ کوئی قوم قرآن کریم کے تمام فیوض سے بے نصیب ہو کر دنیاوی اور مادی زیادہ سے زیادہ ترقیاں حاصل کرے لیکن میں اس کو صرف چوپاؤں درندوں اور شیطان کی ترقی سے زیادہ نہیں سمجھتا اور اس کو انسانی ترقی خیال نہیں کرتا۔ درحقیقت کوئی انسان یا انسانوں کی جماعتیں درانحالیکہ وہ کلام ربانی اور روح قرآنی سے بے نیاز رہیں ترقی نہیں کر سکتیں (ہم نے اسی لئے اپنے حکم سے آپ کی طرف قرآن کریم کو نازل فرمایا۔ آپ جانتے ہی نہ تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کس چیز کو کہتے ہیں لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنا دیا کہ اس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیں اور آپ تو صراط مستقیم کا راستہ دکھاتے ہیں) اس لئے ہر زمانے میں ضرورت رہی ہے کہ روح قرآنی کے ذریعہ لوگ اور قومیں نئی زندگی حاصل کریں اس کے لئے ذرائع اور وسائل بھی تلاش کئے جائیں۔ تاکہ قرآن کریم کی ہدایات اور تعلیمات زیادہ سے زیادہ عام ہو جائیں اور کوشش بھی کرنی چاہئے کہ قرآن کریم کو ذہنوں اور عقلوں سے اس قدر قریب کر دیا جائے کہ انسانیت کا ہر پہلو اس کے نور سے چمک اٹھے اس سلسلہ میں ہر زمانہ کے علماء اور فضلا نے اپنے ذوق کے مطابق قرآن مجید کی تفسیروں کے لکھنے کی خدمات انجام دی ہیں چنانچہ لاکھوں کی تعداد میں چھوٹی بڑی تفسیروں کا ذخیرہ امت کی رہبری کے لئے ذخیرہ ہو گیا ہے۔ اگر ایک طرف شیخ علاء الزاہد حنفی کی ایک ہزار سے زیادہ جلدوں کی تفسیر اور ابو یوسف قزوینی معتزلی کی تفسیر تین سو یا پانچ سو جلدوں میں مرتب ہوئی تو دوسری طرف جلالین ایسی تفسیر بھی ہے جو اتنی مختصر ہے کہ اس کے الفاظ قرآن مجید کے الفاظ کے برابر ہیں زیادہ نہیں اور ان مطول و مختصر تفسیروں کے درمیان اور بے شمار تفسیریں لکھی گئی ہیں۔

تمنا و کوشش این احقر العباد ہم ہمیشہ این بودہ است کہ اللہ جل جلالہ مرا ہم در زمرۂ خدام قرآن محشور فرماید نقطہ نظر من این بود کہ باوجود قلت بضاعت و استطاعت مطالب قرآن عظیم درحالیکہ درحدود احادیث و اقوال سلف متقید باشم بچنان عبارت سلیس و رواں و طرز معقول و دل نشیں ادا کردہ شود کہ در قلوب بندگان خدائے مہربان بسوی معارف و بصائر قرآنی یک کشش خصوصی پیدا کند۔

تنہا اللہ تعالیٰ بہتر میداند کہ درایں مقصد تا کدام اندازہ کامیاب شدہ ام؟ البتہ از آثار و قرائن این قدر اطمینان حاصل میشود کہ این سعی مختصر بکلی رائگاں و بیہودہ نرفتہ فللہ الحمد و المنۃ۔

اس احقر العباد کی ہمیشہ یہ تمنا رہی ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھے بھی قرآن کریم کے خدمتگاروں کے گروہ میں حشر کے روز اٹھائے۔ میرا نقطہ نظر یہ تھا کہ باوجود قلت بضاعت قرآن کریم کے مطالب کو

حدیث اور اقوال سلف کے دائرے میں محدود رہتے ہوئے ایسے معقول و دلنشیں طرز اور سلیس و رواں عبارت میں پیش کروں کہ بندگان خدائے مہربان کے دلوں میں قرآن کے معارف و بصائر کی طرف کشش پیدا ہو جائے۔ صرف خدا ہی کو علم ہے کہ میں اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں البتہ آثار و قرائن سے اتنا اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ یہ ناچیز کوشش رائگاں نہیں گئی اللہ کا فضل و احسان ہے۔

ہنوز بہ ملاحظہ تمام تفسیر قادر نشدہ ام چند جاہای مہمہ را مطالعہ کردم بی ساختہ در حق حضرت فاضل مترجم از دل دعای برآید۔ ترجمہ بچناں تحقیق و تدقیق و غور و فکر کردہ شدہ و شان و روح اصل تفسیر را در ترجمہ آں قدر محفوظ داشتہ است کہ بی اختیار مجبور بعرض ایں کلام میشوم (نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول) فجزاهم الله احسن الجزاء وشكره ساعيهم الجميله

میں ابھی تمام ترجمہ تفسیر دیکھ نہیں سکا ہوں۔ چند اہم مقامات کو دیکھا ہے بے ساختہ فاضل مترجم کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے ترجمہ ایسی تحقیق اور غور سے کیا گیا ہے اور تفسیر کی اصل شان اور روح کو ترجمہ میں اتنا محتاط طریقہ پر قائم رکھا ہے کہ مجبوراً بے اختیار ہو کر کہنا پڑتا ہے۔ ع (کہ نقاش نقش اول کی نسبت دوسرے نقش کو زیادہ اچھا بناتا ہے) اللہ آپ کو اچھی جزا عطا فرمائے اور آپ کی مساعی جمیلہ مشکور بنائے۔

خداوند قدوس دولت علیہ افغانستان و پادشاہ پاک دل روشن ضمیر آں المتوکل علی اللہ اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ را از نوائب دہر مامون و مصئون بدارادو برای اعلاء کلمۃ و تقویۃ مفاد مسلمین بیش از پیش توفیق عطا فرماید۔ امین اللهم امين والسلام مع الوف الاحترام

دعا گو شبیر احمد عثمانی

از دیو بند ضلع سہارنپور یوپی ہندوستان

خداوند قدوس دولت عظمیٰ افغانستان اور اس کے پاک دل روشن ضمیر بادشاہ المتوکل علی اللہ اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ کو زمانہ کے حوادث سے مامون و محفوظ رکھے۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ او. مسلمانوں کے فوائد کی تائید کے لئے پہلے سے بھی زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللهم امين والسلام مع الوف الاحترام

دعا گو شبیر احمد عثمانی

از دیو بند ضلع سہارنپور یوپی ہندوستان

مولانا کی فارسی انشا پر میں اس سے زیادہ اور کچھ کہنا نہیں چاہتا کہ شاید اپنی عمر میں ان کو

صرف یہی تقریظ فارسی میں لکھنے کا موقع ملا ہو ورنہ اور کوئی فارسی تحریر نہ مل سکی۔

مکتوب عثمانی بنام شاہ ایرانی

علامہ کی فارسی تحریروں میں البتہ ایک خط کا سراغ ملا ہے جو آپ نے کشمیر کے سلسلہ میں شاہ ایران کو لکھا تھا اور جس میں آپ نے پرزور الفاظ میں تحریر فرمایا تھا کہ چونکہ کشمیر پر ہمارے حریف نے بزور فوج قبضہ کرلیا ہے۔ اس لئے حکومت ایران کو چاہئے کہ وہ اخلاقی حیثیت سے مسلم ملک کی حمایت کرے اور حریف ملک کو پٹرول کی قطعاً مدد نہ دے۔

فارسی گفتگو

جیسا کہ اردو عربی اور ادب کے ضمن میں گزرا کہ موصوف کو عربی اور فارسی میں بھی گفتگو کا اسی طرح ملکہ تھا جیسا کہ اردو میں بول چال کا چنانچہ دیکھنے والوں نے بتایا ہے کہ پاکستان بننے کے بعد جب کابل کے مشہور عالم ملائے شور بازار جن کے اثر و اقتدار نے شاہ امان اللہ کو افغانستان سے نکال بھگایا تھا جب پاکستان بننے کے بعد یہاں تشریف لائے تو آپ جہاں لاہور آئے اور ایک پبلک جلسہ میں فارسی میں تقریر کی جس میں راقم الحروف بھی شریک تھا وہاں آپ کراچی بھی تشریف لے گئے اور علامہ عثمانی سے آپ کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں اور دونوں شیوخ کی فارسی میں خوب خوب باتیں ہوئیں۔ چنانچہ ملائے شور بازار شیخ الاسلام کی گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ شاید ہی کسی سے اتنے متاثر ہوئے ہوں۔ ملائے شور بازار نے حضرت عثمانی کی خدمت میں بعض تحفے بھی پیش کئے۔ بہرحال آپ کو فارسی لکھنے اور بولنے کا اگرچہ کم ہی اتفاق ہوا لیکن اس کے باوجود ذوق علمی کے باعث اس زبان میں خوب لکھ اور بول سکتے تھے۔

ڈاکٹر شبیر احمد عثمانی

اب تک آپ نے دنیائے اسلام کے ایک عظیم القدر عالم کی تفسیر حدیث فقہ کلام علم فلسفہ و منطق وغیرہ علوم اور عربی فارسی اردو ادب کے متعلق بہت کچھ پڑھا ہے۔ آپ نے ان کے علمی سوانح کے پڑھنے کے بعد جو کچھ رائے قائم کی ہو یہ تو آپ کی اپنی بات ہے لیکن مجھے آخر میں یہ اور کہنے دیجئے کہ علامہ موصوف کا علمی مقام مشرقی اور مغربی تعلیم یافتہ دونوں طبقوں میں مسلم تھا۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ آپ اگرچہ دنیا سے تشریف لے جاچکے تھے لیکن آپ کا احترام تمام امت مسلمہ پاکستان و ہند و ممالک اسلامیہ میں پوری عقیدت کے ساتھ کیا جاتا تھا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد جب پنجاب

یونیورسٹی لاہور میں بی اے ایم اے وغیرہ کی تقسیم اسناد کا جلسہ ہوا جس کو کانووکیشن کہا جاتا ہے تو اس وقت کے جلسہ کی کارروائی کی رپورٹ اخبار زمیندار مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۹ء اس طرح لکھتا ہے۔

۱۹ دسمبر ۱۹۴۹ء بروز پیر زیر صدارت سردار عبدالرب خان نشتر گورنر پنجاب یونیورسٹی پنجاب لاہور کی کانووکیشن (تقسیم سندات) کا جلسہ ہوا جلسہ کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے ہوا سب سے پہلے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم کو فاضل علوم شرقیہ (ڈاکٹر آف اورینٹل لرننگ) کی ڈگری دی گئی۔ رجسٹرار (یونیورسٹی) احترام کے طور پر کھڑے ہوگئے اور فاتحہ خوانی کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔ (زمیندار)

اس رپورٹ سے علامہ کی شخصیت کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے حالانکہ آپ کے کچھ عرصہ کے بعد انگریزی طبقے کے ترجمان سید سلیمان ندوی کا بھی یہیں انتقال ہوا مگر آپ کی وفات پر پاکستان کے علمی طبقے میں افسوس کی ایک لہر دوڑ گئی مگر وہ ملک گیر شان حاصل نہ ہو سکی۔

یوں تو دنیا میں زندہ انسانوں کو ڈگریاں دی جاتی ہیں چنانچہ پاکستانی یونیورسٹیوں میں شاہ ایران اور بعض دیگر مقتدر شخصیتوں کو ڈگریاں دی گئی ہیں لیکن کسی ایسی ہستی کو جو دنیا سے آخرت کو رخصت ہو چکی ہو کسی یونیورسٹی کے منتظمین کا ڈگری پیش کرنا انتہائی عقیدت اور احترام کا منظر پیش کرتا ہے۔

یہاں اس امر کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ حضرت شیخ الاسلام کے لئے یونیورسٹی کے پاس ڈاکٹری کی ڈگری ایک آخری ڈگری ہو سکتی تھی جو پیش کی گئی لیکن آپ کی شخصیت اتنی بلند تھی کہ آپ کے علم کے لئے یونیورسٹی کے پاس کوئی بھی ڈگری نہ تھی تاہم دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز علامہ کے لئے یہ امر اس حیثیت سے قابل فخر ہے کہ وہ ان یونیورسٹیوں سے بھی بغیر کسی خواہش کے ڈاکٹری کی ڈگری لے سکتا ہے اور اس کی فضیلت علمی کے قدم چوم کر ڈاکٹری اپنا سر افتخار بلند کر سکتی ہے دراصل آپ علم کے اس مقام پر پہنچ چکے تھے۔ جہاں اس قسم کے اعزاز کو آپ کی ہستی سے وابستہ ہونا باعث فخر تھا نہ کہ آپ کی ذات کو۔ کیا خوب فرمایا کرتے تھے حضرت امام سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی کہ انسان ابتداء میں علم کا تابع اور خادم ہوتا ہے لیکن اس کی خدمت کرتے کرتے وہ اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے جب علم عالم کے تابع اور اس کا خادم بن جاتا ہے۔

قرنہا باید کہ تا یک عالمے از لطف طبع ۔۔۔ می شود شبیر احمد فاضلے دردیو بن

سیاست عثمانی

کسی قائد یا مصلح کی سیاسی زندگی یا سیاسی بصیرت پر قلم اٹھانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ یہ وہ پرخار وادی ہے جس کے نوک دار کانٹوں سے قدم قدم پر کف پا کو زخمی اور لہولہان ہونا پڑتا ہے۔ جس طرح قیادت صالحہ اور سیاست صحیحہ کے تاروں کو چھیڑنے کے لئے مضراب دانش و عقل کی سخت

ضرورت ہے اسی طرح کسی قائد سیاس کے گوشہ ہائے فکر و تدبر کا صحیح تجزیہ کرنا اور صحیح جائزہ لینا سخت مشکل ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی دنیائے اسلام کی سیاست داں ہستیوں میں ایک ایسی ہستی ہیں۔ جن کی سیاسیات کے لب بام تک پہنچنے کے لئے فہم کی ایک رسا کمند درکار ہے۔

بوصلش تا رسم صد بار بر خاک افگند شوقم
کہ نو پروازم و شاخ بلندے آشیاں دارم

تاہم "سیاسیات عثمانی" میں جو "تجلیات" کے اوراق کا ایک عنوان یا حصہ ہے میں اس امر کی پوری کوشش کروں گا کہ علامہ کی سیاسیات پر اول سے آخر تک جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں بقدر امکان ایک سیر حاصل تبصرہ کروں اور قاری کے سامنے اس سلسلہ کی ایک ایک کڑی کو جوڑ کر رکھ دوں جو میرے پیش نظر ہیں اور جن کو میں نے ان کے خطبات، تقاریر، مضامین اور جلسوں یا صحبتوں میں پڑھا یا سنا ہے۔

سیاست کی اہمیت اور سیاست دان کی ذمہ داری

کہنے کو تو سیاست ایک چھوٹا سا لفظ ہے مگر اس لفظ کی اہمیت اپنے دامن میں اس قدر وسعتیں رکھتی ہے کہ دنیا کے ممالک کے قوانین اور ان قوانین سے بھری ہوئی بے شمار کتابوں کی موشگافیاں سب اسی سیاست کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ ملکوں اور ان کے جوانوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کی جانوں اور عصمتوں کی حفاظت و سلامتی یا بربادی و ذلت اور بے عصمتی کا دارومدار اچھی یا بری سیاست اور موقع شناس سیاست دان یا نافہم حاکم و امیر یا قائد پر ہے۔ ہٹلر نے ۱۹۴۰ء کی جنگ میں یورپ کے چھکے چھڑا دیے لیکن مبصرین کا یہ تبصرہ بھی قابل غور ہے کہ اس کی غلط سیاست یعنی انگلینڈ کی بجائے روس پر حملے نے جرمن کو بربادی اور غلامی کے کنوئیں میں دھکا دے دیا۔ آج جرمنوں کا ملک تین حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے جن پر روس، امریکہ اور برطانیہ کا قبضہ ہے اعلیٰ اعلیٰ مبصر جنرل گورنگ جیسے تختہ دار پر چڑھائے جا چکے ہیں ہٹلر کی بوسیدہ ہڈیاں کس سرزمین پر ملک جرمن کا بھیانک انجام دیکھ رہی ہیں عالم الغیب کے سوائے کس کو معلوم ہے۔ یہ سب کچھ غلط سیاسی اقدام کے ثمرات ہیں۔ دوسری طرف چرچل نے روس اور امریکہ کو ساتھ ملا کر خصوصاً روس کو جرمن کے مقابلہ میں ڈال کر بہترین سیاسی پارٹ ادا کیا اور ملک کو شکست سے صاف بچا کر لے گیا۔ اس قسم کی غلط سیاسی تفصیلات کا یہاں موقع نہیں مثال کے لئے اسی قدر کافی ہے ورنہ تاریخ میں قدم قدم پر ایسے نمونے بے شمار مل جائیں گے۔

قائد اعظم کو سیاست دانوں کی فہرست میں ایسا اچھا مقام مل چکا ہے کہ پاکستان جیسا دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ان کی سیاسی بیدار مغزی کا ممنون ہے بالغرض سیاست کی اہمیت کسی صورت میں بھی

نظر انداز نہیں کی جا سکتی اور اسی بنا پر سیاست کا نازک مقام اتنا توجہ پرور اعتنا ہے کہ اس کے ناخن تدبیر پر قوم اور ملک کی گتھیوں کے سلجھنے کا انحصار ہے۔ اس لئے قائد کا انتخاب نہایت ہی احتیاط کا محتاج ہے۔

خلیفہ بادشاہ یا صدر کی ذمہ داریوں کا بار مسلم ہے۔ اسی لئے تو شیخ سعدیؒ نے پتہ کی بات کہہ دی ہے کہ فقیر صرف ایک روٹی کا غم رکھتا ہے اور بادشاہ کو تمام ملک کا اسی بار مملکت کی اہمیت کو وسیع معنی میں قرآنی اشارے نے کس قدر صاف کر دیا ہے۔

انا عرضنا الامانة على السموٰت والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوماً جهولاً

ہم نے امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا (کہ وہ اس کی ذمہ داری لیں) لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اس کا بار اٹھانے سے ڈر گئے اور انسان نے اٹھا لیا۔ یقیناً وہ ظالم اور جاہل نکلا۔

آخر کچھ تو بات تھی کہ امانت الٰہیہ کا یہ بار اٹھانے سے آسمان و زمین اور جبال جیسی عظیم الشان طاقتیں کانوں پر ہاتھ دھرنے لگیں اور انسان نے عقل کو برطرف رکھتے ہوئے عشق و ناز برداری کے مرکب امتزاج سے متاثر ہو کر اس کو اٹھا لیا۔ اس امر کا احساس صاحب امانت تک کو ہوا کہ انسان نے یہ ذمہ داری لے کر اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور ہماری امانت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کا اقرار کر کے ایسی حرکت کی ہے جو کسی نادان سے ہی ہو سکتی ہے چنانچہ زبان ناز سے ظلوماً جہولا کا لقب اس ناز برداری کے سلسلہ میں انسان کو عطا ہوا۔

جو بار آسمان و زمین سے نہ اٹھ سکا تو نے غضب کیا دل شیدا اٹھا لیا

ذمہ داری سے بچنا مردانگی نہیں

آیت مذکورہ کی تہ میں جو حقیقت کام کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ کسی کا کسی کی ذمہ داری قبول کرنا تعلق کی عین دلیل ہے ایک شخص کسی دوست کو ایک لاکھ روپیہ کسی دوسرے مقام سے اپنے گھر پہنچانے کے لئے پیش کرتا ہے لیکن وہ اس ذمہ داری سے ڈر کر انکار کر دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ احتیاط برت کر اس شخص سے ہمدردی یا محبت میں اجنبیت یا بزدلی کا ثبوت پیش کر رہا ہے لیکن اس کے برعکس جو شخص قیمتی امانت کا بار اپنی گردن پر رکھ کر اپنے آپ کو خطرے میں ڈالتا ہے یقیناً اس کو صاحب امانت سے محبت ہے۔ جس کا ثبوت خطرہ کا ارتکاب ہے۔ آسمانوں پہاڑوں اور زمین کو امانت کے اٹھانے کا حکم نہیں ہوا تھا بلکہ رب العزت کی طرف سے خود پیشکش تھی اور ان کے اختیار پر بار امانت کا معاملہ رکھا گیا تھا۔ اگر صاحب امانت کا حکم ہوتا تو تینوں میں سے کسی کو بھی

سرتابی کی مجال نہ ہو سکتی تھی اس لئے ان تینوں کی طرف سے حکم عدولی کا تخیل غلط ہے درآنحالیکہ "تسبح له السموات والارض" اور "سخرنا مع داود الجبال یسبحن والطیر" "یسبح له ما فی السموت والارض" کے اعلان کے مطابق آسمانوں پہاڑوں اور زمین سے تقدیس و تسبیح کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اشفقن منها سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امانت الٰہیہ کا بار آسمان و زمین اور پہاڑوں نے محض اس لئے اٹھانے سے معذرت کی کہ انہیں ڈر تھا مبادا یہ امانت ہم سے ضائع ہو جائے نیز ایسے ذمہ دارانہ بار اٹھانے پر حکم دینا بھی ربوبیت کب پسند کر سکتی تھی البتہ خود اس بار کے لئے استصواب لطف سے خالی نہیں۔

مقامات امانت

امانت کے مراحل پر غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ امانت کے دو مقام ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ امانت کا پہلا وہ مقام ہے جس میں احتیاط کے تقاضے کی بنا پر امانت کا بار اٹھانے سے بچنا اور خطرہ مول لینے سے پرہیز کرنا ہے یہی وہ مقام تھا جس کو آسمانوں پہاڑوں اور زمین نے اختیار کیا اور حوصلہ نہ پا کر ڈرتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔

۲۔ امانت کا دوسرا وہ مقام ہے جس میں احتیاط سے بے نیاز اور بے پروا ہو کر خطرہ سے کھیلنا اور جان جوکھوں میں ڈالنا ہوتا ہے چنانچہ اس مقام پر کھڑے ہو کر انسان نے بار امانت الٰہیہ کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھا لیا وہ سمجھتا تھا کہ ذمہ داری اور خطرہ سے دوچار ہوئے بغیر کاروبار جہاں چلنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اس لئے اس نے آگے قدم بڑھایا اور امانت کی ذمہ داری کو قبول کر لیا مقام عبودیت و خلافت کا تقاضہ بھی یہی تھا بلکہ مردانگی و جوانمردی کا ثبوت بھی اس طرح دیا جا سکتا تھا نہ اس طرح جیسا کہ آسمان و زمین نے دیا۔

سیاست و خلافت

ذکر تو سیاست کی اہمیت کا تھا مگر بات خلافت تک جا پہنچی اور جا پہنچی بھی تھی کہ سیاست صالحہ اور خلافت دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے کیونکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے احکام الٰہیہ کے ماتحت دنیا میں میزان اعتدال قائم رکھنا اور مہمات ملکی اور حقوق انسانی کا واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان کے مطابق توازن کرنا خلافت یا نیابت الٰہیہ ہے لہذا ان اصول و ضوابط سے میزان اعتدال کو قائم رکھنا سیاست صالحہ کہلائے گا۔ اس لئے جب امانت "خلافت کا نام ہے اور خلافت میں سیاست صالحہ کی سخت ضرورت ہے تو امانت کا بار اور ذمہ داری اور اس کی نزاکت و

اہمیت سیاست صالحہ کی اہمیت سے وابستہ ہو جاتی ہے جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ سیاسی کا فرض ہے کہ وہ سیاست کی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر اہل ملک کی عصمت و حفاظت کا مقام پہنچانے اور اس وادی پرخار میں قدم رکھنے سے پہلے سوچے اور سمجھے کہ میں نے ملک اور قوم کی کتنی بڑی ذمہ داری اپنی گردن پر لی ہے اگر وہ اپنے ناتواں کندھوں کو اس بار کے قابل نہ سمجھے تو احتیاط اور دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ذاتی نفع یا حصول شہرت کے لئے لیڈر بن کر قوم کو ہلاک کرنا انتہا درجہ کی بدبختی ہے۔

علامہ عثمانی علیہ الرحمت نے **والسماء رفعها ووضع الميزان ان لاتطغوا فی الميزان** " کی تفسیر میں جو گہر افشانی کی ہے اس میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ میزان سے مراد بعض کے نزدیک یہاں میزان عدل و انصاف اور تکافو و تساوی حقوق عباد ہے بلکہ آسمان و زمین میزان عدل کے دو پلڑے ہیں جن کے بیلنس اور توازن سے دنیا کا مزاج اعتدال پذیر رہتا ہے اگر دنیا میں انصاف کا عمل رک جائے تو زمین و آسمان میں فساد لازم آئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ دنیا میں جادۂ انصاف و اعتدال سے ہٹ کر میزان آسمان و زمین میں طغاوت کر رہی ہے جس کا نتیجہ **ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس** (خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال بد کے باعث فساد پھوٹ پڑا) کی صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے ہے پس خلافت الٰہی یا سیاست عقلی ایک ہی مفہوم کے دو مختلف نام ہیں اور میرا مدعا بھی سیاست سے یہی سیاست اسلامیہ یا خلافت الٰہی ہے جس میں شریعت مطہرہ کے موافق ملکی مزاج کا اعتدال حقوق عباد، ضبط ثغور، دفاع ملک، ترقی ولایات، استحکام وطن، آزادی قوم وغیرہ تمام ملکی نشیب و فراز مضمر ہیں۔

اگر سیاست کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو سیاست کی اہمیت اور نیابت الٰہیہ کے ساتھ اس کا توافق قطعی ثابت ہو جائے گا۔

سیاست کے لغوی اور اصطلاحی معنی

سیاست کے لفظی معنی گھوڑوں کی دیکھ بھال یا نگہبانی کے ہیں لفظ "سائس" جو اردو میں کثرت استعمال سے سائیس بن گیا لفظ سیاست سے ہی ماخوذ ہے جس کے معنی گھوڑوں کے نگراں کے ہیں۔ لیکن اب لفظ سیاست کو سن کر گھوڑوں کی دیکھ بھال کی طرف ذہن قطعاً منتقل نہیں ہوتا بلکہ جب سیاست کا لفظ کانوں کے پردے سے ٹکراتا ہے تو اس سے ملکی سیاست کا تخیل دماغ کے پردوں پر تصویریں بنانا شروع کر دیتا ہے۔

الحاصل منطقی نظریہ کے مطابق اصطلاحی اور لغوی معنی میں مناسبت و ربط لازمی ہے چنانچہ اصطلاح میں سیاست کے معنی بھی وہی ملکی دیکھ بھال وہی ملکی تدابیر کے ہیں جن کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے۔

علامہ جلال الدین دوانی کا قلم اخلاق جلالی میں تمدن و سیاست کا تعارف حسب ذیل الفاظ میں اس طرح پیش کرتا ہے:۔

"حکما گفتہ اند انسان مدنی بالطبع ست یعنی محتاج است بطبع باجتماع مخصوص کہ آنرا تمدن خوانند و چوں دواعی طبائع مختلف است و ہمہ نفوس مجبول اند بر طلب نفع خود اگر ایشاں را بطبع خود باگزارند تعاون ایشاں منتظم نگردد چہ ہر یک برائے نفع خود اضرار دیگراں نمایدہ مودی بتنازع گردد بافناء و افساد ہمدیگر مشغول شوند پس البتہ تدبیرے باید کہ ہر یک را بآنچہ حق اوست راضی گرداند و دست از تعدی ہمدیگر کوتاہ دارند و آں تدابیر را سیاست عقلی خوانند"۔

حکمانے کہا ہے کہ انسان فطری طور پر مدنی ہے یعنی ایک خاص اجتماع کا فطرتاً محتاج ہے جس کو تمدن کہتے ہیں اور چونکہ طبائع کی خواہشات مختلف ہوتی ہیں اور تمام انسان اپنے نفع کے حصول کی فطرت رکھتے ہیں اس لئے اگر ان کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو وہ باہم تعاون نہیں کر سکتے کیونکہ ہر ایک اپنے نفع کی خاطر دوسرے کے ضرر کے پیچھے پڑ جائے گا تا آنکہ نزاع تک نوبت پہنچ جائے گی اور لوگ ایک دوسرے کو فنا اور برباد کرنے کے لئے مشغول ہو جائیں گے۔ لہذا کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ ہر شخص کو اس کے حق پر راضی کر دیں اور ایک دوسرے پر ظلم کا ہاتھ دراز کرنے سے باز آ جائیں انہی تدابیر کا نام سیاست عقلی ہے۔

سیاست کی اس تعریف کے بعد خلافت اور سیاست صالحہ کی قدروں میں صاف توافق و اشتراک پایا جاتا ہے لہذا امانت الٰہیہ اور سیاست عقلی کی ذمہ داریوں اور نزاکتوں کا صحیح احساس قائد یا سیاست دان کی قابلیت واحتیاط کا سخت محتاج ہے۔

علامہ عثمانی کو مسلمانان ہندوستان کے مستقبل کی خوش بختی یا تباہی آزادی یا غلامی کے روح افزا یا روح فرسا حالات کے لئے قیادت مسلم لیگ کی راہ کس احتیاط اور ذمہ داری سے دکھاتے ہیں آئندہ عبارت میں اس کا جائزہ لیجئے۔

علامہ کا سیاسیات میں محتاط اقدام

ہندوستان کے افق سیاست پر کانگریس کا آفتاب عرصہ سے چمک رہا تھا۔ ابتداء میں یہ آفتاب ہندو مسلم دونوں کے لئے ضیا بخش تھا۔ ہر قوم کے افراد اس سے اکتساب نور کر رہے تھے لیکن ایک وہ وقت آیا کہ اس آفتاب کا پرتو ہندو قوم پر زیادہ جلوہ فگن ہونے لگا۔ اس وقت مسلم قوم کا ایک فرد تھا جس نے اس آفتاب کے مقابلہ میں مسلم لیگ کے آفتاب کو زیادہ کر کے مسلمانان ہندوستان

کے سیاسی افق پر چمکنا شروع کر دیا۔ لیکن ایک جدا چراغ روشن ہونے کے باوجود مسلمانوں کی بعض مقتدر جماعتیں تاہنوز اسی کانگریس کے سورج کی روشنی میں مسلمانوں کی منزل آزادی تلاش کرنا چاہتی تھیں مگر جماہیر مسلمانان ہند اپنی خوش بختی مسلم لیگ کے مہر منیر سے وابستہ کرنا پسند کرتے تھے۔ ان کے سامنے ایک طرف قائداعظم جیسی بے لوث، مخلص اور سیاست داں ہستی کی روز افزوں مقبولیت کا سوال تھا اور دوسری طرف مولانا ابوالکلام آزاد ایسے سیاست دان عالم کی کانگریس میں شمولیت کا مسئلہ بھی پیش نظر تھا۔ مسلمانوں کا ایک طبقہ سخت کش مکش میں تھا ان کو اپنے ایمان کی بھی فکر تھی اور صحیح منزل مقصود کی اس مقصد کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے ایک شمع روشن کی اور مسلمانوں کو لیگ میں شامل ہونے کے لئے شریعت غرا کی روشنی میں راہ ہدایت دکھانی شروع کی۔ آپ نے پوری قومی اور اسلامی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے خود بھی لیگ میں شمولیت کی اور مسلمانوں کو بھی پوری سیاسی اور مذہبی دلائل کی قوت سے لیگ کی دعوت دی چنانچہ علامہ کے خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ منعقدہ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کی حسب ذیل عبارت ان کی لیگ میں شرکت اور ان کے نہایت محتاط اور ذمہ دارانہ اقدام کی آئینہ دار ہے۔ میرٹھ مسلم لیگ کے خطبہ صدارت میں لکھتے ہیں:۔

”راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اسی شش و پنج میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاصی تاخیر سے میں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور و فکر کیا۔ اللہ سے دعائیں کیں اور استخارے کئے بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے“ (خطبہ صدارت میرٹھ ص ۱۱)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دور کی نازک سیاست کی قیادت اور رہنمائی کرنا بڑا ذمہ داری کا کام ہے اور اس ذمہ داری میں قدم رکھنے سے پہلے علامہ نے قرآن و حدیث اور سنت پر غور کیا اور نظریہ پاکستان اور لیگ کی تائید میں قدم اٹھانے سے پہلے استخارے کئے اور پھر عملی قدم اٹھایا۔ خطبہ کی اگلی فقہی عبارت علامہ کے فقہ کے باب میں پہلے گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے جس میں امام محمد رحمۃ اللہ کی السیر الکبیر سے انہوں نے لیگ میں شرکت اور اس کی تائید کو دلیل بنایا ہے۔

کیا علامہ سیاست دان نہ تھے؟

بعض اہل فکر و قلم کو یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ علامہ سیاسی آدمی نہ تھے۔ اس نظریہ کا اگر یہ

مطلب ہے کہ وہ سیاست کے پیچھے اس طرح لگے ہوئے نہ تھے کہ رات دن ان کو یہی شغل ہو تو اس معنی میں ان کا یہ کہنا درست ہے کہ وہ اس طرح کے سیاسی نہ تھے لیکن جب ملک کی نازک ذمہ داریاں اور مسلمانوں کے اہم حقوق کا سوال سامنے آتا تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہے۔

۱۔ وہ صاحب قلم تھے اور صاحب قلم نازک موقعوں پر بغیر جنبش قلم نہیں بیٹھ سکتا۔

۲۔ وہ صاحب لسان تھے اور صاحب لسان لسانی جہاد سے خاموش نہیں رہتا۔

۳۔ وہ صاحب علم و حکمت تھے اور صاحب علم و حکمت اپنے علم و فضل دل اور دماغ فضیلت و لیاقت کو قومی اہم اور نازک تقاضوں کے وقت میں معطل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مفتی عتیق الرحمان صاحب کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ تو سیاسیات سے الگ رہا کرتے تھے آپ نے فرمایا:۔

"آپ نے یہ کیا کہا کہ میں سیاسیات سے ہمیشہ علیحدہ رہا ہوں گزشتہ چند سالوں کو چھوڑ دیجئے اس سے پیشتر جمعیۃ العلمائے ہند میں ہماری بھی تو کچھ ناچیز خدمات رہی ہیں۔ ہم نے بھی تو کچھ معرکے سر کئے ہیں"۔ (مکالمہ ص ۳۳)

علم و عقل

دنیا میں ہمیشہ اپنے اپنے دور میں اچھے عالم اور زبردست اہل علم پیدا ہوتے رہے ہیں لیکن عالم جب تک عاقل نہ ہو اس کے علم سے فائدے کی بجائے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے جب کسی اہل علم میں عقل کی کمی محسوس کی گئی ہے تو اس کے فقدان کے باعث امت کے اہم مسائل کا حل مشکل ہو گیا ہے اگرچہ شریعت میں ہر درد کی دوا موجود ہے لیکن روحانی طبیب میں تشخیص اور نسخہ کی تجویز صحیح نہ ہونے کے باعث قوم کا مریض صحت یاب نہ ہو سکا۔ ایسے مریضوں کو اہل عقل علما کی ضرورت رہا کی ہے چنانچہ امام غزالیؒ امام رازیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب انہی اہل عقل و حکمت میں سے ہیں جنہوں نے شریعت کے مزاج کو سمجھا ہے اور ان کے علم کے ساتھ عقل اور حکمت رہا کی ہے۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ بھی عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عاقل تھے۔ وہ شریعت کے مزاج کو سمجھتے تھے اور عقل سے تولتے تھے۔ کوئی بات ذمہ داری اور تحقیق سے خالی نہ ہوتی تھی۔ زمانے کے تقاضوں کو سمجھتے تھے اور ان کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھنے کی پوری قابلیت رکھتے تھے یعنی ایسے فقیہ دانش مند تھے جن کی شریعت کو ضرورت ہوتی ہے۔ بلاشبہ وہ امام غزالیؒ رازیؒ شاہ ولی اللہ اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کے ایک خاص فرد تھے۔ کسی سادہ آدمی نے کیا بات کہی ہے کہ "ایک من علم کے لئے دو من عقل" کی ضرورت ہے۔ چنانچہ علامہ عثمانیؒ میں جہاں ہزار من علم تھا

تو نو ہزار من عقل بھی تھی۔ وہ کسی مسئلہ کو محض جذبات سے کبھی بھی حل کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے جیسا کہ عام طور پر بعض علما کا دستور ہے۔ جذبات سے حل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ سائل کو ایسے علما کے جواب سے اگر عارضی تسلی ہو بھی جائے لیکن دائمی طور پر دل شفایاب نہیں ہوتا۔

شفایابی اور تسلی

علامہ عثمانی کے یہاں جواب میں شفا ہوتی تھی۔ اطمینان وسکون نصیب ہوتا تھا تحقیق ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کی جب مسئلہ تقدیر جیسے اہم مسئلہ میں تسلی نہ ہوتی تو وہ علامہ کی طرف آتے اور آپ ان کو محققانہ جواب دے کر خوش خوش واپس کرتے۔ آپ ڈابھیل سے رمضان شریف کی تعطیل میں تشریف لاتے اور دارالعلوم کے طلبہ آپ کی خدمت میں مسائل کے حل اور تسلی کے لئے جاتے۔ وجہ صرف یہی تھی کہ وہاں علم کے ساتھ حکمت اور عقل بھی تھی جس کو انگریزی میں Wisdom کہتے ہیں۔

اخبار الجمعیۃ دہلی کے ایڈیٹر اپنے آرٹیکل میں لکھتے ہیں:۔

”مرحوم علامہ عثمانی صرف ہندوستان اور پاکستان ہی کی امانت نہ تھے بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے چراغ ہدایت تھے۔ آپ کے علمی فیضان کا دائرہ افغانستان، ایران، انڈونیشیا، چین، سماٹرا، تبت، ملایا، مصر، الجزائر اور دوسرے اسلامی ممالک تک وسیع تھا اور آپ کی شخصیت ہمیشہ بین الاقوامی شہرت کی سرمایہ دار رہی۔ ہندوستان و پاکستان میں وہ کون سا مستند عالم ہے جسے مرحوم کی شاگردی اور تربیت کا فخر حاصل نہ ہوا ہو؟ حقیقت یہ ہے اور اس میں مبالغہ کا کوئی شائبہ نہیں ہے کہ مرحوم کی وفات کے بعد علمی دنیا میں ایک ایسی جگہ خالی ہو گئی ہے جس کا پر ہونا بظاہر حالات مشکل نظر آتا ہے“۔ (الجمعیۃ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۹ء آرٹیکل)

اور برادر عزیز استاذ زادہ مولانا ازہر شاہ نے مضمون میں لکھا:۔

”اہل پاکستان اپنے شیخ الاسلام اور مذہبی قائد کے انتقال پر افسوس کرتے ہوں گے یہاں ہندوستان میں ان کے لاکھوں نیاز مند جماعت دیوبند کے سب سے بڑے عالم کی جدائی پر غمزدہ ہیں“۔

(ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۹ جنوری ۱۹۵۰ء ص ۱۰)

اگر دنیائے اسلام کے لوگوں کی صرف رائیں ہی پیش کی جائیں تو ایک کتاب بنتی ہے اسی طرح ان کی سیاست دانی کے متعلق سیاست دانوں کی باتیں سنئے:۔

سیاست دانی

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سابق نائب وزیر داخلہ ونشریات پاکستان نے علامہ کی وفات کے روز ریڈیو پاکستان سے ان کے متعلق اپنی تقریر میں براڈ کاسٹ کرتے ہوئے کہا:۔

"مجھے بعض ملی مسائل پر غور وخوض کے سلسلے میں علامہ عثمانی کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا اور دستور بنانے کے سلسلہ میں بھی مجلس دستور ساز کے اندر اور اس کے باہر تبادلہ خیالات کا موقع ملا جس سے مجھے معلوم ہوا کہ مولانا نہ صرف علم دین اور علوم شرقی میں تبحر رکھتے تھے بلکہ سیاسی مسائل کو بھی سمجھنے میں دقت نظر اور وسعت فکر کے حامل تھے۔ مصالح ملکی اور امور دین کا وہ صحیح امتزاج جو اسلام کی خصوصیت ہے۔ مولانا کے قول وفکر میں نمایاں تھا"۔ (آہنگ جنوری ۱۹۵۰ء ص ۱)

شہید سہروردی کی رائے

پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر سہروردی نے علامہ عثمانی کے سیاست دان ہونے کو حسب ذیل الفاظ میں تسلیم کیا ہے:۔

"مولانا کی شخصیت زہد وتقویٰ، علمی فضیلت اور سیاسی بصیرت کا اجتماع تھی۔ وہ علوم دینیہ اور قانون شرعیہ کے متبحر عالم تھے اس کے ساتھ ساتھ انہیں جدید رجحانات کا بدرجہ اتم احساس تھا اور وہ واحد انسان تھے جو موجودہ زمانے کے تقاضوں اور الجھنوں کا اسلامی افکار کی روشنی میں حل بتا سکتے تھے۔ انہوں نے اسلامیان ہند کی جس انداز میں قیادت اور رہنمائی کی اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔"

(اخبار زمیندار ۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء ص ۱ کالم نمبر ۱،۲)

مولوی تمیز الدین صدر دستور ساز اسمبلی کی رائے

مولوی تمیز الدین صاحب سابق صدر دستور ساز اسمبلی پاکستان نے کراچی میں علامہ عثمانی کے ایک تعزیتی جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے اپنی تقریر میں ان کو زبردست سیاست دان کہا ہے۔ انہوں نے کہا:۔ "ایک دفعہ میں اور مسٹر لیاقت علی ایک خاص اہم سیاسی معاملہ میں پریشان تھے کہ اس کو کس طرح حل کیا جائے جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو ہم علامہ شبیر احمد عثمانی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے اس معاملہ میں استصواب کیا مولانا نے سنتے ہی فوراً اس گتھی کو سلجھا کر رکھ دیا اور ہم مطمئن ہو کر واپس لوٹے جس سے ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ (بروایت مولانا محمد بخش مسلم لاہور)

اگر میں علامہ موصوف کے سیاست دان ہونے پر مستند لوگوں کے اقوال پیش کروں تو مضمون طویل ہو جائے گا اس لئے صرف مذکورہ بالا سیاست دانوں کے اقوال پر بس کرتا ہوں۔ آگے چل کر ان کی سیاسیات پر جو تبصرہ ہوگا اس سے قاری بخوبی اندازہ لگا سکے گا کہ ان کا سیاست میں مقام کتنا بلند تھا۔

ملکی حکومت

ڈھاکے کے خطبہ میں انہوں نے پاکستان کے لئے جن بنیادی قوانین اور اصول کو پیش کیا ہے وہ ان کی اسلامی قانون سازی قانون دانی اور سیاست کے بہترین آئینہ دار ہیں اور جن کو ہم ان شاءاللہ آئندہ اوراق میں پیش کر رہے ہیں۔ انہوں نے دو سال کے عرصہ میں پاکستان کے قیام میں قانون سازی کے لئے اپنی ایک کمیٹی بنائی تھی۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ حکومت پاکستان سے اسلامی قانون کے اجراء کا مطالبہ کرتے ہوئے جس قانون کو پیش کیا جا سکے اس کا ایک خاکہ پہلے سے مرتب کر لیا جائے چنانچہ آپ نے شبانہ روز اس کام کو انجام دے کر قانون کا ایک پورا دفتر چھوڑا جو مولانا احتشام الحق صاحب کے پاس موجود ہے۔ ان امور کے بعد ان کے سیاست دان ہونے پر بحث کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

علماء اور سیاست

ایک خود بیں طبقے کی یہ رائے چلی آ رہی ہے کہ علما اور سیاست دو متضاد چیزیں ہیں مگر اس خیال کا اگر بنظر انصاف تجزیہ کیا جائے تو کسی حد تک یہ امر صحیح ہے اور کسی حد تک غلط۔

صحیح اس لئے کہ وہ تنگ نظر نام نہاد علما جن کو علوم شریعت میں فکر و فہم اور مطالعہ سیاست اور نشیب و فراز ملکی میں وسعت قلبی و ذہنی حاصل نہ ہو سیاست ان کے بس سے باہر ہے۔ مگر یہ انہی پر کیا موقوف ہے علما کے علاوہ وہ طبقہ جس کو مغربی علوم سے واقف ہونے کا دعویٰ ہوتا ہے وہ بھی اپنی فطرت غیر مستقیم اور محدود دائرہ بصیرت کے باعث قوموں کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ لہذا یہ رائے صرف علما ہی پر نہیں بلکہ غیر علما پر بھی چسپاں ہو سکتی ہے۔

لیکن کسی حد تک مذکورہ بالا تنقید اس لئے غلط ہے کہ تاریخ اسلام کے بہت سے درخشاں اوراق اور صفحات اس حقیقت کو روشن کر رہے ہیں کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک علما کی ایک جماعت ہمیشہ ہر دور میں ایسی رہی ہے جس نے سیاسیات صالحہ سے ملک کی صحیح نمائندگی کی ہے۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ سیاسیات میں حصہ لینے کے عنوانات اور ان کی راہیں جدا تھیں۔ بلکہ آج دنیا میں انہی علمائے حق کی سیاسی و مذہبی بصیرت کے نیک نتائج ہیں کہ مسلمان دنیا کی جدوجہد میں برابر کے شریک نظر آ رہے ہیں۔

جس خوش فہم طبقہ کا گوشہ چشم علما اور سیاست کے اجتماع ضدین کی طرف ہے وہ دراصل یورپ کے اس نظریہ کا عکس اپنے آئینہ ادراک میں پا رہے ہیں جس نے سیاسیات کو پاپائے روم سے الگ کر دیا ہے۔ وہ اس سے بے خبر ہیں کہ اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو کا ضامن اور انسانی اجتماع کی ہر روحانی ویاہی ضرورت کا کفیل ہے اور یہی ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو کا ضامن اور انسانی اجتماع کی ہر روحانی و مادی ضرورت کا کفیل ہے اور اسی ضابطہ حیات کو لے کر ہمارے اسلاف نے دنیا کو ایک مکمل انسانی زندگی بخشی جس نے باطل پرستوں کو حق پرست گداؤں کو سلطان جاہلوں کو عالم سنگ دلوں کو رحم دل، قزاقوں کو محافظ اور بے شعوروں کو صاحب شعور کجرووں کو راست باز سرکشوں کو منقاد و مطیع بے شرموں کو باحیا غلاموں کو حکمراں اور مس خام کو کندن بنا دیا تھا۔ بقول حالی۔

مس خام کو جس نے کندن بنایا　　کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا　　پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی　　عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

الغرض بلا تعصب یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ علمائے دیدہ ور ہی صحیح معنی میں سیاسیات صالحہ کے اہل ہو سکتے ہیں جن کی وسیع نظریں زمانے کی نبضوں کی دھڑکنوں اور تقاضوں کو پرکھتے ہوئے قرآن و سنت اور فقہ کی بصیرت کے ماتحت دینی اور ملکی کلیات و جزئیات پر گہری نظر رکھ سکتی ہیں۔ یہ بھی اگرچہ مشکل نہیں کہ شریعت غرا سے ناواقف اور سیاسیات اسلامی سے نابلد مغربیت، پالیٹکس کی راہ سے ملکی معاملات میں دخیل ہو اور کسی درجہ تک ملک کو ایک مرکز پر لا کر جمع کر دے لیکن اسلام جن قوانین اور نظریات کا نور دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے اس کے بغیر صلاحیتوں کی تکمیل ناممکن ہے اور وہ نور دین متین کے صحیح حاملین ہی کے ذریعہ جلوہ نما ہو سکتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی

بیرون ہند کے اسلامی شہنشاہوں اور آزاد خلفا کی مطلق العنانیوں اور سیاسی لغزشوں کو چھوڑ کر ذرا ہندوستان میں مسلمان سلاطین کے خلاف مذہبی اور سیاسی اقدام علما کی بہت کچھ سرگرمیوں کا پتہ دیتا ہے۔ آیئے سلطنت مغلیہ پر ایک سرسری نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ سلطنت مغلیہ کا Akbar the grat (اکبر اعظم) کبھی مسلمان گاہے عیسائی، بعض اوقات خالص برہمن غرض اس نے بیسیوں

مذہبی بہروپ بھرے اور روپ دھارے اور ہندوؤں کو ملکی اور مذہبی حقوق دیے کہ ان کی خاطر اپنا دین تک تج دیا۔ اپنی صورت بدلی سیرت بدلی، نسل بدلی، رنگ بدلا غرض کہ اپنی سب دنیا بدل ڈالی تا آنکہ مسلمانوں کا اسلامی اور دنیاوی مستقبل ہندوستان میں سخت تاریک ہونے لگا تھا۔ اس وقت ایک صداقت کی کرن چمکی یعنی حضرت مجدد الف ثانی نے اسلام اور اسلامیان ہند کے مفاد کے لئے اکبر کی پھیلائی ہوئی گمراہ سیاست کو چیلنج کیا۔ جہانگیر کے چاروں طرف شعیت کے جال پھیلے ہوئے تھے اور اکبر کے اثرات نے اس کی صورت کو خالص ہندو صورت بنا دیا تھا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی غیرت ملی نے یہاں چیلنج کیا۔ جہانگیری سطوتوں نے مجدد وقت کو زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا اور آخرکار روحانیت کی طاقت نے مادیت کے ایک ایک پھندے کو کاٹ کر پھینک دیا۔ حق کے سامنے باطل کا سر جھکا۔ جہانگیر حلقہ ارادت میں داخل ہوا اور سیاست و مذہب کے دھارے نے اپنا رخ بدلا۔ مجدد علیہ الرحمۃ کا یہ وہ کارنامہ ہے کہ اگر آپ حکومت وقت کے اس طرح آڑے نہ آتے تو کفر کا حریصانہ منہ کبھی بند نہ ہوتا اور طاغوت کا یہ آتش فشاں پہاڑ آئندہ چل کر ایسا پھٹتا کہ اپنی لپیٹ میں تمام اسلامیان ہند کو لے کر خاکستر بنا دیتا۔ لیکن قدرت کے غیبی ہاتھ نے بروقت ایک مرد خدا کو کھڑا کیا جس کی مسیحا نگاہوں نے مسلمانوں کے ملی مذہبی اور سیاسی مریض کو سنبھالا دیا۔ اکبر جس کے عہد میں لامذہبیت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جہانگیر کے زمانے میں اس کے تلاطم میں سکون اور اس کی گرمی میں کچھ ٹھنڈ پیدا ہوئی اور بالآخر ان مجددانہ انوار و برکات اور مجاہدانہ اعلائے کلمۃ الحق اور جانفروشیوں سے اکبر اور جہانگیر کے بعد جودا بائی دختر مہاراجہ اودے پور کے کافرانہ بطن سے شاہ جہاں جیسا تہجد گزار اور پختہ مسلمان اسلامی جذبات کا پیکر ظہور میں آیا اور بالآخر انہی مجددی نور کی شعاعیں عالمگیرؒ جیسے عالم باعمل اور خالص متقی بادشاہ کی صورت میں پھوٹیں کہ کفر کا سمندر جس جوش سے ابھرا تھا اسی طرح دب گیا۔ مسلمانوں کے اقتدار کی ساکھ پھر قائم ہو گئی ورنہ اکبر کے بعد ہی ہندوستان میں رام راج کی ندیاں بہتیں۔

اکبر سے لے کر عالمگیر تک علمائے ہند کے شاندار ماضی" کے الفاظ میں سلاطین مغلیہ کے شہنشاہوں کے درجات ملاحظہ فرمایئے۔

"عمل اور رد عمل کی ترتیب زمانہ اکبر سے لے کر عہد عالمگیر تک حسب ذیل ہے:۔

اکبر..........لامذہب

جہانگیر..........مذہبیت اور لامذہبیت میں متوسط

شاہجہاں .... مذہبیت میں پختہ حنفیت اور ہمدردیت میں متوسط

عالمگیر .... مذہبیت میں پختہ اور خالص ہمدردی"۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی صفحہ ۵۴۳)

جس طرح دن کے نور کے بعد رات کی ظلمت آتی ہے اسی طرح

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

کے مطابق اسلام و ہدایت کا روشن آفتاب کفر کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے نبرد آزما رہا ہے۔ خاندان ولی اللٰہی نے اپنی ہدایت کی روشنی سے ہندوستان کے کفرستان کی شاموں کو اسلامستان کی صبحوں کے بنانے کے لئے وقف کر دیا لیکن ایک وقت ہندوستان میں وہ آیا جبکہ سلطنت مغلیہ کا چراغ انگریز کی سیاست سکھوں کی چیرہ دستیوں مرہٹوں کی نبرد آزمائیوں کے تھپیڑوں سے گل ہو گیا۔ ہر طرف مسلمانوں کی بے کسی اور ان کے بڑے بڑے خاندانوں کی تباہی ان کا نوحہ کر رہی تھی۔ دلی کے شاہجہانی لال قلعہ پر بالکل آمنے سامنے اغیار کا جھنڈا لہرا کر شاہی مسجد کی بلند میناروں کی اسلامی غیرت کو مجروح کر رہا تھا۔ بہادر شاہ ظفر شہنشاہ ہند اس کی عصمت نواز بیگمات اور اس کے جگر پارے شہزادے قلعہ معلی سے نکل چکے ہیں۔ وہ اب انگریز کے زبردست شاہنی پنجے میں ایک مولے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ بحیثیت ملزم بر سر عدالت لایا جاتا ہے حتیٰ کہ سلطنت مغلیہ کی یہ آخری یادگار رنگون میں نظر بند رہ کر ہمیشہ کے لئے موت کا جام پی لیتی ہے۔ آہ وہ قلعہ جس میں صبح و شام بہاریں ہی بہاریں تھیں باد خزاں کے جھونکوں سے پامال ہو کر رہ گیا۔ اس بہار و خزاں کی دونوں کیفیتوں کو غالب سے پوچھئے جس کی نگاہوں نے دونوں نقشے دیکھے اور دل تڑپ کر رہ گیا۔ یہ وہی غالب تھا جو کثرت ذوق کے بعد قلعہ کی عظمتوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا تھا اور بہادر شاہ ظفر کے پاس سلام محبت پیش کرتا تھا اور اس کی موت اور قلعہ سے نکل جانے کے بعد غالب کے دل پر کیا گزری وہ یوں بیان کرتا ہے۔

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط داماں باغبان کف گل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آ کر تو بزم میں نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

غرض ہر طرف مسلمان پامال سیاسی چال میں مات اقتصادیات میں برباد عزتیں غیر معصوم معصوم غیر محفوظ مستورات غیر مستور جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو قابل دار ہے۔

حضرت مولانا اسماعیل صاحب اور حضرت مولانا سید احمد صاحب شہید بریلوی نے علم جہاد بلند کیا اور ہندوستان کے مسلمانوں میں اسلامی روح پھونک کر ان کے دلوں میں مذہبی پارہ بھر دیا۔

مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک اسلامیان ہند جذبہ جہاد سے سرشار ہوکر اللہ کی راہ میں سربکف ہونے کے لئے تیار ہوگئے۔ حضرت سید شہیدؒ سندھ کے راستہ کابل پہنچے جس راہ سے گزرتے لاکھوں آدمی پروانوں کی طرح اس شمع الٰہی کے چاروں طرف طواف کرتے اور جلنے کو تیار ہوجاتے۔ عورتیں، بوڑھے، بچے اور جوان گھروں سے نکل نکل کر اس مجاہد اور اس کے لشکر کے والہانہ اور مجاہدانہ مناظر کا تماشا دیکھتے اور جہاد اسلام میں شامل ہونے کی کوشش کرتے۔

الغرض اس مرد حق نے کابل کی سرحد کی طرف سے صوبہ سرحد پر حملہ کیا اور سکھوں سے جہاد کر کے ان کے چھکے چھڑا دیے جتنا علاقہ مجاہدین کے بس میں آیا اس میں اسلامی قانون جاری کیا اور حدود خداوندی کا نفاذ بروئے کار آیا لیکن جبکہ مجاہدین کا لشکر بالاکوٹ میں ایک محفوظ اور مامون جگہ پر مطمئن پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور آئندہ کے پروگرام کے لئے تیاریوں میں مصروف ہونے سے پہلے صد سالہ شب بیداری سے زیادہ صاحب فضیلت خواب میں محو استراحت تھا۔ بعض غدار مسلمانوں کی راہنمائی سے دشمنوں کے کامیاب شب خون کا شکار ہوکر تباہی اور بربادی سے دوچار ہوا تو مجاہدین کی تمام امنگیں خاک میں مل کر پیوست ہوگئیں اور یہ حربہ بھی ایک وقت تک کے لئے ناکام ہوگیا۔

یہ سب سیاسی اور ملی مجاہدے چند علمائے حق پرست ہی کی دماغی اور جسمانی کاوشوں کا نتیجہ تھے۔ حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند نے بھی ۱۸۵۷ء میں برطانیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ کڑیاں جھیلیں اور مسلم حکومت کے ہندوستان میں قیام کے لئے بہت کچھ جتن کیے۔ جن سے انکار نہیں ہوسکتا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دارالعلوم دیوبند نے افغانستان، حجاز، شام، ترکی کے سلاطین اور گورنروں انور پاشا، غالب پاشا وغیرہم کے پاس اپنے نمائندے بھیج کر اور خود ممالک اسلامیہ کا سفر کر کے ان سے ملاقات کی اور ہندوستان پر حملہ آور ہونے اور اسلامی حکومت کے قیام کی تدبیریں اختیار کیں۔ لیکن وائے بر حال مسلمانان ایک خادم خاص انیس احمد بی اے (علیگ) نے جو جاسوسی کے لئے ہی برطانیہ کی طرف سے مامور تھا۔ جاسوسی کر کے برطانیہ اور دشمنان اسلام کے ہاتھ مضبوط کر دیے ادھر شریف مکہ کی غداری اور اسلام دشمنی نے شیخ الہند کو برطانیہ کے سپرد کر دیا اور بالآخر حضرت شیخ مالٹا میں اسیر کر دیے گئے۔ رہائی پر بھی ملکی سیاسیات میں خوب خوب حصہ لیا اور آخر یہ مجاہدانہ عزائم سے سرشار وقت کا جید شیخ خدمت و سیاست اسلام پر جان قربان کر کے دنیا سے رخصت ہوگیا اور ان کے بعد ان کے خاص جانشین حضرت مولانا انور شاہ

صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الاسلام پاکستان مولانا عبیداللہ سندھی مولانا حسین احمد صاحب مدنی وغیرہم ملکی سیاسیات میں حصہ لیتے رہے۔

غرض علمائے ربانیین کے سیاسیات سے لبریز کارناموں سے ہر عہد اور دور کی تاریخیں بھری پڑی ہیں اس لئے سیاست اور علما کو اجتماع ضدین کہنا یورپ کی اس تنگ نظر ذہنیت کے ماتحت ہے جس نے پاپائے روم کو مذہب عیسوی کی چہار دیواری میں مقید کر کے اقتدار کی باگ کو سیاست اور مذہب کو متضاد کہہ کر اپنے ہاتھ میں لی۔

شریعت اسلام اور سیاست

مذکورہ مضمون دراصل ثمرہ اور نتیجہ ہے اس حقیقت کا کہ آیا مذہب اسلام میں سیاست کا کوئی علیحدہ باب ہے جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں یا مذہب اسلام نے سیاست کی وسیع راہیں بھی دکھائی ہیں یا نہیں۔ کیا مذہب اسلام عبادات' معاملات' اقتصادیات' سیاسیات' اخلاقیات اور تمام علمی و عملی زندگی کا مکمل اور ٹھوس نظام ہے یا نہیں۔ اس امر کا تصفیہ کرنے کے لئے مسلم اور غیر مسلم تمام کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور قرآن حکیم پوری بصیرت کی مشعلیں آپ کے سامنے روشن کر چکا ہے جن کی روشنی میں یہ فیصلہ باسانی ہو سکتا ہے اور اسی فیصلہ کے ضمن میں یہ گتھی بھی سلجھ جاتی ہے کہ علما اور سیاست دو متضاد چیزیں نہیں ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا خلاصہ

اسلام جس سے میرا مقصود وہ خاص دین ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بارگاہ خداوندی سے قرآنی احکام اور نبوی عمل کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی عملی تفسیر ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جامع و مانع قول **خلقہ القرآن** سے واضح ہے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے رسالت و نبوت کا پیغام لے کر تشریف لائے تھے۔ اس لئے یہ ایک عقلی فیصلہ ہے کہ تمام دنیا کے امزجہ اور آب و ہوا کے لئے صحت آور روحانی زندگی کی ضروریات اور تکمیل کے لئے ٹھوس اور مکمل ضابطہ حیات کی ضرورت ہے اور یہ قرآن میں خدائی اٹل فیصلہ دے دیا گیا ہے کہ **ان الدین عنداللہ الاسلام** اور **من یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین** یعنی کہ دین اسلام کے

سوائے کوئی اور دین اب قابل اتباع و قابل قبول نہیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ دین یقیناً تمام زمین پر بسنے والوں کے لئے ایک مکمل نظام زندگی اور ایک مناسب و معتدل قانون جس میں قیامت تک کی نسلوں کا لائحہ عمل اور ضابطہ حیات ہو پیش کرے گا۔ چنانچہ تمام ادیان و ملل کی آسمانی اور خود ساختہ کتابوں اور قوانین کا آپس میں ان کے انبیاء کی زندگی کے ساتھ ساتھ مقابلہ کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ کس آسمانی کتاب نے سب سے بڑا معتدل اور فطری نظام پیش کیا ہے اور کس نبی نے اپنے عمل سے زندگی کے ہر ہر شعبہ میں عملی نمونہ اور آثار حیات چھوڑے ہیں۔

شیر خوارگی سے آپ نے ذرا آگے قدم بڑھایا ہے مگر جنگل میں حلیمہ کے بچوں کے ساتھ بکریاں چرا رہے ہیں۔ دیکھئے آپ چچا کے ہمراہ تجارت میں ملک شام کا سفر کر رہے ہیں۔ قدرے تجربہ تجارت کے بعد حضرت خدیجہؓ کے وکیل تجارت کی حیثیت سے ملازم ہیں۔ کاروبار میں دیانت و امانت کی صحیح ترجمانی فرما کر خدیجہؓ سے داد انسانیت لے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ خدیجہؓ کے دل کو اپنے برکات اور انوار ربانی سے موہ لیا ہے اور انہوں نے اس پیکر انسانیت سے نکاح کا پیغام بھیج دیا ہے اب آپ نے آگے جوانی کی طرف اور قدم بڑھایا ہے ناموس اکبر کی کرن کے سینہ اطہر میں چمکنے کے آثار نمودار ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ گلہ بانی' ملازمت تجارت اور خدیجہ کے مال کو جو انہوں نے آنحضرت کی ملکیت میں دے دیا تھا۔ غریبوں میں تقسیم کر کے سخاوت کا تمغہ لے چکے ہیں۔ قریش کے حجر اسود کے نزاع میں عدل و انصاف کر کے منصف اور سچ کا زبان کو عادی بنا کر قوم میں صادق اور لوگوں کے مال میں راست بازی دکھا کر امین کے القاب لے چکے ہیں۔ ذرا آگے بڑھئے یہ اخلاق حسنہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا کالبد روحانیت کے حصول میں غار حرا میں عبادت میں مصروف ہے۔ چالیسویں سال چاند نے غار حرا سے کھیت کیا ہے۔ اور نبوت کا یہ بدر منیر اللہ سے انسانیت کامل کا سرٹیفکیٹ لے چکا ہے۔ کبھی عبادت الٰہی میں راتوں کو کھڑے کھڑے پائے مبارک سجا لئے ہیں کبھی یہی آفتاب رسالت کھجور کے پٹھوں اور اونٹ کے بالوں سے پٹے ہوئے حجرے میں بیٹھا ہوا قیصر و کسریٰ کو ہدایت نامے بھیج رہا ہے کسی وقت عرب کے وحشی اور انسانیت سے خارج درندہ صفت انسانوں کو حکمت و فلسفہ الٰہی کا درس دیتے نظر آ رہے ہیں اور وہ دیکھو اصحاب صفہ کو درویشی اور محبت الٰہی کا جام بھی وہی پلا رہے ہیں عبداللہ بن عباس جیسے مفسر اور عبداللہ بن مسعود جیسے فقیہوں کو درس قرآن و فقہ دے رہے ہیں اور علیؓ کے لئے علوم کا دروازہ کھولتے نظر آتے ہیں کہیں تمدن کے آداب سکھا رہے ہیں اور کبھی انسانیت کا سبق دے رہے ہیں

کبھی مسجد نبوی میں امامت بھی کر رہے ہیں اور کبھی جنگ خندق میں صحابہ کے ساتھ خندق کھودنے میں بھی شریک ہیں۔ اگر رفیقوں کے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہے تو اس امام الانبیاء کے پیٹ سے دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ غزوہ بدر اور احد میں اپنے رفقاء کی کمان بھی وہی کر رہے ہیں اور خالد و عمرو بن عاص اور سعد بن وقاص جیسے جرنیل بھی ان سے ہی ٹریننگ لے رہے ہیں۔ فنون حرب میں اس شہنشاہ کونین کو وہ ید طولیٰ حاصل ہے کہ حمزہؓ و علیؓ جیسے ان کے شاگرد ہیں۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود امی ہیں۔ دیکھئے گھر میں ازواج مطہرات کے ساتھ بھی مشغول ہیں اپنے دست مبارک سے کپڑوں میں پیوند بھی خود لگا لیتے ہیں جوتا بھی خود گانٹھ لیتے ہیں غریبوں یتیموں بے کسوں اور رانڈوں کی خبر گیری بھی کرتے ہیں۔ اور صلح حدیبیہ میں کفار مکہ کے ساتھ مسلمانوں کا ملکی اور سیاسی قومی مستقبل سنوارنے کے لئے اپنے نور نبوت کی روشنی میں عہد نامہ پر دستخط بھی ثبت فرما رہے ہیں۔ ایک یہودی مہمان بستر کو نجاست سے ملوث کر گیا ہے اس کو دست مبارک سے دھو رہے ہیں خلق عظیم اور مہمان نوازی کا یہ مظاہرہ دیکھ کر دنیا دنگ رہ گئی ہے۔ تبلیغ اسلام میں پائے استقلال میں کیا مجال کہ لغزش آ جائے لوگوں کی گالیاں سنی ہیں مگر جواب میں دعائیں دے رہے ہیں۔ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون طائف میں پتھر کھائے ہیں جس سے جسد اطہر لہولہان ہو گیا ہے۔ راستے میں کانٹے بچھائے گئے ہیں تاکہ کف پائے رسالت میں چبھ کر چلنے پھرنے سے روک دیا جائے مگر اللہ رے انسانیت کہ اس کے جواب میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے مسلمانو! کم درجہ کا ایمان یہ ہے کہ راستے سے ایذا دینے والی چیزوں کو ہٹا دو۔ آپ کو زہر دیا جاتا ہے جادو کا حربہ بھی آپ پر کیا گیا ہے۔ الغرض اس مذکورہ خلاصہ نبوت کا خلاصہ کیجئے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیاست' رحمت' انسانیت' سخاوت' شجاعت' استقلال' تحمل' تجمل' عفت' حیا' عجز' بندگی' اخلاص' غنا' فقر' صبر' تسلیم و رضا' تا آنکہ انسانیت کامل کے فرد اعلیٰ اور خدا کی خدائی کے سب سے افضل نمونہ تھے۔

جب ایسے اکمل و اعلیٰ نبی کی سیرت مجموعہ ہے ان تمام صفات کا تو صاف ظاہر ہے کہ ان کی امت کے لئے ان کی زندگی قیامت تک کے لئے نجات دنیوی اور فلاح اخروی نیز نظام اور ضابطہ حیات کی ضامن ہو گی چنانچہ انہی مجموعہ صفات کے باعث بقول شاعر

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ نے ذروں کو صحرا اور قطروں کو دریا بنا دیا۔ خدا کے نام پر مرنے کو زندگی فرما کر

مسلمان کو جینا اور مرنا سکھلایا۔ کسریٰ و قیصر کی شوکت مغرورکا طلسم توڑ کر اونٹوں کے چرانے والوں کو بلند کر دیا۔ غلاموں کو جہانگیری اور جہانبانی کے آداب بتا کر زمانے بھر کا مولیٰ بنا دیا۔ تاریخوں سے پوچھو وہ تمہیں بتائیں گی کہ حق نما' حق جو' حق پرست' مسلمانوں نے اپنے اعلیٰ کردار اور بہترین تربیت اسلامی اور سیاست صالحہ اسلامیہ سے بے چین دلوں کو سکون اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو ابھار کر رکھ دیا۔ ہری چند اختر نے خوب کہا ہے۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا   کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر   اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
شوکت مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم   منہدم کس نے الٰہی قصر کسریٰ کر دیا
سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسن کائنات   اب کسی نے اس کو عالم آشکارا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا   اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

یہ ہے خلاصہ اس انسان کامل کی زندگی کا جس کے عمل میں انسانیت کی معاشرتی' اخلاقی' سیاسی قدریں پوری تکمیل کے ساتھ جھلک رہی ہیں۔

اب آپ ہی خود یہ فیصلہ کیجئے کہ اس آفتاب نبوت کے جانشین دیدہ ور اور علمائے ربانی ہی سیاست صالحہ کے اہل ہو سکتے ہیں یہ کہنا کہ موجودہ بین الاقوامی سیاسیات سے علما عہدہ برآ نہیں ہو سکتے غلط ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی خاموش زندگی پیش خیمہ تھی ان طاقتوں کے اجتماع کی جو مدنی زندگی میں حاصل ہوا۔ چنانچہ مدنی زندگی کا ہر شعبہ ہر قسم کی زندگی اور خصوصاً ملکی و سیاسی زندگی کا نمونہ تھا۔ الغرض

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو   جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلام کی تاریخ میں سیاسیات کے روشن عنوانوں کے ماتحت اسلامی سیاسی قدروں کا آپ پورا جائزہ لے سکتے ہیں۔ ذرا قرآن کے اوراق کو الٹا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم دنیا کے نظام کو کس طرح اعتدال پر رکھنے کے لئے مصر ہے وہ کس طرح دنیا میں حق کی آواز کے ساتھ ساتھ نہ صرف سیاست انسانی بلکہ سیاسیات کائنات کو اپنی گرفت میں رکھتا ہے۔ اس نے نظام عالم پر ایک ایسی کڑی نگرانی اور اس کو ایک ایسے عادلانہ نظام میں جکڑ کر رکھ دیا ہے کہ کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ اس سیاست کو قرآن حکیم کی ان آیات میں غور کر کے دیکھو:۔

الشمس والقمر بحسبان والنجم والشجر يسجدان والسماء رفعها

ووضع المیزان ان لاتطغوا فی المیزان

سورج اور چاند حساب (نظام) کے ساتھ گردش میں مصروف ہیں اور ستارے اور درخت بھی (خالق کے آگے) سربسجود ہوتے ہیں آسمان کو بھی اسی نے بلندی بخشی اور میزان بھی اسی نے قائم کی تاکہ وزن میں تم کمی بیشی نہ کرو۔

اس آیت کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر کے دیکھا جائے پہلا ٹکڑا جس میں سورج اور چاند کے ایک نظام میں منسلک ہونے کا ذکر ہے دوسرا قطعہ جس میں ستاروں اور درختوں کی ذات واحد کے سامنے سربسجود ہونا ظاہر کیا گیا ہے اور تیسرا جز جس میں آسمان کو بلند کرنے اور میزان کے قیام کا اظہار ہے۔ یہ تینوں ٹکڑے ایک قانون فطرت کے سامنے انقیاد و اطاعت کی بہترین مثالیں ہیں۔

ان تینوں امور تمہیدیہ کے بعد انسانی فطرت کو خالق سماوات نے ہدایت کی راہ دکھا کر بتایا ہے کہ دیکھو اگر یہ امور ایک نظام عالم کے ماتحت ٹھیک ٹھیک رفتار پر چل رہے ہیں تو تم جو اشرف المخلوقات ہو تمہارا سب سے بڑا فریضہ ہے کہ تم آسمان و زمین کی ترازو میں پورا پورا توازن اور بیلنس قائم رکھو اور جو نظام حیات اور قانون عمل ہم نے تمہیں بتایا ہے اس میں سر مو انحراف نہ ہونے پائے۔

اسی مضمون کو قرآن حکیم نے جیسا کہ مذکورہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ **واقیموا الوزن بالقسط و لاتخسروا المیزان** کی آیت میں حکم کے صیغہ کے ساتھ للکار کر فرمایا ہے۔ اس آیت میں بھی دو ٹکڑے ہیں۔ پہلے میں آرڈر اور قانون اثباتی شکل میں ہے اور فرمایا گیا ہے کہ وزن کو انصاف کے ساتھ ہمیشہ پابندی اور اعتدال کے ساتھ قائم رکھو۔ اسی **اقیمُوْا** کے لفظ سے **اقیموا الصلوٰۃ** کی تفسیر میں یہ گہر افشانی کی ہے کہ نماز کو تعدیل ارکان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر کہ رکوع و سجود کا حق ادا ہو جائے اور پابندی کے ساتھ ہمیشہ پڑھتے رہو۔ اقیموا میں جہاں استقامت، پابندی سیدھے کے مفہوم ہیں وہاں اس میں استمرار اور استقلال بھی ہے۔ بعینہ **اقیموا الوزن** میں بھی انصاف اور اعتدال استقامت اور استقلال و استمرار کے بصیرت و خفی معنی مضمر ہیں۔

دوسرا ٹکڑا **ولاتخسروا المیزان** ہے حکمت خداوندی یا اسلامی نظام زندگی اس حقیقت پر نفی کی صورت میں پھر زور دے رہا ہے کہ میزان و عدل میں کمی نہ کرو۔ حالانکہ پہلے ٹکڑے میں وزن بالقسط کے حکم سے منشا ظاہر کر دیا گیا تھا مگر نفی کے پہلو سے کسی کجرو کے لئے سرکشی کی قطعاً گنجائش نہیں رکھی گئی۔ جیسا کہ بعض غیر سلیم فطرتیں ذرا سی گنجائش پا کر اپنے لئے ردعمل کا موقع نکال لیتی ہیں۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کو بھی تو پٹی دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے **لاتقربا ھذہ**

الشجرہ کہا ہے کہ اس درخت کے پاس نہ جاؤ۔ لیکن یہ کہاں فرمایا ہے کہ اس کو کھاؤ مت۔

اسی قسم کی اثباتی اور انکاری یا منفی پہلو قرآن کریم میں مختلف جگہ نظر آتے ہیں جن کی اہمیت پر زیادہ زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے ضابطہ حیات اور روح زندگی یا سیاسی قومیت کی بنیادی تعمیر کو یوں بیان فرمایا ہے۔ **واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء اً فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا** دیکھئے پہلے **واعتصموا** امر کی شکل میں ہے اور پھر **لا تفرقوا** سے ہر قسم کی تفریق و تقسیم اور تشاجر و تحزب نااتفاقی اور پھوٹ سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔

اسلام کے فلسفہ اجتماع و تمدن اور سیاست صحیحہ کا نچوڑ اس آیت میں صاف نظر آ رہا ہے اس سے زیادہ سیاست اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ تمام انسانیت کو ایک مرکز پر لا کر جمع کرنا چاہتا ہے اور جو اسلامی سیاست اور اسلامی ضابطہ زندگی کو تسلیم کر چکے ہیں ان کو اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ تم زندگی کی روح اور قوت اگر حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ قومیت اسلامی میں ہے جس کی بنیاد کی مضبوطی اللہ کی رسی یعنی اسلام یا قرآن کو متفقہ اور مجموعہ طور پر مضبوط پکڑنے یعنی اس پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ تاآنکہ اس بنیاد کو **كانهم بنيان مرصوص** ایک سیسہ پلائی ہوئی تعمیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نماز خود ایک اسلامی برادری کی بہترین سیاسی اور فوجی اخلاقی اور روحانی قوت اور مظاہرہ کا نام ہے۔ وہ ایک طرف روحانی منازل کی ارتقائی معراج پر مسلمان کو پہنچاتی ہے جہاں قدسیوں کا بھی سر مو اوپر جانا فروغ تجلی کو گوارا نہیں۔ چنانچہ **الصلوٰة معراج المؤمنين** پر غور کیجئے اس معراج میں سکون و قرار بھی نصیب ہوتا ہے اور۔ **قرة عينى فى الصلوٰة** (نماز میں میری آنکھ کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے) پر تدبر کیجئے۔

دوسری طرف نماز اخلاقی بلندیوں پر پہنچانے کی ضامن ہے۔ **ان الصلوٰة تنهىٰ عن الفحشاء والمنكر والبغى** نماز کے بہترین ثمرات ہیں۔ بشرطیکہ نماز واقعی نماز ہو۔

تیسری طرف نماز سیاسی پلیٹ فارم ہے جو مسلمانوں کو ایک منظم قوت بخشتی ہے۔ اور نماز ہی وہ اسلامی رکن ہے جو مسلمان میں فوجی سپرٹ پھونک کر ان کو ایک مجاہدانہ اور جانفروش قوم بننے کی تعلیم دیتی ہے۔ غرض اسلام کا یہ رکن اپنے اندر اخلاقی روحانی سیاسی اور فوجی تمام ہی قوتیں رکھتا ہے۔

زکوٰۃ اسلامی اصول میں ایک خاص اقتصادی اور تقسیم دولت کا ذریعہ ہے۔ یہ سیاسی اور ملکی اقتصادیات کا سنگ بنیاد ہے۔ جس ملک کے صاحب نصاب مسلمان اپنے خداداد مال میں سے خدا کے لئے ملک کے غریب مسلمانوں کی امداد کریں گے تو ملک سے غربت اور افلاس دور ہو جائیں گے

اور جس ملک میں غریب و مفلس نہ رہے گا وہ ملک یقیناً مرفہ الحال اور فارغ ہونے کی حیثیت سے قابل فخر ملک کہا جا سکتا ہے۔ مختصر لفظوں میں یوں کہئے کہ اسلام زکوٰۃ کے ذریعہ سے سسکتی ہوئی فاقہ زدہ روحوں کو سکون بخشنے میں مسیحائی کا کام دیتا ہے۔ جس سے ہچکی ہوئی روحوں کو زندگی کا سامان فراہم ہو جاتا ہے اور یہی اصل سیاست ملکی ہے۔

آج دنیا میں سرمایہ داری اور اشتراکیت کی جاں گداز جنگ اور عموم اضطرابی حالت میں امید و اطمینان کی کوئی روشنی اگر بخشتا ہے تو وہ اسلام ہے اسلام ملکیت کا قائل ہے اور مالکوں کو ان کی جدوجہد سے حاصل کی ہوئی جائز مملوکات سے محرومی کا نادر شاہی حکم نہیں دیتا اور اسی طرح وہ سرمایہ داروں اور مالکوں کو قارون صفت مار گنج بننے کا بھی حکم نہیں دیتا بلکہ وہ زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ سے مالکوں یا امیروں اور غریبوں کو ایک لیول اور سطح پر لانا چاہتا ہے اس لئے اس نے صاف حکم دیا۔

وانفقوا فی سبیل اللہ. اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔

ان لوگوں کو مومنین کی فہرست میں شامل کیا گیا جو زکوٰۃ دیتے ہیں چنانچہ فرمایا گیا **والذین هم للزکوٰۃ فاعلون** یعنی جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں پھر وہ لوگ جو سرمایہ داروں کی طرح مال و دولت کو جمع کر کے رکھتے ہیں۔ ان کے لئے واضح طور پر تنبیہ کی گئی۔ "**ان الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولاینفقونھا فی سبیل اللہ فتکوی بھاجباھھم و جنوبھم و ظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم**" وہ لوگ جو سونا اور چاندی گاڑ گاڑ کر (جمع کر کے) رکھتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے قیامت کے روز ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں پر اسی مال کو تپا کر داغ لگائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ سزا اس جرم کے بدلے میں ہے کہ تم نے مال کو جمع کر کے رکھا تھا۔

ایک اور جگہ دولت کے متعلق اسلامی نظریہ یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ تمام روپیہ خرچ کر دینا چاہئے جو فالتو ہو۔

ویسئلونک عن الانفاق قل العفو

یہ لوگ خرچ کے بارے میں پوچھتے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ فالتو مال خرچ کر ڈالو۔

ارکان اسلام میں روزہ شدائد و مصائب میں صبر و تحمل اور ہمت و ایثار کا عجیب مظاہرہ ہے ملکی نوجوانوں کو ملکی دفاع میں سخت مشقت تحمل شدائد اور قربانی کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر سیاست ملکی و صیانت ملکی کا انصرام ناممکن ہے روزہ سیاست ملکی اور دفاع کی بہترین کڑی ہے۔

حج ارکان اسلام میں اتحاد و تنظیم اہل اسلام کا بہترین اصول ہے جس میں سیاست عبادت جسمانی عبادت مالی سفر کے برکات اور دنیائے اسلام کو متحد و منظم کرنے کی پوری سپرٹ موجود ہے۔

الحاصل توحید اسلامی وحدت عمل اور اتحاد و اخوت مسلم کے لئے بمنزلہ جڑ ہے نماز فوجی مظاہرہ ہے۔ زکوٰۃ محکمہ مال ہے۔ روزہ محکمہ صحت اور حج ایک مرکزی کمان ہے۔ جس کے ذریعے تمام دنیائے اسلام کی مرکزیت قائم کی جا سکتی ہے یا جس کو اسلامی بلاک کا مظاہرہ کہا جا سکتا ہے۔

میں اپنے اس دعوے میں کہ سیاست اور علما متضاد چیزیں نہیں ہیں بلکہ سیاست صالحہ اور سیاست صحیحہ کے صحیح دعویدار وہ علمائے ربانی ہی ہو سکتے ہیں جو اسلام کی مذکورہ بالا حیثیات کا علم رکھتے ہوں اور جو زمانے کے نازک تقاضوں اور شریعت احکام و رموز میں مطابقت دکھانے میں بصیرت رکھتے ہوں کیونکہ سیاسیات صالحہ دین اسلام کا ایک جز ہے۔ جس کے بغیر سیاست مکمل نہیں ہو سکتی یا جس کے بغیر دین مکمل نہیں ہو سکتا دور نکل گیا۔

علماء کی سیاست کے مختلف رنگ

جب کسی قوم یا طبقہ کا حاکمانہ اقتدار برسر اقبال ہوتا ہے تو وہ اپنے احکام کے اجرا میں خود مختار ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ محکومی کی زنجیروں میں جکڑ دیے جائیں اور ہر طرف سے مجبوریوں کے پھندے ان کے اختیارات کے گلے کو گھونٹنے لگیں تو ایسی بے بسی اور بیکسی میں جو اضطراری حالت ہو سکتی ہے وہ دلوں کی اضطرابی گہرائیوں سے ہی پوچھنے کے قابل ہے۔ ایسے حالات میں آوازیں سینوں کے بند پھاٹکوں میں قید ہو جاتی ہیں۔ اور پنجہ جبر و استبداد جب شہ رگ کو دبانے پر اپنا پورا زور صرف کرتا ہے تو یہی وقت افضل الجہاد من قال کلمۃ حق عند سلطان جائر کا عین وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق سے پوچھو کہ علمائے حق نے اپنے اور غیروں کے سامنے کلمہ حق بلند کر کے کتنے کتنے مظالم کے پہاڑ اپنے اوپر گرائے ہیں ان کی حق گوئیوں کی داستانیں تمہیں جواب دیں گی اور بتائیں گی کہ ہم کن شمشیروں کی دھاروں کے نیچے علمائے بیباک کی شہ رگوں کی آوازیں ہیں۔ کبھی کبھی علما میدان جہاد میں تلوار لئے اور گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے نظر آئیں گے۔ کبھی کبھی علمائے حق پرست زخموں سے اپنے پیرہنوں کو لالہ گل کے پیرہن کی طرح رنگین قبا بناتے دکھائی دیں گے۔ غرض سیاسی میدان میں کبھی ڈائرکٹ کودنا پڑتا ہے اور کبھی کسی موڑ سے جانا پڑتا ہے۔

ہندوستان کی سیاسیات میں اکبر کے ملحدانہ دور کی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجددانہ تجدید صرف اس رنگ میں کی کہ اکبر کے جاری کردہ شعائر کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی

اصلاح پر مسلمانانِ ہند کی اصلاح موقوف تھی گویا جڑ کی اصلاح سے شاخوں کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔ چنانچہ اس طریقہ سے انہوں نے ہندوستان میں اسلام کو فنا ہونے سے بچا لیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے افراد خاندان حضرت شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالقادرؒ شاہ رفیع الدین علیہم الرحمت قرآن و حدیث اور اسلامیات کی اشاعت سے مسلمانوں کی حالت درست کرنے میں مصروف رہے۔

پھر اسی خاندان کے مجاہد انسان حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی شعلہ زا تقریروں سے دلی کے سوختہ خرمن مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کی مشعلیں روشن کر دیں اور دوسری طرف یہ مرد مومن جہاد فی سبیل اللہ کے لئے دلی سے آگرہ تک جمنا کی موجوں میں تیر کر خون کی موجوں میں نہانے کے لئے مشق کرتا رہا اور کبھی دلی کی جامع مسجد کے سنگ سرخ پر سخت گرمیوں کی کڑاکے دھوپ میں ننگے پاؤں پھر پھر کر جہاد کی تکلیفوں کا اپنے آپ کو عادی بناتا رہا۔

مولانا سید شہید علیہ الرحمۃ نے روحانی طاقتوں سے مسلمانوں میں روح اسلامی پھونکی اور پھر تلوار لے کر میدان میں اترے یہ وہ وقت تھا جبکہ مسلمان بالکل دب چکا تھا اور انگریز کا اقتدار ہندوستان میں ہوتا جا رہا تھا۔ غیور مسلمانوں کے دل اعلائے کلمۃ اللہ اور احیاء اسلام کے لئے بے تاب تھے۔ مگر زمانہ کے حالات نے مجبور کر رکھا تھا۔ سید احمد شہید علیہ الرحمت انگریز کے خلاف جہاد کرنا مقصد زندگی سمجھتے تھے۔ تاریخ کے اوراق الٹایئے اور ۱۸۱۸ء کی طرف گردن موڑ کر دیکھئے۔ سید شہید کے چاہنے والوں میں امیر خان نواب ٹونک انگریز کے خلاف جہاد کے لئے سرگرم تھے مگر ناگاہ امیر خان ایسے بہکے کہ انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈال دئے۔ سید صاحب نے ہر چند سمجھایا مگر ان کی سمجھ نے کام نہ کیا۔ آخر امیر خان کو پچھتانا پڑا اور انگریزوں کے ہاتھوں میں بے بس ہو کر رہ گئے۔ اور دلی میں لا کر انگریزوں نے ان کو وہ سختی دی جو تاریخ پڑھنے والوں کو معلوم ہے۔ اس وقت کے حالات سے اگرچہ لوگ سہمے ہوئے تھے مگر دل کے بخار کو شعرا نے کس شکل میں غزل کے رنگ میں نکالا ہے وہ ایک ریسرچ کی شکل میں میرے استاذ محترم پروفیسر خواجہ منظور احمد صاحب سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و موجودہ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور پیش کر رہے ہیں جو ملک میں گرانمایہ ادبی خدمت کا شاہکار ہوگی لیکن مجھے ایم اے کلاس گورنمنٹ کالج لاہور کے دو سالہ قیام میں جو ذاتی نے قلمبند کرنا نصیب ہوا ہے اس میں پروفیسر صاحب موصوف نے جو غزل کے رنگ میں اس دور کے حالات کا نقشہ مختلف شعرا نے پیش کیا ہے ان سے

استفادہ کا موقع ملا ہے۔ اب قاری کو میں مختصراً اس تحقیقات کے گلشن کی سیر کراتا ہوں جس کو بظاہر قاری پڑھ کر ایک عشقیہ غزل سمجھے گا۔ مگر نہیں وہ دراصل سید شہید اور مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما کے دور کے حالات ہیں اور ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو اشاروں میں ظاہر کیا ہے۔ لیجئے اب ان اشعار میں اس زمانہ کے حالات کی سیر کیجئے۔

ذوق امیر خان کے سید شہید کے گروہ سے الگ ہو کر انگریزوں کے ساتھ مل جانے کو یوں ادا کرتا ہے۔

گل اس نگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا   یہ لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا
لذت کو تیغ عشق کی سن سن کے بوالہوس   آ کر طمع سا حلق بریدوں میں مل گیا
ہو کر فقیر پھر سگ دنیا ہوا فقیر   کمبخت پاک ہو کے پلیدوں میں مل گیا

دہلی میں انگریزوں نے امیر خاں کو بلا کر ذلیل کیا۔ ذوق یوں لکھتا ہے۔

واہ صیاد اجل اور واہ صیادی کا پیچ   کھینچ کے ہے اسفندیار آیا کہاں رستم کے پاس

انگریزوں اور سکھوں دو دشمنوں کے درمیان مسلمانوں کی عجب حالت تھی۔ اس مسلمانوں کی زندگی و موت کے قصہ کو ایک طرف کرنے اور فیصلہ کرنے کے لئے ذوق مولانا اسمٰعیل شہید کو اور ان کی تلوار کو دعوت دیتا ہے۔

شہ رگ پہ اپنی زندگی اور موت میں ہے لاگ   آ تیغ یار قصہ تو یہ انفصال کر

دعوت جہاد فی سبیل اللہ از مولانا اسمٰعیل شہید اور لوگوں کو جہاد میں بے قراری اور شرکت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

الٰہی جلوہ ہے کس بت کا آج مسجد میں   کہ دم بخود ہے مؤذن جدا خطیب جدا
ہجوم اشک کے ہمراہ کیوں نہ ہو نالہ   کہ فوج سے نہیں رہتا کبھی نقیب جدا
سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے   یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

تحریک وتقریر حضرت سید اسمٰعیل سے عام بصیرت اور بیداری

ہر حباب بحر کی کھل جائے گی تارای آنکھ   عکس افگن گر رخ روشن تمہارا ہو گیا
ترے کشتے جو یوں خواب عدم سے یک بیک چونکے   مگر شور قیامت کو تری آواز پا سمجھے

دلوں میں تحریک کی بے تابی کا اثر انگریز کے پابند گرفتاری اشخاص کو پیغام مصائب کا نقشہ اور مجاہدین شہدا کی حالت

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے   مژدہ خار دشت پھر تلوار مرا کھجلائے ہے

بس کرم سوز دروں بھن جائیں گے دل اور جگر رحم جوش گریہ پھر چھاتی ابھی بھر آئے ہے
الٰہی آگ یہ سینے میں ہے کہ آفت ہے ستارے دھوپ میں ہم دوپہر کو دیکھتے ہیں
پا کو بیوں کو مژدہ ہو زنداں کو ہو نوید پھر ہیں جنوں کی سلسلہ جنبانیوں میں ہم
قطرہ قطرہ آنسو آنسو طوفاں طوفاں شدت ہے ٹکڑے ٹکڑے دل جو پڑا ہے تو وہ تو وہ حسرت ہے
کس کے مو شانے میں یا سے دست ہوں ٹوٹ گئے ہائے تو گنبد مینا کے کلس ٹوٹ گئے
ذوق ہم ہو گئے گم ایسی ہوئی گم آواز آج کیا قافلے کے سارے جرس ٹوٹ گئے

بہادر شاہ ظفر اور اس کے ارد گرد اغیار یعنی انگریزوں کے اقتدار کے پھندوں کو دیکھ کر ذوق نے جو اثر لیا ہے اس کو وہ یوں ظاہر کرتا ہے۔

رکھتے تھے جو کشور کسریٰ و قیصر زیر پا ہے انہیں کا آج سر با تاج و افسر زیر پا
میں ہوں وہ کشتی شکستہ بحر الفت میں سوار ایک تختہ رہ گیا ہے جس کا بچ کر زیر پا

یہ چند اشعار محض اس دور کے شعرا کے دل کا بخار ظاہر کرنے اور اس زمانے کی حالت کا نقشہ پیش کرنے کے لئے لکھے گئے ہیں ورنہ مومن، ذوق، غالب، شیفتہ اور ان کے تلامیذ نے تحریک سید احمد شہید رحمۃ اللہ کی پوری تصویر اپنے اشعار میں کھینچ کر رکھ دی ہے۔

میرے مضمون کا سلسلہ یہ تھا کہ اسلام میں مذہب اور سیاست جدا نہیں اور ہر دور میں علمائے ربانی اپنی اپنی قیادت صالحہ اور سیاست حقہ سے سر دھڑ کی بازی لگاتے رہے۔ خاندان ولی اللہی نے اول علم کی شمع روشن کی جب یہ روشنی پھیل گئی تو انہی کے خاندان کے ایک مرد مجاہد یعنی شاہ اسماعیل شہید کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا اور دوسرے میں تلوار جو حضرت سید شہید بریلوی کے دوش بدوش جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہوا۔ اسی خاندان کا پرتو حاجی امداد اللہ جیسے ولی کامل اور ان کے ساتھ بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی پر پڑا اور ان حضرات نے اپنے نور ایمانی اور تنویر روحانی سے اپنے دور میں مختلف عنوانات میں تحریری، تقریری، مجلس رشد و ہدایت اور مدرسہ عالیہ دار العلوم کی شکل میں جہاد جاری رکھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب جیسے جاں کش اور مجاہد عالم کا اثر ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی شیخ الحدیث و صدر مدرس دار العلوم پر پڑا اور اپنی ساری زندگی احیاء اسلام اور آزادی ہند میں گزار دی۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ کی روحانی اور مجاہدانہ زندگی کا پرتو ان کے مخصوص تلامذہ حضرت مولانا محمد انور

شاہؒ صاحب کشمیری حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی حضرت مولانا عبید اللہ صاحبؒ سندھی اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور دیگر شاگردوں پر پڑا اور ان حضرات نے اپنے اپنے رنگ میں اپنے اپنے اجتہاد اور بصیرت مذہبی کے ماتحت نیک نیتی سے جہاد و حریت میں حصہ لیا۔ غرض کہ یہ دور بھی اپنے علماء دیدہ ور کے موقر وجود سے ممتاز رہا۔ بلکہ حریت و آزادی کے تصور سے اگر دیکھا جائے تو ہندوستان کے لئے یہ دور بہت ہی نازک اور اہم سیاسیات کا دور ہے۔ خصوصاً وہ زمانہ جس میں کہ ہندوستان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور دو سو سال کی انگریزوں کی غلامی کا جوا اس کی گردن سے اترا۔ اس وقت حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں ہندوستان کی بساط سیاست پر حضرت مولانا حسین احمد صاحب حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی خصوصی طور پر میدان سیاست میں پورے شد و مد سے اترے ہوئے تھے۔ اول الذکر ہر دو حضرات کا خیال یہ تھا کہ ہندوستان کو تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ہندو اور مسلم دونوں کو مل کر اپنی اپنی اکثریت اور اقلیت کے ماتحت حقوق لے کر ہندوستان کی حکومت چلائیں اور کانگریس کے جھنڈے کے نیچے صدائے آزادی اور اختیار حریت کا حصول جاری رکھیں۔

دوسری طرف ملک میں مسلمانوں کا سواد اعظم مسٹر محمد علی کی قیادت میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر پاکستان کا نعرہ بلند کر رہا تھا اور ہندوستان کی تقسیم کا مدعی تھا۔ جس کا زبردست نعرہ تھا۔

"بٹ کے رہے گا ہندوستان، لے کے رہیں گے پاکستان"۔

ان کا نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان کے ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ایک علیحدہ نظام ہو جس میں مسلمان اپنے کلچر اور تہذیب اپنے مذہب اپنی ثقافت اور اپنی ملت کو خود مختارانہ حیثیت سے فروغ دے سکیں۔ یعنی صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ، بنگال، آسام کو علیحدہ کر کے اس کا نام پاکستان رکھا جائے اور ریاست کشمیر بھی مسلمانوں کی اکثریت کے باعث پاکستان میں شامل ہو۔

یہ خیال پیدا ہونا مسلمانوں کی انفرادی فطرت کے علاوہ اس لئے بھی ضروری ہوا کہ مسلم لیگ اور اس کی قیادت، برادران ملک یعنی ہندو کی ذہنیت اور اس کے بتدریج سیاسی اقتدار اور اس اقتدار میں مسلمانوں پر اپنی عارضی حکومت کے دوران میں چیرہ دستیوں کے شبانہ روز مشاہدات اور تجربات دیکھ چکی تھی۔ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر ہندوستان کو مشترکہ طور پر آزادی ملی تو ہندو اپنی اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو ختم کر کے رکھ دیں گے۔ اسی خیال کے موید علامہ شبیر احمد عثمانی تھے اور وہ مسلم لیگ کی حمایت میں اپنے پورے ہتھیاروں کے ساتھ کانگریس کے مقابلہ کے

لئے میدان سیاست میں اترے۔ یہ دونوں جماعتیں پورے جوش و خروش سے نبرد آزما تھیں۔ کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کی مختصری تعداد اور جمعیت العلماء ہند کے مقتدر علماء اور بعض مسلم سیاسی لیڈر تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کی اکثریت اور مسلم لیگ تھی۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کانگریس کے موید ہونے کے سبب سے اور علامہ شبیر احمد عثمانی مسلم لیگ کے حامی ہونے کے باعث اتفاق سے بغیر ارادہ ایک دوسرے کے حریف سیاست بن گئے اور یہ اتنی زبردست کشمکش ثابت ہوئی کہ ایک کا منہ مشرق اور دوسرے کا مغرب کی طرف ہو گیا اور اسی پر ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ بات یہ ہے اصول کی جنگ میں چونکہ شخصیتوں کا تصادم ناگزیر ہے۔ اس لئے ایک مادر علمی یعنی دارالعلوم دیوبند کے دو فاضل اور زبردست شخصیتوں میں اختلاف افکار کی نوبت آ گئی بہرحال راقم الحروف اس اختلاف کو ہوا دینے کے لئے نہیں بلکہ پورے ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے اس اختلاف پر پوری سیر حاصل بحث کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سردست علامہ عثمانی کی بتدریج سیاسی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی زندگی کے آخری سیاسی لمحوں تک ان شاء اللہ نیک نیتی اور اپنی بساط کے مطابق قلم اٹھانے کا ارادہ ہے۔

خدمات اسلامی وملکی اور سیاسیات عثمانی کے مختلف دور

دور اول

اگر ملکی و اسلامی خدمات اور سیاسیات عثمانی کے دور قائم کئے جائیں تو ہم آسانی سے ان کو مختلف حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور وہ ہے جو ان کو جنگ بلقان کے سلسلہ میں ترکوں کی ہمدردی کے لئے بے تاب کر دیتا ہے اور ایک مرکز اسلامی یعنی خلافت عثمانی کے دشمن کو نبرد آزمائیوں میں ان کو مالی طور پر ترکوں کی امداد کے لئے میدان میں لا کھڑا کر دیتا ہے۔ یہ دور خلافت کی تحریک کے اہم نازک دور تک چلا گیا ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اسلامی اقتدار اور اسلامی سیاسی افکار خلافت عثمانیہ کی بقا میں مضمر ہیں اور مسلمانوں کی عزت کا دارومدار خلافت ہے۔

اسلام میں مسئلہ خلافت نہایت ہی اہم اور عظیم الشان مسئلہ ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نظام اسلام کو چلانے کی اہم ذمہ داری کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق پوری احتیاط اور تقویٰ عدالت اور انصاف سے قرآن و سنت کی صحیح روشنی میں

احکام خداوندی کا اجرا خلافت راشدہ کا نازک فریضہ ہے جس کی حقیقی روح حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں صحابہ میں کارفرما تھی۔ بعدازاں خلافت سلطنت میں تبدیل ہوگئی اور خلافت کا اصلی نقش مٹتا چلا گیا تاآنکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں خلافت راشدہ کا وہ محو شدہ نقش پھر ابھرا لیکن مسلمانوں کے اس دور میں بھی جبکہ خلافت کی حقیقی روح موجود نہ تھی اسلام کو غلبہ حاصل رہا اور ہوتے ہوتے آخری دور میں سلطنت عثمانیہ میں جن کو ترکوں کے نام سے پکارا جاتا ہے خلافت جس رنگ میں بھی تھی ان کے خاندان میں چلی آتی تھی اور مسلمان ان کا بحیثیت خلیفہ پورا احترام کرتے تھے اور خطبات جمعہ میں خلیفہ کا نام لیتے تھے آخر مصطفیٰ کمال پاشا ترکوں میں اٹھا اور اس نے صدر انگورہ کی حیثیت سے خلافت کو ملک سے نکال باہر کیا اور مغربی طرز کی ملک میں جمہوریت قائم کی یعنی خلافت کے نام کو جو مذہب کے نام پر چلی آرہی تھی جلاوطن کردیا سقوط خلافت کا اعلان کمال نے ۲۶ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو ری پبلک کے حکم سے جاری کیا اور بعدازاں تیسرے دن قومی اسمبلی نے اس اعلان کی تصدیق کر دی۔ منگل کے روز صبح دو بجے خلیفہ عثمانی نے اپنی معزولی کا حکم سنا اور پھر جلاوطن ہوگیا۔ آج کل مسلمانوں کا اس معنی میں کوئی بھی خلیفہ نہیں ہے اور نہ ہی مسلمان قوم کسی ایک پلیٹ فارم یا مرکز پر متحد ہے۔ تمام ممالک اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہے اور ہر ایک اپنے اپنے ملک کے طبقاتی اور شخصی یا اپنے ذاتی مفاد میں مبتلا ہے۔ حالانکہ نظام اسلامی اس امر کا مقتضی ہے کہ ایک خلیفہ کے ماتحت تمام ممالک اسلامی میں نائبین خلیفہ ہوں اور مرکز سے جو حکم صادر ہو تمام ممالک اسلامیہ اس کا اتباع کریں اور واعتصموا بحبل الله جمیعاً ولاتفرقوا کی شان کے ساتھ مسلمان سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح چٹان بن کر غیر مسلم اقوام سے اپنی طاقت کا لوہا منوائیں مگر خدا گواہ ہے کہ جب سے مسلمانوں سے اسلامی روح اور اتحاد و عمل کی سپرٹ نکل گئی۔ ان میں پھر کوئی محمد ابن قاسمؒ طارق صلاح الدین ایوبی بابر اورنگ زیب حیدر علی اور سلطان فتح علی ٹیپو پیدا نہ ہوا۔ یہ لوگ اگرچہ مصلحتوں کا دامن کبھی بھی نہیں چھوڑتے تھے لیکن غیرت اسلامی کے وقت ظاہری مصالح کو چھوڑ کر میدان میں اتر آتے تھے۔ اس انتشار کا نتیجہ یہ ہے کہ قیادت مسلمانوں سے کبھی کی نکل چکی ہے اور آج ممالک اسلامیہ عیسائیت کے تابع بن کر رہ گئے ہیں جو اسلامی خودداری کو چکنا چور کر دینے کے ہم معنی ہے۔ اگر ممالک اسلامیہ کی طاقت ایک مرکز پر جمع ہو جائے تو یقیناً دنیا میں ان کی آواز میں شکوہ اور دبدبہ پیدا ہو جائے۔ بہرحال خلافت کے نام پر دنیا کا ہر مسلمان جان بھی قربان

کرنے کو تیار ہو جاتا تھا۔ ترکوں پر جب کبھی مصیبت آئی تو ہندوستان اور پاکستان کا مسلمان بے قرار ہو جاتا تھا۔ ترکی یورپ میں واحد اسلامی ملک ہونے کے باعث کبھی روس، کبھی برطانیہ کبھی یونان سے نبرد آزما رہا ہے۔ اور اس کو اپنی عمر کے عرصہ میں دسیوں دفعہ حریفوں سے جنگ کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ علمائے دیوبند مسئلہ خلافت کے احساس اور اسلامی سیاسی افکار سے ہمیشہ متاثر رہے ہیں چنانچہ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۶ء کے دوران میں جنگ کریمیا کے نام سے روس اور ترکی میں جنگ ہوئی۔ زار روس نکوس اول اپنے ملک کی تجارت بڑھانے کے لئے ترکی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ زار کو تمام ترکی عیسائی رعایا کا محافظ تسلیم کیا جائے اور یروشلم پر بھی قبضہ دے دیا جائے۔ ترکی اگرچہ اس زمانہ میں بہت کمزور تھا اور اس کو یورپ کا مرد بیمار (The Sik man of Europe) کہا جاتا تھا لیکن ترکی نے روس کے ان مطالبات کو ٹھکرا دیا۔ روس نے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا لیکن برطانیہ اور فرانس نے ترکی کی مدد کی۔ مبادا روس طاقتور بن کر ہندوستان پر بھی قبضہ کر لے۔ تاہم اس جنگ میں روس نے ترکی کے کئی مقبوضات پر قبضہ کر لیا اور ترکی کے بحری بیڑے کو تباہ کر دیا۔ لیکن اتحادی فوجوں یعنی ترکی، برطانیہ، فرانس کی روس سے جنگ ہوئی چونکہ اس جنگ کی تمام لڑائیاں بحیرۂ اسود کے جزیرہ نما کریمیا میں لڑی گئیں اس لئے اس جنگ کو جنگ کریمیا کہا جاتا ہے۔ اتحادی فوجوں نے الما کے مقام پر روسیوں کو شکست دی۔ یہ جنگ مختلف انداز میں ختم ہو گئی۔ لیکن سیاسی انقلاب کی موجیں رقیبانہ ہوسناکیوں اور معاندانہ بوالہوسیوں کی صورتوں میں ہمیشہ طوفانی رنگ اختیار کرتی رہی ہیں۔ چنانچہ اس کے کچھ عرصہ بعد بلغاریہ نے ترکی کے خلاف علم جنگ بلند کیا اور روس نے اس کا ساتھ دیا۔ یہ جنگ ۷۷۔۱۸۷۸ء میں ہوئی۔ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی چندہ ہلال احمر اور دارالعلوم دیوبند کے مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"الحمدللہ کہ دارالعلوم نے اپنے محترم بانیوں کی اس سنت حسنہ کو مرنے نہیں دیا۔ جو ۷۷۔۱۸۷۸ء کی جنگ روس وروم کے موقع پر فراہمی چندہ میں ان بزرگوں نے جاری کی تھی۔ اس وقت باوجود عام بے حسی کے بعض خاصان حق نے لاکھ سے زیادہ روپیہ قونصل بمبئی کی معرفت بھجوایا تھا۔ (القاسم ربیع الاول ص ۲)

ترکوں نے اپنے مشہور جانباز غازی عبدالکریم کو ان کی سرکوبی کے لئے متعین کیا۔ جنہوں نے اس فتنہ کو فرو کیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے پھر اسلامی اخوت اور مسئلہ خلافت کے پیش نظر مالی اور قلمی اعانت کی دعائیں مانگیں اور اسلامیان ہند میں ایک اسلامی ہمدردی کی برقی رو دوڑا دی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب، حضرت مولانا ذوالفقار علی

صاحب والد بزرگوار شیخ الہند اور حضرت مولانا فخر الحسن صاحب رحمہم اللہ کے عربی فارسی اور اردو قصائد اسی جنگ کے سلسلہ میں لکھے گئے جو قصائد قاسمی میں اپنے پورے جوش و خروش کا ثبوت دے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اسی موقع پر اپنے قصیدہ میں روس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

غرور روس کو تھا اپنی سخت جانی پر   پہ تیغ ترک میں نکلا اجل کا اصل خمیر
فرار سے نہ ملی جب نجات دنیا میں   تو بھاگنے لگے روسی سوئے حصار سعیر

ترکوں کے سپاہیوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

نہ ان کو مرگ کا کھٹکا نہ ان کو پاس حیات   نہ ان کو خوف ہے مانع نہ شوق دامن گیر
ہلائیں ہاتھ تو ہل جائیں دشمنوں کے دل   جو ماریں ہاتھ تو پھر سر سے پاؤں تک دیں چیر

خلیفۂ وقت سلطان عبدالحمید خان کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔

جو آرزو ہے تو یہ ہے کہ سر پہ ہو سلطان   وہ بادشاہ ہوئے یہ اس کے آگے حکم پذیر
وہ کون قیصر عالی گہر کرم گستر   وہ کون حضرت عبدالحمید خان خبیر
نہ کوئی اس کی برابر نہ کوئی ہم پلہ   نہ کوئی اس کا مقابل نہ اس کا کوئی نظیر
کرم میں ابر کرم دین میں ہے حامی دیں   مقابلوں میں دلاور مصاحبوں میں مشیر
سخاوتوں میں ہے دریا شجاعتوں میں ہے شیر   معاملات میں عاقل محاربوں میں بصیر
زمانہ اس کا موافق جہان اس کا مطیع   ادھر تو بخت معاون ادھر خدائے بصیر
جہاں پہ اس کی حمایت خدا پہ اس کی نگاہ   فلک پہ اس کے مراتب زمیں پہ اس کا سریر
حمایتوں میں برابر سب اپنے بیگانے   رعایتوں میں مساوی فقیر ہو کہ امیر
فلک پہ اس کے لئے مہر و ماہ نور افشاں   تو ہے زمین پہ عبدالکریم عالمگیر
اسی کی ہمت مردانہ تھی کہ سرویہ کو   ذرا سی دیر میں پھر ہٹ کے کر لیا تسخیر
کرے ہے قاسم مسکیں دعا پہ ختم کلام   مدد پہ اس کی ہمیشہ رہے خدائے قدیر

اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے اور زیادہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ نے اس اردو قصیدہ کے علاوہ فارسی میں بھی ایک زبردست قصیدہ اسی جنگ کے متعلق سپرد قلم کیا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

فگن فگن برخ گل شتاب برقع نور   کہ گرد ظلمت شب نہ زروئے پاکش دور

بکش بکش برخ سبزہ زود چادر آب   کہ خاک ریزی بجا ست باد را دستور
بخاک سایہ زوند و بیاد بوداوند   زبار سایہ گل دوش گل چوشد رنجور
چہ رنگ و بوست تو گوئی بصورت و سیرت   بہ پیکرش شدہ عبدالحمید خاں مستور

قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی کے ان قصائد سے واضح ہے کہ علماء دیوبند کو خلافت عثمانیہ کی تائید اور دامے درمے قدمے قلمے و سخنے امداد سے کس قدر شغف تھا۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ترکی سلطنت کا عروج سلیمان اعظم کے بعد ختم ہو چکا تھا۔ سلطنت میں قوت اور اقتدار کے لئے دربار اور حرم میں کشمکش تھی۔ امرا کی باہمی رنجشوں سے سلطنت میں کمزوری پیدا ہوتی چلی گئی تھی۔ پہلے ہر ترک بادشاہ کچھ نہ کچھ نیا علاقہ سلطنت میں شامل کر لیتا تھا اب ہر سلطان کے عہد میں کوئی نہ کوئی علاقہ ہاتھ سے نکل جاتا تھا۔ ترکی کی ساکھ بگڑ گئی۔ مقبوضہ علاقوں کے امیر سلطنت ترکی کو کمزور دیکھ کر باغی ہونے لگے پہلے آسٹریا اور ہنگری کے علاقے ہاتھ سے نکل گئے پھر سردیا اور بلغاریہ نے سر اٹھایا ادھر روس نے کچھ علاقے دبائے البانیہ نے بغاوت کی یونان میں ترکوں کے خلاف شورش ہوئی مصر کا والی اپنے استقلال کا اعلان کر بیٹھا غرض ۱۲۹۲ھ تک یعنی عبدالحمید کی تخت نشینی کے وقت ترکی قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔ اسی زمانہ میں یورپ نے ترکی کو ”مرد بیمار“ کا خطاب دیا تھا لیکن سلطان عبدالحمید نے تخت نشین ہوتے ہی ترکی میں دول یورپ کی مداخلت کا زور توڑا اور سلطنت کی اندرونی اصلاح کے کیلئے دستوری حکومت کا اعلان کیا۔ گویا ترکی نے اب سنبھالا لیا۔ یہ حالت دیکھ کر زار نکولس نے جو قسطنطنیہ پر نظر رکھتا تھا۔ حملہ کر دیا اور آپس میں حصے بخرے کرنے کا ارادہ کر لیا مگر پھر آپس کی ہوسناکیوں کے باعث برطانیہ نے یہ دیکھ کر کہ اگر روس قسطنطنیہ کا مالک ہو گیا تو اس کی طاقت بڑھ جائے گی روس کو آگے بڑھنے نہیں دیا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۲ء میں بلقان کی ریاستوں یعنی بلغاریہ سربیا اور یونان نے اٹلی کے اشارے پر ترکی پر حملہ کر دیا لیکن بیچ بچاؤ ہو گیا۔ مگر پھر ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہو گئی۔

جنگ عظیم کا پس منظر

اس جنگ میں یورپ کے تقریباً تمام ملکوں کے علاوہ ایشیا کے بھی بہت سے ممالک نے حصہ لیا۔ اس جنگ میں انسانی خون اور اقتصادی تباہی انتہا درجہ کو پہنچ گئی۔ اس لئے اس کو جنگ عظیم کہا جاتا ہے۔ جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری رہی اور ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو دن کے گیارہ بجے صلح ہو کر یہ تباہ کن جنگ ختم ہوئی۔

اس جنگ کا پس منظر یہ ہے کہ جرمنی کی صنعت وحرفت تیز رفتاری کے ساتھ بڑھ رہی تھی اور اسی کے ساتھ آبادی بھی ترقی پذیر تھی۔ اس لئے جرمنی کو اپنے مال کے لئے منڈی کی ضرورت تھی اور آبادی کے لئے نئے علاقے درکار تھے۔ اس وقت نو آبادیات پر فرانس اور انگلستان کا قبضہ تھا۔ اس لئے یہ جنگ رونما ہوئی۔

جرمنی نے فرانس کے دو صوبوں الساس اور لورین پر ۱۸۷۰ء کی جنگ میں قبضہ کر لیا تھا۔ فرانس ان کو واپس کرنا چاہتا تھا مگر جرمنی تیار نہ تھا۔ چنانچہ دونوں ملکوں نے بعض اپنے ساتھی پیدا کر لئے۔ فرانس نے روس اور انگلستان کو اپنے ساتھ ملا لیا اور جرمنی نے آسٹریا اور اٹلی سے معاہدہ کر لیا۔ جسے اتحاد ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ ادھر جرمنی مشرقی ممالک میں بھی طاقت بڑھا رہا تھا چنانچہ ٹرکی کے ساتھ بھی اس نے دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے تھے اور ٹرکی سے بغداد ریلوے لائن بنانے کا ٹھیکہ بھی لے لیا تھا جس کے ذریعہ وہ برلن سے بغداد کو ملانا چاہتا تھا۔ اور اس نے اپنی بحری طاقت بڑھالی تھی۔ برطانیہ کو اس طاقت کا بڑھتا دیکھنا ایک آنکھ نہ بھایا اس لئے جرمن اور برطانیہ میں بھی دشمنی کی آگ سلگ اٹھی۔

جنگ کی فوری وجہ

آسٹریا کا ولی عہد جس کا نام آرچ ڈیوک فرڈی ننڈ تھا ۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو سرویا کے ایک شہر سراجو میں سیر کر رہا تھا اور اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہاں ایک شخص نے دونوں کو مار دیا۔ حکومت سرویا نے اس قتل کا ذمہ دار حکومت آسٹریا کو ٹھہرایا اور جرمنی کے اکسانے پر اس قتل کی تلافی کے لئے ذلیل شرطیں پیش کیں۔ ادھر روس نے سرویا کو اکسایا چنانچہ سرویا نے ان شرطوں کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر آسٹریا نے ۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو سرویا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ آسٹریا اور سرویا کی یہ جنگ عالمگیر جنگ بن گئی۔ اس جنگ میں دو فریق حسب ذیل طرفداریوں کے ساتھ بن گئے۔

ایک طرف انگلینڈ، فرانس، روس، امریکہ، اٹلی، جاپان، بلجیم، یونان، رومانیہ، چین، اور سرویا تھا۔ اور دوسری طرف جرمنی، آسٹریا، ٹرکی اور بلغاریہ تھے۔

اس جنگ میں مختلف محاذوں پر لڑائی لڑی گئی۔ چنانچہ محاذوں کی صورت یہ بنی۔

۱۔ مغربی محاذ۔ بلجیم اور مارن کی لڑائیاں۔

۲۔ مشرقی محاذ۔ روس اور پولینڈ کی لڑائیاں۔

۳۔ ٹرکی سے جنگ۔ عراق، مصر، ٹرکی اور سرویا کی لڑائیاں۔

۴۔ یورپ سے باہر جنگ۔ افریقہ اور بحرالکاہل کی لڑائیاں۔

۵۔ بحری جنگ۔ جٹ لینڈ اور فوک لینڈ کی لڑائیاں۔

محاذ ٹرکی

مذکورہ محاذوں کی تفصیل چھوڑ کر ہم صرف ٹرکی محاذ سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں اتحادیوں کے خلاف ترک بھی جرمنوں کے ساتھ مل گئے تھے۔ اس پر اتحادیوں نے درۂ دانیال کے راستے اپنی فوجیں گزارنے کی کوشش کی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ٹرکی کے دارالخلافہ قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا جائے اور بحیرۂ اسود سے گزر کر روس کو مدد پہنچائی جائے۔ لیکن درۂ دانیال پر ان کو سخت شکست ہوئی۔ پھر اتحادیوں نے جزیرہ نما گیلی پولی میں خشکی کے راستے سے استنبول پر قبضہ کرنا چاہا لیکن ترکوں نے اپنی بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ اتحادیوں کو یہاں بھی شکست ہوئی۔ ہندوستانی فوجیں خلیج فارس اور نہر سویز کے راستے سے عراق کے صوبہ میسوپوٹیمیا پر حملہ کرنے کے لئے بڑھیں جو ٹرکی کے قبضہ میں تھا۔ انہوں نے اگرچہ بصرہ فتح کر لیا لیکن قط العمارہ (Kut-ul-Amara) کے مقام پر مجبور ہو کر جنرل ٹاؤن شینڈ کے ماتحت ترکی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اس وقت شریف مکہ نے ترکوں سے غداری کی۔ اور ان کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں سے مل گیا۔ ادھر انگریزوں کی تازہ دم کمک بھی آ پہنچی اور انہوں نے بغداد اور بیت المقدس فتح کر لیا۔ اس طرح عراق عرب اور شام ترکوں کے قبضہ سے نکل گئے۔ چونکہ ۱۹۱۷ء میں امریکہ بھی اس لئے اس جنگ میں شریک ہوا کہ ایک جرمن آبدوز کشتی نے امیرالبحر لارڈ کچنر کے جہاز کو بھی جو پوشیدہ طور پر روس جا رہا تھا تارپیڈو مار کر ڈبو دیا اور لارڈ کچنر غرق ہو گیا۔

جرمن آبدوزیں غیر جانبدار ملکوں کے تجارتی جہازوں کو بھی ڈبو دیتی تھیں۔ اس پر ڈاکٹر ولسن صدر جمہوریہ امریکہ نے جرمنی کی اس جارحانہ کارروائی کے خلاف احتجاج کیا لیکن جرمن ان حرکتوں سے باز نہ آئے۔ اس لئے امریکہ بھی برطانیہ وغیرہ کے ساتھ مل گیا۔ امریکہ کی شرکت سے جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ ہر جگہ اور ہر محاذ پر جرمنی کو شکست ہوئی۔ ترک بھی شکست سے دوچار ہوئے۔ بلغاریہ نے ہار مان۔ لی۔ آسٹریا نے بھی تاب مقاومت نہ پا کر ہتھیار رکھ دیے اور جرمنی اکیلا رہ گیا۔ قیصر کو اپنی تباہی سامنے نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ وہ تخت چھوڑ کر اپنے ولی عہد کے ہمراہ ہالینڈ بھاگ گیا۔ اور جرمنوں نے صلح کی درخواست دے دی۔ چنانچہ ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو دن کے گیارہ بجے عارضی صلح ہوئی۔ اور اس طرح دنیا کی ہولناک جنگ ختم ہو گئی۔

یہ تھا اس جنگ کا پس منظر جس میں ترکی کو سخت تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ چونکہ ترکوں میں خلیفہ مذہبی حیثیت سے مرکزی اور خصوصی اہمیت رکھتا تھا اس لئے مسلمانان ہند کو جو انگریز کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے ترکوں سے خاص ہمدردی تھی۔ مسلمانان ہند کے بچے بچے کی زبان پر ترکوں کی فتح کے لئے دعائیہ الفاظ وظیفہ شبانہ روز تھے۔ شہروں شہروں اور ہندوستان کے قصبوں اور گاؤں گاؤں میں چندے کی اپیل اور تحریک سے مسلمانوں کے جذبات میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ اسی خلافت کی تائید اور تحریک نے ہندوستان میں ایک انقلابی کیفیت اختیار کرلی۔ اس تحریک کے لئے مسلمانان ہند نے خلافت کمیٹی کے نام سے بنیاد ڈالی۔ انگریز اس تحریک سے بوکھلا اٹھے۔ ادھر ہندوؤں نے کانگریس کی تحریک کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر گرم کر دیا۔ اور بالآخر شدھی تحریک نے ہندو مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔

۱۹۱۸ء میں اگرچہ جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی اور ترکوں کا کچومر نکل چکا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں محمد ارشاد کے انتقال کے بعد سلطان وحید الدین تخت پر آئے لیکن یہ تخت نشینی برائے نام تھی۔ جس نوجوان پارٹی نے جنگ عظیم میں ترکی کو شریک کیا وہ تو قسطنطنیہ سے بھاگ گئی اور اب وحید الدین کی ماتحتی میں ایک برائے نام وزارت بن گئی۔ جنہوں نے مخالف ملکوں سے صلح کرنی چاہی مگر کمزور سے صلح کون کرتا ہے۔ ترکی کے حصہ بخرے ہو گئے۔ قسطنطنیہ ارمینیہ اور مشرقی اناطولیہ روس کو مل گیا۔ شام اسکندرونہ اور موصل فرانس کو دے دیا گیا اور بغداد اور فلسطین کا علاقہ برطانیہ نے لے لیا۔ لیکن جنگ عظیم کے بعد روس میں بغاوت ہو گئی اور قسطنطنیہ پر قبضہ نہ کر سکا۔ اس لئے برطانیہ فرانس اور اٹلی نے ہی قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ مارچ ۱۹۱۸ء میں ان کی فوجیں قسطنطنیہ میں داخل ہوئیں اور انہوں نے تمام محکموں پر قبضہ کر لیا اور چیاسٹھ ترکوں کو جن میں ترکی کے شیخ الاسلام بھی تھے۔ مالٹا بھیج دیا اور سلطان وحید الدین کو اپنی غرض کے لئے بطور نظر بند قسطنطنیہ میں رہنے دیا۔

ترکی کے انقلاب کا دوسرا رخ

مصطفٰے کمال کا عروج

قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے بعد اٹلی فرانس اور برطانیہ میں اندرونی جھگڑے پیدا ہو گئے۔ ادھر ترکی کے علاقہ اناطولیہ میں ایک قسم کی طوائف الملوکی تھی۔ مصطفٰے کمال پاشا کو ترکی کی تباہی کا سخت قلق تھا انہوں نے اناطولیہ کو اپنا مرکز بنایا۔ کرنل عصمت انونو جنرل فیضی اور کپتان رؤف کو اپنے

ساتھ ملا لیا اور چونکہ یہ قسطنطنیہ میں کچھ نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے اتحادیوں کے قبضہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ چنانچہ کاظم قرہ کی چھ ڈویژن فوج نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ اتحادیوں کو سخت ناگواری ہوئی۔ اس اثنا میں سلطان وحید الدین نے مصطفےٰ کمال کو اناطولیہ کی فوجوں کا انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا تاکہ اناطولیہ پہنچ کر ترکی فوجوں کو منتشر کر دیں اور یہ اتحادیوں کے دباؤ کی وجہ سے ہوا۔ مصطفےٰ کمال ادھر روانہ ہو گئے۔ رؤف بے جو انہیں جہاز پر سوار کرانے کے لئے آئے تھے انہوں نے اطلاع دی کہ یونانیوں نے سمرنا پر حملہ کر دیا۔

ادھر مصطفےٰ نے مختلف ترکی افسروں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اناطولیہ کی طوائف الملوکی ختم کر کے ایک متوازی حکومت قائم کر لی اور ملک کے طول وعرض کا دورہ کر کے فوج اکٹھی کی۔ اتحادیوں نے خلیفہ پر مختلف قسم کے دباؤ دے۔ خلیفہ وحید الدین نے کمال کو قسطنطنیہ فوراً آنے کے تار دئے مگر وہ نہ گئے بلکہ خلیفہ کو اناطولیہ بلانے کی خواہش ظاہر کی۔ آخر مصطفےٰ نے جواب دیا کہ "میں اس وقت تک اناطولیہ ٹھہروں گا جب تک قوم کو آزادی حاصل نہ ہو جائے۔" یہاں اناطولیہ میں مصطفےٰ کمال کو لیڈر تسلیم کر لیا گیا چنانچہ کمال نے گرینڈ نیشنل اسمبلی قائم کی اور یورپ کی تمام سلطنتوں کے نام ایک اعلان بھیجا کہ قسطنطنیہ پر اتحادیوں کے ناجائز قبضہ کے بعد ترک لوگ خلیفہ اور ترکی حکومت کو گرفتار سمجھتے ہیں اس لئے انہوں نے ایک بڑے پیمانہ پر قومی اجتماع کیا ہے جس میں ترکوں نے گرینڈ نیشنل اسمبلی کی بنیاد رکھی ہے۔ یہی اسمبلی اس وقت ترکی کی حکمران ہے۔ اس لئے کوئی معاہدہ ترکی میں اس اسمبلی کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا۔ یہ اعلان جب پیرس کی صلح کانفرنس میں پہنچا تو صدر ولسن، مسٹر لائڈ جارج اور موسیو کلیمنسو جو ترکی کو آپس میں تقسیم کرنے کے فیصلے کر رہے تھے چونک اٹھے اور سوچنے لگے کہ اس مرد بیمار میں یہ کہاں سے جان پڑ گئی۔ انہوں نے اس کوڑی کی بندر بھبکی سمجھا اور ترکی کے مختلف حصے یونان، آرمینیہ اور اتحادیوں میں تقسیم کر دئے اس فیصلہ سے ترکوں میں آگ لگ گئی اور انہوں نے مصطفےٰ کمال کو ان سے نمٹنے کے لئے مختار کل بنا دیا۔

فوجی کیبنٹ

مصطفےٰ کمال نے اتحادیوں اور یونانیوں کے مقابلے کے لئے ایک فوجی کیبنٹ بنائی۔ جس میں بکر سمیع، ادنان اور رفیق شامل تھے اور عصمت آف دی سٹاف بنایا سب سے پہلے شام کی سرحد سے فرانسیسیوں کو بازنطی میں روکا اور شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ مشرق میں کاظم قرہ ابوبکر نے

آرمینیہ کی سرحدوں کو شریر آرمینیوں سے صاف کر دیا اس کے بعد مصطفےٰ کمال نے علی فواد کو ایشیا کی طرف سے اور جعفر طیار کو یورپ کی طرف سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اتحادی فوجوں کو وہاں سے نکل جانے کے سوا چارہ نہ تھا۔ لیکن اس موقع پر پیرس کانفرنس کے مدبروں نے یونانیوں کو سمرنا پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر لیا اور آگے اناطولیہ پر تسلط کرنے کا مشورہ دیا جس کے صلہ میں یونان سے ایک بڑی سلطنت کا وعدہ کر لیا۔ اس موقع پر مصطفےٰ نے پھر فوج اکٹھی کی اور رات دن ایک کر دیا اور سوویٹ روس سے بھی معاہدہ کر لیا۔ چنانچہ چھ ماہ میں ترک فوج کا ایک اچھا لشکر جمع کر لیا۔ کچھ دنوں کے بعد عصمت پاشا کی باقاعدہ فوجوں نے یونانیوں پر جوابی حملہ کیا اور ’’اینونو‘‘ کے مقام پر انہیں شکست فاش دی۔

۱۹۲۱ء کے پہلے ہفتہ میں یونانیوں نے پھر ایک زبردست حملہ کیا اور آگے بڑھنے لگے۔ یونانیوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ عصمت پاشا نے حملے کو روکنے کے لئے کئی جوابی حملے کئے۔ بالآخر انہوں نے مصطفےٰ کو تار دیا اور وہ فوراً پہنچے اور کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ مصطفےٰ نے جنگ کے نقشہ کا بغور مطالعہ کیا اور پیچھے ہٹ کر فوج کی پوزیشن مضبوط کی یونانیوں نے ۲۴ اگست ۱۹۲۱ء کو پھر حملہ کیا۔ حتیٰ کہ دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ چودہ دن تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی اور فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر چودھویں روز معرکہ ترکوں کے حق میں رہا اور یونانیوں کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے۔ دوسرے دن مصطفےٰ کمال نے اپنی تازہ ریزرو فوج کو میدان میں بھیج دیا۔ بالآخر بائیسویں دن یونانی فوجیں پسپا ہونی شروع ہو گئیں اور اس طرح کہ یونانی آگے آگے اور ترکی پیچھے پیچھے تھے۔ آخر یونانی فوجیں وہاں تک پیچھے ہٹ گئیں جہاں سے انہوں نے جولائی میں پیش قدمی کی تھی۔

فتح سمرنا اور تھریس نیز قسطنطنیہ سے یونانیوں اور اتحادیوں کا کوچ

مصطفےٰ ابھی مطمئن نہ تھے جب تک سمرنا فتح نہ ہو جائے۔ چنانچہ سمرنا فتح کرنے کے تمام منصوبے اور سیاسی ڈھنگ سوچ لئے گئے اور ۲۶ اگست ۱۹۲۲ء کی صبح کو چار بجے یونانیوں کی اہم پوزیشن ’’افیون قرہ حصار‘‘ پر حملہ کر دیا اور شام تک سمرنا کی فوجوں سے ان کے سارے تعلقات منقطع کر دیے۔ یونانی بدحواس ہو کر بھاگے اور بھاگتے بھاگتے سمرنا کی بندرگاہ پر پہنچے جہاں یونانی بیڑے اپنی شکست خوردہ فوج لے جانے کے لئے تیار کھڑے تھے ان میں یونانی فوجیں سوار ہو گئیں ترکی فوجوں نے اب یونانیوں پر جارحانہ حملے کئے اور دس دن کے اندر اندر انہیں ترکی سرحد سے پرے بحیرۂ روم میں دھکیل دیا اور سرزمین ترکی کو ان کے ناپاک قدموں سے پاک کر دیا۔ اور ستمبر کی ۱۲

تاریخ کو غازی کمال پاشا سمرنا میں تزک و احتشام سے داخل ہوئے۔ ایک طرف سمندر میں یونانیوں کی فوج بھاگی جا رہی تھی اور دوسری طرف سمرنا میں فتح کی چراغاں ہو رہی تھے اور اتحادی جنگی جہاز اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ سمرنا کی فتح کے ساتھ ترکی اور یونانی جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور اب اتحادی ترکوں کی شرائط پر صلح کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ اسے کہتے ہیں طاقت۔ اس کے بعد مصطفےٰ کمال نے یونانیوں سے تھریس خالی کرانے کی ٹھانی اور چناق پر بڑھنے کا حکم دیا۔ فرانسیسی حکومت اس سے گھبرا گئی اور انہوں نے اپنا سفیر غازی کمال کی خدمت میں بھیجا کہ اتحادی یونانیوں سے تھریس خالی کرا دیں گے اور قسطنطنیہ کو بھی خالی کر دیں گے چنانچہ ترکی اور برطانیہ میں عارضی صلح پر دستخط ہو گئے اور اس معاہدہ کے بعد مصطفےٰ کمال کا مقصد اور ترکوں کی فتح مکمل ہو گئی۔

ترکی میں خلافت کی بجائے جمہوریت

مصطفےٰ کمال نے یہ سب کچھ کرنے کے بعد سوچا کہ جب تک خلافت کو سلطنت سے جدا نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ملک کی دو عملی ختم نہیں ہو گی۔ اس لئے ۲۱ نومبر ۱۹۲۲ء کو قومی اسمبلی نے خلافت اور سلطنت کو جدا جدا کرنے کا معاملہ طے کر دیا۔ کمیٹی میں انہوں نے سلطنت کو خلافت سے علیحدہ کرنے اور سلطان وحید الدین کو معزول کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز سے ممبر چونک اٹھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ مسلمانوں کا مذہبی پیشوا تو رہے مگر سلطان نہ رہے۔ بالآخر مصطفےٰ کمال نے اپنی قوت سے یہ تجویز منظور کرالی۔ اور خلیفہ کو معزول کر دیا۔ جب یہ خبر قسطنطنیہ پہنچی تو وہاں کے برائے نام وزراء توفیق پاشا وزیر اعظم' مارشل عزت پاشا وزیر جنگ اور سب وزراء مستعفی ہو گئے البتہ سلطان اپنے تخت سے چمٹے رہے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد جب انگورہ کی حکومت کی طرف سے ان پر غداری کا الزام لگایا گیا اور ان پر مقدمہ چلانے کی تیاری ہوئی تو وہ انگریزی سپہ سالار ہیرنگٹن کی پناہ میں اپنے لڑکے اور بیوی کو لے کر انتہائی بے سروسامانی اور حسرت و مایوسی میں انگریزوں کے زیر سایہ مالٹا میں جا پہنچے۔ اور نیشنل اسمبلی نے ان کی بجائے ان کے چچا زاد بھائی پرنس عبدالمجید کو خلیفہ مقرر کیا۔ مگر اس کے بعد ۱۹۲۳ء میں ترکی میں جمہوریت قائم ہو گئی اور ساڑھے چھ سو سال کے بعد ترکی میں آل عثمان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ ہے ترکی خلافت کی کشمکش اور احتشام اور مصطفےٰ کمال پاشا کی کوششوں سے جمہوریت ترکی کا مختصر خاکہ

حضرت عثمانی کی سیاسیات کا پس منظر

(دوسرا دور)

مذکورہ تاریخی واقعات کو تفصیل سے پیش کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ترکوں کی اس تمام تر سرگذشت اور جنگ میں علامہ عثمانی کی خدمات اور سیاسیات لپٹی ہوئی ہیں۔ اور نہ صرف علامہ عثمانی کی بلکہ ہندوستان و پاکستان کی مشہور درس گاہ دارالعلوم دیو بند کی سیاسیات کا ایک حصہ ترکوں کی جنگ سے وابستہ ہے۔ آپ نے گذشتہ اوراق میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیو بند کے وہ حالات پڑھے ہیں جو ان کے ان جذبات کو روشن کر رہے ہیں جو ترکی کے ساتھ گہری ہمدردی کا پتہ دے رہے ہیں۔ یہی اسلامی ہمدردی اور ترکوں سے محبت کی جلن حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے وراثت میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب محدث اعظم دارالعلوم دیو بند کو ملی جو ان کے شاگرد رشید تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی نقش حیات میں تحریر فرماتے ہیں۔

”قدرت نے حضرت شمس الاسلام والمسلمین مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت شمس العلم والعلما مولانا رشید صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرار ہما کے در دولت تک پہنچا کر ”شیخ الہند“ کی شرف شاگردی اور حاضر باشی بارگاہ عطا فرمایا۔ یہ ہر دو حضرات ۱۸۵۷ء میں جہاد حریت کے شاملی تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) وغیرہ میں علمبردار رہے تھے اور حضرت قطب عالم مولانا الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز کی سرپرستی میں بڑے بڑے کارنمایاں کر چکے تھے اور اگرچہ برطانوی درندگی ان دونوں حضرات کو بھی مثل دیگر مجاہدین حریت صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتی تھی اور اگرچہ غداران ملت نے ان کو بھی اپنی ناعاقبت اندیشی سے پھنسانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا مگر قدرت کے خفیہ ہاتھوں نے ان دونوں حضرات کی کھلی کھلی خوارق عادات کراماتوں سے حفاظت کی تھی۔ بہر حال حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ میں ان دونوں بزرگوں اور بالخصوص حضرت نانوتوی قدس اللہ اسرار ہما کی صحبت اور شاگردی اور خدمت کی وجہ سے وہ تمام اطلاعات جن کی وجہ سے انقلاب ۱۸۵۷ء کی کوششیں ہندوستانیوں نے کی تھیں اور واقعات جو اس جنگ آزادی میں پیش آئے تھے معلوم ہو کر محفوظ ہو گئے تھے جن کی بنا پر وہ جذبہ حریت وایثار اور اس کی آگ اور امور حکومت پر تنقیدانہ نظر پیدا ہو گئی تھی کہ جس کی نظیر بجز قرون اولیٰ عالم اسلام میں

پائی جاتی تقریباً ممتنع ہے"۔ (نقش حیات ص ۱۵۲)

الحاصل حضرت شیخ الہند کو یہ جذبات مولانا نانوتوی سے ورثہ میں ملے اور انہوں نے بھی جنگ بلقان طرابلس اور خلافت کے زمانہ میں ترکوں کی بے حد امداد کی۔ مولانا حسین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"بلقان کے خونخوار اور طرابلس کے سنگین واقعہ نے مولانا کے دل و دماغ پر نہایت عجیب مگر بے چین کن اثر ڈالا۔ چنانچہ اس وقت (حسب طریقہ استاذ اکبر مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ العزیز بزمانہ جنگ روس) مولانا نے پوری جان توڑ کوشش امداد اسلام میں فرمائی۔ فتوے چھپوائے مدرسہ کو بند کر دیا طلبہ کے وفود بھجوائے خود بھی ایک وفد کے ساتھ نکلے چندے کئے اور ہر طرح سے مدد کی۔ ترغیب دے کر ایک اچھی مقدار بھجوائی۔ مگر اس پر چین نہ پڑا کیونکہ جنگ بلقان کے نتیجہ نے دور بینوں کو بالکل غیر مطمئن کر دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ یورپ کے سفید عفریت اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کر دینے کی فکر میں ہیں۔ پھر ذمہ داران برطانیہ مسٹر اسکوتھ وغیرہ کی دوبارہ بازیاں خرس روس کی جفا کاریاں تو یقین دلاتی تھیں کہ تقسیم ترکی اور اجزاء وصایا گلیڈسٹون کا زمانہ سر پر ہی آ گیا ہے۔" (سفرنامہ شیخ الہند ص ۵)

علامہ عثمانی اور جنگ بلقان

شیخ الہندؒ کے یہ اسلامی ترکی حکومت کی امداد کے واقعات ۱۹۱۲ء تک کی جنگ بلقان سے متعلق ہیں۔ دراصل اس جنگ میں برطانیہ اور اس کے شرکا کی گہری سازش تھی وہ چاہتے تھے کہ یونانیوں سے ترکوں کا تصادم کرا کر ان کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا جائے بہرحال شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ دارالعلوم دیوبند کو بند کرا دیا۔ طلبہ کے وفد بھیجے اور خود بھی دورے کئے ظاہر ہے کہ حضرت شیخ الہند کے شاگرد اس سلسلہ میں خاموش کیونکر رہ سکتے تھے اور وہ بھی خصوصی شاگرد چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس زمانہ میں ترکوں کی امداد کے لئے بہت کچھ کیا۔ اخبار احسان لاہور لکھتا ہے۔

"جب انگریزوں نے پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ کا تیا پانچا کرنے کے لئے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور یورپ کی طاقتیں ترکوں کو تباہ و برباد کرنے پر متحد و متفق ہو کر ان پر حملہ آور ہو گئیں تو ہندوستان میں جذبات ہمدردی کا جوالا مکھی پھٹ پڑا۔ ایک ایک فرد میں جذبات غیرت و اخوت جاگ اٹھے اور ترکوں کی حمایت کا ہر طرف غلغلہ بلند ہونے لگا۔ تو جوانوں بچوں بوڑھوں عورتوں اور مردوں نے

ترکوں کی معاونت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی اور میدان جنگ میں زخمی ترکوں کے ایک ایک زخم کو اپنا زخم سمجھا یہاں تک کہ مشاہیر ہند کا ایک ریڈ کراس کا وفد ان مجروحین و مظلومین کی مدد کے لئے ترکی پہنچا شیخ الاسلام (علامہ شبیر احمد عثمانی) کے جذبہ اخوت میں جوش پیدا ہوا اور آپ نے بذات خود چندہ جمع کیا ہلال احمر کے کام میں آپ نے دن رات ایک کر دیا اور ایک سچے مومن اور مجاہد کی طرح مردانہ وار ترکوں کی مدد کی۔" (اخبار احسان ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء ص ۱ کالم نمبر ۱)

اخبار روزنامہ کراچی لکھتا ہے:۔

"مولانا شبیر احمد صاحب کو شیخ الہند محمود حسن صاحب جیسے جید عالم باعمل کے آگے زانوائے تلمذ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ الہند وہ بزرگ تھے جنہوں نے تعلیمات قرآنی کی روشنی میں مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ سچے دین کا انعام دیا بلکہ اس دور کے مخصوص سیاسی حالات کے متعلق اسلامی نقطہ نگاہ سے بھی مسلمانوں کو ایک سیاسی لائحہ عمل کی طرف بلایا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی بھی اس سے متاثر ہوئے جنگ بلقان کے زمانہ میں (۱۳۳۰ھ میں (مولانا شبیر احمد عثمانی) نے انجمن ہلال احمر کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا"۔ (امروز کراچی ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء ص ۵ کالم نمبر ۱)

دار العلوم دیوبند اور چندہ ہلال احمر

ان عبارتوں کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علامہ عثمانی ملی اور قومی خدمات اور ترکوں کی مذہبی جنگ اور خلافت کے سلسلہ میں اس زمانہ میں اکثر مصروف رہے۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی جبکہ راقم الحروف نے دار العلوم دیوبند کے ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۱۲ء کے ماہنامہ القاسم رسالہ میں مولانا عبید اللہ صاحب سندھی فاضل دیوبند کا ایک نوٹ پڑھا"۔ اس نوٹ میں دار العلوم دیوبند کی ان سرگرم کوششوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے اساتذہ اور طلبہ نے ترکوں کی جنگ بلقان کے سلسلہ میں کیں۔ ہلال احمر ترکی میں ایک انجمن یا جماعت کا نام ہے جس کا مقصد ریڈ کراس سوسائٹی کی طرح جو انگریزی نام ہے۔ ملک کی آڑے وقت میں مدد کرنا زخمیوں بیماروں کا علاج اور مداوائی کرنا ہے الغرض مولانا عبید اللہ صاحب ناظم جمعیۃ الانصار دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں:۔

دار العلوم کا فتویٰ جو گذشتہ نمبر میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اب تک مختلف طور پر ایک لاکھ سے زیادہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے دار العلوم اور اس کے متعلق مدارس کے مدرسین اور طلبہ کے وفود قصبات اور دیہات تک ہند کے تمام اطراف میں دورہ کر کے رؤسا علماء مشائخ اور عوام کو متوجہ کرتے رہے ہیں محض ان لوگوں کے مواعظ اور اس جماعت کے مساعی جمیلہ سے ایک بڑی مقدار جس کا

تخمینہ تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں کیا جاتا مقامی انجمنوں اور اخبارات کے ذریعے سے بھیجا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اراکین دار العلوم کی معرفت بھی پچھتر ہزار (۷۵۰۰۰) سے زیادہ جمع ہو چکا ہے اور یہ روپیہ عموماً نیشنل بینک کے توسط سے پریذیڈنٹ ہلال احمر قسطنطنیہ کے نام سے پہنچایا گیا ہے۔ ہم وفود دار العلوم کے دورہ اور خاص دیوبند میں جو روپیہ جمع ہو کر براہ راست قسطنطنیہ بھیجا گیا یا اراکین دار العلوم کی کوششوں سے جمع ہو کر بھیجا گیا ہے اس کی تفصیل تو آئندہ ہوگی گو اس قدر ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ ضلع سہارنپور میں مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور صدر انجمن ہلال احمر سہارنپور و مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری و مولانا اشرف علی صاحب تھانوی و مولانا حکیم مسعود احمد صاحب گنگوہی وغیرہ وغیرہ کے مساعی جمیلہ سے جس قدر روپیہ جمع ہوا غرباء اور متوسط الحال لوگوں سے اتنی رقوم جمع کر لینا آسان نہیں۔ مولانا خلیل احمد صاحب خاص سہارنپور سے زائد از بیس ہزار روپیہ اب تک بھیج چکے ہیں"۔ (القاسم ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۴)

کاغذات پر آئی ہوئی یادداشتیں ریسرچ اور تحقیق کے طلبہ کے لئے دولت سے زیادہ ایک بیش بہا سرمایہ ہیں۔ مذکورہ تحریر سے علمائے دیوبند اور ان سے متعلق انجمنوں اور مدارس سے دار العلوم کی تحریک پر کل مجموعہ تین لاکھ روپیہ کوئی معمولی سرمایہ نہیں جو ترکوں کی مدد کے لئے بھیجا گیا۔

ان وجوہات کی بنا پر کہ دار العلوم دیوبند کو بند کر دیا گیا تھا اور ایک اہم امر در پیش تھا۔ دار العلوم دیوبند کے خزانے میں بھی تنگی کی پیش آ گئی تھی۔ حضرت استاذ مولانا سراج احمد صاحب استاذ دار العلوم ناظم جمعیۃ الانصار اور نائب مدیر رسالہ القاسم لکھتے ہیں:۔

"سال گذشتہ میں چونکہ جنگ بلقان کی وجہ سے ترک مظلوموں کی امداد کی طرف عامہ مسلمین متوجہ تھے ہر شہر قصبہ اور اکثر دیہات میں ہلال احمر کی انجمنیں قائم تھیں۔ وفود جا بجا پھرتے تھے اور خود دار العلوم دیوبند اور اس کی جمعیت کے اجزا اس کار خیر کے لئے وقف تھے۔ دار العلوم کی آمدنی ایک مدت تک بند رہی اور جمعیت الانصار کے سفرا کے روزنامچوں اور بہیوں میں بجائے رقوم اور ہندسوں کے صفر رہ گیا"۔ (القاسم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ ص ۳۶)

ان تمام تحریروں کو پیش کر کے راقم الحروف نے جنگ بلقان دار العلوم دیوبند اور متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کی مساعی اور ترکوں سے ہمدردی کا پورا پس منظر قاری کے سامنے رکھ دیا ہے۔ مگر یہ سب باتیں علامہ عثمانی کے جنگ بلقان میں حصہ لینے کے تذکرہ کے ضمن میں سامنے آ گئیں۔

علامہ کے متعلق جیسا کہ اخبار امروز کراچی اور اخبار احسان کی اطلاع ہے کہ انہوں نے جنگ

بلقان میں ترکوں کی بہت مدد کی اور ہلال احمر کے لئے بیش از بیش چندہ کیا واضح ہے۔ چنانچہ ضمیمہ القاسم ذی الحجہ ومحرم ۱۳۳۰ھ و ۱۳۳۱ھ میں کئی جگہ مولانا عثمانی کا نام آیا ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آں موصوف نے بھی شیخ الہند کے دوسرے شاگردوں کی طرح اور دارالعلوم کے جلیل القدر استاذ کی حیثیت سے مختلف جگہ کے دورے کئے ہیں جو ان کے لئے مقرر کئے گئے ہوں گے مثلاً آپ نے ضلع مظفر نگر میں دورہ کیا اور کاندھلہ ضلع مظفر نگر سے ہی ایک رقم تین سو پندرہ روپیہ کی وصول کی حالانکہ وہ ایک چھوٹی سی بستی ہے پھر ایک رقم امری ضلع مرادآباد سے مولانا عثمانی کے نام درج ہے کہ ان کی معرفت موصول ہوئی۔ اس معمولی سے گاؤں سے مولانا کی معرفت دو سو روپیہ کی رقم ملی ہے۔ گویا پانچ سو پندرہ کی رقم تو یہ ہے لیکن باقی حسابات تیسری قسط کے طور پر القاسم ربیع الاول ۱۳۳۱ھ میں چھپے ہیں جو اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ کے جلسہ میں جو ۱۳۲۱ روپیہ کی رقم اساتذہ نے جمع کی اس میں ان کا بھی حصہ ہے۔

یہ رقوم وزیر اعظم قسطنطنیہ کو بذریعہ نیشنل بینک بمبئی روانہ کی گئی جیسا کہ القاسم رسالہ کے صفحات سے واضح ہے۔ رسالہ القاسم ماہ محرم ۱۳۳۱ھ کے ضمیمہ میں ص ۱۰ پر دارالعلوم سے ہلال احمر قسطنطنیہ کی پانچویں قسط کی رسید وصولی کا تار بنام مہتمم صاحب درج ہے یہ تار وزیر اعظم مارشل محمود شوکت کی طرف سے گیارہ سو ترکی پونڈ پہنچنے کی اطلاع پر شامل ہے۔ جو ۲۸ جنوری کو چار بجکر دس منٹ پر ترکی سے روانہ ہو کر ۲۹ جنوری کو سات بج کر پینتیس منٹ پر مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کو موصول ہوا تھا۔ (ضمیمہ القاسم محرم ۱۳۳۱ھ ص ۱۰)

جنگ بلقان کے دو سال بعد جنگ عظیم چھڑ گئی اور ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دیا یہ جنگ ۱۹۱۸ء میں ختم ہوئی جس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں لیکن جنگ کے خاتمہ پر چونکہ برطانیہ اٹلی فرانس نے ترکوں کے ملک کو اپنے اپنے حصوں میں تقسیم کر لیا۔ اس لئے خلافت کی تحریک نے زور پکڑا اور ہندوستان کے مسلمانوں اور علمائے دیوبند نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس سرے سے اس سرے تک ملک میں آگ لگ گئی۔

اس مقام تک پہنچنے کے بعد سیاست عثمانی کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ پہلا حصہ جنگ بلقان وطرابلس اور ترکوں کی سیاسی اور مالی امداد۔

۲۔ دوسرا حصہ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک۔ جس میں ترکوں کی مالی اور سیاسی نصرت کی اہمیت کا تعلق ہے۔

۳۔ تیسرا دور ۱۹۱۸ء سے لے کر ۱۹۲۳ء تک ہے جس میں جنگ عظیم بند ہونے پر قسطنطنیہ اور

ترکی ملک کی تقسیم کے بعد سے مصطفٰے کمال کے عروج اور سمرنا نیز تھریس سے یونانیوں کے اخراج اور قسطنطنیہ سے ۱۹۲۲ء میں اٹلی برطانیہ اور فرانس کے اقتدار اور تسلط کے خاتمہ تک جس کے بعد خلافت کا خود ترکوں کی طرف سے ۱۹۲۳ء میں خاتمہ کر دیا اور مصطفٰے کمال کی کوششوں سے ملک میں انگورہ اسمبلی نے جمہوریت کا اعلان کر دیا۔

تحریک خلافت اور علامہ

تیسرا دور

تحریک خلافت ۱۹۱۹ء

چونکہ ترک خلیفہ خلافت اسلامی کے اہم کردار کو جس حالت میں بھی تھا ادا کر رہا تھا اور نام کا خلیفہ کہلاتا تھا اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں میں تقسیم و تسلط کے بعد انگریزوں کے خلاف سخت ہیجان پھیل گیا اور مسلمانوں نے ہندوستان میں خلافت کے جلسے کرنے شروع کر دیئے۔ ان میں سے خاص خاص جلسے حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ ۱۷ جنوری ۱۹۱۹ء کو مدارس میں بصدارت سیٹھ یعقوب حسن۔
۲۔ ۲۶ جنوری ۱۹۱۹ء کو لکھنو میں بصدارت مولانا عبدالباری۔
۳۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنو میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے نام سے۔
۴۔ ۲۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں بصدارت مسٹر فضل حق (مسلمانوں کا روشن مستقبل)

اس اثنا میں مسٹر گاندھی بھی خلافت کی تحریک میں حصہ لینے لگے اور مذکورہ ابتدائی جلسوں کے بعد امرتسر میں مولانا شوکت علی کی زیر صدارت ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا مولانا شوکت علی نظر بندی سے رہائی پا کر سیدھے جلسہ کی صدارت کے لئے پہنچے۔

تحریک خلافت کا اثر حکومت پر ۱۹۱۹ء کی ابتدا سے ہی پڑنے لگا تھا۔ بعد ازاں اس تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ ہندوستان کا بچہ بچہ انگریز کے خلاف زہر اگلتا تھا اور ہر شخص بے دھڑک انگریزوں کے خلاف تقریر کرتا تھا۔

خلافت کانفرنس کا دوسرا شاندار اجلاس ۱۵ فروری ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں مسٹر غلام محمد بھرگری کی زیر صدارت ہوا۔ بعد ازاں جبکہ مولانا ابوالکلام آزاد طویل نظر بندی سے رہا ہوئے تو خلافت کے جلسوں میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ شرکت کرنے لگے چنانچہ انہوں نے کلکتہ میں پراونشل

کانفرنس کی جو ۲۹ فروری ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوئی۔ صدارت کرتے ہوئے انگریزوں سے ترک موالات کا ریزولیوشن پیش کیا۔ جس میں ہندوؤں نے بھی بہت دلچسپی لی۔ گویا تحریک خلافت ترک موالات کا ہندوستان میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور اس میں ہندو مسلمان دونوں برابر کے شریک ہو گئے اب خلافت کی طرح بچے بچے کی زبان پر ترک موالات اور خلافت کی رٹ تھی۔ انگریزی مال انگریز سے تعاون کو ہندوستانی سخت برا جاننے لگے۔

ان دونوں تحریکوں یعنی ترک موالات اور تحریک خلافت میں علمائے دیوبند نے رہبری کے فرائض انجام دیئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کو ترکوں سے ہمدردی اور انگریزوں کی حکومت سے بیزاری پہلے ہی سے ظاہر تھی مگر جنگ بلقان اور طرابلس میں روپیہ سے ترکوں کی امداد نے شیخ الہند اور ترکی حکومت کو قریب کر دیا تھا۔ شیخ الہند اور مسلمانان ہندوستان کا سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے اور خصوصاً علمائے دیوبند کا نظریہ یہ رہا ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال کر مسلمانوں کی حکومت کو بحال کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت شیخ الہند کی باہر کی اسلامی حکومتوں کے ساتھ برابر سلسلہ جنبانی رہی اور بالآخر اسی جنگ عظیم کے دوران میں شیخ الہند ستمبر ۱۹۱۵ء میں حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے۔ اور اگست ۱۹۱۵ء میں مولانا عبید اللہ سندھی کو جو ان کے جاں نثار شاگرد تھے جرمنی اور ترکی مشن سے جو افغانستان آیا ہوا تھا ملنے کے لئے بھیج دیا تھا تاکہ وہ امیر افغانستان پر برطانیہ کے خلاف زور ڈالے۔ مگر انگریزوں کی سی آئی ڈی تمام حالات پہنچا رہی تھی چنانچہ شریف مکہ کے ذریعہ جو ترکوں سے باغی ہو چکا تھا۔ انگریزوں نے شیخ الہند علیہ الرحمۃ کو مکہ معظمہ میں گرفتار کیا اور مالٹا میں نظر بند کر کے رکھا۔ پانچ سال کی اسیری کے بعد حضرت شیخ الہند ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء کو بمبئی کے ساحل پر اترے اور ۲۶ رمضان ۱۳ جون ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء کو ۹ بجے دیوبند کے سٹیشن پر پہنچے دیوبند پہنچ کر آرام کا موقع بھی نہ ملا کہ چاروں طرف سے تحریک خلافت اور ترک موالات نے آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب
وشیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب

شیخ الہند کی حج کی روانگی سے پہلے جنگ بلقان و جنگ طرابلس کے سلسلہ میں حضرت شیخ اور ان کے شاگردوں اور مولانا عثمانی کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔ لیکن شیخ الہند کی مالٹا سے واپسی پر

مولانا عثمانی نے اپنے استاذ کی معیت میں طوفانی دورے کئے اور شیخ الہند کی زبان اور قلم بن کر پوری ترجمانی کی۔ چنانچہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایڈیٹر برہان نظرات میں لکھتے ہیں:۔

”حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مالٹا سے آنے کے بعد آپ (مولانا شبیر احمد عثمانی) نے ۱۹۱۹ء کے آخر اور ۱۹۲۰ء کے شروع میں سہارنپور غازی پور لکھنو بنارس کانپور علی گڑھ دہلی کے بڑے بڑے اجتماعات میں حضرت شیخ الہند کے ترجمان کی حیثیت سے جو بلند پایہ تقریریں کیں۔ انہوں نے ملک کے گوشے گوشے میں (مولانا عثمانی) کی عظمت و برتری کا سکہ بٹھادیا“۔ (رسالہ برہان ماہ جنوری ۱۹۵۰ء)

مولانا سعید احمد صاحب نے ۱۹۱۹ء کے آخر کے متعلق جو تحریر کیا ہے کہ شیخ الہند کے ساتھ دورہ کیا صحیح نہیں۔ کیونکہ شیخ الہند خود ۱۳ جون ۱۹۲۰ء کو مالٹا سے دیوبند واپس تشریف لائے تھے۔ اور اسی سنہ میں حضرت شیخ کے ساتھ علامہ کے دورے رہے۔ بہرحال مذکورہ عبارت سے یہ واضح ہے کہ خلافت اور ترک موالات کے سلسلہ میں مولانا نہ صرف علمائے دیوبند اور نہ صرف شیخ الہندؒ بلکہ تمام علمائے ہند کی بہترین سیاسی اور مذہبی نمائندگی کرتے رہے۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ماہنامہ رسالہ معارف میں لکھتے ہیں:۔

”خلافت اور جمعیۃ کے جلسوں میں مولانا شبیر احمد صاحب آتے جاتے رہتے تھے“

(معارف اپریل ۱۹۵۰ء ص ۳۰۱)

جنگ بلقان کے آغاز ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک اور بالخصوص ۱۹۱۵ء سے جون ۱۹۲۰ء تک جب کہ حضرت شیخ الہند پانچ سال کے لئے مالٹا میں اسیر رہے علمائے دیوبند کی جماعت میں سب سے بڑا شعلہ مقال مقرر صرف مولانا عثمانی تھے جو خلافت اور جمعیت کے جلسوں میں علمائے دیوبند کی نمائندگی کرتے رہے اور یا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی جو آپ کے بڑے بھائی سابق مہتمم دارالعلوم تھے اور یوں تو باہر متوسلین دیوبند کی کمی نہ تھی مگر دارالعلوم میں انہی دونوں بھائیوں کا زیادہ اثر تھا اور یہی دونوں بیرونی جلسوں میں زیادہ تر نمائندگی فرماتے تھے۔ حضرت شیخ الہند جن کو پانچواں سال مالٹا کی اسارت میں ہو گیا تھا ان کی رہائی اور قید سے خلاصی کے لئے مولانا حافظ محمد احمد صاحب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اپنی تقریروں اور تدبیروں سے مختلف کوششیں کرتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم حیات شیخ الہند میں تحریر فرماتے ہیں۔

”حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس

میں (شیخ الہند کی رہائی کے لئے کمشنر سے ملنے کے لئے) تجویز شدہ وفد اور دیوبند کے جلسہ کی اطلاع دے کر دوسرے مقامات کے اہل اسلام کو ۲۶ رجب ۱۳۳۸ھ (۱۶ اپریل ۱۹۲۰ء) یوم جمعہ کو اپنے اپنے شہروں میں جلسے کرنے کی تحریک کی گئی تھی اور اشتہار کی اطلاع کے بموجب اسی تاریخ کو بعد نماز جمعہ دیوبند میں عام اہل اسلام کا ایک جلسہ ہوا جس میں دیوبند اور اس کے متعلق دیہات کے مسلمان بہ تعداد کثیر شریک تھے حضرت مہتمم صاحب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب نے تقریریں کیں جن میں مناسب حالات و واقعات کے ذکر کے بعد پرزور الفاظ میں گورنمنٹ سے حضرت مولانا (شیخ الہند) کی آزادی کا مطالبہ کیا گیا تھا اور پھر تمام حاضرین کے اتفاق سے وائسرائے کی خدمت میں اس مضمون کا ایک تار بھیجا گیا"۔ (حیات شیخ الہند ص ۱۱۶)

مذکورہ تحریر سے معلوم ہوا کہ حضرات علماء دیوبند حضرت شیخ الہند کی رہائی کی برابر کوشش کرتے رہے اور اپنے شیخ کے لئے علامہ عثمانی کا دل بھی جدائی میں جلتا رہا۔ بہرحال مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے مذکورہ بالا جملہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانی خلافت اور جمعیۃ کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے جیسا کہ ابھی گزرا کہ تحریک خلافت کی بنیاد ۱۹۱۹ء میں پڑی اور اس کے جلسے بتفصیل ذیل ہوئے۔

۱۔ پہلا بڑا اجلاس امرتسر میں بصدارت مولانا شوکت علی صاحب۔
۲۔ دوسرا اجلاس فروری ۱۹۲۰ء میں بمقام بمبئی زیر صدارت غلام محمد بھرگری۔
۳۔ تیسرا اجلاس ۲ جنوری ۱۹۲۱ء کو زیر صدارت مولانا عبدالماجد بدایونی بمقام ناگپور۔
۴۔ چوتھا اجلاس ۲۶ دسمبر ۱۹۲۱ء بمقام احمد آباد بصدارت حکیم اجمل خان مرحوم۔
۵۔ پانچواں ۲۷ دسمبر ۱۹۲۳ء کو بمقام گیا زیر صدارت ڈاکٹر انصاری۔
۶۔ ۱۹ مارچ ۱۹۲۳ء بصدارت مولانا محمد علی بمقام کلکتہ۔
۷۔ ایک خاص اجلاس ۲۴، ۲۵ جون ۱۹۲۳ء کو دہلی میں ہوا۔
۸۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۲۵ء کو بمقام کانپور بصدارت مولانا ابوالکلام آزاد۔
۹۔ ۹،۸ مئی ۱۹۲۶ء کو بمقام دہلی زیر صدارت سید سلیمان ندوی۔
۱۰۔ ۱۹۲۷ء میں تین اجلاس بمقام لکھنو مدارس وغیرہ ہوئے۔
۱۱۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۸ء کو بصدارت مولانا محمد علی بمقام کلکتہ۔

اس کے بعد خلافت کمیٹی کے لیڈروں میں نہرو رپورٹ کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا اور پھر

سالانہ جلسے باقاعدہ نہ ہو سکے۔ ۳۰ مئی ۱۹۳۱ء کو بمبئی میں اور ۲۷ ستمبر ۱۹۳۲ء کو اجمیر میں اور ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء کو بمبئی میں خلافت کے جلسے ہوئے اور پھر کوئی جلسہ نہ ہوا۔ اور اس طرح خلافت کمیٹی کا کام ختم ہو گیا۔ (ماخوذ از مسلمانوں کا روشن مستقبل)

علامہ عثمانی اور جمعیۃ العلما ہند دہلی

جمعیۃ العلما کی بنیاد

۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو جب خلافت کانفرنس کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ تو اس میں مجلس شوریٰ نے طے کیا کہ مذہبی اور سیاسی امور میں علما مسلمانوں کی رہبری کا کام انجام دیا کریں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلما کی بنیاد رکھی گئی اور علامہ عثمانی اس کے رکن رکین بن کر رہے۔ جمعیت کے جلسے حسب ذیل سالوں میں منعقد ہوتے رہے جن میں اکثر علامہ نہ صرف شریک ہوئے آپ نے پر جوش اور کامیاب تقریریں کیں۔

۱۔ پہلا اجلاس ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو بمقام امرتسر ہوا۔

۲۔ دوسرا اجلاس ۱۹ تا ۲۱ دسمبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی بصدارت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب

۳۔ تیسرا اجلاس ۱۹ نومبر ۱۹۲۱ء بمقام لاہور بصدارت مولانا ابوالکلام آزاد۔

۴۔ چوتھا اجلاس ۲۴ دسمبر ۱۹۲۲ء بمقام گیا زیر صدارت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

۵۔ پانچواں اجلاس از ۳۰ دسمبر ۱۹۲۳ء تا ۲ جنوری ۱۹۲۴ء بصدارت مولانا حسین احمد صاحب مدنی بمقام کوکناڈا۔

۶۔ چھٹا اجلاس ۱۱ تا ۱۴ جنوری ۱۹۲۵ء زیر صدارت مولانا سید محمد سجاد صاحب۔ بمقام مرادآباد۔

۷۔ ساتواں اجلاس ۱۴ مارچ ۱۹۲۶ء زیر صدارت مولانا سید سلیمان ندوی۔ بمقام کلکتہ۔

۸۔ آٹھواں اجلاس ۲ تا ۵ دسمبر ۱۹۲۷ء بمقام پشاور زیر صدارت حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب محدث دیوبند۔

۹۔ نواں اجلاس ۳ تا ۶ مئی ۱۹۳۰ء بصدارت شاہ معین الدین صاحب۔ بمقام امروہہ۔

۱۰۔ دسواں اجلاس ۳۱ مارچ یکم اپریل ۱۹۳۱ء کراچی میں۔

اس کے بعد علمائے جمعیۃ کے جیلوں میں بار بار جانے کے باعث جلسہ نہ ہو سکا۔ بعد ازاں آٹھ سال کے بعد گیارہواں اجلاس منعقد ہوا۔

۱۱۔ گیارہواں اجلاس ۱۳ تا ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء دہلی میں ہوا۔

۱۲۔ بارہواں اجلاس ۷، ۸، ۹ جون ۱۹۴۰ء کو جون پور میں ہوا۔

۱۳۔ تیرہواں سالانہ اجلاس ۲۰ تا ۲۲ مارچ ۱۹۴۳ء لاہور میں ہوا۔

۱۴۔ چودھواں سالانہ اجلاس ۳ تا ۷ مئی ۱۹۴۵ء سہارنپور میں ہوا۔

مذکورہ بالا خلافت اور جمعیۃ العلما کے اکثر جلسوں میں علامہ عثمانی شریک ہوتے رہے اور نہ صرف ان جلسوں میں بلکہ ہندو مسلم متحدہ پلیٹ فارموں پر بھی وہ مسلمانوں کی نمائندگی کرتے رہے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ خلافت کے زمانہ میں ترک موالات کی تحریک کے موقع پر خلافت، جمعیۃ اور کانگریس کے جلسے ایک ہی شہر میں اکٹھے ہوا کرتے تھے جن کی تاریخ بہت طویل ہے۔ تاہم دارالعلوم دیوبند کے حلقہ اثر میں اکثر و بیشتر علامہ عثمانی کی جلسوں میں شرکت اور دھواں دھار تقریروں کا تذکرہ آنکھوں سے دیکھنے والوں سے بھی سنا ہے آیئے اب ہم جمعیۃ العلما کے دوسرے سالانہ اجلاس کے پلیٹ فارم سے جو ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ کی زیر صدارت مالٹا کی اسارت سے واپسی پر نہایت شان و شوکت سے دہلی میں منعقد ہوا اور جس میں پانچ سو علماء شریک ہوئے تھے۔ علامہ عثمانی کے ایک زبردست خطبہ کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ اس خطبہ کا ذکر اس کتاب کے آغاز میں مجملاً کیا گیا ہے مگر یہاں پھر یاددہانی کے لئے اتنا ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ حضرت عثمانی نے یہ خطبہ حضرت شیخ الہند کی فرمائش پر ترک موالات پر لکھا تھا اور دہلی کے اس اجلاس میں پڑھ کر سنایا تھا جس کو علما نے بہت پسند کیا تھا۔ حضرت شیخ الہند نے یہ خطبہ لکھنے کے لئے تین حضرات یعنی مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا حسین احمد صاحب اور علامہ عثمانی کو فرمایا تھا اور ان سب میں شیخ الہند نے علامہ عثمانی کا خطبہ پسند فرمایا۔ جیسا کہ اس سے پہلے ادب اردو کی بحث میں مولانا محمد طیب صاحب کی عبارت پیش کی جا چکی ہے۔

بہر حال چونکہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کی طرف سے انگریزوں کے ساتھ تعاون ترک کرنے کی تحریک زوروں پر تھی اس لئے جمعیۃ العلما کے اس اجلاس میں بھی اس پر مذہبی اور شرعی حیثیت سے غور ہونا تھا۔ چنانچہ علامہ عثمانی نے اپنے دلائل شرعیہ، پختگی رائے اور قوت تحریر سے جلسہ پر چھا گئے۔ آپ کے اس خطبہ کے کچھ اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔ جس سے ان کی شرعی معلومات، سیاست اور تحریک میں شرکت کا اندازہ ہو سکے گا:۔

خطبۂ عثمانی کے اقتباسات

ترکِ موالات

کسی قوم کی فتح وظفر کے دو ہی طرح کے سامان ہو سکتے ہیں۔ مادی یا روحانی' انہی روحانی اسلحہ میں سے ایک وہ ہتھیار ہے جس کو ترک موالات یا ترک تعاون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ترک موالات کی تحریک ان شاء اللہ یقیناً موثر ہے۔ بشرطیکہ قوم متفق ہو کر اس کو انجام دے۔ اگرچہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے اس میں بہت سے شبہات بھی پیدا کئے گئے ہیں لیکن جس قدر اس مسئلہ پر نکتہ چینی کی جا رہی ہے اسی قدر وہ زیادہ واضح اور قوی ہوتا جاتا ہے۔ آج کل سب سے زیادہ جو غلط فہمی پھیل رہی ہے وہ یہ ہے کہ "ترک موالات" دوستی اور محبت چھوڑنے کا نام ہے لیکن تعلقات اور معاملات کا چھوڑنا اس میں داخل نہیں۔

تحقیق لفظ موالات

میں کہتا ہوں کہ موالات کے لغوی معنی باہم ایک دوسرے کو ولی بنانے کے ہیں۔ اور ولی کے معنی قاموس اللغت میں دیکھ لیجئے۔ "دوست" کے بھی ہیں اور ناصر و مددگار کے بھی ہیں۔ اور قریب کے بھی اور متصرف کے بھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیات موالات میں ان میں سے کس معنی کا قصد کیا گیا ہے۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ جن کی تفسیر کو امام التفاسیر کہنا چاہئے اولیاء کی تفسیر اعواناً و انصاراً و ظہراً سے فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ موالات ممنوعہ کے معنی معاونت اور مناصرت کے ہیں۔

سورۂ ممتحنہ کی پہلی آیت سب جانتے ہیں کہ حضرت حاطب بن بلتعہ کے واقعہ میں نازل ہوئی۔ یہ حضرت حاطب وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک تھے لیکن انہوں نے ایک دنیوی مصلحت کے لئے مدینہ منورہ سے کفار مکہ کو ایک پوشیدہ خط لکھا جس میں یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر تم پر اندھیری رات اور ایک امنڈنے والے سیلاب کی طرح ٹوٹنے والا ہے۔ تم اپنے بچاؤ کا انتظام کر لو۔ واقعہ طویل ہے حاصل یہ ہے کہ وہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے راستہ میں پکڑ لیا گیا اور حضرت حاطب بحیثیت ایک مجرم کے جناب رسالت مآب میں حاضر کئے گئے۔ آپ نے ان سے وجہ دریافت کی۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں نہ میں دین حق سے پھرا ہوں اور نہ کفر سے راضی ہوا

ہوں۔ بات صرف اتنی ہے کہ مکہ میں میرے اہل وعیال تنہا تھے میرا کوئی خاندان وہاں نہ تھا جو ان کی حفاظت کرتا۔ خط لکھنے سے میری غرض یہ تھی کہ کفار مکہ میرے اہل وعیال کے بارہ میں میری کچھ رعایت کریں۔ اور یہ میں یقین رکھتا تھا کہ اللہ ضرور اپنے وعدہ کو جو اپنے رسول کے ساتھ کیا ہے پورا کرے گا اور میرا خط ان لوگوں کو خدا کی سزا سے نہیں بچا سکتا۔

ان واقعات کو پڑھ کر آپ بتائیے کہ کیا حضرت حاطب کو کفار کے ساتھ واقعی محبت قلبی اور دوستانہ تعلق تھا۔ کوئی شخص ایک صحابی بدری کی نسبت یہ یقین نہیں کر سکتا البتہ ایک ظاہری معاملہ معاونت کا انہوں نے کفار کے ساتھ ایسا کیا تھا۔

جو ایک رفیق، رفیق کے ساتھ کرتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

یایها الذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیآء تلقون الیهم بالمودة و قد کفروا بما جآءکم من الحق

اے مسلمانو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو یار و مددگار مت بناؤ پیغام بھیجتے ہو تم ان کی طرف دوستی کا حالانکہ وہ منکر ہوئے ہیں اس سچائی کے جو تمہارے پاس آئی ہے۔

پس بداہۃً ثابت ہوا کہ موالات صرف محبت قلبی تک محدود نہیں بلکہ ہر ایسا معاملہ اور ہر ایسی اعانت و امداد جس سے ایک دوسرے کی رفاقت مترشح ہوتی ہے۔ موالات کے تحت میں داخل ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ ایسی ایسی صریح تفاسیر کے بعد ہر ایک سمجھدار آدمی یقین کرے گا کہ ترک موالات اور ترک تعاون متقارب الفاظ ہیں۔ ہاں ترک تعلقات یا ترک معاملات ان دونوں میں ان دونوں سے کچھ زیادہ تعمیم ہے۔ ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ جو تعلقات اور معاملات، موالات اور مناصرت کے تحت میں آ جائیں وہ حرام ہیں۔

بلاشبہ ترک موالات کا حکم ایک دائمی اور عام حکم ہے۔ لیکن اس قوم کے مقابلہ میں وہ اور بھی زیادہ موکد ہو جاتا ہے جس نے علانیہ مسلمانوں پر چڑھائی کی اور ان کو ان کی بستیوں سے نکالا۔ چنانچہ سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت کفار کی اس تقسیم کو خوب واضح کرتی ہے۔

لاینهکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروهم و تقسطوا الیهم ان الله یحب المقسطین انما ینهکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم و ظاهروا علیٰ اخراجکم ان تولوهم و من یتولهم فاؤلٓئک هم الظالمون۔

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور منصفانہ سلوک کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں لڑائی نہیں کی اور نہ تم کو تمہاری بستیوں سے نکالا۔ بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو چاہتا ہے۔ خدا تو تم کو ان لوگوں کی موالات سے روکتا ہے جو تم سے دین کے معاملے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہاری بستیوں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد دی اور جو لوگ ان سے موالات کریں وہی ظالم ہیں۔ (ترک موالات ص ۹،۱۰،۱۱،۱۲)

یہاں تک علامہ عثمانی کے طویل خطبہ میں سے مختصر عبارتوں کو نقل کیا گیا ہے جس سے اصل مضمون یعنی کفار سے موالات اور مناصرت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے آگے چل کر مجبور و مغلوب مسلمانوں کا کفار کے ساتھ تعاون کے معاملہ پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:۔

یہ بات بہت زیادہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو مسلمان قوم اپنی بدبختی سے کسی کافر قوم کے زیر حکومت آ گئی ہو اور اپنے ہاتھ پاؤں غیر مسلم حکمرانوں سے خوب بندھا چکی ہو اس کی قابل تاسف بیچارگی کا خیال فرما کر حق تعالیٰ شانہ نے ترک موالات کے حکم میں تھوڑی سی گنجائش بھی رکھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیآء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منہم تقۃ

مسلمان مسلمانوں کے سوائے کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کو اللہ سے کچھ سروکار نہیں مگر یہ کہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرتے رہو۔

پس ترک موالات کے وقت ایک محکوم و مقہور قوم کو حاکم و قاہر قوم کے مقابلہ میں اپنے نفع و ضرر کا پورا پورا موازنہ کر لینا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے کوئی ایسی صورت نہ اختیار کی جائے جس سے مسلمانوں کی عام ہلاکت کا اندیشہ ہو"۔ (ترک موالات ص ۱۴)

کفار کے ساتھ خرید و فروخت

اس استثنائی حالت کو بیان کرنے کے بعد کفار کیساتھ خرید و فروخت اور دیگر معاملات کے متعلق حضرت علامہ لکھتے ہیں:۔

"اس موقع پر یہ بھی فراموش نہ کیجئے کہ نفس بیع و شرا (خرید و فروخت) اجارہ (ٹھیکہ) وغیرہ معاملات 'موالات' میں داخل نہیں۔ ہاں اگر بیع ایسی چیز کی کافر محارب کے ہاتھ کی جائے جس سے وہ مسلمانوں کے مقابلے پر کام لے گا مثلاً ہتھیار کی یا لوہے کی (جو ہتھیار کا مادہ ہے) اس کو ہدایہ وغیرہ میں ممنوع لکھا ہے" (ترک موالات ص ۱۵)

کفار کی رسوم میں شرکت

مذکورہ تحریر سے کفار کے ساتھ خرید وفروخت کے معاملہ کو صاف کرتے ہوئے ایک اور نہایت اہم اور نازک اور شرعی حیثیت سے قابل زجر امر پر مسلمانوں کو توجہ دلاتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں:۔

”بہت سے خیر خواہ ہندو مسلم اتفاق کے عواقب اور عوام الناس اور بعض لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرمارہے ہیں جو اس اتفاق کے جوش سے پیدا ہوئی ہیں مثلاً قربانی گاؤ میں بعض جگہ تشدد و مزاحمت کیا جانا یا قربانی کے جانور کو سجا کر رضا کاران خلافت کا گوشالہ میں پہنچانا یا قشقہ لگانا یا ہندوؤں کی ارتھیوں کے ساتھ خصوصاً ”رام رام ست“ کہتے ہوئے جانا یہ کہنا کہ امام مہدی کی جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں۔ یا یہ کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے یا قرآن وحدیث میں بسر کی ہوئی عمر کو نثار بت پرستی کرنا یا یہ دعا کرنا کہ اگر میں کوئی مذہب تبدیل کروں تو سکھوں کے مذہب میں داخل ہوں وغیرہ وغیرہ۔ بلا شبہ میں بھی سب اپنی قوم کے بڑے سربرآوردہ افراد کو سنتا ہوں کہ وہ اس قسم کے محرمات یا کفریات کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ باتیں زبان سے بے دھڑک نکال دیتے ہیں۔ جن کو سن کر ایک سچے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا ہے اور قصد کرتا ہوں کہ اس طوفان بے تمیزی کو روکنا جب اپنی قدرت میں نہیں تو ان معاملات سے بالکل یکسوئی بہتر ہے۔ مگر پھر شیطان اخرس اور لجام النار والی وعیدیں یاد آتی ہیں اور فان الذکری تنفع المؤمنین (نصیحت کرنا مومنین کو نفع بخشتا ہے) امید کی ایک جھلک پیدا کرتی ہے۔ تو ناچار یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ بھی ہو اپنے خیالات مسئلہ کے ہر ایک پہلو پر واشگاف طریقہ سے ظاہر کر دیئے جائیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم　　تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

(ترک موالات ص ۲۴)

اس عبارت سے حضرت عثمانی کی اس قلبی اور عالمانہ انفرادی شان کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی تحریک میں ایسی روش کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو شریعت سے ادھر ادھر ہو جائے اور جس میں جذبات کے ماتحت کسی غیر اسلامی حرکت یا شعار کو کوئی مسلمان اختیار کرے چنانچہ تحریک ترک موالات میں مسلمانوں نے اپنی پیشانیوں پر قشقے لگائے اور ایسی باتوں میں مبتلا ہو گئے جو قطعاً حرام تھیں۔ مولانا عثمانی کی یہ شان ہمیشہ رہی کہ وہ جذبات کی رو میں ہرگز نہ بہتے تھے بلکہ ہر مذہبی

اور سیاسی مسئلہ میں اس کی حقیقت اور اصلیت کو پیش نظر رکھتے تھے خواہ اس سے کوئی راضی ہو یا نہ ہو۔ تحریک ترک موالات میں بڑے بڑے لیڈر اور مسلمان جذبات کی رو میں بہہ کر غیر محتاط اقدام سے بھی نہ چوکتے تھے مگر علامہ موصوف ان امور سے کبھی بھی متاثر نہ ہوئے۔

یہی حال حضرت شیخ الہند کا بھی تھا کہ اپنے لئے یا اپنی قوم کے لئے جذبات میں بہہ کر شریعت کے حکم میں کسی حالت میں بھی کوئی بزی کرنے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ جمعیۃ العلما کے اسی سالانہ جلسہ میں اپنے خطبہ صدارت میں ہندوؤں کی ترک موالات میں شرکت کرنے کے متعلق فرمایا:۔

”برادران وطن نے تمہاری اس مصیبت میں جس قدر تمہارے ساتھ ہمدردی کی ہے اور کر رہے ہیں وہ ان کی اخلاقی مروت اور انسانی شرافت کی دلیل ہے۔

اسلام نے احسان کا بدلہ احسان قرار دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ احسان اس کا نام ہے کہ آپ اپنی چیز کسی کو دے دیں۔ کسی دوسرے کی چیز اٹھا کر دے دینے کو احسان نہیں کہتے اس لئے آپ برادران وطن (ہندوؤں سکھوں) کے احسان کے بدلے میں وہی کام کر سکتے ہیں جو اخلاقی اور شریفانہ طور پر اپنے اختیارات سے کر سکتے ہوں۔ مذہبی احکام خدا کی امانت ہیں اس پر تمہارا اختیار نہیں ہے اس لئے لازم ہے کہ حدود مذہب کے اندر رہ کر تم احسان کے بدلے میں احسان کرو اور دونوں قومیں مل کر ایک ایسے زبردست دشمن کے مقابلے کے لئے کھڑے ہو جاؤ جو تمہارے مذہب تمہاری آزادی کو پامال کر رہا ہے“۔ (خطبہ ص ۲۰)

یہ ہے حضرت شیخ الہند کا نظریہ کہ برادران وطن سے صرف اتنے درجہ میں تعاون کیا جائے کہ حدود الٰہی میں کوئی مداخلت یا اسلام کو کوئی ضعف نہ پہنچے یا مسلمان دب کر نہ رہ جائیں آپ کا انقلابی پروگرام بھی یہی تھا کہ جنگ عظیم کے دوران میں جب کہ برطانیہ پر مصیبت کے بادل چھائے ہوئے ہیں امیر افغانستان اور ترکی کے ذریعہ ہندوستان پر حملہ کیا جائے اور قبائلی علاقہ کے مسلمانوں کو عام بغاوت پر آمادہ کر کے ان طریقوں سے ہندوستان کو حاصل کیا جائے رہی یہ بات کہ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ جو گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے ہوئی یہ تھی کہ مولانا محمود الحسن اور ان کے اصحاب کی یہ تجویز تھی کہ برطانیہ کو شکست دے کر ہندوستان میں ایک عارضی حکومت قائم کی جائے جس کے صدر راجہ مہندر پرتاب سنگھ ہوں جو ضلع متھرا کے ایک رئیس تھے اور ۱۹۱۴ء میں یورپ چلے گئے تھے اور برطانیہ کی مخالف سلطنتوں سے تعلقات رکھتے تھے یہ رپورٹ میرے نزدیک روایت و درایت دونوں حیثیتوں سے غلط ہے اور حیرانی یہ ہے کہ تاریخ دیوبند کے مصنف نے بھی یہ لکھ دیا کہ۔

”اس (شیخ الہند کی انقلابی تحریک) میں حکومت کی صدارت کا منصب راجہ مہندر پرتاب

کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے ہندوستان کو سیکولر اسٹیٹ (لامذہبی ریاست) بنانے کا یہ پہلا تصور تھا جو شیخ الہند نے پیش فرمایا"۔ (تاریخ دیوبند ص ۳۰۶)

حضرت شیخ الہند کا منشا کبھی بھی سیکولر اسٹیٹ بنانے کا نہ تھا وہ آنجہانی راجہ مہندر پرتاب والی رپورٹ بھی غلط ہے۔ شیخ الہندؒ کے استاذ مولانا محمد قاسم صاحب کا جہاد بہادر شاہ ظفر کی حکومت کو دوبارہ برسر اقتدار لانے کے لئے تھا۔ یہی منشا شیخ الہند کا تھا کہ ترکی افغانی اور قبائلی علاقوں سے علم جہاد بلند کر کے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کی جائے کیونکہ ہندوستان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی حکومت قائم کی جاتی۔ لے دے کر کابل، ترکی اور آزاد قبائل کے مسلمانوں سے ہی ایسی توقع کی جا سکتی تھی۔ شیخ الہند کی تحریک دارالعلوم دیوبند ثمرۃ التربیت جمعیۃ الانصار اور بعد ازاں دہلی کی نظارۃ المعارف ان میں کوئی بھی غیر مسلم شریک نہ تھا۔ البتہ دارالعلوم کی فضا کے علاوہ دہلی میں حکیم اجمل خان مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر انصاری یہ حضرات تھے جو حضرت شیخ کے ساتھ تھے اور باہر مولانا عبیداللہ صاحب سندھی اور مولانا منصور انصاری کام کر رہے تھے۔ البتہ مالٹا سے واپسی پر ترک موالات کی تحریک میں شیخ الہند اور غیر مسلم شریک تھے مگر یہ بعد کی بات ہے۔ میرا قیاس ہے کہ مصنف تاریخ دیوبند نے یہ خیالات "مسلمانوں کا روشن مستقبل" سے لئے ہیں جس میں سید طفیل احمد نے لکھا ہے:۔

> "رولٹ کمیٹی کی تحقیقات مولانا مولوی محمود حسن کے بارے میں صحیح ہو یا غلط مگر اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ برطانیہ کے خلاف مولوی محمود حسن کی تحریک مذہبی نہ تھی بلکہ سیاسی تھی اس لئے کہ انہوں نے اپنی مجوزہ حکومت کا صدر ایک ہندو قرار دیا تھا"۔ (ص ۲۳۹)

مجھے طفیل احمد صاحب کی مذکورہ رائے سے بھی اتفاق نہیں۔ کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ شیخ الہند کی تحریک مذہبی نہ تھی سیاسی تھی حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا۔ علما اور بالخصوص علمائے ربانی کی کوئی سیاست مذہب سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسلام میں سیاست مذہب سے ہرگز جدا کوئی چیز نہیں ہے اگر سیاست سے مذہب کو علیحدہ کر دیا جائے تو اول تو اسلام میں ایسا کوئی تصور ہی نہیں لیکن اگر فرض کر لیا جائے تو پھر بقول اقبال

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس لئے شیخ الہند کی قدر و رفعت کو یہ کہہ کر قطعا گھٹاتا ہے کہ ان کی تحریک مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تھی۔ فاضل مصنف "تاریخ دیوبند" نے مسٹر طفیل احمد کی رائے پر ناقدانہ نظر نہیں ڈالی اور بظاہر انہی کی تقلید میں یہ لکھ دیا کہ "ہندوستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کا یہ پہلا تصور تھا جو شیخ الہند نے پیش فرمایا"۔

ذالک بھتان عظیم اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ شیخ الہند حاجی امداد اللہ صاحب سید احمد صاحب شہید مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی جیسے مجاہدین کی جماعت سے علیحدہ ایک نظام لے کر اٹھے تھے حالانکہ ان سب کا منشا محض اسلام کو غالب کرنا تھا۔ میں قارئین کو ایک بار پھر شیخ الہند کی مذکورہ بالا عبارت کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان کا مقصد دین کے غلبہ کے سوائے کچھ نہ تھا۔ چنانچہ آپ جمعیۃ العلما کے صدارتی خطبہ میں بار بار اسلام اور مسلمانوں کی نصرت اور مدد کی طرف علما کو توجہ دلا رہے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر یہ سب (مسلمان) متفقہ طور پر اسلامی خدمت کے لئے صبر و استقامت کی ڈھال لے کر کھڑے ہو جائیں تو کیا کوئی طاقت ہے جو توحید کی بجلی پر غالب آ جائے" دشمنان خدا ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کی نصرت اور توفیق سے مومنین کی قوت ایمانی اور استقامت ہمیشہ ان کی کوششوں کے سامنے سد سکندری ثابت ہوئی ہے۔ اسلام خدا کا نور ہے جو ان کور چشموں کی معاندانہ پھونک سے کبھی نہیں بجھ سکتا۔ فرزندان توحید آج تمہارے ایمان اور اخلاص کا امتحان لیا جا رہا ہے خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے جلال اور جبروت کے سامنے سر جھکاتا ہے اور کون ہے جو دنیا کی ناپائیدار ہستیوں کے خوف سے خدا کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ اگر تم کو میدان حشر میں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اگر تم کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی آرزو ہے تو اس کے پاک دین کی حفاظت کرو۔ اس کے مقدس احکامات کی اطاعت کرو۔ اس کی امانت توحید کو برباد نہ ہونے دو اور اس کی دی ہوئی عزت کو حقیقی سمجھو"۔ (خطبہ صدارت ص ۲۸،۲۹)

یہ ہے حضرت شیخ الہند کا نظریہ جس کے بعد اور مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

انکشاف حقیقت

مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی ہندوستان کو واپسی کے بعد یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ راجہ مہندر پرتاپ کو شیخ الہند رحمۃ اللہ نے جو اپنے خیالات میں شریک کیا تھا اس کی وجہ صرف ایک سیاسی حکمت عملی تھی اور وہ یہ کہ اگر خدانخواستہ ہماری تحریک فیل ہو جائے تو انگریز کی نظروں میں صرف مسلمانوں ہی کی قوم نشانہ ستم نہ بن جائے بلکہ ہندو بھی اس میں شامل نظر آئے اسی نظریہ کی خاطر سیاستاً شیخ الہند نے راجہ مہندر پرتاپ کو آئندہ بننے والی حکومت میں شریک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اگر

شیخ الہند کی سکیم پوری ہو جاتی تو اس کے ماتحت ہندوستان میں صرف مسلمانوں کا اقتدار ہوتا۔ کمان مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی اور ہندو بھی سلطنت مغلیہ کی طرح اس میں حصہ لیتا رہتا۔ سیکولر اسٹیٹ اور شیخ الہند ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس نظریہ کو علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے اپنا لائحہ عمل بنایا ہوا تھا جیسا کہ مذکورہ عبارات سے واضح ہے کہ وہ ہندو مسلم اتحاد میں مسلمانوں کی کسی ایسی بات سے ہرگز متفق نہیں نظر آتے جس میں مسلمان شعائر اسلامی سے ایک قدم بھی ادھر ادھر جذبات سے مغلوب ہو کر ہٹ جائیں۔

علامہ نے ترک موالات پر شرعی حیثیت سے اپنے خطبے میں جو روشنی ڈالی ہے وہ صرف سیاسی ماحول کے ماتحت ہے بلکہ وہ اسلام کا ایک مستقل مسئلہ ہے جس کے تمام پہلو قریب قریب آ گئے ہیں بہر حال موصوف کے خطبہ نے یہ ظاہر کیا کہ وہ تحریک خلافت کے تقاضوں کے پورا کرنے میں جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم اور خلافت کی کمیٹیوں پر ملکی اور ملی سیاسیات میں نہایت ممتاز کردار ادا کر رہے ہیں علامہ کا یہ وہ خطبہ تھا جو پانچ سو علما اور پبلک کے زبردست اجلاس میں پڑھا گیا تھا۔

جمعیۃ العلما کے تیسرے سالانہ جلسہ میں شرکت

جمعیۃ العلما کے ۱۹۲۰ء کے اجلاس کے علاوہ موصوف ۱۹۲۱ء کے تیسرے سالانہ اجلاس میں بھی شامل ہوئے جو مولانا ابوالکلام آزاد کی زیر صدارت لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں آپ نے دو زبردست تقریریں کیں تا آنکہ جلسے کا رنگ بدل ڈالا۔ آپ اپنی تقریر فرما چکے تھے کہ مولوی محمد فاخر الہ آبادی نے مسئلہ گاؤ کشی کے بارے میں ہندوؤں کی دلجوئی کے لئے تجویز پیش کی کہ گائے کی بجائے بھیڑ و بکری کی قربانی کر لی جایا کرے اور خاص طور پر علامہ عثمانی اور حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کا نام لے کر مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی مخالفت کے باوجود یہ مسئلہ پاس ہو کر رہے گا۔ اس چیلنج پر حضرت عثمانی کی رگ اسلام پھڑک اٹھی اور آپ نے اس مضمون کا حوالہ دے کر کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بعض ازواج مطہرات کی خاطر شہد کھانے کا ارادہ ترک فرما دیا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حلال فرمایا تھا بلکہ **فیہ شفاء للناس** ارشاد فرمایا تھا۔ باری تعالیٰ کی طرف سے تنبیہا آیت نازل ہوئی۔ **یایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک** یعنی اے نبی آپ اپنی ازواج مطہرات کی خوشنودی کے لئے اس چیز کو کیوں اپنے اوپر حرام کئے لیتے ہیں جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے۔

اس آیت کا حوالہ دے کر اور اس کے پس منظر کو واضح کر کے علامہ موصوف نے جو تقریر کی تھی اس نے تمام اہل جلسہ کو ہلا ڈالا تھا۔ آپ نے اس تقریر میں اپنی پوری عالمانہ بصیرت اور علمی قوت سے بتایا کہ گائے کی قربانی شہد کی طرح حلال ہے پھر کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ حلال شے کو اپنے لئے ممنوع قرار دے ورآنحالیکہ آنحضور صلعم کو بھی اس کی اجازت نہ دی گئی۔ اس تقریر سے جلسہ کی رائے عامہ علامہ کے ساتھ ہو گئی اور اس ریزولیوشن کو اس اجلاس میں رد کر دیا گیا۔ اس اجلاس کی کیفیت کے رپورٹر اپنا آنکھوں دیکھا حال یعنی مولانا نصر اللہ خان صاحب ایڈیٹر تسنیم اپنے اخبار میں لکھتے ہیں جس کا ذکر پہلے بھی علامہ کی تقریری خوبیوں کے سلسلہ میں آ چکا ہے۔

"لاہور میں مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں جمعیۃ علمائے ہند کی جو کانفرنس ہوئی تھی اس میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریر نہایت معرکہ آرا تھی وہ جمعیۃ علما کے ممتاز ترین علما میں شمار ہوتے تھے"۔ (اخبار تسنیم لاہور ۲۰ دسمبر ۱۹۴۹ء ص ۲ کالم ۳)

غرضکہ حضرت موصوف جس جلسہ میں جس مسئلہ کو لے کر اٹھتے کامیاب ہوتے۔ اسی مسئلہ گاؤکشی کا ذکر دہلی کے ایک اجلاس میں آیا۔ حکیم اجمل خان مرحوم اور مولانا محمد علی جوہر مرحوم کا بھی رجحان ترک موالات کے زمانہ میں یہی تھا کہ ہنود کی خاطر گائے کی قربانی کو ترک کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کے فیصلہ کے لئے ان حضرات نے حضرت شیخ الہند کو دہلی تشریف لانے کی دعوت دی۔ لیکن آں مخدوم تو بیماری اور نقاہت کے باعث تشریف نہ لے جا سکے بلکہ ایک خط لکھ کر مولانا عثمانی کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا جس میں تحریر تھا کہ شرعی حیثیت سے مولانا شبیر احمد صاحب جو فیصلہ دیں گے وہ میرا فیصلہ تصور کیا جائے۔ چنانچہ مولانا دہلی تشریف لے گئے وہاں ان اکابرین خلافت سے گفتگو ہوئی۔ یہ گفتگو بڑے بڑے لوگوں میں مولانا کی تاریخی گفتگو خیال کی جاتی ہے اور جو اپنی نوعیت میں بہت دلچسپ ہے۔ مولانا محمد علی نے فرمایا کہ اگر اتحاد ملکی کی خاطر گائے کی قربانی کو ترک کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ اس پر حضرت عثمانی نے فرمایا کہ اگر کل کو ہنود یہ کہنے لگیں کہ ہمارے محلے کی مسجد میں مسلمان نماز پڑھتے ہیں لہٰذا ہماری خاطر اس مسجد کو چھوڑ دیا جائے تو کیا آپ گوارا کر سکیں گے۔ مولانا محمد علی نے فرمایا کہ یہ تو ایک مستقل چیز ہے جو عمارت کی شکل میں موجود ہے۔ گائے کی قربانی کی طرح ہر سال اس کی تجدید نہیں ہوتی۔ آپ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ اچھا اگر ہنود یہ خواہش کریں کہ ہمارے محلے کی مسجد میں اذان دینی چھوڑ دی جائے جو کہ پہلے سے تو موجود نہیں ہوتی بلکہ پانچوں وقت میں یکے بعد دیگرے دی جاتی ہے۔ اس کا مولانا محمد

علی کو جواب بن نہ پڑا۔ اکابر سے سنا ہے کہ مولانا محمد علی نے مولانا شبیر احمد صاحب کے پاؤں پر اپنی ٹوپی رکھ دی۔ جس کو مولانا نے بطور عزت اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا کہ اس ٹوپی کی قدر و قیمت میری نظروں میں آسمان سے بھی زیادہ بلند ہے۔ لیکن آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم اور فرمان کی قدر و قیمت اس سے بھی کہیں زیادہ بلند ہے۔ جس کے سامنے بولنے کی گنجائش نہیں۔ جب جوہر مرحوم نے کہیں کو بھی مولانا کی سبل انکاری نہ دیکھی تو کہنے لگے کہ اچھا اس مسئلہ کو شیخ الہند کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اس پر مولانا عثمانی نے شیخ الہند کا گرامی نامہ جیب سے نکال کر پیش کر دیا کہ مسئلہ گاؤکشی میں جو مولانا شبیر احمد صاحب کی رائے ہوگی وہی میری رائے تصور کی جائے۔ جس پر جلسہ میں سناٹا چھا گیا۔ اس واقعہ کی کیفیت اجمالی طور پر سید سلیمان ندوی مرحوم نے بیان فرمائی ہے۔ جس کو میں آغاز کتاب میں بھی لکھ چکا ہوں لکھتے ہیں:۔

"(شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) خود تشریف نہ لے جا سکے (بلکہ) اپنے قائم مقام یا ترجمان کی حیثیت سے مولانا شبیر احمد صاحب کو ہی بھیجا ان مقامات میں سے خاص طور سے دہلی کے جلسہ میں ان کی نیابت یادگار اور مشہور ہے گائے کی قربانی ترک کرنے کے مسئلہ میں بھی جس کو حکیم اجمل خان مرحوم نے اٹھایا تھا حضرت مولانا شیخ الہند کی طرف سے مولانا شبیر احمد صاحب نے نہایت واشگاف تقریر فرمائی تھی۔ یہ ترجمانی اور نیابت مولانا شبیر احمد صاحب کے لئے نہ صرف فخر و شرف کا باعث بلکہ ان کی سعادت اور ارجمندی کی بڑی دلیل ہے"۔ (معارف اپریل ۱۹۵۵ء ص ۳)

جمعیۃ العلمائے ہند کا چوتھا اجلاس

یہ اجلاس ۲۴ دسمبر ۱۹۲۲ء کو بمقام گیا۔ مولانا عثمانی کے بڑے بھائی فاضل اجل و مدبر یگانہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں ہوا۔ یہ اجلاس اس وجہ سے اور بھی اہم تھا کہ خلافت اور کانگریس کے جلسے بھی ساتھ ساتھ گیا میں منعقد ہو رہے تھے اور اب تک برطانوی حکومت کا پورا بائیکاٹ تھا لیکن اب ایک پارٹی کا یہ خیال تھا کہ کونسلوں میں شرکت کر کے حکومت کے معاملات میں دخیل ہو کر ملک کی بہتری کی تدبیریں سوچی جائیں۔ چنانچہ خلافت اور کانگریس والے دونوں اس سے متفق تھے مگر جمعیۃ العلما میں کونسل کی ممبری کو ناجائز قرار دیا گیا۔ یہ خطبہ فاضل و دانش مند مولانا حبیب الرحمان عثمانی کی سیاست کا شاہکار تھا۔ آپ کی حاضر دماغی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے جلسہ سے دو روز پہلے یہ خطبہ لکھنا شروع کیا۔ ادھر لکھتے جاتے تھے اور ادھر کاتب سے کتابت کرتے جاتے تھے۔ اور کاپیاں قاسمی

پریس میں چھپتی جاتی تھیں۔ عجب عجلت کا وقت تھا ادھر حضرت صدر روانہ ہو رہے تھے اور ادھر تازہ تازہ خطبہ کی کڈیاں باندھی جا رہی تھیں۔

اس خطبہ کی ایک خوش قسمتی یہ بھی تھی کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے ہی اس کو پڑھا تھا۔ جس سے جلسہ پر ایک عجب کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ مگر سب سے بڑی خاص بات اس جلسہ میں مولانا عثمانی اور سید سلمان ندوی اور دیگر لیڈروں کا اختلاف رائے اور مولانا عثمانی کی کامیابی تھی۔ جس کو مولانا سید سلیمان ندوی نے حسب ذیل عبارت میں پیش کیا ہے لکھتے ہیں:۔

''۱۹۲۲ء کے آخر میں گیا میں کانگریس اور جمعیۃ العلماء کے شاندار اجلاس ہوئے۔ جمعیت کے اس اجلاس کے صدر مولانا حبیب الرحمان صاحب تھے۔ ان کے ساتھ حلقہ دیوبند کے اکثر اساتذہ آئے ہوئے تھے ان میں مولانا شبیر احمد صاحب بھی تھے۔ کانگریس اور جمعیۃ کے یہ اجلاس ایک خاص حیثیت سے اہمیت رکھتے ہیں۔ یعنی اس اجلاس میں کانگریس کی سیاست میں ایک اہم تبدیلی ہوئی اور پنڈت موتی لال سی آر داس حکیم اجمل خان ڈاکٹر انصاری کی رہنمائی میں ترک موالات کی جگہ جس میں کونسلوں اور اسمبلیوں کا بائیکاٹ بھی تھا یہ تجویز سامنے رکھی گئی کہ ان کونسلوں اور اسمبلیوں پر قبضہ کر کے حکومت کو بے دست و پا کر دیا جائے گویا مقصد یہ تھا کہ مقصود کے حصول کے لئے طریق جنگ اور لڑائی کے ڈھنگ کو بدلا جائے۔ اس تحریک کے حامیوں نے سوراج پارٹی اپنا نام رکھا اس وقت گاندھی جی ابوالکلام محمد علی وغیرہ جیل میں تھے۔ ان کے خالص پیرووں نے اس کی سخت مخالفت کی اور نو چینجر نہ بدلنے والے کا لقب پایا۔ کانگریس کی طرح جمعیۃ میں بھی حکیم صاحب نے اس تجویز کو پیش کیا اور اس کے فیصلے کے لئے ارکان جمعیۃ کا خاص جلسہ ہوا۔ تجویز کے حامیوں کی طرف سے خاکسار نے اور مخالفوں کی طرف سے مولانا شبیر احمد صاحب نے تقریریں کیں۔ مولانا شبیر احمد صاحب کی اس تقریر کا صرف ایک حصہ مجھے یاد ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کو فتح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر قائم کرنا چاہتے تھے۔ مگر چونکہ قریش نو مسلم تھے۔ ان کو یہ بات کعبہ کی حرمت اور ادب کے خلاف نظر آتی اس لئے حضور نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری قوم تازہ مسلمان نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر پھر اس کی بنیاد ابراہیمی اساس پر رکھتا۔ یہ واقعہ بیان کر کے مولانا نے فرمایا کہ ترک موالات کی بدولت ابھی ہماری قوم انگریزوں کی غلامی سے نئی نئی نکلی ہے یہ اسمبلی اور کونسل کے چکر میں پڑ کر پھر غلام نہ بن جائے بہرحال ووٹ لئے گئے اور مولانا (شبیر

احمد صاحب) کی مخالفت کامیاب ہوئی"۔ (معارف اپریل ۱۹۵۵ء ص ۳۰۱، ۳۰۲)

مولانا ندوی کی اس تحریر سے علامہ عثمانی کا مقام سیاست اور ان کی اصابت رائے نیز عوام و خواص کو اپنی جانب ملانے میں زور علم و تقریر کے ذریعہ کامیابی کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔

اسی قسم کی غلغلہ انداز تقریروں کا علم مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی حسب ذیل تحریر سے ہوتا ہے اور یہ بھی کہ علامہ جمعیۃ خلافت اور کانگریس کے جلسوں میں اسلامی نمائندگی شد و مد سے کرتے نظر آتے ہیں چنانچہ اکبر آبادی صاحب لکھتے ہیں:۔

"ہر معاملہ میں (علامہ عثمانی) اپنی رائے صفائی اور آزادی کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ چنانچہ شاید لوگوں کو اب تک یاد ہو کہ دہلی کے عظیم الشان جلسہ میں پنڈت مدن موہن مالویہ کے مقابلہ پر اور ۱۹۲۲ء میں گیا میں جمعیۃ علمائے ہند کے سالانہ جلسہ کے موقع پر کونسلوں کے بائیکاٹ کے مسئلہ پر حکیم محمد اجمل خان مرحوم کی مخالفت میں حضرت الاستاذ (مولانا شبیر احمد صاحب) نے کس قدر ہنگامہ آفرین و معرکۃ الآرا تقریریں کی تھیں"۔ (برہان جنوری ۱۹۵۰ء حصہ نظرات)

جمعیت العلمائے ہند کا چھٹا اجلاس

یہ اجلاس از ۱۱ تا ۱۲ جنوری ۱۹۲۵ء میں سید سجاد صاحب نائب شریعت بہار کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم بھی اس میں شریک تھے۔ علامہ عثمانی نے حسب عادت اعلیٰ درجہ کی بصیرت افروز تقریر کی۔ مولانا سید محمد سہوانی مبلغ دارالعلوم دیوبند نے بتایا کہ مولانا نے تقریر کرتے کرتے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل میں معرفت و نور کے دریا بہا دئے اسی تقریر میں فرمایا تھا کہ چار کا عدد رب العزت کو کچھ ایسا پسند آیا ہے کہ انبیائے اولوالعزم موسیٰ، عیسیٰ، داؤد اور محمد صلوٰت اللہ علیہم اجمعین چار ہیں۔ کتابیں یعنی توریت، انجیل، زبور اور قرآن بھی چار ہیں۔ ملائکہ مقربین یعنی جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہ السلام بھی چار ہیں۔ ائمہ مجتہدین جن کی تقلید کی جاتی ہے وہ بھی چار ہیں اور سلسلہائے تصوف نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ بھی چار ہیں۔ اس تقریر کے بعد پھر آپ دیوبند کو روانہ ہو گئے مرادآباد کے سٹیشن پر اہل شہر کا ہجوم تھا اور ان کی خواہش تھی کہ مولانا ایک تقریر اور فرمائیں چنانچہ ان کے بے حد اصرار پر آپ نے ایک اور تقریر فرمائی جس نے اہل مرادآباد پر پورا ساحرانہ عمل کیا۔

گیارہواں اجلاس

۱۹۳۱ء کے جمعیۃ العلماء کے سالانہ اجلاس کے آٹھ سال بعد ۳، ۴، ۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو بصدارت

مولانا عبدالحق مدنی دہلی میں شاندار اجلاس ہوا۔ ۱۹۳۰ء کے آٹھ سال بعد تک کوئی سالانہ جلسہ نہ ہوسکا کیونکہ اس اثنا میں جمعیۃ العلماء کے افراد بار بار جیلوں میں جاتے رہے۔ بہرحال دہلی کا یہ جلسہ چونکہ آٹھ سال کے بعد ہو رہا تھا اس لئے بڑی شان سے منعقد ہوا صرف دارالعلوم دیوبند کے ایک ہزار کے قریب طلبہ نے اس میں شرکت کی۔ علامہ عثمانی نے بھی اس جلسہ میں شرکت فرمائی اور حسب روایات زبردست تقریر فرمائی۔ جمعیۃ العلماء کے اس اجلاس میں جہاں اور تجویزیں پاس ہوئیں ان میں چند تجویزیں یہ بھی تھیں کہ آزادی ہند کے لئے انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کرنے کی پالیسی کا اعلان" کیا جائے۔

۲۔ ودیا مندر تعلیمی سکیم کے نام سے اختلاف رائے کا اظہار۔

۳۔ کانگریس کے اس طرز عمل سے اظہار ناراضی کہ اس نے منتخب کمیٹی میں کوئی مسلمان نہیں رکھا۔

۴۔ کانگریس سے مطالبہ کہ وہ مسلمانوں کی حق تلفیوں کی تحقیقات کے لئے کمیٹی مقرر کرے۔

۵۔ اڑیسہ کی کانگریسی حکومت میں کوئی مسلمان وزیر مقرر نہ ہونے پر اور سی پی میں مسٹر شریف کی جگہ دوسرا مسلمان وزیر مقرر نہ کے جانے پر اظہار افسوس۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۵۲۲)

جمعیۃ العلماء کے اجلاس کے یہ ریزولیوشن کانگریس کی ذہنیت کو صاف طور پر بے نقاب کرتے ہیں۔ ترک موالات کے زمانہ کے بعد ۱۹۲۶ء میں ہندو مسلم فسادات ہو چکے تھے اور اب نہ صرف مہاسبھائیوں میں تعصب کی آگ بھڑک رہی تھی بلکہ کانگریس بھی در پردہ ہندو قوم کی ترقی کی خواہاں تھی۔ ان حالات میں جمعیۃ العلماء نے کانگریس کے ساتھ تعاون کا قدم اٹھایا تھا مگر ہندو مسلم سیاسیات کا دھارا اب کسی اور رخ پر بہہ رہا تھا۔ علامہ عثمانی نے اس جمعیۃ کے اجلاس میں مسلمانوں کی سیاست کا رخ متعین فرمایا اور اعلان کیا کہ مسلمانوں اور جمعیۃ العلماء کو کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل سے پہلے کچھ شرائط ایسی منوانا چاہئیں کہ وہ ہندوؤں کے تابع مہمل بن کر نہ رہ جائیں اور دوسری بات یہ کہ مسلمان بحیثیت اجتماعی شرکت کریں نہ کہ انفرادی طور پر۔ لیکن جمعیۃ العلماء کے اکثر افراد بلا شرط کانگریس میں شامل ہو کر ہندوستان کی آزادی کے خواہاں تھے۔ علامہ عثمانی نے اس زبردست اجلاس میں حسب ذیل آیت پر تقریر فرمائی۔

اللذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم کو نہیں ملایا انہیں کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

آیت کی حقیقت بتلا رہی ہے کہ ایمان کے ساتھ ظلم کو ملانے سے امن و ہدایت خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے اس اجلاس میں بلا شرائط شرکت کی مخالفت کی۔ حالانکہ ۱۹۲۷ء کے سالانہ اجلاس میں جو حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب کی زیرِ صدارت دسمبر ۱۹۲۷ء میں پشاور منعقد ہوا تھا اس میں مسلم لیگ کے صدر مسٹر جناح کے چودہ نکات کی تائید کی گئی تھی۔ گویا مسلم لیگ کے ساتھ جمعیۃ العلما کا اک گونہ اتفاق معلوم ہونے لگا تھا۔

اس اجلاس میں شرکت کی تحقیق کا علامہ کے اپنے خط بنام مولانا منظور احمد نعمانی مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء مطابق ۲۳ محرم ۱۳۶۵ھ سے بھی پتہ چلتا ہے۔ حضرت لکھتے ہیں:۔

”غالباً ۱۹۳۹ء میں اجلاس جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے موقع پر یاد ہوگا کہ آپ نے قبل از اجلاس کچھ گفتگو مجھ سے کی تھی۔ مجھے بہت کچھ امید ہوگئی کہ آپ جیسے لوگ وہاں میری ہمنوائی کریں گے۔ میں ورکنگ کمیٹی میں دو روز تک ان حضرات سے تکرار رہا۔ خیر اس میں تو آپ شامل نہ تھے پھر سبجیکٹ کمیٹی میں مسئلہ آیا آپ بھی اس میں شریک تھے میں نے اپنے خیالات کا برملا اظہار کیا۔ مجھے یقین تھا کہ آپ اس کی تائید میں آواز اٹھائیں گے مگر میں نے دیکھا کہ مولانا حسین احمد مدنی کی تقریر پر کوئی شخص نہ بولا چنانچہ تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا“۔ (مراسلات سیاسیہ مسلم لیگ پرنٹنگ پریس دہلی ص ۲۱)

اس تحریر سے اس سالانہ اجلاس کی شرکت واضح ہو جاتی ہے نیز مذکورہ خط سے علامہ کی انفرادیت اور کانگریس اور ہندوؤں کے طرزِ عمل سے اک گونہ بیزاری کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی رائے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا یہی تھی کہ مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت بہر نوع ضروری ہے مبادا کہ بغیر شرط اور انفرادی طور پر کانگریس کے ساتھ ادغام اسلامیانِ ہند کے حقوق کی پامالی کا باعث ہو۔

حضرت مولانا محمد عماد الدین صاحب انصاری شیرکوٹی مولانا کے رفیقِ خاص ایک ہندو مسلم مشترکہ جلسہ میں علامہ کی شرکت، تقریر اور مسلم حقوق کی اہمیت کی نگرانی کے متعلق اپنے ایک خط میں جو راقم الحروف کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

”دہلی میں ایک جلسہ ہوا جو (ہندو مسلم کا) مشترکہ تھا جس میں ہندوستان کے تمام مشہور لیڈر موجود تھے۔ گاندھی، ابوالکلام، موتی لال نہرو اور کانگریس کے مشہور ممتاز لیڈر جمع تھے۔ ادھر جمعیۃ العلما کے تمام علما۔ مسئلہ زیرِ غور یہ تھا کہ کیا کانگریس میں شرکت بغیر شرط مناسب ہے نیز اہل اسلام من حیث الجماعت شرکت چاہتے تھے اور زعماء کانگریس بلا شرط شرکت پر مجبور کر رہے تھے۔ جلسہ بڑی اہمیت رکھتا تھا اور دونوں جانب سے پر زور تقریریں ہوتی تھیں۔ جلسہ کئی دن رہا اور آخر

جمعیۃ العلما نے فیصلہ کر دیا کہ بلا شرط کانگریس کی شرکت منظور کر لی جائے مولانا شبیر احمد صاحب سے خاموش نہ رہا گیا۔ جلسہ میں اٹھے سادہ سا کرتا اور پاجامہ سر پر معمولی ٹوپی محمود کیپ (حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی سی ٹوپی) آپ نے صدر جلسہ سے اجازت لی۔ پھر ایسی بارعب اور پر جلال تقریر کی کہ جلسہ کا رنگ بدل دیا۔ تقریر کا مدوجزر دلائل کی پختگی الفاظ کی بے ساختگی اور تسلسل کی وجہ سے نہرو اور گاندھی کو مجبور ہو کر یہ کہنا پڑا "مولانا آپ زور تقریر سے جلسہ پر اثر ڈال رہے ہیں اور جلسے کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں"۔ مولانا نے فرمایا کہ "میں سادہ اور سلیس الفاظ میں ان دلائل کو پیش کر رہا ہوں جن سے آپ کے جال کے تار و پود بکھرتے نظر آ رہے ہیں یہ رعب نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اگر ہم بلا شرط شرکت کر لیں تو ہماری قومیت فنا ہو جاتی ہے۔ جمعیۃ العلماء ہتھیار ڈال چکی تھی مولانا کی تقریر نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ یہ جلسہ ختم ہوا اور شہر میں مسلمانوں کا ایک اور جلسہ ہوا۔ مولانا نے نہایت وضاحت سے اپنے مدعا کا اظہار کیا اور ساتھ ہی جمعیۃ العلماء سے استعفاء دینے کا ارادہ کیا لیکن مولانا حسین احمد صاحب کے اصرار پر خاموشی اختیار کی مگر برابر حق گوئی سے کام لیتے رہے"۔

الحاج مولانا انصاری شیر کوٹی مدظلہ کے گرامی نامہ سے بھی اسی امر کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عثمانی ہندوؤں کے ساتھ آزادی کے حصول کے مانع نہ تھے البتہ مذکورہ دو شرطوں یعنی بحیثیت جماعت شرکت اور ہندوؤں سے حقوق منوا کر اشتراک عمل کے قائل تھے اور اس رائے پر ہمیشہ قائم رہے۔ یہ دور اسی طرح گزرتا رہا۔ ادھر مسلمان لیڈر بھی ہندوؤں کی مختلف قسم کی متعصبانہ کارروائیوں سے بددل ہو گئے تھے۔ دراصل ہندو مسلم اتحاد خلافت کی تحریک نے پیدا کیا۔ خلافت کو ترکوں نے خود توڑ دیا۔ اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں بھی مصطفےٰ کمال وغیرہ کے اس طرز عمل سے نفرت ہو گئی تھی۔ ادھر ہندو جو اس تحریک میں شریک ہو کر آئندہ کے لئے سیاسی راستے ہموار کر رہے تھے۔ شدھی سنگھٹن اور مختلف ہندو مسلم فسادات کے باعث اتحاد کے ٹکڑے ٹکڑے کر چکے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے جمعیۃ العلما بھی ہندوؤں سے بیزار ہو گئی تھی۔ اور ۱۹۲۷ء میں جمعیۃ العلما نے لیگ کی پوری حمایت کی۔ جس میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی مساعی کو بھی بہت دخل تھا۔ جیسا کہ علمائے حق کے مصنف لکھتے ہیں:۔

"مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے اصرار پر حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم و صدر جمعیۃ العلمائے ہند مسٹر جناح سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ مولانا شبیر احمد صاحب

عثمانی کے ذریعہ یہ طے ہو چکا تھا کہ کسی جماعت کے توڑنے یا کسی ایک کو دوسرے میں مدغم کرنے کا سوال نہ ہوگا بلکہ ایسی صورتوں پر بحث کی جائے گی کہ جن کے ذریعہ ان دونوں جماعتوں کے اختلاف کی خلیج پاٹی جائے اور ایک کو دوسری سے زیادہ سے زیادہ قریب کیا جا سکے"۔ (علمائے حق جلد نمبر ۲ ص ۱۱۲)

اس تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ کا نظریہ مسلم لیگ اور جمعیۃ العلما میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کر کے مسلمانوں میں باہمی تعاون کو فروغ دیتا رہا ہے۔ حضرت علامہ اپنے مکتوب مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء میں مولانا منظور احمد صاحب نعمانی کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

"آپ آج لیگیوں کے جس طغیان وعدوان کا ماتم کر رہے ہیں اس کی بنیاد فی الحقیقت ہمارے علما نے اپنے ہاتھوں سے اس وقت ڈالی جب انہوں نے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کی انتہائی حمایت شروع کی۔ اس کے بعد میں شامل ہو کر تمام مسلمانوں کو اس کی امداد کی ترغیب سے متوجہ کیا پھر ۱۹۴۳ء میں جب لیگ طاقتور ہوگئی تو خدا جانے کن جھگڑوں میں پڑ کر اس سے علیحدہ ہو گئے"۔ (مراسلات سیاسیہ علامہ عثمانی ص ۲۱)

بہرحال زیادہ تفصیل کی یہ مقام گنجائش نہیں رکھتا۔ ۱۹۴۰ء تک مسلم لیگ اپنے شباب پر پہنچ گئی اور اس سال کی سالانہ کانفرنس میں بمقام لاہور مسلم لیگ نے پاکستان کے حصول کا اعلان کر دیا اور اب کانگریس اور مسلم لیگ ایک دوسرے کے مقابل آ گئیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی پارٹیوں میں جمعیۃ العلما، احرار، خاکسار، سرحد کے خدائی خدمتگار بھی کانگریس میں شامل ہوئے۔

جمعیۃ العلمائے ہند میں علامہ کی خدمات

گذشتہ اوراق میں آپ کے سامنے علامہ کی ان خدمات کا ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے آ چکا ہے جو جمعیۃ العلما میں آپ نے کیں۔ اس سلسلہ کی تفصیلات کا صحیح جائزہ تو ان رپورٹوں سے تفصیل وار مل سکتا ہے جو جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کے دفتر میں موجود ہیں اور حقیقی معنی میں مولانا کی اس دور کی سیاسی زندگی کی تفصیلات کا حق اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے جبکہ جمعیۃ العلما کے دفتر کے تمام ریکارڈ سے موصوف کی تقریروں، تجویزوں وغیرہ کو پیش کیا جائے لیکن یہ کام اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہاں پہنچ کر پوری ریسرچ کی جائے اگر موقع ملا تو ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان تفصیلات کو پیش کیا جائے گا تاہم اس دور کا ایک اجمالی خاکہ اخبار الجمعیۃ دہلی کے ایڈیٹر کے حسب ذیل الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے وہ اپنے آرٹیکل میں لکھتے ہیں:۔

"(علامہ عثمانی) ۱۹۴۵ء تک جمعیۃ العلما کی ورکنگ کمیٹی (مجلس عاملہ) کے ممبر رہے اور قومی تحریکات میں ہمیشہ آگے رہنے کی کوشش کی تحریک خلافت سے لے کر ۱۹۴۵ء تک جمعیۃ العلما اور

کانگریس کو آپ کے تعاون کا فخر حاصل رہا۔ بہت سی کمیٹیوں میں صدارت کے فرائض انجام ہوئے"۔ (الجمعیۃ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۹ء آرٹیکل کالم نمبر ۱)

تحریک پاکستان اور علامہ عثمانی

چوتھا دور

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بتایا گیا ہے کہ موصوف جمعیۃ العلما کی ورکنگ کمیٹی (مجلس عاملہ) اور جمعیۃ کے زبردست رکن تھے لیکن جمعیت کی کانگریس میں بلا شرط اور بحیثیت غیر مجموعی شرکت اور انفرادی سرگرمی کے مخالف تھے لیکن ابتدا میں جمعیت کے دیگر افراد کا خیال یہ تھا کہ ملکی آزادی جس صورت سے بھی حاصل ہو سکے ہو جائے۔ علامہ شبیر احمد صاحب جمعیت سے ان حالات کے ماتحت آخری ایام میں بہت کبیدہ خاطر ہو گئے تھے۔ چنانچہ آں موصوف اپنے پیغام کلکتہ میں لکھتے ہیں:۔

"ہم سب کو معلوم ہے کہ قدیم جمعیۃ العلمائے ہند دہلی بھی اپنے شائع کردہ مقاصد کے لحاظ سے کچھ بری نہ تھی وہ اپنی خدمات اور قربانیوں کے اعتبار سے اچھی خاصی تاریخ رکھتی ہے جو کچھ اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ اس کے آخیر کے چند سالہ طرز عمل پر ہیں"۔ (پیغام کلکتہ ص ۱۱ ہاشمی بکڈپو لاہور)

مذکورہ خیال کی بنا پر مولانا نے ۱۹۴۵ء سے چند سال پہلے سے جمعیت کے اجلاسوں میں شرکت ترک کر دی تھی اگرچہ مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ جیسا کہ مکالمۃ الصدرین میں مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندی صاحبزادہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوال کے جواب میں یہ تاریخی حقیقت واضح ہے اور جس کا تذکرہ اس سے پہلے آ چکا ہے۔

یہ کلام واضح کرتا ہے کہ چند سال کو چھوڑ کر علامہ موصوف ہمیشہ کبھی خلافت کبھی ہندو مسلم مشترکہ جلسوں اور اکثر و بیشتر جمعیۃ العلما اور اسلامی سیاسیات میں رہ کر مسلمانوں کی سیاست کو ابھارنے میں پیچھے نہیں رہے۔ البتہ ایسا انہماک نہیں رہا جس میں رات دن ملکی معاملات کی دھن لگ جائے۔ مولانا محمد طیب صاحب کی تقریر کے جملے بتا رہے ہیں کہ علامہ نے ملک کی آزادی میں کافی حصہ لیا ہے اور آپ کی تقریروں سے لاکھوں باشندگان وطن آزادی وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے ہیں (وفات عثمانی پر تعزیتی تقریر)

جمعیۃ العلما سے علیحدگی

موصوف جمعیت العلما سے بالآخر علیحدہ ہو گئے چنانچہ اپنے مکتوب بنام ایم سعید الدین صاحب بہاری

میں ان کے پوچھنے پر کہ جمعیۃ العلمائے ہند دہلی میں جناب والا شریک ہیں یا نہیں؟ تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں کچھ مدت سے جمعیۃ العلمائے ہند دہلی سے علیحدہ ہو چکا ہوں اور سہارنپور سیشن (اجلاس) کے بعد ادھر سے جو رکنیت کی دعوت دی گئی تھی میں نے لکھ دیا تھا کہ اب میں اس کا رکن بننا پسند نہیں کرتا"۔ (مکتوب ۵ نومبر ۱۹۴۵ء ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ از دیوبند مراسلات سیاسیہ ص ۱۲)

اس عبارت سے واضح ہے کہ جمعیت العلماء کی طرف سے سہارنپور کے سالانہ جلسہ کے بعد رکنیت کی دعوت کو موصوف نے قبول نہیں فرمایا۔ یہ اجلاس ۲۱ تا ۲۴ جمادی الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ۴ تا ۷ مئی ۱۹۴۵ء تک سہارنپور میں ہوا اور اس کے بعد سے آپ باقاعدہ جمعیت سے مستعفی ہو گئے۔

اگر تحقیق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو خلافت اور عدم تعاون کی تحریک میں ہندو مسلم اتحاد کے سوائے آپ کا رجحان مسلم لیگ کی طرف رہا۔ چنانچہ مولانا شوکت علی مرحوم جب ڈابھیل آئے اور مولانا عثمانی سے مسلم لیگ کی مدد کے لئے درخواست کی تو علامہ نے مسلم لیگ کے لئے ایک ہزار روپیہ چندہ کر کے مولانا شوکت علی مرحوم کو دے دیئے۔ یہ غالباً ۱۹۳۶ء کا ہی زمانہ تھا۔

مسلم لیگ میں شرکت اور اس کی وجہ

لیکن خصوصیت سے آں موصوف ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ میں شریک ہوئے۔ تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جمعیت العلماء کی رکنیت کی عدم منظوری سے پہلے ہی آپ نے مسلم لیگ اور کانگریس کے نظریات پر پورا غور کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اسی شش و پنج میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاصی تاخیر سے میں نے لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا"۔ (خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ ص ۱۱)

معلوم ہوا کہ موصوف نے مسلم لیگ کی شرکت کا اعلان کافی دیر کے بعد کیا اور اس عرصہ میں ایک دیدہ ور بصیر کی حیثیت سے مسئلہ کے سیاسی اور شرعی پہلو پر غور کرتے رہے۔ چنانچہ شرعی نقطہ نگاہ سے شرکت کی وجہ فقہ کے باب میں امام محمد رحمۃ اللہ کی وہ تحریر گزر چکی ہے جس کا اظہار آپ نے میرٹھ کانفرنس کے خطبہ میں فرمایا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ علامہ ہندوستان کے چیدہ اور جید عالم و رہبر ہوتے ہوئے ملک کی موجودہ سیاسی کشمکش میں بغیر فکر کسی طرح نہ رہ سکتے تھے۔ اس لئے آپ شرعی اور سیاسی حیثیت سے اس مسئلہ پر غور کرتے رہے اور آخر مسلم لیگ کے حق میں ہو گئے مکالمۃ الصدرین میں فرمایا:۔

"چونکہ اس الیکشن سے قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ وابستہ تھا اس بنا پر میں نے ضروری سمجھا کہ اس بنیادی موقع پر ان مسلمانوں کی مدد کی جائے جو استقلال ملت اور مسلم حق خود ارادیت کے حامی ہیں"۔ (ص ۴۳)

اپنے ایک بیان میں تحریک پاکستان میں شرکت کے متعلق ایک اور جگہ فرماتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں:۔

"اسلامی برادری کا ایک ادنیٰ جز ہونے کی حیثیت سے اپنے اندازۂ علم وفہم کے موافق سوچ سمجھ کر جو رائے قائم ہوئی ہے اپنے مخلصین کے پیہم اصرار پر بطور مشورہ عرض کر دیتا ہوں۔ اس وقت یہ دردناک منظر دیکھ کر کہ دس کروڑ مسلمانوں کے قومی اور سیاسی استقلال کی روح کو کیسی سنگدلی سے مسلمانوں ہی کی چھری سے ذبح کرایا جا رہا ہے بالکل خاموش رہنا گوارا نہ ہوا"۔ (بیان الیکشن منشور دہلی ۱۱ نومبر ۱۹۴۵ء)

ان وجوہات کی بنا پر علامہ لیگ کے موقف کی حمایت کے لئے کھڑے ہو گئے۔

اعلان شرکت اور اس کا اثر

آپ کی مسلم لیگ میں شرکت کا غلغلہ ہندوستان میں اس وقت بلند ہوا جب آپ کا پیغام کلکتہ کی "موتمر کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام" کے چار روزہ اجلاس اکتوبر ۱۹۴۵ء میں پڑھا گیا۔ علامہ کی تصنیفات اور خطبات کے ضمن میں اس پیغام کے اثرات کو بیان کیا جا چکا ہے۔ تاہم ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس پیغام نے تہلکہ مچا دیا۔ اس مطبوعہ پیغام کے پیش لفظ میں سید محمد قریش صاحب شمسی ناظم کل ہند لکھتے ہیں:۔

"پیغام نے ایک عالم بے خودی پیدا کر دیا عجیب محویت وکیفیت سبھوں پر طاری ہو گئی۔ بار بار نعرہ ہائے تکبیر وعلامہ شبیر احمد زندہ باد بلند ہوتے رہے"۔ (پیغام ص ۵)

اور ایڈیٹر عصر جدید کلکتہ نے جو اپنے اخبار میں اس پر نوٹ لکھا وہ یہ ہے:۔

"پیغام سنائے جانے کے وقت اس عظیم الشان مجمع کی محویت کا نظارہ میں جو حلاوت ایمانی خود اس اجتماع عظیم کے ہر ہر فرد نے محسوس کی اس کا اندازہ کوئی بیان کرنے والی زبان بیان نہیں کر سکتی۔ ٹھیک ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ برسوں اور مدتوں کی سوکھی اور پیاسی زمین پر بڑی امید بڑے انتظار اور بڑی تمنا کے بعد غیر متوقع طور پر یکبارگی باران رحمت کا نزول ہو رہا ہے"۔ (عصر جدید کلکتہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

اسی اثر کا اظہار مکالمۃ الصدرین میں جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کے وفد میں سے کسی صاحب نے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:۔

"آپ کے اعلانات نے ملک میں ہلچل ڈال دی ہے"۔ (مقالات ص ۴۳)

صدارت کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام

اس پیغام کے بعد آپ کو کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام کی صدارت پیش کی گئی لیکن آپ ہمیشہ صدارتوں کی ذمہ داریوں سے علیحدہ ہے۔ چنانچہ مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ کے صدارتی خطبہ میں لکھتے ہیں۔

"مجھے آپ کے ہاں نہ کوئی منصب چاہئے نہ تحسین وآفرین کے نعرے ایک اور صرف ایک ہی چیز مجھے مطلوب ہے کہ مسلم قوم وقت کی نزاکت اور سامنے آنے والے مسائل کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لے اور جو رکاوٹیں راستہ میں حائل ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کرے"۔ (خطبہ میرٹھ ص ۹)

لیکن آپ کی مرضی حاصل کئے بغیر ہی جمعیت والوں نے آپ کو صدر منتخب کر لیا تھا۔ اس جمعیت کے روح و رواں مولانا راغب احسن صاحب ایم اے بانی جمعیت اپنے ایک مضمون میں جو اخبار زمیندار کی اشاعت مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا ہے علامہ کی وفات کے بعد شیخ الاسلام کے عہدہ کی کشمکش کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"جمعیۃ علمائے اسلام کی تاسیس و تنظیم راقم الحروف نے سالہا سال کی کوشش و کاوش کے ساتھ ۱۱ جولائی ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں کی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ۲۶، ۲۷، ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں آل انڈیا جمعیۃ علمائے اسلام کی کانفرنس منعقد ہوئی اور کلکتہ مسلم لیگ کے روشن ضمیر بیدار مغز باہمت مخلصین صادقین نے کل ہند جمعیۃ علمائے اسلام کی بنیاد رکھی اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی پیشگی منظوری کے بغیر صدر چن لیا۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو حضرت مولانا نے بہت اصرار پر صدارت منظور کرنے کا تار صدر دفتر کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ کو بھیجا۔" (زمیندار ۱۹ جنوری ۱۹۴۹ء)

یہ ہے وہ حقیقت جس کے ماتحت علامہ کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام کے صدر پہلے ہی سے چن لئے گئے تھے اور آپ کو صدارت کے قبول کرنے پر باوجود انکار مجبور کیا گیا تھا اور یہ کہ کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام کی بنیاد کلکتہ مسلم لیگ کے روشن ضمیر بیدار مغز باہمت مخلصین صادقین نے رکھی تھی۔ گویا مولانا راغب احسن صاحب کے قول کے مطابق جمعیت العلمائے اسلام میں کسی غیر مخلص یا بددیانت عنصر کا کوئی دخل نہ تھا۔

صدارت قبول کرنے کے بعد آپ کی ذمہ داریاں وسیع ہو چکی تھیں۔ مسلم قوم جو اپنے دین اور دنیاوی امور میں مذہب کے احکام اور روشن دل و دماغ علما کے فیصلوں کے شدت سے منتظر

ہوتے ہیں۔ علامہ کے پیغام کے بعد فوج در فوج مسلم لیگ میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ آپ نے مسلم لیگ میں شرکت کرنے اور اس کی تائید میں زبردست فتویٰ شائع کیا جو اخبار رہبر دکن حیدر آباد مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء اور دہلی کے اخبارات میں شائع ہوا جس کا آخری مضمون یہ ہے:۔

"میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمام امور سے قطع نظر کر کے اگر لیگ کے وجود سے اتنا کام ہو گیا کہ مسلم قوم کی مستقل ہستی اور اس کی غیر مخلوط صاف آواز ہر انگریز اور ہندو دونوں کے نزدیک تسلیم ہو گئی اور تھوڑی سی مدت میں بدوں بہت زیادہ نقصان اٹھائے دنیا نے ہندوستان کے اندر ایک تیسری طاقت کے وجود کا اعتراف کر لیا بلکہ لیگ اور کانگریس کو صلح یا جنگ کے ہر معاملہ میں ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑا کیا جانے لگا تو کیا یہ فائدہ شرعی اور سیاسی نقطہ نظر سے کچھ کم ہے"۔

(رہبر دکن ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مسلم قوم کی ہستی اور اس کے وقار کو مسلم لیگ کی تحریک نے ہندو اور انگریز کے مقابلہ میں قائم کر دیا اس لئے موصوف کے نزدیک مسلم لیگ میں شرکت نہایت سودمند ثابت ہوئی۔

مکالمۃ الصدرین میں علامہ تحریک پاکستان میں اپنی شرکت کا ان الفاظ میں اظہار فرماتے ہیں۔

"میں نے جو رائے پاکستان وغیرہ کے متعلق قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے۔ جمعیۃ العلمائے اسلام میں آزاد بھائی رہیں یا نہ رہیں جمعیۃ العلمائے اسلام قائم رہے یا نہ رہے میری رائے جب بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان مفید ہے۔ ہم نے آزاد بھائی یا جمعیۃ العلمائے اسلام کی وجہ سے مسلم لیگ کی تائید نہیں کی بلکہ دیانتاً یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم ہونا چاہئے اور علمائے امت کو اس کی پشت پناہی اور اصلاحی جدوجہد کرنی چاہئے"۔ (مکالمہ ص۲۱۵)

ان حالات کی روشنی میں ایک تحقیق کے طالب کو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ کا رجحان کب سے مسلم لیگ کی طرف تھا وہ مسلم لیگ میں کیوں شریک ہوئے اور تحریک پاکستان کی انہوں نے کیوں تائید فرمائی اور کن دلائل کی روشنی میں تائید فرمائی۔ ادھر مولانا راغب احسن صاحب کی تحریر یہ واضح کرتی ہے کہ کل ہند جمعیت علمائے اسلام کی صدارت کی منظوری اور جمعیت کی بنیاد کا تاریخی پس منظر کیا تھا۔

اعلانات عثمانی

الغرض جب آپ کا عملی قدم مسلم لیگ کی تائید کے لئے اٹھا۔ تو آپ نے کل ہند جمعیۃ

العلمائے اسلام کے نام جو پیغام بھیجا اور اس میں جن نظریات کا اظہار فرمایا وہ ملک میں طوفان کی طرح پھیل گئے۔ یہ وہ اعلانات ہیں جو محاورات کے طور پر لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے اور مقولے بن گئے۔ پیغام کلکتہ میں دو قومیت کے نظریہ میں فرماتے ہیں۔

۱۔ "سب سے زیادہ اشتعال انگیز جھوٹ یہ ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند کی مستقل قومیت کا انکار کر دیا جائے"۔

۲۔ اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنی میں بن سکے۔

۳۔ اتنی بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور ان کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے جو اکثریت و اقلیت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔

۴۔ آج مسلم قوم سے یہ توقع ہرگز نہ رکھئے کہ وہ انگریز کی سنگل اور اضطراری غلامی کے مقابلہ میں انگریز اور ہندو کی ڈبل اور اختیاری غلامی کو ترجیح دے گا۔

۵۔ اس وقت مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہیے۔

۶۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکامیاب ہو گئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ ملے گا۔

۷۔ اکثریت میں مدغم ہو کر ہم آزادی کامل تو کیا حاصل کرتے اپنی قومی ہستی ہی کو فنا کر بیٹھیں گے جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ آخر قربانیاں کاہے کے لئے کریں قربانی کوئی مقصد تو نہیں ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اگر حصول مقصد کی توقع اس سے نہ ہو بلکہ خلاف مقصد کو تقویت پہنچنے کا اندیشہ ہو تو وہ قربانی کس کام کی۔ بقول اکبر مرحوم۔

ناچیز ہے سکوں تو تلاطم بھی نہیں کچھ   ہم کچھ نہیں یہ سچ ہے مگر تم بھی نہیں کچھ

مذکورہ بالا جملے علامہ کے پیغام کلکتہ میں سے پیش کئے گئے ہیں جن سے ان کے سیاسی خیالات کا پورا نقشہ دماغ میں آ جاتا ہے۔ اسی پیغام میں ایک زبردست فقہی مسئلہ کو مولانا نے حل فرمایا ہے۔ کہ آیا کفار سے مسلمانوں کی مدد لینا کس صورت میں جائز ہے۔ فرماتے ہیں:۔

کفار سے مدد لینا

"ہمارے فقہائے حنفیہ نے امام محمد اور امام طحاوی رحمہما اللہ سے لے کر علامہ ابن عابدین

(شامی) تک کسی نے اس مسئلہ سے انکار نہیں کیا کہ ایک قوم کے مقابلہ پر دوسرے کفار کو مدد دینا یا ان سے مدد لینا اسی وقت جائز ہے جبکہ حکم اسلام ظاہر (غالب) ہو۔ یہ اسی لئے کہ مسلمانوں کی جانیں اور اموال اسلامی نقطہ نظر سے بیکار ضائع نہ جائیں۔ صاحب بدائع نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ استعانت بالکفار علی الکفار ان سے معاہدہ کرنے کے بعد بھی مناسب نہیں کیونکہ ان کے غدر (بدعہدی) سے کسی وقت مسلمان مامون نہیں۔ علت یہ بیان کی ہے کہ **فان العداوة الدينية تحملهم عليه** کہ نفس مذہبی عداوت ان کو غدر اور بدعہدی پر ابھارے گی۔ آگے صرف حالت اضطرار کا استثنا فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اضطرار کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے سوائے کوئی اور راستہ باقی نہ رہے"۔ (پیغام ص ۲۴،۲۵)

مذکورہ فقہی مسئلہ کی روشنی میں کفار سے مدد لینے یا کفار کو کفار کے مقابلہ میں مدد دینے پر مختصر عبارت میں جو کچھ علامہ عثمانی نے پیغام میں تحریر فرمایا ہے اس کی روشنی میں اہل علم کے لئے دانش و بصیرت کا پورا سامان ہے البتہ اضطرار کی حالت کا استثنا پیش نظر ہے۔ علامہ کا نظریہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ مسلمان اپنی انفرادیت کو ہر حال میں قائم رکھنے کا خیال رکھیں۔ چنانچہ جمعیت العلمائے اسلام کلکتہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"ہماری تیرہ بختی دیکھئے کہ آج ہم کو ہندوستان میں یہ دن دیکھنا پڑا ہے جبکہ مسلمانوں کا قومی اور سیاسی استقلال ثابت کرنے کے لئے بھی دلائل کی ضرورت ہے۔ گویا ان کو احساس ہی نہیں کہ۔

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی　　لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی
بیوفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو　　دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی

(عصر جدید کلکتہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

حسن اخلاق کی نصیحت

پیغام کلکتہ کے آخر میں موصوف نے لیگ اور کانگریس کے معتقدین اور سیاست دانوں کو حد اعتدال اور دائرہ تہذیب میں رہ کر کام کرنے کی طرف پورے خلوص اور حسن نیت سے توجہ دلائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"جب ایک جانب سے قائد اعظم کی جگہ کافر اعظم اور ملعون وعیار وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں تو لاکھوں اشخاص کے سینوں میں یہ لفظ تیر و نشتر بن کر لگتے ہیں۔ دوسری طرف اگر مولانا ابوالکلام آزاد یا مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ کوئی ناشائستہ اور گستاخانہ معاملہ کیا جاتا ہے تو نہ صرف ان کے

معتقدین بلکہ ہزار ہا ان مسلمانوں کے قلب وجگر بھی چھلنی ہوجاتے ہیں جن کو ان حضرات کے سیاسی مسلک سے اختلاف ہے کسی جماعت کے کسی بڑے آدمی یا کسی عالم دین کو اس طرح بے آبرو کرنا یا اس پر خوش ہونا پرلے درجہ کی شقاوت اور حماقت ہے۔... تمام جماعتوں کے عاقل رجال کا فرض ہے کہ وہ پوری توجہ اور قوت سے ایسی رکیک حرکات کا انسداد کریں"۔ (پیام مشرق ۱۲؍۸؍۴۶ء)

اس عبارت سے مولانا کی بلند کرداری اور اعلیٰ انسانیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ علمی اور سیاسی اختلافات کے سبب وہ اپنی تحریر اور تقریر میں کبھی اعتدال کی راہ سے نہیں ہٹتے تھے وہ نظریات کے اختلاف کو اختلاف نظریات تک محدود رکھتے تھے اور اختلاف افکار میں کسی شخصیت پر کیچڑ اچھالنے کو شدت سے محسوس کرتے تھے چنانچہ آپ نے مسلم لیگ کے حامیوں کو حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی اور جناب مولانا ابوالکلام آزاد جیسی جلیل القدر شخصیتوں کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کی پرزور مذمت کی ہے اور اسی طرح قائد اعظم کو کافر اعظم کہنے والے کانگریسیوں کی بھی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کی۔ چنانچہ میرٹھ کی مسلم لیگ کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں بھی انہوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی کے متعلق تحریر فرمایا۔

"بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ تو میں اس پر اظہار بیزاری کئے بدوں نہیں رہ سکتا مولانا کی سیاسی رائے خواہ کتنی ہی غلط ہو ان کا علم وفضل بہر حال مسلم ہے اور اپنے نصب العین کے لئے ان کی عزیمت اور ہمت اور انتھک جدوجہد ہم جیسے کاہلوں کے لئے قابل عبرت ہے اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی تائید کی بنا پر میرے ایمان میں خلل بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے ان کے ایمان اور ان کی بزرگی میں کوئی شبہ نہیں کیا کروں علما نے لکھا ہے کہ مومن اپنے ایمان میں تردد تو نہیں کر سکتا ہاں اپنی سیہ کاریوں کے پیش نظر اپنے کو مومن کہتے ہوئے ذرا شرم سی آتی ہے۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اتنا عرض کرنے کی ضرور جسارت کروں گا۔

گو دعویٔ تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں
بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں

حضرت عثمانی اور مولانا مدنی

مذکورہ عبارت میں حضرت مولانا مدنی کے علم وفضل ان کی ہمت وجفاکشی ان کے ایمان اور ان کی بزرگی کا حضرت عثمانی نے زبردست الفاظ میں اعتراف فرمایا ہے اور اس حقیقت سے انکار

ناممکن ہے کہ حضرت مولانا مدنی قدرت سے ایک بے باک طبیعت ایک مشقت کا عادی فولادی جسم ایک مجاہدانہ قوت اور ایک روحانی دل لے کر آئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں حضرت عثمانی جسمانی مشقت کے عادی نہ تھے وہ جیل کی کڑیاں جھیلنے کے قابل نہ تھے۔ اسی لئے مذکورہ عبارت میں وہ ان کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کاہل تصور کرتے ہیں مگر دوسری طرف علامہ علم کے پہاڑ تحقیق کے سمندر فضیلت کے بحر بیکراں قابلیت کے ماہتاب اور ذکاوت کے آفتاب تھے۔

یہ دونوں حضرات حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ کے تارے اور دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند ہیں جن پر اس مادر علمی کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کی دل سے قدر کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے علم و فضل کے قائل تھے وہ نفوس سعادت سے بہت دور ہیں جو ان میں باہمی آویزش کے تذکرے کرنے اور افتراق کی خلیج کو وسیع کرنے میں کوشاں رہے۔ رہا سیاسی نظریات اور افکار کا اختلاف یہ علم و فضل اور دانش و عقل کے خلاف نہیں۔ اختلاف نظر و فکر سے انسانی فطرت کو رونق نصیب ہوتی ہے۔

یہ کس دانا نے بتایا ہے کہ ایک گلشن علم کے دو خوبصورت پھولوں کو گلے کا ہار بنانے کی بجائے ان کی پتیوں کو افتراق کی باد خزاں میں اڑا دیا جائے۔

ان دونوں مایہ ناز شخصیتوں کو قریب سے دیکھئے اور قریب لانے کی کوشش کیجئے۔ میرے پاس ان دونوں حضرات کے اپنے ہاتھوں کے لکھے ہوئے بعض خطوط ہیں جن میں وہ ایک دوسرے کو کن الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ مولانا مدنی مدظلہ اپنے مکتوب مورخہ ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ بنام مولانا عثمانی میں جو میرے پاس ہے لکھتے ہیں:۔

"اور چونکہ خواجہ تاشی کی نعمت بفضلہ تعالیٰ حاصل ہے اس لئے ہمارا آپس کا جنگ و جدال اور تخالف وغیرہ بھی عداوت اور دشمنی پر محمول نہ ہونا چاہئے۔ ایک وقت میں لڑیں گے اور دوسرے وقت میں ملیں گے۔ عداوت قائمہ اور عداوت قلبیہ نہ ہوگی"۔

اسی مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو سینکڑوں کمالات ایسے عطا فرمائے ہیں جن کے سرادقات تک بھی ہم نالائقوں کی رسائی نہیں جب کہ ممبران مشورہ نے زیادہ کچاڈ کیا تو اس کا تذکرہ ضرور آیا مگر کوئی ایسی چیز جو کہ آپ کے اخلاق کریمانہ یا آپ کی شرافت شخصی میں اثر رساں ہو تذکرہ نہیں کی گئی"۔

ادھر مولانا عثمانی اپنے جوابی مکتوب بنام مولانا مدنی میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اس وقت اپنے عقیدے میں دیوبند کی صدارت تدریس کے لئے آپ کو احق ترین سمجھتا ہوں۔ پھر آپ سے کینہ کپٹ کیسے رکھ سکتا ہوں۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن   آئین ما است سینہ چو آئینہ داشتن

جو الفاظ آپ کی شان گرامی کے خلاف لکھے گئے ہوں ان سے کریمانہ مسامحت فرمائیں۔

بھلا دو میرے منہ سے بات اگر کوئی بری نکلی   یہ بیدردی نہ ہے کہنا آہ بسمل بے سری نکلی

اب غور کیجئے کہ ان حضرات میں باہمی کیسے اچھے تعلقات تھے اور اگر باہمی اختلافات تھے بھی تو وہ نہایت پاکیزگی اور متانت کے دائرہ میں تھے اور یہ تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

میں نے اس کتاب کے آغاز میں لکھا ہے کہ شبیر اور حسین ایک ہی شخصیت کے نام اور لقب ہیں اور آگے احمد میں دونوں مشترک ہو کر شبیر احمد اور حسین احمد بن گئے ہیں یا یوں کہئے کہ دونوں منطق کی دلالت مطابقی ہیں۔

ایک لاہور کے رضاخانی کا قول

اس موقع پر مجھے لاہور کے ایک عالم کا قول یاد آیا جو مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی سے عقیدت رکھتے ہیں انہوں نے مسلم لیگ اور کانگریس کی باہمی کشمکش اور آویزش کے سلسلہ میں مولانا مدنی اور مولانا عثمانی کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"میاں یہ دونوں دیوبندی ایک ہی ہیں ایک نے مسلم لیگ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور دوسرے نے کانگریس کی۔ گویا ملک کی تمام سیاست پر یہ دونوں چھا گئے ہیں"۔

میں تو ان کے یہ جملے سن کر پھڑک اٹھا اور حق یہ ہے کہ انہوں نے بریلویت کے نقطہ نگاہ سے خوب کہا۔ گو بات تو یہ نہ تھی مگر کہنے والے نے دونوں میں موافقت ثابت کر کے رکھ دی۔ پھر آپ کو کیا ہوا کہ دونوں میں خواہ مخواہ کشمکش ثابت کرنے کی کوشش میں بچھو دوڑاتے ہیں۔

دانش دیوبندی

بریلوی صاحب نے تو اپنے خیال سے مذکورہ بات کہہ دی مگر اس کی تہہ میں میرے دل کو ایک حیرت انگیز راز مل گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب کے باغ کے دو پھولوں کی مہک سے

پاکستان اور ہندوستان کی فضا بھر گئی اور دونوں ملکوں کی سیاست کا سہرا ان دونوں کے سر رہا۔ یہاں پہنچ کر اس بات کا افسوس کیے بغیر نہیں رہا جاتا کہ اصلاحی صاحب نے حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کے خطوط کا جو مجموعہ شائع کیا ہے اس میں وہ خطوط بھی شائع کیے ہیں جن سے حضرت مولانا عثمانی کی عظمت اور ان کی شخصیت پر ایک گونہ ضرب پڑتی ہے۔ میرے نزدیک یہ بات دانش مندی سلامتی طبع نیز صلاح کار کے خلاف ہے میں نہیں چاہتا کہ سوانح نگار کی حیثیت سے ان کا جواب دوں فقط خموشی اختیار کرتا ہوں دراصل ان خطوط کو شائع کر کے مولانا عثمانی کی عظمت کو تو کیا نقصان پہنچاتے حضرت مولانا مدنی کی بھی کوئی عزت افزائی نہیں فرمائی ہے۔

علامہ عثمانی نے دارالعلوم دیوبند کی لاج رکھ لی

علمائے دیوبند کا سر فخر سے اس وقت بلند ہو جاتا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے دل میں اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی غیبی تائید ڈال کر اس کام کے لئے ان کو کمر بستہ کر دیا اور پاکستان کی تخلیق کے لیے کام کرنے کی ان کو توفیق اور ہمت بخشی۔ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی لاج رکھ لی۔ اور ان کے دم سے دیوبند کے فرزند اس قابل بن گئے کہ وہ پاکستان میں آج اپنا منہ دکھا سکیں وہ دنیائے اسلام کے اس سب سے بڑے ملک یعنی پاکستان کے مسلمہ شیخ الاسلام بنے اور ان کی وفات پر سارے پاکستان اور اسلامیان ہند اور عرب ممالک میں صف ماتم بچھ گئی۔ سرکاری ادارے اور شخصی کاروبار اس روز معطل کر دیے گئے۔ بچے بچے کی زبان پر آہ آہ کے لفظ تھے۔ زمیندار اخبار کے نمائندہ نے شیخ الاسلام کی وفات پر لاہور کے ایک معمولی دکاندار کو حسرت و غم میں ڈوبا ہوا دیکھ کر مزاج پرسی کی تو کہنے لگا۔ آج پاکستان کے بڑے مولانا صاحب کا انتقال ہو گیا ہے یہ سب کچھ نتائج اور ثمرات تھے ان خدمات کے جو علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کے لئے انجام دی تھیں۔ ہم مولانا کی وفات پر ملکی اور غیر ملکی حکومت اور پبلک کے بیانات کو ان شاء اللہ پہلی جلد میں پیش کریں گے۔ بہر حال پاکستان ایک غیبی تقدیر یا امر ربی تھا جس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی تھی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کو اللہ تعالیٰ نے علما میں اس کام کے لئے چن لیا تھا جن کو کوئی باطم شریعت کی روشنی دکھانے سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ بس تمام پاکستان کی تحریک کا یہ خلاصہ ہے آپ ہی کی شخصیت سے وابستگی کا اثر تھا کہ آپ کے جلیل القدر شاگرد مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی تعلیمات اسلامی بورڈ کے ممبر بنے اور آپ ہی کا صدقہ تھا کہ مولانا احتشام الحق صاحب نے مرکز میں یہ مقام حاصل کیا اور اب بھی حکومت کی نظروں میں دیوبندیت کا پلا بھاری ہے اور یہ سب کچھ حضرت عثمانی کی برکات کا نتیجہ ہے۔

بر سر مطلب

میں مولانا عثمانی قدس اللہ سرہ اور مولانا مدنی مدظلہ کے باہمی روابط میں کہاں سے کہاں چلا گیا۔ میں تو یہ لکھ رہا تھا کہ علامہ عثمانی نے لیگ اور کانگریس کے جانبداروں کو دونوں طرف کے لیڈروں کی عظمت اور عزت کا خیال کرنے کی شدت سے تاکید فرمائی۔

پیغام کلکتہ کا خلاصہ آپ کے سامنے آ چکا یہ پیغام کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ کے اجلاس منعقدہ اکتوبر میں پڑھا گیا جس نے تمام ہندوستان میں تہلکہ مچا دیا اور ہندوستان کی مسلم اکثریت نے اس کو خوش آمدید کہا۔ اس پیغام نے جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کو جواب تک شرعی حیثیت سے اسلامیان ہند کی نمائندہ چلی آتی تھی سخت متاثر کیا۔ اس پیغام سے ہندوستان کے عوام مسلمان مسلم لیگ میں جوق در جوق شامل ہو گئے۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بڑے دن کی تعطیلات میں کپورتھلہ کالج بند ہونے پر میں علامہ عثمانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آں محترم اپنے مکان کی بالائی منزل پر بیٹھے تھے۔ بڑے تپاک سے ملے۔ اس وقت مکالمۃ الصدرین پر نظر ثانی فرما رہے تھے۔ اسی اثنا میں آپ کی ڈاک آئی جس میں بہت سے خطوط تھے اور اس زمانہ میں پیغام کلکتہ کے بعد اکثر موافقین کے موافقت اور مسرت میں اور کافی تعداد میں مخالفین کے شبہات اور اعتراضات کی شکل میں خطوط آ رہے تھے جن میں سے کچھ "مراسلات سیاسیہ" کے نام سے مع جوابات کے چھپے ہوئے موجود ہیں۔ اس ڈاک میں ایک لفافہ سلہٹ بنگال کا بھی تھا جس میں لکھا ہوا تھا کہ سلہٹ کے مسلمان عموماً کانگریس کی طرف میلان رکھتے تھے لیکن آپ کے پیغام کے بعد ہم لیگ میں شامل ہو چکے ہیں۔

بہر حال جمعیت العلمائے ہند دہلی اس پیغام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ ان خطوط میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے دو خط اور مولانا منظور احمد نعمانی ایڈیٹر الفرقان کا ایک مکتوب اور ان کے جوابات قابل دید ہیں۔

اس پیغام کے بعد دار العلوم دیوبند کی دو زبردست شخصیتوں کے نظریات میں اختلاف ہو جانے کے بعد جماعت میں اختلاف ہو جانا ظاہر تھا اس لئے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی جو علامہ عثمانی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور جمعیت العلمائے ہند دہلی کے اس وقت ناظم اعلیٰ بھی تھے وہ کسی غرض سے یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو دیوبند آئے اور اپنی نیک نیتی اور خلوص دل سے علامہ عثمانی کی عیادت کو آئے اور اس امر کے خواہاں ہوئے کہ تبادلہ خیالات کے ذریعہ جماعت دیوبند کے سیاسیات میں ہم آہنگی اور موافقت پیدا کریں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے عرض کیا:۔

"ہمیں کچھ آپ سے حالات حاضرہ پر نیاز مندانہ گزارشات کرنی ہیں۔ مسئلہ پر شرعی حیثیت

سے تو ہم آپ سے کیا گفتگو کرتے یہ درجہ تو ہمارا نہیں البتہ کچھ واقعات ایسے بیان کرنے ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ شاید وہ آپ کے علم میں نہ آئے ہوں۔ ممکن ہے کہ ان واقعات کو سن کر حضرت والا کی جو رائے قائم شدہ ہے اس میں تغیر ہو جائے۔" (مکالمۃ الصدرین ص ۷۰)

اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا خط دہلی سے ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ کا لکھا ہوا علامہ عثمانی کے پاس پہنچا کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا ارادہ ہے کہ وہ جمعیت العلمائے ہند کی ایک خصوصی مجلس مشاورت جمعرات کے روز دیوبند ملائیں اس لئے یہ سب حضرات بھی گفتگو میں حصہ لیں تاکہ علمائے دیوبند کے سیاسی افکار میں یکجہتی ہو جائے چنانچہ اس پروگرام کے مطابق ۷ دسمبر جمعہ کے دن مولانا حسین احمد صاحب مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا احمد سعید صاحب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالحنان صاحب علامہ عثمانی کے دولت خانہ پر تشریف لائے اور سیاسیات پر تبادلہ خیالات ہوا۔ یہ گفتگو مولانا محمد طاہر صاحب مرحوم نے مرتب کی اور اس کو طبع کرا دیا گیا۔ جس کا نام مکالمۃ الصدرین کے نام سے مشہور ہے۔

مکالمۃ الصدرین

مکالمہ صدرین سے مراد دو صدروں کا باہمی کلام کرنا ہے۔ غالباً اس لئے کہ مولانا عثمانی دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے ہیں اور مولانا مدنی صدر مدرس تھے اور اب بھی ہیں۔ یہ مکالمہ حقیقت میں علامہ کی سیاسی قابلیت کا بہترین آئینہ دار ہے۔ متحدہ ہندوستان کے جس تعلیم یافتہ شخص نے اس کو پڑھا بے ساختہ مولانا عثمانی کی سیاست کا لوہا مان گیا۔ اس مکالمہ کے پڑھنے سے صحیح معنی میں پاکستان کے نظریئے اور اس کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے ایک بے لاگ تبصرہ کرنے والے انسان کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت عثمانی کے زبردست دلائل' ٹھوس اصول اور پاکستان کے تجزیے کے مقابلہ میں جمعیۃ العلما کا فارمولا دب کر رہ گیا ہے۔ مجھے یہ لکھنے میں ذرا بھی کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی کہ علامہ متحدہ ہندوستان کے بہترین سیاست دان تھے اور ان کا مشورہ اور اصابت رائے ابنائے روزگار میں مسلم تھی۔ جو حضرات علامہ کو سیاسی نہیں سمجھتے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ سیاست میں منہمک نہیں رہتے تھے لیکن سیاست دان ہونے سے انکار کرنا غلط ہے۔ وقت نے جب بھی علامہ کو سیاست کے لئے پکارا ہے تو یقین کیجئے کہ علامہ نے اس کی پکار کو صحیح معنی میں سمجھا ہے۔ وہی سیاسی مہارت مکالمۃ الصدرین میں خاص طور پر ابھری نظر آتی ہے۔ اب ہم ذیل

میں باہمی تبادلہ خیالات کو مختصراً پیش کرتے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

مزاج پرسی کے بعد کلام کی ابتداء مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کی جن کی گفتگو کا تجزیہ حسب ذیل ہے:۔

۱۔ کلکتہ میں جمعیت العلمائے اسلام حکومت کی مالی امداد سے قائم ہوئی اور آزاد سبحانی کی معرفت یہ کام انجام پا رہا ہے۔ آزاد سبحانی ایک متلون مزاج انسان ہیں اور سرکاری آدمی ہیں۔

۲۔ مسلمانوں کے لئے نظریہ پاکستان سراسر نقصان دہ ہے۔

علامہ عثمانی

مجھے آزاد سبحانی سے کوئی بحث نہیں۔ آزاد سبحانی مسلم لیگ میں رہیں یا نہیں۔ میں نے پاکستان کے متعلق جو رائے قائم کی ہے وہ خلوص پر مبنی ہے۔ جمعیۃ العلمائے کلکتہ بھی رہے یا نہ رہے میری رائے تب بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان مفید ہے اگر مان بھی لیا جائے کہ جمعیۃ العلمائے کلکتہ سرکار کے اشارے سے قائم ہوئی ہے تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کانگریس کی ابتداء کس نے کی تھی۔ اس کا بانی ایک ہندوستان کا وائسرائے تھا لیکن بعد میں یہ ایک مخلص جماعت بن گئی۔ کیا ہمارے مسلمہ بزرگ مولانا اشرف علی صاحب کے متعلق بھی یہ افواہ نہ تھی کہ ان کو چھ سو روپیہ گورنمنٹ برطانیہ سے ملتے ہیں اور کیا آپ لوگوں کے متعلق یہ شہرت نہیں کہ آپ ہندوؤں سے روپیہ لے کر کھا رہے ہیں۔ کیا یہ باتیں صحیح ہیں۔ اس لئے ہمیں ان باتوں سے ہٹ کر غور کرنا چاہئے کہ مسلمانوں کا فائدہ کونسا راستہ اختیار کرنے میں ہے لہٰذا میں مزید گفتگو سے پہلے تین چیزیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

سوالات حضرت عثمانی

جو فارمولا جمعیت العلمائے ہند نے پاکستان کا نعم البدل ظاہر کر کے ملک کے سامنے پیش کیا ہے اس فارمولا کو آپ حضرات نے کم از کم کانگریس سے منوالیا ہے یا نہیں؟ اور کانگریس نے اس کو تسلیم کر لیا ہے یا نہیں؟

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب:۔ ہمارا یہ اصول نہیں ہے کہ ہم جنگ آزادی کی شرط کے طور پر ہندوؤں سے کوئی چیز منوائیں اس میں کچھ عذرات ہیں۔

علامہ عثمانی:۔ دوسری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ آپ کی گفتگو اس مفروضہ پر ہے کہ انگریز

حکومت ہندوستان سے چلی گئی ہے یا جارہی ہے یا یہ مان کر کہ وہ ابھی موجود ہے اور سردست جا نہیں رہی گویا یا جو کچھ لینا ہے اسی سے لینا ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب:۔ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ انگریزی حکومت ابھی ہندوستان ہی میں ہے اور جو کچھ لینا ہے اسی سے لینا ہوگا۔

علامہ عثمانی:۔ تیسری بات یہ دریافت طلب ہے کہ آپ حضرات جو انقلاب اس وقت چاہتے ہیں وہ فوجی انقلاب ہے یا آئینی۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب:۔ اس وقت تو آئینی انقلاب ہی زیر بحث ہے۔

علامہ عثمانی:۔ بس اب بحث کا رخ متعین ہو گیا کہ جو کچھ لینا ہے انگریزی حکومت سے لینا ہے اور اس آئینی انقلاب میں مسلمانوں کے لئے وہ راستہ مفید ہے جو جمعیۃ العلمائے ہند نے تجویز کیا ہے یا وہ راستہ جو مسلم لیگ اختیار کر رہی ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن:۔ پاکستان بننے میں مسلمانوں کا نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ کیونکہ بنگال میں مسلمان ۵۳ فیصدی اور فلاں صوبے میں اتنے اور فلاں میں اتنے اور آسام میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے۔ مسلم اکثریت کے صوبوں میں ۴۷ فیصدی غیر مسلم اقلیت، دولت، تعلیم، تنظیم ہر حیثیت سے مسلمانوں پر غالب رہے گی۔ سکھ جنگجو قوم مسلمانوں کو آرام سے بیٹھنے نہ دے گی۔

علامہ عثمانی:۔ کیا پاکستان تمام صوبوں کا ایک ہوگا یا علیحدہ علیحدہ ہر مسلم اکثریت کے صوبہ کا پاکستان بنے گا؟

مولانا حفظ الرحمان:۔ تمام ہی مسلم اکثریت کا پاکستان ایک بنے گا۔

علامہ:۔ تو صوبجاتی اعداد و شمار کی گفتگو اس موقع پر بیکار ہے ہمیں پاکستان کی مرکزی حکومت کا تناسب دیکھنا ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن:۔ پاکستان میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی چھ کروڑ ہوگی اور غیر مسلم تین کروڑ ہوں گے۔

علامہ:۔ یہ غلط ہے مجموعہ میں مسلمان تقریباً سوا سات کروڑ لیکن ہم سات کروڑ تسلیم کئے لیتے ہیں اور غیر مسلم جو تین کروڑ سے کم ہیں ان کو تین کروڑ مانے لیتے ہیں اس طرح سات اور تین کی نسبت ہوگی۔ آپ کے فرمانے کے مطابق ساٹھ اور چالیس کی ہوگی۔

جمعیۃ العلماء کا فارمولا

علامہ نے فرمایا کہ پاکستان کی مرکزیت میں تو آپ کے قول کے مطابق مسلم اور غیر مسلموں میں ساٹھ اور چالیس کی نسبت ہے اور جمعیۃ العلمائے دہلی کے فارمولے میں مرکز میں چالیس فی صد مسلم اور چالیس فیصدی ہندو اور بیس فی صدی دوسری اقلیت ہے اور یہ غیر مسلم سب

مل کر مسلمانوں کے مقابلہ میں ساٹھ فیصدی ہو جائیں گے تو متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نقصان ہوگا یا پاکستان میں اب دونوں نظریوں کا آپ خود فیصلہ کرلیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن:۔ اس موقع پر عیسائی ہمارے ساتھ ہوں گے۔

علامہ:۔ عجیب بات ہے کہ جب پاکستان کا فارمولا سامنے آتا ہے تو عیسائی مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم بلاک میں شمار کئے جاتے ہیں اور جمعیۃ العلمائے دہلی کے فارمولے میں عیسائی مسلمانوں کے ساتھ شمار کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب:۔ جیب میں سے ایک کاغذ نکال کر پڑھتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز انگریز کی ہے اور مسلم لیگ ان کے اشاروں پر چلنے والی جماعت ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی:۔ نظریہ پاکستان ہندو اور انگریز دونوں کے مخالف ہے۔ لارڈ ویول وائسرائے ہند انگریز کے سب سے بڑے نمائندے نے اپنی تقریروں میں برملا کہا ہے کہ اس ملک کا مرکز اور اس کی حکومت ایک ہی ہونی چاہئے۔ پہلی مرتبہ یہ تقریر کلکتہ کے کامرس چیمبر میں کی اور دوسری مرتبہ لیکچر میں کی اور تیسری مرتبہ راولپنڈی کے دورے پر کہا کہ اس ملک کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس سے پہلے لارڈ لنلتھگو نے بھی ١٩٤٢ء میں اسی قسم کی تقریر کی تھی۔ ہندو چاہتا ہے کہ انگریزوں کے زیر سایہ مسلمانوں پر حکومت کریں اور اس طرح انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں ہم بااختیار خود پستے رہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب:۔ یہ انگریز کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ یہ تو ان کی چالیں ہیں۔

علامہ:۔ لیکن دلیل میں تو سب سے بڑے ذمہ دار ہی کا قول پیش کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا مدنی:۔ پاکستان کی صورت میں اگر روس نے حملہ کر دیا تو سرحد کے مسلمان پس جائیں گے اور ہندوستان کا دفاع کیسے ہوگا؟

علامہ عثمانی:۔ ہندوستان اور پاکستان کے باہمی مفاد کے پیش نظر دونوں کی باہمی کوشش سے نیز دونوں کے معاہدے سے دفاع ہو سکتا ہے۔

مولانا احمد سعید صاحب:۔ حضرت معاہدوں کو آج کل کون پوچھتا ہے۔

علامہ:۔ جب کانگریس سے بلا معاہدہ آپ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں تو معاہدہ کی صورت تو بہرحال اس سے قوی تر ہونی چاہئے یہ معاہدات ہی کی طاقت تھی کہ روس اور برطانیہ نے مل کر

جرمن اور جاپان کو کس طرح پیس ڈالا۔

وفد جمعیت: ۔اچھا اگر پاکستان بن جائے تو تین کروڑ کی مسلم اقلیت ہندو صوبوں میں رہے گی اس کی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا۔

علامہ: ۔ہمارے یہاں بھی ہندو اقلیت ہوگی اور تین کروڑ ہندوؤں کی وجہ سے ایک دوسرے کی حفاظت وابستہ ہوگی۔ آخر اکھنڈ (متحدہ) ہندوستان میں دس کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کس طرح ہوگی۔

مولانا احمد سعید صاحب: ۔انگریزی حکومت کا منشا پاکستان بنا کر اور ہندوستان کو تقسیم کر کے ٹکڑے کرنے کا ہے یا جمع کرنے کا اور اس کا فائدہ کس طرف ہے؟

علامہ عثمانی: ۔کبھی انگریز کا فائدہ ٹکڑے کرنے میں اور کبھی جمع کرنے میں ہے اس کی حال ہی کی نظیر ملاحظہ فرمایئے کہ برطانیہ نے ترکی اور عرب کے ٹکڑے ٹکڑے کئے۔ عراق' شام' لبنان' نجد' یمن سب کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں منقسم کر دیا اور اب روس کے خطرے کے باعث عرب لیگ بنا کر سب کا ایک بلاک بنانا چاہتا ہے۔ اس کو وفد نے تسلیم کر لیا۔

مکالمۃ الصدرین سے میں نے کچھ انتخاب پیش کیا ہے میرا منشا سوانح نگار کی حیثیت سے یہ ہے کہ آپ علامہ کی سیاسی سوجھ بوجھ کا اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ سیاست کے کس مقام پر تھے دوسری طرف جمعیۃ العلماء کے وہ عظیم الشان حضرات ہیں جن کا علم' زہد اور کردار بھی نہایت بلند ہے اس لئے میں باہمی تقابل میں پڑنا نہیں چاہتا۔ آج ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے مولانا ابوالکلام صاحب آزاد' حضرت مولانا حسین احمد صاحب' مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سامان رحمت ہیں اور ہر مسلمان کے لئے باعث فخر ہیں۔ البتہ ان حضرات کا اختلاف اجتہادی ہوتا ہے اور اجتہاد میں غلطی اور صحت کا امکان ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ نے مراد آباد محلہ کسرول کے ایک شخص کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ۔

"میرے حاشیہ خیال میں ہی یہ نہیں آ سکتا کہ یہ حضرات محض ذاتی مفاد کے لئے ایسا کریں وہ اپنے نزدیک جو حق سمجھتے ہیں کر رہے ہیں اور اسی کو اپنے استاد کا مسلک سمجھتے ہیں۔ باقی یہ لازم نہیں کہ جو ان کا خیال ہے وہ واقع میں صحیح ہو"۔

اسی خیال کا اظہار اس مکالمہ میں مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا: ۔

"بہر حال یہ اختلافی مسئلہ ہے اس میں احتمال خطا کا دونوں طرف ہے۔ ذرا کچھ تو نرمی

فرمائیں۔" (مکالمہ ص ۳۵)

مولانا عثمانی نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

"میرا تو وہی خیال ہے جو فقہائے کرام نے مقلد کے عقیدے کے متعلق لکھا ہے کہ اپنا امام جو مسئلہ بیان کرے اس کی نسبت یہ اعتقاد رکھے صواب یحتمل الخطا (ہمارے امام نے جو کہا وہ ٹھیک ہے البتہ خطا کا شبہ ہوسکتا ہے اور دوسرے امام نے جو کہا خطا یحتمل الصواب (غلط ہے ہاں ٹھیک ہونے کا بھی احتمال ہے)

مکالمۃ الصدرین میں مولانا محمد طاہر مرحوم جو اس کے مرتب ہیں لکھتے ہیں کہ یہ مکالمہ نہایت خوشگوار فضا میں ہوا اور جب یہ حضرات رخصت ہونے لگے تو علامہ نے فرمایا کہ "یہ سلسلہ گفتگو آخری سلسلہ نہیں ہے پھر جب چاہیں گفتگو کر سکتے ہیں۔

مولانا محمد طاہر صاحب مرحوم آخر میں لکھتے ہیں:۔

"علامہ عثمانی کی معلومات شرعیہ جہاں بے پناہ ہیں وہاں سیاسی حذاقت بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ سیاسی لوگ جب اس مکالمہ کو سنتے ہیں تو پاکستان کی وضاحت اور مسئلہ کے اس انداز پر عش عش کرتے ہیں"۔ (مرتب)

باطنی جائزہ

مکالمۃ الصدرین کے اس حصہ کو ختم کرنے کے بعد میرے دل میں یہ بات القاء ہوئی کہ امت کا اختلاف کتنے مقام پر جہاں نیتیں صاف ہوں رحمت ہوا کرتا ہے علمائے دیوبند کا یہ اختلاف میرے نزدیک رحمت تھا اور وہاں تین شخصیتوں سے اللہ تعالیٰ مختلف کام لے رہے تھے جو یہ ہے:۔

۱۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب متحدہ ہندوستان کا کردار اختیار کئے ہوئے تھے۔

۲۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مسلم لیگ کی حمایت میں پاکستان کی غیبی تائید کے لئے کمربستہ تھے۔

۳۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی پالیسی مبہم تھی نہ وہ صاف طور پر کانگریس میں تھے اور نہ واضح طور پر مسلم لیگ میں۔ قدرت نے انہیں دارالعلوم کا اہتمام دے کر مدرسہ کے لئے دونوں جماعتوں کے ساتھ متحد کر رکھا تھا۔ البتہ ان کی باطنی کیفیت اور دلی رجحان لیگ کی طرف تھا۔ جس کو اہل فہم چتونوں سے سمجھ لیتے تھے۔ اس لئے یہ کہنا کہ دارالعلوم دیوبند میں سب کانگریسی خیال کے تھے سراسر غلط ہے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا کوئی عقیدت مند اور مرید باصفا کانگریس سے کبھی بھی متفق نہیں ہوسکتا تھا مولانا محمد طیب صاحب

بھی حضرت تھانوی کی جماعت کے مرد تھے۔

لیگ میں علامہ کی سرگرمی

وقت آیا کہ تحریک کی چہار دیواری سے نکل کر علامہ عثمانی اپنی بیماریوں کے باوجود میدان عمل میں آئے۔ مولانا منظور احمد نعمانی نے اپنے خط مورخہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ میں حضرت عثمانی کی خدمت میں ایک طویل خط لکھتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

''ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کی واقعی ضرورت محسوس کر کے اس کو اپنی توجہ اور کوشش کا خصوصی مرکز بنایا جائے۔ ہمارے جو بزرگ لیگ کی حمایت میں خیر کا یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ لیگ کے لئے وہ اتنا زیادہ کام عوام میں آ کر کریں۔ کہ عوام سب سے زیادہ ان سے متاثر ہوں۔ جناب والا یا تو حضرت مدنی کی طرح لیگ کے کام کے لئے کمر بستہ ہوں اور کم سے کم آنے والے صوبجاتی انتخابات تک جناب کے بھی مسلسل طوفانی دورے ہوں تا کہ لیگ کی دنیا میں آپ حضرات کا اثر ورسوخ

ہو اور دین کی باتوں کے لئے وہاں امکانات پیدا ہوں''۔ (مراسلات سیاسیہ ص ۳۱، ۳۲)

مولانا منظور احمد نعمانی کا مطالبہ معقول اور واضح ہے کہ علامہ عثمانی میدان عمل میں آ کر طوفانی دورے کر کے لیگ کے اندر دینی جذبات پیدا فرمائیں چنانچہ اس مکتوب کے جواب میں علامہ نے تحریر فرمایا:۔

''ہر شخص اپنی وسعت اور طاقت کے موافق ہی کام کر سکتا ہے اور اگر اللہ چاہے تو کسی ضعیف و معذور کے تھوڑے سے کام میں بہت برکت دے سکتا ہے پھر جب کوئی شخص عوام میں بے اثر ہو تو اس کی معمولی سی ایک آدھ تحریر سے مولانا مدنی کے طوفانی دوروں کا بالمقابل کیا خاص فائدہ لیگ کو پہنچ سکتا ہے اور اگر یہ معمولی تحریر عوام پر کچھ موثر ہے تو آئندہ کوئی اصلاحی قدم بھی ان شاء اللہ ایک درجہ میں اثر انداز ہو سکتا ہے''۔ (مراسلات ص ۳۰، ۳۱)

قلیل حرکت میں مزید برکت

مولانا عثمانی کی مذکورہ تحریر میں ایک خاص حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر چہ ابھی تک مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی تائید میں میرا حصہ صرف بیانات اور تحریروں تک محدود رہا ہے لیکن صرف ان بیانات اور اعلانات سے ہی ملک میں اتنا اثر ہوا ہے کہ دوسری جماعتوں کی مدتوں کی کوششیں معطل ہو کر رہ گئی ہیں۔ علامہ کے ان الفاظ نے کہ ''اگر اللہ چاہے تو کسی ضعیف و

معذور کے تھوڑے سے کام میں بہت برکت دے سکتا ہے"۔ اس وقت کی سیاست میں ایک برقی قوت کی رو دوڑا دی تھی اور یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ دوسرے صاحبان جس منزل کو مدتوں میں طے کرتے مولانا عثمانی اس کو قلیل عرصہ میں طے کر لیتے تھے۔ قدرت نے ان کو خصوصی کاموں کے لئے ریزرو کر رکھا تھا۔ اور جب وہ اس کام کے لئے اٹھتے تو ان کی تھوڑی سی حرکت میں بڑی برکت ہوتی تھی قوم کو جب ان کی ضرورت ہوتی تو ان کو متوجہ کرتی اور یہی قدرت کا ان سے کام لینے کا انداز ہوتا تھا۔ مولانا محمد طیب صاحب نے اس حقیقت کو خوب سمجھ کر کیا پتہ کی بات فرمائی ہے لکھتے ہیں:۔

"قلبی طور پر استغنا اور ناز کی کیفیت کا غلبہ زیادہ تھا۔ کام کے سلسلہ میں جب تک کہ دوسروں کی طرف سے طلب اور کافی طلب ظاہر نہ ہوتی تھی متوجہ نہ ہوتے تھے"۔ (رسالہ دار العلوم مئی ۱۹۵۶ء ص ۸)

ان دو جملوں میں سچ تو یہ ہے کہ موصوف نے علامہ کی شان استغنا کی تصویر اتار کر رکھ دی ہے بہر حال چونکہ قدرت نے پاکستان کی تائید کے لئے ان کو مخصوص اور ریزرو کر رکھا تھا اس لئے باوجود ضعف و بیماری ان کو حوصلہ بخشا اور تنگنائے تحریر و بیان سے نکل کر آپ میدان عمل میں اترے اور وہ کام کیا کہ میدان سیاست کے بڑے بڑے نبرد آزما پیچھے رہ گئے۔ مولانا محمد طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"آخر میں سیاسی لائنوں پر ان سے جو اہم کام انجام پائے یہ بھی فی الحقیقت ان کی زندگی کا ایک شاہکار تھا یہ بات تو الگ ہے کہ ان کی رائے سے بہت سے اکابر کو اختلاف تھا۔ اختلاف رائے اپنی جگہ ہے اور اس میں ہر شخص اپنی حجت سے مجبور ہے لیکن عزم و عمل کی جو طاقتیں مولانا (شبیر احمد صاحبؒ) ممدوح سے پاکستان بننے سے پہلے اور پاکستان بننے کے بعد ظاہر ہوئیں دوسرے انہیں خلاف توقع سمجھتے تھے مگر حق تعالیٰ نے یہ حصہ ان کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے پاکستان بننے کے بعد دین اور علما کو کافی سنبھالا۔ قدرت نے تنہا انہیں وہاں کی مرکزی شخصیت بنا دیا اور اس سے وہ کام لیا جو مرکزی شخصیتوں سے لیا جاتا رہا ہے۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو وہاں کے کاموں کی نوعیت کچھ اور ہوتی یہاں کے لوگ ان کی رائے سے تو اختلاف رکھتے تھے مگر ان کے جذبات اور صدق و خلوص کی قدر بھی کرتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اگر اختلاف رائے کا حیلہ سے حضرت ممدوح وہاں نہ پہنچتے تو دین کا جو کام ہوا بظاہر اسباب وہ نہ ہو سکتا تھا غرض مجموعی حیثیت سے حضرت علامہ کی شخصیت ایک ممتاز ترین شخصیت تھی جس کے علم و فضل کا سکہ ملک بھر نے مانا ہوا تھا اور بیرونی ممالک میں بھی اس کا شہرہ پہنچا ہوا تھا جس کے سامنے اہل علم و فضل سر جھکانا اپنے لئے فخر سمجھتے تھے"۔ (رسالہ دار العلوم مئی ۱۹۵۶ء ص ۹) جب علامہ کے مذکورہ بیانات نے ملکی سیاست میں انقلاب پیدا کر دیا تو آپ نے لیگ

کی کانفرنسوں اور جمعیۃ العلمائے اسلام کے جلسوں میں صدارتوں کے کام انجام دینے اور دورے کرنے کے لئے باہر قدم نکالا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کے بعد صوبائی الیکشن کے لئے سخت معرکہ در پیش تھا۔ اس سلسلہ میں ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کو میرٹھ میں ایک زبردست مسلم لیگ کانفرنس منعقد ہوئی اور اس کی صدارت علامہ عثمانی نے کی اور ایک زبردست خطبہ دیا جس میں آپ نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے کی تلقین کی اور فرمایا۔

"موجودہ الیکشن میں جو نمائندے کسی قوم کی طرف سے جائیں گے ملک ہند کا آئندہ مستقل دستور بنانے میں انہی کا دخل ہوگا اس لئے ووٹ دینے والوں کو قرابت، پارٹی، لالچ، دوستی، تلمذ، پیری مریدی اور عقیدت وغیرہ کے تمام تعلقات سے قطع نظر کر کے اپنی عظیم ذمہ داری کو اچھی طرح محسوس کر لینا چاہئے۔ آج شخصیتوں کی جنگ نہیں اصول کی جنگ ہے"۔ (خطبہ میرٹھ ص ۵)

آگے چل کر علامہ اسی خطبہ میں فرماتے ہیں:۔

"اصل بنیادی اختلاف لیگ اور کانگریس میں یہ ہے کہ کانگریس کی ساری جڑ بنیاد قومیت متحدہ پر ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ہندو مسلمان ایک قوم ہیں اور پورے ہند کی مخلوط حکومت میں چونکہ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے ایسے نظام حکومت میں جہاں ہر چیز کا فیصلہ محض رائے شماری سے ہوتا ہو نو دس کروڑ مسلمانوں کی اقلیت کی وجہ سے ہمیشہ اور ہر جگہ ان کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا"۔

اب مسلم لیگ کا کہنا یہ ہے کہ جب دو قومیں جدا جدا ہیں تو آزادی ان میں سے ہر ایک کا حق ہے ان میں سے ایک ہمیشہ دوسرے کے رحم و کرم پر کیوں رہے خصوصاً وہ غیور قوم جس نے اس دوسری قوم پر آٹھ سو برس تک حکومت بھی کی ہے اور آج بھی وہ زمین کے ایک بہت بڑے حصے پر حکمران ہے۔ اس لئے ہم کم از کم یہ چاہتے ہیں کہ آج کل کے اصول کے موافق جن صوبوں میں جس قوم کی اکثریت ہو۔ وہاں اس کی آزاد حکومت ہو جو مسلم اشخاص یا مسلم جماعتیں ہندو اور مسلمان کو ایک قوم کہتے اور سارے ملک کی ایک مخلوط حکومت چاہتے ہیں وہ سب کانگریس کے ساتھ ملحق ہیں ان کو ووٹ دینا فی الحقیقت کانگریس ہی کو ووٹ دینا ہوگا۔ ان کے مقابل جو ان کو دو مستقل قومیں مانتا ہے اور دونوں کی الگ الگ آزاد حکومت چاہتا ہے وہ لیگ کی طرف رہے گا"۔ (خطبہ میرٹھ ص ۶، ۸)

آگے چل کر علامہ نے مسلم لیگ کے قائدین اور عام مسلمانوں کو نصیحت فرمائی:۔

"پاکستان حاصل ہونے تک کا یہ درمیانی زمانہ ہماری سخت آزمائش کا زمانہ ہے۔ ہم کو پاکستان کے بعد کے لئے قرآنی تعلیم و تربیت کا ابھی سے درس حاصل کرنا ہے۔ آپ کو معلوم ہے

کہ قرآن کریم نے تمکین فی الارض یعنی اسلامی حکومت کی کیا غرض و غایت بتائی ہے۔ **سے الذین ان مکناھم فی الارض واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور** ہم اس وقت غیر اللہ کی غلامی میں رہتے ہوئے جس قدر آزاد ہیں جو چاہیں کرتے رہیں۔ کوئی احتساب اور روک ٹوک نہیں۔ آزادی ملنے کے بعد یہ آزادی نہ رہے گی۔ بلکہ ایک بہت بڑی غلامی (اللہ کی عبودیت) کا عملی ثبوت دینا ہوگا"۔

میں تمام ذمہ داران قائدین کو ایک ادنیٰ خادم دین کی حیثیت سے نہایت پرزور طریق پر دعوت دیتا ہوں کہ خود اپنے علان کردہ الفاظ کے مطابق قرآنی احکام کی سراً و علانیۃً پابندی فرمائیں۔ کلام کے خاتمے پر ایک ضروری تنبیہ کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ پورے جوش ولولہ اور عزم و استقلال کے ساتھ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے ابھارنے سنوارنے اور نکھارنے میں سرگرم رہئے"۔ (خطبہ میرٹھ ص ۲۶)

خطبۂ صدارت صوبہ پنجاب جمعیۃ العلمائے اسلام لاہور

۲۵، ۲۶، ۲۷ جنوری کو اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں جمعیۃ علمائے اسلام پنجاب کی صدارت کرتے ہوئے علامہ نے زبردست اور غلغلہ انداز خطبہ دیا جو "ہمارا پاکستان" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں بڑے بڑے مسلمان حکام، بیرسٹر، وکلا، پروفیسر، علما، موافقین، مخالفین اور عوام بے شمار مسلمان موجود تھے۔ سب نے متفقہ طور پر تسلیم کیا کہ نظریہ پاکستان کو صحیح معنی میں ہم نے آج سمجھا ہے۔ باوجود پیری و نقاہت علامہ نے یہ خطبہ خود پڑھا اور رات کے تقریباً دو بجے ختم ہوا۔ اگلے روز لاہور کے اخباروں میں اس خطبہ کی دھوم تھی۔ حسب ذیل عبارتیں خطبہ کے مختلف صفحات سے پیش خدمت ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں:۔

۱۔ "جداگانہ قومیت کا عقیدہ تو ہمیشہ سے مسلمانوں کے دلوں میں متمکن رہا ہے اور کانگریس کے چند سالہ شور و غل سے پہلے کوئی اس پر نظر ثانی کی ضرورت بھی نہ سمجھتا تھا چنانچہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے آخری پیغام صدارت میں جو جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس دہلی کے موقع پر حضرت کی وفات سے نو دن پہلے پڑھا گیا۔ ہندو مسلمان کے دو قوم ہونے کی تصریح موجود ہے"۔ (خطبہ ص ۸۷)

۲۔ "مکہ میں جہاں کفار کا غلبہ تھا ایسا موقع کہاں میسر تھا (کہ اسلامی مرکز قائم ہو سکے) آزاد حکومت قائم کرنے کے لئے ایک آزاد مرکز و مستقر کی ضرورت تھی۔

اسی نقطہ نگاہ کے ماتحت شہر یثرب کو جو بعد میں مدینۃ النبی بن گیا مرکز توجہ بنایا گیا۔ اور

مشیت الٰہیہ کے زبردست ہاتھ نے آخرکار اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی ہجرت سے مدینہ طیبہ میں ایک طرح کا پاکستان بنا دیا۔ (۱۲٬۱۳٬۱۴)

۳۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد ایسی بری طرح ہم کو کچلا گیا کہ مدت تک موت کی سی بے ہوشی سارے ملک پر طاری رہی۔ کچھ افاقہ ہوا تو چاروں طرف مایوسی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد مسلمانوں کے سامنے خلافت اسلامیہ کے زوال نے ایک نئی اور زوردار تحریک کھڑی کر دی۔ تحریک خلافت کا سیلاب اس جوش و خروش سے امڈا جس کی نظیر اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

ہمسایہ اقوام بھی ہمارے ساتھ مل گئیں اور کوئی ہوشمند آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح امڈتے ہوئے مسلمان کے جوش و ایثار ہی نے اس وقت کانگریس کے قلب میں روح حیات پھونکی اور برطانوی قہرمانیت کا خوف و ہراس عام پبلک کے دلوں میں سے نکالا۔ شاطران بساط حکومت بھی غافل نہ تھے آخر کبھی شدھی، کبھی سنگٹھن اور کبھی نہرو رپورٹ سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا۔ پھر ”واردھا سکیم“ اور ”ودیا مندر“ سکیم آئی۔ مسلمانوں نے آخر سمجھ لیا کہ دس کروڑ مسلمان انگریز کی جگہ ہندو کے غلام بن کر رہیں یا انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی کو ہمیشہ کے لئے قبول کر لیں (یہ ناممکن ہے) لہٰذا ہندوستان کے اس برکوچک میں سے ہم کو ایک ایسا خطہ حاصل کرنا چاہئے جہاں ہم پوری آزادی سے اپنے مذہب، اپنے علوم و معارف، اپنی تاریخی روایات کی حفاظت کر سکیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے فیصلہ کر لیا کہ ہندوستان کے ایک حصہ کو پاکستان بنایا جائے“۔ (خطبہ لاہور مئی ۴۰۴ء)

علامہ کی پیشین گوئی

۴۔ کیا بعید ہے کہ جیسے مدینہ کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتج ہوا اور سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنا دیا اسی طرح یہ ہندی پاکستان بھی اللہ کے فضل و رحمت سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔

۵۔ ہمارا ہندوستان سے کٹ جانا ہندی مسلمان سے کٹ جانے کے مرادف نہیں سمجھنا چاہئے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے راستے میں جغرافیائی حدود بندی کوئی شے نہیں۔

۶۔ اکھنڈ ہندوستان کی صورت میں ملک کی ۱/۴ مسلم اقلیت کا تحفظ کس طرح ہوگا۔

اقلیت بہرحال اقلیت ہے۔ اب اگر دس کروڑ میں سے سات کروڑ مسلمان ہی رام راج کی تیاری

کرنے والے ہندوؤں کی گرفت سے آزاد اور محفوظ ہو جائیں تو کیا یہ فائدہ کی چیز نہیں"۔ (ص ۴۶، ۴۷)

اور کس قدر خوبصورت عبارت میں علامہ عثمانی پاکستان کے متعلق پیشین گوئی کرتے ہیں کہ جس کا آج مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ کل حقیقت بن کر رہیگا۔ ملاحظہ ہو حسب ذیل عبارت:۔

ے۔ "ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردہ سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا صبح امید کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔ (خطبہ لاہور ص ۷۰، ۷۱)

مذکورہ بالا انتخابات کے علاوہ اس خطبہ میں علامہ نے بننے والے پاکستان کی اقتصادی اور سیاسی حالت پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آگے چل کر علامہ اس خطبہ میں لکھتے ہیں:۔

"سرزمین پاکستان میں قرآن کریم کے سیاسی اصول کی بنیادوں پر اسلام کی حکومت عادلہ قائم ہوگی جس میں تمام اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ بلکہ فیاضانہ برتاؤ کیا جائے گا۔ ذمہ داران لیگ کے اعلانات پر اعتبار کرتے ہوئے مجھے اس قدر وضاحت کرنے کی اجازت دی جائے کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین ممکن ہے بتدریج حاصل ہو تاہم ہر دوسرا قدم جو اٹھایا جائے گا ان شاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین سے قریب تر کریگا"۔ (خطبہ ص ۷۲، ۷۳)

خطبہ کی حسب ذیل عبارت سے علامہ کی ہمت اور استقلال کا پتہ چلتا ہے اور خلوص کا پورا رنگ حصول پاکستان کے متعلق چمکتا نظر آتا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"اس موقع پر ہمارا قومی نعرہ وہی ہوگا جو روہیلکھنڈ کے آخری ہیرو حافظ رحمت خاں نے اپنے تاریخی خط میں شجاع الدولہ کو لکھا تھا کہ

"اگر صلاح دولت کیشاں بصلح ہمرنگ است بارک اللہ وگر بستیز وجنگ است بسم اللہ"۔

جواں مرداں نتابند از کسی روی ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گوی

حافظ رحمت خان کا قول پیش کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں:۔

"حالات کا آخری نتیجہ کچھ بھی ہو اور اس منزل کے قطع کرنے میں کچھ بھی مصائب کسی طرف سے پیش آئیں مگر ہندی مسلمان اب جاگنے کے بعد پھر سونے کا اور اٹھنے کے بعد بیٹھ جانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

سینے میں دل آگاہ جو ہو کچھ غم نہ کرو ناشاد سہی مشغول تو ہے بیدار تو ہے نغمہ نہ سہی فریاد سہی
ہر چند بگولہ مضطر ہے اک جوش تو اس کے اندر ہے اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بے چین سہی برباد سہی

میں خوش کہ وہ طالب تو ہے مرا صیاد سہی جلاد سہی
وہ خوش کہ کروں گا قتل اسے یا قید قفس میں رکھوں گا

(خطبہ لاہور ص ۲۵، ۲۶)

یہاں تک پاکستان اور مسلم لیگ کی تائید میں علامہ کے پیغامات اور صدارتی خطبوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ آپ نے پاکستان کے نظریہ اور مسلم لیگ کی امداد ونصرت میں کیا کچھ کیا اس کے متعلق مولانا محمد متین صاحب کے مضمون کا وہ حصہ پیش کرتا ہوں جو انہوں نے ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء کے روزنامہ انقلاب کراچی کے جمہوریہ نمبر میں دیا ہے۔ واضح رہے کہ مولانا محمد متین صاحب اس زمانہ میں صوبہ پنجاب کی جمعیۃ العلما کے صدر اور علامہ عثمانی کے خاص لوگوں میں سے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

حضرت تھانوی کی علامہ کو مبارکباد

"حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو کہ ہمیشہ سے تنہا مسلمانوں کی ترقی اور اسلامی مملکت کے لئے جدوجہد کو پسند فرمایا کرتے تھے) جب جمعیۃ العلماء اسلام کے قیام کی اطلاع پائی تو حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقائے کار کو نہ صرف مبارکباد دی بلکہ تحریک پاکستان کا کام کرنے کے لئے مضبوط کیا۔

میرٹھ کانفرنس

میرٹھ میں ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی جس میں نواب محمد اسمٰعیل خان صاحب چودھری خلیق الزماں اور دیگر علما اور زعما بکثرت شامل ہوئے۔ شیخ الاسلام (علامہ عثمانی) نے صدارت کی۔ میرٹھ کمشنری کے حالات ایک دم میں مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے حق میں بدل گئے"۔ (انقلاب ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء کالم نمبر ۳)

لاہور کانپور کانفرنس

کانپور میں مولانا حکیم سعید الرحمٰن مہتمم مدرسہ جامع العلوم کانپور نے ایک سہ روزہ کانفرنس کے انتظامات کئے جس میں باوجود اپنی علالت کے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب نے شرکت فرمائی۔ اسی طرح مدارس کی عظیم الشان کانفرنس کی صدارت کے لئے شیخ الاسلام کو دعوت آئی اور اسی طرح حیدرآباد سندھ سے بھی لاہور میں بھی زبردست کانفرنس ہوئی اور علامہ نے زبردست خطبہ صدارت دیا۔

بمبئی کانفرنس

صوبہ بمبئی میں ایک عظیم الشان کانفرنس کی صدارت شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے کی جس کے انتظامات چندریگر صاحب مسٹر عبدالقادر اور مسٹر عبدالعزیز صاحب ایڈووکیٹ نے کئے۔ بمبئی کا خطبہ صدارت افسوس کہ مل نہ سکا یا چھپا نہیں یا زبانی تقریر صدارت کا کام انجام دیا گیا ہو۔

بجنور، سہارنپور، مظفر نگر، لکھنؤ کے دورے

ان صدارتوں اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں تقریروں اور دوروں سے پورے ملک میں علامہ کی خدمت میں دعوتی خطوط اور صدارتی گزارشیں مسلسل آتی رہیں اور آپ کسی نہ کسی شکل میں مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کی حمایت فرماتے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بجنور سے جو یوپی کا ایک خاص اور مشہور ضلع ہے اور جس کے ایک قصبہ شیرکوٹ میں اس راقم الحروف کو بھی رہنے کا فخر حاصل ہے دعوت موصول ہوئی یہاں کانگریس کا بہت اثر تھا علامہ وہاں بھی تشریف لے گئے اور زبردست تقریر فرمائی اس کے علاوہ سہارنپور فتح پور ہسوہ نزد کانپور اور کانپور کے دورے کئے ضلع مظفر نگر اور لکھنؤ میں بھی تقریریں ہوئیں۔ غرض کہ جہاں تک تحریری اور تقریری طور پر بن آیا۔ علامہ نے باوجود ضعف و بیماری پاکستان کی تائید میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ گویا قدرت نے اس وقت کے لئے خصوصی طور پر آپ کو ہمت عنایت فرما کر یہ عظیم الشان کام لینا تھا۔

دہلی کنونشن ۱۹۴۶ء اور علامہ

دہلی میں بھی علامہ کی تقریریں ہوئیں۔ ۱۹۴۶ء کی عالیشان اور عظیم الشان کنونشن میں علامہ عثمانی نے خصوصیت سے شرکت فرما کر ایک زبردست ملکی خدمت انجام دی۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس کانفرنس کے اجلاس میں کسی وجہ سے علامہ کو جائے قیام سے پہنچنے میں دیر ہوگئی لیکن اس وقت تک قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے کارروائی کو ملتوی کر دیا جب تک علامہ نہ پہنچ گئے اور اس جلسہ کے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا کہ جب حضرت عثمانی کنونشن میں پہنچے تو قائداعظم کچھ دور تک استقبال کے لئے بڑھے اور تمام مقتدر اصحاب کھڑے ہوگئے اس عمل سے علامہ کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔

الحاصل پاکستان کی تائید اور مسلم لیگ کی سرگرمیوں اور انتھک کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ انگریزی حکومت یہ ماننے پر مجبور ہوگئی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی واقعی نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے اس سلسلہ میں شملہ کانفرنس کے فیل ہونے کے بعد صوبائی اور مرکزی انتخابات ہوئے

جس میں مسلم لیگ کو زبردست کامیابی ہوئی اور انگریزی حکومت کو لیگ کی نمائندگی تسلیم کرنی پڑی۔ اس اثنا میں سے بعض وجوہ کی بنا پر نکال لیا اور ملکی آزادی کے مسئلہ میں پاکستان کا مطالبہ شدت سے دہرایا گیا۔ بالآخر ان تمام تفصیلات کے بعد جو ہندوستان کی سیاست سے متعلق ہیں اور جو دوسری کتابوں میں مفصل موجود ہیں۔ کانگریس اور انگریزی حکومت نے پاکستان کے مطالبہ کو تسلیم کرلیا۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء کی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ کے انتخابات عمل میں آئے اور ملک نے لیبر پارٹی کو منتخب کیا جس کا لیڈر مسٹر اٹیلی تھا۔ کنزرویٹو پارٹی جس کا لیڈر مسٹر چرچل تھا اور جو ہندوستان کی آزادی کا سخت مخالف تھا۔ ناکام ہو چکا تھا۔ مسٹر اٹیلی کی کابینہ نے بہرحال ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جس کی منظوری شاہ برطانیہ نے بھی دے دی ایک حصہ پاکستان کے نام سے موسوم ہوا اور دوسرا بھارت کہلایا۔ ہندوستان کی اس آزادی اور پاکستان کی منظوری کا پیغام برطانیہ کا خاص نمائندہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن لے کر آیا اور اس نے برطانیہ کے فیصلہ کو نہ صرف پارلیمنٹ میں بلکہ آل انڈیا ریڈیو پر بھی ۳ جون ۱۹۴۷ء کو پڑھ کر سنایا اور آخرکار دنیا کے نقشہ پر ایک ایسے اصلاحی ملک کی زیادتی کا اعلان ہوا جس کا اس سے پہلے نام و نشان بھی نہ تھا اس اعلان سے مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور بے انتہا خوشی منائی اور محسوس کی گئی۔

باؤنڈری کمیشن یا پاکستان اور بھارت کی حد بندی

پاکستانی لیڈروں کا مطالبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے ان صوبوں کا جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے پاکستان بنایا جائے اور ایسے صوبے پانچ ہیں یعنی سرحد، سندھ، پنجاب، بنگال، آسام لیکن کانگریس نے اس میں ترمیم پیش کی اور کہا کہ ان صوبوں کے ان حصوں کو جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔ ہندوستان میں شامل کیا جائے اس فیصلہ کے لئے باؤنڈری کمیشن کا تقرر عمل میں آیا اور قائداعظم نیز کانگریس نے ثالثی کو قبول کرلیا۔ اس کمیشن کا صدر ریڈکلف مقرر ہوا۔

بدقسمتی سے صوبہ سرحد جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی۔ وہاں کانگریس کی وزارت تھی۔ کانگریس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ صوبہ سرحد میں وہاں کے رہنے والوں کی رائیں معلوم کی جائیں کر آیا وہ ہندوستان میں صوبہ سرحد کو رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ معاملہ پاکستان کے مسلمانوں کے لئے نہایت ہی نزاکت کا معاملہ تھا۔ بالفرض اگر صوبہ سرحد ہندوستان کے حق میں رائے دے دیتا ہے تو پاکستان کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ یہی صورت حال سلہٹ (مشرقی بنگال) کے متعلق تھی۔ قائداعظم کو عجب فکر لاحق تھی۔ سوال یہ تھا کہ جس جگہ خان برادران یعنی عبدالغفار خان کا اثر ہو اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان کی وزارت ہو وہاں مسلم لیگ کی کامیابی کیا مشکل ہے۔

صوبہ سرحد کی رائے شماری اور مسلم لیگ کی کامیابی

موقع کی نزاکت نہایت ہی مقابلہ چاہتی تھی پیر مانکی شریف نے قائداعظم کو لکھا کہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم (رائے عامہ کے حصول) کے لئے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کا دورہ کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ملک میں ان کا مذہبی حیثیت سے بہت کچھ اثر قائم ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان حالات کے پیش نظر قائداعظم نے علامہ عثمانی سے اس مہم کو سر کرنے کی درخواست کی اور علامہ اس بڑھاپے اور کمزوری نیز دائم المرضی میں صوبہ سرحد کے دورے کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔

مسلم لیگ کونسل دہلی

واقعات کی ترتیب یہ ہے کہ ۳ جون کو جب پاکستان کا اعلان ہوا تو ۹ جون کو دہلی میں مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس ہوا۔ علامہ بھی شریک ہوئے اس کونسل میں پاکستان کے متعلق غور کیا گیا اور یہ کہ سرحد اور سلہٹ کا ریفرنڈم جیتنے کے لئے تدابیر عمل میں لائی گئیں ۱۱ جون کو علامہ کی ملاقات پھر قائداعظم سے دہلی میں ہوئی اور قائداعظم نے سرحد کی رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں حاصل کرنے کی درخواست کی۔

پاکستان میں اصلاحی نظام

علامہ نے اس موقع پر قائداعظم کو یاد دلایا کہ ہم لوگوں کی تمام جدوجہد صرف اس لئے ہے کہ آپ کے وعدہ کے مطابق پاکستان کا نظام و قانون اسلامی ہوگا۔ اسی وعدے کی میں پھر تجدید چاہتا ہوں۔ اس پر قائداعظم نے نہایت واضح الفاظ میں جواب دیا کہ مولانا یقیناً پاکستان میں اسلامی قانون رائج ہوگا اور آپ صاحبان ہی اس مسئلہ کو طے کریں گے۔

صوبہ سرحد کا دورہ

اس تجدید وعدہ کے بعد علامہ عثمانی سرحد کے دورے پر ۱۵ جون کے بعد سخت گرمی کے زمانے میں روانہ ہوئے۔ اس مقام پر راقم اور جانب طلب دونوں کو غور کرنا ہے کہ علامہ جو یقیناً مشقت جسمانی کے عادی نہ تھے ایسی کمزوری اور بیماری کے عالم میں انہوں نے جفاکشی محنت اور مشقت و صعوبت کو برداشت کر کے پوری جانفشانی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ آپ اس گرمی کے سخت مہینہ میں سرحد پہنچے اور آپ نے اپنی زندگی کے اس آخری دور میں یہ ثابت کر دیا کہ میدان علم و حکمت کا مرد میدان مشقت و مجاہدہ میں بھی بفضل خدا کم نہیں ہے۔

پشاور

آپ نے پشاور میں ولولہ انگیز تقریر کی اور مسلمانوں کو واضح کیا کہ کانگریس کا پروپیگنڈا مسلمانوں کے لئے تباہی اور بربادی کا سامان پیدا کر رہا ہے اگر صوبہ سرحد پاکستان میں شامل نہ ہوا تو مسلمان قوم کی تباہی آنکھوں کے سامنے کھڑی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پاکستان میں اسلامی قانون ہوگا اور مسلمانوں کو اپنے ملک میں اپنی مرضی کا قانون جاری کرنے کا اختیار رہوگا۔ اس کے برعکس ہندوستان میں شمولیت کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ ہندو کی غلامی کا جوا ہمیشہ کے لئے اپنی گردن پر رکھ چکے ہیں۔ پشاور کے مسلمانوں میں ان تقاریر سے جوش و خروش پیدا ہو گیا۔

ایبٹ آباد

علامہ نے ایبٹ آباد کا بھی دورہ کیا اور وہاں کے مسلمانوں کو بھی پاکستان میں شمولیت اور ووٹ دینے کی اپیل کی۔

کوہاٹ

اسی طرح آپ نے کوہاٹ میں بھی تقریر کی اور وہاں کے مسلمانوں کی رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا۔

بنوں

آپ بنوں تشریف لے گئے اور وہاں بھی اپنی جوشیلی تقریر سے مسلمانوں کو گرمایا اور پاکستان کے ساتھ الحاق کی تلقین کی۔

مردان اور مانسہرہ

آپ مانسہرہ بھی تشریف لے گئے اور وہاں بھی تقریر فرمائی۔ جس کا بہت اچھا اور نمایاں اثر مسلمان پر پڑا۔

قبائلی علاقے اور بستیات

ان کے علاوہ علامہ دورہ کرتے ہوئے قبائلی علاقوں میں پہنچے اور وہاں کے مسلمانوں کو بھی

پاکستان کے حق میں ابھارا۔ نیز دینیات کا بھی آپ نے رخ کیا اور ان میں بھی اسلامی انداز اور پاکستانی حقیقت کی وضاحت فرمائی۔ غرضکہ علامہ کی اس جفاکشی کو من جانب اللہ نہ کہئے تو اور کیا کہئے اس خیال کو اگر آپ کی تمام سیاست پر دوڑایا جائے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پاکستان کی تخلیق میں علامہ کا کردار اور کارنامہ نہایت ہی عظیم الشان ہے۔

اس دورے میں آپ پشاور میں ریفرنڈم تک صوبہ سرحد میں رہے۔ مقابلہ نہایت ہی زبردست تھا۔ کانگریس اپنا روپیہ پانی کی طرح بہا رہی تھی۔ سرخ پوش پارٹی زبردست محاذ بنائے ہوئے تھی۔ کانگریس کا پورا اثر صوبہ پر محیط اور چھایا ہوا تھا۔ وزارت کی مسند پر کانگریس کا وزیر ڈاکٹر خان جلوہ آرا تھا۔ سرخ پوشوں کا لیڈر سرحد کا گاندھی صوبہ پر اقتدار رکھتا تھا ان حالات میں پاکستان اور مسلم لیگ کی کامیابی معجزہ سے کم نہ تھی۔ قائد اعظم تک گھبرائے ہوئے تھے۔

مولوی محمد متین صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"سرزمین سرحد میں حضرت شیخ الاسلام (مولانا شبیر احمد صاحب) نے باوجود اپنی علالت اور پیرانہ سالی کے ایک طویل دورہ کیا جس میں گرمی کی حدت کے باوجود بسا اوقات موٹر ریل اور مختلف سواریوں کے ذریعہ سفر کرنا پڑتا تھا جس کی وجہ سے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر پاکستان کے مسئلہ کو دو قومی نظریہ سے اختلاف رکھنے والوں نے جس طرح عوام کے سامنے پیش کیا تھا اور جس کی وجہ سے سرحد کے باشندے کانگریس کے جال میں پھنس کر رہ گئے تھے اس جال کے تار و پود بکھیرنے کے لئے شیخ الاسلام مرحوم جیسی عظیم الشان شخصیت کی ضرورت تھی۔ اس مہم میں آپ نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ جس کی وجہ سے سرحد کی فضا بہتر ہوئی اور پاکستان کے حق میں عوام کے رجحانات تبدیل ہوگئے"۔ (انقلاب کراچی اسلامیہ جمہوریہ نمبر ۲۲ مارچ ۱۹۵۶ء)

۸ جولائی ۱۹۴۷ء سے صوبہ میں ریفرنڈم (رائے شماری) شروع ہوا اور ۱۸ جولائی کو ختم ہوا اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے نہایت نازک مرحلہ پر پاکستان کو کامیابی بخشی اور کانگریس اور سرخ پوش لیڈر منہ تکتے رہ گئے۔ ذالک فضل الله یوتیه من یشاء حالات بتا رہے ہیں کہ پاکستان پر محض فضل ربی تھا ورنہ مخالفین نے مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی مگر سب شکست سے دوچار ہوئے غرضکہ صوبہ سرحد پاکستان کا حصہ بن گیا۔

عثمانی اور جناح ملاقات

صوبہ سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں نتیجہ خیز ہو چکنے کے بعد علامہ مسٹر جناح سے دہلی

میں ملے اور انہیں اس کامیابی پر آپ نے مبارکباد دی۔ قائد اعظم نے جواب میں فرمایا:۔

"اس مبارک باد کے مستحق آپ ہیں۔ میں خواہ سیاست داں سہی لیکن آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی"۔ (بروایت بیگم صاحبہ عثمانی)

تعین حدود اور منزل

پاکستان کا اعلان تو ہو ہی چکا تھا۔ ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ شب قدر کی مبارک ساعت میں پاکستان وجود میں آ چکا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس کی ذمہ داری قائد اعظم اول گورنر جنرل کے سپرد کر دی۔ ۱۶ یا ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو حدود پاکستان اور بھارت کا تعین ہو چکا۔ ریڈکلف نے ضلع گورداسپور تک کو پاکستان سے خارج کر دیا اور اس طرح سازش کے ماتحت کشمیر پر بھی ہندوستان نے فوجی طاقت سے قبضہ کر لیا۔ بہر حال۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

اس منزل مقصود پر پہنچ کر اندازہ لگایئے کہ علامہ کی اس مختصر سے وقت کی حرکت میں اتنی برکت ہوئی ہے کہ دوسروں کی عمروں کی طویل جدوجہد وہ مقام پیدا نہ کر سکی اخبار امروز لاہور لکھتا ہے:۔

"مولانا کی زندگی اور ان کے کارناموں سے پاکستانی عوام اچھی طرح آگاہ ہیں کیونکہ ان کے تبحر علمی ان کی راست بازی اور حق گوئی و حق شناسی نے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کو راستہ سجھایا اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ قائد اعظم کی سیاسی بصیرت اور قانونی مہارت کے ساتھ ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانی کے تبحر دینی اور فیض روحانی نے مسلمانوں کو وہ قوت عمل بخشی کہ انہوں نے صدیوں کا راستہ چند برس میں طے کر لیا"۔ (اخبار امروز ۱۷ دسمبر ۱۹۵۱ء کالم امروز فردا)

اخبار مذکور نے بھی وہی پتہ کی بات کہی کہ علامہ کے فیض کے باعث قوم کو صدیوں کا راستہ چند سال میں طے کرنا نصیب ہوا۔ اخبار احسان لاہور کے ایڈیٹر بزمی صاحب اپنے آرٹیکل میں لکھتے ہیں:۔

"جب کانگریس کے نام پر ہندو امپیریلزم کے پھیلتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے علامہ عثمانی مسلم لیگ کے ہمنوا بنے تو عوامی اعتماد اور ہر دلعزیزی کی جس راہ کو طے کرنے میں دوسرے لیڈروں کو سالہا سال صحرا نوردی کرنی پڑی اسے آپ نے چند ہفتوں میں طے فرما لیا"۔ (۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا نصر اللہ خان عزیز ایڈیٹر اخبار تسنیم اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تحریک پاکستان کو مسلمانوں میں مقبول بنانے میں اور بھی کئی عناصر کارفرما تھے مگر اس تحریک کو مذہبی تقدس بخشنے والی ذات تنہا مولانا شبیر احمد عثمانی کی تھی۔ اگر وہ بھی

ادھر نہ آجاتے تو عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانا مشکل تھا کہ یہ تحریک مذہبی درجہ رکھتی ہے۔ اس مقصد کا اعتبار قائم کرنے کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانی کی حمایت سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئی"۔ (تسنیم ۳۰ دسمبر ۱۹۴۶ء ص ۲ کالم نمبر ۳)

جنگ طرابلس اور بلقان، خلافت اور جمعیۃ العلما کے ہنگامہ خیز اجلاسوں سے لے کر پاکستان کے عالم وجود میں آنے تک علامہ عثمانی کی علمی، مذہبی، سیاسی خدمات کا جائزہ لگائیے کہ ان کی خدمات نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ دیگر اسلامی ممالک پر بھی محیط ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

استقلال

اور یہ بھی دیکھئے کہ تحریک پاکستان کے سلسلے میں انہوں نے جفاکشی، محنت، ہمت، جرات اور استقلال کا جو مظاہرہ کیا وہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے اس عمل میں خلوص کا بے پناہ جذبہ کارفرما تھا۔ حالانکہ آپ کو غائبانہ خطوط میں قتل کی دھمکی بھی دی گئی۔ مگر پاکستان کی حمایت میں انہوں نے جو کام کیا وہ ان کے استقلال کا ایک ناقابل انکار کارنامہ ہے اور معاصرین کے اس خیال کی زبردست تردید ہے جو ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ آپ میں استقلال نہیں چنانچہ اپنے ایک گرامی نامہ میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"رہا میرا عدم استقلال یہ وہ پروپیگنڈا ہے جس کا ڈھول دسوں برس سے میرے حاسد بڑے زور و شور سے پیٹ رہے ہیں۔ اگر عدم استقلال کے یہ معنی ہیں کہ ایک کام کو اچھا سمجھ کر اختیار کرنے کے بعد محض کم ہمتی اور کسل کی بنا پر چھوڑ دیا جائے تو میں متمنی ہوں کہ آپ اس کی چند نظائر پیش فرما کر میرے نفس امارہ کی اصلاح و تنبیہ فرمائیں اور اگر عدم استقلال سے یہ مراد نہیں تو کم از کم سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کا یہ قول ضرور مستحضر رکھیں۔

الصادق یتقلب فی یوم واحد مائة مرة والمرائی یثبت علیٰ حالة واحدة مائة سنة

سچا آدمی دن میں سو مرتبہ بدلتا ہے اور ریاکار ایک ہی حالت پر سو سال تک قائم رہتا ہے۔

بہرحال مانے دیکھئے آپ خوسیاسیات کے کتنے تقلبات و اطوار میں سے گزرے ہیں کیا اسے عدم استقلال کہیں گے آپ نے فوائد قرآن کی تکمیل شروع کی فرصت نہ ہوئی نہ کر سکے میں تو بخدا آپ کو غیر مستقل مزاج نہیں سمجھتا۔ عوام اور عیار پروپیگنڈا کرنے والے تو شاید عدم استقلال کا صحیح مفہوم بھی ادا نہ کر سکیں"۔

پاکستان میں آمد

۶ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو حضرت علامہ دستور ساز اسمبلی کے جلسوں اور افتتاح پاکستان کی تقریب میں شرکت کے لئے دیوبند سے ۱۱ بجے کی گاڑی سے روانہ ہوئے بعد مغرب گاڑی جالندھر پہنچی۔ مولانا محمد عمادالدین صاحب انصاری اور میں دونوں جالندھر کے سٹیشن پر ملے۔ دس منٹ سیاسیات پر گفتگو ہوئی۔ اتنے میں گاڑی نے سیٹی دی اور روانہ ہو گئی۔

دستور ساز اسمبلی پاکستان کے جلسے

علامہ متحدہ ہندوستان میں سلہٹ (بنگال) کی طرف سے صوبائی الیکشن میں مرکزی ہندوستانی قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ اسی حیثیت سے آپ پاکستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبر بھی بنے۔ ۱۰ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح سے غیر منقسم ہندوستان کے گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن کے حکم سے نئی منتخب شدہ دستوریہ پاکستان کے جلسے ہونے شروع ہوئے۔ مسٹر لیاقت علی کی تحریک اور خواجہ ناظم الدین کی تائید پر اس اجلاس کے چیئرمین مسٹر منڈل غیر مسلم بنائے گئے۔ مگر یہ صدارت عارضی اور وقتی طور پر تھی۔ چنانچہ بعد ازاں دوسرے اگلے دن کے اجلاس میں دستوریہ کے پریزیڈنٹ متفقہ طور پر قائد اعظم چن لئے گئے۔

تلاوت قرآن کریم اور علامہ

دستوریہ کے پہلے اجلاس کا افتتاح علامہ نے قرآن کریم کی حسب ذیل آیات سے فرمایا۔

قل اللهم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء و تنزع الملک ممن تشآء
و تعز من تشآء و تذل من تشآء بیدک الخیر انک علیٰ کل شئ قدیر

کہہ دیجئے (اے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اے ملک کے مالک تو جس کو چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں خیر ہے تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کے بعد ہمیشہ دستوریہ کے اجلاس کا افتتاح قرآن کریم سے ہونا دستور بن گیا۔

اہل پاکستان کی خدمت

پاکستان بنا تو آبادکاری کے مسئلہ نے تمام ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ علامہ نے ہر اس شخص کی

خدمت کی جو آپ سے کوئی تمنا اور درخواست لے کر گیا اور رات دن لوگوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ آپ لوگوں کی حکومت پاکستان سے سفارش کرتے خود تشریف لے جاتے اور کام کراتے۔

لامکانی

یوں تو آپ نے سینکڑوں کو آباد کر دیا لیکن اپنے آپ تا وفات کوئی مکان حاصل نہ کیا۔ جب آپ کراچی تشریف لائے تو سب سے پہلے مسٹر ایوب کھوڑو کے بالاخانے پر چند ہفتے قیام فرمایا۔ پھر جیکب لائن میں مسٹر محمد حیات میرٹھی کے یہاں ٹھہرے اور بعد ازاں تا وفات مسٹر اے ایم قریشی کے یہاں مقیم رہے۔

آپ پبلک میں حد سے زیادہ مقبول ہو چکے تھے اور حکومت بھی آپ کی دل سے قدر کرتی تھی یہی وجہ تھی کہ ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان کی درخواست پر آپ اس کے بڑے سٹیشن بننے پر بھی اس کا افتتاح فرما رہے ہیں کبھی کوئی کارخانہ والا آپ کے دست مبارک سے اپنے کارخانے کی ابتدا کرانا باعث فخر سمجھتا ہے کبھی کسی پبلک جلسہ کی صدارت فرما رہے ہیں اور کبھی کسی انجمن کی۔

علامہ عثمانی کالونی کراچی

آپ کی ہر دلعزیزی ہی کا نتیجہ تھا کہ کراچی میں آبادکاری سوسائٹی نے ایک کالونی علامہ عثمانی کالونی” کے نام پر آباد کرائی۔

علامہ عثمانی ہائی سکول

۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء میں مفتی رشید الدین صاحب مرادآبادی نے ایک اسکول کراچی صدر میں اور ایک اسکول علامہ عثمانی کالونی میں مولانا کی حیات ہی میں آپ کے نام پر قائم کئے۔

پاکستان عرب ثقافتی انجمن کی صدارت

۱۹۴۸ء کے آغاز میں کراچی میں ایک "عرب پاکستان ثقافتی کمیٹی" بنائی گئی۔ جس کا مقصد اسلامی عرب دنیا کے ساتھ پاکستان کے ثقافتی تعلقات کو مضبوط بنانا تھا۔ علامہ کو اس کا صدر بنایا گیا اور اس کے نتیجہ میں ایک عربک کالج قائم ہوا۔

اسلامک ایجوکیشنل سوسائٹی

یہ سوسائٹی بھی کراچی میں قائم کی گئی جس کے صدر علامہ اور سیکرٹری عبدالرحمٰن محمد صاحب قریشی بنائے گئے۔ اس کا مقصد اسلامی نظریات کی اشاعت اور تبلیغ تھا۔ اس سوسائٹی کا کام ابھی تک بخوبی جاری ہے۔

جمعیۃ اخوت اسلامیہ کی صدارت

ایک اور انجمن جمعیۃ اخوت اسلامیہ کے نام سے قائم ہوئی۔ اس کی صدارت بھی علامہ کو سپرد کی گئی اور اس کے نائب صدر مسٹر تمیز الدین چودھری خلیق الرمان، پروفیسر بی اے علیم اور ڈاکٹر عمر حیات بنائے گئے۔ اس انجمن کا شاندار اجلاس علامہ کی زیر صدارت ہوا جس میں مصر، سعودیہ عرب، شام، افغانستان، فلسطین، لنکا، ایران، لیبیا، ملایا، یمن، عراق اور شرق اردن کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اور پورے جوش وخروش سے اس کے اجلاس ہوئے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

رئیس جامعہ عباسیہ و خیر المدارس

وزیر تعلیم بہاولپور مسٹر حسن محمود کی درخواست پر آپ نے جامعہ کی سرپرستی قبول فرمائی اسی طرح مدرسہ خیر المدارس کے بانی مولانا خیر محمد صاحب کی درخواست پر آپ نے مذکورہ مدرسہ کی بھی سرپرستی قبول فرمائی۔

مسئلہ کشمیر

پاکستان میں آکر آپ کو مسئلہ کشمیر سے سخت دلچسپی رہی۔ اس سلسلہ میں جیکب لائن میں آپ نے تقریر فرمائی اور بہت سا سرمایہ جمع فرما کر کشمیر کے مجاہدین اور مجروحین کی امداد کے لئے بھیجا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی کو ڈھاکے تحریر فرمایا کہ وہ بھی کشمیر کے لئے چندہ جمع فرمائیں انہوں نے دس ہزار روپیہ وہاں سے بھیجا۔ علاوہ ازیں علامہ نے ڈاکٹروں کا بھی ایک وفد امدادی ترتیب دیا تاکہ وہاں جا کر مجاہدین کی مرہم پٹی کریں اور مجروحین کی ہمدردی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔

ترغیب جہاد

جمرود (سرحد) میں حضرت سید شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے معتقدین رہتے ہیں ان کے ایک بڑے مجاہد مولانا فضل الٰہی صاحب ثمرقندی کو جو مولانا کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ علامہ نے جہاد کے لئے تیار کیا اور آپ نے اپنی جماعت کے ساتھ وہاں جہاد کیا۔ جس کا نتیجہ نہایت ہی شاندار نکلا۔ اور جماعت کو بڑی کامیابی ہوئی۔

جہاد کا فتویٰ

علامہ نے کشمیر میں جہاد کا فتویٰ دیا اور اس فتویٰ کی تمام ممالک اسلامیہ کے علماء اور شیوخ نے موافقت کی۔ علاوہ ازیں مولانا مودودی کو دلائل سے مطمئن کیا کہ کشمیر کی جنگ اسلامی جہاد

ہے اور بالآخر مولانا مودودی نے آپ کے دلائل کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور یہ ماننا پڑا کہ ملکی مصلحت کے خلاف جانا دانشمندی کے لائق نہیں۔

دستور ساز اسمبلی میں کشمیر پر تقریر

اس کے علاوہ آپ نے دستور ساز اسمبلی میں کشمیر کے متعلق ولولہ انگیز تقریر فرمائی اور آپ کی تقریر پر حکومت نے ایک کمیٹی مقرر کی جو کشمیر کمیٹی کے نام سے موسوم ہوئی۔

وفات قائداعظمؒ

قائداعظمؒ کی وفات پر آپ نے ایک گھنٹہ تک زبردست تقریر فرمائی اور قوم کے مردہ دلوں کو سنبھالا۔ آپ کی تقریر ریڈیو پر تمام ملک میں گونج رہی تھی اور اگلے روز پاکستان کے اخباروں میں شائع ہوئی۔

دستور سازی

پاکستانی گورنمنٹ کی طرف سے ایک سب کمیٹی بنیادی قانون بنانے کے لئے ترتیب دی گئی علامہ بھی اس کے رکن تھے۔ سر ظفر اللہ نے کہا کہ میں نے سب کے آئین دیکھے لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی سے بہتر کسی نے آئین مرتب نہیں کیے۔ اور جو دفعات انہوں نے بنیادی طور پر ترتیب دی ہیں وہ حد سے زیادہ قابل تحسین ہیں۔

اسلامی قانون سازی

آپ نے ہندوستان سے مولانا مناظر احسن گیلانی اور مسٹر عبدالحمید صاحب حیدر آبادی مشہور قانون دان کو بلایا اور رات دن اسلامی دستور کے بنیادی اور جزئی اصول اور قوانین بنانے کا کام سرانجام دیا۔ چنانچہ آج بھی وہ دفاتر مولانا احتشام الحق صاحب کے پاس موجود ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ پہلی جلد میں اس کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

قرارداد مقاصد

علامہ جب سے پاکستان پہنچے آپ کی پوری کوشش یہ رہی کہ پاکستان کے قانون کے متعلق کم از کم میرے سامنے دستور ساز اسمبلی یہ پاس کر دے کہ پاکستان کا آئندہ دستور قرآن و سنت ہو گا چنانچہ اس کے لئے آپ نے پوری قوم کو بیدار کیا۔ ملک کے لوگوں کی آواز بلند کرائی۔ اراکین دستور ساز پر زور دیا۔ مسٹر لیاقت علی کو فہمائش کی اور اسی مقصد کے لئے ڈھاکے میں تین روز

کانفرنس فروری ۱۹۴۹ء میں منعقد ہوئی اور وہاں ایک زبردست خطبہ صدارت دیا۔ ان تمام امور کے نتائج میں پاکستان کے لئے آئندہ دستور کے لئے مسٹر لیاقت علی مرحوم نے حضرت علامہ کے ہی بنائے ہوئے اصولوں اور مضمون کے مطابق دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد کے نام سے تجویز پیش کی جس کی تاریخی تائید علامہ عثانی نے کی جس کا کئی بار پہلے کتاب میں تذکرہ آچکا ہے اور یہی وہ مقصد تھا جس کی خاطر قدرت نے علامہ کو تحریک پاکستان کے لئے کھڑا کیا تھا۔ آپ کا خیال تھا کہ قانون اسلامی کی تجویز اگر ہماری کوششوں سے پاس ہوگئی تو آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی اور ایسے بندے کو قدرت سے بھیج دے گا جو اس قانون کو سارے ملک میں نافذ کرا سکے۔

علامہ کا حکومت کو چیلنج

قرارداد مقاصد کی تجویز سے پہلے آپ نے ڈھاکے کے خطبہ میں حکومت کو اسی طرح کا چیلنج دیا جیسا کہ علمائے حق اپنے اپنے زمانے میں حق کو بلند کرنے کے لئے جابر حکومتوں کو دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"خواہ ارباب اقتدار ہمارے ساتھ کچھ ہی برتاؤ کریں ہم اس کوشش سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتے کہ مملکت پاکستان میں اسلام کا وہ دستور و آئین اور وہ نظام حکومت تشکیل پذیر ہو جس کی رو سے اس بات کا موثر انتظام کیا جائے کہ مسلم قوم اپنی زندگی اسلام کے انفرادی و اجتماعی تقاضوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق جو قرآن و سنت سے ثابت ہوں مرتب و منظم کر سکے"۔ (ص ۶'۷)

مملکت پاکستان کے لئے حضرت عثانی کے مرتب کردہ بنیادی اصول

آپ نے ڈھاکے کے خطبہ میں مملکت پاکستان کے اسلامی آئین کی تجویز کو پاس کرانے کی تجویز کے ساتھ ساتھ وہ بنیادی اصول بھی پیش کیے ہیں جن پر کوئی حکومت چل کر فلاح و کامیابی کا راستہ حاصل کر سکتی ہے۔ علامہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ساری ملت اسلامیہ متحد و یکجان ہو کر اپنی قدرت کی آخری حد تک وہ قوت فراہم کرے جس سے ابلیسی لشکروں کے حوصلے پست ہو جائیں ظاہر ہے کہ اس چیز کی تکمیل و انصرام موقوف ہے اس پر کہ ہماری سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان پہلے اپنے قیام کی اصلی غرض و غایت اور بنیادی اصول کو سمجھ لے جو ہمارے نزدیک حسب ذیل ہونے چاہئیں۔

(ا) اللہ تعالیٰ کو سارے ملک کا مالک اصلی اور حاکم حقیقی مانتے ہوئے اس کے نائب امین کی حیثیت سے اسی کی مقرر کردہ حدود کے اندر پوری مسؤلیت کے خیال کے ساتھ حکومت کا کاروبار چلانا۔

(ب) بلاتفریق مذہب وملت ونسل وغیرہ تمام باشندگان پاکستان کے لئے امن وانصاف قائم کرنا اور دوسری اقوام کو بھی اس مقصد کی طرف دعوت دینا۔

(ج) جملہ معاہدات کا احترام کرنا جو کسی دوسری قوم یا مملکت سے کئے گئے ہوں۔

(د) غیر مسلم باشندگان پاکستان کے لئے جان ومال اور مذہب کی آزادی اور شہری حقوق کے تحفظ کے ساتھ مذہب اسلام کی حفاظت اور تقویت کا بندوبست کرتے ہوئے مسلم قوم کو ان قوانین الٰہیہ کا پابند بنانے کی انتہائی سعی کرنا جو مالک الملک نے ان کے فلاح دارین کے لئے نازل فرمائے ہیں۔

(ہ) تمام باشندگان پاکستان کی انفرادی صلاحیتوں کی کامل حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے معاشی حالات میں مناسب اور معتدل توازن قائم کرنا اور تا بحد امکان کسی فرد کو بھی ضروریات زندگی سے محروم نہ ہونے دینا۔

(و) خصوصیت کے ساتھ ربا (سود) مسکرات (نشہ آور اشیاء) قمار (جوا) اور ہر قسم کے معاشرتی فواحش کے سدباب کی امکانی کوشش کرنا۔

(ز) قومی معاشرہ کو بلند خیالی کے ساتھ ساتھ سادہ اور ستھرا بنانے کی ہر جائز کوشش کرنا۔

(ح) مغربی طرز کی پیچ در پیچ عدالتی بھول بھلیوں سے نکال کر عوام کے لئے امکانی حد تک سستا اور تیز رفتار انصاف حاصل کرنا۔

(ط) ان پاک اور بلند مقاصد کے لئے ایک ایک مسلمان کو بقدر ضرورت دینی وعسکری تربیت دے کر اسلام کا مجاہد اور پاکستان کا سپاہی بنا دینا۔

یہ ہیں وہ زریں اور پیارے بنیادی اصول جو علامہ نے اپنی حکومت کے لئے پیش کیے ہیں جو ان کی اسلامی قانون دانی اور سیاسی بیدار مغزی پر روشن دلیل ہیں۔

دارالعلوم اسلامیہ

آخری ایام میں آپ کی یہ انتہائی کوشش رہی کہ پاکستان میں ایک مرکزی دارالعلوم دیوبند کے نمونے کا قائم فرمائیں۔ اس سلسلہ میں کراچی اور پاکستان کے معتدد اشخاص اور علما کو آپ نے دعوت دی اور ممبر سازی کا کام شروع فرمایا۔ مختلف جلسوں میں دارالعلوم کی تشکیل پر مشورے کئے گئے لیکن اسی اثناء میں موت کا پیغام آ پہنچا اور آپ ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ھوالاول والآخر والظاھر والباطن و صلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

محمد انوار الحسن شیر کوٹی پروفیسر اسلامیہ کالج لائلپور ۱۵ اگست ۱۹۵۷ء